قائداعظم اور ان کا عہد

حیات محمد علی جناح

رئیس احمد جعفری

مقبول اکیڈمی

قائداعظم اور انکا عہد

حیات محمد علی جناح

رئیس احمد جعفری

مقبول اکیڈمی

ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

قائداعظم اور اُن کا عہد

اہتمام ــــ ملک مقبول احمد
مطبع ــــ پنجاب پریس لاہور
قیمت ــــ ساٹھ روپے

مقبول اکیڈمی، لاہور

طرازِ بیاں

لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں،
ہمارا مطمعِ نظر کیا ہے؟ بات
بالکل صاف ہے برطانیہ کا
مقصد ہندوستان پر حکومت کرنا
ہے، مسٹر گاندھی اور کانگرس کی
خواہش ہے کہ ہندوستان پر اور
مسلمانوں پر حکومت کریں،
ہم کہتے ہیں، ہم نہ برطانیہ کو
مسلمانوں پر حکومت کرنے دیں
گے نہ مسٹر گاندھی اور کانگرس کو
ہم دونوں کے اثر سے آزاد ہونا
چاہتے ہیں ——— محمد علی جناحؒ ★

(تقریر آل انڈیا مسلم لیگ کونسل بمقام دہلی، ۲۵ فروری ۱۹۴۶ء)

جملہ حقوق محفوظ

اہتمام ——— ملک [illegible]
مطبع ——— [illegible] پریس لاہور
قیمت ——— [illegible] روپے

مقبول اکیڈمی لاہور

خدا آں ملتے را سروری داد
کہ تقدیرش بدستِ خویش بنوشت
بہ آں ملت سروکارے ندارد
کہ دہقانش برائے دیگراں کشت

اقبالؔ

اِنتساب

مس فاطمہ جناح کے نام

محمد علی جناحؒ

ملّت ہے فوج، فوج کا سردار ہے جناح
اسلامیوں کے ہاتھ میں تلوار ہے جناح

ملّت تھی بے زبان، زبان مل گئی اسے
شوقِ جہادِ قوم کا اظہار ہے جناح

مولاناؒ وقفِ دیر ہیں، علامہؒ رہینِ غیر
یہ سب غبارِ راہ ہیں کہسار ہے جناح

دشمن ہزار اُدھر، تنِ تنہا ہے یہ اِدھر
بیباک ہے غیّور ہے خود دار ہے جناح

باطل سے جنگ حق کا تحفّظ، فلاحِ عام
گر دینِ حق یہی ہے تو دیندار ہے جناح

اب دیکھ آنکھ کھول کے اور دُور دُور دیکھ
اے قوم تیرا دیدۂ بیدار ہے جناح

•• ہر سُو صدا بلند ہوئی زندہ باد کی
اسلامیانِ ہند کا سردار ہے جناح

(میاں بشیر احمد بی۔ اے (آکسن) بیرسٹر ایٹ لا۔ مدیر "ہمایوں" لاہور

تعارف

(از:۔ مولانا عبدالماجد دریابادی مدیر "صدق" لکھنؤ)

"ایمان بالغیب" مسلمان کے لئے کوئی نامانوس یا انوکھی نہیں، خوب بجانی پہچانی ہوئی چیز ہے ـــــ محبت و اخلاص کی شریعت نے اس کا توسیع ایمانیات کے علاوہ دنیا کے کاروبار میں بھی ڈھونڈ نکالا ہے۔

آنکھوں دیکھی نہیں کانوں سنی خبر ہے کہ ریاض خیرآبادی کے فرزند معنوی الور نیر کالپی مولوی سید رئیس احمد جعفری ندوی، جامعی نے کوئی کتاب "محمد علی جناح" کے نام سے لکھی ہے کیا ہوا اگر کتاب نہیں پڑھی کتاب نویس کو تو خوب پڑھ چکا ہوں ـــــ تصنیف نہ سہی مصنف تو خوب دیکھے بھالے ہوئے ہیں۔ ان کے پیکرِ اخلاص ہونے میں کسی کافر ہی کو کلام ہو سکتا ہے وہ جو کچھ لکھتے ہیں قلم کی سیاہی سے نہیں، دل کی گہرائیوں سے لکھتے ہیں اور مشّاقی و پرگوئی کا یہ عالم ہے کہ سیرت محمدؐ علی سے لے کر اب تک شاید کئی ہزار صفحوں کے مجموعے ان کے قلم کے سانچے میں نکل چکے ہیں ـــــ محمدؐ علی کے حالات و کمالات پر تو وہ ایک مستند سند (اتھارٹی) کی حیثیت رکھتے ہیں اور محمدؐ علی جناح کی مناسبت محمد علی کے ساتھ محض نام ہی کی نہیں کام کی بھی ہے۔

خدا کرے کہ انہوں نے لکھنے کا حق ادا کر دیا ہو ـــــ بازار میں بہتر سے بہتر جنس آخر نمونہ ہی دیکھ کر خریدی جاتی ہے، پھر جس کی دکان علم سے اتنے بہتر نمونے اب تک حاصل ہو چکے ہیں اس کے جدید مال سے حسن ظن قائم کرنے کو آخر کوئی رجم بالغیب کیوں قرار دے؟

میں قلمی دنیا کے اس رئیس کے لئے مستقبل کا "رئیس التحریر" لقب استعمال کرنے ہی کو تھا کہ اس لفظ کے سوء استعمال کی مثالیں یاد پڑ گئیں اور چلتا ہوا قلم اس منزل پہنچتے ہی رک گیا۔

عبدالماجد۔ دریاباد۔ بارہ بنکی۔ ۲۵ فروری ۱۹۴۶ء

مدیرِ صدق کا تبصرہ

کتاب چھپنے کے بعد مدیر صدق کا جو تبصرہ "صدق" میں شائع ہوا تھا حسبِ ذیل ہے۔

حیاتِ محمد علی جناح
از مولوی رئیس احمد صاحب جعفری ندوی، جامعی
ضخامت ۸۶۴ صفحات۔ قیمت درج نہیں۔

ملنے کا پتہ:- کتب خانہ تاج آفس، محمد علی روڈ بمبئی۔

"سیرت محمد علی" کے مؤلف کو ایک دوسرے محمد علی کی سوانح مرتب کرنی پڑی ہے۔ اس ہفت خوان کو آٹھ سو سے زاید صفحات میں، قلم کے اس دھنی اور نام ہی کے نہیں تحریر کے بھی رئیس نے خوبی و خوش اسلوبی سے سر کیا اور کمال یہ کہ سوانح تنہا محمد علی جناح کی نہیں رہی، بلکہ مسلمانانِ ہند کی سیاسی تحریکات کی، جس ہی قدر تا لیگ کے نشاۃ ثانیہ کے بعد کے زمانہ کی زیادہ تفصیل درج ہے مختصر اور جامع تاریخ آگئی اور شاید ہی کوئی اہم واقعہ مؤلف کے قلم سے نظر انداز ہوا ہو۔ محمد علی جناح کی حیات سے زیادہ اُن کے کارناموں اُن کے وقت کے سیاسی ماحول، اُن کی تحریکات اُن کے معرکوں اور حریفوں کی ریشہ دوانیوں اور نکتہ چینیوں کا ذکر اور اُن کے مدلل و براہین جواب سے یہ کتاب پُر ہے۔ کتاب میں طوالت ضرور ہے لیکن دلچسپی میں کہیں کمی نہیں ہونے پائی، قلم کی روانی، مضامین کا تلاطم، ہر جگہ، ہر باب ہر فصل میں یکساں نمایاں ہے، سیاست سے دلچسپی لینے والوں کے لئے ذرا مشکل ہی سے ہے کہ ایک بار کتاب شروع کرنے کے بعد بلا ختم کئے ہاتھ سے رکھ سکیں کتاب کے آخر میں چند ضمیمے ہیں جن میں ہندوستان کی سیاسی تحریکوں کی تاریخ، کابینی وفد کی آمد وغیرہ، ۲ جون ۱۹۴۷ء تک کے سیاسی مراحل کی تفصیلات درج ہے۔ کتاب کے شروع میں مدیر "صدق" کا مختصر مگر دلچسپ تعارف شامل ہے۔ اغیار نے اپنے نقطۂ نظر سے نہ معلوم

کتنی کتابیں ضخیم اور مختصر، اعلیٰ اور ادنیٰ ہر قسم کی اپنی سیاسی تحریکات، اپنے لیڈروں کے کارناموں اور سوانح کے بارے میں لکھ ڈالی ہیں۔ مسلمانوں کا ذخیرۂ سیاسی اس لحاظ سے بہت ہی نامکمل ہے۔ انگریزی کا ذکر ہی کیا اُردو ہی میں گنتی کی چند کتابیں ہیں۔ مولوی رئیس احمد صاحب کی اس تالیف نے اس اہم کمی کو پورا کیا ہے، محمد علی مرحوم کی سیرت اگر ان کی سوانح نگاری کا نقشِ اوّل ہے تو محمد علی جناح کی سوانح حیات اور سیاسی کارناموں پر ان کی یہ تالیف نقشِ ثانی کی حیثیت رکھتی ہے اور اُردو خواں طبقہ کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ سیاست کے لحاظ سے بھی، ادب کے اعتبار سے بھی اور مذہبی چاشنی کے اعتبار سے بھی۔

کتابیات

اس کتاب کی تردید و تسوید کے سلسلہ میں موضوع سے متعلق اردو کی تمام کتابیں پیشِ نظر رہیں۔ علاوہ ازیں حسب ذیل انگریزی کتابوں سے بھی استفادہ کیا:۔

(۱) VERDICT ON INDIA (BEVERLY NICHOLAS)

(۲) JINNAH FACES ASSIASSIN (PIRBHAI BARATLAW)

(۳) PAKISTAN AND MUSLIM INDIA (R-T-A)

(۴) JINNAH A POLITICAL STUDY (M-H-SAIVID)

(۵) LIFE AND TIMES OF C-R-DAS (P-C ROY)

(۶) THOUGHTS ON PAKISTAN (DY AMBEDKAR)

(۷) MY LEADER (Z-A-SULERI)

(۸) MEET MR JINNAH (RAVOOF)

(۹) PIRPUR COMMITTEES REPORT (RAJAS-M-MEHDI)

(۱۰) SPEECHES AND WRITINGS OF MR JINNAH (J-AHMED- M-A-)

(۱۱) WHAT GHANDHI AND CONGRESS HAVE DONE TO UNTOUCHABLES (DRAMBEDKER)

(۱۲) سی پی میں کانگرس راج

انگریزی اخبارات میں

TIMES OF INDIA (BOMBAY)

BOMBAY CHORONICALE (BOMBAY)

DAWN (DELHI)

HINDUSTAN TIMES (DELHI)

STATESMAN (CALCUTTA DELHI)

وغیرہ نیز بعض اردو اخبارات کے حسب ضرورت فائل

رئیس احمد جعفری (ندوی)

۱۸ر جون سنہ ۴۷ء

حرفِ آغاز

قائداعظم کی یہ سوانح عمری پہلے پہل متحدہ ہندوستان میں چھپی تھی، دس ہزار کا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ ایک سال سے کم مدت میں نکل گیا، پھر فوراً ہی اس کا دوسرا ایڈیشن پانچ ہزار کی تعداد میں چھپا۔ یہ وہ وقت تھا جب تقسیم ہند کا اعلان ہو چکا تھا اور رضاکارانہ طور پر بعض لوگ نقل مکان کی تیاری کر رہے تھے۔ اور کراچی و لاہور میں آ آ کر مکانوں اور دکانوں کا بندوبست کر رہے تھے۔ یہ ایڈیشن بھی جلد ختم ہو گیا۔

میں نے یہ کتاب بڑی محنت سے لکھی تھی اور اس میں زیرِ بحث موضوع پر بڑی کاوش اور جستجو کے بعد مستند ترین مواد شامل کیا تھا، میری خواہش تھی کہ یہ کتاب پاکستان میں چھپے، اس لئے کہ متحدہ ہندوستان میں جتنی اس کی ضرورت تھی پاکستان میں اس سے زیادہ تھی، اپنے اصول اور عادت کے خلاف بعض ناشرین کو میں نے اس کارِ خیر پر آمادہ بھی کرنا چاہا اور اپنی طرف سے ایثار کا ثبوت بھی دینا چاہا۔ لیکن کام نہ بن سکا، آخر ملک مقبول احمد صاحب کے دل میں میری بات اتر گئی اور وہ اس مہم کو سر کرنے پر تیار ہو گئے جس کے لئے میں اُن کا سپاس گزار ہوں۔

پہلے یہ کتاب "حیات محمد علی جناح" کے نام سے چھپی تھی، اب ترمیم و تنسیخ اور حذف و اضافہ کے بعد "قائداعظم اور اُن کا عہد" کے نام سے شائع ہو رہی ہے۔

رئیس احمد جعفری (ندوی)
۸۹ - ٹیگو پارک
لاہور

فہرست ابواب

فہرست ضمیمہ جات

قائدِ اعظم کا تعارف

○

محمد علی جناح!

کتنا عجیب و غریب ہے یہ نام

ہندوستان کے در و دیوار ملک کا چپہ چپہ سیاسی جماعتوں اور گروہوں کی بزم و محفل کا ایک ایک گوشہ آج اسی ایک نام سے گونج رہا ہے۔ کانگرس کے پلیٹ فارم پر بھی اسی کا ذکر۔ مہاسبھا کے پنڈال میں اسی کا تذکرہ، معتزلین کے مشورت خانوں میں اسی کا چرچا، حکومت کے دفتروں اور ایوانوں میں اسی کی وحشت، مسلمانوں کی ہر مجلس اور ہر انجمن میں اسی کا نام وردِ زبان، ہر روز جب سورج طلوع ہوتا ہے اور ہر شام جب شب مہتاب جلوہ نشاں ہوتی ہے، یہی ایک نام ہے جس پر کہیں لعنت بھیجی جاتی ہے اور کہیں رحمت۔ کہیں اسے بدترین خلائق ثابت کیا جاتا ہے اور کہیں اسے ملتِ اسلامیہ کا ناخدا، کہیں اس کی غداریوں اور ملک آزاریوں کا رونا رویا جاتا ہے اور کہیں اس کی بیدار مغزی اور وصفِ قیادت کے گن گائے جاتے ہیں۔ کہیں اسے حکومت کا ایلچی سمجھا جاتا ہے اور کہیں مسلمانوں کا نجات دہندہ کبھی اسے بندۂ اغراض بتایا جاتا ہے اور کبھی اس کی بے لوثی

کی قسمیں کھائی جاتی ہیں۔ غرض بیک وقت ایک ہی ملک اور بعض حالات کے ماتحت ایک ہی قوم میں یہ نام مردود بھی ہے اور محبوب بھی۔ مردود ایسا کہ بس چلے تو یہ آواز ہمیشہ کے لئے بند کر دیں۔ محبوب ایسا کہ ممکن ہو تو اسے عمر خضر، حیات جاوداں اور نیک نام کے ساتھ رہتی دنیا تک زندہ رکھیں۔ بڑے آدمی اپنے دورِ حیات میں ہمیشہ اسی طرح داد و تحسین اور سب و شتم کے متضاد جذبات کے ساتھ یاد کئے گئے۔ یہی آج جناح کے ساتھ ہو رہا ہے، یہی کل اس کے جانشین کے ساتھ ہوگا۔

مسٹر جناح کی سیاسی زندگی کانگرس سے شروع ہوتی ہے۔ شروع میں وہ اتنے بڑے نیشنلسٹ تھے کہ مسلم لیگ میں شرکت سے بھی انہیں عار تھا۔ وہ کانگرس میں شریک ہوئے اور بہت جلد چوٹی کے لیڈروں میں شمار ہونے لگے۔ صاف گوئی، بیباکی، اصول پرستی، جذبۂ صادق یہ تھے وہ زینے جن پہ قدم رکھ کر جناح نے قوم پرستی کی منزلیں طے کیں اور بہت جلد یہ نوجوان بوڑھے اور کار آزمودہ سرد و گرم چشیدہ، سرداروں اور رہنماؤں کی آنکھوں کا تارا بن گئے۔

کانگرس کو جناح کی ذات پہ، اس کے اصول و عقائد پہ، اس کی فہم و فراست، تدبر، دور بینی اور اصابت رائے پر کس درجہ اعتبار تھا۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۱۹۱۴ء میں اس نے جدید اصلاحات کے سلسلہ میں ملک کا صحیح نقطۂ نظر برطانوی پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرنے کے لئے جو وفد بھیجا تھا اس کا سر گروہ اور رہنما یہی جناح تھا۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں کو کانگرس سے قریب تر کرنے میں جناح کا بہت بڑا حصہ ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمان کانگرس کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرتے تھے۔ حکومت کی نیازمندی کو "راہ نجات" سمجھتے تھے۔ ہندوؤں سے بے تعلقی فرائض پنجگانہ کی طرح ایک چھٹا فریضہ سمجھتے تھے۔ ایسے زمانہ میں کسی مسلمان کا کانگرس کی حمایت کرنا اس کے اصولوں کی تبلیغ کرنا، مسلمانوں میں اسے مقبول و محبوب بنانے

کی کوشش کرنا بڑی ہمت اور حوصلہ کا کام تھا۔ لیکن جناح کی ہمت اور حوصلہ نے یہ کار دشوار سرانجام دیا اور اس طرح انجام دیا کہ بڑے بڑے کانگرسی اسے ہندو مسلم اتحاد کا قاصد فرخندہ فال سمجھنے لگے۔ مسز نائیڈو نے تو ایک کتاب ہی لکھ ڈالی "جناح ہندو مسلم اتحاد کا سفیر"!

جناح نے ملک کے جو گراں قدر خدمات انجام دئے۔ ان کے اعتراف و سپاس کا سب سے بڑا ثبوت "جناح ہال" ہے جسے کانگرس نے بنایا اور وہی اب تک اس کی متولی ہے۔ جناح ہال کی رسم افتتاح ۱۹۲۱ء میں مسز سروجنی نائیڈو کے ہاتھوں انعقاد پذیر ہوئی۔ جناح صاحب اس وقت پیرس میں تھے۔ مسز نائیڈو نے وہاں تار بھیجا۔

"پیغمبر کی زندگی میں قوم نے آپ کی قدر جان لی"[1]

مسز اینی بسنت نے اسی موقع پہ کہا تھا۔

جناح جیسی شخصیت بنی نوع انسان کی آزادی کے گلے کا ہار ہے جس کی یاد ہمیشہ تازہ رہے گی"۔

جناح ہال میں آپ داخل ہوں اسٹیج کی عقبی دیوار پہ سنگ بنیاد نظر آئے گا جس پر یہ عبارت کندہ ہے:-

---

[1] بلبلِ ہند مسز سروجنی نائیڈو نہ صرف انگریزی کی بلند پایہ خطیب اور شاعرہ تھیں بلکہ کانگریس کے صفِ اول رہنماؤں میں بھی شمار تھیں۔ ساتھ ہی ساتھ ہندو مسلم کلچر کا وہ جیتا جاگتا نمونہ تھیں۔ قائد اعظم کی عظمت و محبت سے ان کا دل ہمیشہ معمور رہا۔ کانگرسی رہنماؤں میں خاص طور پہ گاندھی جی اور جواہر لال سے قائد اعظم کی جب تلخ ترین لڑائی شروع ہوئی، مسز نائیڈو علی الاعلان ان کی بڑائی اور عظمت کی ثنا خوان رہیں۔ ستمبر ۱۹۴۸ء میں جب قائد اعظم کا انتقال ہوا تو محترمہ فاطمہ جناح کے نام یو پی کے گورنمنٹ ہاؤس سے مسز نائیڈو نے گورنر کی حیثیت سے جو دلدوز اور جگر خراش پیام تعزیت بھیجا تھا وہ ہمیشہ یاد رہے گا۔

۱۹۱۶ء میں مسٹر جناح نے جو باوقار اور شاندار خدمات مادرِ وطن کے انجام دئے ان کی یادگار میں یہ ہال تعمیر کیا گیا!"

مسٹر جناح کے خصائص میں سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ عزم صمیم کے مالک ہیں۔ وہ سوچ کر ایک راستہ متعین کرتے ہیں۔ پھر اس پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ راہروی کے بعد دنیا کی کوئی طاقت انہیں جادۂ استقامت سے منحرف نہیں کر سکتی۔

ناگپور کانگرس ۱۹۲۰ء تک وہ کانگرس کے مایہ ناز لیڈروں میں شمار ہوتے تھے جب کانگرس نے ترکِ موالات کی تجویز منظور کی، مسٹر جناح نے اپنے اصول کے ماتحت کانگرس سے قطع تعلق کر لیا۔ بہت سے لوگوں کے نزدیک ان کی یہ بہت بڑی غلطی تھی لیکن وہ اپنے مخصوص دلائل کی بنا پر اپنی روش کو صحیح سمجھ رہے تھے۔ وہ تخریب برائے تخریب کے قائل نہیں تھے۔ وہ تخریب برائے تعمیر کے قائل تھے۔ وہ کہتے تھے سرکاری سکولوں اور کالجوں کا بائیکاٹ اگر کراتے ہو تو قومی اسکول اور کالج کھولو بدیشی کپڑے کا اگر مقاطعہ کرانا چاہتے ہو تو سودیشی کپڑے کی ملوں پر ملیں قائم کرو۔ صرف چرخہ کات کر اور فاقہ کر کے تم آزادی نہیں حاصل کر سکتے اور اگر یہ تجربہ کرنا چاہتے ہو تو میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ جناح صاحب کی روش صحیح تھی یا غلط؟ اس سے بحث نہیں لیکن اپنی دیانت دارانہ رائے پر وہ اس درجہ مطمئن تھے کہ اپنی قیادت، ہر دلعزیزی شہرت تک کی قربانی پر تیار ہو گئے۔ دنیا کی ہر قربانی آسان ہے لیکن قیادت کی قربانی صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں قدرت کی طرف سے عزم صمیم ودیعت کیا گیا ہو۔ مسٹر جناح نے اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا کہ اس باب میں قدرت نے ان کے ساتھ فیاضی سے کام لیا ہے۔ ان کی لیڈری ختم ہو گئی، آوازے کسے گئے، طعنے دئے گئے اور سماجی بائیکاٹ کیا گیا۔ لیکن انہوں نے خندہ پیشانی کے ساتھ یہ سب کچھ گوارا کیا اور جو راستہ اختیار کر لیا تھا اس سے ایک لمحہ کے لئے بھی منحرف نہیں ہوئے۔

مسٹر جناح چاہتے تو اپنی خاموشی اور ترکِ قیادت کی منہ مانگی قیمت حاصل کر سکتے تھے

اگر سر سنہا[1] لارڈ بن سکتے تھے اور بہار کی گورنری پر فائز کئے جا سکتے تھے۔ اگر سر سریندر ناتھ بینرجی[2] سر بنائے جا سکتے تھے اور بنگال کے کابینہ وزارت میں شریک کئے جا سکتے تھے، اگر سنکرن نائر[3]، تانبے[4]، گوکرن ناتھ مصرا[5] خطابات سے نوازے جا سکتے تھے، چیف کورٹ اور ہائی کورٹ کے جج ہو سکتے تھے۔ کانگرس سے نکل کر سیاسی سربلندیاں حاصل کر سکتے تھے تو مسٹر جناح بھی کسی صوبہ کی گورنری پر فائز کئے جا سکتے تھے۔ کسی عدالت العالیہ کی مسندِ قضا پر متمکن ہو سکتے تھے۔ کسی گورنر کے حجلۂ ناز میں باریاب ہو سکتے تھے لیکن انہوں نے ان راستوں میں سے کوئی راستہ بھی اختیار نہیں کیا۔ وہ قوم کو غلط کار سمجھتے تھے لیکن اپنی غلط کاری کی بنیاد پر سیاسی سربلندیوں کا قصرِ رفیع تیار کرنا نہیں چاہتے تھے وہ نہ سر ہوئے نہ جسٹس، نہ وزیرِ باتدبیر نہ مشیرِ خوش تدبیر ——— قانونی قابلیت، آئینی مہارت اور شاندار خدمات ملکی و ملی کے صلہ میں اگر انہیں ہائیکورٹ کی ججی پیش بھی کی گئی تو انہوں نے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا۔ وزارت کی دعوت بھی دی گئی تو انہوں نے بیک تبسم اسے مسترد کر دیا۔ خطابات کا دام بچھایا گیا لیکن وہ ایک جست میں اس طرح نکلے جیسے کڑی کمان سے تیر نکلتا ہے۔ مرکزی اسمبلی کی صدارت کا دروازہ آغوشِ شوق کی طرح ان کے لئے کھلا ہوا تھا لیکن انہوں نے کبھی ادھر رخ بھی نہیں کیا۔ وہ سرکاری کمیٹیوں کے ذریعہ اپنی جیبیں بھر سکتے تھے لیکن اس خوانِ یغما پر بھی انہوں نے نظر نہ ڈالی۔

وہی جناح جو ہندو مسلم اتحاد کا پیامبر سمجھا جاتا تھا جسے تلک اور گوکھلے، دادا بھائی

---

[1] پہلے اور آخری ہندوستانی شخص تھے جنہیں برطانوی حکومت نے لارڈ کے خطاب سے نوازا۔
[2] بنگال کے بہت بڑے سیاستدان جوانی میں انتہا پسند، بڑھاپے میں اعتدال پسند، شروع میں آگ [illegible]
[3] مدراس کے معتدلین کے رہنما۔
[4] سی پی کے سربرآوردہ سیاست دان۔
[5] یوپی کے نہایت ذہین اور قابل وکیل جو بعد میں اودھ چیف کورٹ کے جج بنے۔ ہندو لیکن مسلم تہذیب کا پیکر۔ ان کے چھوٹے بھائی ہرکرن ناتھ مصرا پکے کانگرسی تھے۔ خلیق الزماں کے ساتھ جیل میں بھی رہے۔ مولانا محمد علی انہیں "مسلم ہندو نما" کہا کرتے تھے

نورو جی، گاندھی جی، مسز سروجنی نائیڈو علمبردارِ اتحاد سمجھتے تھے جب کانگرس کی مسلم آزاریوں کے سبب کانگرس سے برگشتہ ہوا تو خم ٹھونک کر اس طرح میدان میں آیا کہ بڑے بڑے حریف پنجہ فگن دنگ رہ گئے۔ یہ موقع پھر ایثار و قربانی کا تھا۔ اس مرحلہ پر بھی جناح نے ایثار و قربانی کی روش ترک نہیں کی۔ پہلے ہر دلعزیزی اور قیادت کی قربانی کرنا پڑی تھی اب پچھلے کارناموں، گزشتہ یادگاروں اور مسلمہ حیثیتوں کی قربانی کا وقت آیا اور اس امتحان میں بھی وہ کامیاب ہوا جو اسے علمبردارِ اتحاد سمجھتے تھے۔ اب افتراق و نفاق کا ہیولیٰ سمجھنے لگے جن کی نظروں میں وہ اپنی غیر فرقہ پروری کے سبب معزز تھا۔ اب وہی نظریں فرقہ پرستی کے جرم میں نفرت و حقارت کی نگاہیں بن گئیں لیکن وہ ستائش کی تمنا اور صلہ کی پروا سے ہمیشہ بے نیاز رہا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں نے جن سے وہ پہلے الگ تھلگ رہتا تھا اسے اپنا قومی ہیرو، ملی وکیل، جماعتی ناخدا بنا لیا اور کانگرس نے جہاں سے اس کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوا تھا۔ فرقہ پروری کے جرم میں اپنی بارگاہِ فلک پائگاہ کے دروازے اس کے لئے بند کر لئے۔

کانگرس سے جناح نے صرف اس لئے علیحدگی اختیار کی تھی کہ رفتہ رفتہ وہ ہندو مہاسبھا بن گئی تھی لیکن جب کبھی حق کا سوال آیا، اصول کا مرحلہ درپیش ہوا، ملک کے مشترک اغراض و مقاصد کا معاملہ سامنے آیا اس نے اپنی تمام مخالفتیں بالائے طاق رکھ دیں، اور کانگرس کا ساتھ دے کر حکومت کو ذلت بخش شکستیں دیں۔

مرکزی اسمبلی میں کانگرس نے جتنی فتحمندیاں حاصل کیں ان کا بیشتر حصہ رہین منت ہے جناح کے تعاون اور اشتراک کا، ایسے موقعوں پر اس نے یہ کبھی نہیں دیکھا کہ کانگرس سے اسے اور اس کی قوم کو کیسے سنگین اختلاف ہیں۔ اس نے صرف یہ دیکھا حق کا تقاضا کیا ہے؟ اور اسی پر اپنے عمل اور رائے کی باگ موڑ دی۔ کانگرس پارٹی کی لیڈری بھولا بھائی ڈیسائی جیسے خالص کانگرسی کے ہاتھ میں ہو یا سرت چندر بوس جیسے پختہ کار مہاسبھائی کے

ہاتھ میں۔ اگر کانگرس حق پر ہوئی تو حکومت کے مقابلہ میں اسی دشمن کے تعاون سے وہ جیتی۔

مسلمانوں کے افتراق و انتشار، ان کے لیڈروں کے مورد ملخ کی سی تعداد اور ان کی مختلف الاغراض جماعتوں کے تصادم نے حکومت کی نظروں میں بھی مسلمانوں کی اہمیت کم کر دی اور کانگرس کی نگاہوں میں بھی تمام اہم معاملات میں وائسرائے اور گورنر کانگرسی لیڈروں سے مشورہ کر لینا اپنا آخری فرض سمجھتے تھے۔ اسی طرح ہر معاملہ کا فیصلہ کانگرس بطورِ خود کر لیا کرتی تھی بغیر یہ پوچھے ہوئے کہ مسلمانوں کی رائے اس باب میں کیا ہے؟

لیکن مسلم قوم کی عنانِ قیادت جب مسٹر جناح نے اپنے ہاتھ میں لے لی تو تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مسلمانوں کی اہمیت کا یہ عالم ہو گیا کہ وائسرائے بھی ان کی اہمیت محسوس کرنے لگے اور گورنر بھی اور کانگرس کو بھی "مسلم ماس کنٹیکٹ"[1] کا جال بچھانا پڑا۔ یہی مسلمان تھے جو اردو ال سو رانده و از این سو درمانده بنے ہوئے تھے، اب وہی مسلمان ہیں جن کے جذبات کا احترام برطانوی وزیرِ اعظم صاحب بھی کرتے ہیں۔ گاندھی جی، جواہر لال بھی حالات میں یہ انقلاب، فضا میں یہ تغیر، طرزِ عمل میں یہ تبدیلی کس نے کی؟ جواب صرف ایک ہے مسٹر جناح نے۔

۲۹ء میں لارڈ ارون (اب لارڈ ہالی فیکس) نے اعلان کیا کہ ہندوستان کی منزلِ مقصود درجہ نو آبادیات ہے۔ اس سلسلہ میں گاندھی جی سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے ہندو کانگرسی تک کو قصرِ وائسرائے میں صلاح و مشورہ کے لئے طلب کیا گیا۔ مولانا محمد علی مرحوم دہلی میں تھے، انہیں پوچھا بھی نہیں گیا۔ اطرافِ ہند سے ہندو لیڈر بلوائے گئے۔ مولانا شوکت علی کو اس مشورہ میں شریک کرنے کی ضرورت بھی نہیں محسوس

---

[1] کانگرس کے مسلم آزار رویہ سے جب مسلمان رفتہ رفتہ اس سے الگ ہونے لگے تو جواہر لال کی تحریک پر کانگرس نے ایک خاص شعبہ اپنے سیکرٹیریٹ میں "مسلم ماس کنٹیکٹ کمیٹی" یعنی مجلس مسلم و رابطہ عوام قائم کی جو مسلمانوں میں کانگرس کا پروپیگنڈہ کرتی تھی لیکن یہ تحریک بہت جلد اپنی موت مر گئی۔

کی گئی۔ اسی طرح ۱۹۲۸ء میں جب کانگرس نے نہرو رپورٹ تیار کرائی۔ مسلمانوں کی رائے عامہ نے اسے مسترد کر دیا۔ مجلسِ خلافت نے اسے رد کر دیا۔ جمعیۃ العلماء دہلی نے اسے مسترد کر دیا۔ احرارِ پنجاب کی ایک جماعت نے اس کی مخالفت کی۔ لیکن کانگرس ٹس سے مس نہ ہوئی۔ وہ زبان سے یہ کہتی رہی کہ یہ صحیفہ آسمانی نہیں ہے جس میں ترمیم نہ ہو سکے اور عمل یہ کرتی رہی کہ مسٹر جناح اور مسٹر چھاگلا (چیف جسٹس[1]) جیسے نیشنلسٹ مسلمانوں کی معمولی ترمیمیں بھی منظور نہ کر سکی۔ کانگرس اور حکومت کو یہ جرأت صرف اس لئے ہوئی کہ کانگرس کے پاس ڈاکٹر انصاری اور ڈاکٹر محمود جیسے پختہ کار نیشنلسٹ تھے جن کی آڑ لے کر وہ مسلمانوں کی رائے عامہ کو ٹھکراتی تھی۔ حکومت کے پاس سر شفیع اور سر فضل حسین کا آزمودہ وفادار تھے جن کے بل بوتے پر وہ مسلمانوں کی رائے عامہ کو وقعت نہیں دیتی تھی۔

لیکن کیا اب بھی یہی حال ہے؟ کیا کانگرس اور حکومت کی اب بھی یہ جرأت ہے؟ آج حکومت کوئی اعلان نہیں کرتی جب تک مسلمانوں کے قائدِ اعظم سے بار بار خط و کتابت صلاح و مشورہ اور استصواب رائے نہ کر لے۔ آج کانگرس ان ترمیموں سے کہیں زیادہ ماننے کو تیار ہے جو اس نے نہرو رپورٹ کے زمانہ میں مسترد کر دی تھیں یہ فروتنی، یہ عاجزی، یہ انکسار، یہ خاکساری حکومت کے پندار نخوت اور کانگرس کے سر پُر غرور میں کس نے پیدا کی؟ کیا مسٹر جناح کے علاوہ کوئی اور نام لیا جا سکتا ہے؟

ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد بہت محدود ہے یہاں کی رائے عامہ غور و فکر کے بعد نہیں قائم ہوتی۔ بالعموم جذبۂ عقیدت کے ماتحت قائم ہوتی ہے۔ استادِ فرنگ نے جمہوریت کا سبق دیا۔ ہندوؤں نے اسے اپنے اغراض و مصالح کے موافق پایا۔ مسلمان نیشنلسٹوں اور "غیر مقلد" مقلد نیشنلزم مسلمانوں نے اسے قبول کر لیا۔ کسی نے یہ نہ سوچا کہ یہ نام نہاد جمہوریت مسلمانوں کے درد کا مداوا ہے یا نہیں؟

[1] سابق چیف جسٹس بمبئی ہائی کورٹ

مسٹر جناح نے اس نام نہاد جمہوریتِ فرنگ کے خلاف نعرۂ حق بلند کیا۔ یہ معلوم ہوا ایک بھرے مجمع میں بم کا گولہ پھٹ پڑا۔ وہی جمہوریت جو کل تک ہر درد کی دوا سمجھی جا رہی تھی آج مسلمان اسے ہندو راج کا ایک نقابِ زریں سمجھ رہے ہیں بلکہ کہیں مل جائے تو کمبخت کے ٹکڑے کر دیں۔

سوچے، سمجھے، اپچے تلے، رچے اور سموئے ہوئے نظریات کا بدلنا ہر شخص کا کام نہیں ہے یہ کام کوئی قائدِ اعظم ہی کر سکتا تھا، اور اسی نے کیا۔

سمجھا جا رہا تھا کہ ہندوستان ایک ملک ہے، سمجھا نہیں سمجھایا جا رہا تھا۔ اس افہام و تفہیم اور پند و موعظت کا سلسلہ ایوانِ پارلیمنٹ، انڈیا آفس، قصرِ وائسرائے اور کانگرس پلیٹ فارم سے اب تک جاری ہے اس سارے دفترِ نصیحت کا مدعا و ماحصل صرف یہ ہے کہ جن چند صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اسے متحدہ اور وحدت کے نام پر گرفت میں لے لیا جائے۔ مسلمان بہت کچھ ہوشیار ہونے کے باوجود اس دامِ ہمرنگ زمین کو نہ سمجھ سکے۔ وحدتِ ہند کے نام پر ایک عرصۂ دراز تک انہیں فریب دیا جاتا رہا اور وہ فریب کھاتے رہے لیکن اب سمجھانے والے نے انہیں سمجھا دیا ہے اور وہ سمجھ گئے ہیں کہ وحدتِ ہند کا فسانہ امپیریلزم کا ایک طلسم ہے اور بس!

ہندوستان کوئی بت نہیں ہے جس کی پوجا کی جائے، کعبہ نہیں جس کی طرف منہ کر کے مسلمان نماز پڑھتے ہوں۔ صحیفہ آسمانی نہیں ہے جسے بغیر وضو کے ہاتھ نہ لگایا جا سکے، وہ ایک ملک ہے اور اس لئے ہے کہ اس کے بسنے والے چین اور آرام سے رہیں یہ چین اور آرام اگر وحدت سے حاصل ہوتا تو یقیناً مسلمان اس وحدت کو شکستہ نہ کرتے لیکن اگر یہ سکھ صرف تقسیم ہی سے حاصل ہو سکتا ہے تو ان کا مطالبہ کانگرس اور حکومت سے صرف ایک ہے اور وہ پاکستان ہے یعنی تقسیمِ ہند۔

یہی تحریک مسٹر رحمت علی نے لندن سے اٹھائی لیکن لوگ مذاق اڑاتے رہے، علامہ اقبال مرحوم و مغفور نے اسے الہ آباد کے اجلاس لیگ میں اٹھایا لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ ڈاکٹر عبد اللطیف نے حیدر آباد سے یہی آواز بلند کی لیکن وہ شے لطیف سے محروم قرار دئے گئے۔ ڈاکٹر ظفر الحسن نے علی گڑھ سے یہی صدا بلند کی لیکن وہ صدا بصحرا ثابت ہوئی لیکن یہی نعرہ جب مسٹر جناح کی زبان پر آیا تو آج سارے اسلامی ہند کا نعرہ اس کے سوا اور کیا ہے۔

ایسے کام وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں قدرت نے قیادت عامہ کے لئے بنایا ہو۔ جناح نے ثابت کر دیا کہ اس کی تخلیق قدرت نے اسی کار اہم کے لئے کی ہے۔

اب تک آپ نے جو کچھ ملاحظہ فرمایا وہ آگے آنے والے اوراق کا پس منظر تھا۔ اب آگے چلئے جوں جوں آپ آگے بڑھتے جائیں گے مسٹر جناح کی اصل شخصیت، ہندوستان کی صحیح صورت حال ہندو کانگرس کی صحیح ذہنیت اور جذبات ملی کی بے مبالغہ کیفیت آنکھوں کے سامنے آ جائے گی ان صفحوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ بتایا جائے مسٹر جناح نے کن حالات میں، کس ماحول میں کس خلوص اور صداقت سے کیا کیا کام انجام دئے۔

آپ کو معلوم ہو گا، مسلمان اقلیت میں ہونے کے باوجود تہی دست اور بے نوا ہونے کے باوجود مفلس اور قلاش ہونے کے باوجود، کم تعلیم یافتہ اور ناخواندہ ہونے کے باوجود ہمیشہ ہندوؤں سے اور کانگرس سے اتحاد کے جویا رہے لیکن ان کا دستِ مصالحت جھٹک دیا گیا، ان کی تمنائیں پامال کر دی گئیں۔ ان کی آرزوئیں ناکام بنا دی گئیں، اب وہ ترک تعلق کر کے زندہ رہنے کا حق حاصل کرنا چاہتے ہیں تو یہ دنیا کے کس آئین و قانون کے تحت جرم ہے؟ کس اخلاق و اصول کے ماتحت شائستہ ملامت ہے مسلمان صرف یہی تو چاہتے ہیں کہ زندہ رہو اور زندہ رہنے دو، یہی تو وہ اصول ہے جس کے لئے کانگرس انگریزوں سے لڑ رہی ہے اور اسی اصول کی خاطر مسلمان ہندوؤں کے مقابلہ میں صف آرا ہیں۔ پھر اگر کانگرس داد و تحسین کی مستحق ہے تو مسلمان کیوں ملامت اور نفرت کے مستحق ہیں۔

رئیس احمد جعفری۔ ایڈیٹر روزنامہ انقلاب بمبئی۔

عہد طفولیت، تعلیم و تربیت

بمبئی کی طرح کراچی میں بھی خوجہ جماعت کافی تعداد میں آباد ہے۔ کراچی کے ایک تاجر پیشہ، خوشحال اور متمول خوجہ، جناح پونجا تھے۔ سیاسیات سے الگ کاروبار میں مصروف چمڑے کی تجارت کرتے تھے اور سکھ کی زندگی بسر کرتے تھے لیکن ایک کانٹا تھا جو دل میں کھٹکتا رہتا تھا۔ اولاد نرینہ سے محروم تھے۔ خاندان کا نام کس سے چلے گا؟ اس کا کاروبار کون سنبھالے گا؟ یہ ایک چبھن تھی جو رہ رہ کے دل میں ہوا کرتی تھی۔

آخر وہ دن آیا کہ چبھن دور ہو گئی۔ یہ کانٹا نکل گیا۔ چمنستان زندگی میں فکر، غم اور مایوسی کی کبھی کبھی جو بادِ سموم چلا کرتی تھی وہ باد مراد بن گئی۔ ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو اتوار کے روز پونجا کے خاندان میں وہ نونہال پیدا ہوا جس نے ناامید باپ کے گھر میں امید کے چراغ جلا دئے جس نے مایوس ماں کی گود ایک مہکتے ہوئے پھول سے بھر دی، جس نے خاندان کی افسردگی کو شور مسرت سے بدل دیا۔ آج اس گھر میں وہ بچہ پیدا ہوا جو آگے چل کر اس خاندان کا نہیں، ملت اسلامیہ کا ناخدا بننے والا تھا جو اس گھر کی روشنی نہیں قوم مسلم کے اندھیرے گھر کا اجالا ثابت ہوا۔ یہ ذرا سا بچہ، وہ لعل شب چراغ بنا جس کی جوت

جس کی چمک جس کی روشنی نے دشمنوں کی آنکھیں خیرہ کر دیں اور دوستوں کے دل باغ باغ کر دئیے۔ باپ خوش تھا کہ اسے کاروبار کا شریک، بڑھاپے کا سہارا، خاندان کا مددگار مل گیا لیکن اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ گلِ نودمیدہ چمنِ ملی کی بہار جانفزا بننے والا ہے یہ ایک چھوٹے سے خوجہ خاندان کا نہیں ایک بڑی اور عظیم الشان قوم کا بننے والا ہے۔

تعلیم کا آغاز

سب سے پہلے محمد علی جناح کو ایک مکتب میں داخل کیا گیا جہاں قرآن شریف کی تعلیم دی جاتی تھی اور اُردو پڑھائی جاتی تھی، جب بچہ پروان چڑھ گیا تو ماں باپ کو فکر ہوئی۔ دنیاوی تعلیم کا معقول بندوبست ہونا چاہیئے چنانچہ بالکل نوعمری میں یہ بچہ بمبئی بھیج دیا گیا اور یہاں گوگل داس تیج پرائمری اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی لیکن یہاں کی فضا راس نہ آئی۔ باپ تو جدائی کا غم سہہ سکتا تھا سکینہ بیگم کا دل اپنے بچے کے لئے زیادہ کڑھنے لگا۔ آخر پھر کراچی طلبی ہوئی اور مدرسہ[1] ہائی سکول میں داخل کرا دیا گیا۔ کچھ عرصہ یہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مشن ہائی سکول میں داخلہ لیا گیا اور یہیں سے سولہ سال کی عمر میں بمبئی یونیورسٹی کے میٹرک کولیشن میں کامیابی حاصل کی۔ سندھ اس وقت بمبئی ملحق تھا۔ اسکولوں اور کالجوں کے امتحانات بمبئی یونیورسٹی کے ماتحت ہوا کرتے تھے۔

لندن کا کوچ

اتنی چھوٹی سی عمر میں میٹرک کا امتحان پاس کر لینا جناح کی ذہانت اور شوقِ علم کی دلیل تھی۔ اس خاندان کے ایک مخلص انگریز دوست SIR FREDERICK CRAFT

[1] سندھ مدرسہ ہائی اسکول کے نام سے یہ درسگاہ آج بھی قائم ہے اور اس میں وہ رجسٹر اب تک موجود ہے جس میں بحیثیت طالب علم قائداعظم کا نام درج ہے۔

نے جناح کو مشورہ دیا کہ بچہ ہونہار اور ذہین ہے اسے بیرسٹری کی تعلیم دلاؤ۔

غور و فکر کے بعد باپ نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور سولہ سال کی عمر میں اپنے لختِ جگر کو مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے لندن بھیج دیا۔ ۱۸۹۲ء میں محمد علی جناح لندن پہنچے، اور (LINCOLNIS INN) میں داخلہ لیا اور بڑی محنت کے ساتھ مطالعہ میں مصروف ہو گئے یہ نوجوان اپنے مائل بہ زوال خاندان کا مرکزِ امید تھا۔ لندن کی رنگینیوں میں نہیں اُلجھا وہاں کے بتانِ سیمیں تن کے دام میں نہیں گرفتار ہوا وہاں کی رنگ رلیوں میں اس نے ذرا بھی حصّہ نہیں لیا۔ خاموشی کے ساتھ پڑھتا رہا، لیکچر سنتا رہا اور اپنے کام میں لگا رہا۔ آخر ۱۸۹۶ء میں امتیاز کے ساتھ بیرسٹری میں کامیابی حاصل کر لی، صرف ۲۱ سال کی عمر میں! اس نمایاں کامیابی کا راز کیا تھا علم کا شوق، ذمہ داری کا احساس، وقت کی قدر و قیمت۔

مسٹر اکبر پیر بھائی بیرسٹر ایٹ لا[1] اپنے ایک مقالہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"لندن میں قانون کے مطالعہ کے بعد مسٹر جناح اپنا وقت روزانہ برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں صرف کیا کرتے تھے۔ یہاں ان کا محبوب ترین شغلہ نامور اور مشہور ہستیوں کے سوانح حیات کا مطالعہ تھا۔ گول میز کانفرنس کے دوران میں انہوں نے ایک روز مجھ سے اثنائے گفتگو میں فرمایا کہ کس طرح مذہبی اور سیاسی مفکروں کے احوال و سوانح کے مطالعہ نے بصیرت کی روشنی اور خیالات کی بلندی عطا کی۔"

اسٹیج سے دلچسپی

یہ صحیح ہے کہ محمد علی جناح نے اپنی طالب علمی کا زمانہ صرف طلب و تحصیلِ علم میں صرف کیا۔ کسی دوسری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا لیکن اسی حد تک جہاں تک تعلیم میں

[1] قائداعظم کے بھانجے اور بمبئی کے کامیاب بیرسٹر۔

خلل نہ واقع ہو، تعلیمی مشاغل سے فرصت پا کر تعلیم کے زمانہ میں بھی وہ اپنی زندگی اور زندہ دلی کا ثبوت دیتے رہے۔

چنانچہ تعلیمی انہماک سے جو وقت بچتا تھا وہ ادب اور اسٹیج کی مصروفیتوں میں صرف کرتے تھے۔ اسی شوق اور جذبہ کے ماتحت انہوں نے بڑی دلچسپی کے ساتھ SHAKESPEAREAN DRAMATIC-CLUB کی ممبری بھی قبول کر لی اور ممبر کی حیثیت سے محض شوقیہ کبھی کبھی اس کلب کی طرف سے جو ڈرامے سٹیج کئے جاتے تھے ان میں بھی عملی حصہ لینے لگے اور ایکٹ کرنے لگے۔

شیکسپئر سے جناح کو بڑی دلچسپی کے سبب وہ طالب علمی کے زمانہ میں ڈرامیٹک کلب کے ممبر بنے اور شوقیہ اداکاری شروع کر دی۔ وہ اب ایک بہت بڑے اسٹیج کے بہت بڑے ایکٹر ہیں بلکہ کیریکٹر ایکٹر ہیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ ان کا رول ناکامیاب ہے یہ ذوق جناح کی فطرت میں کچھ اس قدر رچ گیا تھا کہ ان کی تحریر و تقریر کا اگر نظر غائر سے مطالعہ کیا جائے تو اس میں ڈرامائی عناصر کافی حد تک کارفرما ملیں گے۔

گاندھی جی یہ نہیں چاہتے کہ انہیں کوئی "مسٹر" لکھے اور مسٹر جناح اپنے تمام معاصرین کو مسٹر ہی لکھتے اور کہتے ہیں کم از کم اپنی ذات کی حد تک مسٹر جناح کی یہ عادت گاندھی جی نے چھڑانی چاہی اور اس کی ابتدا یوں کی کہ مسٹر جناح کو خطوط و مراسلات میں "مسٹر" لکھتے لکھتے دفعتہً "جناب جناح" اور "قائد اعظم جناح" لکھنا شروع کر دیا اور رائے بھی لی کہ خطوط میں آپ کو کس لقب سے یاد کیا کروں؟

جناح نے جواب دیا۔

"گلاب کا پھول، گلاب کا پھول ہی ہے کسی نام سے بھی اسے پکارئیے
اس کی عطر بیزی اور نکہت آفرینی قائم ہی رہے گی۔"

یہ جواب صاف شیکسپئر کے مطالعہ کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو:۔

ROMEO JULIET : AG-HSZ

اسی طرح جب وہ جوش کے عالم میں کسی موضوع پہ تقریر کر رہے ہوں تو یہ رنگ کبھی کبھی ان کے انداز و طرز سے جھلکنے لگتا ہے۔

سیاسیات سے دلچسپی

طالب علمی کے زمانہ میں فرصت کے اوقات مسٹر جناح لہو و لعب تھیٹر اور اسٹیج لطف و تفریح میں نہیں صرف کرتے تھے، ان کا دل سیاسیات کی طرف متوجہ تھا ان کی آنکھیں سیاسی حالات و واقعات پر تھیں۔ ان کا تخیل سیاسیات کے دشت ناپیدا کنار کا جائزہ بھی لیا کرتا تھا۔

ملکہ وکٹوریہ کے وزیر اعظم لارڈ سالسبری LORD SOLISBURY نے ایک موقعہ پر ہندوستان کے شہنشاہ بے تاج، دادا بھائی نوروجی کو "کالا آدمی" کہہ دیا تھا ظاہر ہے کہ یہ لفظ صرف اس لئے استعمال کیا گیا تھا کہ لارڈ سالسبری نسل و رنگ کے تعصب میں گرفتار تھے۔ حالانکہ واقعہ کا جہاں تک تعلق ہے دادا بھائی نوروجی کا رنگ اگر لارڈ سالسبری سے زیادہ گورا نہیں تھا تو کم بھی نہیں تھا۔

اس واقعہ نے یورپ کے ہندوستانی طلبا اور ہندوستانی مسافروں میں ایک اشتعال پیدا کر دیا۔ انگلستان کے سنجیدہ اور فہمیدہ طبقہ نے بھی لارڈ صاحب کے ان الفاظ کو بری نظر سے دیکھا۔ چنانچہ صاحب موصوف کو جواب باصواب دینے کے لئے دادا بھائی نوروجی نے فیصلہ کر لیا کہ (CNTSAL FINSWORY) کے حلقہ سے پارلیمنٹ کی ممبری کے لئے کھڑے ہوں۔

لندن کے ہندوستانی طلبا نے اپنے خدمات دادا بھائی کے لئے وقف کر دئے مشہور محب وطن مسٹر آئر، داس بھی اس زمانہ میں وہاں تعلیم حاصل کر رہے

تھے۔ وہ بھی اس معرکہ میں پیش پیش تھے اور بڑھ چڑھ کر حصّہ لے رہے تھے۔ اس واقعہ نے جناح کے دل و دماغ پر بھی اثر کیا۔ وہ بھی متاثر ہوئے اور انھوں نے بھی اپنی طالبعلمانہ مصروفیتوں کے باوجود الیکشن کے اس کارزار میں نمایاں حصّہ لیا اور پوری سرگرمی کے ساتھ کام شروع کر دیا۔ دادا بھائی اس معرکہ میں کامیاب رہے اور ہندوستانی طلبانے خدا کا شکر ادا کیا کہ ان کی محنت سوارت ہوئی۔

کبھی کبھی کوئی معمولی سی بات انسان کی زندگی میں بنیادی تغیر پیدا کر دیتی ہے۔ مسٹر جناح لندن میں اس لئے گئے تھے کہ بیرسٹری میں کامیاب ہوں۔ واپس آکر پریکٹس کریں اور جس طرح ملک کے دوسرے سربرآوردہ قانون دان عیش و تنعم کی زندگی بسر کر سکتے ہیں، اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ شان دار پیمانہ اپنی زندگی گزاریں یہ وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ سیاسیات میں شریک ہو کر موضوع ہر انجمن بن جائیں، لیکن دادا بھائی اور لارڈ سالسبری کی چپقلش نے وہ سویا ہوا جذبہ جناح کے دل میں پیدا کر دیا اور جسے سیاست سے نہ کوئی دلچسپی تھی نہ مس تھی وہ اب فرصت کے لمحوں میں، ملکی اور غیر ملکی اور بین الاقوامی سیاست کے داؤ پیچ پر غور کرنے لگا۔ سوچنے لگا۔ محسوس کرنے لگا کہ دنیا کدھر جا رہی ہے؟ حالات کیا صورت اختیار کر رہے ہیں۔

زندگی کا نیا دور!

۱۸۹۶ء میں مسٹر جناح نے کامیابی اور امتیاز کے ساتھ بیرسٹری کے امتحان میں کامیابی حاصل کی اور شاداں و فرحاں امیدوں سے معمور اور آرزوؤں سے مخمور وارد ہندوستان ہوئے۔ وطن پہنچے تو حالات دگرگوں تھے۔ فضا بدل چکی تھی۔ باپ کی تجارت ختم ہو چکی تھی سارا خاندان مالی پریشانیوں کے بھنور میں گرفتار تھا۔ وطن آنے کے بعد امید یہ تھی کہ اطمینان سے پریکٹس کریں گے لیکن یہاں پہنچ کر اندازہ ہوا کہ حالات اتنے بگڑ چکے ہیں کہ فوراً کچھ نہ کچھ ہونا چاہیئے۔ اب سوال یہ نہیں تھا کہ کمائیں گے اور ترقی کریں گے اور عیش و تنعم کی زندگی بسر کریں گے۔ اب سوال یہ تھا کہ صبح کو کمائیں گے تو شام کو کھائیں گے، ان دل شکن اور حوصلہ فرسا حالات میں کوئی اور ہوتا تو گھبرا جاتا لیکن جناح کی جبینِ استقامت پر بل بھی نہیں آیا۔ اس نے حالات کا جائزہ لیا اور سامانِ سفر ابھی کھولنے بھی نہ پایا تھا کہ رختِ سفر باندھنے پر مجبور ہو گیا۔

بمبئی کا سفر

نازونعم کی گود میں پلا ہوا یہ نوجوان محسوس کر رہا تھا کہ کراچی کا میدان تنگ ہے

میاں کامیابی کی اُمید نہیں ہوسکتی۔ اس کی نظر بار بار بمبئی پر پڑتی تھی جسے بجا طور پر عروس البلد کا خطاب حاصل ہے۔ اس وسیع شہر میں کامیابی کی پوری پوری اُمید تھی لیکن وہ ایک نئی جگہ تھی جہاں نہ کوئی واقف تھا نہ شناسا نہ ہمراز تھا نہ دمساز اس لئے قدم اٹھانے سے پہلے دل بھی دھڑکا۔

کراچی کے دوستوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ جناح نے بمبئی کا قصد کیا تو انہوں نے روکنے کی کوشش کی بعض دوستوں نے جو ایک فرم کے مالک تھے (جن میں سے ایک کا نام دالچند تھا) جناح کو مشورہ دیا کہ بمبئی جیسے غیر مانوس مقام پر جانے سے بہتر یہی ہے کہ اپنے میں قسمت آزمائی کی جائے۔ انہوں نے اپنی فرم کا ایک بہت بڑا منصب بھی پیش کیا لیکن جناح کا عزم بلند اس پیشکش پر قانع نہ ہوا اس نے شکریہ کے ساتھ یہ پیشکش مسترد کر دی اور کہا پہلے میں بمبئی میں قسمت آزمائی کروں گا اگر وہاں ناکام رہا تو کراچی واپس آ جاؤں گا اور اس وقت تک آپ کی پیشکش قائم رہی تو ضرور اس سے فائدہ اٹھانے کی بھی کوشش کروں گا۔

بمبئی پہنچ کر ۱۸۹۶ء میں مسٹر جناح نے پریکٹس کا آغاز کیا۔ اس شہر میں پہنچنے کے بعد جناح کی جیب میں چند سکوں سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ زادِ راہ کے طور پر اگر وہ اپنے ساتھ کچھ لایا تھا تو جوانی کی امنگ، ہمت مردانہ، جذبہ صادق۔

بے کاری اور بے روزگاری

امید تھی کہ بمبئی پہنچنے کے بعد مقدمے ملیں گے، خانگی اور ذاتی مشکلات دور ہوں گی لیکن ہوا یہ کہ مشکلات میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔ کامل تین برس اس طرح گزر گئے کہ یہ اولوالعزم نوجوان ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا، قرض لے لے کر کام چلاتا رہا۔ کوئی مقدمہ نہ ملا، کوئی کیس ہاتھ نہ آیا، لیکن بے کاری اور بے روزگاری کا یہ زمانہ جناح نے صرف کفِ افسوس ملنے میں صرف نہیں کر دیا خوش قسمتی سے مسٹر میکفرسن MR. MACPHERSON اس بیکار لیکن خوددار نوجوان پر مہربان ہو گئے۔ موصوف بمبئی کے قائم مقام ایڈوکیٹ جنرل تھے۔ بڑے

قابل اور بڑے شریف انسان تھے۔ اپنی قیمتی اور نایاب لائبریری کے دروازے انہوں نے جناح کے لئے کھول دئے۔ جناح نے بیکاری کا وقت اس طرح کاٹا کہ پوری مستعدی اور انہماک کے ساتھ قانون و آئین کے مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔ مالی اعتبار سے یہ دور ناکامی اور نامرادی کا دور تھا لیکن علمی اور ذہنی اعتبار سے یہ دور خوش بختی اور کامرانی کا دور تھا بیشک جناح کو اس طویل مدت میں کوئی مقدمہ نہیں ملا لیکن بیکاری کے اس طویل زمانہ میں اس نے اپنے ذہن اور دماغ کو جلا دے دی۔ وہ علم وہ تجربہ حاصل کر لیا جو کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے اور آگے چل کر اس علم اور تجربہ سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ مسٹر میکفرسن کی لائبریری جناح کی ذاتی لائبریری تھی، مسٹر میکفرسن کا چیمبر جناح کا ذاتی چیمبر تھا۔

آج کل انگریزوں اور ہندوستانیوں میں سماجی میل ملاپ کا دور دورہ ہے۔ انگریز چاہتے ہیں کہ ہندوستانیوں سے ملا جلا کریں۔ ان سے قرب پیدا کریں اور ان کی دوستی حاصل کریں لیکن جس زمانہ میں مسٹر میکفرسن جناح پر الطاف و عنایات کی بارش کر رہے تھے، اس زمانہ میں ہندوستانیوں اور اعلیٰ سوسائٹی کے انگریزوں کے درمیان وہی خلیج حائل تھی جو حاکم اور محکوم کے درمیان، فاتح اور مفتوح کے درمیان حائل ہوتی ہے، اور پھر ہندوستانی بھی کوئی کروڑپتی اور سرمایہ دار نہیں، بیکار، بے روزگار، بے یار و مددگار۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس اختلاط پر مالا بار ہل اور بائیکلہ کلب[1] کے انگریز حلقوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں، لیکن مسٹر میکفرسن نے ان چہ میگوئیوں کی ذرا بھی پروا نہ کی وہ اس ہونہار اور شریف نوجوان پر بدستور لطف و کرم کی بارش کرتے رہے۔

تین سال کی تاب آزما بیکاری کے بعد مقدمے ملنے لگے لیکن کبھی اس صورتِ حال نے بھی جناح کا حوصلہ پست نہیں کیا۔ وہ پوری محنت سے مقدمہ کے تمام پہلوؤں پر غور کرتا تھا اور پوری مشقت سے مسلوں کا مطالعہ اور بحث کی تیاری کرتا، چنانچہ بہت کم ایسا

[1] بائیکلہ کلب تقسیم ہند کے وقت تک اپنی وضع پر قائم رہا۔ اس میں کسی ہندوستانی کو ممبر بننے کی اجازت نہیں تھی صرف انگریز ہی اس کے ممبر ہو سکتے تھے۔

ہوا کہ وہ کوئی مقدمہ ہار آ ہو۔ اکثر یہی ہوتا تھا کہ جو مقدمہ اس نے ہاتھ میں لیا، کامیاب رہا۔

پریسیڈنسی مجسٹریٹ کی حیثیت سے

زندگی کسی نہ کسی طرح بسر ہو رہی تھی کہ ۱۹۱۰ء میں مسٹر ہوشنگ دستور پریسیڈنسی مجسٹریٹ تین ماہ کی رخصت پر گئے اور عارضی طور پر ان کی جگہ خالی ہوئی۔ بہت سے وکیلوں اور بیرسٹروں نے اس منصب کے لئے درخواست دی۔ جناح نے بھی خدا کا نام لے کر درخواست بھیج دی۔ قابلیت اور اہلیت کا جہاں تک تعلق تھا۔ جناح اپنے تمام معاصرین میں ممتاز تھا لیکن سرکار کے دربار میں قابلیت اور اہلیت اتنی نہیں جانچی جاتی جتنی سعی و سفارش، پشت پناہی اور اثر اور اس جنس سے جناح تہی دامن تھا، پھر اب کیا ہو؟ رہ رہ کے یہی خیال ذہن و دماغ میں گردش کرتا رہتا تھا۔ ایک روز یہ سوچتے سوچتے سامنے دیکھا تو ایک خالی وکٹوریہ جا رہی تھی اسے روکا اور اندر بیٹھ کر کوچبان سے کہا آگے بڑھاؤ۔ وکٹوریہ سر چارلس اولیونٹ SIR CHARLES OLLIVANT کے دفتر کے سامنے آکر رکی۔ موصوف حکومت بمبئی کے جوڈیشل محکمہ کے انچارج تھے مسٹر جناح گاڑی سے اتر کر دروازے پر پہنچے، نہ جیب میں وزیٹنگ کارڈ نہ پہلے سے ملاقات کا تعین، لیکن ہمت کر کے آگے بڑھے اور چپراسی کو اپنا نام بتا کر کہا کہ صاحب کو سلام بولو۔ اس نے حیرت سے اس نوجوان کا منہ دیکھا کچھ رعب میں آگیا اور چلا گیا اندر اپنے "صاحب" کو سلام بولنے۔ سر چارلس نے بھی دل میں سوچا عجیب منچلا آدمی ہے خود اندر بلا لیا۔

سر چارلس نے مصافحہ کیا اور کہا "میں تمہاری ذہانت و فراست کے بارے میں بہت کچھ سن چکا ہوں۔ یہ بھی بہت اچھا ہوا تم براہ راست میرے پاس آ گئے لیکن کوئی سفارشی خط بھی ہے؟ اگر مسٹر میکفرسن کا سفارشی خط لا سکو تو اور بہتر ہے وہ تو تم سے اچھی طرح واقف بھی ہیں"

دوسرے روز جناح نے مسٹر میکفرسن سے ملاقات کی اور حرف مطلب زبان پر لائے انہوں نے کہا "ہاں سر چارلس سے میری گفتگو ہو چکی ہے تمہیں سفارشی خط دے کر بڑی مسرت ہوگی

لیکن یہ تو بتاؤ اگر تم یہ منصب حاصل کرنا چاہتے تھے تو تم نے مجھ سے پہلے اس کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ جناح نے سنجیدگی سے جواب دیا "میں پہلے سے آپ کا اتنا ممنون کرم ہوں کہ اب آپ کو تکلیف دینے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ آخر کہاں تک آپ کے عنایات سے بار بار فائدہ اٹھاؤں!" اس جواب سے مسٹر میکفرسن بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے ایک پر زور خط سر چارلس کے نام لکھ دیا۔ خط کارگر ہوا اور تین مہینہ کے لئے مسٹر ہوشنگ دستور کی جگہ تھرڈ پریسیڈنسی مجسٹریٹ کی حیثیت سے مسٹر جناح کا تقرر ہو گیا۔

تین مہینہ تک اس قابلیت اور شان سے جناح نے مجسٹریٹی کی کہ مزید تین ماہ کی توسیع بغیر کسی سفارش یا کوشش کے حاصل ہو گئی۔ اب چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ تین مہینہ کی رخصت پر گیا اور ہوشنگ دستور اپنی جگہ پر آنے کے بجائے اس کی قائم مقامی کرنے لگے، چھ مہینہ کی اس مدتِ ملازمت میں جناح نے جو کچھ کمایا اسے ضائع نہیں کیا۔ پچھلے قرضے ادا کئے اور کچھ آئندہ کے لئے پس انداز کر لیا۔ پہلے وہ گول پیٹھا میں رہتے تھے پھر چرنی روڈ پر ریلوے ہوٹل میں چلے گئے اور اب ایک اور اچھے ماحول میں ایک عمدہ فلیٹ کرایہ پر لے لیا اور اطمینان سے رہنے لگے۔

یہ عارضی ملازمت جب ختم ہوئی تو جناح کے مدلل فیصلوں اور قانونی ذکاوت سے سر چارلس اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے جناح کو دلاسا دیا۔ تمہارا نام مستحق امیدواروں کی فہرست میں سب سے اونچا ہے اب تمہیں مستقل ملازمت دی جائے گی اور اس کا گریڈ ۱۵ سو ماہوار تک کا ہوگا۔

لیکن جناح نے ایک دل آویز تبسم کے ساتھ کہا، اب میں ملازمت کرنا نہیں چاہتا آپ مجھے ۱۵ سو ماہوار کی امید دلا رہے ہیں اور میں ۱۵ سو روز کمانے کا پروگرام بنا چکا ہوں۔ اس نوجوان کے یہ الفاظ سن کر سر چارلس چونکے، انہوں نے خیال کیا نوجوانی کی ترنگ میں انسان اسی طرح ریت کے قلعے بنایا کرتا ہے انہیں افسوس ہوا کہ ایک کارآمد نوجوان اپنے بارے میں ضرورت سے زیادہ پرامید ہے اور ایک بہترین موقعہ ہاتھ سے کھوئے دے رہا

ہے لیکن ملازمت زبردستی تو دی نہیں جا سکتی۔ آخر کار وہ خاموش ہو رہے لیکن کچھ ہی عرصہ بعد یہ خواب ایک حقیقت بن گیا جناح نے ۱۵۰۰ روزانہ سے بھی زیادہ کمانا شروع کر دیا۔ اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور پہ قابل ذکر ہے کہ جناح نے ایک پیشی پندرہ سو سے زیادہ اپنے بہترین دورِ عروج میں بھی نہیں بڑھائی۔

سر چارلس سے ملاقات، نئے ٹھاٹھ

مسٹر مطلوب حسین سید، جنہوں نے انگریزی میں ایک بہترین کتاب مسٹر جناح پر لکھی ہے اور جو ایک عرصہ تک مسٹر جناح کے پرائیویٹ سیکرٹری رہ چکے ہیں، اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:-

"مسٹر جناح نے مجھ سے بیان کیا..... دو برس بعد جب سر چارلس انگلستان سے واپس آئے جہاں وہ پنشن پا کر جا چکے تھے تو اور رینٹ کلب کے ایک جلسہ میں اتفاقاً میری ملاقات سر چارلس سے ہوئی وہ خود اٹھ کر میرے پاس آئے اور پوچھا کیسی گزرتی ہے؟ میں نے کہا خدا کا شکر ہے، پوچھا آمدنی کیا کیا حال ہے؟ میں نے کہا دو ہزار ماہوار سے زیادہ کما لیتا ہوں یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے، شاباش مجھے مسرت ہے کہ تم نے میری پیشکش ٹھکرا دی۔"

نئے ٹھاٹھ

اب حالات زیادہ سازگار ہو چکے تھے عسرت اور فلاکت کا دور ختم ہو چکا تھا کامیابی قدم چوم رہی تھی اور دولت چھپا کر رہی تھی۔ جناح نے پھر گھر بدلا، اب وہ تاج محل ہوٹل کے قریب ایک شاندار فلیٹ میں اٹھ آئے۔ ایک گاڑی بھی خرید لی لیکن وہ دن اب بھی انہیں یاد تھے جب وہ چند روپے جیب میں ڈال کر ایک پریشان حال مسافر کی طرح بمبئی پہنچے تھے اور تین برس کامل اس طرح گزارنے پڑے تھے ایک مقدمہ بھی دستیاب نہیں ہوا تھا سچ ہے کبھی کے تین دن بڑے کبھی کی راتیں۔

سیاسی زندگی کا آغاز

جناح میں سیاسی رجحان تو لندن کے زمانۂ طالب علمی ہی میں پیدا ہو گیا تھا، مگر ہندوستان آکر ایسی اقتصادی اور مالی دشواریوں سے دوچار ہونا پڑا کہ سیاست کا تصور بھی نہیں کر سکے، لیکن جب حالات ذرا سازگار ہوئے، مالی دشواریاں کم ہوئیں اور نسبتاً سکون و اطمینان میسر ہوا تو وہ دبا ہوا جذبہ پھر ابھر آیا اور رفتہ رفتہ جناح نے سیاسیات میں حصہ لینا شروع کر دیا۔

جناح ایک وطن پرست، ایک نیشنلسٹ، اور ایک وسیع المشرب مدبر کی طرح میدان سیاست میں وارد ہوا، سب سے پہلے وہ کلکتہ کانگرس میں ۱۹۰۵ء دادا بھائی نوروجی کے پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت سے شریک ہوا، ابھی تک اس کی کوئی مستقل شخصیت نہیں تھی وہ ایک نو آموز اور نو عمر، لیکن پرجوش اور مخلص محبِ وطن کی شان سے کانگرس میں شریک تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کی ذہانت، اس کی فراست، اس کی معاملہ فہمی اس کے لئے ایک بلند جگہ پیدا کر رہی تھی، وہ دبے پاؤں سیاست وطنی کے اسٹیج پہ پہنچا اور بہت جلد مرتبہ رفیع پر پہنچ گیا، اسے آتے ہوئے بہت سے لوگ نہیں دیکھ سکے، لیکن جب وہ پہنچ گیا، اور مطلع سیاست پر آفتاب ضوفشاں بن کر چمکنے لگا تو سب نے دیکھا، ہم ہم پہچانا کم نے۔

تجویزیں، تائیدیں، تقریریں

اب بمبئی کا یہ نوجوان بیرسٹر جہاں عدالت کے کمرہ میں اپنی فصاحت بیان اور طلاقت لسان کے جوہر دکھاتا تھا وہاں کانگرس کے اسٹیج پر بھی ایک بلند خطیب ایک پر مغز مدبر ایک شعلہ مقال مقرر، ایک بیباک سیاستدان کی حیثیت سے اس کے جوہر کھلنے لگے، وہ کانگرس کے پلیٹ فارم پر شیر کی طرح گرجتا اور بلبل کی طرح چہچہاتا تھا، اس کے زور کلام کی دھوم مچ گئی، اس کے دلائل کے آگے بڑوں بڑوں نے سر خم کر دیا، اب وہ دھواں دھار تقریریں کرتا تھا، معرکہ آرا تجویزیں پیش کرتا تھا، مفاد ملکی وملی سے متعلق تجویزوں کی تائیدیں کرتا تھا، اس کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی میں ساعت بہ ساعت اور لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہو رہا تھا ۱۹۰۶ء میں کانگرس کے دستور آئین کی اصلاح وتبدیلی میں اس نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، پھر جب لارڈ مارلے کا مراسلہ

LORO MORLEYS DISPATGH

زیر بحث آیا، تو اس پر بھی جناح نے اپنی قابلیت، ذہانت اور معاملہ فہمی اور آئین کا سکہ جما دیا۔

اب پہلی بار حکومت اس پہ تیار ہوئی کہ وائسرائے کی اگزیکٹو کونسل میں ایک ہندوستانی ممبر بھی لے لیا جاتے۔ چنانچہ لا ممبر کا عہدہ کسی ہندوستانی کے لئے وقف کر دیا گیا حکومت کی طرف سے شرط یہ تھی کہ اس عہدہ پر وہی شخص فائز کیا جائے جو اپنی آئینی، قانونی اور دستوری قابلیت کے اعتبار سے ملک میں ایک امتیازی شان رکھتا ہو۔

لارڈ سنہا سے جھڑپ

عام خیال اور کانگرسی حلقہ کا عام رجحان یہ تھا کہ اس منصب کے لئے بنگال کے مشہور قانون اور سیاستدان اس پی (بعد میں سر اور لارڈ) سنہا موزوں ترین ہستی ہیں لیکن مسٹر

سنہا اس منصب کو قبول کرنے پر راضی نہیں تھے، وہ لاکھوں کے وارے نیارے کر رہے تھے، ان کی پریکٹس حد خیال سے بڑھی ہوئی تھی، وہ اس ایثار پر ہرگز تیار نہیں تھے کہ اپنی گراں بہا اور بیش قرار پریکٹس پر لات مار کر محض خدمت ملک کے خیال سے ایک ایسا سرکاری منصب (خواہ وہ کتنا ہی گراں مایہ کیوں نہ ہو) قبول کر لیں جس میں مالی یافت بہت کم ہو گی۔

سنہا کو راضی کرنے کے لئے گوکھلے اور جناح تیار کئے گئے دونوں کلکتہ گئے۔ گوکھلے نے سنہا کو راضی کرنے کی بڑی کوشش کی زور دیا کہ یہ منصب قبول ہی کر لیجئے، اگر مستقل نہ سہی، عارضی ہی طور پر سہی، تاکہ روایت قائم ہو جائے، ایک مرتبہ یہ روایت قائم ہو جائے اور ایک ہندوستانی اس منصب پر فائز ہو جائے تو حکومت کے لئے رجعت ناممکن ہو گی، پھر لامحالہ اسے کسی نہ کسی دوسرے ہندوستانی کا تقرر کرنا ہی پڑے گا۔ لیکن اگر پہلی مرتبہ ہی سنہا جیسا آدمی حکومت کو نہ ملا تو وہ یہ کہہ کر اپنی پیشکش واپس لے لے گی کہ ہم کیا کریں، قابل اور موزوں ہندوستانی ملتے ہی نہیں۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں!

لیکن سنہا ٹس سے مس نہ ہوئے، وہ اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے، آخر تنگ آکر گوکھلے دھرنا دے کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا، جب تک سنہا اس منصب کو قبول کرنے کا وعدہ نہیں کر لیں گے، وہ دھرنا دیے بیٹھے رہیں گے، لیکن یہ کوشش بھی کارگر نہ ہوئی یہ داؤں بھی خالی گیا۔

اب جناح میں تاب ضبط نہ رہی، ایک روز سنہا کو پکڑ کر اس نوجوان نے جھنجھوڑ ہی تو ڈالا اس نے کہا، کیا آپ سمجھتے ہیں ہم بیوقوف ہیں اور خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں؟ آپ گوکھلے کو نادان سمجھتے ہیں، جو سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی سے صرف ۷۵ روپیہ ماہوار لیتا ہے اور اسی پر قناعت کرتا ہے؟ کیا وہ اس سے زیادہ نہیں پیدا کر سکتا؟ کیا آپ سمجھتے ہیں میں یہاں رہ کر اور بمبئی سے غیر حاضر رہ کر اپنی پریکٹس کا غیر معمولی نقصان نہیں کر رہا ہوں؟ آخر ہم کس چیز کی بھیک آپ سے مانگ رہے ہیں؟ کیا آپ سمجھتے ہیں یہ سب کچھ ہم اپنے ذاتی اغراض کے

لئے کر رہے ہیں؟ ہم جانتے ہیں یہ منصب قبول کر کے مالی اعتبار سے آپ گھاٹے میں رہیں گے لیکن کچھ عرصہ تک اگر آپ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں کام کر کے ملک و قوم کی خدمت کریں گے اور کچھ مالی خسارہ برداشت کریں گے تو کیا دوبارہ آپ اپنی پریکٹس شروع نہیں کر سکتے؟ اسے فروغ نہیں دے سکتے؟ آپ اتنا ہی کمانے لگیں گے جتنا اب کما رہے ہیں، اور اپنے نقصان کی تلافی کر لیں گے۔

اس نوعمر سنہا یورش کی تاب نہ لا سکے، انہیں پسپا ہونا پڑا، انھوں نے وعدہ کر لیا کہ وہ لا ممبر کی حیثیت سے وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں ایک مختصر مدت کے لئے کام کرنے کو تیار ہیں۔ سنہا کے اس فیصلہ کا کریڈٹ صرف جناح کو مل سکتا ہے۔

امپریل کونسل کی ممبری

اب جناح کی محبوب شخصیت عوام میں بھی روشناس ہونے لگی تھی، وہ ۱۹۰۶ء میں سپریم امپریل کونسل کے بلا مقابلہ ممبر منتخب ہو گئے اس انتخاب کی داستان بھی بڑی پر لطف ہے، سپریم امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں مسلمانانِ بمبئی کی ایک نشست تھی اس نشست کے لئے دو امیدوار تھے، دونوں خطابات سرکاری کی دولت سے مالا مال، اور نعمتِ دنیاوی سے بہرہ ور تھے دونوں کی یہ تمنا تھی کہ کونسل میں جائیں لیکن دونوں ایک دوسرے کی سرکاری وجاہت، سرمایہ داری اور سرمایہ دارانہ اثر و رسوخ سے خائف بھی تھے دونوں ممبر ہونا چاہتے تھے، لیکن دوسرے کے مقابلہ سے بھی گریز کرتے تھے کہ انجام خدا جانے کیا ہو؟

آخر غور و فکر کے بعد دونوں نے یہ طے کیا کہ کوئی بھی ممبری کے لئے کھڑا نہ ہو، دونوں بیٹھ جائیں، اور ایک ایسا تیسرا شخص ممبری کے لئے کھڑا کیا جائے، جس کی اصابت رائے، معاملہ فہمی قابلیت اور سیاستدانی کا دونوں لوہا مانتے ہوں، قرعہ فال جناح کے نام پر پڑا، دونوں حریف اس نام پر متفق ہو گئے، اور طے ہو گیا کہ جناح کو سپریم امپیریل کونسل میں بھیجا جائے قابلیت کے اعتبار سے جناح ان دونوں اصحاب سے کہیں برتر تھے لہٰذا کونسل میں جانے کے بھی وہی

سب سے زیادہ مستحق تھے۔

لیکن انتخاب روپیہ سے جیتا جاتا تھا اور اتنا فاضل روپیہ جناح کے پاس تھا نہیں کہ وہ انتخاب لڑ سکتے تھے۔ قدرت نے یہ صورت پیدا کر دی اور وہ بلا مقابلہ کونسل کے ممبر ہو گئے انہیں موقعہ مل گیا کہ اپنی قابلیت کا اور زیادہ وسیع پیمانہ پر ثبوت دیں، اور اس موقعہ سے انہوں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ کونسل میں جا کر انہوں نے جس جرأت اور قابلیت کا ثبوت دیا۔ قدم قدم پر حکومت کا جس بے جگری کے ساتھ مقابلہ کیا، اس سے دنیا نے سمجھ لیا کہ۔

آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا۔

اگرچہ حکومت کے مقابلہ میں جناح کی مبارزت طلبی سے وہ دونوں ارباب ثروت ضرور جز بز ہوئے ہوں گے کہ کس فتنہ خوابیدہ کو بیدار کر دیا۔

۱۹۱۳ء میں جناح نے انڈیا کونسل کی ہیئت ترکیبی پر سخت و شدید احتجاج کیا اور اس میں ضروری اصلاح و ترمیم کی تجویزیں پیش کیں، جن کی افادیت اور اہمیت دبے الفاظ میں حکومت کو بھی تسلیم کرنی پڑی ۱۹۱۲ء ہی میں مولانا محمد علی مرحوم اور سید (بعد میں سر) وزیر حسین کی استدعا پر جناح نے مسلم لیگ میں شرکت کی اور اس کے باقاعدہ ممبر بن گئے۔ وہ نیشنلزم کے دورِ شباب میں بھی دل سے مسلمان تھے، جب انہوں نے یہ محسوس کر لیا کہ مسلمان قوم کو ان کی ضرورت ہے، مسلمانوں کی جداگانہ تنظیم ضروری ہے مسلمانوں کے انفرادیت کا قیام مسلمانوں کے لئے شرطِ زندگی ہے تو کانگرسی ہوتے ہوئے بھی انہوں نے بے تامل مسلم لیگ کی ممبری قبول کر لی۔

وفد لندن

کانگرس نے ۱۹۱۴ء میں لندن ایک وفد بھیجا، وفد کا مقصد یہ تھا کہ وہ آنے والی اصلاحات کے سلسلہ میں ممبرانِ پارلیمنٹ سے تبادلۂ خیال کرے۔ انگلستان کی پبلک کے سامنے ہندوستان کا صحیح نقطۂ نظر پیش کرے، اپنے سفید فام آقاؤں کو بتائے کہ ہندوستان غلام ہے لیکن اپنی غلامی پر قانع نہیں ہے، وہ آزاد ہونا چاہتا ہے، عزت کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے، اپنی قسمت کا خود

مالک بننا چاہتا ہے۔

لندن پہنچنے کے بعد وفد کے قائد مسٹر جناح نے ٹائمز (لندن) کو ایک طویل انٹرویو دیا اس بیان میں انھوں نے پوری صفائی کے ساتھ کہا۔

"برٹش امپائر کا ہندوستان وہ تنہا ممبر ہے جو حکومت کے نظام میں نمائندگی سے محروم ہے اور دنیا میں ہندوستان تو تنہا مہذب ملک ہے، جہاں نمائندہ اور ذمہ دار حکومت کا وجود ہی نہیں ہے!"

ہندو مسلم کی کوششیں

مسز نائیڈو نے مسٹر جناح کو ہندو مسلم اتحاد کے سفیر کا جو خطاب دیا ہے، وہ اپنے اندر پوری معنویت رکھتا ہے، جناح نے سیاسی میدان میں قدم رکھا۔ کانگریس کے پلیٹ فارم پر اپنے خدمات ملکی کا افتتاح کیا، مسلم لیگ کی ممبری قبول کی، اور محسوس کر لیا کہ یہ ملک اس وقت تک آزاد نہیں ہو سکتا۔ جب تک ہندوؤں اور مسلمانوں میں خوش دلانہ اور مخلصانہ تعاون اور مفاہمت نہ ہو جب تک ان دونوں بڑی قوموں میں علیحدگی اور دوئی رہے گی، اس وقت تک غلامی کی زنجیریں بھی مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جائیں گی۔

چنانچہ آغاز کار سے جناح یہ کوشش رہی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد ہو جائے یہ دونوں مل کر آزادی کی جدوجہد میں حصہ لیں اور شانہ بہ شانہ جہادِ حریت کی منزلیں طے کریں لیکن ان کی یہ کوشش کبھی کامیاب نہیں ہوئیں، ہندوؤں نے سچ تو یہ ہے کہ کبھی بھی ان کوششوں کا صدق دل سے خیر مقدم نہیں کیا۔

سر ولیم ویڈر نے SIRWILLIAM WEDDER

باہمی تصفیہ کے لئے ۱۹۱۰ء میں ایک ہندو کانفرنس الہ آباد میں منعقد کی، مسز نائیڈو نے اپنی انگریزی کتاب محمد علی جناح "سفیر صلح" میں لکھا ہے کہ جناح نے اس کانفرنس میں "درمیانی آدمی کے فرائض انجام دئے اور ہندو مسلم اتحاد کو عمل میں لانے کے لئے اپنی

کوششیں اور سرگرمیاں وقف کر دیں لیکن مالوی جی آنجہانی کی ضد، ہٹ دھرمی اور خود سری کے باعث یہ کوشش ناکام ہوئی اور ہندو مسلم مفاہمت کا خواب شیریں بے تعبیر رہ گیا، اس کانفرنس کی ناکامی پر مسٹر محمد نعمان نے اپنی کتاب Indian Muslims میں یہ حاصل تبصرہ کیا ہے،

گذشتہ جنگِ عظیم کا آغاز جولائی ۱۹۱۴ء میں ہوا، اس وقت پھر جناح نے محسوس کیا آزادی حاصل کرنے کا یہ بہترین موقعہ ہے۔ اگر اس وقت ہندو اور مسلمان متحد اور متفق ہو کر حکومت کے سامنے اپنا مطالبہ حریت رکھیں تو وہ نظر انداز نہیں کر سکتی، اسے مجبور ہو کر ہندوستانیوں کی متفقہ آواز سننا پڑے گی۔ اس پہ کان دھرنا پڑے گا، ان کا متحدہ اور متفقہ مطالبہ ماننا پڑے گا۔

اسی مقصد کے پیش نظر بمبئے میں جب کا اجلاس ہو رہا تھا، جناح نے کوشش کی کہ مسلم لیگ کا اجلاس بھی یہیں منعقد ہو، تاکہ ان دونوں بڑی جماعتوں کے لیڈر آپس میں بیٹھ کر ایک ایسی راہ عمل تلاش کر لیں، جو سب کے لئے قابلِ قبول ہو کانگریس کے خلاف مسلمانوں کے دلوں میں بدظنی تھی وہ کانگریس کی روش سے بیزار تھے۔ وہ کانگریس سے بوجہ مخصوص و معلوم دور رہنا چاہتے تھے، ان کی اس روش کے باوجود انہیں کانگریس کی طرف مائل کرنے کی کوشش ان کے کانوں تک کانگریس کا پیام پہنچانے انہیں کانگریس سے صلح و مفاہمت کر لینے کی دعوت دینا بڑا کٹھن کام تھا، لیکن اس کارِ دشوار کو اس باہمت رہنما نے خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا، اپنے بہت سے مسلمان دوستوں اور ساتھیوں کو ناراض کر کے اس نے یہ مہم سر کی لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ کیا مفاہمت ہو گئی؟ جواب نفی میں ہے اور اس ٹریجڈی کی ذمہ داری بھی مسلمانوں پر نہیں تمام تر ہندو رہنماؤں پر ہے جنہوں نے وقت کی پکار سننے سے انکار کر دیا جنہوں نے معاملہ کی اہمیت نہیں سمجھی جنہوں نے ایک بہترین موقعہ اپنی کوتاہی فکر سے ضائع کر دیا۔

پنڈت مدن موہن مالوی، الہ آباد کے رہنے والے تھے۔ بنارس ہندو یونیورسٹی روح رواں انتہائی متعصب، مسلمانوں کے سخت مخالف، اردو زبان کے بہت بڑے دشمن ہیں اردو اتنی اچھی اور شستہ بولتے تھے عربی فارسی کے الفاظ اس بے تکلفی سے استعمال کرتے تھے کہ شبہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ یہ ہندو ہیں،

مسلم لیگ کی تعمیر و تاسیس

سیاسیات ہند کے سلسلہ میں مسلمانوں کی روش یہ تھی کہ وہ ملّی حیثیت سے کانگریس میں شریک نہیں تھے تو اس کے مخالف بھی نہ تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء کے بانی اور محرک وہی سمجھے جاتے تھے۔ لہٰذا حکومت کی بارگاہ میں بھی ان کی کوئی پرسش نہیں، سرسیّد مرحوم نے انہیں تعلیم دی تھی کہ وہ پہلے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کریں۔ نہ سرگرم سیاست میں حصہ لیں نہ حکومت کو اپنا خدا سمجھیں، مسلمان اسی تعلیم پر عمل کر رہے تھے۔

حکومت ہندوؤں کو مٹھی میں لینا چاہتی تھی، مسلمانوں سے غدر کے باغیانہ اقدامات کا انتقام لینا چاہتی تھی، ہندو ایک ہزار برس تک مسلمانوں کے محکوم رہ چکے تھے، وہ بھی مسلمانوں کو پیچھے ہٹا کر آگے بڑھنا چاہتے تھے، ان کی تمنا تھی اب مسلمان محکوم و مغلوب ہوں اور وہ حاکم اور غالب کی زندگی بسر کریں، حکومت نے ہندوؤں کی حوصلہ افزائی اور مسلمانوں کی ہمّت شکنی کی پالیسی اختیار کی تو ہندو کھل کھیلے، انہوں نے سب سے پہلے انگریزی تعلیم حاصل کرنے میں پیش قدمی کی، پھر سرکاری مناصب پر قابض ہو گئے مسلمان یہی سوچتے رہ گئے کہ انگریزی تعلیم حلال ہے یا حرام؟ اور یہاں حالت یہ تھی کہ مسلمان حکومت سے ٹکر نہیں لے سکتے تھے،

یاران تیز گام نے محمل کو لے لیا۔

اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان پیچھے، بہت پیچھے رہ گئے اور ہندو آگے بہت آگے بڑھ گئے۔ ہندو انتخاب جداگانہ کے مخالف اور مخلوط انتخاب کے سرگرم داعی تھے تاکہ مسلمانوں کی ملی انفرادیت ختم ہو جائے، ہندو اُردو زبان کے دشمن تھے، وہ اُردو کو مٹا کر ہندی کو فروغ دینا چاہتے تھے تاکہ مسلمانوں کے عہدِ حکومت اور ہندوؤں کے دورِ غلامی کی یہ یادگار مٹ جائے، ہندو اعلےٰ سرکاری مناصب پر فائز تھے اور کوشش کرتے تھے کہ مسلمان کسی سرکاری دفتر میں نہ گھسنے پائیں، مسلمان یہ سب کچھ دیکھتے تھے اور خاموش تھے۔

نواب وقار الملک کی زیر سرکردگی ۱۹۰۱ء میں مسلمانوں نے ایک انجمن قائم کی جس کا نام "سیاسی انجمن" تھا یہ انجمن لکھنؤ میں قائم ہوئی مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی ملی انفرادیت قائم رہے ان پر آئے دن حکومت کی طرف سے جو زیادتیاں اور ہندوؤں کی طرف سے جو کرم فرمائیاں ہوتی رہتی ہیں ان کا تدارک کیا جائے، لیکن یہ انجمن بھی کوئی ٹھوس کام نہ کر سکی، مسلمان چند قدم بھی آگے نہ بڑھ سکے، ہندوؤں کی سب سے بڑی جماعت "انڈین نیشنل کانگریس" مسلمانوں کو اپنے اندر جذب کر لینا چاہتی تھی، اس لئے نہیں کہ اسے مسلم قوم کے تعاون کی ضرورت تھی اس لئے کہ اس طرح وہ انگریزوں کو نکالنے میں جلد کامیاب ہو سکتی تھی۔ اور انگریزوں کے نکلنے کا یہی نتیجہ ہو سکتا تھا کہ ہندوستان پر ہندو راج قائم ہو جائے۔

تقسیمِ بنگال

لارڈ کرزن ہندوستان کا بیدار مغز وائسرائے گزرا ہے، وہ مخصوص دل و دماغ کا آدمی تھا، اگر اس نے "محکمہ آثار قدیمہ" نہ قائم کیا ہوتا تو آج ہندوستان میں مسلمانوں کی تاریخی عمارتوں اور ہندوؤں کے افسانوی دور کے آثار ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹ گئے ہوتے اسی وائسرائے نے ۱۹۰۵ء میں تقسیم بنگال کا اعلان کیا، یعنی مشرقی بنگال کو ایک الگ

صوبہ بنا دیا جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔

اب بنگال کے مسلمانوں کو پھلنے پھولنے کا موقعہ ملا۔ لیکن یہ اتنا بڑا حادثہ ہندو سامراج کے لئے تھا کہ ہندوؤں میں ایک شورش پیدا ہو گئی، انارکسٹ اور دہشت انگیز لوگ پیدا ہو گئے، بم پھٹنے لگے۔ گولیاں چلنے لگیں، امن و امان برباد ہو گیا، اور شورش و اضطراب کا دَور دورہ شروع ہو گیا مسلمانوں کو مناصب بلند پر فائز دیکھ کر ہندو آگ کی طرح بھڑک اٹھے باغیانہ مظاہرے ہوئے، اشتعال انگیزیاں کی گئیں، قتل و خونریزی کا بازار گرم ہو گیا حد یہ ہے کہ "انڈین نیشنل" کانگرس تک چیخ اٹھی، اسی سال ۱۹۰۵ء کلکتہ میں کانگرس کا سالانہ اجلاس مسٹر گوکھلے کی صدارت میں منعقد ہوا، حکومت کے اس فیصلہ کے خلاف، گوکھلے صاحب بھی بادل کی طرح گرجے، اور پانی کی طرح برسے، بڑی تند اور شوخ تجویزیں منظور کی گئیں اور حکومت کو مشورہ دیا گیا کہ وہ یہ اعلان واپس لے ہندو جس طرح فیصلۂ تقسیم واپس لینے کا مطالبہ کرتے تھے مسلمان اسی جوش و خروش کے ساتھ اسے قائم رکھنے پر اصرار کرتے تھے دونوں اپنے اپنے مفاد کے لئے حکومت کے سامنے مطالبات پیش کرتے تھے ہندو یہ نہیں چاہتے تھے کہ سوا دو کروڑ نفوس ان کی غلامی سے آزاد ہو جائیں اور مسلمان یہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ پھر سے ہندوؤں کے حوالہ کر دئے جائیں۔

لارڈ کرزن مضبوط وائسرائے تھے، وہ اس شور و شر سے ذرا بھی متاثر نہ ہوئے پارلیمنٹ اور وائسرائے کی طرف سے بار بار یہی کہا گیا کہ یہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

تقسیم ہند کی تنسیخ

لیکن یہ صورت حال زیادہ عرصہ تک نہیں قائم رہی، حکومت طاقت کے سامنے جھکتی ہے، نیاز مندی کے مقابلہ میں اکڑتی ہے۔ ہندو طاقتور تھے، انہوں نے حکومت کو

جھکا لیا مسلمان نیاز مند تھے وہ حکومت کی اکڑی ہوئی گردن اس وقت تک متحدہ بنگال میں مسلمان کی اکثریت نہیں تھی، بعد میں جب مسلمان اکثریت میں ہو گئے اور ہندو اقلیت میں تو ہندو بڑی خوشی سے تقسیم بنگال پر راضی ہو گئے اسے سیدھی نہ کر سکے، نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کا "طے شدہ" فیصلہ بدل گیا، اور ۱۹۱۱ء میں جو فلک شکوہ دربار شاہی منعقد ہوا تھا، اس میں اعلان کر دیا گیا کہ بنگال کا فیصلہ منسوخ کیا جاتا ہے، اس اعلان سے بیک وقت دو کام ہوئے مسلمانوں پر بجلی بن کر گرا، اور ہندوؤں کے لئے یہ بادِ بہار ثابت ہوا مسلمانوں کے ہاں صفِ ماتم بچھ گئی، اور ہندوؤں کے ہاں چراغاں ہونے لگا ایک ہنس رہا تھا دوسرا رو رہا تھا

درین حدیقہ بہار و خزاں ہم آغوش است
زمانہ جام بدست و جنازہ بر دوش است

اس اعلان نے مسلمانوں کو بہت رنجیدہ کیا، لیکن ان کے پاس طاقت تو تھی نہیں وہ کرتے کیا

نواب ڈھاکہ کے تاثرات

نواب سلیم اللہ خاں، نواب بہادر آف ڈھاکہ، ہمدرد ملت رئیس تھے، وہ امارت کی گود میں پلے تھے، عیش و تنعم کی زندگی بسر کرتے تھے لیکن اپنی قوم کے درد میں شریک تھے، وہ تقسیم بنگال کے سب سے بڑے حامیوں میں تھے لیکن تنسیخ کے اعلان نے ان کا حوصلہ پست کر دیا چنانچہ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ کلکتہ ۱۹۱۱ء کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا

ہمارے بدخواہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ تقسیم بنگالہ سے لازمی طور پر مشرقی بنگال کے مسلمانوں کے پامال شدہ حقوق نمایاں حیثیت اختیار کر لیں گے، اگرچہ ہمیں حقہ اسدی سے کچھ بھی زیادہ نہیں ملا تھا ہمارے مخالفوں کے احساسات کا کچھ وہی لوگ اندازہ لگا سکتے ہیں جنہیں مدت سے حقوق کا اجارہ حاصل ہو، خواہ اس کی اصل اور نوعیت کتنی ہی غیر منصفانہ کیوں

نہ ہو اور پھر انہیں اس اجارہ سے دستبردار ہو کر دوسروں کو بھی حصہ دینا پڑے، سو تقسیم کے خلاف ان کا ہنگامہ ایک فطری امر تھا، اس ہنگامہ میں انہوں نے متشددانہ رویہ اختیار کیا اخبارات میں باغیانہ مضمون لکھے گئے۔ پلیٹ فارم سے انقلاب انگیز صدائیں بلند کی گئیں اور غیر ذمہ دار اشتعال انگیزوں کا ایک گروہ صوبہ کے دورہ پر نکلا، تاکہ نوجوانوں کے متاثر قلوب میں باغیانہ خیالات کا زہر داخل کرے، برطانوی مال کے خلاف بائیکاٹ کا حربہ استعمال کیا گیا، اور اقتصادی تحریک کے بھیس میں جلا کر برطانیہ کے خلاف خود بھڑکایا، نتیجہ یہ ہوا کہ ملک ایک انقلابی رو میں بہ گیا اور امن و امان معدوم ہو گیا، سیاسی قتل ہونے لگے، سیاسی ڈکیتیوں کا ارتکاب کیا گیا۔

اس اشتعال انگیز ہنگامہ کی وجہ صاف ظاہر تھی لیکن ہنگامہ پروروں نے یہ پروپیگنڈا کیا کہ تقسیم بنگال سے بنگالی جذبات کی توہین کی گئی ہے اور یہ کہ انہیں دو مختلف نظاموں کے ماتحت رکھا گیا ہے۔

نواب صاحب کے ان تاثرات سے پورا پورا اندازہ ہو جاتا ہے کہ شروع ہی سے ہندوؤں کی ذہنیت اور جبلت کیا ہے اور ان کا سب سے بڑا منظم اور ترقی پسند ادارہ کانگریس تک کس طرح مسلمانوں کی انفرادیت اور ترقی کی مخالفت کر سکتا ہے۔

مسلم لیگ کی تشکیل

حکومت نے جب تقسیم بنگال کا اعلان کیا تو ہندو بھڑک اٹھے۔ یہ اعلان ۱۹۰۵ء میں ہوا تھا اور ہندو اسی وقت سے نصل و آتش نظر آ رہے تھے۔ اب مسلمانوں کے سنجیدہ اور ذمہ دار اصحاب نے طے کیا مسلمانوں کی سیاسی جماعت قائم ہونی چاہیئے۔ جو ان کے حقوق کی حفاظت کر سکے۔

نواب سلیم اللہ خاں کی دوربین نظروں نے تقسیم کے خلاف ہندوؤں کے بے پناہ ایجی ٹیشن کو دیکھ کر محسوس کر لیا۔ یہ فتنہ آگے چل کر قیامت ہو گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اپنی حفاظت کا ابھی سے بندوبست کیا جائے۔ اسی خیال ماتحت ڈھاکہ میں مسلم قوم کے ارباب حل و عقد کا ایک جلسہ ہوا، جس میں نواب سلیم اللہ خاں کے علاوہ جو اس اجتماع کے داعی تھے، سر علی محمد خاں راجہ محمود آباد، مسٹر حسن امام، سر آغا خاں، مولانا محمد علی مرحوم و مغفور، نواب وقار الملک وغیرہ شریک ہوئے جلسہ میں طے پایا کہ مسلمانوں کی ایک سیاسی انجمن "مسلم لیگ" کے نام سے قائم کی جائے یہ واقعہ ۱۹۰۶ء کا ہے، یعنی تقسیم بنگال سے صرف ایک سال بعد، لیکن مسلم لیگ کوئی ایسا کام نہ کر سکی جو اس طوفان کو روک سکتا جسے ہندوؤں کی دہشت پسندی اور اشتعال انگیزی نے اٹھایا تھا پھر بھی مسلم لیگ کے قیام سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ مسلمان کا شیرازہ کسی حد تک منظم ہو گیا ان کا ایک پلیٹ فارم بن گیا، ان کی ایک آواز فضا میں گونجنے لگی اور ان میں سیاسی شعور پیدا ہو گیا۔

اشک شوئی کی کوشش

حکومت نے تقسیم کا اعلان منسوخ کر دیا۔ لیکن دل ہی دل میں وہ نادم بھی تھی، اپنی کمزوری اور بزدلی کو محسوس بھی کر رہی تھی، اپنی خفت کو مسلمانوں کی اشک شوئی کر کے مٹانا چاہتی تھی۔ چنانچہ اس نے ڈھاکہ یونیورسٹی قائم کی اور اس یونیورسٹی کو اقامتی درسگاہ کی حیثیت سے قائم کیا ساتھ ہی ساتھ اس یونیورسٹی میں علوم مشرقیہ و دینیہ کی تعلیم کا کافی بندوبست کیا، علاوہ ازیں کونسل میں ان کی کچھ نشستیں بھی بڑھا دیں، اور نسبتاً ان کے ساتھ مراعات اور دلجوئی کا طریقہ اختیار کیا۔

یہ بات بھی ہندو نشلسٹوں کو پسند نہ آئی، اس پر بھی احتجاج اور برہمی کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا

اس سیل سبک سیر و زمیں گیر کے آگے
عقل و نظر و علم و ہنر ہیں خس و خاشاک

اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ اس دوسرے احتجاج کی قیادت بھی ہندوستان کے نام نہاد بین الاقوامی ادارہ، کانگریس، کے ہاتھ میں تھی، کانگریس کو یہ ناگوار تھا کہ مسلمانوں کو کونسل میں کچھ نشستیں زیادہ مل جائیں، اگرچہ وہ ان کے تناسب آبادی کے لحاظ سے کم ہی کیوں نہ ہوں کچھ حقوق مسلمانوں کو مل جائیں، اگرچہ وہ ان کے جائز مطالبہ اور استحقاق سے فرومایہ کیوں نہ ہوں۔

رِستا ہوا ناسور

مسلم لیگ ۱۹۰۶ء میں قائم ہوئی تھی، لیکن مسٹر جناح ۱۹۱۳ء تک اس جماعت میں شریک نہیں ہوئے وہ کسی فرقہ ورانہ جماعت کے قائل ہی نہیں تھے، ان کی تمنا تھی کہ مسلمان کانگریس میں شریک ہو کر ملک کو آزاد کرائیں۔

لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ہندو کانگریس تقسیم بنگال کی سخت و شدید مخالفت کر رہی ہے اور اسی طرح اپنی فرقہ پرستی کا ثبوت دے رہی ہے جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ہندو کانگریس اسے بھی گوارا نہیں کر سکتی کہ مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق ملیں اور اس پر چراغ پا ہو جاتی ہے جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ہندو کانگریس مسلمانوں کی قومی انفرادیت مٹا دینے پر تلی ہوئی ہے تو انہوں نے محسوس کیا کہ ایک ایسے سیاسی ادارہ کی بہرحال ضرورت ہے جو مسلمانوں کے حقوق کے لئے لڑ سکے، آخر وہ مولانا محمد علی مرحوم اور سید وزیر حسن کی تحریک سے ۱۹۱۳ء میں مسلم لیگ کے ممبر بن گئے، وہ اب بھی کانگریس کے سرگرم ممبر تھے۔ کانگریس کے صفِ اوّل کے لیڈر تھے لیکن اب انہوں نے مسلمانوں کا رِستا ہوا ناسور دیکھ لیا تھا۔ اب اس کے اندمال کی انہیں فکر ہو گئی تھی اب وہ سوچنے لگے تھے کہ یہ زخم کیونکر اچھا ہو؟ یہ گھاؤ کس طرح پُر ہو؟ کمزوری کس طرح دفع کی جائے؟ اس کی صورت یہی تھی کہ حبِ وطن کے جذبہ سے بھی دستبردار نہ ہوں، کانگریس کے ملکی اور بین الاقوامی پلیٹ فارم کو بھی مشترک معاملات و مسائل کے لئے استعمال کرتے رہیں، اور مسلمانوں کی انفرادیت کے قیام و بقا کے لئے مسلم لیگ میں بھی شریک ہوں،

گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را

رفتہ رفتہ اب مسلمان سیاست کے خارزار سے اپنا دامن الجھا رہے تھے وہ اب جارحانہ سیاست کی طرف مائل ہو رہے تھے، ان کے رکے ہوئے قدم پھر اٹھنے لگے تھے، ان کے جمے ہوئے پاؤں پھر بڑھنے لگے تھے، تقسیم کی تنسیخ ایک ایسا سانحہ تھا جو جب انہیں یاد آ جاتا تھا۔ ان کے لئے مہمیز کا کام کرتا تھا۔

حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی
نوا را تلخ تر می زن چو ذوق نغمہ کمیابی

یہ ذکر ان کے اندر ایک نئی امنگ ایک نئی ترنگ ایک نیا جذبہ ایک نیا ولولہ پیدا کر دیتا تھا سر علی محمد خان راجہ محمود آباد ۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ کے اجلاس سالانہ کی مجلس استقبالیہ کے صدر تھے۔ یہ اجلاس لکھنؤ میں ہو رہا تھا۔ مولانا محمد علی مرحوم اس کی صدارت کے لئے منتخب ہوئے تھے، لیکن وہ نظر بند تھے، اور حکومت انہیں رہا کرنے پر کسی طرح تیار نہ تھی چنانچہ صدارت کی کرسی پر مولانا مرحوم کی تصویر رکھ دی گئی اور جلسہ کی کارروائی جاری رہی۔

راجہ محمود آباد نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں ملکی و ملی حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا

"اب تقسیم بنگال کے معاملہ کو سامنے رکھیئے، مشرقی بنگال میں ہمارے بھائیوں کو یقین دلایا گیا کہ تقسیم بنگال ایک طے شدہ امر ہے اور ان کی حوصلہ افزائی کی گئی کہ وہ تقسیم کی تحریک کو جاری رکھیں، ملکِ معظم کے نائب (وائسرائے) اور وزیر ہند لارڈ مارلے نے اعلان کیا تھا کہ تقسیم بنگال کا نفاذ لازمی امر ہے خواہ کتنے ہی خطرات کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔ اسلامی بنگال کو بار بار یقین دلایا گیا کہ اسے کلکتہ کے بنگالیوں (ہندوؤں) کے ماتحت نہ رکھا جائے گا۔ مسلمان اشتعال کے باوجود برطانوی وعدوں پر اعتماد کرتے ہوئے امن سے

بیٹھے رہے لارڈ منٹو (وائسرائے ہند) نے اعلان کیا کہ برطانوی حکومت کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ اس فیصلہ کو بدل دے۔ ہندوستان کے کسی سیاسی رہنما کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس فیصلہ کی تنسیخ کبھی ممکن ہو سکتی ہے۔ لیکن ان تمام اعلانوں کے باوجود ہوا کیا؟ یہی کہ جونہی برطانوی مفاد کا تقاضہ یہ ہوا کہ اس فیصلہ کو بدل دیا جائے تو ایک لمحہ کے لئے برطانیہ کو اپنے مواعید کا خیال نہ آیا اور مسلمانوں کی داستانِ وفا یک قلم فراموش کر دی گئی۔

جناح کی روش

مسلم لیگ کے بہت سے بانیوں کا یہ خیال تھا کہ یہ جماعت کانگرس کے حریف کی حیثیت سے کام کرے گی، لیکن محمد علی جناح نے مسلم لیگ میں شرکت کرتے ہی نقطۂ نظر بدل دیا۔ وہ مسلم لیگ کے اس لئے حامی تھے کہ مسلمانوں کے ساتھ کوئی ناانصافی نہ ہونے پائے اور کانگرس کے اس لئے وفادار تھے کہ یہی جماعت تمام اقوامِ ہند کو اپنے ساتھ ملا کر منزلِ حریت تک رہنمائی کر سکتی تھی، وہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر کانگرس کے فضائل و مناقب بیان کرتے تھے تاکہ مسلمانوں کے دل کانگرس سے صاف ہوں، بدظنی خوش فہمی میں بدل جائے اور کانگرس کے پنڈال میں وہ مسلم لیگ کی خصوصیت اور اہمیت بیان کرتے تھے تاکہ کانگرسی لیڈروں کے دل مسلم لیگ سے صاف ہو جائیں، وہ اسے فتنہ پرور جماعت نہ سمجھیں بلکہ اپنی طرح مخلص اور حبِ وطن سمجھیں بقول مسز نائیڈو کے وہ "درمیانی شخص کا کام دے رہے تھے CROSS-BENCHER

دل کو رد ؤں یا جگر کو میرؔ
میری دونوں سے آشنائی تھی

میثاقِ لکھنؤ

مسلم لیگ اور کانگرس کی تاریخ میں میثاق لکھنؤ، ایک یادگار اور ناقابلِ فراموش حیثیت رکھتا ہے، اس مسئلہ پر سرسری گفتگو نہیں کی جا سکتی، ذرا تفصیل سے ہمیں مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرنی ہو گی، تاکہ ماضی کے واقعات کی روشنی میں حال پہچانا جا سکے اور حال کے آئینہ میں مستقبل کی جھلک دیکھی جا سکے،

یہ مسئلہ متعدد پہلوؤں کا حامل ہے، اور ہمیں ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کرنی ہے، کوئی پہلو بھی اگر تشنہ بحث رہ گیا۔ تو ہندو مسلم اتحاد اور کانگرس مسلم مفاہمت کی ایک نہایت اہم کڑی نظر انداز ہو جائے گی۔ اور پھر آگے چل کر جو واقعات و حادثات رونما ہوئے اتحاد کی راہ میں جو سنگِ گراں حائل ہوئے، مفاہمت کے طے شدہ اور مسلّمہ اصول جس طرح ٹھکرائے گئے ان کا چہرہ صاحبِ نظر نہیں آ سکے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ پسِ منظر کے طور پر ہر پہلو کو لیا جائے اور ہر پہلو پر بحث کی جائے۔

قومی انفرادیت

کسی قوم کے جداگانہ قیام کا مسئلہ، سیاسیات کے ہر دور کا ایک اہم ترین مسئلہ رہا ہے،

دوسرے ممالک میں بھی اس مسئلے نے تنازع للبقاء کی صورت اختیار کی، اس سلسلہ میں خون ریزیاں ہوئیں، سفاکیوں کے مظاہرے ہوئے اور زبردست تصادم ہوا اور پھر بھی بڑی حد تک مسئلہ جوں کا توں رہا، ہر بڑی اکثریت چاہتی ہے کہ چھوٹی اقلیتوں کو اپنے میں ضم کرلے، ان کا جداگانہ وجود ختم کردے ان کی علیحدہ ہستی کس طرح نہ باقی رہنے پائے۔ اسی میں اسے اپنے مستعمرانہ مقاصد کی کامیابی نظر آتی ہے۔

ہندوستان ایک وسیع براعظم ہے جو تقریباً ۴۵ کروڑ نفوس سے معمور ہے یہ خطہ معمورۂ اقوام وملل ہے، دنیا کی کون قوم ہے جو یہاں نہ پائی جاتی ہو؟ ملک کی وسعت کا یہ عالم کہ یہاں کا ایک صوبہ یورپ کے بڑے سے بڑے "ملک" کے مقابلہ میں کیا بلحاظ وسعت مکانی اور کیا بہ اعتبار تعداد نفوس پیش کیا جا سکتا ہے، یہاں بھی اقلیتوں کا مسئلہ اٹھا۔ یہاں بھی اقلیتوں نے اپنی جداگانہ ہستی کے قیام وبقا پر اصرار کیا، یہاں بھی اکثریت نے چاہا کہ اقلیتیں اس کے اندر ضم ہوجائیں قطرۂ ناچیز بحرِ بیکراں کے مقابلہ میں کب ٹھہر سکتا ہے؟ رفتہ رفتہ یہاں کی اقلیتیں اپنی قسمت پر قانع ہوتی گئیں۔ اکثریت کے سامنے سر عبودیت خم کرتی گئیں، پارسی سکھ اور دوسری چھوٹی اقلیتوں پر نظر ڈالیے۔ ان کا وجود ہمارے دعوے کا بہترین ثبوت ہے،

ایک بڑی اقلیت

اگر یہاں صرف سکھ اور پارسی رہتے ہوتے، یا اسی طرح کی چھوٹی چھوٹی اقلیتیں آباد ہوتیں، تو فکر و اندیشہ ہائے دور دراز کا سوال کبھی نہ پیدا ہوتا، لیکن یہاں ایک اور اقلیت مسلمانوں کی بھی تھی، یہ اقلیت چند لاکھ یا چند ہزار کی تعداد میں نہیں تھی بلکہ کروڑوں کی آبادی رکھتی تھی، یہ صورت بھی نہیں تھی کہ ہندوستان کے ہر صوبہ میں یہ ایک کم مایہ اقلیت ہی ہوتی، بلکہ صورت حال یہ تھی کہ متعدد صوبوں میں یہ ملکی اقلیت اکثریت کی ملک حاصل تھی، مزید برآں قدرت نے اسے کچھ امتیازات بھی عطا فرمائے تھے پہلا امتیاز یہ تھا

کہ کم وبیش ایک ہزار برس تک اس نے ہندوستان کے طول وعرض پر جاہ وجلال دبدبہ وطنطنہ اور عظمت وشوکت کے ساتھ حکومت بھی کی تھی، جس کے آثار ونقوش محسوس ومرئی اور ذہنی وقلبی اب تک قائم ہیں، اور شاید ہمیشہ قائم رہیں گے، دوسرا غیر معمولی امتیاز جو اسے حاصل تھا وہ یہ کہ اس کے افراد وسط ہندوستان میں نہیں آباد تھے، بلکہ صورت یہ تھی کہ وسط ہند میں تو وہ ایک ناقابل لحاظ اقلیت تھے اور سرحدی مقامات پر، ساحلی مقامات پر اطراف وجوانب کے مقامات پر انہیں اکثریت حاصل تھی، ہندوستان کا وہ قدیم راستہ جو سکندر اعظم سے لے کر محمود غزنوی، شہاب الدین غوری ظہیر الدین بابر اور نصیر الدین ہمایوں تک کے لئے فتح وظفر کا راستہ بنا رہا، اسی اقلیت کی تحویل میں تھا، کشمیر بھی باہر سے آنے والوں کا راستہ بن سکتا ہے۔ یہاں بھی مسلمانوں کو بہت بڑی اکثریت حاصل تھی، جاپان نے ہندوستان کی طرف رخ کیا تو پہلے بنگال ہی سے سابقہ پڑا، یہاں بھی مسلمان اکثریت میں ہیں ہندوستان کا وہ ساحل جس نے محمد بن قاسم کے قدموں کو بوسہ دیا تھا۔ سندھ مسلمانوں ہی کا صوبہ تھا یہ وہ امتیازات تھے، جو قدرت نے مسلمانوں کو عطا کئے تھے، یہی امتیازات دوسروں کی نظروں میں خار بن کر کھٹکنے لگے، اور اب سارا زور اس پر صرف کیا جانے لگا کہ مسلمان بھی ہندوستان کی وحدت میں اپنے امتیازات گم کردیں۔

ظاہر ہے کہ مسلمان قوم جسے اپنے مذہب پر ناز ہے اپنی تہذیب وتمدن پر فخر ہے اپنی ثقافت اور حضارت کے بقا و قیام پر اصرار ہے، وہ ہرگز اس طرح سپر نہیں ڈال سکتی تھی کہ اپنا سب کچھ گنوا دے، اور کنگال ہو کر بیٹھ رہے،

سرسید اعظم یہ سب کچھ سمجھ رہے تھے، اسی لئے انہوں نے مسلمانوں کو کانگریس سے علیحدہ رہنے کی تلقین کی، بنگال کی تقسیم اور تنسیخ کے ڈرامہ نے مسلمانوں کو سبق دیا کہ وہ اپنا علیحدہ وجود قائم رکھیں، پھر سرسید کے جانشین محسن الملک نے منظم طور پر کوشش کی کہ مسلمانوں کی جداگانہ ملی ہستی قائم رہے اور وہ کسی طرح ملک کی بڑی اکثریت میں مدغم نہ ہونے

پائے کہ بالآخر یہ ادغام موت کا نقیب ثابت ہوگا۔

وفد شملہ

ہندوستان میں سب سے پہلے نواب محسن الملک مرحوم نے دوسرے زعماء سے مشورہ اور تبادلۂ خیالات کے بعد، ایک لائحہ عمل مرتب کیا، جس کا مقصد و منشا یہ تھا کہ مسلمان ہندوستان کی وحدت میں گم نہ ہونے پائیں، بلکہ اپنا علیحدہ قومی وجود قائم رکھیں۔

اس سلسلہ میں "وفد شملہ" کا ذکر ناگزیر ہے، نواب محسن الملک کے ذمہ ایک ایسے وفد کی ترتیب و تشکیل کا کام ڈالا گیا جو وائسرائے کے سامنے اپنے مطالبات پیش کرے۔ بالآخر نواب صاحب کی کوششیں کامیاب ہوئیں، ۱۶ ستمبر ۱۹۰۶ء کو لکھنؤ کے ایک جلسہ عام میں وہ "عرضداشت" منظور ہوئی جو وفد کو جناب وائسرائے کی خدمت گرامی میں پیش کرنی تھی، یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء کو شملہ میں لارڈ منٹو وائسرائے و گورنر جنرل کی خدمت میں وفد باریاب ہوا، اور اس نے ایک مفصل "عرضداشت" پیش کرنے کی عزت حاصل کی، وفد نے کہا:۔

"جو طریقہ نیابت و قائم مقامی کا یورپ میں رائج ہے وہ اہل ہند کے لئے بالکل نیا ہے، ہماری قوم کے بعض دور اندیش افراد کا خیال ہے کہ اس طریقہ کو ہندوستان کی موجودہ سیاسی اور تمدنی حالت پر کامیابی کے ساتھ منطبق کرنے کے لئے نہایت حزم و احتیاط و مآل اندیشی سے کام لینا پڑے گا۔ جو اگر نہ لیا جائے گا تو منجملہ اور خرابیوں کے ایک بہت بڑی خرابی یہ پیش آئے گی کہ ہمارے قومی اغراض کا سیاہ و سفید ایک ایسی جماعت کے حوالے ہو جائے گا، جسے ہمارے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہے۔

اس اہم انتباہ کے بعد وفد نے وائسرائے کے سمع مبارک تک یہ حقیقت بھی پہنچا دی "کہ قومی حیثیت سے ہم مسلمانوں کی ایک جداگانہ جماعت ہے جو ہندوؤں سے بالکل الگ ہے"۔

یہ گویا پہلی داغ بیل ہے مسلمانوں کے اس عزم صمیم کی کہ وہ اپنا جداگانہ وجود قائم رکھنے پر مصر ہیں

تب بھی اور اب بھی

مسٹر جناح ایک عرصۂ دراز تک غیر فرقہ پرست، قوم پرور، اور ورکر کانگرسی سب ہی رہ چکے ہیں، ایک زمانہ وہ تھا کہ وہ سوا کانگرس کے ہر جماعت کو ناقابلِ اعتبار سمجھتے تھے پھر وہ زمانہ آیا کہ وہ ہندو مسلم اتحاد کے علمبردار بنے، اور اس حیثیت سے سارے ہندوستان کے بڑے بڑے ہندوؤں سے، چوٹی کے کانگرسیوں سے خراج تحسین حاصل کیا، اب یہ زمانہ ہے کہ وہ مسلم لیگ کے سوا ہر جماعت سے قطع تعلق کر چکے ہیں مسلم لیگ کی پالیسی کے سوا ہر پالیسی ان کی نگاہ میں غلط ہے۔ انقلاب و تغیر کے اس طویل دور میں آپ مسٹر جناح کے خیالات کا پوری بیدردی سے تجزیہ کیجیے، تحلیل کیجیے، زندگی کے ہر دور میں خواہ وہ کانگرسی رہے ہوں یا مسلم لیگی۔ مسلمانوں کے جداگانہ وجود کے قیام و بقا پر ہمیشہ ان کی ایک ہی رائے رہی، وہ یہ کہ مسلمان ہندوستان کے لئے سب کچھ کریں، مگر اپنا قومی وجود نہ ہونے دیں، تب بھی وہ یہی کہتے تھے جب وہ کانگرس کے زعیم کبیر تھے، اور اب بھی وہ یہی کہہ رہے ہیں جب وہ مسلم لیگ کے قائد اعظم ہیں۔

لکھنؤ کے سالانہ اجلاس مسلم لیگ کی صدارت کرتے ہوئے ۱۹۱۶ء میں انہوں نے کہا

"ہندو ارباب سیاست کے پرزور مطالبۂ اصلاحات ہی نے مسلمانوں میں بیداری پیدا کی، کیونکہ اندیشہ تھا کہیں یہ اصلاحات مسلم قوم کے وجود ہی کو ختم نہ کر دیں،

لیگ کا سب سے بڑا اصول یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی علیحدہ قومیت اس قدر مضبوط بنیادوں پر قائم ہو جائے کہ کسی کی سیاسی اصلاحات اسے نقصان نہ پہنچا سکیں"

آج کا فرقہ پرست جناح، کل کے کانگرسی جناح سے زیادہ مختلف الفکر تو نہیں ہے؟
اسی خطبۂ صدارت میں جناح نے آگے چل کر کہا۔

"میرے اور مسلمانوں قوم پرستوں کے لئے یہ بے حد خوشی کا مقام ہے کہ ہندو قوم کے رہنماؤں نے خوشی خوشی، مسلمانوں کی جُداگانہ حیثیت کو تسلیم کر لیا ہے۔ لیگ اور کانگرس کی مجالس منتخبہ نے اس فیصلہ پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔"

آج کا جناح جس چیز پر زور دے رہا ہے، وہ وہی چیز ہے جس کے لئے کل وہ ہمہ تن سعی و عمل بنا ہوا تھا یا اس سے کچھ الگ؟

اپنے اس خطبہ میں مسٹر جناح نے ایک سچے مسلمان، ایک سچے ہندوستانی، اور ایک سچے "قوم پرور" کی حیثیت سے کہا۔

"ہماری قومی حیثیت محفوظ ہونے کے بعد، اگر کوئی میرا ہم قوم ہندو بھائی کی طرف دستِ اتحاد نہ بڑھائے، تو مجھے اس سے کوئی ہمدردی نہیں اسی طرح میں اس ہندو محبِ وطن کے رویہ کو بھی قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا، جو اپنے نیم رطل گوشت کے لئے جھگڑے خواہ اس سے ملک کا مستقبل ہی تاریک کیوں نہ ہو جائے۔"

۳۷ء میں لکھنؤ میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا، اتفاق اس مرتبہ بھی مسٹر جناح ہی اس کے صدر تھے، انھوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں کہا۔

"باعزت مفاہمت ہمیشہ برابر کے فریقین میں ہوتی ہے، کمزور جماعت کی طرف سے صلح جوئی کے معنی، اعتراف کمزوری کے ہوتے ہیں، حق و انصاف کے نام پر اپیل بے کار ثابت ہوا کرتی ہے۔"

یہ خیال محض نظریہ نہیں ہے، صرف فلسفہ نہیں ہے، تجربہ ہے، مشاہدہ ہے بارہا

کا جانچا ہوا، پرکھا ہوا، آزمایا ہوا، مسلمان جب تک کمزور رہے ان کا جداگانہ وجود نظر انداز کیا گیا، جب تک کمزور رہیں گے نظر انداز کیا جاتا رہے گا۔ جس دن انھوں نے توانائی حاصل کر لی تو بقول مولانا شوکت علی مرحوم، بہ زبان داغ

ہم نشیں جب مرے ایام بھلے آئیں گے
بن بلائے گھر آپ چلے آئیں گے

کانگرس سے مفاہمت کا امکان صرف اسی ایک سوال پر مبنی ہے، جب تک وہ مسلمانوں کی جداگانہ، مساویانہ حیثیت تسلیم نہیں کر لیتی، مفاہمت بھی نہیں ہو سکتی، دسمبر ۳۸ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ پٹنہ کے خطبہ صدارت میں مسٹر جناح نے کہا اور بالکل سچ کہا۔

"کانگرس نے ہندو مسلم اتحاد کی ہر امکانی اُمید کو فیسزم کی چٹان پر دے مارا حقیقت یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مساویانہ حیثیت سے مفاہمت کرنا نہیں چاہتی۔"

ان ارشادات کی صداقت اور واقعیت سے کون انصاف پسند انکار کر سکتا ہے؟

انتخاب جُداگانہ یا مخلوط

جداگانہ انتخاب کا مسئلہ بھی قومی انفرادیت ہی کی ایک کڑی ہے۔ جب مسلمانوں نے یہ دیکھ لیا کہ اکثریت انہیں اپنے اندر مدغم کر لینا چاہتی ہے، تو انھوں نے سوچا کہ اپنے وجود قومی کے تحفظ اور بقا کے لئے انہیں کیا کرنا چاہیئے؟ ان کے سامنے دو راستے کھلے ہوئے تھے، ایک تو یہ تھا کہ وہ غیر مشروط طور پر اپنے تئیں ہندو اکثریت کے حوالہ کر دیتے، اور وحدت ہند کے عناصر میں شریک رہتے، دوسرا راستہ یہ کہ وہ کسی قیمت کسی حالت اور شرط کے ماتحت بھی اپنا جداگانہ وجود قربان کرنے پر آمادہ نہ ہوتے

انہوں نے یہ دوسرا راستہ اختیار کیا کہ صرف اسی طرح وہ اپنے قومی امتیازات و خصائص باقی رکھ سکتے ہیں۔

انہیں طرح طرح کے طعنے دئے گئے، غدار کہا گیا، ملک دشمن بنایا گیا "فرقہ پرستی" کی اصطلاح وضع کی گئی، اور پروپیگنڈے کے بل بوتے پر اس لفظ کو اتنا ذلیل، اس مفہوم کو اتنا شرمناک اور اس ذہنیت کو اتنا پست ثابت کیا گیا کہ فرقہ پرستی کا ارتکاب گناہ کبیرہ کا مترادف قرار پایا۔ لوگوں کو اپنی طرف اس کا انتساب کرتے ہوئے شرم آنے لگی، جس طرح سر سیّد کے زمانہ میں پہلے پہل جب عقلیت تجدّد اور فرنگیت کا دور دورہ چلا تو جو مسلمان اس تحریک سے مرعوب و متاثر ہو چکے تھے وہ اپنی اسلامیّت کو عقلیّت کے معیار پر لانے کی تعلیمات اسلامی کو تجدّد کے پیمانہ سے ناپنے کی نوامیس اسلامیہ کو فرنگیت کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کرنے لگے، تاکہ ان پر سے یہ ننگ دُور ہو جائے کہ وہ مسلمان ہیں، یعنی وحشی بربر اور نامہذّب ہیں، اسی طرح جب قومیّت کی ہوا چلی، وحدتِ ہند کا مسئلہ اٹھا اور ملک پروری کی آندھی آئی، تو جو لوگ اس پروپیگنڈے سے متاثر ہو چکے تھے، وہ اب اپنے تئیں فرقہ پرست کہتے ہوئے شرمانے لگے، انہوں نے نیشلزم کا لبادہ اوڑھا، انہوں نے اپنی فرقہ پرستی کو قومیّت کے رنگ میں رنگ دینا چاہا، انہوں نے چاہا کہ انہیں چاہے کوئی گالی دے لے، لیکن فرقہ پرست نہ کہے۔

ایک طرف یہ ذہنی کشمکش تھی، دوسری جانب برہنہ اور عریاں واقعات تھے، واقعات یہ کہ اکثریت قدم قدم پر اپنی کثرتِ تعداد سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتی تھی، وہ ہمیں یہ تو بتاتی رہی کہ مصر کی اقلیتیں کس طرح اکثریت کی ہم نوا اور ہم آہنگ ہیں، لیکن اس نے مصری اکثریت کے نقشِ قدم پر چلنے کی کبھی کوشش نہ کی، جب کبھی انتخاب کا مسئلہ درپیش ہوا، مسلمان اُمیدوار اس لئے ہرایا گیا کہ وہ مسلمان تھا، جب ملازمتوں کا سوال سامنے آیا، مسلمان اس لئے نظر انداز کیا گیا کہ وہ مسلمان تھا، جب عہدوں اور منصبوں کی تقسیم پر بحث ہوئی، مسلمانوں کو اس لئے حقیر و ناکارہ سمجھا گیا کہ وہ مسلمان تھے، جب زبان کا معاملہ زیرِ بحث

آیا، اُردو اس لئے مردود و مقہور قرار دی گئی کہ "وہ مسلمانوں کے عہدِ حکومت کی یادگار تھی"[1]۔ غرض اکثریت نے کبھی رواداری و سعتِ قلب و نظر، اور فراخ حوصلگی کا ثبوت دیا، البتہ اقلیت سے وہ یہ تمام چیزیں مانگتی رہی۔

پہلا مطالبہ

یہ حقائق تھے جنہوں نے مسلمانوں کو مجبور کیا کہ وہ اپنے لئے بہ حیثیت مسلمان کے بہ حیثیت ایک جداگانہ قوم کے، بہ حیثیت ایک مستقل ملّی وجود کے کچھ طلب کریں، طلب اسی سے کیا جا سکتا ہے، جو کچھ دے سکے، ہندو اس پوزیشن میں نہ تھے لہٰذا یہ فریاد بھی حکومت کے "باب عالی" تک پہنچائی گئی۔

۱۹۰۶ء میں لارڈ منٹو وائسرائے ہند سے مسلمانوں کا جو وفد نواب محسن الملک اور سر آغا خان وغیرہ کی سرکردگی میں ملا تھا، اس نے اپنی عرضداشت میں منجملہ اور معروضات و مطالبات کے یہ بھی عرض کیا تھا کہ :-

"الیکشن کے نتائج کی حالت یہ ہے کہ موجودہ قاعدوں کی رُو سے یہ امر بعید از قیاس ہے کہ مسلمان کا نام انتخاب کے لئے پیش کیا جائے تاوقتیکہ وہ اہم معاملات میں اکثریت کے ساتھ ہمدردی کرنے کے لئے تیار ہو، کیونکہ انتخاب ہندوؤں کی رضامندی پر موقوف ہے۔"

آج سے ۴۰ برس پیشتر اس وفد نے ہندوؤں کی ذہنیت، مسلمانوں کی کس مپرسی اور حکومت کی نام نہاد جمہوریت سے ڈرتے ڈرتے دبی زبان میں جو کچھ کہا تھا، کیا آج کچھ اس سے بھی زیادہ، کہیں زیادہ، آنکھوں کے سامنے نمایاں نظر نہیں آرہا ہے؟ کیا آج بھی جہاں مخلوط انتخاب رائج ہے (ہندوستان کے متعدد مقامات پہ لوکل باڈیز

---

[1] یہ گاندھی جی کے الفاظ ہیں، جس پر بابائے اردو ڈاکٹر عبد الحق نے سخت احتجاج کیا تھا۔

میں ابھی مخلوط انتخاب جاری ہے، وہاں ہندوؤں کی وہی حالت نہیں ہے جس کی فریاد ۱۹۰۶ء میں کی گئی تھی؟

اس وفد نے اپنے معروضات پیش کرنے کے بعد کچھ مطالبات بھی پیش کئے تھے وہ بھی سن لیجئے۔

(۱) مسلمانوں کو اپنے مخصوص حلقہ ہائے انتخاب سے خود اپنے نمائندے منتخب کرنے کا حق ہو

(۲) مجالس قانون ساز میں مسلمانوں کی سیاسی اہمیت کو ملحوظ رکھ کر تناسب آبادی سے زیادہ نشستیں دی جائیں۔

(۳) حکومت کی ملازمتوں میں تناسب آبادی کے لحاظ سے مسلمانوں کو حصہ دیا جائے نیز چیف کورٹ اور ہائی کورٹ میں مسلم جج اور ایگزیکٹو کونسل[1] میں مسلمان ممبر مقرر کئے جائیں۔

(۴) یونیورسٹیوں کی سینٹ اور سنڈیکیٹ میں مسلمانوں کی تعداد مقرر کی جائے

(۵) مسلم یونیورسٹی کے قیام میں مدد دی جائے۔

یہ پہلا مطالبہ تھا جو قاعدگی اور کسی حد تک تنظیم کے ساتھ حکومت کے گوش گزار کیا گیا جداگانہ انتخاب مسلمانوں کو مل گیا جس دن سے ملا، اسی دن سے اس کی کوشش شروع ہو گئی کہ اس "فرقہ پرستی" کی لعنت سے مسلمان جلد از جلد دستبردار ہو جائیں۔

مسٹر جناح اور بعض دوسرے مسلم زعماء ہمیشہ مخلوط انتخاب کے قبول کرنے اور جداگانہ انتخاب سے دستبردار ہونے پر تیار رہے، لیکن چند شرائط کے ساتھ، ایسے شرائط جو کسی طرح قوم پروری کے منافی نہیں تھے، جن سے ہرگز قومیت متحدہ پر کوئی ناگوار اثر نہیں پڑتا تھا یہ کسی معنی میں بھی، وحدتِ ہند کے آبگینہ کو پاش پاش نہیں کرتے تھے، مگر وہ معمولی مطالبات بھی ہندو نہ کر سکے اور یہ مسئلہ جوں کا توں قائم ہے۔

---

[1] اس زمانہ میں گورنر یا وائسرائے کی کابینہ نامزد ممبروں پر مشتمل ہوتی تھی اور اسے ایگزیکٹو کونسل کہا جاتا تھا۔

مسلم لیگ اور کانگریس میں اتحاد

کوئی شبہ نہیں، مسلمانوں کو اپنی انفرادیت اور جداگانہ وجود کے قیام پر اصرار رہا لیکن وہ ہندوستان کے سیاسی ارتقاء کے دل سے خواہاں رہے، انہوں نے ہندوستان کی وحدت قائم رکھنے کے سلسلہ میں کسی امکانی کوشش سے دریغ نہیں کیا، انہیں کانگریس سے خدشات تھے، اکثریت سے خطرات تھے۔ ہندوؤں سے شکایات تھیں، بایں ہمہ انہوں نے بار بار کانگریس کو دعوت مصالحت دی، بکرات و مرات، دستِ تعاون دراز کیا، بارہا انہوں نے بار بار کوشش کی اکثریت ان پر اعتبار کرے، جب کبھی متحدہ طور پر قدم اٹھانے یا مطالبہ پیش کرنے کا مرحلہ درپیش ہوا، وہ کبھی پیچھے نہیں ہٹے، یہ فرض کانگریس کا تھا کہ وہ ان کے شکوک رفع کرتی، یہ ذمہ داری اکثریت کی تھی کہ وہ ان کے خطرات کا استقبال کرتی، یہ ہندو قوم کی معاملہ فہمی کا تقاضا تھا کہ وہ مسلمانوں کی شکایات دور کرتی، بجائے اس کے مسلمانوں نے کانگریس سے ملنا چاہا اور بار بار چاہا مسلمانوں نے اکثریت کی طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا اور بڑھائے رکھا، مسلمانوں نے ہندوؤں سے رسم و راہ پیدا کرنے کی کوشش کی اور کرتے رہے

بنگال کی تقسیم و تنسیخ نے، مسلمانوں میں یہ احساس پیدا کر دیا تھا کہ ہر معاملہ میں وہ ہندوؤں کے مقلد اور متبع نہیں بن سکتے، لیکن مشترک معاملات میں وہ بڑی گرمجوشی کے ساتھ اشتراک و تعاون کے لئے تیار رہے۔

مسٹر جناح کی پہلی کوشش

۱۹۱۵ء میں جب یہ معلوم ہوا کہ حکومت ہندوستان کو اصلاحات عطا کرنا چاہتی ہے، تو مسٹر جناح نے جو کانگریس کے محبوب و محترم زعماء میں شمار ہوتے تھے، کوشش کی کہ مسلمان اور ہندو مسلم لیگ اور کانگریس اپنے جداگانہ وجود کے تحفظ کے ساتھ

مشترک معاملات میں ہم آہنگ ہو جائیں، اور حکومت کے سامنے حکومت خود اختیاری کے سلسلہ میں جو مطالبہ پیش کیا جائے وہ کسی ایک قوم کسی ایک جماعت کسی ایک گروہ کا نہ ہو ہندوستان کے ہر فرد کا ہو تاکہ حکومت سے جو کچھ حاصل کیا جائے وہ زیادہ سے زیادہ ہو، کم سے کم نہ ہو،

بمبئی میں کانگریس کا سالانہ جلسہ ہو رہا تھا، مسٹر جناح نے کوشش کی کہ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس بھی بمبئی میں منعقد ہو، اپنی اس پہلی کوشش میں مسٹر جناح کامیاب ہوئے طے ہو گیا کہ دسمبر ۱۹۱۵ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس بمبئی میں منعقد کیا جائے، اور مسٹر مظہر الحق بیرسٹر ایٹ لا[1] پٹنہ جلسہ کے صدر ہوں۔

راہ کی دشواریاں

لیکن بمبئی میں کانگریس کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ کا اجلاس کرنا اتنا آسان نہیں تھا جتنا سمجھا جا رہا تھا، یہاں سرکار پرستوں، اتحاد دشمنوں اور کانگریس کے مخالفوں کی بہت بڑی جماعت برسر کار تھی، اس جماعت کے پاس دولت تھی، سرمایہ تھا، سرکاری رسوخ تھا، یہ کھلم کھلا میدان میں آئی اور طے کر لیا کہ اجلاس نہیں ہونے دے گی۔

جو لوگ اجلاس بمبئی کے مخالف تھے وہ دو گروہوں میں تقسیم کئے جا سکتے تھے، پہلا گروہ اس لئے مخالفت کرتا تھا کہ یہ اجلاس حکومت کی ناگواریٔ مزاج کا باعث ہوگا، جنگ کی وجہ سے وہ ویسے ہی آشفتہ حال اور پریشانِ خاطر ہے، اب اگر ایک وفادار قوم نے پھریری لی تو اس سے سرکار عظمت مدار کی طبع نازک کو صدمہ پہنچے گا، دوسرا گروہ تھا جو کسی حالت میں بھی اسے برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ مسلمان اور ہندو دونوں، مسلم لیگ اور کانگریس میں اتحاد

[1] صوبہ بہار کے سب سے پہلے اور سب سے بڑے کانگریسی لیڈر، انہوں نے کانگریس ہاؤس پٹنہ کا نام صداقت آشرم رکھا تھا جو آج تک چلا آرہا ہے، راجندر پرشاد، صدر حکومت ہند انکے تربیت یافتہ ہیں۔

ہو، اس کی خواہش تھی کہ مسلمان ہرگز کانگریس میں شریک نہ ہوں، خواہ ہندوستان کو سیاسی ارتقا حاصل ہو یا نہ ہو،

مسٹر جناح اور ان کے ہم خیال اصحاب ان دونوں گروہوں سے الگ تھے، ان کا یہ خیال تھا کہ ہندوستان اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکتا ہے، پھر کیوں نہ وہ آگے بڑھے؟ کیوں نہ حکومت سے خود اختیاری کا مطالبہ کرے؟ کیوں نہ اپنا پیدائشی حق حاصل کرنے کی سعی و کوشش کرے؟ اگر اس مطالبہ سے حکومت چڑھتی ہے، چڑھے، اس کی پیشانیِ نازک پر بل آتے ہیں آئیں، اس کا آبگینۂ طبع مجروح ہوتا ہے ہو، نیز جناح صاحب اور ان کے ساتھی کانگریس کو نجس العین بھی نہیں سمجھتے تھے کہ اس کا قرب روحانی اذیت و تکلیف کا باعث ہو، وہ یہ ضرور چاہتے تھے کہ مسلمانوں کا جداگانہ وجود محفوظ رہے اور اس کے بعد وہ ہر طرح کانگریس کے شریک و دمساز اور رفیق و ہمدم تھے،

ہنگامہ خیز اجلاس

بالآخر دسمبر ۱۵ء میں مظہر الحق صاحب کی زیرِ صدارت اجلاس شروع ہوا، یہ اجلاس اپنی اہمیت کے اعتبار سے تاریخِ ہند میں ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے، لیگ کا یہی اجلاس ہے جب وہ پہلے پہل مسلمانوں نے اپنی قدیم پالیسی ترک کر کے مشترک مقاصد کے حصول کے لئے ہندوؤں سے اشتراک و تعاون کا فیصلہ کیا۔

اس اجلاس میں غیر مسلم شرکا بھی خاص اہمیت رکھتے تھے، جن میں سے اصحاب ذیل خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

مسٹر دلیجد کو لارڈ سنہا، سر ڈنشا واچا، سر سریندر ناتھ بنرجی، مسز اینی بسنٹ، مسز سروجنی نائیڈو، پنڈت مدن موہن مالوی، مسٹر بی جی ہارنی مین[1] اور گاندھی جی،

[1] انگریز یہودی تھے، ہندوستان آ بسے، اور یہاں کی تحریک آزادی میں حصہ لیتے گئے، جناح، محمد علی شوکت علی، خاص دوست اور نیاز مند تھے، بڑے بیباک صحافی تھے۔ مدتوں بمبئی کرانیکل کے ایڈیٹر رہے

اجلاس کس طرح شروع ہوا، اور کیسی کیسی ہنگامہ آرائیاں ہوئیں؟ مسلم لیگ کی "آفیشل" رپورٹ بتاتی ہے

"دو بجے تک تمام ممبرانِ لیگ، اپنی جگہ بیٹھ چکے تھے، لیکن وزیٹرس گیلری خالی تھی جلسہ سے تقریباً نصف گھنٹہ قبل مسٹر ایڈورڈ پولیس کمشنر بمبئی نے پچاس مسلح، لیگ کے پنڈال کے سامنے ایک احاطہ میں تیار رکھے تھے، تھوڑی دیر کے بعد کمشنر صاحب خود مع اپنے تین نائبوں کے موقع پر پہنچ گئے کچھ دیر کے بعد چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ راؤ بہادر واب سر، سیتلواڈ بھی پولیس کمشنر کے ساتھ دکھائی دئے۔ پنڈال کے اندر داخلہ کی فیس ادا کر کے کئی پولیس والے بھی بیٹھے ہوئے تھے۔" آگے چلئے:۔

صدر جلسہ نے محمد علی جناح سے فرمائش کی کہ تشکیل کمیٹی کی تجویز پیش کریں فوراً ہی مولوی عبدالرؤف صاحب سکریٹری انجمن ضیاالاسلام بمبئی جو وزیٹرس گیلری میں تھے کھڑے ہوئے اور چلانے لگے، کہ

"جلسہ مسلمانوں کا ہے، نہ کہ ہندوؤں کا، اس پر ایک شور و غوغا مچ گیا۔" اور سنئے:۔

"اسی دوران میں سردار واب سر، حاجی سلیمان[1] قاسم مٹھا پلیٹ فارم کی طرف لپکے، اور زور زور سے بولنے لگے، مولوی عبدالرؤف[2] خاں،

---

[1] بمبئی کے بہت بڑے سرمایہ دار، غنڈوں اور لیڈروں کے سردار، میمن جماعت کے ایک سربراہ، اور دشمن، دماغ میں سنک ہمیشہ سے تھی، انگریزوں کے پیٹھو، ہندوؤں کے دشمن، ہندو مسلم اتحاد کے مخالف، پھر بعد میں ہندوؤں کا زور دیکھ کر اور کانگریس حکومت کے قیام سے متاثر ہو کر، کانگریسی بن گئے اب تک زندہ ہیں؟ عمر ۹۰ سال سے متجاوز ہے۔ [2] نئی نئی گاہوں کے فن میں مجتہد اور کام کا درجہ رکھتے ہیں یہ مولانا عبدالاسلام، عبدالغنی کے ساتھیوں میں سے تھے، بڑے مخلص اور نیک مسلمان تھے، تقسیم ہند کے بعد بمبئی میں انتقال ہوا۔

پٹھان عبدالصمد خاں، اور دوسرے مسلمان بھی پلیٹ فارم کی طرف دوڑے پھر سردار سلیمان نے فرمایا، ان لوگوں نے کانگرسی لیڈروں کو یہاں بلایا اور ان کے اعزاز میں تالیاں بجائیں، ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ یہ کارروائی مسلم لیگ کی ہے، مگر یہ سب کانگرسی ہیں۔"

ڈرامہ کا ایک اور سین

"سردار سلیمان صاحب کا غصہ اور بھی بڑھ گیا، فرمانے لگے کہ تم لیگ کو کانگرس میں ملاتے ہو اور کانگرسی لیڈروں کے حکم پر چل رہے ہو، لیگ کے اغراض و مقاصد کو تم نے خاک میں ملا دیا، لیگ کو تم تاریکی کی طرف لے جا رہے ہو، اور اسے کانگرس میں تبدیل کر رہے ہو۔"

ہنگامہ اتنا بڑھا کہ آخر مسٹر مظہر الحق کو یہ اجلاس ملتوی کرنا پڑا، پولیس تیار کھڑی تھی، اس کی مداخلت بہرحال مسلمانوں کے لئے رسوائی کی موجب ہوتی۔

ملتوی شدہ جلسہ پھر تاج محل ہوٹل میں منعقد ہوا، اور وہاں مسٹر جناح نے تجویز پیش کی۔ انہوں نے فرمایا:۔

"ہندوستان کے آئین میں نئی تبدیلی ہونے والی ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہندوستان کی دونوں سیاسی جماعتیں مسلم لیگ اور کانگرس کوئی اسکیم تیار کریں، جس میں مسلمانوں کے ضروریات و تحفظ کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہو، پھر رپورٹ حکومت کی خدمت میں پیش کی جائے۔ یہی متحدہ ہندوستان کے مطالبات ہیں"

اس تجویز کی تائید آنریبل مسٹر فضل الحق (بنگال)، اور بادشاہ بخیر مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمائی تھی، اس تجویز کو بروئے کار لانے کے لئے مسٹر جناح کی تجویز کے مطابق ایک مجلس بھی بنائی گئی تھی، جس کے خاص خاص ارکان میں راجہ صاحب محمود آباد، مسٹر واب سر، رضا علی صاحبزادہ آفتاب احمد خاں، مسٹر واب سر، وزیر حسن، میاں دسر،

محمد شفیع، مسٹر برکت علی[۵۲]، میاں دہچر سر فضل حسین، مولانا ظفر علی خان، مسٹر فضل الحق مولانا ابوالکلام آزاد، سر آغا خاں، سر ابراہیم[۵۳] رحمت اللہ، سیٹھ[۵۴] یعقوب حسن، سر علی امام مسٹر مظہر الحق، ڈاکٹر سید محمود (بہار)[۵۵] ڈاکٹر انصاری، حکیم اجمل خان، مولانا محمد علی اور مسٹر محمد[۵۶] علی جناح بھی تھے۔

یہ تھی مسٹر جناح کی پہلی کوشش، مسلمانوں کو کانگریس سے قریب کرنے کی اور کون کہہ سکتا ہے کہ ناکام ہوئی؟

خطبۂ صدارت

مسٹر مظہر الحق نے، بہ حیثیت صدر ایک فصیح و بلیغ، جامع و مانع مدلل اور معقول خطبہ ارشاد کیا۔ انہوں نے بھی اپنے خطبہ میں وقت کی سب سے اہم ضرورت ہندو مسلم اتحاد پہ خاص توجہ کی تھی، اور یہ غلط فہمی رفع کرنے کی کوشش کی تھی کہ مسلمان حب وطن میں کسی اور قوم سے کم نہیں، اپنے خطبہ میں انہوں نے فرمایا تھا:

"ہر سال ممالک اسلامیہ سے تازہ خون آتا تھا اور یہیں کا ہو جاتا تھا سلاطین مغلیہ کی عمارات سے کیا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے ہندوستان کی رونق کو دوبالا کیا؟ کیا وہ سالانہ پانچ سال کے بعد اپنے وطن کو واپس چلے جاتے تھے؟

اس پر زور دار استدلال کے بعد محترم صدر نے یہ حقیقت بھی آشکار کر دی کہ:-

---

[۵۲] یوپی کے بہت بڑے دکمل، ادارہ چیف کورٹ کے چیف جنہیں مشہور کمیونسٹ سجاد ظہیر ان کے سب سے چھوٹے لڑکے ہیں [۵۳] شروع سے مسلم لیگ کے حامی تھے ۱۹۳۶ء چار الیکشن میں پنجاب اسمبلی کے اندر ہو اور مسلم لیگی ممبر [۵۴] بمبئی کے بہت بڑے سرمایہ دار ہندوستان کے بہت بڑے سیاست داں مولانا ابوالکلام آزاد تک ان کے تدبر اور سیاستدانی کا کلمہ پڑھتے تھے۔ حبیب رحمت اس کے سابق وزیر صنعت حکومت پاکستان اور سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں [۵۵] علی برادران کے جاں نثار رفیق اور ان کے مسلم تھے [۵۶] ابھی زندہ ہیں، کانگریس کے نیاز مندوں میں پیدا ہوئے ہیں لیکن: مانفرنس صرف ب ضرورت قدر کرتی ہے۔

"سلطنت مغلیہ کی باگ ڈور ہمیشہ ہندوؤں کے ہاتھ رہی۔"

یہ ایک ایسی حقیقت ہے، جس سے ہندو مورخ سر جادو ناتھ سرکار بھی نہیں انکار کر سکتے یہ بھی یاد رہے کہ انہی میں سلاطین مغلیہ کا بدنام شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر بھی شامل ہے جس کے انصاف پرور اور روشن عہد میں بھی ہندوؤں کو پورا پورا اثر و رسوخ حاصل رہا، پروپیگنڈہ اعلانگیر کی صورت چاہے جتنی مسخ کر دے مگر تاریخ کے آئینہ میں اس کا رخ روشن آفتاب عالمتاب کی طرح درخشاں نظر آتا ہے۔

میثاق لکھنؤ

لیگ اور کانگریس کا اتحاد نیا! اب اتحاد عمل کی منزل سے قریب آ رہا تھا، بمبئی میں جو صلح و سلام کی فضا تیار کی گئی تھی، وہ اب سرعت سے خوشگوار اور خوش آئند ہوتی جا رہی تھی، مسلمان ہندوؤں پر اعتبار کرنا سیکھ رہے تھے اور ہندو مسلمانوں پہ بھروسہ کرنے کی عادت ڈال رہے تھے۔

جدید اصلاحات کی پہلی قسط ہندوستان کو حاصل ہونے والی تھی مسٹر جناح کی کوشش تھی کہ یہ قسط متحدہ کے تمام عناصر ہوں، اسی لئے انہوں نے اپنی جان اور اپنی شہرت خطرہ میں ڈال کر لیگ کا اجلاس بمبئی میں کانگریس کے ساتھ منعقد کرایا تھا ان کی یہ کوشش اب برگ و بار لانے لگی بمبئی میں لیگ نے اور کانگریس نے اپنے اپنے اجلاسوں میں جو مجالس تنظیمیں آئین قائم کی تھیں ان کا مشترکہ اجلاس نومبر ۱۹۱۶ء میں بنگال کے "شاہ بے تاج" UNCROWNEOKING سر سریندر ناتھ بیز جی کی صدارت میں منعقد ہوا جس نے مسٹر جناح کی اسکیم خفیف تغیرات کے ساتھ منظور کر لی۔

اس کے بعد عام اجلاسوں کا مرحلہ درپیش ہوا، اور یہ بھی خوبی و خوش اسلوبی کے ساتھ انجام کو پہنچ گیا، مسٹر محمد علی جناح کی صدارت میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس بمقام لکھنؤ ۱۲ دسمبر ۱۹۱۶ء کو منعقد ہوا، اس اجلاس نے اپنی قائم کردہ مجلس کی اسکیم جو تمام تر مسٹر جناح کی ترتیب دی ہوئی تھی منظور کر لی، پھر ۲۶ دسمبر ۱۹۱۶ء کو وہیں لکھنؤ میں مسٹر امبکاچرن مزمدار کی

زیرِ صدارت آل انڈیا کانگرس کا اجلاس منعقد ہوا جس نے اس اسکیم کی تصدیق کر دی جو لیگ نے منظور کی تھی۔

میثاقِ ملّی

وہ اسکیم کیا تھی؟ مختصراً یہ:۔

(۱) ہر بڑے صوبہ کی مجلسِ آئین ساز کے ارکان داعضا کی تعداد ۱۰۰ سے ۱۲۵ تک ہونی چاہیئے، چھوٹے صوبوں میں یہ تعداد ۵۰ سے ۷۵ تک محدود رہنی چاہیئے ہر صورت میں ⅘ تعداد ارکان بہت وسیع رائے دہندگی کے اصول تب ہو گی، مسلمانوں کے تحفظ حقوق کے سلسلہ میں یہ اصول ملحوظ رہے گا کہ ان کی نشستیں محفوظ کر دی جائیں۔ جن کا اصول یہ ہو:۔

پنجاب میں مسلمانوں کو ۵۰ فیصدی نشستیں دی جائیں، بنگال میں ۴۸ فیصد، بہار میں ۲۶ فیصد، سی پی میں ۱۵ فیصد، مدراس میں ۱۵ فیصد اور بمبئی میں ۲۳ فیصد نشستیں مسلمانوں کے لئے محفوظ کر دی جائیں۔

اگر کسی اقلیت کے ¾ منتخب ارکان کسی تجویز کی اپنے ملّی مفاد و داعیات قومی کے پیش نظر مخالفت کریں، تو اس تجویز کو پیش نہیں کیا جائے گا، صوبہ جاتی مجالس آئین ساز کے صدر منتخب ہوں گے۔ یہ مجالس اپنی ذمہ داری پر قرض لینے اور محصولات میں تغیر تبدّل کی مجاز ہوں گی میزانیہ مجلس منظور کرے گی نیز مجلسِ آئین کی تمام تجاویز اگر کثو احکام و اعمال رکے لئے واجب التعمیل ہوں گی۔

(۲) کسی صوبہ کا گورنر یا لفٹننٹ گورنر سویلین نہیں ہو گا۔ اس کی مجلسِ مشورہ میں نصف ارکان ہندوستانی ہونے چاہئیں جو مجلسِ آئین ساز کے منتخب ممبروں میں سے ہوں گے ان کی میعاد عہدہ پانچ سال ہو گی۔

(۳) مرکزی مجلسِ آئین ساز ۱۵۰ ارکان پر مشتمل ہو گی، جس کے ارکان اعضا کا

انتخاب صوبائی مجالس آئین ساز کے ممبر کریں گے۔ اس کا صدر بھی منتخب ہو گا (نہ کہ نامزد) اس میں وہ مسائل پیش ہوا کریں گے جن کا تعلق تمام ہندوستان سے ہو گا۔

(۴) گورنر جنرل کی مجلس وزراء میں نصف ارکان ہندوستانی ہوں گے حتی الامکان سول سروس کے ارکان کا کابینہ کے عہدوں پر تقرر نہیں کیا جائے گا۔

(۵) وزیر ہند اور انڈیا کونسل کی اصلاح ......

یہ تھی وہ اسکیم جس نے مسٹر جناح کو سارے ہندوستان کا ہیرو بنا دیا تھا، وہ کارنامہ جس پہ ہر محب رشک کرتا تھا وہ پہلا قدم جو اگرچہ صحیح راستہ پہ نہ تھا، لیکن جس کے پیچ وخم جاتے، بہرحال منزلِ مقصود کی طرف تھے۔

قوم پروری کا امتحان

یہ میثاق درحقیقت ہندوؤں اور مسلمانوں کی قوم پروری حب وطن اور عزم و اخلاص کا امتحان تھا، جس میں مسلمان کامیاب ہوئے اور ہندو بری طرح ناکام ہوئے۔

اس سکیم کے دو پہلو ہیں:۔

ملکی نقطۂ نظر سے یہ اسکیم جامع و مانع کہی جا سکتی ہے، اس وقت کی فضا میں نہ اس سے زیادہ کچھ مانگا جا سکتا تھا، نہ اس سے زیادہ کچھ مل سکتا تھا۔ چنانچہ آج بھی سکیم کے بعض اجزا حکومت کی نظر میں شائستہ اعتنا نہیں، صوبوں کے گورنر اب بھی سول سروس والے ہوتے ہیں، وائسرائے کی مجلس انتظامیہ میں اب بھی سروس والے نظر آتے ہیں انڈیا ایکٹ کے نفاذ سے پیشتر صوبوں کا یہی حال تھا اور اب جن صوبوں میں آئینی تعطل کانگرس نے پیدا کر رکھا ہے وہاں جو مشیر ADVISER مقرر کئے ہیں وہ اکثر و بیشتر سول سروس والے ہی ہیں۔

ان حقائق سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۹ء کی فضا میں مسلم لیگ اور کانگرس نے

جو کچھ طلب کیا تھا وہ ۱۹۴۶ء میں بھی حکومت نہیں دینا چاہتی۔

(۲) فرقہ دارانہ نقطۂ نظر سے مسلمانوں کا اس میثاق سے نقصان تھا، یو، پی میں انہیں پاسنگ نہ ملتا، سی پی، بہار، مدراس، اور بمبئے میں انہیں چند نشستیں زیادہ نہ دی جائیں تو کوئی مضائقہ نہ تھا، لیکن اس میثاق نے ستم یہ کیا کہ بنگال میں جہاں وہ برابر تھے اقلیت میں تبدیل کر دیا، پنجاب میں جہاں وہ اکثریت رکھتے تھے، برابر سرابر کر دئے گئے اس کا نتیجہ یہ ہوا بنگال اور پنجاب جیسے صوبوں میں بھی مسلمان ہمیشہ پس ماندہ رہے، چاہیئے تھا کہ مسلمان اس کی مخالفت کرتے لیکن انہوں نے اپنے دور رس ملی نقصان کو گوارا کر لیا، محض اس امید پر کہ متحدہ ہندوستان آزادی کی نعمت سے بہرہ اندوز ہو سکے۔

اب ہندوؤں کے طرزِ عمل پر نظر ڈالئے کانگرس نے کہنے کو یہ اسکیم منظور تو کر لی لیکن بعض کانگرسی زعماء اس تنسیخ پر اپنا پورا پورا اثر و رسوخ صرف کرتے رہے۔ وہ چاہتے تھے کانگرس اپنی اس غلطی کی جلد از جلد تلافی کر لے۔

اس میثاق کی مخالفت میں جو لوگ پیش پیش تھے، ان میں پنڈت مدن موہن[1] مالوی اور جہانی اور لالہ لاجپت رائے[2] آنجہانی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، ان بزرگوں کی خواہش تھی کہ جداگانہ انتخاب سے مسلمان دست بردار ہو جائیں اور اپنے تئیں ہندوؤں کی اکثریت کے حوالہ کر دیں، تناسب آبادی کے اعتبار سے نشستوں کا تحفظ بھی ضروری نہ سمجھا جائے بلکہ اسے یک لخت محو کر دیا جائے، بعض صوبوں میں مسلمانوں کو جو پاسنگ دیا گیا تھا اسے بھی ان کی نگاہِ قہر جلا کے خاکستر کر دینا چاہتی تھی، معلوم ہو گیا کون کتنے پانی میں ہے؟

ع نہ ہم سمجھے نہ تم آئے کہیں سے   پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے

---

[1] بھی حال میں انتقال فرما چکے ہیں ۱۹۴۶ء [2] پنجاب کے بہت بڑے کانگرس، پھر فرقہ پرست لیڈر، اردو کے بہت اچھے ادیب اور خطیب، لیکن اردو زبان کے مخالف ۱۹۲۸ء میں انتقال ہوا۔

تحریک ہوم رول

اب ہندو اور مسلمان گھل مل چکے تھے، لیگ اور کانگرس میں مفاہمت ہو چکی تھی۔ متحدہ محاذ متفقہ مطالبہ اور مشترکہ کاروبارِ سیاست شروع ہو چکا تھا۔ بدظنی اور بے اعتمادی کی جگہ حسنِ ظن اور اعتماد باہمی نے لے لی تھی۔ ملک کے رہنما اب یہ سوچ رہے تھے کہ آزادیٔ ہند کا پروگرام وسیع اور منظم پیمانہ پر بروئے کار لایا جائے۔ ہندو اور مسلمان مل کر قصرِ استعمار پر حملہ کریں۔ ہندوستان ایک آواز ہو کر آزادی طلب کرے، حکومت اگر حیت ولعل سے کام لے تو اسے دعوت پیکار دے دی جائے۔

ہوم رول لیگ کا قیام

چنانچہ ۱۹۱۷ء کے آغاز میں ایک ہی نام "ہوم رول لیگ" کی دو انجمنیں قائم کی گیئں ایک ہوم رول لیگ مسٹر تلک نے قائم کی، دوسری ہوم رول لیگ، مسز اینی بسنت کی رہنمائی میں منظرِ عام پر آئی۔

تلک کٹر فرقہ پرست، انتہائی متعصب اور تنگ دل لیڈر تھے لہٰذا ان کی لیگ

بار آور نہ ہو سکی۔ لیکن مسز بسنت کی لیگ طوفان کی طرح بڑھی۔ اور آگ کی طرح ملک کے طول و عرض میں پھیل گئی۔ ہندوستان کا کوئی بڑا شہر ایسا نہیں تھا جہاں یہ لیگ نہ قائم ہو گئی ہو اس لیگ کے قیام و استحکام میں مسز بسنت کو اس لئے اور زیادہ کامیابی ہوئی۔ وہ ایک نیم مذہبی تحریک تھیا سوفیکل سوسائٹی کی رہنما بھی تھیں۔ اور یہ سوسائٹی ہندوستان کے ہر بڑے شہر میں اپنی شاخیں رکھتی تھی۔

مسز بسنت نے مسٹر سبرامنی آئر سابق جج ہائی کورٹ کو لیگ کا صدر بنایا۔ مسز بسنت انگریز قوم سے تعلق رکھتی تھیں، انگریزی زبان کی بہترین انشا پرداز تھیں۔ وہ بیک وقت دو اخبارات نکال رہی تھیں۔ ایک روزنامہ، دوسرا ہفتہ وار، روزنامہ کا نام نیا ہندوستان " New India " اور ہفتہ وار اخبار کا نام Common weal یہ دونوں اخبار لیگ کے پروپیگنڈے کے لئے وقف ہو گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تحریک دیکھتے دیکھتے جڑ پکڑ گئی۔ اور ایک مختصر مدت میں اس نے ہندوستان گیر اثر و رسوخ حاصل کر لیا۔

مسز بسنت کی نظر بندی

اس تحریک کو پروان چڑھتے دیکھ کر اور تحریک کے رہنماؤں اور کارکنوں کے انقلابی تیور دیکھ کر حکومت گھبرا گئی۔ آخر کار چیمسفورڈ وائسرائے ہند نے گورنر مدراس کو ہدایت کی کہ فوراً مسز بسنت کو نظر بند کر لیا جائے، اس حکم کی تعمیل ہوئی اور جون ۱۹۱۷ء میں مسز بسنت اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ نظر بند کر لی گئیں۔ حکومت کے اس اقدام نے آگ پر تیل کا کام کیا۔ اور سارے ہندوستان میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ احتجاجی مظاہرے ہوئے جلسے منعقد کئے گئے۔ حکومت کے طرز عمل پر سخت اور درشت لہجہ میں نکتہ چینیاں کی گئیں۔ مسز بسنت کی ہر دلعزیزی اور مقبولیت میں بدرجہا زیادہ اضافہ ہو گیا۔ وہ سارے ہندوستان کی سرتاج بن گئیں۔

ملک نے ان کے اس جرأت آمیز اور تہور آفریں ایثار اور قربانی کا یہ صلہ دیا کہ نظر بندی کے زمانہ میں انہیں کانگریس کا صدر منتخب کر لیا۔ یہ اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا تھا۔ سر سی۔ پی رامائے نے اپنی مشہور کتاب Life and Time of C.R.Das میں اس صورت حال پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

غرض مسز بسنت کی نظر بندی اور گرفتاری نے ملک بھر میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ ہر شخص حکومت کی روش سے بیزار تھا اور اس غیر ملکی رہنما کی عقیدت اور محبت سے سرشار ہو رہا تھا۔

مسٹر شاستری کی گوشہ نشینی

حکومت کے اس اقدام نے جہاں عوام میں اور ملک کے پر جوش طبقہ میں غم و غصہ کی لہر اور اقدام و عمل کا جوش پیدا کر دیا تھا۔ وہاں معتدلین کے چھکے چھڑا دیے تھے اور انہیں گوشہ نشینی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

پنڈت جواہر لال نہرو اپنی خود نوشت سوانح عمری "میری کہانی" میں رقمطراز ہیں۔

"ہم نوجوان عموماً بہت مسرور تھے کیونکہ ہمیں یہ امید تھی کہ بہت جلد کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے، مسز بسنت کی نظر بندی سے تعلیم یافتہ طبقہ میں اور زیادہ جوش پیدا ہو گیا، اور سارے ملک میں ہوم رول کی تحریک کو اس سے تقویت پہنچی۔ مسز بسنت کی نظر بندی سے بوڑھوں اور اعتدال پسندوں میں بھی ہیجان پیدا ہو گیا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اس نظر بندی سے کچھ پہلے جب میں اخباروں میں مسٹر (اب رائٹ آنریبل) شاستری کی زور دار تقریریں پڑھا کرتا تھا تو میں بے انتہا متاثر ہوتا تھا۔ لیکن نظر بندی سے چند روز پہلے یا شاید چند روز بعد مسٹر شاستری نے یکایک خاموشی اختیار کر

لی، جب عمل کا وقت آیا۔ تو وہ ہمارا ساتھ چھوڑ گئے۔ اس لئے ان کی اس خاموشی پر بہت زیادہ مایوسی اور ناراضگی کا اظہار کیا گیا۔ کیونکہ اس وقت صحیح رہبری کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ شاید اسی کے بعد میرے دل پر یہ بات نقش ہو گئی۔ کہ مسٹر شاستری عملی آدمی نہیں ہیں اور معرکہ آرائی سے ان کی طبیعت کو کوئی مناسبت نہیں ہے۔"

لیکن مسٹر جناح

اس مرحلہ پر مسٹر جناح نے کیا کیا؟ کیا وہ بھی مسٹر شاستری کی طرح پیچھے ہٹ گئے کیا انہوں نے بھی مسٹر شاستری کی طرح خاموشی اختیار کر لی؟

اب تک مسٹر جناح فوج کو ہندوستانی بنانے اور ہندو مسلم اتحاد کی تحریک کو فروغ دینے کے لئے وقف تھے۔ یہ سوال ان کے لئے بڑا کار آفرین تھا، وہ ذہن دماغ اور علم و عمل کی ساری طاقت اسی کام پر صرف کر رہے تھے۔ وہ اب تک ہوم رول لیگ میں اس لئے شریک نہیں تھے کہ کام ہو رہا تھا۔ حکومت نے چیلنج نہیں دیا تھا۔ لیکن جب حکومت نے چیلنج دیا اور مسز بسنت گرفتار کر کے نظر بند کر دی گئیں۔ تو جناح نے پہلا کام یہ کیا کہ ہوم رول لیگ کے ممبر بن گئے۔ اور ہوم رول لیگ بمبئی کے صدر منتخب کر لئے گئے۔ اب وہ ہوم رول لیگ کے سب سے بڑے لیڈر تھے اور پوری بے باکی اور جرأت کے ساتھ اپنے فرائض ادا کر رہے تھے۔

ہندوستان کے مشہور شاعر اکبر الہ آبادی نے اسی تحریک پر یہ شعر کہا تھا۔

صاحب سے کہہ رہے ہیں ہم ہوم رول لیں گے
اس پر اڑے ہوئے ہیں گولر کا پھول لیں گے

لیکن جناح بپھر کر میدان عمل میں اتر آیا۔ وہ "گولر کا پھول" لینے پر اڑا ہوا تھا۔ پوری استقامت اور شجاعت کے ساتھ لینے پر نہیں، چھیننے پر،

جولائی ۱۹۱۷ء میں ایک عام اور عظیم الشان جلسہ شہریان بمبئی کا مراوجی گوکل داس ہال میں منعقد ہوا، اس جلسہ کی صدارت ہوم رول لیگ بمبئی کے صدر مسٹر جناح نے کی اور اپنی صدارتی تقریر میں حکومت پر ایسی نکتہ چینی کی۔ عوام کے دل میں وہ جوش پیدا کیا، تحریک حریت کو اس انداز میں پیش کیا۔ کہ سارے شہر میں ایک ہلچل مچ گئی۔ اور حکومت مدراس سے زیادہ حکومت بمبئی تشویش میں مبتلا ہو گئی۔ مدراس کی حکومت تو مسز بسنت کو نظر بند کر کے کسی حد تک مطمئن تھی۔ لیکن بمبئی کی حکومت اس سکھ اور اطمینان سے محروم تھی۔ وہ مدراس کی تقلید کرتے ہوئے جھجکتی تھی۔ اور خاموش رہنا بھی اس کے لئے ناممکن تھا، جناح ایک خطرہ کی صورت میں نمودار ہوا اور ایک زلزلہ کی طرح حکومت کے ایوان پر چھا گیا۔

اس سلسلہ میں بہت سے عجیب و غریب لرزہ خیز اور حیرت انگیز واقعات پیش آئے جن کی تفصیل اپنے وقت پر آئے گی۔

بہار جاں فزا

قبل اس کے کہ ہم آگے بڑھیں مسٹر جناح کی زندگی کے ایک خاص واقعہ کا تذکرہ ناگزیر ہے۔ اب ہم ۱۹۱۸ء کی سرحد میں قدم رکھ رہے ہیں، یہ سال جناح کی زندگی کا رومان آفریں سال ہے۔ اسی سال مسٹر جناح کی شادی ہوئی اور ایک عرصہ کی سخت اور کٹھن زندگی گزارنے کے بعد انہیں خانگی زندگی بسر کرنے کی مسرت حاصل ہوئی۔

اپنی زندگی میں مسٹر جناح "پبلک اور پرائیویٹ" کے اصول پر بڑی سختی سے عامل ہیں۔ ان کی پبلک زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب ہے۔ جس کا جی چاہے اس کا مطالعہ جہاں سے چاہے کر سکتا ہے۔ لیکن ان کی نجی زندگی ایک سر بمہر لفافہ ہے جسے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ کوئی نہیں جان سکتا۔ اس کے اندر کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ مسٹر جناح کی پبلک زندگی کے واقعات پوری تفصیل کے ساتھ دستیاب ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان کی نجی زندگی سے متعلق معلومات بہت محدود اور تشنہ ہیں۔ پھر بھی تلاش تفحص و تفتیش کے بعد جو مستند حالات اور معلومات دستیاب ہو سکے، وہ درج ذیل ہیں:-

پہلی شادی

مسٹر جناح کی پہلی شادی بالکل نو عمری میں ہوئی۔ وہ سولہ برس کی عمر میں بیرسٹری کی تعلیم حاصل کرنے لندن گئے۔ ان کی پہلی شادی سفر ولایت سے ہو گئی تھی، لیکن یہ شادی کامیاب نہیں رہی، بچپن کی جبریہ شادیاں جو صرف والدین کی پسند اور مرضی سے ہوتی ہیں۔ بالعموم کامیاب نہیں ہوتیں یہی اس شادی کا حشر ہوا۔

ولایت سے واپس آنے کے بعد مسٹر جناح تلاش معاش میں اپنے باپ کی بگڑی ہوئی تجارت کے سنبھالنے میں اپنے پریشان حال اور آشفتہ روزگار خاندان کی دستگیری میں معروف ہو گئے یہ ایسا زمانہ تھا کہ

یاداں فراموش کردند عشق

انہیں اس کی مہلت ہی نہ تھی کہ اپنی زندگی کے بارے میں کچھ سوچتے:-

پھر جب حالات سدھرے افلاس پہ امارت نے قبضہ کر لیا، تو موقع تھا کہ وہ اپنا گھر آباد کرتے اور کسی کو اپنی رفیقہ حیات بنا لیتے۔ لیکن جیسے جیسے ان کی مالی حالت سدھرتی گئی۔ سیاسیات ملکی سے ان کا شغف بڑھتا گیا۔ ملک غلام تھا، قوم پسماندہ تھی فکر یہ تھی کہ ملک آزاد ہو۔ قوم ابھرے، بڑھے ترقی کرے، ان مصروفیتوں نے شادی کا۔ خانہ آبادی کا خیال بھی دل میں نہ آنے دیا۔ اب خانہ آبادی کی ایک ہی صورت تھی۔ کہ کوئی اپنی طرف کھینچے اور دل اس کی طرف کھنچنے لگے۔ کوئی کمند ڈالے اور دل خود بخود جا کر گرفتار ہو جائے کوئی دام بچھائے اور مرغِ دل بام بلند سے اتر کر پابند وفا ہو جائے۔ قدرت نے یہ موقع بھی مہیا کر دیا۔

مس رتن پٹیٹ سے ملاقات

۱۹۱۶ء میں کانگرس اور مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوئے

مسلم لیگ کی صدارت مسٹر جناح کر رہے تھے۔ اور کانگرس کی قیادت کا سہرا ابھی ان کے سر پر بندھا ہوا تھا۔ کانگرس کے اس اجلاس میں بمبئی کے مشہور بیرونیٹ سر ڈنشا پٹیٹ کی صاحبزادی مس رتن پٹیٹ بھی موجود تھیں، سولہ سال کی عمر لیکن نظر تیز، دماغ حاضر، خیالات سلجھے ہوئے، سیاسیات سے دلچسپی، انگریزی میں مہارت، خطابت سے لگاؤ، قابلیت کی قدردان۔ مس پٹیٹ نے جناح کی تقریر سنی۔ رواں اور شستہ، دلائل پر کھے پرکھے اور مخصوص انداز کلام جانچا، شیریں اور دلنشین چہرہ کی طرف نظر اٹھائی، باوقار اور سحر انگیز شخصیت کا جائزہ لیا، بیباک اور نڈر خیالات تولے، واضح اور دلفریب انداز و ادا پہ توجہ کی۔ دل میں کھب جانے والے اور اپنی طرف کھینچنے والے، ایک شریف اور پاک نہاد عورت کو اس سے اچھا رفیق حیات اور کون مل سکتا ہے۔ کون خوبی ہے جو اس خطیب میں نہیں؟ وہ پہلی نظر محبت کی نظر بن گئی۔ کانگرس کے سٹیج پہ اپنے ہنر اور کمال کا مظاہرہ کرنے والا یہ ایکٹر دفعتہً کسی کے دل کا مالک بن گیا۔ عورت بالعموم محبت میں پہل خود کرتی ہے اور یہ پہل بالعموم اتفاقاً اور نادانستہ اور غیر ارادی ہوتی ہے۔ اور پھر وہ چٹان کی طرح جم جاتی۔ اس کی پہلی محبت زندگی کی آخری سانس تک قائم رہتی ہے نہ وہ تخویف سے گھبراتی ہے نہ خطرات سے سہمتی ہے۔ یہی رتن نے کیا۔ اس نے دل ہی دل میں جناح کو اپنا مرکز بنا لیا اور اسی کی ہو رہی۔ شہرت، عزت، دولت کوئی چیز بھی تو اس کا دامن نہ پکڑ سکی۔

اب بمبئی میں کبھی کبھی ملاقات ہونے لگی۔ وہ اجنبی دل ایک دوسرے کے لئے دھڑکنے لگے۔ آخر وہ دن آیا کہ دونوں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔ دنیا نے یہ سنا تو حیرت سے انگشت بدنداں رہ گئی۔ شادی کے وقت مس رتن کی عمر صرف ۱۸ سال کی تھی۔

نتائج مابعد

شادی تو ہو گئی۔ لیکن پارسیوں میں غم و غصہ کی ایک لہر دوڑ گئی۔ سوال پیدا

ہوتا نہیں زیادہ اعتراض نہ ہوتا۔ لیکن مذہب کی تبدیلی ان کے لئے سب سے زیادہ اشتعال انگیز اور ناقابل برداشت اور ناقابل معافی جرم تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ پولیس کورٹ میں اغوا کا مقدمہ دائر ہوا اور ہائی کورٹ تک پہنچا لیکن جناح تو خود اغوا ہوئے تھے۔ انہوں نے کسی کو اغوا کیا نہیں تھا۔ آں را کہ حساب پاک است از محاسبہ چہ باک؟

ان مقدمات سے وہ ذرا بھی ہراساں نہیں ہوئے اور ہر جگہ سے کامیاب ہوئے۔ بمبئی کے ایک شاہد عینی کا بیان ہے کہ جس جج کی عدالت میں یہ مقدمہ در پیش تھا وہ جناح سے کچھ چشمک رکھتا تھا۔ اس نے دوران کاروائی میں پوچھا: "آخر تم اس چھوکری کے پیچھے کیوں پڑے ہو؟ کیا اس لئے کہ لاکھوں روپیہ کی وارث ہے؟" جناح نے بپھر کر جواب دیا اس کا جواب رتن سے لیجئے۔ وفا شعار اور ثابت قدم بیوی اس ریمارک سے پہلے تلملا اٹھی تھی۔ وہ سامنے آئی اور اس نے بیان کیا: میں نے محبت کی۔ میں نے اپنی خوشی سے اسلام قبول کیا۔ رہا مال و دولت کا معاملہ، سو وہ نہ مجھے چاہئے نہ میرے شوہر کو۔ لڑکی عاقل و بالغ تھی، خود اقرار کر رہی تھی۔ اب نہ عدالت کچھ کر سکتی تھی؟ اور نہ وکیل کچھ کر سکتے تھے؟ نتیجہ یہ ہوا کہ مقدمہ واپس لے لیا گیا اور مسٹر جناح باعزت طور پہ عدالت سے بری کر دئے گئے۔ ایک طرف بمبئی کا بہت بڑا سرمایہ دار اور کروڑپتی تھا۔ دوسری طرف، دو محبت کرنے والے مخلص بے لوث اور بے ریا دل تھے، جو ساز و سامان دنیاوی سے اپنے حریف کے مقابلہ میں محروم تھے لیکن محبت جیتی اور دولت ناکام ہوئی۔

جناح کا مذہبی جذبہ

جناح کی آزادی خیالی اور وسیع المشربی سے ہر شخص واقف ہے۔ وہ اگر سول میرج کر لیتے تو کسی کو ذرا بھی حیرت نہ ہوتی۔ لیکن وہ اس پہ تیار نہ ہوئے۔ انہوں نے اپنی ہونے

والی رفیقۂ حیات کے سامنے اسلام پیش کیا اور صاف کہہ دیا، شادی اسی طرح ہو سکتی ہے کہ ہم دونوں کا جہاں دل ایک ہے مذہب بھی ایک ہو۔ اللہ کی اس نیک بندی نے بے تامل اسلام قبول کر لیا اور چند مخصوص دوستوں کی موجودگی میں تقریب نکاح انجام تک پہنچی، مسٹر شریف دیوجی کانجی نے اثنا عشری قاضی کا انتظام کیا۔

شادی کے دھمکی سے بھرے ہوئے خطوں اور ٹیلیفونوں کا سلسلہ قائم ہو گیا، لیکن محبت کرنے والے دل بزدل نہیں ہوتے، وہ نہ قتل کی دھمکی سے خائف ہوتے ہیں نہ رسوائی کے خوف سے برگشتہ ہوتے ہیں وہ محبت کرتے ہیں نہ کسی کا بُرا چاہتے ہیں نہ کسی کے دشمن ہوتے ہیں

شد است سینۂ ظہوری پر از محبت یار

برائے کینۂ اغیار در دلم جا نیست،

اس شادی کی خبر مشہور انگریزی اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۲۱ اپریل ۱۹۱۸ء میں اور بعض دوسرے انگریزی اخبارات میں بالفاظ ذیل شائع ہوئی تھی۔

"بمبئی کے مقتدر اور نامی بیرن سر ڈنشا پٹیٹ کی اکلوتی بیٹی مس رتن بائی نے کل اسلام قبول کر لیا۔ اور آج اسلامی شریعت کے مطابق ان کی شادی مسٹر جناح سے ہو رہی ہے۔"

(سول اینڈ ملٹری گزٹ، مورخہ ۲۱ اپریل ۱۹۱۸ء، عنوان "قبول اسلام")

عیش و سرور کا دور

مسز جناح اور مسٹر جناح کے درمیان الفت کا رشتہ آخر وقت تک قائم رہا، دونوں نے ایک دوسرے کو پایا، اور یہ سمجھ لیا کہ ہمیں نعمت جاوداں مل گئی، مسز جناح نے زندگی بھر اپنے محبوب شوہر کا حق رفاقت ادا کیا۔ مسٹر جناح جب لارڈ ولنگڈن گورنر بمبئی سے معرکہ آرا ہوئے، اور ٹاؤن ہال کے جلسہ میں ان کی الوداعی تقریب کی

مخالفت کرنے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر پہنچے۔ تو ٹاؤن ہال کی سیڑھیوں پر نڈر شوہر کی نڈر بیوی رضاکاروں کی کمان ہاتھ میں لئے انتظامات میں مصروف تھی اور اس وقت تک وہاں موجود رہی جب تک مسٹر جناح باہر نہ آ گئے۔

لیکن عیش و سرور کا یہ دور زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہا، ۱۹۲۹ء میں مسز جناح بیمار ہوئیں، بیماری نے طول کھینچا، اور بالآخر اس دنیا سے رخصت ہو گئیں، عین نوجوانی کے عالم میں عین اس زمانہ میں جب مصروف اور تھکے ہوئے شوہر کو اپنی وفادار بیوی کی بہت زیادہ ضرورت تھی، ہا،

پھول تو دو دن بہار جاں فزا دکھلا گئے

حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

وہ غنچے جو بن کھلے مرجھا جاتے ہیں، دل کو اتنا صدمہ نہیں پہنچاتے، جتنا ان پھولوں کا مرجھانا سوہانِ روح ہوتا ہے، جو زندگی بن چکتے ہیں، زندگی کی بہار بن چکتے ہیں حاصل حیات بن چکتے ہیں۔

خانگی زندگی

مسز جناح کے انتقال نے مسٹر جناح کا گھر ویران کر دیا، گھریلو مسرت اور خوشی کا خاتمہ کر دیا۔ اگر مس فاطمہ جناح اس مرحلہ پر آگے نہ بڑھتیں۔ اور سوگوار بھائی کے خانگی معاملات کی سرانجامی اپنے ذمہ نہ لے لیتیں، تو مسٹر جناح کی زندگی —— خانگی زندگی —— یکسر ایک المیہ بن کر رہ جاتی۔ خدا نے بہن کے دل میں بھائی کی ایسی چاہ پیدا کی، اس نے اپنی زندگی کا مقصد ہی شکستہ دل بھائی کی خدمت قرار دے لیا۔

یہ صحیح ہے کہ فاطمہ جناح نے بگڑے ہوئے حالات بڑی حد تک سدھار لئے لیکن جناح کی زندگی میں جو خلا پیدا ہو گیا تھا، تنہائی اور افسردگی نے جو اضمحلال پیدا کر دیا

تھا وہ پھر بھی دور نہ ہوا۔ وہ جوں کا توں قائم ہے۔ اس میں نہ کوئی فرق آیا نہ شاید آئے۔

ایک اور صدمہ

اہلیہ کی وفات کے بعد مسٹر جناح نے اپنی اکلوتی لڑکی کی تعلیم و تربیت کی نگرانی میں دشواری محسوس کی، بیرونی اور ملکی مصروفیتوں کے سبب بمبئی میں ان کا مستقل قیام بھی نہیں رہتا تھا۔ ماں کے بعد نانی ہی سب سے زیادہ محبت کرنے والی ہوتی ہے۔ اس اعتماد پر مسٹر جناح نے لڑکی دینا جناح کو نانی کی گود میں دے دیا۔ باپ بیٹی کی ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ بیٹی کبھی کبھی آکر کچھ عرصہ تک باپ کے پاس رہتی بھی تھی، مرحومہ بیوی کی یہی ایک نشانی تھی اب ساری محبت اور شفقت اسی پہ باپ نچھاور کر رہا تھا، لیکن پارسی خاندان میں جاکر لڑکی کی تعلیم و تربیت بالکل غیر اسلامی ماحول میں ہوئی، اور اسے اسلام یا ملتِ اسلامیہ سے کچھ مس نہ رہ گیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی رفتہ رفتہ اسلام سے، اسلامیت سے، مسلم قوم سے، اپنے باپ سے دور ہوتی چلی گئی۔ بے خبر باپ کو اس کا پتہ اس وقت چلا، جب پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ اور لڑکی کی شادی چپکے چپکے اسی پارسی خاندان کے ایک رکن سر نیس وادیا کے صاحبزادے سے طے پا چکی تھی۔

باپ نے روکا، سمجھایا، منع کیا، افہام و تفہیم سے کام لیا۔ مولانا شوکت علی مرحوم کے ذمہ یہ کام کیا۔ کہ وہ دینا کو اسلام سے، اسلام کی تعلیمات سے، اسلام کی حقیقت سے روشناس کرائیں۔ اور اسے اس ارادہ سے باز رکھیں، اس واقعہ کا علم ان سطور کے لکھنے والے کو ذاتی طور پر ہے۔ جو ایک عرصہ تک مولانا مغفور کا رفیق رہ چکا ہے، خود مولانا نے راقم الحروف سے یہ واقعہ بیان کیا تھا۔ بہرحال کوششیں ناکام ہوئیں، نہ مولانا شوکت علی اسے راہِ راست پہ لا سکے۔ نہ باپ کی افہام و تفہیم کا کچھ نتیجہ نکلا، اور بالآخر

لڑکی کی شادی ایک پارسی ہم خاندان سے ہو گئی۔

اس کے بعد مسٹر جناح جو کچھ کر سکتے تھے۔ وہ یہ کہ لڑکی سے ترک تعلق کر لیں، انھوں نے یہ کیا۔ اور اس سے یکسر تعلقات منقطع کر لئے، اس کے برعکس تمھاری عبدالغفار خاں کے برادرِ محترم ڈاکٹر خان صاحب کی صاحبزادی نے خالص اسلامی ماحول میں تعلیم و تربیت پانے کے باوجود جب ایک سکھ عیسائی سے شادی کر لی۔ تو خاں صاحب نے لڑکی سے قطع تعلق کرنے کے بجائے اسے دعائے خیر و برکت دی۔ پھر بھی خاں صاحب "مجاہد" ہیں۔ اور جناح فاسق و کافر،

خرد کا نام جنوں پڑ گیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

شرمناک دروغ گوئی

اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور پہ قابلِ ذکر ہے جب نئے انتخابات کی ہما ہمی شروع ہوئی۔ تو مجلس احرار کے روح رواں مسٹر مظہر علی اظہر اور تحریکِ خاکسار کے بانی اور علمبردار مسٹر عنایت اللہ خاں مشرقی نے علی الاعلان بر سرِ عام مسٹر جناح پہ یہ الزام لگایا کہ انھوں نے ایک "غیر مسلمہ" سے "سول میرج" کی تھی۔ اور یہ کہ خود مسٹر جناح کا اسلام مشکوک و مشتبہ ہے، اس لئے کہ جو قرآنی احکام کو ٹھکرا کر ایک "غیر مسلمہ" سے شادی کرے وہ کافر نہیں تو کیا ہے؟ مسٹر مظہر علی اظہر نے تو بھرے جلسہ میں ایک فی البدیہہ شعر بھی ارشاد فرما دیا۔ ؎

اک کافرہ کے واسطے اسلام کو چھوڑا
یہ کافرِ اعظم ہے کہ ہے "قائدِ اعظم"

حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ مسٹر جناح نے مسٹر آصف علی، مسٹر ہمایوں کبیر اور ڈاکٹر خان صاحب وغیرہ کی سنت پہ عمل کر کے "سول میرج" نہیں کیا، بلکہ ایک مسلمہ سے

شادی کی۔ اس مسلمہ کا جب انتقال ہوا تو وہ اسلامی قبرستان میں دفن ہوئی، تجہیز و تکفین میں بمبئی کے بہت سے معزز مسلمان شریک ہوئے۔ پھر مزید ثبوت کے طور پر یہ سول اینڈ ملٹری گزٹ (۲۱ اپریل ۱۹۱۸ء) کی خبر بہت سے اردو اخبارات نے صفحہ، کالم، تاریخ اور نام کے تعین کے ساتھ شائع کی۔ پھر بھی الزام آج تک قائم ہے۔ نہ صرف مسٹر جناح کا اسلام قابلِ قبول نہیں ہے، بلکہ یہ مفتیانِ عظام اور رہنمایانِ اسلام ایک مرحومہ مسلمہ کو بھی "کافرہ" کے خطاب سے نواز رہے ہیں۔ یہ ہے قائد اعظم کے مخالفوں کی دیانت اور شرافت، جھوٹ بولتے ہیں اور اپنے دروغ پر اصرار کرتے ہیں۔

سب سے زیادہ حیرت جانشین شیخ الہند اور دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ پر ہے۔ ان تمام تحریروں اور تردیدوں کے ملاحظہ فرمانے کے باوجود مسٹر اور مسز جناح کے کفر اور سول میرج کے افسانہ پر انہیں اب تک یقین ہے۔ اب بھی وہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں مسلمانوں کے "کافر" لیڈر اور اس کی "کافرہ" بیوی کا ذکرِ خیر کرتے رہتے ہیں!

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

○

رولٹ ایکٹ

○

ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں رولٹ ایکٹ ایک انقلابی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ قانون اگر نہ بنا ہوتا تو شاید سیاستِ ہند میں ایک نئے مرحلے طوفان کا ہلاکت انگیز اور تباہ کن دور اس قدر جلد نہ شروع ہوتا۔ ۱۹۱۸ء میں حکومت نے مسٹر سڈنی رولٹ کی زیرِ صدارت ایک کمیٹی کی تشکیل کی۔ کمیٹی کا مقصد یہ تھا کہ وہ بھارتی سیاسی سازشوں کے سلسلہ میں سزا اور تادیبی و عقوبتی مراحل پر غور کرے اور حکومت کے سامنے اپنی سفارشات پیش کر کے بتائے کہ جو لوگ اس سلسلہ میں گرفتار ہوں ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ اور انہیں کس قسم کی سزا دی جائے؟

اس کمیٹی نے جو سفارشات حکومت کے سامنے پیش کیں اور جو سزائیں اس قسم کے مجرموں کے لئے تجویز کیں وہ اس درجہ سخت متقمانہ اور ناقابلِ برداشت تھیں کہ ان پر سارے ملک میں غم و غصہ، احتجاج و ملامت، برہمی اور بیزاری کی ایک لہر دوڑ گئی، ہر بڑے شہر میں احتجاجی جلسے ہوئے، مخالفانہ تقریریں کی گئیں اور حکومت سے اصرار کیا گیا کہ ان سفارشات کو ہرگز عملی جامہ نہ پہنایا جائے۔

جناح کی تقریر

جب یہ رپورٹ امپیریل کونسل میں لبغرض بحث و تنقید پیش ہوئی تو مسٹر محمد علی جناح نے ایک پر مغز۔ اور مدلل تقریر کی۔ انہوں نے فرمایا۔

"مجرمانہ سیاسی سازش کا مسئلہ رولٹ کمیٹی نے اس طرح اٹھایا ہے جیسے کچھ جرائم پیشہ قبائل ہم میں دفعتہً نمودار ہو گئے ہیں۔ اور اب ضروری ہے کہ ایک قانون بنا کر ان کا صفایا اور قلع قمع کر دیا جائے۔ لیکن قانون بنانا مرض کا علاج نہیں ہے۔ تمہیں (حکومت کو) تمہیں اپنی پالیسی تبدیل کرنی چاہیئے۔ یہ مجرمانہ سازشیں خود بخود دور ہو جائیں گی۔ اس کمیٹی نے ایسی سفارشات پیش کی ہیں جنہیں کوئی مہذب حکومت قبول نہیں کر سکتی ان کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

اس قانون سے حکومت متاثر نہ ہوئی۔ وہ ایک انتقامی قانون بنانے پر تلی ہوئی تھی۔ اس نے کونسل کے معزز ممبروں کی ہندوستان کے ایک بہت بڑے سیاستدان کی، ملک کی رائے عامہ کی ذرا بھی پرواہ نہ کی اور اس کمیٹی کی سفارشات منظور کر لیں، رولٹ بل، رولٹ ایکٹ بن گیا۔ اور قانون کی حیثیت سے سارے ملک میں نافذ ہو گیا۔ یہ آج کل جو ملک میں "قانون دفاع ہند" نام کی دو دھاری تلوار حکومت کے ہاتھ میں موجود ہے اس تلوار کا شجرۂ نسب رولٹ ایکٹ ہی سے ملتا ہے یہ اسی مردود اور نامقبول قانون کی اولاد ہے حکومت نے جولائی ۱۹۱۸ء کو رولٹ بل پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اس موقع پر پھر حکومت کو مخاطب کر کے مسٹر جناح نے ایک معرکۃ الآرا تقریر کی انہوں نے کہا۔

"اگر تم نے اسے قانون کی شکل دے دی تو سارے ملک میں اس سرے سے لے کر اس سرے تک ایک آگ لگ جائے گی۔"

جناح کا خوددارانہ فیصلہ

لیکن جب ہر انتباہ بیکار ہو گیا۔ تو جناح نے ایک خوددار اور باوقار سیاست دان کی طرح وہی کیا جو انہیں کرنا چاہیئے تھا۔ انہوں نے وائسرائے ہند کو حسب ذیل مکتوب لکھا۔

مالابار ہل
بمبئی
۲۸ مارچ ۱۹۱۹ء

یور ایکسی لنسی

"رولٹ ایکٹ کی منظوری اور اس پر آپ کی مہر تصدیق نے عوام کو برطانوی انصاف سے برگشتہ کر دیا ہے، انصاف اور معدلت کے بنیادی اصولوں کو تہس نہس کر کے رکھ دیا گیا ہے اور قوم کے دستوری و آئینی حق کو سوخت کر لیا گیا ہے۔ لہٰذا میں آپ کے اس فیصلہ اور آپ کی حکومت کی اس روش کے خلاف احتجاج اور اظہار برہمی کے طور پر امپیریل کونسل کی ممبری سے استعفا دیتا ہوں۔ ان حالات میں کوئی خوددار آدمی حکومت سے تعاون نہیں کر سکتا۔ ایسی حکومت جو ایوان آئین ساز میں قوم کے منتخب شدہ نمایندوں کی آواز ٹھکرا دیتی ہو!"

آپ کا مخلص
ایم اے جناح

بالآخر وہی ہوا

رولٹ بل کے قانون بن جانے کے بعد وہی ہوا جو جناح نے اپنی عام تقریر میں کہا تھا۔ واقعی سارے ملک میں اس سرے سے لے کر اس سرے تک آگ لگ گئی۔ ۳۰ مارچ ۱۹۱۹ء کو دہلی میں سوامی شردھانند کی سرکردگی میں ایک عظیم الشان جلوس نکلا، پھر ہنگامہ ہوا۔ فوج نے نہتے مجمع پر گولیاں چلائیں، کئی آدمی ہلاک ہوئے اور بہت سے مجروح

گاندھی جی کے حسب ہدایت دہلی کے حادثہ کے بعد سارے ہندوستان میں یوم دعا اور یوم روزہ منایا گیا۔ اب اس آگ کی لپیٹ دہلی سے باہر پہنچنے لگی تھی۔ چنانچہ ۱۱ اپریل ۱۹۱۹ء کو امرتسر میں دو لیڈروں کی گرفتاری پر ایک زبردست ہنگامہ ہوا۔ ۱۲ اپریل کو جنرل ڈائر اپنی مسلح فوجوں کے ساتھ امرتسر پہنچ گیا، اس نے جلیانوالہ باغ میں ایک بہت بڑے جلسے مجمع پر باندھا دھند گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ نکلنے کا راستہ بند تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے آدمی ہلاک ہوئے اور ہزاروں مجروح ہوئے اب آگ سارے پنجاب میں پھیل چکی تھی۔ بہ خوف حکومت نے مارشل لاء نافذ کر دیا۔ بید زنی کی سزا عام ہو گئی، جن محلوں میں کسی انگریز کو مارا گیا تھا، اس میں بڑے بڑے شریف اور معزز شہریوں کو پیٹ کے بل رینگنے پر مجبور کیا گیا کہ وہ انگریزوں کو سلامی دیں اور اپنی مجبوری کا اعتراف کریں۔ امرتسر کے حادثہ نے ہندوستان کے ہر بڑے شہر میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا کر دی۔ احمد آباد میں ہنگامے ہوئے، پولیس نے پوری بے تکلفی کے ساتھ لاٹھیاں اور فوج نے پوری آن بان کے ساتھ گولیاں چلائیں۔

گاندھی جی میدان میں

گاندھی جی جنوبی افریقہ میں ستیہ گرہ کا کامیاب تجربہ کرنے کے بعد ہندوستان واپس

آ چکے تھے۔ انہوں نے رولٹ ایکٹ کے خلاف ایک عوامی تحریک کی رہنمائی ہاتھ میں لے لی۔ خود تزکیہ نفس کے لئے تین روز کا روزہ رکھا اور عوام کے سامنے یوم دعا کا پروگرام پیش کیا، اور ستیہ گرہ کے لئے حلف ناموں پر عوام کے دستخط کرائے۔ اور ملک کے کاروباری طبقہ سے ملازمت پیشہ اصحاب سے، مزدوروں سے، طالب علموں اور وکیلوں سے اپیل کی کہ وہ ایک روز کی مکمل ہڑتال کریں۔ جسے عوام نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ قبول کیا۔

جواہر لال کے تاثرات

حکومت نے اپنی ضد اور خودسری سے کام لے کر اس مسودۂ قانون کو منظور تو کر لیا۔ لیکن اس میں یہ ہمت نہ ہوئی کہ اسے وہ بروئے کار لاتی، پنڈت جواہر لال نہرو اپنی سوانح عمری "میری کہانی" میں لکھتے ہیں۔

"یہ قانون نافذ تو ہو گیا لیکن جہاں تک مجھے یاد ہے اس کی میعاد کے تین برس میں ایک مرتبہ بھی اس سے کام نہیں لیا گیا، حالانکہ تین سال کا زمانہ امن اور سکون سے نہیں گزرا۔ بلکہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد سب سے زیادہ شورش کا زمانہ تھا۔ غرض حکومت نے عام مخالفت کے باوجود ایک ایسا قانون نافذ کر دیا۔ جس سے اس نے کبھی کوئی کام نہ لیا اور خواہ مخواہ چھیڑ کر شورش پیدا کی۔ اگر یہ خیال ہو تو بے جا نہیں کہ شاید اس قانون کا مقصد ہی ہنگامہ پیدا کرنا تھا۔"

تحریکِ خلافت اور ترکِ تعاون

گذشتہ جنگِ عظیم ختم ہو چکی ہے، جرمنی اور جرمنی کے ساتھ حکومت عثمانیہ کو شکست ہو چکی ہے، خلافت اسلامیہ انگریزوں کے رحم و کرم پر ہے، جب ترک جرمنی کے ساتھ میدانِ جنگ میں کود رہے تھے اور حکومت برطانیہ ان کے خلاف صف آرا ہوئی تھی، تو حکومت نے مسلمانانِ ہند کو یقین دلایا تھا کہ یہ جنگ مذہبی نہیں ہے ہم ترکی کی مقبوضات پر قابض ہونا نہیں چاہتے لیکن جب کامیابی کے ساتھ ختم ہو گئی۔ انگریز جیت گئے تو تمام وعدے طاقِ نسیان کی زینت بن گئے، برطانوی وزیر اعظم لائڈ جارج نے ترکوں کے سامنے ایسے ذلت بخش شرائط صلح پیش کیے جو ان کے لئے پیامِ موت تھے خود حکومت ہند کو بھی ان شرائط کی سختی اور حکومت برطانیہ کی وعدہ خلافی کا احساس تھا۔ چنانچہ وائسرائے کی طرف سے مسلمانانِ ہند کے نام ایک خاص اعلان شائع ہوا۔ جس میں اعتراف کیا گیا کہ شرائط اگرچہ سخت اور توقع کے خلاف ہیں۔ لیکن مسلمانانِ ہند کو اب صبر و ضبط کے ساتھ یہ مرحلہ بھی برداشت کر لینا چاہیئے۔

ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک آگ لگ گئی، وہ بھڑک اٹھے، ان کے دل غم و غصہ

سے. نفرت و حقارت سے، بے بسی اور اشتعال سے بھرے ہوئے تھے لوہا گرم تھا صرف چوٹ پڑنے کی دیر تھی مسلمان سر سے کفن باندھ کر میدان میں اتر چکے تھے، صرف کسی سپہ سالار کی ضرورت تھی ۲۶

گاندھی جی کی تشریف آوری

ان حالات میں گاندھی جی مرکزِ امید بن کر مطلعِ سیاست پر نمودار ہوئے وہ جنوبی افریقہ میں غیر معمولی کامیابی حاصل کر چکے تھے، وہ رولٹ ایکٹ کے سلسلہ میں اپنے جوہر دکھا چکے تھے وہ چمپارن کی نقیبہ گروہ کی کامیاب رہنمائی کر چکے تھے، مسلمانوں کی نظریں ان پہ پڑیں اور انہوں نے بے تامل گاندھی جی کو اپنا رہنما بنا لیا۔ اصل بات یہ تھی کہ مسلمان خود مشترک پلیٹ فارم مشترک قیادت، مشترک مرکز کے جویا تھے۔ ملک کے متعصب اہلِ وطن، ہندو مسلم نزاری کی وجہ سے یہ امید پوری نہ ہو سکی۔ اب ایسا شخص میدان میں آیا تھا جو ملک کے مقابلہ میں غیر متعصب فراخ حوصلہ، روادار اور پاکیزہ خصائل کا حامل تھا، پھر علی برادران جیسے عظیم المرتبت یاروں کا اسے حاصل تھا۔ انہوں نے اسے سر آنکھوں پہ بٹھایا۔ اور آنکھیں بند کر کے اس کی قیادت قبول کر لی۔ اسے رہنما بنا لیا، اور مسلمانانِ ہند کو نصیحت کی کہ وہ بھی اس کی رہنمائی بے چون و چرا تسلیم کر لیں۔

مسلمان عمل چاہتے تھے جہاد چاہتے تھے ترکوں کی مدد کرنا چاہتے تھے، اپنی بے بسی اور بے کسی کے باوجود گتھم گتھا ہونا چاہتے تھے حریف پنجہ فگن سے زور آزمائی پر تلے ہوئے تھے، سر دھڑ کی بازی لگا کر میدان میں اتر چکے تھے، وہ تلوار نہیں چلا سکتے تھے سر تو کٹوا سکتے تھے، وہ بندوق کا استعمال نہیں کر سکتے تھے لیکن سینہ پہ گولیاں تو کھا سکتے تھے۔ وہ کسی کی جان نہیں لے سکتے تھے۔ لیکن اپنی جان تو دے سکتے تھے۔

سکوتِ مرگ آسا

موت اک زندگی کا وقفہ ہے   یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

یہ زمانہ تھا، جوش کا، عقل اور دماغ مفلوج تھے، جذبات کی حکمرانی تھی، دوراندیشی کا سوال ہی نہیں تھا جو کچھ تھی فکرِ امروز تھی۔

یہ زمانہ تھا ترکِ موالات کا، عدم تعاون کا، ایثار و قربانی کا، مر مٹنے اور تباہ و برباد ہونے کا، سب کچھ لٹا دینے اور دار و رسن کا استقبال کرنے کا۔ یہ زمانہ تھا طوفان کا، حوادث کا، انقلاب کا، ایسا طوفان، جس نے ملک کے طول و عرض میں تلاطم برپا کر دیا، ایسے حوادث کا جنہوں نے رونما ہو کر ملک کی سیاسیات میں ایک نئی زندگی، ایک نئی تڑپ اور ایک نیا ابھار پیدا کر دیا، ایسے انقلاب کا جس نے بلند کو پست اور پست کو بلند کر دیا، جس نے گمناموں کو اوجِ ثریا پہ بٹھا دیا۔ جس نے ناموروں کو تحت الثریٰ میں دھکیل دیا، جس نے لیڈروں کو عامی بنا دیا، جس نے عامیوں کو زعیم و قائد بنا دیا۔ جس نے حکومت کا رعب ختم کر دیا، جس نے پولیس کی لاٹھیوں اور فوج کی گولیوں کا ڈر دل سے نکال دیا، جس نے جیل خانوں کو نشاط خانہ اور پھانسی کے تختہ کو حاصلِ زندگی بنا دیا۔ وہ انقلاب جس نے بچوں میں جوانوں کا سا جوش، جوانوں میں نوجوانوں کا سا ولولہ، بوڑھوں میں عہدِ طفلی کی سی ترنگ پیدا کر دی۔ وہ انقلاب جس نے زرداروں کو بے زر کر دیا، گھر والوں کو خانماں برباد کر دیا، وکیلوں کو کنگال کر دیا، بیرسٹروں کو مفلس بنا دیا، ڈپٹی کلکٹروں، مجسٹریٹوں، کلکٹروں اور اعلیٰ سرکاری عہدہ داروں کو عام لوگوں کی سطح پر لا کھڑا کر دیا اور وہ انقلاب جس کی ایک لہر نے بڑے بڑے سروں "کو بے سر" کر دیا جس نے بے سروں کو "سر" بنا دیا، جس کی بدولت اسکولوں پہ تالے پڑے، کالجوں کے دروازے بند ہوئے، یونیورسٹیوں پہ بادِ خزاں کے جھونکے چلے۔ عدالتوں میں سناٹا چھا گیا، حکومت کے ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی، جس نے نیا خون، نئی زندگی، نئی قیادت اور نئی لہر پیدا کی، جس نے محمد علی جناح اور محمد علی جناح کے سے با اصول سختی سے اپنی سوچی سمجھی رائے پر قائم رہنے والے افراد کی سیاسی زندگی ختم کر دی۔ جس نے دو نئی شخصیتیں محمد علی اور شوکت علی نام کی پیدا کیں۔

یہ دونوں بھائی بجائے خود ایک بہت بڑا طوفان تھے ایک بہت بڑا حادثہ تھے ایک

بہت بڑا انقلاب تھے۔ یہ طوفان کی طرح اٹھے، اور سارے ملک پہ چھا گئے۔ یہ حادثہ کی طرح واقع ہوئے اور ہر زندگی ان کی لپیٹ میں آ گئی۔ یہ انقلاب کی طرح ابھرے اور ہر مخالف طاقت کو انہوں نے زیر و زبر کر کے رکھ دیا۔ رحمہا اللہ۔ یہ دونوں بھائی بادل کی طرح گرجے اور ان کی گرج سے ہندوستان کا ہر دل دہل اٹھا، بجلی کی طرح کوندے، جس کی روشنی سے ہر خانۂ تاریک روشن ہو گیا۔ آندھی کی طرح پھیلے بڑھے اور چلے جس کے سامنے تن آور درخت سر بسجود ہو جاتے ہیں، جس کا مقابلہ فلک بوس مینار بھی نہیں کر پاتے، جس کی زد بڑے بڑے جہازوں کے بادبان اور لنگر شکستہ اور گستہ کر دیتی ہے۔ ان کی گرج ایسی ہی تھی ان کی چمک کا یہی حال تھا۔ ان کی ہمہ گیری کی یہ کیفیت تھی، بالآخر یہ اپنی بہار دیکھ کے اور دنیا کو اپنی بہار دکھا کر اس جہانِ فانی سے عالمِ باقی کی طرف کوچ کر گئے۔ ایک مسجدِ عمرؓ میں نبیوں اور پیغمبروں کے زیرِ سایہ شمیمِ جنت سے لطف اندوز ہو رہا ہے، دوسرا سرمد شہید کے پہلو بہ پہلو شاہجہان اعظم کی جامع مسجد کے سامنے آسودۂ خاک ہے۔

آسماں ان کی لحد پہ شبنم افشانی کرے — سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آخر یہ کیا بات تھی، جناح کے کیمپ میں خاموشی کیوں تھی؟ سناٹا کیوں چھایا ہوا تھا؟ چہل پہل اور گہما گہمی اور ہنگامہ آرائی کیوں ناپید تھی؟ کیا ان کے قوائے عمل شل ہو گئے تھے، کیا ان کی زبان گنگ ہو گئی تھی؟ کیا ان کا دماغ ناکارہ ہو گیا تھا؟ نہیں یہ بات نہیں تھی جناح کی نظریں حال کے آئینے میں مستقبل کا جلوہ دیکھ رہی تھیں۔ وہ جذبات کے طوفان میں بہنے کا عادی نہیں تھا۔ طوفان کا رخ موڑ دینا اس کی عادت تھی۔

جناح کے خیالات و حسیات

گوکھلے کی برسی کے موقع پہ جناح نے بمبئی میں ایک تقریر گوکھلے کی سیرت اور کردار پہ کی، اس موقع پہ حاضرین میں سے بعض لوگوں نے پوچھا کہ آپ سیاسیات میں

میں حصّہ کیوں نہیں لیتے، آپ خاموش اور الگ تھلگ کیوں ہیں ؟

ان سوالات کے جواب میں جناح نے جو تقریر کی وہ ۱۲ر فروری ۱۹۲۱ء کے بمبئی کرانیکل Bombay chronical میں شائع ہو چکی ہے اس کے ضروری حصّوں کا ترجمہ ذیل میں درج کرتا ہوں :-

میرے بہت سے دوستوں اور رفیقوں نے پوچھا ہے کہ سیاسیات کے اس نازک ترین دور میں خاموش کیوں ہوں ؟ یا الگ تھلگ کیوں ہوں ؟ بلاشبہ موجودہ صورتِ حال دشواریوں اور خطروں سے لبریز ہے۔ ایک طرف حکومت کا وہ خود سرانہ اور سفاکانہ طرزِ عمل ہے۔ جس نے وقارِ قومی کو مجروح کر رکھا ہے۔ جس شخص میں ذرا بھی فہم سیاسی ہوگی وہ حکومت کو اس طرزِ عمل پر ملامت کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ جنگِ عظیم جو ابھی ابھی ختم ہوئی ہے۔ اس میں ہندستان نے اپنا خون بہایا۔ مال و زر سے حکومت کی مدد کی۔ لیکن صلہ کیا ملا ؟ رولٹ ایکٹ !

لیکن دوسری طرف میں یہ کہنے سے بھی باز نہیں رہ سکتا کہ گاندھی جی نے۔ جن کی میں عزّت کرتا ہوں۔ جو پروگرام اختیار کیا ہے وہ قوم کو غلط راستہ پر لئے جا رہا ہے۔

آوازیں :- نہیں نہیں !

جناح :- میں جانتا ہوں۔ آپ یہی کہیں گے لیکن میں آپ سے اتفاق نہیں کر سکتا۔ اگر یہ پروگرام قوم کو غلط راستہ پر نہ لئے جا رہا ہوتا اور اگر مجھے یقین ہوتا کہ یہ صحیح پروگرام ہے تو میں پہلا شخص ہوتا جو اس کی عملی تائید کرتا، میں گاندھی جی اور ان کے رفقا کی عزّت کرتا ہوں ان کے جذبۂ قربانی کا معترف ہوں۔ لیکن میں پھر کہوں گا کہ ان کا پروگرام قوم کو صراطِ مستقیم کے

بجائے ایک گڑھے کی طرف لئے جا رہا ہے۔

آوازیں :- نہیں نہیں۔

جناح :- میری رائے میں صحیح راستہ یہ تھا کہ کونسل میں جا کر رو در رو بیوروکریسی کا مقابلہ کیا جاتا۔ یہاں تک کہ حکومت کونسل کو توڑ دینے پر مجبور ہو جاتی زار روس نے ڈوما قائم کی۔ وہاں کے وطن پرستوں نے یہی کیا اور بالآخر زار روس نے مجبور ہو کر ڈوما توڑ دیا۔ یہی ہمارے لیڈر بھی یہاں کر سکتے تھے،

اب گاندھی جی کے پروگرام کی دوسری شق لیجئے، یہ ہے اسکولوں کا مقاطعہ میں پوچھتا ہوں آخر ترکِ تعلیم کا مقصد کیا ہے ؟ کیا صرف چرخہ کاتنا ؟ اگر یہی بات ہے اور گاندھی جی کہتے ہیں۔ یہی بات ہے۔ تو میں کہوں گا کہ یہ تحریک سیاسی تحریک بہر حال نہیں ہے۔

گاندھی جی کے پروگرام کی تیسری شق ہے۔ کھادی کا عام رواج۔ اس پر خود کانگریس کے ڈیلی گیٹ بھی عامل نہیں ہیں، اس طرح کامیابی نہیں ہو سکتی یہ سیاسی پروگرام نہیں ہے، جذباتی پروگرام ہے۔ اس کے بجائے اگر یہ ہوتا کہ ملوں پر ملیں قائم کی جاتیں۔ اور پھر برطانوی مال کا مقاطعہ کیا جاتا، تو ایک بات بھی تھی اس طرح اسکول اور کالج جا بجا قائم کئے جاتے پھر طلبا سے باہر آنے کو کہا جاتا تو کون تائید نہ کرتا ؟

دُوربین و دُور اندیش لیڈر

جذبات کے ایسے ہنگامہ خیز زمانہ میں جب کوئی شخص گاندھی جی اور علی برادران کے خلاف ایک حرف بھی کہنے کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ ایسی مدلل اور پُر مغز تقریر عوام کے مجمع میں کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔ یہ کام وہی لیڈر کر سکتا تھا جو مخلص ہو،

دیانت دار ہو، اپنی فہم وبصیرت پر پورا اعتماد رکھتا ہو۔

اب ذرا جناح کی اس تقریر کے نکتوں پر غور فرمائیے، آپ محسوس کریں گے کہ

۱۔ اسے گاندھی جی کی قیادت پر بھروسہ نہیں تھا۔

۲۔ وہ تخریب کے ساتھ تعمیر بھی چاہتا تھا۔

۳۔ وہ کونسلوں میں حکومت سے لڑنے کا قائل تھا۔

۴۔ وہ اس تحریک کو ہلاکت خیز اور تباہ کن سمجھتا تھا۔

اب ہم ان امور چہارگانہ پر الگ الگ بحث کریں گے۔

گاندھی جی کی قیادت

علی برادران نے گاندھی جی کی قیادت قبول کر لی۔ اور انہیں "باپو" تک کہنے لگے۔ لیکن گاندھی جی نے مسلمانوں کے بل بوتے پر مہاتما بننے کے بعد مسلمانوں کے ساتھ کیا کیا، یہ رئیس الاحرار مولانا محمد علی مرحوم کی زبان سے سنیئے۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۲۰ء کو پشاور میں ایک عظیم الشان اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے محمد علی نے کہا۔

"کانگرس کو انڈین نیشنل کانگرس فی الحقیقت مسلمانوں نے بنایا ہے۔ اس سے پہلے وہ عافیت پسندوں کی تفریح گاہ تھی۔ مگر جس دن سے محمد علی، شوکت علی اس میں شریک ہوئے، اسی دن سے اس میں جان پڑ گئی۔ چنانچہ کلکتہ کانگرس میں لالہ لاجپت رائے کی مخالفت کے باوجود کانگرس نے ترک موالات کو اپنا شعار بنایا۔ اور یہ حقیقت ہمیں ہمیشہ فخر کے ساتھ یاد رہے گی کہ سب سے جلیل القدر ہندو رہنما مہاتما گاندھی ہمیشہ خلافت کے صرفے سے دورہ کرتا رہا۔ ہماری قید کے بعد بھی مہاتما جی نے دورہ کے مصارف خلافت کے سرمایہ سے لئے۔ حتیٰ کہ کانگرس کے لئے ایک کروڑ روپیہ جمع کرنے

کے لئے آپ کے دوروں کے مصارف بھی مجلس خلافت نے ادا کئے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کانگرس کی روح رواں، تحریک خلافت اور مجلس خلافت تھی۔"

کانگرس اور گاندھی جی کے بارے میں اگر یہ شہادت ناکافی ہے تو ایک دوسری شہادت لیجئے۔ یہ شہادت ہے ہندوستان کے مشہور مقنن، سیاستدان اور تاریخ سیاسیات کے ماہر خصوصی ڈاکٹر امبیدکر کی موصوف اپنی کتاب "پاکستان کے بارے میں چند خیالات" THOUGHT ON PAKISTAN میں لکھتے ہیں:۔

"۹ جون ۱۹۲۰ء کو خلافت کانفرنس الہ آباد میں منعقد ہوئی اور متفقہ طور پر ترک موالات کا اصول طے ہوا، ایک کمیٹی بنائی گئی۔ جس کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ ترک موالات کے اصول اور پروگرام کو واضح طور پر مرتب کرے۔ ۲۲ جون ۱۹۲۰ء کو مسلمانوں نے وائسرائے کو ایک پیام بھیجا کہ اگر یکم اگست ۱۹۲۰ء سے پہلے ترکوں کے شکایات رفع نہ ہوئے تو تحریک ترک تعاون شروع کر دی جائے گی۔ ۳۰ جون ۱۹۲۰ء کو خلافت کمیٹی کا جلسہ الہ آباد میں ہوا اور طے ہوا کہ ایک مہینہ کا وائسرائے کو نوٹس دے کر ترک موالات کا پروگرام شروع کر دیا جائے۔ یکم اگست ۱۹۲۰ء کو نوٹس دے دیا گیا۔ اور ۳۱ اگست ۱۹۲۰ء کو تحریک ترک تعاون شروع کر دی گئی۔ ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریک ترک موالات خلافت کمیٹی نے شروع کی تھی۔ کانگرس کے اسپیشل سیشن کلکتہ زیر صدارت لالہ لاجپت رائے نے جو کچھ کیا وہ صرف یہ کہ خلافت کانفرنس کا مسلک قبول کر لیا"

محمد علی اور امبیدکر کی ان تصریحات سے معلوم ہو گیا کہ گاندھی جی کو مہاتما اور کانگرس کو خلافت کمیٹی اور علی برادران نے بنایا، کانگرس تک نے خلافت کی پیروی کی لیکن اقتدار حاصل کر لینے کے بعد مجلس خلافت اور علی برادران کے ساختہ پرداختہ گاندھی جی

اور ان کی کانگرس نے جو سلوک علی برادران اور مجلسِ خلافت کے ساتھ کیا۔ اس سے کون ناواقف ہے۔ پھر اگر محمد علی جناح نے گاندھی جی کی قیادت پر بھروسہ نہیں کیا تو کون کہہ سکتا ہے کہ غلطی کی؟

تخریب اور تعمیر

محمد علی جناح نے دوسرا اہم ترین اعتراض یہ کیا تھا کہ وہ صرف تخریب کا قائل نہیں ہے۔ تعمیر کے ساتھ تخریب کا ساتھ دے سکتا ہے۔ اس تحریک میں تخریب ہی تخریب تھی تعمیر کا کہیں وجود بھی نہیں تھا۔ اس اعتراض کی واقعیت سے کوئی بڑے سے بڑا کانگرسی بھی انکار نہ کر سکا۔ البتہ زور اور قوت کے بل پر اعتراض کی اس سچی آواز کو دبانے کی کوشش ضرور کی گئی۔

کونسلوں میں حکومت کا مقابلہ

روس کی مثال پیش کرنے کے بعد جناح نے کہا تھا کہ لڑائی کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ حکومت کے گھر (کونسلوں) میں آؤ۔ اس سے ڈٹ کر مقابلہ کرو۔ ۱۹۲۱ء میں اس کی یہ آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی اور کسی نے اس پر کان نہیں دھرا، لیکن بعد میں، ایک سال بعد ۱۹۲۲ء میں آخر کانگرس کو جناح کے بتائے ہوئے راستہ پر شکست کھا کر ہمت ہار کر آنا پڑا۔ سی آر داس اور موتی لال نہرو کی سرکردگی میں ایک سوراج پارٹی بن گئی، جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ کونسل میں جائے اور وہاں حکومت کا مقابلہ کرے۔ پنڈت جواہر لال نہرو اپنی سوانح عمری میں لکھتے ہیں:-

"عملی احتجاج (سول نافرمانی ستیہ گرہ) اس زور شور سے اٹھی اور ناکام رہی کہ اب دستوری تحریک کی باری تھی۔ اس تحریک کو بھی اس کے بانیوں

یعنی دیش بندھو داس اور میرے والد (پنڈت موتی لال نہرو) نے حکومت کے راستہ میں روکاوٹیں ڈالنے اور اس کی مخالفت کرنے کی شکل میں اٹھایا تھا، تعاون اور تعمیر کی حیثیت سے نہیں۔"

جناح نے اپنی فراست اور دور اندیشی سے ایک برس پہلے جو کچھ کہا تھا، کانگرس نے اس وقت نہ مانا۔ لیکن ناکام ہونے کے بعد ماننا ہی پڑا، پھر اگر جناح نے کانگرس کا ساتھ نہیں دیا تو کوئی جرم کیا؟

ہلاکت خیز تحریک

اپنی تقریر میں جناح نے اس تحریک کو ہلاکت خیز تحریک قرار دیا تھا۔

ہندوؤں کے لئے تو یہ تحریک یقیناً ہلاکت خیز نہیں تھی۔ لیکن مسلمانوں کو تو اس سے ہلاکت، تباہی بربادی اور ادبار کے سوا کچھ نہ ملا۔

ہندوؤں کی بنارس یونیورسٹی بدستور قائم رہی۔ ایک دن کے لئے بھی وہاں سلسلۂ تعلیم بند نہ ہوا، اور مسلم یونیورسٹی لب گور ہو گئی۔ پھر ہجرت کی تحریک اٹھی ۱۸ ہزار مسلمان اپنا گھر بار، جائداد، اسباب غیر منقولہ اونے پونے بیچ کر ـــــ خریدنے والے زیادہ تر ہندو ہی تھے افغانستان ہجرت کر گئے، وہاں جگہ نہ ملی، واپس کئے گئے، کچھ مر کھپ گئے جو واپس آئے، تباہ حال، خستہ، درماندہ، مفلس، قلاش، تہی دست، بے نوا، بے یار و مددگار اگر اسے ہلاکت نہیں کہتے تو کیا کہتے ہیں؟ اور اگر جناح نے اسے ہلاکت خیز قرار دیا تھا تو کیا غلط کہا تھا؟

فقید المثال خصائص اور قابلِ رشک اوصاف کا حامل ہے۔ استعمار کے بام و در اس کے نعرۂ حیدری سے لرز اٹھے، شہنشاہیت کے ایوان و دربار میں اس کی گرج المرزہ خیز، اس نے جو حق سمجھ لیا وہی کہا۔ اور اس کی ذرا پروا نہ کی۔ کہ اس اعلائے کلمۃ الحق کی سزا اور عقوبت کیا ہوگی؟

لارڈ منٹو سے جھڑپ

سپریم لیجلیٹو کونسل کی ممبری ۱۹۰۹ء میں جناح کو ملی، کونسل میں حکومت جنوبی افریقہ کا وہ ذلت بخش اور غیر شریفانہ طرز عمل زیرِ بحث آیا۔ جو اس نے ہندوستانیوں کے ساتھ روا رکھا تھا، گوکھلے نے ایک احتجاجی تجویز پیش کی اور ایک پُر مغز مدلل لیکن نرم تقریر کی، کونسل میں پہلی بار مسٹر جناح تقریر کے لئے کھڑے ہوئے انہوں نے اپنی تقریر میں کہا۔

"یہ ایک نہایت تکلیف دہ سوال ہے۔ جس نے ہندوستان کے ہر طبقہ اور گروہ کو بے انتہا مشتعل اور برافروختہ کر رکھا ہے۔ ہر ہندوستانی اس سخت اور سفاکانہ سلوک سے بہت متاثر ہے۔ جو جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے ساتھ روا رکھا جا رہا ہے۔

ہز ایکسی لنسی پریسیڈنٹ (لارڈ منٹو)

میں معزز ممبر کو محتاط رہنے کی ہدایت کرتا ہوں "سفاکانہ" بڑا غیر محتاط لفظ ہے، جو انہوں نے استعمال کیا ہے، معزز ممبر کو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ ایک ایسی حکومت کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں۔ جو برطانوی امپائر کی حلیف اور دوست ہے اور اس امر کو پیش نظر رکھ کر الفاظ کے انتخاب میں کافی غور و تامل سے کام لینا چاہیئے۔

قائد کی شخصیّت

دلیر، بے باک، نڈر، جرّی

ایک قائد اور رہنما کی، بہت بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دلیر ہو، نڈر ہو، بیباک ہو، جری ہو، نہ حکومت کا جاہ و جلال اسے مرعوب کر سکے۔ نہ شاہوں اور شہریاروں کی بارگاہِ عظمت پناہ میں اس کا دل دھڑکے، نہ فاتحوں اور کشور کشاؤں کے سامنے اس کی زبان گنگ ہو نہ سپہ سالاروں اور شمشیر آزماؤں کو دیکھ کر اس پہ لرزہ طاری ہو، نہ امارت و ثروت کے جلوے اس کی نگاہوں میں خیرگی پیدا کر سکیں۔ وہ حق بات سب کے سامنے کہہ سکتا ہو۔ بادشاہ کے سامنے بھی، اور جلاد کے سامنے بھی اور گورنر کے ایوان میں بھی، وہ اپنی قوم کا سچا اور مخلص وکیل ہو۔ اور

نہ بہ زاری، نہ بہ زورے نہ بہ زر می آید

کا صحیح ترین مصداق ہو۔

اس معیار پہ اگر محمد علی جناح کو پرکھا اور جانچا جائے تو معلوم ہوگا، اس باب میں وہ

مسٹر جناح:۔

"ٹھیک ہے، مجھے زیادہ سخت الفاظ کے استعمال سے گریز کرنا چاہیئے لیکن اس کونسل کے آئین وضوابط سے میں پورے طور سے واقف ہوں، اور میں ان سے ایک لمحہ کے لئے بھی دامن نہیں بچانا چاہتا لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں سے جو سلوک روا رکھا جا رہا ہے، وہ اتنا ظالمانہ ہے کہ ہر شخص اسے محسوس کر سکتا ہے اور جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، یہ حقیقت ہے کہ اس ملک کا احساس غم وغصہ متفقہ ہے۔"

وزیرِ ہند کے اختیارات پر حملہ

مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ ۱۹۱۴ء سر ابراہیم رحمت اللہ کی زیرِ صدارت شہر آگرہ میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں محمد علی جناح نے ایک معرکہ آرا دستوری اور آئینی تقریر کی۔ انڈیا آفس اور وزیرِ ہند کے مطلق العنانہ اختیارات اور غیر ذمہ دارانہ روش پہ سیر حاصل تبصرہ کیا۔ اور ایک انقلابی تجویز پیش کی۔

تجویز یہ ہے:۔

وزیرِ ہند کی کونسل میں حسب ذیل تبدیلیاں فوراً عمل میں لائی جائیں۔

(۱) وزیرِ ہند کی تنخواہ انگریزی تخمینہ (ESTINATI کے مطابق ہو۔

(۲) وزیرِ ہند کی کونسل کے نصف ممبر انتخاب کے ذریعہ مقرر ہوں۔

(۳) نامزد ممبروں میں سے نصف غیر سرکاری ہوں۔

(۴) بقیہ نصف ممبر ایسے ہوں، جو کم از کم دس سال تک ہندوستان میں ملازم رہ چکے ہوں۔

(۵) بلحاظ اختیارات وزیرِ ہند کی کونسل مشاورتی ہو نہ کہ انتظامی۔

مسلم لیگ جیسی جماعت میں جو ہوا خواہ سرکار تھی، ایسی تجویز پیش کرنا اور اسے منظور کرا لینا محمد علی جناح ہی کا حصّہ تھا۔

لارڈ سیڈنہم پر اعتراضات

۱۹۱۷ء میں مسٹر مانٹیگو وزیرِ ہند کے ہندوستان آنے کے بعد جب یہ یقین ہو گیا کہ اب ہندوستان اصلاحات سیاسی سے بہرہ ور ہو گا۔ تو برطانیہ کے رجعت پسند اور قدامت پرست طبقہ میں ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ اور برطانوی پریس میں ہندوستان کی نااہلیت، عدم استحقاق، اور نالائقی پر ایک سلسلہ مضامین شروع ہو گیا۔ تاکہ حکومت اپنا بڑھا ہوا قدم واپس لے لے۔ اور نفاذ اصلاحات کا خیال ترک کر دے۔

سابق گورنر بمبئی لارڈ سیڈنہم LORD SYDENHAM نے خاص طور پہ نفاذ اصلاحات کے خلاف ایک مستقل سلسلہ مضامین شروع کیا، جناح کی قیادت میں ہوم رول لیگ نے ہندوستان کی طرف سے اس کا جواب دینے کا فیصلہ کیا۔

نومبر ۱۹۱۷ء میں ہوم لیگرس کے محبوب قائد اور ہندوستان کے مشہور رہنما مسٹر جناح کی زیرِ صدارت ایک شاندار جلسہ بمبئی میں منعقد ہوا، لارڈ سیڈنہم کے رویہ پر بحث کرتے ہوئے مسٹر جناح نے اپنی تقریر میں کہا:۔

"لارڈ سیڈنہم۔ یہ وہ رجعت پسند ہے جو ایک عرصہ دراز تک ہندوستان کی مہمان نوازی سے متمتع ہوتا رہا۔ جس نے ہندوستان کے خزانہ سے بیش قرار تنخواہ وصول کی، اب وہ ایک ایسے ایجی ٹیشن کی رہنمائی کر رہا ہے۔ جو کسی معقول آدمی کے لئے بھی باعثِ فخر نہیں

ہو سکتا۔ وہ کہتا ہے۔ ہم ہندوستانی عوام کے ٹرسٹی ہیں۔ جیسے ہی وہ حکومت خود اختیاری کی اہلیت پیدا کر لیں گے۔ ہم حکومت انہیں سونپ دیں گے۔

حضرات! اس بکواس کا جواب جو میں دے سکتا ہوں، وہ صرف یہ ہے کہ جب یہاں کے عوام حکومت خود اختیاری کے اہل ہو جائیں گے۔ تب وہ لارڈ ملٹو سیڈنہم کے پاس حکومت خود اختیاری کی بھیک مانگنے نہیں جائیں گے، میں لارڈ سیڈنہم کو یہی جواب دے سکتا ہوں۔"

اپنے صوبے کے ایک سابق گورنر کے غلط طرز عمل پر ان الفاظ میں نکتہ چینی وہی کر سکتا تھا۔ جس کا دل اندیشہ اور وسواس سے خالی ہو۔ ۱۹۱۷ء کے ہندوستان کو وہ آزادیٔ تقریر نہیں حاصل تھی۔ جو ۱۹۴۶ء کے ہندوستان کو حاصل ہے۔

وار کونسل میں تقریر

گذشتہ جنگ عظیم ۱۹۱۸ء میں اپنے شباب کو پہنچی ہوئی تھی، جرمن خطرہ روز بروز شدت اختیار کرتا جاتا تھا۔ حکومت نے صوبوں میں وار کانفرنسیں قائم کر رکھی تھیں۔ ایک وار کانفرنس دہلی میں مرکزی حکومت نے قائم کی تھی۔

اس کانفرنس کا انعقاد ہونے والا تھا۔ کہ گاندھی جی نے اپنے ایک انگریز دوست Reut Iceland of Cambridge mission کے ہاتھ وائسرائے کو ایک خط بھیجا اور لکھا:۔

"میں اپنے ملک والوں کو آمادہ کرنے کی کوشش کروں گا کہ وہ اپنے بڑھے ہوئے قدم پیچھے ہٹا لیں۔ میں کانگرس کے تمام ریزولیوشنوں

کو واپس لے لینے کا مشورہ دوں گا۔ اور دوران جنگ میں ہوم رول یا ذمہ دار حکومت کا نام بھی نہ لوں گا۔ میں کوشش کروں گا۔ کہ مادر ہند کا ہر تندرست بیٹا امپائر کی حرمت پر کٹ مرنے کے لئے میدان میں آ جائے اور اس نازک وقت میں اس کی مدد کرے!"

یہ تو تھا گاندھی جی کا طرز عمل۔ اب مسٹر جناح کا رویہ دیکھئے، وہ دہلی کی وار کونسل میں شریک ہوتے ہیں اور گاندھی جی کی طرح غیر مشروط اطاعت کا اعلان نہیں کرتے بلکہ ہندوستان میں دستوری اصلاحات کی ترویج اور نفاذ پر ایک زبردست تجویز پیش کرتے ہیں۔ جسے جناب صدر (ہز ایکسی لنسی وائسرائے) خلاف قانون قرار دیتے ہیں اور پیش ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ اس کانفرنس میں گاندھی جی بھی رونق افروز ہیں، وائسرائے کی اس روش سے کانفرنس میں تلخی اور بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس موقع پر مسٹر جناح نے ایک مختصر سی تقریر کی اور کہا۔

"ہم یہ رائے رکھتے ہیں کہ اگر ہندوستان کی آئینی و دستوری اصلاحات کا سوال اس کانفرنس میں زیر بحث لایا جائے تو اس سے مساعی جنگ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، بلکہ فائدہ پہنچے گا۔ ہر ہندوستانی اس ملک کے دفاع اور حفاظت کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہانے کو تیار ہے۔ لیکن سرکاری طبقہ اس سوال پر خواہ مخواہ بھڑکتا ہے اور وہ یہی مناسب سمجھتا ہے کہ وار کانفرنس میں بھی ہندوستانی قیادت کے وقار کو مجروح کیا جائے؟"

یاد رہے یہ تقریر وائسرائے کے سامنے کی جا رہی ہے۔ صدر کی حیثیت سے اس نے جو "رولنگ" دی تھی۔ اس کے خلاف کی جا رہی ہے۔ کیا اس سے پہلے اس قسم کی کوئی جرأت آفریں مثال مل سکتی ہے؟

لارڈ ولنگڈن سے معرکہ

بمبئی کی پراونشل وار کانفرنس یکم جون ۱۹۱۸ء کو ٹاؤن ہال میں منعقد ہوئی۔ لارڈ ولنگڈن گورنر بمبئی اس کے صدر تھے۔ ہندوستان کے گورنروں میں لارڈ ولنگڈن اپنے مزاج کی درشتی اپنی طبیعت کی سختی اور اپنے برتاؤ کی تندہی کے اعتبار سے خاص طور پر مشہور ہیں۔ موصوف ہوم رول لیگ سے بہت خفا تھے اور اس انجمن سربرآوردہ کارکنوں اور لیڈروں سے بھی بہت برہم تھے۔ اور مسٹر جناح سے ان کی برہمی تو پرخاش کی حد تک پہنچ چکی تھی۔

اس کانفرنس میں لارڈ ولنگڈن نے صدر کی حیثیت سے ایک تلخ تقریر کی، جس کے اہم اجزا کا ترجمہ "بمبئی کرانیکل" کے حوالے سے درج ذیل ہے:۔

"جنگ کے اس مرحلہ پر میں اشتیاق و اضطراب کے ساتھ متحدہ تعاون اور اشتراک کا جویا ہوں، جو پورے طور پر میری مدد کرے۔ اور ساتھ دے۔ یہاں ایسے متعدد حضرات موجود ہیں جو عوام پر اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ ان میں ایک سیاسی ادارے ہوم رول لیگ کے ممبر بھی ہیں۔ اس ادارہ کی گذشتہ سرگرمیوں کے مدِ نظر میں دیانت داری کے ساتھ اس کی تائید و اعانت در بارۂ جنگ پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔ تاکہ ان حضرات سے صفائی کے ساتھ اپنے دل کی بات کہہ دوں۔ اور یہ سن لوں کہ خود یہ اصحاب اپنی صفائی میں کیا کہتے ہیں۔

اس وقت میں ہوم رول لیگ کی گذشتہ کارروائیوں اور حرکتوں پر تبصرہ کرنا نہیں چاہتا۔ سوا اس کے کہ اس جماعت نے حکومت کی کوئی مدد نہیں کی۔ حالانکہ مجھے امید تھی کہ اس جماعت کی مدد اور اعانت

مجھے حاصل ہوگی۔ میں یہ بھی صفائی کے ساتھ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اس انجمن کا مقصد یہی ہے کہ جب اور جیسے ممکن ہو حکومت کے راستہ میں مشکلات پیدا کی جائیں اور اسے خائف کرنے کی کوشش کی جائے۔ میں اس کا قائل ہوں کہ ہر ملک میں مخالف حکومت جماعتیں ہونی چاہئیں لیکن انہیں دستور و آئین کے اندر رہ کر کام کرنا چاہیئے۔

جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ دہلی کی وار کانفرنس کا مقصد یہ تھا کہ متحدہ مساعی اور مخلصانہ تعاون کا وعدہ حاصل کیا جائے۔ لیکن گذشتہ چند ہفتوں سے میں فکر و پریشانی کے ساتھ یہ دیکھ رہا ہوں کہ بعض حضرات جو یہاں موجود ہیں۔ اپنی تحریروں اور تقریروں میں بے راہ روی سے کام لے رہے ہیں۔ اور ان کا لب و لہجہ ایسا ہے کہ میں ان کے اخلاص پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔ جو ہمارے مقصد عظیم کے حصول کے لئے ضروری ہے ان حضرات کی تقریروں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی پوزیشن یہ ہے کہ "ہم صورت حال کی سنگینی کو محسوس کرتے ہیں۔ ہم حکومت کی بھی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن جب تک ایک مدت معینہ کے اندر ہوم رول دینے کا وعدہ نہ کر لیا جائے۔ اور جب تک چند دوسرے تیقنات نہ دئے جائیں۔ تب تک نہ فوج کی بھرتی میں ہم کوئی مدد دے سکتے ہیں نہ مساعی جنگ میں۔

میرا خیال ہے یہ حضرات اسے تسلیم نہیں کریں گے کہ یہ سودا کرنا چاہتے ہیں۔ اور میں اسے مانتا بھی ہوں کہ یہ ایسا نہیں کرنا چاہتے، لیکن ان کی صحیح پوزیشن یہ ہے کہ ان کا سرگرم تعاون حکومت کو نہیں حاصل ہو سکتا۔ جب تک ان کے مطالبات نہ پورے کر دئے جائیں

حالانکہ یہ جانتے ہیں۔ کہ یہ کام وائسرائے یا اور کسی کے بس میں نہیں ہے یہ کام برطانوی کابینہ جنگ ہی کر سکتا ہے اور وہ جنگی مصروفیتوں کے باعث ہندوستان کے آئینی مسئلہ پہ پورا وقت نہیں دے سکتا۔

میں نکتہ چینی کا خیر مقدم کرتا ہوں، لیکن اسے تلخ نہیں ہونا چاہیئے۔ میں غیر یقینی اور نیم دلانہ تعاون اور اشتراک عمل اور اعانت نہیں قبول کر سکتا۔ میں ان حضرات کو دعوت دیتا ہوں کہ اخلاص کے ساتھ ہم سے تعاون کریں۔ اور کوئی ایسی تقریر، حرکت اور کوشش نہ کریں، جو ہمارے اس مقصد مہمہ۔ جنگ کے کامیاب انجام میں رخنہ انداز ہو سکے۔"

یہ زور دار تقریر کرنے کے بعد لارڈ ولنگڈن نے مسٹر تلک کو تقریر کرنے کے لئے بلایا۔

انہوں نے اپنی تقریر میں پہلے تو ملک معظم سے اپنی وفاداری کا اظہار کیا۔ پھر ہندوستان کے دستوری ارتقاء کا مسئلہ اٹھایا، لارڈ ولنگڈن نے انہیں ٹو کا اور کہا اس کانفرنس میں سیاسی مسائل پہ بحث و گفتگو کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اس رویہ سے متاثر ہو کر مسٹر تلک پلیٹ فارم سے اتر آئے اور جلسہ سے چلے گئے۔ اس حادثہ نے ساری کانفرنس کو متاثر اور پریشان کر دیا۔

اب مسٹر جناح کو لارڈ ولنگڈن نے طلب کیا۔ اور تقریر کی دعوت دی۔ مسٹر جناح کی تقریر کا ترجمہ یہ ہے۔

"مرحلہ کتنا ہی نازک ہو، لیکن ہر ہندوستانی اس پر متفق ہے کہ ہندوستان کو سیاسی ترقی کرنی چاہیئے۔ لیکن قبل اس کے کہ میں آگے بڑھوں۔ اپنی اس قلبی اذیت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ ہز ایکسی لنسی ہوم رول لیگ کے رہنماؤں کے اخلاص اور صداقت کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں

مجھے اس طرز کلام اور طرز عمل پر بہت افسوس ہے، اور ہز ایکسی لینسی کے پورے احترام کے باوجود میں نہایت شدت کے ساتھ اپنا احتجاج اس طرز عمل کے خلاف ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ ہم اپنے ملک کے دفاع کے لئے بے چین ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ حکومت "سپاہیوں" کی بھرتی چاہتی ہے اور ہم "نیشنل آرمی" کا قیام چاہتے ہیں۔ یہی فرق ہے۔ ہم دونوں میں جو خطرہ "سپاہی" نہیں دور کر سکتے "نیشنل آرمی" دور کر سکتی ہے۔

مسٹر جناح نے سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔

مہاراجہ جام نگر نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ "ہمیں سودا نہیں کرنا چاہیئے" پھر مسٹر موہن داس رام جی نے کہا تھا "ہمیں وہ سب کچھ کر گزرنا چاہیئے حکومت کی حمایت و اعانت میں جو اس وقت ہم کر سکتے ہیں اس کا پھل بھی ہمیں ملے گا۔ اور جو ہم چاہتے ہیں، وہ ہمیں حاصل ہو جائے گا۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ سودا نہیں ہے؟ دہلی کی وار کانفرنس میں ہم نے ایک تجویز منظور کی تھی کہ ہندوستانیوں کو کنگ کمیشن دیا جائے۔ فوجی کالج عام کر دیئے جائیں۔ فوج کی ہندوستانیت میں اضافہ کر دیا جائے لیکن اب تک اس سلسلہ میں کچھ نہیں ہوا۔ حالانکہ دو ماہ کی مدت گزر چکی ہے۔ ہم اس وقت تک حکومت کی کوئی مدد نہیں کر سکتے جب تک ہم پہ بھروسہ نہ کیا جائے۔ ہمیں شریک کار Partner نہ سمجھا جائے۔

لارڈ ولنگڈن :۔ مقرر کو دہلی یا شملہ جا کر یہ شکایت کرنی چاہیئے۔ کیونکہ میں ان معاملات کو درو براہ کرنے کا اختیار نہیں رکھتا ہوں۔

مسٹر جناح :۔ مگر اس صوبہ کی حکومت ہمارا تعاون حاصل کرنا چاہتی ہے

اور چاہتی ہے کہ ہم اس کے لئے کام کریں۔ تو اسے ہم پر بھروسہ کرنا ہی چاہیئے۔ میں اس طرز کار سے ہرگز متفق نہیں ہوں۔ جو حکومت نے حصول تعاون کے لئے اپنی تجویز کے سلسلہ میں اختیار کر رکھا ہے۔

لارڈ ولنگڈن :۔ آپ صدر کی رولنگ پر بحث نہیں کر سکتے۔

مسٹر جناح :۔ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ ہم آپ کی [illegible] کی تائید نہیں کر سکتے۔ میری ایک ترمیم ہے۔ لیکن جناب صدر (لارڈ ولنگڈن) اسے پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ یہ ایک ایسا فیصلہ اور حکم ہے۔ جو دستور و آئین کی دنیا میں بالکل انوکھا اور نرالا ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ ہز ایکسی لینسی ہم پر بھروسہ کریں گے۔ ہمارے اخلاص اور صداقت پر شبہ کرنا ہوم رول لیگ کی توہین ہے۔ اور میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔"

تلک خاموشی کے ساتھ پلیٹ فارم سے اتر آئے۔ اور جناح نے پلیٹ فارم چھوڑنے سے پہلے وہ سب کچھ ایک مستبد اور قاہر فرماں روا کے سامنے کہہ دیا جو اسے کہنا تھا۔

کیا یہ فرق کوئی معمولی فرق ہے؟

گاندھی کی صدارت میں جلسہ

جناح نے ہوم رول لیگ کی اس توہین کو گورنر صوبہ کے اس نامناسب طرزِ عمل کو خاموشی کے ساتھ برداشت نہیں کر لیا۔ چنانچہ ۱۶ر جون ۱۹۱۸ء کو بڑے بڑے تزک و احتشام اور دھوم دھام سے "یوم ہوم رول" منایا گیا۔ اور لارڈ ولنگڈن کی روش پر احتجاج اور غم و غصہ کے مظاہرے کے لئے شہریان بمبئی کا ایک یادگار

اور عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ گاندھی جی اس جلسہ کے صدر تھے۔

آج کا دن بڑے جوش اور جذبہ کا دن تھا۔ سارے شہر میں ایک چہل پہل نظر آ رہی تھی، ہر شخص جوش سے بیتاب ہو رہا تھا۔ رضا کار دن بھر جیسے کے بیسے گشت کر رہے تھے۔ جن کے بازوؤں پر ہوم رول لیگ کے بیج لگے ہوئے تھے ہوم رول لیگ کا جھنڈا لے کر ایک جلوس نے شہر کا گشت کیا۔ جس میں شہر کی خواتین نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سارے شہر میں عام ہڑتال منائی گئی۔ کاروبار بند رکھا گیا۔ مولا جی جیٹھا مارکیٹ بھی تمام و کمال بند رہی۔

شانتا رام چالی میں جلسہ تھا۔ وقت سے پیشتر ہی لوگوں کا ٹھٹ ہی ٹھٹ لگ گیا۔ سڑکوں پر بھی بے پناہ ہجوم تھا۔ آمد و رفت بھی کچھ عرصہ کے لئے رک گئی۔ پچاس ہزار سے زیادہ لوگ جلسہ گاہ میں جمع ہو گئے۔

اس جلسہ میں مسٹر جناح نے ایک احتجاجی تجویز پیش کی۔ جس میں حکومت کی فوجی پالیسی اور ہندوستانیوں پر حکومت کی بے اعتمادی پر اظہار برہمی و ناراضی کیا گیا تھا پھر جناح نے ایک تقریر کی جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"وار کانفرنس میں لارڈ ولنگڈن کا طرز عمل بہت بڑی غلطی تھا۔ بعض لوگ لاٹ صاحب کی حمایت میں کچھ بھی کہیں۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ انہوں نے ہوم رول لیگ کی توہین کی۔ ہم ہوم رول لیگ والوں نے طے کر لیا ہے کہ جس جلسہ کی صدارت لارڈ ولنگڈن کریں گے ہم اس میں شرکت بھی نہیں کریں گے۔ تاکہ وہ اپنے اہانت انگیز الفاظ ہمارے بارے میں واپس نہ لے لیں۔ لارڈ ولنگڈن نے کہا تھا۔ کہ ہوم رول لیگ والوں کی تائید و حمایت نیم دلانہ ہے، میرا جواب یہ ہے کہ تمہاری پالیسی تو نیم دلانہ بھی نہیں ہے۔ نیم دلانہ سے بھی بہت

کم ہے۔ تم قوم کے ساتھ کھیل رہے ہو۔ اسے بے وقوف بنا رہے ہو۔ تم بالکل مخلص نہیں ہو۔ تمہارا رویہ، تمہاری پالیسی، تمہارا طرز عمل سب غلط ہے، بالکل غلط ہے، تم ہم پر بھروسہ نہیں کرتے۔ کہ ہم تلوار سنبھال لیں اپنی مادرِ وطن اور تمہاری سلطنت کی حفاظت کریں۔ تم ایسی فوج بھرتی کرنا چاہتے ہو۔ جو تنخواہ دار سپاہیوں کی فوج ہوگی، اس سے زیادہ تم کچھ نہیں سوچتے۔ اور ہم نیشنل آرمی چاہتے ہیں۔ اس کے بعد تمہیں شکایت ہے کہ ہم مدد نہیں کرتے، ہم مدد نہیں کرتے یا تم ہمیں مدد نہیں کرنے دیتے ؟

کیا ایسی تقریر ملک کا غدار، وطن کا دشمن اور حکومت کا ٹوڈی کر سکتا تھا؟

دل صاحب انصاف سے انصاف طلب ہے

ایک اور معرکہ

کچھ عرصہ بعد جب لارڈ ولنگڈن کی میعاد گورنری ختم ہوئی، تو سرکاری طبقہ نے الوداعی ضیافت کی تیاریاں شروع کر دیں۔ یہاں تک تو خیر غنیمت تھا۔ ٹائمز آف انڈیا بمبئی کے ایڈیٹر Stanley Reed نے شہریان بمبئی کی ایک خود ساختہ کمیٹی کی جانب سے شیرف آف بمبئی کو درخواست بھیج دی کہ ٹاؤن ہال میں شہریان بمبئی کی جانب سے لارڈ ولنگڈن کو الوداعی ضیافت دی جائے۔ جناح نے اس روش کے خلاف ایک سخت احتجاجی خط ریڈ کو لکھا، اور ان سے دریافت کیا کہ شہریان بمبئی کی طرف سے آپ دعوت دینے والے کون ؟ اور اگر آپ اپنی اس روش پر مصر ہیں۔ تو ہمارے لئے اظہار مخالفت کی اپنے مجوزہ جلسہ میں سہولتیں مہیا کیجئے۔ ہم وہاں آئیں گے اور گورنر کی موجودگی میں اس کے

الوداعی سپاسنامے کی مخالفت کریں گے !

ریڈ کے علاوہ مسٹر جناح نے ایک مکتوب شیرف آف بمبئی کو بھی لکھا کہ ٹاؤن ہال میں ہمیں بھی ایک جوابی جلسہ منعقد کرنے کی اجازت دی جائے۔ جس میں لارڈ ولنگڈن کی الوداعی ضیافت کے خلاف تجویز منظور کی جائے گی۔

مسٹر جناح کے ان مکاتیب کی اشاعت نے سارے شہر میں ایک ہلچل پیدا کر دی مسٹر بی جی ہارنی مین (سابق ایڈیٹر بمبئی سنٹی نل) بھی جناح کے ساتھ تھے، اور برابر عملی حصہ اس تحریک میں لے رہے تھے۔

آخر ۱۱ دسمبر ۱۹۱۸ء کو ٹاؤن ہال میں جلسہ کی تیاریاں شروع ہوگئیں تاکہ لارڈ ولنگڈن کو الوداعی ضیافت دی جائے اور ان کی خدمت میں سپاسنامہ بمبئی کی طرف سے پیش کیا جائے۔

سات بجے صبح کو مسٹر جناح اپنے ساتھیوں کے ساتھ جلسہ گاہ کی طرف آئے اور ٹاؤن ہال کے دروازے بند دیکھ کر ایک قطار بنا کر کھڑے ہو گئے۔ تاکہ جب بھی دروازہ کھلے سب سے پہلے ہال میں داخل ہو سکیں۔ ایک بہت بڑا مجمع اب رفتہ رفتہ جمع ہو گیا تھا۔ وہ جناح کو دیکھ کر نعرہ ہائے تحسین بلند کر رہا تھا، تالیاں بجا بجا کر جوش و خروش کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

پولیس کی ایک بہت بڑی تعداد کمشنر کی سربراہی میں موجود تھی۔ کئی گھنٹے گزر گئے لیکن دروازہ نہ کھلا۔ آخر دس بجے دروازہ کھلا۔ سب سے پہلے جو شخص ہال میں داخل ہوا۔ وہ تھا جناح، پھر جمنا داس ہارنی مین دبیلے کانگرسی پھر جھابھائی۔ جواہر لال ان عمر سوبانی[1]، کے ایم منشی[2]، سید حسین، اپوتھمن[3] جوزف اور کئی دوسرے رفقاء۔

---

[1] بمبئی کے ایک بہت بڑے سرمایہ دار جنہوں نے خلافت فنڈ اور کانگرس فنڈ میں ایک لاکھ روپیہ دیا۔

[2] ابھی حال میں یوپی کی گورنری سے سبکدوش ہوئے ہیں۔ پرانے کانگرسی ہیں۔

بقیہ ص۱۱۸ پر

اب مسٹر داؤد سلیمان قاسم مٹھا بھی تشریف لے آئے تھے جو اس الوداعی تقریب کے رکن رکین تھے منتظمین کی طرف سے ہال کے وہی انچارج تھے۔ اور اس جلسہ کو کامیاب بنانے پر تلے ہوئے تھے۔

جلسہ کے منتظمین نے جناح کو اور اس کے ساتھیوں کو آخری نشستوں پر بٹھلانے کی کوشش کی۔ لیکن بپھرا ہوا لیڈر فوراً اٹھا اور اس نے للکارا۔ یہ عام جلسہ ہے اس میں تخصیص نشست کا کیا سوال؟ ہم سب سے پہلے اس ہال میں آئے ہیں اور سب سے آگے کی نشستوں پر بیٹھیں گے۔ منتظمین نے اس مطالبہ کے ماننے سے تو انکار کیا۔ لیکن جناح کے تیور دیکھ کر آخر خاموش ہو گئے۔ اب وہ دوسری چال یہ چلے کہ اگلی نشستوں کے بھی آگے بہت سی کرسیاں بچھا دیں۔ اور ان پر یورپین، اینگلو انڈین پارسی اصحاب کی بڑی تعداد کو متمکن کر دیا۔ باہر مجمع بڑھتا جاتا تھا، اسے بیگم جناح، رضاکاروں کے ایک دستہ کے ساتھ قابو میں کئے ہوئے تھیں۔

۵ بجے شام تک ہال کھچا کھچ بھر گیا۔ اب شیرف آف بمبئی آیا۔ جیسے ہی اس نے ہال میں قدم رکھا۔ جناح اور جناح کی پارٹی نے شیم شیم کے نعرے بلند کئے۔ اس پر جلسہ گاہ میں ایک ہنگامہ سا مچ گیا۔ جو نصف گھنٹے تک جاری رہا۔ آخر ساڑھے پانچ بجے کے قریب ذرا سکون پیدا ہوا۔ اب شیرف آف بمبئی نے کھڑے ہو کر جلسہ کا نوٹس پڑھا فوراً مسٹر ہارنی مین نے کھڑے ہو کر ٹوکا اور احتجاج کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ یہ جلسہ بمبئی کے شہریوں کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ اس کے مخالف ہیں۔ لیکن شیرف نے یہ پوائنٹ آف آرڈر ماننے سے انکار کر دیا۔ اب پھر ہال میں شور و غوغا شروع ہو گیا۔ اسی شور و غل میں کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ بسر ڈنشا ولچا

ؔ قائد اعظم کے خاص دوستوں میں تھے انگریزی کے زبردست انشا پرداز تھے۔ متعدد بلند پایہ انگریزی روزناموں کی ادارت کر چکے ہیں۔ کراچی سے جب پہلے پہل ڈان شائع ہوا تو یہی اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔

نے کھڑے ہو کے صدارت کے لئے سر جمشید جی۔ جی جی بھائی کا نام پیش کر دیا۔ سر فضل بھائی نے تائید کی۔ تحریک و تائید کے بعد، حسب قاعدہ حاضرین کی رائے نہیں لی گئی۔ کیونکہ ہارنی مین نے صدارت کے لئے دوسرا نام پیش کر دیا تھا، بغیر عام تائید اور حاضرین کے استصواب کے سر جمشید جی کرسئ صدارت پر آ کر رونق افروز ہو گئے۔

اب پھر ہنگامہ شروع ہوا جناح پارٹی نے "نو نو" کہہ کر ہال سر پہ اٹھا لیا۔ اور آدھ گھنٹہ تک پھر ایک قیامت خیز شور جاری رہا۔ اسی شور اور ہنگامہ کے دوران میں، صدر نے کھڑے ہو کر کچھ الفاظ استعمال کئے، جو قطعاً نہیں سنے گئے۔ اور اعلان کر دیا گیا کہ سپاسنامہ ہو گیا۔ اب ہنگامہ بڑھتا جا رہا تھا۔ اتنے میں پولیس کمشنر پلیٹ فارم پر آیا۔ اور اس نے ہال خالی کرنے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ پولیس کا ایک مسلح دستہ بھی تھا۔ پولیس نے ہال خالی کرنے میں بڑی سختی سے کام لیا۔ اور جناح پارٹی کے ارکان پر حملہ بھی کیا۔ جس سے خود مسٹر جناح اور مسٹر صوبیدار وغیرہ کافی مجروح ہوئے۔

جب مسٹر جناح اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہال سے باہر نکلے تو باہر جو عظیم الشان مجمع کھڑا تھا اس نے اپنے اس دُبلے پتلے، لیکن نڈر اور دلیر لیڈر کو گود میں اٹھا لیا۔ یہ مجمع یہاں سے اپالو بندر کی طرف گیا۔ اور یہاں پہنچ کر اس نے ایک جلسہ کی صورت اختیار کر لی۔ جسے ہارنی مین نے مخاطب کیا۔ لیکن مجمع تو جناح کو چاہتا تھا۔ مجمع سے زور زور سے جناح، جناح کی آوازیں بلند ہوئیں۔ آخر میں مسٹر جناح نے ایک عمارت کی کھڑکی میں کھڑے ہو کر تقریر کی، فرمایا:

"حضرات! آپ ہی شہریان بمبئی، اور آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ بیورو کریسی پہ ڈیموکریسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ آپ نے گورنر کی الوداعی ضیافت اور تقریب کی مخالفت کی، اور اس میں حصہ لیا بھی تو مخالفانہ آج کا دن ہماری اس فتح کے سبب تاریخی دن بن گیا ہے، اسے یاد

رکھو اور خوب خوشیاں مناؤ۔"

رات کو شانتارام چالی میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ بارنی مین نے ایک تجویز پیش کی:

"شہریانِ بمبئی کا یہ جلسۂ عام لارڈ ولنگڈن کے دورِ حکومت کو افسوس اور ملامت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور ولنگڈن میموریل کے سلسلہ میں ہر اقدام کی مخالفت کرتا ہے۔"

اس تجویز کی تائید، مشہور صحافی، مسٹر سید حسین (سابق ایڈیٹر انڈی پینڈنٹ) نے کی اور کہا:

"آج کے معرکہ میں مسٹر جناح نے جس شان و شوکت سے حصہ لیا، وہ شاندار قیادت کی شاندار مثال ہے۔ یہ مثال صرف بمبئی کے لئے نہیں سارے ہندوستان کے لئے باعث فخر ہے۔"

مسٹر [illegible] B.O بمبئی کے ایک اٹرنی نے بمبئی کرانیکل کو ایک مراسلہ لکھا:۔

"مسٹر جناح کی قیادت نے ایک یادگار اور شاندار دور کا افتتاح کیا ہے۔" ولنگڈن میموریل" کی خوشامدانہ تحریک تو اپنی موت آپ مرگئی۔ ضرورت ہے کہ اب "جناح میموریل" کے عملی وسائل پر غور کیا جائے جس کی شاندار بے غرضانہ اور بہادرانہ قیادت نے بمبئی کی پبلک لائف میں ایک تموج پیدا کر دیا۔ میری رائے ہے کہ مسٹر جناح کا مجسمہ تیار کیا جائے، اور وہ ٹاؤن ہال میں نصب کر دیا جائے۔"

یہ اپیل کارگر ہوئی اور دھڑا دھڑ چندہ جمع ہونا شروع ہو گیا۔ اور مجسمہ کے بجائے کانگرس کی طرف سے Jinnah Peoples memorial Hall تعمیر کیا گیا، جس پر آج بھی کانگرس کا قبضہ ہے۔ اور اس وقت جناح کو زک دینے اور رسوا کرنے کی تمام سازشوں کا مرکز ہے۔

ہائی کورٹ کے جج سے گرما گرم گفتگو

جناح کی بیباک گوئی صرف پبلک پلیٹ فارم ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے عدالت کے ایوان میں بھی نہ وہ دبتا ہے نہ کمزوری دکھاتا ہے۔

بمبئی ہائیکورٹ کے ایک جج کے سامنے، مسٹر جناح اپنے مؤکل کی پیروی کر رہے تھے جج تھا ذرا تنک مزاج اس نے ان کی بحث سے الجھ کر کہا۔

"مسٹر جناح آپ کو عدالت کا پورا پورا خیال رکھنا چاہیئے، یہ ایک جج کی عدالت ہے کسی تھرڈ کلاس مجسٹریٹ کی نہیں۔"

جناح نے فوراً جواب دیا، حضور والا کو معلوم ہونا چاہیئے میں بھی کوئی تھرڈ کلاس پلیڈر نہیں ہوں۔

حاضرین پر ایک سکتہ سا چھا گیا۔

لن لتھ گو، ویول، گلینسی

ڈفنس کونسل کے معاملہ میں لارڈ لن لتھ گو وائسرائے ہند پر شملہ کانفرنس کے سلسلہ میں لارڈ ویول پر "خضر حیات گلینسی" سازش کے ضمن میں گورنر پنجاب پر مسٹر جناح نے جو زبردست نکتہ چینیاں کیں وہ حال کے واقعات ہیں اور ان سے ہر اخبار بیں واقف ہے۔

○

جلوۂ بے محابا

مذہبی، ذاتی، اصولی

قبل اس کے کہ ہم آگے بڑھیں، ضروری ہے کہ جناح کی حیثیت مذہبی، اوصاف ذاتی اور اصولی خصائص پر ایک نظر ڈالیں، اور دیکھیں کہ ملت اسلامیہ کا قائد اپنے کردار و عمل کے لحاظ سے کیا پایہ رکھتا ہے ؟ چلتے چلتے رک کر یوں ٹھہرنے اور جائزہ لینے کی ضرورت اس لیۓ پیش آئی کہ جناح کے "کفر" "فسق" اور "لادینی" کے فسانے دفاتر طلسم ہوشربا سے زیادہ وسعت اور تفصیل کے ساتھ، کتابوں اور رسالوں، اخباروں کے بیانوں اور تقریروں میں بیان ہوتے رہتے ہیں۔ اس کی "بے اصولی" "سرکار پرستی" "بے راہ روی" اور "غداری" کی داستانیں، داستان، بوستان خیال زیادہ رنگین اور دلآویز طریقے سے بیان کی جاتی ہیں، کیا یہ سب مناسب اور مستحسن نہیں ہے کہ ان افسانوں اور داستانوں کو حقیقت اور واقعہ کی کسوٹی پر پرکھ لیں، اور معلوم کر لیں، کہیں ایسا تو نہیں کہ

؎ چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

وقف علی الاولاد

۱۸۵۷ء کا عالم آشوب غدر جب ہندوستان میں برپا ہوا، اس وقت صورت حال

یہ تھی کہ مسلمان بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر فائز تھے، جائیدادوں اور جاگیروں کی فراوانی تھی، مال و دولت کے انبار لگے ہوئے تھے، لیکن جب مغلیہ سلطنت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہو گیا، مسلمانوں کی حکومت ختم ہو گئی وہ حاکم سے محکوم ہو گئے تو ادبار، تنزل اور افلاس کی گھٹائیں ان پر چھانے لگیں، مال و دولت بڑا حصہ غدر کے ہنگامہ میں لٹ گیا۔ جاگیریں، اور جائیدادیں بغاوت کے جرم میں ضبط ہو گئیں، جو تھوڑی بہت بچ رہیں، وہ نامور اسلاف کے بدنام اخلاف نے عیش و عشرت میں برباد کر دیں، تجارت سے مس نہ مسلمانوں کو پہلے تھا نہ اب ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایک مختصر اور محدود مدت میں تباہ و برباد ہو گئے۔ چند سال پہلے تک وہ ہندوستان کی ۷۵ فیصد زمینداری پر قابض تھے اور اب نصف صدی کے اندر اندر وہ ۵ فیصد زمینداریوں کے مالک بھی نہیں رہ گئے،

ضرورت اس کی تھی کہ غیر مسلم حکومت کے عہد حکومت میں مسلم قوم کی زمینداریوں اور جائیدادوں کے تحفظ کی کوئی صورت پیدا کی جائے، علماء کے طبقہ میں علامہ شبلی نعمانیؒ اور انگریزی داں طبقہ میں مسٹر جناح اس صورت حال سے بہت پریشان اور دلگیر تھے، آخر محمد علی جناح نے علامہ مغفور کے صلاح و مشورہ سے ایک مسودہ "قانون وقف علی الاولاد" کے نام سے بنایا، اور اسے ۱۹۱۰ء میں کونسل میں پیش کیا، لیکن بعض وجوہ سے وہ کامیاب نہ ہو سکا، آخر ۱۹۱۲ء میں مسلم رائے عامہ کی پشت پناہی کے باعث حکومت کو یہ قانون منظور کرنا پڑا۔ لارڈ ہارڈنگ نے خاص طور پر اسی قانون کو پیش کرنے کے لیے مسٹر جناح کو کونسل کا ممبر نامزد کیا اور بالآخر یہ قانون پیش ہوا، منظور ہوا، اور نافذ ہو گیا۔ ایک "لادین" اور "فاسق" اور "غدار ملت" کا یہ کارنامہ کیا لائق تحسین و ستائش نہیں ہے؟

اسلام کی عظمت

عملی اعتبار سے مسٹر جناح کا اسلام ممکن ہے ضعیف ہو اور ہندوستان کے ۱۲ کروڑ

مسلمانوں میں کتنے ہیں جو، عملی اعتبار سے، اسلام کی ہر تعلیم کا مکمل نمونہ ہوں؟ یقیناً یہ کوتاہی بھی افسوسناک ہے اور اس کا استیصال بھی ضروری ہے، لیکن یہ کوتاہی اگر نگاہِ تعمق سے دیکھا جائے تو خانقاہوں میں بھی ہے اور حجروں میں بھی "مسجد کے زیر سایہ خرابات" کی تاریخ تو بڑی پرانی ہے عمل کے بعد درجہ آتا ہے اعتقاد کا، کافر وہی ہے، جو عمل اور اعتقاد کے اعتبار سے منکر ہو، لیکن اگر کسی شخص کا عمل بگڑ رہا ہے، اور اعتقاد میں کوئی خاص خامی نہیں ہے تو اس پر کفر کا فتویٰ کوئی نہیں دے سکتا: جناح کی ذات اعتقادی نقطۂ نظر سے پختہ مسلمان ہے اس کا دل اسلام کی عظمت سے مملو ہے، اس کا دماغ ایک مسلم ہونے کے فخر سے معمور ہے اس کا خیال دنیا کے سب سے اچھے مذہب کا پیرو ہونے کی حیثیت سے اسلام کے سوا کسی اور مذہب کو سزاوار التفات سمجھتا ہی نہیں۔ وہ ہندومت کے ماضی و حال سے واقف ہے ہندومت اسے ذرا بھی اپیل نہیں کرتا۔ یہ وہی مذہب ہے جس میں کروڑوں اچھوت اب بھی موجود ہیں۔ اس کے اجداد اسی کے پیرو تھے۔ لیکن وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے وہ اب ہندومت سے کوئی ربط نہیں رکھتا، اسلام ہی اس کا اول و آخر مطمع نظر ہے اس نے عیسائیت کو بھی دیکھا اور کلیسا کے استبداد علمی و عملی کی تاریخ اس کے سامنے آگئی، یہاں سے بھی اس کا جی کھٹا ہو گیا اس نے دوسرے مذاہب پر بھی ایک نظر ڈالی ایک قانون دان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر مذہب سے واقف ہو۔ ہر مذہب کے احکام و روایات۔ تعلیمات و معاملات اس کے پیش نظر ہوں ـــ لیکن کوئی بھی اس کے دل میں گھر نہ کر سکا۔ ایک بیرسٹر، ایک وکیل ایک قانون دان کی حیثیت سے اسے فقہ اسلامی کا بھی ہندو لاء کے ساتھ ساتھ، اور مغربی قوانین ذاتی و اجتماعی کے پہلو بہ پہلو مطالعہ کرنا پڑا۔ اس طرح نادانستہ طور پر وہ اسلام سے واقف ہوا اور اس جلوہ کو دیکھنے کے بعد کوئی دوسرا جلوہ اس کی نگاہ میں سما ہی نہ سکا۔

۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ کی صدارت کرتے ہوئے اسی "لا مذہب" اور اسلام ناآشنا لیڈر نے کہا تھا۔

"اسلامی تعلیمات کی درخشندہ ادبیات و روایات کس امر پر شاہد ہیں؟ دنیا کی کوئی قوم جمہوریت میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو اپنے مذہب تک میں جمہوری نقطۂ نگاہ رکھتے ہیں۔"

اسی خطبۂ صدارت میں شیعہ ہونے اور مسئلہ خلافت سے غیر متعلق ہونے کے باوجود اس نے کہا اور علی الاعلان کہا:۔

"میں اپنے فرائض کی بجا آوری میں کوتاہی کروں گا اگر اس نازک موقع پر حکومت ہند، اور برطانیہ عظمیٰ کی توجہ خلافت کے مسئلہ کی طرف مبذول نہ کراؤں، مسلمانانِ ہند بلکہ تمام عالم اسلام کے جذبات حسیات اعتقادات سرسری طور پر نظر انداز نہیں کئے جا سکتے۔ حکومت کو ان کے عزیز ترین اور مقدس مذہبی جذبات کا لحاظ کرنا چاہیئے۔ اور کسی حالت میں بھی خلافت کے مسئلہ میں مداخلت نہیں کرنی چاہیئے اس کا فیصلہ کلیتہً مسلمانوں پر چھوڑ دینا چاہیئے، مسلمان اس امر کے مستحق ہیں کہ سلطنت کی عمومی حکمت عملی پر اثر انداز نہ ہوں، بالخصوص جب کہ انصاف، انسانیت اور بین الاقوامی ذمہ داریاں اس کی تائید میں ہیں۔"

خلافت کی یہ تائید جناح نے اس حالت میں کی کہ وہ مذہباً اس مسئلہ سے غیر متعلق تھا اور سیاسی اعتبار سے خلافت اور کانگرس کا حریف تھا، کیا اس طرح کی مثالیں دوسری جگہ مل سکتی ہیں؟

حمیتِ مذہبی

بمبئی کے سب سے بڑے پارسی کی اکلوتی لڑکی سے شادی کرنا، اسے اسلام کی دعوت دینا، پھر ایک مسلم کی حیثیت سے اس سے شادی کرنا، وقت کے قانون اور اصول پر نہ چ

کو ٹھکرا دینا، ایک بہت بڑے سلسلۂ فرقنگی بر بھی مول لینا، پولیس اور عدالت کے تکلیف دہ اور رسوا کن مرحلوں کو طے کرنا، لیکن حمیّت مذہبی سے دستبردار نہ ہونا، کیا جناح کی حمیّت مذہبی کا بہترین ثبوت نہیں ہے، اگر وہ چاہتا تو بڑی آسانی سے وقت کے قانون کی پناہ لے سکتا تھا، مسٹر آصف علی، اس شہر کے رہنے والے ہیں جو اسلامی تہذیب، تمدن ثقافت و حضارت کے اعتبار سے اسلامی ہند میں ممتاز ہے، اسٹر ہمایوں کبیر اس صوبہ ــــ بنگال ــــ کے باشندے ہیں جو اسلامی اکثریت کا صوبہ ہے، ڈاکٹر خان صاحب اس صوبہ ــــ سرحد ــــ کے باشندے ہیں، جہاں کے باشندے اپنی غیرت دینی، حمیّت مذہبی جوشِ ایمانی کے اعتبار سے سارے ہندوستان میں ممتاز ہیں۔ لیکن ان سب نے سوال ہجر کیا۔ غیر مسلم خواتین کو اپنی رفیقۂ حیات بنایا، لیکن جناح نے یہ نہیں کیا، اور ایک مسلمان کی شان سے بعید تھا کہ وہ کسی غیر مسلمہ کو رفیقۂ حیات بنائے۔

وسیع المشربی

جناح کا تعلق شیعہ فرقہ سے ہے۔ لیکن وہ ان تنگ نظر فرقہ پرستوں میں نہیں ہے جو اپنے سوا ہر فرقہ کو کافر سمجھتے ہیں۔ وہ ایسا اہلحدیث نہیں جو دوسروں کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھتے، وہ ایسا حنفی نہیں، جو اہلحدیثوں کو "وہابی" اور گمراہ سمجھتے ہیں، وہ ایسا شافعی نہیں جو مالکی کے مذہب کو مشتبہ سمجھتا ہو، وہ ایسا حنبلی نہیں جسے شافعیت سے کد ہو، وہ ایسا سنی نہیں جو شیعوں کو کافر سمجھتا ہو، وہ ایسا شیعہ نہیں جو سنیوں سے نفرت کرتا ہو وہ مسلمان ہے وسیع المشرب مسلمان ہے وہ ہر اس شخص کو مسلمان سمجھتا ہے جو محمد صلعم کا کلمہ پڑھتا ہو؟ اور خدا کو ایک مانتا ہو، وہ شیعہ ہے لیکن شیعوں کے ساتھ، سنی امام کے پیچھے سنی مسجد میں نماز پڑھتا ہے، اور بے دھڑک پڑھتا ہے۔

اس کی اس وسیع المشربی کی گواہ، شاہجہان اعظم کی بنائی ہوئی شاندار مسجد ہے

اورنگ زیب عالمگیر کی یادگار لاہور کی شاہی مسجد ہے۔ دلّی کے فقیر دلق نشیں اور تاجدار روحانی نظام الدین اولیاء کی خانقاہ ہے، کون انکار کر سکتا ہے ان حقائق سے؟ پھر بھی کچھ اخبار جبہ و دستار اور چند اشرار فتنہ و چند اس کے مذہب پر طعن کرتے ہیں اس کی مذہبیت کا مذاق اڑاتے ہیں۔

پیام عید

۱۳ نومبر ۱۹۳۹ء کو عید سعید کے موقعہ پر عین اس زمانہ میں کہ ہندو مسلم منافشات حد سے فزوں ہو چکے تھے، کانگرسی دورِ حکومت کی مسلم آزادیاں زبان زد خاص و عام ہو چکی تھیں، محمد علی جناح نے، صلح و سلام و فلاح، نجاح و مرام کا ایک پیام اپنی دل گرفتہ خستہ حال اور درماندہ قوم کو دیا۔ اس پیام میں اشتعال نہیں تھا، انتقام نہیں تھا، یہ پیام تھا پیامِ رحمت، پیامِ محبت، پیام سعادت، پیام اخوت یہ شخص کا پیام تھا جو اسلام کا رمز شناس اور فلسفۂ اسلام کا شناسا تھا۔

محمد علی جناح نے اپنے اس پیام میں کہا:۔

ہمارے پیغمبر نے رمضان سے متعلق جو نمونہ ضبط نفس کا پیش فرمایا تھا اس کا مدعا یہ تھا کہ ہم میں عمل کے لئے ضروری قوت پیدا ہو۔

دن میں پانچ مرتبہ ہمیں اپنے محلہ کی مسجد میں جمع ہونا پڑتا ہے پھر عید کے دن ہم شہر کی سب سے بڑی مسجد میں جمع ہوتے ہیں۔ اس کے بعد حج ہے جس کے لئے تمام دنیا کے مسلمان اپنی زندگی میں کم سے کم ایک مرتبہ اللہ کے گھر میں جمع ہوتے ہیں۔ اور اللہ سے لو لگاتے ہیں۔ آپ نے غور کیا ہوگا کہ ہماری عبادات کا یہ نظام ہمیں نہ صرف لازمی طور پر دوسرے مسلمانوں کے ساتھ وابستہ کرتا ہے بلکہ دوسری ملتوں کے لوگوں سے

بھی اس سے واسطہ پڑتا ہے جن کے ساتھ راستہ میں مڈبھیڑ ہونی ضروری ہے، میں نہیں سمجھتا کہ ہماری نمازوں کے متعلق یہ احکام اس طرح مرتب کیے گئے ہیں کہ انسانوں کو اپنی معاشرت جبلی خصوصیات پوری کرنے کے مواقع حاصل ہوں۔

قرآن پاک میں انسان کو خلیفۃ اللہ کہا گیا ہے، اگر انسان کے متعلق اس بیان کو کوئی اہمیت ہے تو اس بنا پر ہمارے اوپر قرآن پاک کی پیروی کا ایک فرض عائد ہوتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہ سلوک کریں۔ جو اللہ تعالےٰ نے نوع انسان کے ساتھ کیا ہے، وسیع ترین مفہوم کے لحاظ سے یہ فرض محبت اور رواداری کا فرض ہے اور یقین فرمایئے یہ فرض کوئی منفی فرض نہیں ہے بلکہ ایک اثباتی فرض ہے۔ اگر اللہ کی مخلوق کے ساتھ، وہ چاہے جس ملت سے تعلق رکھتے ہوں محبت اور رواداری پر ہمارا عقیدہ ہے تو ہمیں اپنے روزمرہ کے سیدھے سادھے فرائض اور خاموش تقویٰ کے سلسلہ میں اس عقیدہ پر کاربند ہونا چاہیئے۔

آج عید کے دن اس اسپرٹ کا، جو روزوں اور نمازوں کی بدولت ہمارے اندر روشن ہو گئی ہے۔ اس سے زیادہ شایان شان مظاہرہ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ ہم عزم بالجزم کر لیں، کہ اپنے گھر کے اندر اپنی ملت کے اندر، اپنے ملک کے اندر، جس کے اندر مختلف المذاہب اور مختلف العقیدہ لوگ موجود ہیں، کامل ہم آہنگی و اتفاق پیدا کر دیں گے ہر سطح کی زندگی ہو یا پبلک زندگی کسی حالت میں بھی خود غرضانہ مقاصد کے تحت کام نہیں کریں گے۔ بلکہ اپنے تمام ہموطنوں اور انجام کار تمام نوع انسان کے اہم ترین مفاد کی خاطر کام کریں گے۔

ہمارے لیڈر ہندو اور مسلمان دونوں فرقہ وارانہ جنگ و جدل پر اُلٹا

رنج و الم کیا کرتے ہیں۔ میں یہاں اس کی تاریخ بیان نہیں کروں گا۔ لیکن ایسے مواقع آتے ہی لوگوں کے دلوں میں جوش بھر جاتا ہے اور اختلافات جنگ کی حیثیت اختیار کر لیا کرتے ہیں۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ ایسے موقعوں پر آپ عید کی نماز کو یاد کریں۔ اور ذرا یہ سوچیں کہ ہمارے قرآن نے اور اس عظیم الشان اسپرٹ نے، جس کا نام اسلام ہے ہمیں جو راستہ دکھایا ہے، اس کی روشنی میں کیا ہم اس جنگ کو ٹال نہیں سکتے ہیں۔ آپ سے درخواست کروں گا کہ ایسے وقت اس بات کو یاد کریں کہ ہمارے پیغمبر صلعم کے نزدیک اس سے زیادہ ضروری یا اللہ کی طرف سے زیادہ قطعی اور کوئی حکم نہیں ہے کہ ہم تمام دوسرے انسانوں کے ساتھ محبت و رواداری کے متعلق اپنے فرض کو پورا کریں

میرے نوجوان دوستو! اگر آج کی رات میں سیاسیات کے متعلق کوئی بات کہوں۔ تو میں صرف مشورہ کے طور پر آپ سے یہ کہوں [illegible] جن کے ہندو ہیں ہمارے حقوق بھی ہیں۔ اور ہمارے دعاوی بھی، لیکن ہمیں ان کے متعلق ضد نہیں کرنی چاہیئے، کیونکہ ضد محبت و رواداری کی اس اسپرٹ کے منافی ہو گی، جو آج عید کے دن ہمارے اوپر طاری ہونی چاہیئے اور جس کی برکتوں کے متعلق پیغمبر اسلام نے ہمیں تلقین فرمائی ہے کہ یہ برکتیں دوسروں تک پہنچاؤ۔"

یہ پیام اتنا دلنشیں، اتنا موثر، اتنا سحر انگیز ثابت ہوا کہ جناح کے سب سے بڑے حریف گاندھی جی نے اسے پڑھتے ہی مبارکباد اور تہنیت کا تار ارسال کیا۔

گم گشتہ صداقت

بلوچستان مسلم لیگ کے، ایک سپاسنامہ کا جواب سنہ ۱۹۴۱ء میں جواب دیتے ہوئے

جناح نے کہا۔

"آپ یہاں ایک ایسی فضا میں رہ رہے ہیں جو ہمارے ماحول سے قطعاً مختلف اور متضاد ہے، دستوری اور بین الاقوامی نقطۂ نظر سے آپ ایک خود مختار ریاست کے باشندے ہیں۔ لیکن میسور ہو یا دنیا کا کوئی اور گوشہ مسلمانوں کے درمیان اخوت کا ایک مضبوط اور ناقابل انفصال رشتۂ اخوت کا قائم ہے۔ وہ ایک مخصوص قومی اور ملّی رابطہ سے منسلک ہیں۔ اسلام کے فرزند، حدود و ثغور کی قید و بند سے یکسر آزاد ہیں!"

اس گم گشتہ صداقت کو ہمارے بہت سے قائد اور رہنما اور علماء فراموش کر چکے ہیں۔ لیکن دل افروز حقیقت اس قائد کو یاد ہے جس کا اسلام بعضوں کے نزدیک مشکوک اور مشتبہ ہے۔

سحر انگیز شخصیت

پارلیمنٹ کے ایک اعلان کے مطابق ہندوستان کے آئینی و دستوری ارتقاء کے احوال و کوائف کا براہِ راست علم حاصل کرنے کے لئے وزیر ہند مسٹر مانٹیگو ۱۰ نومبر ۱۹۱۷ء کو ہندوستان وارد ہوئے، وزیر ہند کے ساتھ ان کے چند مشیر بھی تھے۔ اس وفد نے ہندوستان کا دورہ کیا اور ہندوستان کے سربرآوردہ رہنماؤں اور ممتاز جماعتوں کے ارباب حل و عقد سے ملاقاتیں کی، ان کے خیالات و نظریات سے واقفیت حاصل کی، اس وفد نے ریاستوں کے فرمانرواؤں سے بھی ملاقاتیں کیں، انہیں بھی تولا، جانچا، پرکھا، مسٹر جناح کو بھی شرف باریابی عطا ہوا اور انہیں ٹیگل لاج میں، اس من چلے لیڈر، اور پختہ کار وزیر ہند کے مابین کیا گذری اسے خود مانٹیگو کی زبان سے سنیئے، وہ اپنی ڈائری میں جو ان کی وفات کے بعد ان کی صاحبزادی نے شائع کی تھی، تحریر فرماتے ہیں۔

"جناح داخل ہوا، نوجوان، شائستہ، باوقار، دلائل کے ہتھیاروں سے

مسلح، اپنی اسکیم کی برتری پر مصر، اور بضد؛ وہی ذمہ دار حکومت خود اختیاری کی اسکیم، اس سے کم پہ راضی ہی نہیں ہو سکتا، میں پہلے سے تھکا ہوا تھا، اس نوجوان نے تو مجھے بالکل زچ کر کے رکھ دیا، چیمسفورڈ (وائسرائے ہند) نے اس سے بحث میں الجھنے کی کوشش کی، اور اس طرح جکڑ دیا، اس نوعمر سیاستدان نے غریب چیمسفورڈ کو، جیسے مکڑی اپنے جالے میں مکھی کو جکڑ لے۔ ذہانت و فراست جناح کی خصوصیت ہے، یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے، کہ ایسا قابل اور ہونہار آدمی اپنے ملک کے معاملات کی باگ اپنے ہاتھ میں نہیں رکھتا ——— گاندھی سے بھی ملاقات ہوئی لیکن بہت غیر موثر شخصیت ہے!"

عربی زبان کی ایک مثل مشہور ہے "الفضل ما شہدت بہ الاعداء" یعنی بڑائی وہ ہے جس کی شہادت دشمن دیں، اس معیار پر اگر جناح کی بڑائی کو پرکھا جائے تو ماننا پڑے گا وہ ایک عظیم اور برتر شخصیت کا اہل ہے۔

مسلم قوم کا مخلص وکیل

کانگرس کے حلقہ میں جناح کا وجود، سرمایہ افتخار تھا، اس کی وطن دوستی اس کی ملک پروری، اس کا حب قوم، شک و شبہ سے بالاتر تھا، لیکن جتنا مخلص وہ ہندوستانی تھا، اس سے کہیں زیادہ وہ سچا مسلمان تھا اس نے کانگرس کی مجلس دستور و آئین میں بھی، نہ اپنی اسلامیت فراموش کی، نہ اپنی پس رو اور پس ماندہ مسلمان قوم کو نظر انداز کیا۔ اس نے مسلمانوں کو کانگرس کا ساتھ دینے کی تلقین کی اور کانگرس کو آمادہ کیا کہ وہ مسلمانوں کی اہمیت اور عظمت تسلیم کرلے۔

۱۹۱۷ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لکھنؤ میں قرار پایا۔ مولانا محمد علی مرحوم صدر منتخب ہوئے انہیں حکومت نے نظربندی سے رہا نہ کیا، لہٰذا سر علی محمد خاں مرحوم، راجہ

محمود آباد نے خطبۂ صدارت پڑھا، اپنے خطبہ میں انھوں نے جناح کے اس قابلِ فخر کارنامہ کا بڑے فخر کے ساتھ ذکر کیا، فرماتے ہیں:۔

"آپ کے (مسلم لیگ کے) نمائندوں کے لئے (جن کی قیادت محمد علی جناح کر رہے تھے) سب سے زیادہ دشوار اور نازک مقام یہ آیا کہ ان تحفظات کو جنہیں ہندی مسلمان اپنے مفاد کے لئے ضروری سمجھتے تھے کانگرس کی مجلس منتخبہ سے منظور کرایا جائے مسلمانوں کے لئے جداگانہ اور معتدبہ نمایندگی کا اصول کانگرس کی تاریخ میں اوّل بار تسلیم کیا گیا اور پھر اس دستور میں یہ امر بھی طے کر لیا گیا کہ اگر کسی مجلس قانون ساز کے سامنے کوئی ایسا مسودہ قانون پیش ہو جو کسی ایک قوم سے تعلق رکھتا ہو، اور اس قوم کے دو تہائی نمائندے اس قانون کے کسی جزو کی بھی مخالفت کرتے ہوں تو وہ قانون قابل غور تصوّر نہ کیا جائے گا اس اصول کے اعتراف کے نتائج یقیناً دوررس ہیں۔"

انڈیا ایکٹ کا نفاذ

انڈیا ایکٹ کے نفاذ کے بعد جب صوبائی مجالس آئین ساز کا انتخاب ہوا تو کانگرس نے وزارت قبول کرنے کی شرط یہ پیش کی کہ گورنروں کی طرف سے وزارت کے کاموں میں مداخلت نہ کی جائے، اسی سوال پر سیاسی تعطل پیدا ہو گیا۔ اور کانگرس نے وزارتیں قبول کرنے سے انکار کر دیا اب قانونی طرز کار یہ تھا کہ گورنروں کی طرف سے کانگرس کے بعد سب سے بڑی جماعت کو تشکیل وزارت کی دعوت دی جاتی، چنانچہ بہار، یو پی اور بمبئی وغیرہ کے گورنروں نے مسلم لیگ پارٹی کے لیڈروں کو تشکیل وزارت کی دعوت دی متعدد صوبوں کے مسلم لیگی لیڈر، وزارت قائم کرنے پر تیار ہو گئے لیکن جناح نے ایک مرتبہ "نہیں" NO کہا اور معاملہ ختم کر دیا۔

میں اس زمانہ میں، روزنامہ خلافت کا ایڈیٹر تھا، مولانا شوکت علی مغفور کے ساتھ

اسی زمانہ میں مسٹر جناح کے بنگلہ پر جانے کا اتفاق ہوا، اور یہی مسئلہ زیر بحث آیا، مسٹر جناح نے اپنے مخصوص انداز میں مولانا شوکت علی سے کہا:۔

"ایسی وزارت ہم کیوں کر قائم کر سکتے ہیں، جو دوسروں کے رحم و کرم پر قائم ہو، آج کانگرسی روٹھے ہوئے ہیں، ہم وزارت بنا لیں، کل وہ من جائیں تو ہم وزارت سے دستبردار ہونے پر مجبور ہو جائیں، میں کسی ایسے صوبہ میں مسلم لیگ کو وزارت قائم کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ جہاں عملی اکثریت WORKING MAJORITY ہمیں حاصل نہ ہو۔ سر علی محمد خاں (لیڈر مسلم لیگ پارٹی بمبئی) کو گورنر نے تشکیل وزارت کے سلسلہ میں بلایا تھا، میں نے انہیں ہدایت کر دی کہ وہ یہی عذر کر دیں کہ چونکہ ہمارے پاس عملی اکثریت نہیں ہے۔ اس لئے ہم وزارت نہیں قائم کر سکتے۔"

سر علی محمد خاں نے مسٹر جناح کی حسب ہدایت گورنر کو یہی جواب دیا، اور دوسرے صوبوں کی طرح بمبئی میں بھی مسلم لیگی وزارت قائم نہ ہو سکی۔

تادیبی کارروائیاں

مسٹر جناح کی سیاسی زندگی کا روشن ترین صفحہ یہ ہے کہ نظم و ضبط کے معاملہ میں وہ رو رعایت نہیں کرتے، خواہ کتنی ہی بڑی شخصیت کیوں نہ ہو، اگر وہ جناح کے اصول سے ٹکرائے گی تو جناح کے دربار سے اسے معاف نہیں کیا جا سکتا۔

سر غلام حسین ہدایت اللہ، دو مرتبہ اپنی سرتابی کی بدولت لیگ سے خارج کئے جا چکے ہیں، فضل الحق کی قوت و طاقت کا اعتراف کسے نہیں تھا، لیکن جب انھوں نے گورنر بنگال سے ساز باز کر کے وائسرائے کی قائم کردہ مجلس دفاع ہند میں شرکت کر لی۔ اور مسلم لیگ کی ہدایت کو نظر انداز کر دیا۔ تو لیگ سے اس نمایاں ہستی کو خارج کر دینے

میں جناح نے ذرا بھی تامل نہیں کیا، سر سکندر حیات خاں اگر مجلس دفاع سے مستعفی نہ ہوتے۔ اور سر سعد اللہ نے بھی ان کی تقلید نہ کی ہوتی تو انہیں بھی لیگ سے خارج کرنے کی تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں، نواب سر احمد سعید خاں (آف چھتاری) کے خلاف تادیبی کاروائی کا اعلان، مسٹر جناح نے حیدر آباد بیٹھ کر اس وقت کیا جب وہ حیدر آباد کی وزارت عظمیٰ کے لئے نامزد ہو چکے تھے، سر سلطان احمد نے وائسرائے کی اگزیکٹو کونسل کی ممبری قبول کر لینے کی لاکھ لاکھ آئینی و دستوری تاویلیں کیں، لیکن تادیبی کاروائی سے وہ بچ نہ سکے مسلم لیگ کا حکم تھا کہ کوئی مسلم لیگی وائسرائے کی کونسل کا ممبر نہیں ہو سکتا، سر سلطان نے سرتابی کی اور مسلم لیگ سے فوراً ہی خارج کر دئے گئے۔ یہی حشر بیگم شاہنواز کا ہوا، کچھ عرصہ ہوا مسٹر سید صدر سندھ مسلم لیگ نے لیگ کے احکام و فرامین سے سرتابی کی، یہ جانتے ہوئے کہ وہ صوبہ کے عوام پر اثر رکھتے ہیں انہیں لیگ سے خارج کر دیا گیا، اس لئے کہ مسٹر جناح یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ لیگ بازیچہ اطفال بن جائے وہ آل انڈیا ادارہ ہے اور اس میں جو شرکت کرے گا اسے اصول و ضوابط کی پابندی کرنی ہی پڑے گی۔

خود اپنی ذات کو بھی مسٹر جناح ان پابندیوں سے مستثنیٰ نہیں قرار دیتے، بڑے سے بڑا واقعہ ہو جائے، لیکن وہ اس وقت تک جنبش لب سے کام نہیں لیتے جب تک مجلس عاملہ سے استصواب نہ کر لیں، اور لیگ کی ایک معین پالیسی طے نہ کر لیں۔

سندھ کا انگریز وزیر

۱۹۴۴ء میں سر غلام حسین ہدایت اللہ وزیر اعظم سندھ نے مسلم لیگ ہائی کمان سے استصواب کئے بغیر بالا بالا ایک انگریز، مسٹر تھامس کو، وزیر زراعت بنا لیا، ان کا یہ اقدام بالکل خلاف اصول تھا، وہ سمجھ رہے تھے، میں وزیر اعظم ہوں جو چاہوں کر سکتا

ہوں لیکن یہ ان کی غلط فہمی تھی اور بڑی آسانی سے محمد علی جناح نے یہ غلط فہمی رفع کر دی۔ جناح نے فوراً غلام حسین کو دہلی طلب کیا، اور ان کے سامنے دو صورتیں رکھیں۔ یا تو انگریز وزیر برطرف کیا جائے، یا خود وزیر اعظم سے استعفیٰ دے دیں، وزیر اعظم صاحب نے پہلی صورت حالات کو پیش نظر رکھ کر منظور کر لی۔ اور بالآخر مسٹر تھامس کو وزارت سے مستعفی ہونا پڑا۔ ۷ر دسمبر ۱۹۴۴ء کو مسٹر تھامس نے وزارت سے استعفا پیش کیا اور گورنر صاحب نے اسے منظور کر لیا۔

مولا بخش کی وزارت

اسی طرح ایک بار پھر سر غلام حسین نے خود سری سے کام لیا اور مسٹر سید کو زک دینے کے لئے انہوں نے، مرحوم مسٹر اللہ بخش سابق وزیر اعظم سندھ کے بھائی مولا بخش کو اپنے کابینہ میں شریک کر لیا۔

مسٹر جناح نے اس خود سری کو برداشت کرنے سے انکار کر دیا، اور واضح الفاظ میں غلام حسین کو حکم دیا کہ یا تو وہ وزارت عظمےٰ سے استعفیٰ دیں، اور یا مولا بخش کو مسلم لیگ میں شریک کریں، ورنہ انہیں مستعفی ہونے کی ہدایت کریں، اس مرتبہ بھی غلام حسین کو سر نیاز و اطاعت جھکانا پڑا، مسٹر مولا بخش نے استعفا دینے سے انکار کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ خود سر غلام حسین نے استعفا دے دیا دوبارہ وزارت بنائی اور اس نئی وزارت میں مسٹر مولا بخش کو شریک نہیں کیا۔

وحدتِ ملی

مسٹر جناح کے دل میں اسلام کا درد ہے، وہ مسلم قوم کے ایک فرد ہیں۔ وہ اسلامی فرقہ پرستی اور طبقاتی امتیاز کے سخت مخالف ہیں ان کی رائے ہے۔

؎ بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی

۲۲ جنوری ۱۹۴۶ء کو حبیب فیملی (آف حبیب بنک لمیٹڈ) کی طرف سے خوجہ بچوں کے لئے ایک یتیم خانہ کے سلسلہ میں امدادی جشن ہوا، عام چندہ نہیں طلب کیا گیا تھا، یتیم خانہ کی تعمیر و توسیع کے لئے ۱۲۳ اصحاب نے ۲۵) ۲۵ ہزار روپے عطا کئے تھے، طے یہ ہوا کہ قائدِ اعظم تشریف لائیں اور ان مخیر ہمدردانِ قوم کی حوصلہ افزائی کریں اور اس جذبۂ ملی پر انہیں مبارکباد دیں۔

قائدِ اعظم تشریف لائے، خوجہ جماعت کے تقریباً تمام اکابر اس تقریب میں شریک تھے، یہ جشن صبح دس بجے سے دوپہر کے ڈیڑھ بجے تک جاری رہا۔ قائدِ اعظم نے خوجہ بچیوں کے سینے پرونے، کھانا پکانے اور دوسری گھریلو صنعتوں کے نمونے دیکھے۔ پھر وہ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے انہوں نے فرمایا:۔

"یہاں لڑکیوں نے ابھی جو کھانا پکانے کا مظاہرہ کیا اس کی قدر عورتوں سے زیادہ مردوں کو ہوگی، کیونکہ مردوں کو اچھی خوراک کی ضرورت ہے یہ ایک ہنر ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص ماہر باورچی نہیں رکھ سکتا۔ آج برادرانِ اسلام کا خیال بدلا ہوا ہے، بےکس یتیموں کو خیرات دینے سے زیادہ اور کوئی سخاوت نہیں ہم سب کو دولت پیاری ہوتی ہے، ہر شخص جتنا دولت جمع کرنے کا خواہشمند ہوتا ہے اتنا دینے کا نہیں ہوتا، تمہارے پاس دولت ہے تم اس کا کیا کرو گے؟ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، پھر کس دن کے لئے دولت جمع کر رکھی ہے۔ اس دولت کو اپنی زندگی ہی میں نیک کاموں میں لگاؤ۔ تاکہ قوم اور برادری کی تعمیر و ترقی ہو ہمیں اسلام پر صحیح معنوں میں عامل ہونا چاہیئے

اور اگر ہم مذہبِ اسلام کو ہر دلعزیز بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیئے کہ دیرینہ جھگڑے اور مناقشات ترک کر دیں اور بے جا جذبات کو پاس نہ پھٹکنے دیں ہمیں خوجہ بوہرہ وغیرہ فرقہ وارانہ نام چھوڑ کر ایک قوم مسلمان بن جانا چاہیئے حالانکہ یتیم خانہ خوجہ لڑکیوں کا ہے، لیکن ایک بوہرہ بزرگ بھی ہیں جنہوں نے اس فنڈ میں ۵ ہزار روپے عطا کئے ہیں۔ اس چیز کو میں نہایت ضروری اور اہم سمجھتا ہوں، وہ وقت آنے والا ہے کہ خوجہ بوہرہ اور میمن یتیم خانوں کی بجائے صرف اسلامی قومی یتیم خانے ہوں گے اور فرقہ وارانہ جماعتوں کا وجود بھی نہ ہوگا، ہمیں اپنی طبیعتوں، ذہنیتوں اور خیال میں انقلاب پیدا کرنا چاہیئے۔ اس یتیم خانہ میں ایک اصلاح بھی نظر آتی ہے۔ کہ اس سے شیعہ خوجہ، اثنا عشری خوجے اور سنی خوجے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اسی طرح ہر فرقہ کو دوسرے فرقہ میں مدغم ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ اسلامی وحدت ناقابلِ شکست ہو جائے اپنی قوم کے چندہ دل میں جی بھر کے عطیات دو تم دوسروں کے لئے مثال ہو گے۔"

کیا یہ ارشادات اسلام کی حقیقی تعلیم کے گہرے مطالعہ کا نتیجہ نہیں؟

شخصیت پرستی سے نفرت

اسلام دنیا کا وہ پہلا مذہب ہے جو اپنے پیروؤں کو براہِ راست خدا سے لو لگانے کی تعلیم دیتا ہے دوسرے مذاہب کی طرح اسلام میں خالق اور مخلوق، عبد اور معبود کے درمیان، کوئی شخص، یا کوئی گروہ حائل نہیں ہے، اسلام شخصیت پرستی کا سب سے بڑا مخالف ہے، وہ صرف اصول اور حق پرستی کی تعلیم دیتا ہے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضرت عمرؓ شجرۃ الرضوان کو نہ کٹوا دیتے جس کے سایہ میں بیٹھ کر رسالتمآب صلعم نے

مسلمانوں سے جہاد کی بیعت لی تھی، اگر اسلام کی یہ مرضی نہ ہوتی تو وہ بت گری کو حرام قرار نہ دیتا، قبروں کے بارے میں اس کی یہ تاکید نہ ہوتی کہ زمین کے برابر رکھی جائیں۔ اگر نگاہ غور سے دنیا کی گمراہی پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا، سب سے بڑا اور اہم سبب ایسی بطل پرستی اور شخصیت پرستی ہے۔

ایک سچے مسلمان کی طرح مسٹر جناح کو اس چیز سے بھی نفرت ہے، چنانچہ ذیل کا واقعہ اس سلسلہ میں دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

"۱۴؍ دسمبر ۱۹۴۵ء کو ای وارڈ ڈسٹرکٹ مسلم لیگ کے چند کارکن قائد اعظم کے دولت خانہ پر ایک جلسہ میں شرکت کی دعوت دینے گئے۔ ان میں سے ایک شخص نے مصافحہ کرتے ہوئے، جوشِ عقیدت سے مجبور ہو کر آپ کے ہاتھ کو چوم لیا، یہ حرکت دیکھ کر قائد اعظم نے فرمایا لوگوں کو چاہیئے وہ مجھے معمولی آدمی تصور کریں پیر و مرشد نہ سمجھ لیں۔ اس طرح لوگوں میں غلط اور تباہ کن طریقوں پر سر جھکانے کی عادت پڑ جاتی ہے جسے عرف عام میں شخصیت پرستی کہتے ہیں اور یہ مرض نقصان دہ اور مضرت رساں ہے اور اسلام میں ناروا اور ناجائز ہے!"

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۵؍ دسمبر ۱۹۴۵ء)

اسی سلسلہ میں یہ واقعہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، اور ۹؍ جنوری ۱۹۴۶ء کے تقریباً تمام انگریزی، گجراتی، اور اردو اخباروں میں شائع ہو چکا ہے کہ گاندھی جی اپنے قیام مدراس کے زمانہ میں ایک راستہ سے گزرے، انہوں نے دیکھا ایک ہندو ان کی تصویر پر پھول چڑھائے ہوئے ہے اور پوجا میں مصروف ہے، پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ بتایا گیا، یہ شخص آپ کے درشن آسانی سے نہیں کر سکتا، اور آپ کو سمجھتا اوتار ہے، لہٰذا اس نے آپ کی تصویر کی پوجا شروع کر دی ہے، گاندھی جی نے یہ سنا اور اپنی

قیام گاہ پر واپس آ گئے، ملک کے دو بہت بڑے لیڈروں کا شخصیت پرستی کے بارے میں یہ طرزِ عمل یقیناً سبق آموز ہے، اس ایک واقعہ سے دونوں کی ذہنیتوں، طبیعتوں اور خصلتوں کا بآسانی اندازہ ہو سکتا ہے۔ ایک انسان ہے اور معمولی انسان ہی رہنے پر قناعت کرتا ہے، دوسرا بھی انسان ہے لیکن اوتار بنا جا رہا ہے۔ یہ فرق گاندھی اور جناح کا نہیں ہے، کفر اور اسلام کا ہے!

بیورلی نکلس کے تاثرات

ایک انگریز نمائندہ صحافت BEVERLY NICLOUS اگست ۱۹۴۲ء کے ہنگامہ خیز زمانہ کے بعد ہندوستان آیا تاکہ یہاں کے احوال و کوائف سے اپنے ہم وطنوں کو آشنا کرے۔ ایک سال قیام کرنے کے بعد واپس جا کر اس نے ایک کتاب "مشاہدۂ ہند" VERDICT ON INDIA لکھی، کوئی شبہ نہیں کتاب کے بہت سے ابواب تلخ ہیں۔ اور اندازِ بیان اکثر و بیشتر تلخ ترین ہے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ نکلس نے بڑی صفائی سے اپنے تاثرات کا اظہار، ہندوستان کے سیاسی اور سماجی پہلوؤں پر کیا ہے اسے ہم متعصب اور ہندو دشمن اور سامراج کا ایجنٹ اس لئے نہیں کہہ سکتے، کہ جس روانی اور بے تکلفی سے اس نے کانگرس پر چوٹ کی ہے، ہندوؤں کے رازِ دروں پر دہ آشکار کئے ہیں۔ اسی روانی اور بے تکلفی سے اس نے ہندوستان کے یورپینوں، اینگلو انڈینوں اور حکومت ہند کے انگریز عہدہ داروں پر بھی نکتہ چینی کی ہے۔ اس نے اپنے تاثرات بے کم و کاست بیان کر دئے ہیں۔

بد قسمتی سے یہ پاکستان کا قائل ہو گیا، اس لئے اس کے اور اس کی کتاب کے خلاف ایک ہنگامہ اور طوفان برپا ہو گیا، اس نے بہت سی تلخ باتیں کہی ہیں، لیکن ان تلخیوں میں بھی حقائق پوشیدہ ہیں تلخیوں پر اگر برہمی کا اظہار کیا جاتا اور حقائق سے سبق لیا

جاتا تو ایک بات بھی تھی۔ کانگرسی پریس نے حقائق کو نظر انداز کر دیا، اور لیگیوں کے خلاف فریاد و شیون کا سلسلہ شروع کر دیا۔

بیورلی نکلس نے اپنی کتاب میں محمد علی جناح کا تذکرہ بھی کیا ہے، ضروری ہے کہ جناح کے بارے میں اس کے اس تاثرات پیش نظر ہیں وہ لکھتا ہے:۔

ایشیا کا یہ فرزند جلیل زندگی کی ۶۰ بہاریں دیکھ چکا ہے، لمبا تڑنگا، دبلا پتلا خوش پوش اور خوش وضع، ریشم کا ایک شاندار سوٹ زیب تن کئے ایک آنکھ پر عینک کا شیشہ لگائے، گلے میں سخت کالر جو شدید گرمی کے موسم میں بھی زیب گلو رہتا ہے۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اسپین کے قدیم شرفا کا زندہ نمونہ سامنے ہے، سیاسی معاملات میں پختہ کار مدبر گویا کوئی باوقار انسان سینٹ جیمس کلب میں بیٹھا ہوا معروف ناؤ نوش ہے اور "لی لیپٹس" کے مطالعہ میں مصروف ہے۔

میں نے مسٹر جناح کو ایشیا کی اہم ترین ہستی قرار دیا ہے تاکہ آپ کی نگاہ تصور میں اس کی ایک واضح اور روشن تمثیل سامنے آجائے ایک محدود مختصر مدت میں ہندوستان دنیا کا نازک ترین مسئلہ بننے والا ہے، اور مسٹر جناح اس انقلاب آفریں دور کے ہیرو ثابت ہوں گے وہ اپنی مرضی کے مطابق جس طرف چاہیں جنگ کا رخ موڑ سکتے ہیں، دس کروڑ مسلمان ان کے ایک اشارہ چشم پر سب کچھ کر گزرنے کے لئے تیار ہیں، یہ منزلت کسی اور کو اس ملک میں حاصل نہیں ہے ہندوؤں کو بھی یہ بات نہیں حاصل ہے۔

اگر گاندھی جی رخصت ہو جائیں تو جواہر لال ان کے بنے بنائے جانشین موجود ہیں، صرف وہی نہیں، راجہ جی ہیں، ولبھ بھائی پٹیل ہیں، کئی آدمی ہیں جو ان کی جگہ سنبھال سکتے ہیں لیکن جناح کا جانشین کوئی نظر نہیں آتا،

میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ جناح پر لیگ کا خاتمہ ہے، لیگ نہایت مضبوط اور مستحکم جماعت ہے، البتہ اس کے اقدام و عمل کی راہیں متعدد ہو سکتی ہیں یہ گاڑی پٹڑی سے اتر بھی سکتی ہے ہندوستان میں کشت و خون کا بازار گرم کر سکتی ہے۔ ایک نئی جنگ کی بنیاد ڈال سکتی ہے لیکن جب تک مسٹر جناح زندہ ہیں، مسلم لیگ نہ تباہ ہو سکتی ہے۔ نہ گڑھے میں گر سکتی ہے، آپ ملاحظہ فرمائیے کیونکہ ایک دنیا اس ریشمی لباس اور ایک رخی عینک والے آدمی کے ہاتھ میں ہے۔"

اپنی اس کتاب میں بیورلی نکلس آگے چل کر مزید اس موضوع پہ اظہار خیال کرتے ہوئے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"مسٹر جناح برطانوی پالیسی پہ نہایت تند و تیز نکتہ چینی کر رہے تھے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں، ان کی نکتہ چینی برمحل اور مدلل تھی اور ان کی ذہانت و فراست کی آئینہ دار تھی۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ ان کی طبع بلند کا مظہر تھی۔ صرف یہ نہیں تھا کہ کڑوے کسیلے الفاظ کی بھرمار ہو یا نفرت و اشتعال کا بے پناہ مظاہرہ ہو بلکہ اس کے برعکس مسٹر جناح کی تنقید، مرض کی تشخیص بھی تھی۔ جناح کی نکتہ چینی اور کسی ہندو مدبر کی نکتہ چینی میں وہی فرق ہے جو ایک طبیب اور عطائی میں ہوتا ہے۔ مسٹر جناح کے الفاظ نشتر تھے لیکن فصاد کا نشتر! انہوں نے کہا اہل برطانیہ کو اب یہ محسوس کر لینا چاہیے کہ اس ملک میں اب کوئی ان کا دوست نہیں ہے، قطعاً نہیں، کوئی نہیں!"

بائیکو نے جناح کا ایک رخ دیکھا تھا اور بیورلی نکلس نے دوسرا لیکن پہنچے دونوں ایک ہی نتیجہ پہ جناح کی ذکاوت اور فراست اور ذہانت اور معقولیت اخلاص اور تدبر معاملہ فہمی اور بلند حوصلگی، سیاستدانی اور اصابت رائے کا اعتراف دونوں کو ہے حسن ظن کی بنیاد پہ نہیں مشاہدہ اور تجربہ کی روشنی میں!

مسلم لیگ اور ہندوستان کے مشترک مسائل

مسلم لیگ کی تاسیس و تعمیر کا مقصد صرف یہ تھا کہ قوم کی انفرادیت قائم رکھی جائے ان کے حقوق کی حفاظت کی جائے لیکن اس کے باوجود جب کبھی کانگرس کے پلیٹ فارم پر ایسے معاملات و مسائل زیرِ بحث آئے جو مفادِ مشترک کی حیثیت رکھتے تھے مسلم لیگ نے کانگرس اور ہندو قوم اور ہندو رہنماؤں سے سخت و شدید اختلافات کے باوجود ان کی تائید کی۔ اپنی فرقہ داریت ختم کر دی اور متحدہ محاذ بنانے میں کانگرس کا ساتھ دیا۔

ٹرانسوال کے ہندوستانی

جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کو ایک عرصہ سے ہدفِ تیرِ ستم بنایا جا رہا ہے نٹال اور ٹرانسوال اور ڈوربن ہر جگہ ان پر زیادتیاں کی گئیں۔ ان کی محنت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا گیا لیکن انہیں معمولی شہری حقوق دینے سے بھی انکار کیا گیا۔ کانگرس نے اس صورتِ حال کے خلاف احتجاجی صدا بلند کی اور مسلم لیگ نے پورے اخلاص اور صداقت کے ساتھ کانگرس کی تائید کی اور متحدہ محاذ میں شریک ہو گئی۔

مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ۱۹۰۹ء میں بمقام دہلی ہز ہائی نس سر آغا خاں کی زیرِ صدارت منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں ٹرانسوال کے ہندوستانیوں سے اظہارِ ہمدردی کیا گیا۔ حکومت جنوبی افریقہ کے طرزِ عمل پر سختی سے نکتہ چینی کی گئی اور ایک ایسی تجویز منظور کی گئی جو اپنے مفہوم اور اندازِ بیان کے اعتبار سے کانگرس کی تجویز سے بھی زیادہ سخت اور درشت تھی۔

ابتدائی جبری تعلیم

ہندوستان کی موجودہ پستی اور زوال کا سب سے بڑا سبب اس کی جہالت ہے غیر ملکی حکومت ہندوستانی باشندوں سے کوئی خاص ہمدردی نہیں رکھتی، لہٰذا اسے اس کی ذرا بھی پروا نہیں ہے کہ یہاں کے باشندے خواندہ ہیں یا ناخواندہ۔ تعلیم یافتہ ہیں یا جاہل؟ لیکن ہندوستانی محبِ وطن ایک عرصہ دراز سے اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ یہاں ابتدائی تعلیم جبری اور مفت ہو تاکہ اس دیس کا کوئی باشندہ ناخواندہ اور جاہل نہ رہ جائے مسٹر گوکھلے نے کونسل میں ایک مسودہ قانون پیش کیا جس کا مفاد یہ تھا کہ ملک میں ابتدائی تعلیم عام کر دی جائے اور ہر بچہ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے پر مجبور کیا جائے اور یہ تعلیم مفت ہو۔ مسٹر گوکھلے کی اس تجویز کی تائید ملک کی اکثر سیاسی جماعتوں نے کی مسلم لیگ بھی اس تائید میں پیش پیش تھی ۱۹۱۰ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ڈھاکہ میں نواب سلیم اللہ خان کی زیرِ صدارت منعقد ہوا۔ مسٹر گوکھلے کے مجوزہ بل کی تائید و حمایت کے سلسلہ میں رہنمایانِ مسلم لیگ نے زور دار تقریریں کیں اور ایک پرزور تجویز بھی اس سلسلہ میں منظور کی۔

بلا امتیاز مذہب و ملت

سر محمد شفیع مرحوم کی زیرِ صدارت مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ ۱۹۱۲ء میں بمقام لکھنؤ منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں خطبہ صدارت ارشاد کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"چند اصول ضرور ایسے ہیں جہاں ہندو اور مسلمان قطعی متفق ہیں۔ ہمیں ایسے مسائل کے لئے جدّو جہد شروع کر دینی چاہیئے جس میں کسی بھی ہندوستانی کو اختلاف نہ ہو۔ مثلاً ہندوستانیوں کا اعلےٰ عہدوں پر تقرر، اگزکٹو (EXECATIVE) اور جوڈیشری (JUDICIARY) میں تفریق، جبریہ ابتدائی تعلیم کا نفاذ، حفظانِ صحت کے اصولوں کی سرانجامی پر اصرار اور ہندوستانی صنعت و حرفت کی ترویج و فروغ۔ برطانوی مقبوضات میں ہندوستانیوں کے حقوق کا تحفظ جن صوبوں میں ہائی کورٹ اب تک قائم نہیں ہوئے۔ وہاں ہائیکورٹوں کے قیام کی کوشش اور جن صوبوں میں گورنر کی انتظامی کونسلیں اب تک نہیں بنی ہیں وہاں ان کے قیام کی سعی، کیا یہ تمام مسائل ایسے نہیں ہیں جن پر ہر ہندوستانی متفق ہے۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے UNITED INDIAN LEAGUE) ہم قائم کر سکتے ہیں جس میں ہر ہندوستانی بلا امتیاز مذہب و ملت شریک ہو کر شانہ بہ شانہ کام کر سکتا ہے۔"

غور فرمایئے مسلم لیگ نے اپنے دور میں بدترین "رجعت پسندی" کے دور میں بھی کٹر فرقہ پرستوں کے ہاتھ میں رہکر بھی اپنی اس خصوصیت کو ہمیشہ قائم رکھا کہ مشترکہ مسائل میں وہ اپنی کوئی الگ آواز بلند نہ کرے۔ متحدہ محاذ قائم کرے اور متفقہ مطالبہ حکومت کے سامنے پیش کرے۔

ہندوستانیوں کے حقوق

۱۹۱۳ء میں پھر جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کا مسئلہ زور شور سے اٹھا۔ اب جنوبی افریقہ کی حکومت نے ایک قانون بنادیا تھا جس کی رُو سے ہندوستانیوں کے جنوبی افریقہ میں داخلہ پر پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں، قیام پر پہلے ہی سے پابندیاں عائد تھیں۔

مسلم لیگ کے اجلاس آگرہ میں نواب سر ذوالفقار علی خاں نے حکومت جنوبی افریقہ کے IMMIGRATLON - ACT کے خلاف ایک احتجاجی تجویز پیش کی اور جنوبی افریقہ کی حکومت نے ہندوستانیوں کے شکایات و مطالبات کی تحقیقات کے لئے جو کمیٹی مقرر کی تھی اس کی اس بنا پر مسلم لیگ کے اجلاس میں مخالفت کی گئی اور اسے ناقابلِ قبول بتایا گیا کہ مسٹر گاندھی کو اس کمیٹی پر اعتماد نہیں ہے۔ گویا مسٹر گاندھی کو اگر کسی کمیٹی پر اعتماد نہیں ہے تو مسلم لیگ کو بھی نہیں ہے۔

چند اور تجاویز

۱۹۱۶ء میں مسٹر جناح کی زیرِ صدارت مسلم لیگ کا تاریخی اور یادگار اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں جو تجویزیں منظور ہوئیں ان میں سے چند وہ تھیں جو مشترک معاملات و مسائل سے متعلق تھیں مثلاً :-

(۱) لگان میں اضافہ کے خلاف حکومت کے طرزِ عمل پر ملامت۔

(۲) ہر صوبے میں لفٹنٹ گورنروں کے بجائے گورنروں کے تقرر کا مطالبہ

(۳) فوجداری عدالتوں کا انتظامی افسروں سے ترکِ تعلّق۔

سائمن کمیشن

۱۹۲۷ء میں حکومت نے سر جان سائمن کی زیرِ صدارت ایک کمیشن ہندوستان بھیجا تاکہ وہ ہندوستان کے سیاسی حالات کا جائزہ لے اور حکومت کے سامنے اپنی سفارش پیش کرے۔ اس کمیشن میں کسی ہندوستانی کو شریک نہیں کیا گیا۔

کانگریس نے اس کمیشن کا بائیکاٹ کیا۔ مسلم لیگ بھی کانگریس سے پیچھے نہیں رہی اس نے بھی بائیکاٹ کی تجویز منظور کی اور اپنے وجود کو خطرہ میں ڈال کر اپنے اس خود دارانہ

اور وطن پرستانہ مسلک پہ قائم رہی۔ سر محمد شفیع لیگ کے اجلاس سالانہ کے صدر مقرر ہو چکے تھے لیکن انہوں نے کھلم کھلا سائمن کمیشن سے تعاون پہ آمادگی ظاہر کی۔ مسٹر جناح نے مناسب نہ سمجھا کہ ایسا شخص لیگ کی صدارت کرے جو سائمن کمیشن کا حامی اور موید ہو۔ چنانچہ سر شفیع کے بجائے سر یعقوب[۱] صدر منتخب کئے گئے۔ سر شفیع نے اس فیصلہ سے اختلاف کیا اور ایک دوسری مسلم لیگ بنالی۔ شفیع لیگ اور جناح لیگ کے تفرقہ نے مسلم لیگ کو بہت کمزور کر دیا لیکن مسٹر جناح اس پہ اڑے رہے کہ مسلم لیگ سائمن کمیشن سے تعاون نہیں کر سکتی اور بالآخر یہی ہوا۔ سر شفیع ناکام ہوئے اور مسٹر جناح کو کامیابی ہوئی۔

---

[۱] مراد آباد کے رہنے والے، علی گڑھ کے گریجویٹ، مولانا محمد علی کے عہد طفلی کے ساتھی تھے۔ کافی عرصہ تک انڈین لیجسلیٹو اسمبلی کے ڈپٹی پریسیڈنٹ رہے۔ کئی دفعہ وائسرائے کی اگزکٹو کونسل کے عارضی ممبر مقرر رہے۔ آخر میں ریاست حیدرآباد کے مشیر اصلاحات مقرر ہوگئے۔ وہیں حرکت قلب بند ہونے سے وفات پائی۔

مابہ الامتیاز

ہندو اور مسلم قیادت کا فرق

زندگی کے ہر دور طوفانِ حوادث کے ہر ابتلا میں خیالات اور جذبات کی ہر رَو میں مسلم قائدین اور کانگرس کے ہندو ناخداؤں کے درمیان مابہ الامتیاز کیا رہا ہے؟ جناح اپنے خیالات، جذبات، تاثرات اور نظریات کے اعتبار سے ان حضرات کے مقابلہ میں کتنا بلند رہا ہے جو مختار اعظم، رہنمائے کل اور ہادی سبل سمجھے جاتے رہے ہیں؟

جب ہندوستان میں نئی نئی تحریک "ہوم رول" آزادی زیر سایہ برطانیہ کے نعرہ کے ساتھ اٹھی تو ہندوستان کے چوٹی کے لیڈروں میں بھی آزادی، سوراج اور حکومت خود اختیاری کا مقصد و مدعا صرف یہ تھا کہ اندرونی طور پہ انہیں وسیع اختیارات حاصل ہوں۔ باقی اور ہر طرح سے برطانیہ عظمیٰ کا سایہ ہما پایہ ان کے سروں پہ قائم رہے ایک زمانہ تھا جب گاندھی جی برطانوی فوج کے لئے سپاہی بھرتی کرتے تھے، تلک اور کھاپرڈے دبی زبان سے آزادی مانگتے تھے اور اس مطالبہ کے ساتھ ہی فوراً یہ بھی کہہ دیتے تھے کہ ہم برطانیہ سے قطع تعلق نہیں چاہتے ہم اس کی شہنشاہیت سے محروم ہونا پسند نہیں کرتے ہم اس کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتے ہیں، انہی آوازوں میں جب

مسٹر جناح کی آواز سنائی دیتی تھی تو وہ اس تملق اور خوشامد سے قطعاً الگ ہوتی تھی۔ جناح ڈنکے کی چوٹ کہتا تھا۔ ہم برطانیہ سے صرف مساویانہ تعلق رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے سوا اس سے کسی طرح کا تعلق رکھنا نہیں چاہتے۔

تلک کے خیالات

مسٹر بال گنگا دھر تلک جو کانگرس کے ناخداؤں میں شمار کئے جاتے تھے۔ یکم مئی ۱۹۱۶ء کو "ہوم رول" کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے بلگام میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

"آخر ہم کیا مطالبہ کرتے ہیں؟ انگریزی حکومت برقرار رہے گی۔ ملک معظم بدستور ہمارے فرمانروا رہیں گے۔ فرق صرف یہ ہوگا کہ بجائے گوروں کے ملک معظم کے کارکن کالے آدمی ہوں گے۔"

اس متن کی تشریح خود مسٹر تلک ہی کی زبان سے سنئے۔ ۱۲ مئی ۱۹۱۹ء کو انہوں نے احمد نگر میں ایک تقریر دلپذیر ارشاد فرمائی۔

"سوراج کے معنی وہ ہیں جو مسٹر کھاپرڈے نے بیان کئے ہیں۔ یعنی ہم مندر کے پجاریوں کو بدلنا چاہتے ہیں۔ بھگوان کی مورتی بدستور قائم رہے گی۔"

جناح کی آزاد خیالی

اب دیکھئے کہ عین اس زمانے میں جب تلک اور کانگرسی زعماء "بھگوان کی مورتی" کو قیام و دوام بخش رہے تھے مسٹر جناح نے کیا کہا؟ اسی ۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس لکھنؤ کا خطبۂ صدارت ارشاد کرتے ہوئے انہوں نے کہا:۔

"ہم تہیہ کر چکے ہیں کہ برطانوی حکومت پر ثابت کر دیں کہ گو ہم برطانوی سلطنت میں مساوی شریک کی حیثیت رکھتے ہیں، ورنہ ہندوستان اس سے کم پر مطمئن نہیں ہوگا۔"

تحریکِ خلافت اور اُس کا ردِّ عمل

تحریکِ خلافت ایک ہولناک اور لرزہ خیز طوفان کی طرح ہندوستان کے سیاسی مطلع پر نمودار ہوئی تھی۔ مسلمانوں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ وہ کفن سر سے باندھ کر میدانِ جہاد میں اتر چکے تھے، جیل جانا ایک کھیل بن گیا تھا۔ سینہ پر گولیاں کھانا روزمرہ کا واقعہ تھا۔

؎ عمریست کہ آوازۂ منصور کہن شد — من از سرِ نو جلوہ دہم دار و رسن را

اس طوفان کا رُخ جس نے موڑنا چاہا اس کی پگڑی سلامت نہ رہ سکی۔ یہ مسئلہ مسلمانوں کی موت و زیست کا مسئلہ بن گیا تھا انہوں نے طے کر لیا تھا کہ جو ان کے ساتھ ہے، ان کا دوست ہے اور جو ان کے ساتھ نہیں ہے وہ دشمن کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جسے انہوں نے اپنا مخالف سمجھا — غلط یا صحیح اس سے بحث نہیں — اس کا سیاسی وجود ختم کر دیا۔ محمد علی جناح کو انہوں نے گوشہ نشینی پر مجبور کر دیا۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی سے انہوں نے گستاخیاں کیں۔ اکابر علماء، صلحا، اخیار، ابرار میں سے جس نے بھی اس تحریک کی مخالفت کی اسے مسلمانوں کے قومی پلیٹ فارم سے ہٹ جانا پڑا۔ تحریکِ خلافت کے مخالف مسلمانوں کی لاشیں تک پڑی رہتی تھیں لیکن قبرستان میں دفن نہیں ہو پاتی تھیں۔ ان کی نمازِ جنازہ پڑھنے والا کوئی نہ ملتا تھا۔ مخالفین کا سماجی مقاطعہ کیا جاتا تھا اور انہیں مسلم محلوں میں رہنا دو بھر ہو جاتا تھا۔ ڈاکٹر کچلو[1] نے ہندوؤں کے

---

[1] امرتسر کے رہنے والے ہیں نسل کشمیری۔ تحریک خلافت میں علی برادران کے ساتھ گرفتار اور سزایاب ہوئے۔ پھر ہندوؤں کی سنگھٹن کے مقابلہ میں تحریک تنظیم کی بنا ڈالی ۱۹۲۸ء میں پھر کانگرس میں شریک ہو گئے ۱۹۴۷ء میں جب مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کا جبری انخلا جواہر لال کی مرضی سے ہوا۔ تو گو یا صوبہ کانگرس کے صدر تھے لیکن انہیں بھی امرتسر چھوڑنا پڑا پھر دلی آ گئے اور کمیونسٹ ہو گئے کافی بوڑھے ہو چکے ہیں لیکن جذبہ جوان ہے، اپنے مسلک پر بڑی ڈھٹائی سے قائم ہیں۔

سنگھٹن کے مقابلہ میں "مجلس تنظیم قائم کی اور وہ مسلمانوں کی نظر سے اتر گئے۔ خواجہ حسن نظامی نے "شدھی" کے مقابلہ میں "تبلیغ" کا نعرہ بلند کیا۔ لیکن مسلمانوں نے انکار کر دیا کیونکہ اس سے تحریک خلافت کمزور ہونے کا اندیشہ تھا۔ ہندو مسلم اتحاد میں خلل پڑنے کا اندیشہ تھا۔ ملک کے متحدہ محاذ کے ٹوٹ جانے کا امکان تھا۔ کانگرس کی مرکزیت کے ختم ہونے کا دھڑکا تھا اور مسلمان آزادی ہند کے نشہ میں ہندو مسلم اتحاد کے جوش میں اتنے بیخود ہو رہے تھے کہ انہوں نے واقعات سے آنکھیں بند کر لی تھیں، حقائق سے منہ موڑ لیا تھا کہ کہیں ہندو مسلم اتحاد کا آبگینہ پاش پاش نہ ہو جائے۔

لیکن ہندو لیڈر کیا کرتے رہے؟

لیکن اس دور میں ہندو لیڈر کیا کرتے رہے، انہوں نے کانگرس اور خلافت کے مخالفین سے تعلقات استوار رکھے، ان کی عقیدت میں چور اور ان کی نیاز مندی میں مخمور رہے جب مسلم لیڈر خاموش تھے اور ہندو لیڈر شدھی کے نام سے مسلمانوں کو مرتد اور سنگھٹن کے نام سے مسلمانوں کو زد و کوب کر رہے تھے تو یہ کانگرسی لیڈر مہاسبھائیوں کے پشت پناہ تھے انہوں نے برملا کبھی بھی، مہاسبھائیت کے خلاف نہ احتجاج کیا نہ جد و جہد کی۔ پھر جب ہندو مسلم فسادات شروع ہوئے تو مسلمان لیڈر عامۃ المسلمین کو امن پسندی کی تلقین کے لئے میدان میں اتر پڑے اور گاندھی جی نے کہا تو یہ کہ "ہندو بزدل ہیں اور مسلمان دنگئی"۔ انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے شردھانند کے خلاف ایک حرف نہ کہا۔ مالوی جی کی امن سوزی اور اشتعال انگیزی پر چپ سادھ لی۔ مونجے، کیلکر، جیکر اور دوسرے آتش زیر پا ہندو لیڈروں کے مقابلہ میں کبھی نہ آئے بلکہ اگر کسی مسلمان نے ان کے خلاف لب کشائی کی تو بپھر گئے۔ بگڑ گئے۔ امرتسر کے ایک جلسہ میں مولانا ظفر علی خاں نے پنڈت مدن موہن مالوی کی تفرقہ انگیزی اور فتنہ پروری کے خلاف کچھ کہہ دیا تو گاندھی جی جو صدر جلسہ تھے،

بگڑ گئے اور انہوں نے کہا "آپ نے مالوی جی پہ نکتہ چینی کر کے میرے سینہ پہ گھونسہ مار دیا!" سوامی شردھانند کا حادثہ "قتل جب واقعہ ہوا تو ان کی روش کے خلاف کسی نے ایک حرف بھی نہ کہا۔ البتہ گاندھی جی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ صدر کانگرس سری نواس آئنگر نے یادگاری فنڈ میں جیب خاص سے ایک ہزار روپیہ مرحمت فرمایا اور جواہر لال نے اپنا مرثیہ منشور یوں لکھا:۔

"سوامی شردھانند کا لانبا قد۔ گیروے کپڑوں میں لپٹا ہوا شاندار جسم بڑھاپے کے باوجود تن کر چلنا، آنکھوں سے شرارے نکلنا۔ دوسروں کی کمزوری دیکھ کر تیوری پہ بل آجانا یہ تصویر میری آنکھوں میں پھر رہی ہے اور اور دل میں پھر رہی ہے اور دل پر نقش ہے!"

(میری کہانی حصہ اول صفحہ ۲۷۲)

یہ نقش قائم رہ گیا اور وہ نقش محو ہو گیا۔ جس نے ہندو مسلم اتحاد کے خرمن میں آگ لگائی تھی جس نے قومیت متحدہ کی بہار بے خزاں کو تاراج کر دیا تھا جس نے ہندوستان کے امن و سکون کو کشت و خون کا میدان بنا دیا تھا اور لطف یہ کہ محض اتحاد قائم رکھنے اور امن برقرار رکھنے کے لئے مسلم لیڈروں نے بھی سوامی جی کا نقش ثانی یاد رکھا اور نقش اول فراموش کر دیا

گزشتہ جنگ عظیم کا ایک واقعہ

گزشتہ جنگ عظیم جب چھڑی تو گاندھی جی علی الاعلان برطانوی فوج کے لئے رنگروٹ بھرتی کرتے رہے اور جواہر لال سپاہی بننے کی تیاریاں کر رہے تھے وہ اپنی خود نوشت سوانحعمری میں لکھتے ہیں۔

"حکومت ہند نے ایک انڈین ڈیفنس فورس ترتیب دینا شروع کیا تھا یورپین فورس کے مقابلہ میں ہندوستانی فورس کے ساتھ خراب سلوک کیا گیا

(پھر بھی) یو پی میں ہم نے طے کیا کہ ہمیں بھی اس فورس میں شریک ہو جانا چاہیئے میں نے اس فورس میں نام لکھانے کے لئے درخواست بھیج دی اور اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہم نے الہ آباد میں ایک کمیٹی قائم کر لی۔"

گاندھی جی اور جواہر لال تو یہ کہہ رہے تھے اور محمد علی جناح؟ نہ رنگروٹ بھرتی کر رہا تھا نہ خود سپاہی بن رہا تھا۔ اس نے تعاون کا ہاتھ کھینچ لیا تھا حکومت سے بالفاظ واضح کہہ رہا تھا کہ میرا تعاون تمہیں اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب فوج میں ہندوستانیوں کو اعلیٰ عہدے ملنے لگیں گے، ہندوستان کے لئے درجہ نوآبادیات کا اعلان کر دیا جائے گا اور دفاع ہند کے لئے نیشنل آرمی بنائی جائے گی جو ہندوستانیوں کے ماتحت ہو گی۔ نہ حکومت نے یہ مطالبات مانے، نہ جناح کا تعاون وہ حاصل کر سکی۔

لیگ کانگرس اتحاد

مسٹر جناح نے مسلم لیگ میں شرکت اسی لئے کی تھی کہ وہ کانگرس اور لیگ میں ایک ناقابل انفصال تعلق پیدا کر دیں ۱۹۱۵ء میں کانگرس کا سالانہ جلسہ بمبئی میں ہو رہا تھا اسی موقعہ پر انہوں نے مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ بھی بمبئی میں منعقد کرایا تاکہ ملک کی یہ دو بڑی انجمنیں ایک دوسرے کو اچھی طرح سے جان سکیں، پہچان سکیں۔ اس جلسہ کی کامیابی کا سہرا صرف مسٹر جناح کے سر ہے جنہوں نے اپنے وجود، اپنی شہرت، اپنی ناموری کو خطرہ میں ڈال کر یہ اجلاس منعقد کرایا اور ایک ایسی فضا پیدا کر دی کہ ہندو اور مسلمان بہت قریب ہو گئے۔ کانگرس اور مسلم لیگ میں دوئی باقی نہ رہی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ہندو مسلم لیڈر علی الاعلان گلے مل رہے تھے اور مسلمان والنٹیر ہندو رضا کاروں کا ہاتھ بٹا رہے تھے۔ لیگ کے پنڈال کے دروازہ پر ایک کتبہ آویزاں تھا جس پر لکھا تھا ——— "اتفاق طاقت ہے"

——— ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ ہندو اور مسلمان لیڈر ایک پلیٹ فارم

پر بیٹھے ہوں۔ اس سال کے اجلاس لیگ میں جن خاص خاص غیر مسلم لیڈروں نے شرکت کی، ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) سر سنہا صدر کانگرس

(۲) سر سریندر ناتھ بنیرجی

(۳) مسز اینی بسنت

(۴) مسز سروجنی نائیڈو

(۵) پنڈت مدن موہن مالوی

(۶) مسٹر گاندھی

اس اجلاس میں مسٹر مظہر الحق صدر اجلاس نے کہا:-

"ہمیں تاریخ بتاتی ہے کہ ہم کس قدر قلیل تعداد میں یہاں آئے اور آخر عظیم الشان سلطنت کے مالک بن گئے، لیکن باوجود بادشاہ ہونے کے ہم نے ہندوستان کو اپنا وطن سمجھا کیا سلاطین مغلیہ نے ہندوستان کے علاوہ کسی اور جگہ اپنا گھر بنا رکھا تھا؟ کیا وہ سالانہ یا پانچ سال کے بعد اپنے وطن واپس چلے جاتے تھے؟ ہر سال ممالکِ اسلامیہ سے تازہ خون ہندوستان میں آتا تھا اور یہیں کا ہو جاتا تھا۔ سلاطین مغلیہ کی عمارات سے کیا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ زرِ کثیر خرچ کر کے انہوں نے ہندوستان کی رونق کو دوبالا کیا۔ کیا تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ہندوستان کے علاوہ کہیں اور بھی انہوں نے عمارات تیار کیں؟ یہ تو ایک حقیقت ہے کہ کابل کا وزیر اعظم، وزیر جنگ اور وزیر مال ہندو تھے۔ فرقہ دارانہ تعصب مسلمانوں نے کبھی بھی پاس نہ آنے دیا۔ مسلمانوں کا رشتہ عالم اسلام سے مذہبی اخوت کی بنا پر ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم اپنے معاملات میں غیر ملکی مفاد کو مدنظر رکھتے ہیں

اور جو لوگ یہ الزام لگاتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو بدنام کرتے ہیں۔"

لیگ یہ کر رہی تھی اور کانگرس کے رہنمائے اعظم مسٹر تلک "انجمن مخالفین ذبیحہ گاؤ" کو فروغ دے رہے تھے اور ہندو مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے کی سعی فرما رہے تھے۔"

سلامت روی اور توازنِ دماغ

جولائی ۱۹۱۷ء میں مسلم لیگ اور کانگرس کی مجالس تشکیل آئین کا ایک مشترک اجلاس بمقام بمبئی منعقد ہوا، اس میں طے پایا کہ ایک محضر REPRESENTATION وزیر ہند اور وائسرائے کی خدمت میں بھیجا جائے۔ مسلم لیگ کی مجلس آئین کے رہنما مسٹر جناح تھے۔ اس محضر میں حکومت برطانیہ سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ اعلان کر دے، ہندوستان کی منزلِ مقصود آزادی ہے۔

اسی اثنا میں آرہ (بہار) میں ہندو مسلم فساد ہوا مسلمان قلیل التعداد تھے اور ہندو مور و ملخ کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔ مسلمان جنگ کے خیال سے بھی دور تھے اور ہندوؤں نے ایک عرصہ سے خفیہ جنگی تیاریاں کر رکھی تھیں۔ اس فساد میں مسلمانوں کا بے انتہا جانی و مالی نقصان ہوا، ان کے گھر جلا دئے گئے معصوم بچوں کو قتل کر دیا گیا۔ سوتے ہوئے لوگوں کو چارپائی سے باندھ کر ہلاک کر دیا گیا۔ غرض کوئی ظلم ایسا نہیں تھا جو اٹھا رکھا گیا ہو۔ اس حادثہ نے آگے بڑھنے سے پہلے پھر مسلمانوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا اور وہ سوچنے لگے کہیں ہندوستان کی آزادی اور ہندو اکثریت کی حکومت کا نتیجہ یہ تو نہیں ہوگا کہ سارا ملک "آرہ" بن کر مسلمانوں کے سر اور گردن پر چلنے لگے۔"

چنانچہ مسلمانوں سے اس امر پر استصواب کے لئے کہ وہ ہندوستان کے لئے کسی قسم کے اصلاحات سیاسی چاہتے ہیں۔ ۱۴/نومبر ۱۹۱۶ء کو لکھنؤ کے قیصر باغ میں رہنمایانِ ملت اسلامیہ کا اجتماع ہوا۔ نواب محمد اسحاق خاں "سیکرٹری علی گڈھ کالج نے جلسہ کی صدارت

فرمائی۔ اس جلسہ کے سامنے دو امور زیر غور تھے، ایک تو اصلاحات سیاسی کی وہ اسکیم جو مسلم لیگ اور کانگرس کی ذیلی مجالس سے مرتب کی تھی۔ دوسرے ضلع آرہ کے لرزہ خیز حوادث۔ سر محمد یعقوب نے تجویز پیش کی کہ لیگ اور کانگرس کی مشترک اسکیم منظور کرلی جائے۔ شیخ عبداللہ وکیل علی گڈھ (سیکرٹری مسلم گرلز کالج علی گڈھ) نے آرہ کے حوادث کے پیش نظر مخالفت کی لیکن طویل اور سرگرم مباحثہ کے بعد بالآخر سر یعقوب کی تجویز منظور ہوگئی، اور مسلمانوں نے ثابت کر دیا کہ وہ اپنے سنگین ترین شکایات کو بھی، ملک کے سیاسی ارتقا کی راہ میں حائل نہیں ہونے دیتے لیکن اس سلامت روی کا صلہ مسلمانوں کو یہ ملا کہ آرہ کا زخم ابھی ہرا تھا کہ کٹار پور میں مسلمانوں کے حلقوم و گلو پہ کٹار لگی۔

ع تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

گاندھی جی کا مسلمان جانشین

۱۹۱۹ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس دہلی میں منعقد ہوا۔ مولوی فضل الحق صاحب صدر اجلاس تھے اور ڈاکٹر انصاری مرحوم، صدر مجلس استقبالیہ، اپنے خطبۂ استقبالیہ میں انہوں نے کہا:۔

"میرا غیر متزلزل عقیدہ ہے کہ ایک سچا مسلمان سچا وطن پرست ہے، اگر مسلمانانِ ترکی اور ایران کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں تو اپنے طرز عمل سے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ ہم اپنے ہموطنوں کے حقوق کی حمایت کرنے میں بھی جو غیر ممالک میں مقیم ہیں۔ وہ حق پرست یعنی محمد احمد کچالیہ ہندوستان ہی کا ایک مسلمان تھا جو جنوبی افریقہ میں عرصہ تک لڑتا اور ہمارے حقوق کے شیر دل علمبردار مسٹر گاندھی کی جانشینی کا آخر تک پورا حق ادا کرتا رہا۔ لیکن جہاں ایک مسلمان دونوں قوموں کے متفقہ حقوق کے لئے لڑنے

کو تیار ہے۔ وہاں اس ملک میں اپنی سیاسی حالت کو برقرار رکھنے کا عزم بالجزم بھی کر چکا ہے اور نہایت استقلال کے ساتھ اپنے تمام جائز حقوق کی حفاظت کرے گا۔ بیجا نہ ہوگا۔ اگر اس جگہ کٹارپور کے اندوہناک واقعات کا ذکر کیا جائے جہاں ہندوؤں نے بے قصور اور صلح جو مسلمانوں کے ساتھ بغیر کسی اشتعال کے وحشیانہ سلوک کیا، ان ہولناک واقعات کو پڑھ کر مجھے جو صدمہ ہوا وہ بیان سے باہر ہے، ناراضی اور غصہ کے جذبات جو ہم سب کے دلوں میں ہیں ان کا اظہار کرنے سے الفاظ قاصر ہیں۔ اس قسم کے واقعات دونوں قوموں کے تعلقات کو خراب کرتے ہیں اور اس باہمی اتحاد کی بنیاد پر تیشہ چلاتے ہیں جس کے ہم سب آرزومند ہیں۔ اگر مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کریں تو یقیناً ہندو بھی مسلمانوں سے جدا رہ کر اپنی منزل مقصود تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے، دونوں کا مطمعِ نظر رواداری نہ کہ انتقام ہونا چاہیے۔"

آرہ اور کٹارپور کا جواب

آرہ اور کٹارپور میں مسلمانوں پر جو ظلم توڑا گیا تھا جس بیدردی سے انہیں ہلاک کیا گیا تھا جس شقاوت اور درندگی کا مظاہرہ کر کے معصوم بچوں اور پردہ نشین عورتوں کو ہلاکت کے گھاٹ اتارا گیا تھا اس کا جواب کیا مسلمانوں نے یہ دیا کہ سندھ پنجاب، سرحد اور بنگال میں ہندوؤں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا؟ انہیں مارا۔ قتل کیا اور لوٹ لیا؟ اگر یہ ہوتا تو تعجب نہ ہوتا لیکن اب دیکھئے کہ مسلمانوں نے آرہ اور کٹار کے میدانِ شہادت کا کیا جواب دیا؟

۱۹۱۹ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس امرتسر میں منعقد ہوا۔ مسیح الملک حکیم اجمل خاں

اس اجلاس کے صدر تھے انہوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا۔ ماضی کو فراموش کر دینے کی فہمائش کی۔ ان کی صدارت میں لیگ نے کانگرس کی تائید کرتے ہوئے ایک تجویز منظور کی:۔

"بقرعید کے موقعہ پر گائے کے بجائے جہاں تک ہو سکے دوسرے جانور قربان کئے جائیں۔"

آرہ اور کٹارپور کے مظالم کا جواب اس سے بہتر مسلمان کیا دے سکتے تھے لیکن یہ جواب آخری جواب نہ تھا۔ دوسرا جواب علی برادران نے دیا جو ابھی ابھی بیتول جیل سے رہا ہو کر قید و بند کا ایک طویل زمانہ گزار کے رہا ہوئے تھے اور اس اجلاس میں موجود تھے۔ علی برادران نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ آرہ اور کٹارپور کے ان ہندو قاتلوں کے لئے جنہوں نے نہتے مسلمانوں، معصوم بچوں، پردہ نشین عورتوں کو بڑی بے دردی سے قتل کیا تھا۔ پھانسی کی سزا سے بچا لیں۔ صرف اس اپیل پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وائسرائے کو یہ درخواست بھجوا بھی دی۔

جواب لاجواب

مسلمانوں کی اس عدیم المثال رواداری، یادگارِ زمانہ، فراخ دلی اور ناقابل فراموش شرافت کا جواب ہندوؤں نے کیا دیا؟ کیا وہ مسلمانوں کو اپنا چھوٹا بھائی سمجھنے لگے؟ کیا یہ کہ اس نے ظلم و ستم کی سرپرستی سے ہاتھ اٹھا لیا؟ کیا یہ کہ اس نے شر انگیزی اور فتنہ پروری کی پالیسی ترک کر دی؟ کیا یہ کہ اس نے ہندو مسلم اتحاد کو اپنا شعار بنا لیا؟ کیا یہ کہ اس نے جور و جفا سے توبہ کر لی؟ اور اخوت و محبت کا پیمان استوار کر لیا؟

یہ کچھ نہ ہوا، ہوا تو یہ کہ سوامی شردھانند جو رولٹ ایکٹ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے گرفتار اور سزایاب ہوئے تھے ۱۹۲۱ء میں اپنی معیادِ اسیری ختم ہونے سے پہلے رہا کر دئے گئے اور رہا ہوتے ہی انہوں نے جو کام شروع کیا وہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو "شدھ" کر لیا

جائے یعنی انہیں مرتد بنا لیا جائے۔ سوامی جی کا خیال تھا اگر ہندوستان میں ایک ہی قوم۔ ہندو ۔۔۔۔ رہے تو آزادی بھی آسانی سے مل جائے گی اور آزادی کے بعد سکھ اور چین کی زندگی بھی بسر کی جاسکے گی۔ لہٰذا ملکانہ راجپوتوں کے اسلام پر سب سے پہلا حملہ کیا گیا اس اقدام نے سارے ملک میں ایک تہلکہ برپا کر دیا مسلمان بھڑک اٹھے، ان کی آنکھیں کھل گئیں۔

سوامی جی مسلمانوں کو ہندو تو نہ بنا سکے لیکن ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان انہوں نے بدظنی، بے اعتمادی نفرت اور برہمی کی ایک ناقابلِ عبور خلیج حائل کر دی۔

پھر کیا ہوا ؟

مسلمانوں سے زیادہ دنیا میں مذہب پرست کون ہے ؟ اب تک ان کے حلقوم و گلو پر ان کے اعضا و جوارح پر حملے ہو رہے تھے۔ اب تو حملہ عین قلب پر ہو رہا تھا، روح پر ہو رہا تھا۔ اب تو یقیناً مسلمان مشتعل ہو گئے ہوں گے ؟ ہندو مسلم اتحاد پر لعنت بھیج دی گئی ہو گی ؟ متحدہ محاذ کے خیالِ باطل سے دستبردار ہو گئے ہوں گے ؟ اور کھلم کھلا میدان میں آ گئے ہوں گے ؟ نہیں مسلم قیادت اب بھی پر اُمید تھی۔ وہ ہندوستان کو میدانِ جنگ نہیں بنانا چاہتی تھی، اخوت اور اعتماد باہمی کی جنت بنانا چاہتی تھی وہ اشتعال کی رو میں بھی نہیں بلکہ افتراق کی آگ پر پانی بن کر گرتی اور اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتی رہی۔

گاندھی جی کی طرف سے کانگرس کے ہندو لیڈروں کی طرف سے شدھی کی سوامی کو اور سنگھٹن کی مالوی جی کو پوری پوری آزادی حاصل تھی کیا مجال ہے جو موتی لال اور جواہر لال جیسے "لامذہب" تک نے اپنے ان غلط کار ہم مذہبوں کو ٹوکا ہو تا۔ البتہ مسلمانوں نے یہ کیا کہ مجلسِ خلافت نے ڈاکٹر کچلو کو خلافت کمیٹی سے برطرف کر دیا کیونکہ وہ "تنظیم" کے علمبردار تھے اور محمد علی نے خواجہ حسن نظامی کے خلاف میدانِ جنگ قائم کر دیا کیونکہ وہ تبلیغ کے سپہ سالار تھے مسلم لیگ میں اگر کسی نے شدھی اور سنگھٹن کے خلاف لب کشائی

کی تو مسٹر جناح شمشیر براں بن گئے۔ علی برادران اور جناح کی یہ روش اس لئے تھی کہ یہ اب تک ہندو مسلم اتحاد کے خواہاں اور جویا تھے۔

۱۹۲۵ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس سر عبد الرحیم کی زیرِ صدارت بہ مقام علی گڑھ منعقد ہوا۔ موصوف نے اپنے خطبۂ صدارت میں ارشاد فرمایا۔

ہندو مہاسبھا شدھی، سنگھٹن کے علاوہ لالہ لاجپت رائے اور سوامی شردھانند ایسے سیاستدان بھی مسلمانوں پر ناجائز حملے کرنے سے باز نہیں آتے جس طرح اسپین والوں نے مورس (مسلمانوں) کو اسپین سے نکالا اسی طرح مسلمانوں کو ہندوستان سے نکال ڈالنے کے لئے چند ہندو لیڈروں نے بھی کھلم کھلا طور سے اعلان کر دیا ہے لیکن میرے ہندو دوستوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مسلمان ان کے منہ سے کہیں بڑا لقمہ ہیں !"

خطبۂ صدارت کے اس حصہ میں یہ وضع احتیاط خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ ہندو ذہنیت مہاسبھائی شر انگیزی اور ہندو قیادت کا یہ شاکی صدر مسلم لیگ "سب" ہندو رہنماؤں کو زیرِ بحث نہیں لاتا، صرف "چند" کا ذکر کرتا ہے، یہ گاندھی جی کی معنی خیز خاموشی کو پی جاتا ہے۔ موتی لال کی مہاسبھائیت نوازی پر خاموش رہتا ہے۔ کانگرس کی طرف سے ہندو مہاسبھا کی جو حوصلہ افزائی ہو رہی تھی اس کا ذکر بھی نہیں کرتا۔ صرف چند نمایاں ترین مہاسبھائیوں کا ذکر کرتا ہے۔ شاید ابھی تک اس کے ٹوٹے ہوئے اور زخم خوردہ دل میں گنجائش ہے ابھی تک یہ گاندھی سے، موتی لال سے کانگرس سے مایوس نہیں ہوا۔

مسلم فرقہ پرست بڑے بڑے ہندو وطن پرست کے مقابلہ میں بھی کتنا صابر کتنا ضابط کتنا محتاط ہوتا ہے ؟

سادگی

یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی آرہ اور کٹار پور کے واقعات سے آگاہ ہوتے ہوئے

بھی شدھی اور سنگھٹن کی تحریک تازیانہ ملاحظہ فرماتے ہوئے بھی مولانا مذہب جواہر لال کی نگاہ میں ہندو کتنا معصوم اللہ بھولا ہے۔

"مختلف ممالک نے مختلف قسم کے جانوروں کو اپنے مقاصد یا سیرت کے اظہار کے لئے علامت کے طور پر اختیار کر رکھا ہے مثلاً ریاستہائے متحدہ (امریکہ) اور جرمنی نے عقاب، انگلستان نے شیر اور بل ڈاگ، فرانس نے رزم آزما مرغ قدیم روس نے ریچھ اختیار کر رکھا ہے کیا جانوروں کو قومی نشان بنانے سے قوموں کی سیرت پر کچھ اثر پڑتا ہے۔ ان میں سے اکثر لڑنے والے جانور بلکہ درندے ہیں لہٰذا یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ جن قوموں نے اس قسم کی مثالوں کو سامنے رکھ کر نشو و نما پائی ہے انہوں نے خود بھی قصداً اس قسم کے عادات و خصائل اختیار کر لئے ہیں۔ وہ دوسروں پر جھپٹتے ہیں، غراتے ہیں اور موقع پا کر دبوچ لیتے ہیں۔ اسی طرح اگر ہندوؤں کے دل میں حلم اور عدم تشدد کا غلبہ ہے تو اس پر بھی کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ان کا قومی نشان گائے ہے۔"

(میری کہانی حصہ دوم صفحہ نمبر ۱۳۵)

سُبحان اللہ!

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

○

نہرو رپورٹ

○

شدھی اور سنگھٹن کے افتراق انگیز طوفان نے، مسلمانوں کے دلوں میں ہندوؤں کے خلاف ایک تلخی اور بد مزگی پیدا کر دی تھی لیکن وہ جوابی طور پر آمادہ عمل نہ ہوئے ان کے پیش نظر صرف یہ تھا کہ پہلے انگریزوں سے آزادی حاصل کر لی جائے پھر یہ باہمی اور خانگی تنازعات طے کر لئے جائیں وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے اور ہندو اپنا کام کئے جا رہے تھے کہ ۱۹۲۷ء میں سائمن کمیشن کے چرچے نے، ہندوستان کی سیاسی فضا میں ایک تموج پیدا کر دیا، ٹوٹے ہوئے دل پھر جڑنے لگے، شکستہ تعلقات پھر استوار ہونے لگے۔ مشترک معاملات میں متحدہ محاذ پھر بن گیا۔ ہندوؤں سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ مسلمانوں نے سائمن کمیشن کا بائیکاٹ کیا مشترک جلسوں اور جلوسوں میں بڑھ چڑھ کے حصہ لیا اور مسلمانوں کے جوش و خروش کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ لکھنؤ میں سائمن کمیشن سے واپس جاؤ (GO BACK -) کہنے کے لئے سمرقندی کے موسم میں علی الصباح جو جلوس چار باغ اسٹیشن پر گیا اس میں شہر سے ایک دور افتادہ مقام اور خالص عربی درسگاہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے طلبا بھی پیش پیش تھے۔ سائمن کمیشن کی آمد نے پھر ایسا

موقع پیدا کر دیا کہ مسلم اور ہندو قیادت میں اشتراک و تعاون ہو مسلمان تو اس قسم کے مواقع کے جویا رہتے تھے وہ فوراً آمادۂ تعاون ہو گئے۔

چودہ نکات

مسلمان سائمن کمیشن کے وقت ہی سے چونک چکے تھے۔ مسٹر جناح آئے دن کے مناقشوں اور ہنگامہ آرائیوں سے تنگ آ چکے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مستقل مفاہمت اور مصالحت اور مخلصانہ تعاون باہمی کی کوئی صورت نکل آئے یہ جھگڑے ختم ہوں اور صلح و سلام کا دور شروع۔ انہوں نے ۱۹۲۹ء میں اپنے چودہ نکات مرتب کئے تھے یہ مسلمانوں کے کم از کم اور زیادہ سے زیادہ معقول مطالبات تھے۔ ۲۰ مارچ ۱۹۲۹ء کو دہلی میں مسلم زعماء کا ایک اجتماع ہوا۔ اس نے بھی یہ نکات منظور کر لئے۔ ان نکات کی تشکیل میں مولانا محمد علی مرحوم کے مشوروں کو بھی خاصا دخل تھا لیکن تھا یہ سب کچھ جناح کا دماغی شاہکار۔ ہندو سب سے زیادہ جداگانہ انتخاب سے بھڑکتے تھے۔ ان نکات میں جداگانہ انتخاب مشروط طور پر ترک کر کے مخلوط انتخاب پر آمادگی ظاہر کی گئی تھی اور اس طرح ہندوؤں کی طرف پھر پورے خلوص اور سچائی کے ساتھ دستِ تعاون مسلمانوں نے بڑھایا اور کہہ دیا کہ اگر ہمارے یہ معمولی مطالبات منظور کر لئے جائیں تو ہم جداگانہ انتخاب سے دستبردار ہو جائیں گے۔ سائمن کمیشن کے سفارشات خواہ کچھ ہوں ہم اس میثاق پر قائم رہیں گے۔ مسٹر جناح کے مشہور نکات یہ تھے۔

(۱) آئندہ دستور وفاقی اصول پر مبنی ہوگا۔

(۲) صوبوں کو کامل خود مختاری حاصل ہوگی اور ہندوستان کے تمام صوبوں کو بلا کسی استثنا کے اصلاحات دی جائیں گی۔

(۳) ملک کی مجالس آئین ساز کی تشکیل اس معین اصول پر ہوگی کہ ہر صوبہ میں اقلیتوں کو کافی اور موثر نیابت حاصل رہے اور کسی اکثریت کو گھٹا کر اقلیت یا مساوات کے درجہ تک نہ پہنچا دیا جائے۔

(۴) مرکزی مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کی نیابت ایک تہائی سے کم نہ ہو۔

(۵) فرقوں کی نمائندگی و نیابت جداگانہ انتخاب کے اصول پر ہوگی جس طرح اب ہوتی ہے البتہ ہر قوم مجاز ہوگی کہ اپنی خوشی سے اپنے اس قانونی حق سے دستبردار ہو جائے۔

(۶) ہندوستانی صوبوں کی تقسیم میں آئندہ کوئی تبدیلی ایسی نہیں کی جائے گی جس کا اثر صوبہ سرحد، پنجاب اور بنگال کی مسلم اکثریتوں پر پڑے۔

(۷) تمام ملتوں کے لئے ضمیر و مذہب کی آزادی، تنظیم و اجتماع کی آزادی عبادت و رسوم کی آزادی، تعلیم و تبلیغ کی آزادی، تنظیم و اجتماع کی آزادی تسلیم کی جائے۔

(۸) کوئی مسودہ قانون، قرارداد یا تحریک کسی مجلسِ قانون ساز میں منظور نہ ہو سکے گی اگر کسی قوم کے تین چوتھائی (۳/۴) ممبرانِ مجلس اسے اپنے قومی مفاد کے خلاف قرار دیں۔

(۹) سندھ کو بغیر کسی شرط کے بمبئی سے علیحدہ کر کے ایک جدید صوبہ بنایا جائے۔

(۱۰) صوبہ سرحد اور بلوچستان میں ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے مساوی نافذ کی جائیں۔

(۱۱) حکومت کے ذمہ دار عہدوں اور سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کو دوسری قوموں کے پہلو بہ پہلو صلاحیت و کارکردگی کا لحاظ رکھتے ہوئے مناسب حصہ دیا جائے۔

(۱۲) دستور اساسی میں ایسے کافی تحفظات رکھے جائیں جن کی رو سے اسلامی کلچر، اسلامی تہذیب و تمدن کی حفاظت، ترقی اور مسلمانوں کی تعلیم و زبان اور رسم الخط اور مذہبی پرسنل لاء اور اسلامی اداروں کی ترقی و حمایت کے لئے حکومت اور حکومت کے دوسرے اداروں سے گرانٹ میں مناسب حصہ حاصل کیا جائے۔

(۱۳) کسی صوبہ کی کابینہ وزارت میں کم از کم ۱/۳ مسلم نیابت کے بغیر ترکیب نہ دی جائے۔

یعنی ہر وزارت کی ترتیب میں ۱/۳ مسلم وزیروں کی شرکت ضروری ہے۔

(۱۴) دستور اساسی میں کوئی ترمیم یا تبدیلی اس وقت تک نہ کی جا سکے گی جب تک وفاق ہند کے سارے ممبر یعنی ہندوستان کے صوبے اور دیسی ریاستیں اسے تسلیم نہ کر لیں۔

مشکلاتِ راہ

مسٹر جناح کے یہ نکات مسلم لیڈروں نے تسلیم کر لئے۔ مولانا محمد علی مرحوم نے خاص طور پر انہیں پسند کیا اس وقت تک جناح عوامی لیڈر نہیں تھے۔ صرف تعلیم یافتہ طبقہ انہیں مانتا تھا۔ مولانا محمد علی مرحوم عوامی لیڈر تھے انہوں نے ان نکات کو تسلیم کیا اور ان کی تبلیغ و تلقین کے لئے اپنی زبان و قلم کو وقف کر دیا اور مسٹر جناح کی بڑی مشکل آسان کر دی۔

اب ایک دوسری مشکل پیش آئی۔ ہندوؤں نے یہ بات بڑی خوشی سے مان لی کہ مسلمان مخلوط انتخاب کے لئے راضی ہو گئے لیکن ان کے دوسرے مطالبات جن کی منظوری پر مخلوط انتخاب مشروط تھا ماننے سے صاف انکار کر دیا یعنی نہ وہ یہ ماننے پر تیار تھے کہ سندھ کو بمبئی سے الگ کیا جائے نہ یہ مان رہے تھے کہ سرحد کو مساوی اصلاحات دے دی جائیں، نہ وہ مرکزی اسمبلی میں ۱/۳ نیابت کے حامی تھے وہ کوئی مطالبہ بھی نہیں مان رہے تھے۔ اب مسلم فرقہ پرستوں نے جناح اور محمد علی پر آوازے کسنے شروع کر دئے کہ اسی بل بوتے پہ مخلوط انتخاب تسلیم کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ جب ہندو رہنماؤں کی ذہنیت اب یہ ہے تو آگے چل کر کیا ہو گی؟

آخر محمد علی مرحوم اور جناح کی مساعی جمیلہ نے یہ مشکل بھی آسان کر دی۔ اتفاق سے کانگرس کے صدر سری نواس آئنگر تھے جو سی آر داس کے بعد سب سے زیادہ معقول اور معاملہ فہم ہندو تھے انہوں نے بڑی مشکل کے بعد یہ نکات آل انڈیا کانگرس کمیٹی اور کانگرس کی مجلس عاملہ سے بھی منظور کرا لئے اور ایک بہت بڑا پتھر راستہ سے ہٹ گیا۔ اب محمد علی نے

(محمد علی جناح اور محمد علی جوہر) کے لئے پالا مار لینا کیا مشکل تھا۔ مسلم فرقہ پرست منہ دیکھتے رہ گئے۔ اور یہ نکات مسلم قوم کے مطالبات بن گئے۔

۱۹ اپریل کے روزنامہ ہمدرد میں محمد علی نے اس موضوع پر ایک طویل مقالہ اپنے دستخط کے ساتھ شائع کیا، فرمایا:-

"الحمد اللہ کہ ۲۰ مارچ ۱۹۲۷ء کو مختلف الخیال مسلمانوں کو خداوند کریم نے ایک ایسی اسکیم سجھا دی جو دونوں ملتوں میں توازن قائم کر دیتی ہے۔ قدرت نے ہمیں اس طرح تقسیم کر دیا ہے کہ دو بڑے صوبوں یعنی بنگال و پنجاب میں ہمیں تھوڑی سی اور سرحد کے مختصر سے صوبہ میں ایک بہت بڑی اور سندھ میں بھی ہمیں ایک بڑی اکثریت حاصل ہے۔ اب تک ہمیں (مسلم) اقلیت کے حقوق کی حفاظت کے لئے شور مچانا پڑتا تھا لیکن ہندو اکثریت اسے قوم پروری کے خلاف سمجھتی تھی۔ اگر صوبہ سرحد کو بھی حق انتخاب مل جاتا اور ہمیں وہاں اتنی ہی بڑی اکثریت حاصل ہو جاتی جو ہنود کو متعدد صوبوں میں حاصل ہے تو وہاں کی ہندو اقلیت بھی اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے ہماری طرح مطالبہ کرتی اور اس کی قوم پروری کا بھانڈا پھوٹ جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہنود نے سرحد کو حق انتخاب دئے جانے کی مخالفت کی اور یہی وجہ ہے کہ وہ سندھ کی حلقہ بمبئی سے علیحدگی کی بھی مخالفت کر رہے ہیں لیکن خداوند کریم نے ہماری اقلیت کو غیر مساوی طریقہ پر پھیلا کر ہمارے تحفظ کا سامان کر دیا ہے ——— ہندو اکثریت ہر جگہ مسلمانوں کو اقلیت ہی میں رکھنا چاہتی ہے خود کہیں بھی اقلیت میں رہنا نہیں چاہتی۔

نہرو رپورٹ

سائمن کمیشن کے سفارشات ابھی پارلیمنٹ کے سامنے پیش نہیں ہوئے تھے لیکن ہندوستانیوں میں اس کی تشکیل، اس کی کارروائیوں، اور اس کی حیثیت کے بارے میں ایک ہیجان بپا تھا اسی اثنا میں مسٹر برکن ہیڈ وزیر ہند نے پارلیمنٹ میں ایک بیان دیتے ہوئے کہا ہندوستانی اس درجہ منقسم، مختلف اور ایک دوسرے سے بیزار ہیں کہ وہ ایک متحدہ دستور اساسی بھی نہیں بنا سکتے۔

اس چیلنج کو ہندوستان کے سیاستدانوں نے اور کانگرس نے منظور کر لیا، طے ہوا کہ ایک دستور اساسی بنایا جائے اور ہندوستان کے مطالبہ کی صورت میں حکومت کے سامنے اسے پیش کر دیا جائے چنانچہ پنڈت موتی لال نہرو کی زیر صدارت ایک مجلس تشکیل دستور قائم کی گئی اس کمیٹی میں غیر کانگرسی سیاستدان بھی ممبر بنائے گئے کمیٹی نے ہندوستان کی تمام سیاسی جماعتوں کا اتحاد عمل حاصل کرنے کی کوشش کی۔ تمام سیاسی جماعتوں کا نقطۂ نظر معلوم کرنا چاہا، تمام سیاسی جماعتوں کے معقول و مناسب مطالبات تسلیم کر لینے کا اعلان کیا، مجلس خلافت کی نمائندگی اس کمیٹی میں مسٹر شعیب قریشی کر رہے تھے۔

لیکن جب کام شروع ہوا تو معلوم ہوا کہ موتی لال اور ان کے ہندو رفقا کسی کٹر سے کٹر مہاسبھائی سے تعصب اور بددیانتی میں کم نہیں ہیں، ایک ایسا دستور وضع کیا جا رہا ہے جس میں ہندو اکثریت کو سب کچھ مل جائے گا اور مسلم اقلیت بالکل محروم رہ جائے گی۔ جناح کے چودہ نکات تک جنہیں ہندو کانگرس منظور کر چکی تھی پنڈت نہرو کے دربار میں شرف باریابی نہ حاصل کر سکے گویا کمیٹی نے خود کانگرس کی طے شدہ پالیسی، اس کے طے شدہ مسلک اس کے طے شدہ اصول پہ پانی پھیر دیا۔ یہ رنگ دیکھ کر مسٹر شعیب قریشی الگ ہو کے بیٹھ رہے اور انہوں نے رپورٹ پہ دستخط تک نہیں کئے۔ گاندھی جی نے شعیب صاحب کو "متعصب مسلمان" کا طعنہ دیا اور موتی لال نے شعیب کی جگہ چودھری خلیق الزمان اور تصدیق احمد خاں شروانی کو لے لیا۔

اگست ۱۹۲۸ء میں یہ رپورٹ آل پارٹیز کانفرنس لکھنؤ میں پیش ہوئی۔ مجلس خلافت کی طرف سے مولانا شوکت علی مرحوم نے اس کی مخالفت کی اور اعلان کیا کہ مسلمان اس رپورٹ کو منظور نہیں کر سکتے کیونکہ اس میں کوئی بھی اہم مطالبہ مسلمانوں کا منظور نہیں کیا گیا تھا۔ پنجاب میں انہیں اقلیت بنا دیا گیا تھا۔ بنگال میں ہندو اقلیت ان پر مسلط کر دی گئی تھی۔ سندھ کی علیحدگی بھی واضح الفاظ میں تسلیم نہیں کی گئی تھی۔ مرکزی اسمبلی میں ایک تہائی نشستیں بھی مسلمانوں کو دینے سے انکار کر دیا گیا تھا۔ غرض ان کے جائز مطالبات میں سے کوئی بھی اہم اور بنیادی مطالبہ تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔

مولانا محمد علی بغرض علاج یورپ گئے ہوئے تھے مسٹر جناح بھی ہندوستان سے باہر تھے صرف مولانا شوکت علی تھے جو مسلمانوں کی پشت پناہ بن کر لڑ رہے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد مولانا محمد علی آ گئے انہوں نے کوشش کی کہ پنڈت نہرو اپنی غلطی کی تلافی کر لیں لیکن کامیاب نہ ہوئے آخر وہ بھی مخالفین کی صف میں شریک ہو گئے۔ علی برادران کا استدلال یہ تھا کہ یہ کوئی ہنگامی اور وقتی مسئلہ نہیں ہے جس پر مسلمان سکوت اختیار کر لیں اور اپنی عارضی حق تلفی برداشت کر کے اسے منظور کر لیں۔ یہ ہندوستان کا نظام حکومت ہے اس وقت اگر مسلمان خاموش رہے تو آئندہ کس بنیاد پہ اپنے حقوق کے لئے لڑیں گے۔ کیا ان سے یہ نہیں کہہ دیا جائے گا، اب شور و شر کیوں کر رہے ہو، دستور سازی کے وقت کیوں خاموش تھے؟

جناح کی آمد

دسمبر ۱۹۲۸ء میں کلکتہ قومی اجتماعات کا مرکز قرار پایا۔ کانگرس، مسلم لیگ، مجلس خلافت سب کے سالانہ اجلاس یہیں ہو رہے ہیں۔ انہی اجلاسوں میں نہرو رپورٹ کے مسودہ قبول کا مسئلہ طے ہونا چاہیئے تھا۔ اب مسٹر جناح بھی واپس آ چکے تھے، وہ دیکھ رہے تھے اس رپورٹ نے ان کے چودہ نکات کا قتل عام کر دیا ہے۔ پھر بھی وہ نہرو رپورٹ کی مخالفت نہیں کر رہے تھے بلکہ حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے لئے

مولانا محمد علی کا نام شوکت علی نے مسلم لیگ کونسل میں پیش کیا لیکن جناح نے راجہ صاحب محمود آباد سر علی محمد خاں کے نام کی حمایت کی اس لئے نہیں کہ وہ محمد علی کے مخالف تھے اور علی محمد کے دوست تھے اس لئے کہ محمد علی نہرو رپورٹ کے علانیہ مخالف تھے اور علی محمد نہرو رپورٹ کے علانیہ حامی تھے۔ جناح نہرو رپورٹ کے مخالف کو، لیگ کے اجلاس کا صدر بنانا نہیں چاہتے تھے وہ چاہتے یہ تھے کہ نہرو رپورٹ کا حامی مسلم لیگ کی صدارت کرے اور رپورٹ پر آخری غور و فکر کے لئے کانگرس کی طرف سے جو "کنونشن" منعقد ہونے والی ہے اس میں دوستانہ اور مخلصانہ طور پر چند معمولی ترمیمات منظور کرا کے مسلمانوں کو نہرو رپورٹ منظور کر لینے پر آمادہ کرے تاکہ وہ حکومت برطانیہ کے سامنے اپنا متحدہ مطالبہ پیش کر سکے "متحدہ مطالبہ" "متحدہ محاذ" "متحدہ دستور" جناح کو اس قدر عزیز تھا کہ انہوں نے چودہ نکات سے بھی دست برداری اختیار کر لی اب وہ صرف چند مطالبات کانگرس سے منظور کرانا چاہتے تھے اور اس کے بعد پوری قوت کے ساتھ نہرو رپورٹ کی تبلیغ و حمایت کے لئے وقف ہو جانا چاہتے تھے۔

لیگ کا سالانہ اجلاس

سر علی محمد خاں راجہ محمود آباد کی زیر صدارت سالانہ اجلاس البرٹ ہال میں دسمبر ۱۹۲۹ء میں منعقد ہوا، جناب صدر نے اپنے خطبۂ صدارت میں ارشاد فرمایا:-

"میرے خیال میں ہر شخص کا یہ لازمی فرض ہے کہ وہ نہرو رپورٹ کی حمایت کرتے ہوئے اور درجہ نو آبادیات کا مطالبہ کرے، فرقہ وارانہ اختلاف کا حل اس وقت تک ناممکن ہے جب تک دونوں جماعتیں تنگ خیالی کو دور کرتے ہوئے انصاف کی راہ اختیار کریں گی۔ مرکزی اسمبلی میں مسلم نشستوں کا تعین مسلم اکثریت کے صوبوں کی آبادی کے لحاظ سے نشستوں کی تعین اور اسی طرح کے دوسرے مسئلے ایسے ہیں جنہیں ہم لوگ باہمی مصالحت سے طے کر سکتے ہیں"۔

خلافت کانفرنس میں نہرو رپورٹ کے خلاف طوفان بپا تھا اور مسلم لیگ کے اجلاس میں اگرچہ ابھی تک نہرو رپورٹ باقاعدہ منظور نہیں ہوئی تھی۔ لیکن خطبۂ صدارت میں اسے اور اس کے نصب العین درجہ نو آبادیات کو منظور کر لینے کی رائے دی جا رہی تھی، حالانکہ مولانا حسرت موہانی کا سب سے بڑا اعتراض یہی تھا کہ نہرو رپورٹ اس لئے ناقابل قبول ہے کہ اس نے آزادی کامل کی بجائے درجہ نو آبادیات کا نصب العین کیوں پیش کیا ہے؟

مسٹر چاگلا کی تجویز

خطبۂ صدارت کے بعد مسٹر چاگلا (موجودہ جج ہائی کورٹ بمبئی) نے تجویز پیش کی کہ کانگرس کی طرف سے منعقد ہونے والی نیشنل کنونشن میں حصہ لینے کے لئے لیگ کی جانب سے حسب ذیل حضرات منتخب کئے جائیں:-

(۱) راجہ صاحب محمود آباد صدر اجلاس (۲) مسٹر محمد علی جناح صدر مستقل
(۳) ڈاکٹر سیف الدین کچلو (۴) مسٹر چاگلا
(۵) ڈاکٹر سید محمود (۶) مولانا ظفر علی خاں
(۷) نوابزادہ لیاقت علی خاں (۸) چودھری خلیق الزمان
(۹) مسٹر عبداللہ بریلوی

یہ نام پیش کرنے کے بعد، محرک، مسٹر چاگلا نے کہا:-

"ہمارے وفد کو چاہیئے کہ نہرو رپورٹ کے نکات پر کافی احتیاط سے غور و خوض کرے اور یہ سوچ لے کہ گذشتہ سال (دسمبر ۱۹۲۷ء) میں ہم نے جو مطالبات (جناح کے چودہ نکات) پیش کئے تھے وہ اس میں شامل کئے گئے ہیں یا نہیں؟ نیز یہ کہ نہرو رپورٹ میں کہاں تک مسلمانوں کے حقوق کا خیال رکھا گیا ہے؟ نہرو رپورٹ میں پنجاب اور بنگال کے مسلمانوں

کے لئے نشستیں مقرر نہیں کی ہیں لہٰذا وفد کا یہ فرض ہے کہ وہ اس خیال سے آگاہ کرے کہ آیا یہ مسلمانوں کے لئے سود مند ہے یا مضرت رساں۔"

مالوی جی کی تشریف آوری

اس جلسہ میں از راہِ بندہ پروری و نوازش خسروانہ پنڈت مدن موہن مالوی بھی تشریف لائے تھے اور انہوں نے ایک تقریر بھی کی تھی جس میں ہندو مسلم اتحاد پر فلسفیانہ خیالات کا اظہار فرمایا تھا۔ آپ نے اپنی تقریر میں کہا تھا:۔

"ہم اگر آج سے اپنے آپ کو پہلے ہندوستانی بعد میں ہندو یا مسلمان سمجھیں تو فوراً سوراج حاصل کر سکتے ہیں۔"

اس تقریر کے بعد مسٹر جناح فوراً اٹھے اور انہوں نے جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"آج پنڈت جی نے جو دعوت دی ہے وہ میرے لئے بے انتہا دل خوش کن اور مسرت بخش ہے۔ میری دلی تمنا ہے کہ ہندو مسلمان اپنے اپنے اختلافات فراموش کر کے آپس میں مل جائیں۔"

کنونشن کا اجلاس

۲۸ دسمبر ۱۹۲۸ء کو کلکتہ میں آل انڈیا نیشنل کنونشن کانگریس کی طرف سے نہرو رپورٹ پر غور کرنے، ترمیمیں پیش کرنے اور آخری فیصلہ کرنے کے لئے منعقد ہوئی۔ خلافت کمیٹی نے اس کا بائیکاٹ کیا تھا۔ لہٰذا اس کا کوئی نمائندہ نہیں تھا۔ صرف مولانا محمد علی ذاتی حیثیت سے تشریف لائے تھے۔ مسٹر سین گپتا کی تقریر کے بعد انہوں نے درجہ نوآبادیات کی مخالفت میں تقریر کی لیکن ہندو اکثریت نے انہیں بولنے نہ دیا۔ وہ اپنی تقریر نا تمام چھوڑ کر چلے گئے۔ مسلم لیگ نے بائیکاٹ نہیں کیا تھا لہٰذا اس کے نمائندے موجود تھے۔

سب سے پہلے مسٹر برکت علی نے ایک دل ہلا دینے والی تقریر کی اور جناح کے چودہ نکات کے مطابق ترمیمیں منظور کر لینے کا مشورہ دیا۔ پھر مسٹر جناح اٹھے، انہوں نے حالات کی نزاکت، ہندو مسلم اتحاد کی اہمیت، آزادی و حریت کی قدر و قیمت، مسلم مطالبات کی معقولیت پر ایک نہایت شستہ اور منجھی ہوئی تقریر کی۔ اس تقریر سے سر تیج بہادر سپرو سب سے زیادہ متاثر ہوئے جو نہرو کمیٹی کے ایک ممبر بھی تھے۔ سر سپرو نے اپنی تقریر میں کہا۔

ہم یہاں صرف ایک تماشے کے آئے ہیں کہ جس طرح ہو آپس میں سمجھوتہ ہو جائے۔ اگر آپ اعداد و شمار کا تجزیہ کریں تو آپ کو معلوم ہو گا۔ نامزد ممبران سمیت مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کا تناسب ۲۷ فیصد ہے اور مسٹر جناح ۳۳ فیصد کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ میں نہ جناب صدر کا غیر وفادار ہوں، نہ نہرو رپورٹ کا۔ لیکن میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ اس مسئلہ پر ہمیں مفاہمت سے اعراض نہیں کرنا چاہیئے۔ میں اپنی ہر دلعزیزی کو خطرہ میں ڈال کر بھی یہ کہوں گا کہ ہر قیمت پر ہمیں سمجھوتہ کر لینا چاہیئے۔ یہی کانفرنس کا مقصد ہے

حضرات اسے یاد رکھیئے کہ صرف آپ کے ہم وطن ہی کی نہیں ساری دنیا کی نگاہیں آپ پر جمی ہوئی ہیں۔ اگر اس پنڈال سے آپ ناکام اٹھے تو یہ ملک کے لئے بڑا نقصان دہ ثابت ہو گا اور اس کی تلافی ایک عرصہ دراز تک نہ ہو سکے گی۔ میری رائے تو یہ ہے کہ مسٹر جناح کا مطالبہ کتنا ہی غیر مدلل اور غیر منطقی کیوں نہ ہو مگر مفاہمت کی خاطر اسے مان لینا چاہیئے۔

آوازیں ——— نہیں نہیں!

سپرو ——— میں کہتا ہوں اگر جناح ایک ضدی بچہ کا رول ادا کر رہا ہے۔ ایک خود سر بچہ کی طرح ہمک رہا ہے تو میں یہی کہوں گا دے دو اسے جو کچھ مانگتا ہے اور معاملہ ختم کرو۔ عملی سیاستدان ہونے کی حیثیت سے

ہماری فہم وفراست کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ریاضی کے اعداد و شمار کے چکر میں نہ پڑیں اور خوش اسلوبی کے ساتھ جس طرح بھی ہو سکے معاملہ طے کرلیں۔

سر سپرو کی اس مدلل اور جذباتی تقریر نے حاضرین پر ایک حد تک اثر کیا لیکن مسٹر جیکر نے کھڑے ہو کر یہ طلسم توڑ دیا۔ مسٹر جیکر نے اپنی تقریر میں کہا:۔

"مجھے امید ہے سر سپرو کی مغالطہ آمیز تقریر سے متاثر ہو کر آپ مسٹر جناح کے مطالبہ پر غور نہیں کریں گے جو مسلم قوم کی ایک چھوٹی سی اقلیت ہونے کی حیثیت سے انہوں نے پیش کیا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ جناح صاحب مسلمانوں کی نمائندگی کر بھی سکتے ہیں یا نہیں؟ ہمارے ساتھ مولانا ابو الکلام آزاد اور ڈاکٹر انصاری، سر علی امام، راجہ صاحب محمود آباد اور ڈاکٹر کچلو جیسے محب وطن مسلمان موجود ہیں۔ یہ سب حضرات نہرو رپورٹ سے بالکلیہ متفق ہیں۔ خود مسلم لیگ کے بہت سے ممبر نہرو رپورٹ کے حامی ہیں، اب اگر مسٹر جناح کسی کی نمائندگی کرتے ہیں تو صرف چند لوگوں کی یہ بھی یاد رکھیئے۔ مسٹر جناح کا مطالبہ مسلم قوم کا مطالبہ نہیں ہے۔ ایک بڑی تعداد مسلمانوں کی سر شفیع کے ساتھ ہے جو مخلوط انتخاب کے مخالف ہیں۔ ایک دوسرا بڑا طبقہ مسلمانوں کا مسٹر فضل ابراہیم رحمت اللہ کے ساتھ ہے جو دہلی میں ایک مسلم کانفرنس (زیر صدارت آغا خاں) کر رہے ہیں مسٹر جناح کا مطالبہ نہ مسلم قوم کا مطالبہ ہے نہ مسلم اکثریت کا۔"

اس تقریر پر حاضرین اچھل اچھل پڑے۔ بڑی داد ملی۔ اب مسٹر جناح جوابی تقریر کے لئے کھڑے ہوئے، انہوں نے کہا:۔

"اگر یہ مسئلہ آپ آج طے نہیں کریں گے تو اسے کل طے کرنا پڑے گا لیکن یاد رکھیئے اس درمیانی وقفہ میں قومی مفاد کافی مجروح ہو کر رہے گا۔ ہندوستان اس وقت تک سیاسی ترقی نہیں کر سکتا جب تک ہندو مسلمان متحد نہ ہو جائیں۔"

یہ تقریر بھی کارگر نہ ہوئی۔ مسلم لیگ کی ترمیمیں نامنظور کر دی گئیں۔ مسٹر جناح ناکام و مایوس واپس آ گئے۔ اب یہ رپورٹ کانگرس کے سامنے پیش ہوئی۔ پنڈت موتی لال نہرو نے پہلے ہی سے کہہ دیا تھا اگر یہ رپورٹ منظور نہ کی گئی تو میں کانگرس کی صدارت نہیں کروں گا۔ وہاں تقریباً بالاتفاق منظور کر لی گئی۔ اب گاندھی جی اٹھے اور انہوں نے اعلان کیا یہ نہرو دستور ہندوستان کا متحدہ اور متفقہ دستور ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کا بنایا ہوا اور منظور کیا ہوا حکومت کو صرف ایک سال کی مدت دی جاتی ہے اگر اس نے دسمبر ۱۹۲۹ء تک اسے تمام و کمال منظور کر کے نافذ نہ کر دیا تو سول نافرمانی شروع کر دی جائے گی اور حکومت کا نظام معطل کر دیا جائے گا۔ گاندھی جی کی یہ آواز اتنے زور سے بلند ہو رہی تھی کہ علی برادران جناح اور دوسرے مسلم رہنماؤں کی آواز اس میں ڈوب گئی۔

پنڈت موتی لال سے جھڑپ

موتی لال نے اس "متحدہ دستور ہند" میں نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی کوئی ترمیم نہیں منظور کی تھی بلکہ دوسری اقلیتوں اور سیاسی جماعتوں کی ترمیمیں ماننے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ مارچ ۱۹۲۹ء سوراج پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے مرکزی اسمبلی میں ایک مسئلہ پر تقریر کرتے ہوئے وہ نہرو رپورٹ کو زیر بحث لے آئے اور انہوں نے حکومت کو دھمکی دی کہ اگر یہ "متحدہ دستور" منظور نہ کیا گیا تو اسے سخت مشکلات سے دوچار

ہونا پڑے گا۔ مسٹر جناح نے اٹھ کر فوراً ٹوکا۔ آپ کا بنایا ہوا یہ دستور ہرگز متحدہ نہیں ہے۔ مسلمان قطعاً اس سے متفق نہیں ہیں۔ آپ کو غلط فہمی ہے اگر آپ مسلمانوں کو اپنے ساتھ سمجھ رہے ہیں۔

لیکن پنڈت موتی لال اپنی ضد پر قائم رہے اور اسمبلی کے ایوان میں بھی اس نام نہاد متحدہ دستور کو منظور کرنے کا حکومت سے مطالبہ کرتے رہے۔

لیگ کا اسپیشل سیشن

دسمبر ۱۹۲۸ء میں مسلم لیگ کے اجلاس سالانہ نے جناح کی حسبِ فرمائش، نہرو رپورٹ پر کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا اور طے ہوا تھا کہ کچھ عرصہ بعد لیگ کا ایک سپیشل سیشن منعقد ہو۔ اس میں نہرو رپورٹ کے بارے میں مسلم لیگ فیصلہ کرے کہ وہ اسے مسترد کرتی ہے یا منظور؟ مسٹر جناح کو اُمید تھی اس درمیانی وقفہ میں وہ رہنمایان کانگرس کی معاملہ فہمی سے اپیل کریں گے اور انہیں چودہ نکات ماننے پر راضی کر لیں گے لیکن ان کی کوششیں کامیاب نہ ہوئیں۔ پنڈت موتی لال نہرو نے اپنے "صحیفہ سیاسی" کا ایک حرف بھی بدلنے سے انکار کر دیا۔ اس انکار میں گاندھی جی برابر کے شریک تھے بلکہ مدعی سُست اور گواہ چُست کے مصداق بنے ہوئے تھے۔

آخر ۲۰ مارچ ۱۹۲۹ء کو روشن تھیٹر دہلی میں مسلم لیگ کا ملتوی شدہ اجلاس مسٹر جناح کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ جلسہ نے فیصلہ کیا :۔

"ہندو مہاسبھا نے اعلان کیا ہے کہ نہرو رپورٹ کے فرقہ دارانہ فیصلہ سے اگر ذرا بھی روگردانی کی گئی تو رپورٹ کی حمایت سے دستبردار ہو جائے گی۔ سکھ لیگ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ غیر برہمن اور اچھوت بھی اس کے مخالف ہیں چونکہ پنڈت نہرو نے مسلم لیگ

کے مطالبات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے، لہٰذا مسلم لیگ بھی نہرو رپورٹ منظور کرنے سے قاصر ہے۔"

اسی تجویز میں مسٹر جناح کے چودہ نکات کا اعادہ کیا گیا اور اعلان کیا گیا کہ جب تک یہ مطالبات منظور نہیں کر لئے جائیں گے مسلمان کسی دستوری حکومت کو تسلیم نہیں کریں گے۔

اس اجلاس میں حسبِ ذیل شرکاء کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں :۔

مسٹر تصدیق احمد خاں شروانی — ڈاکٹر سیف الدین کچلو

مولانا مفتی کفایت اللہ — مولانا ابو الکلام آزاد، مسٹر آصف علی

ایک سال تک خفیہ اور علانیہ تیاریاں کرنے کے بعد مسلمانوں کو اور حکومت کو دھمکیاں دینے کے بعد دسمبر ۱۹۲۹ء کے اجلاس لاہور میں پنڈت جواہر لال نہرو کی زیر صدارت گاندھی جی نے فیصلہ کرایا کہ چونکہ نہرو رپورٹ منظور نہیں کی گئی لہٰذا اب سول نافرمانی کا پروگرام عمل میں لایا جائے اور اب ہم درجۂ نوآبادیات پر بھی قناعت نہیں کریں گے آزادیٔ کامل حاصل کریں گے۔

چنانچہ مارچ ۱۹۳۰ء میں گاندھی جی نے نمک کی سول نافرمانی کا افتتاح ڈانڈی (بمبئی کا ایک مقام) سے کیا۔ مسلمانوں نے پہلی بار اس جنگ میں ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ جب کانگرس نے مسلم لیگ اور مجلس خلافت کو نظر انداز کر دیا تو مسلم لیگ اور مجلس خلافت کی طرف سے کانگرس کا ساتھ کیوں دیا جاتا؟ جب گاندھی جی نے جناح اور علی برادران کو لائق اعتناء نہ سمجھا تو جناح اور علی برادران کیوں گاندھی جی کی کٹیا کا طواف کرتے؟ آخر کیوں؟ کس لئے؟

کامیابی نہیں ہوئی، وہ حکومت سے اپنا کوئی مطالبہ منظور نہیں کرا سکے۔ کافی عرصہ کی جنگ آزمائی کے بعد حکومت اور کانگرس کے مابین جو "باعزت" سمجھوتہ (جسے عرف عام میں "گاندھی اِروِن پیکٹ" کہتے ہیں) ہوا اس کی بنیاد یہ تھی کہ کانگرس سول نافرمانی کی تحریک واپس لے لے گی اور حکومت غیر متشدد سیاسی مجرموں کو رہا کر دے گی۔ حکومت نے کیا دیا اور کانگرس نے کیا لیا، یہ سوال ہی نہیں اٹھتا۔

وزارت میں تغیر

سائمن کمیشن نے اپنی رپورٹ، اپریل ۱۹۲۹ء میں مرتب کر لی لیکن قبل اس کے کہ رپورٹ پارلیمنٹ میں پیش ہو کر کنزرویٹو حکومت کا تختہ الٹ گیا اور مزدور حکومت برسر حکومت ہو گئی۔ مئی ۱۹۲۹ء میں پارلیمنٹ کا عام انتخاب ہوا اور مسٹر ریمزے میکڈانلڈ MR-MAC DENALD نے مزدور جماعت کے لیڈر کی حیثیت سے وزارت مرتب کی۔ وزارت ہند کے منصب پر مسٹر ویجوڈ بین (COL. WEDGE WOOD BENN) مامور ہوئے۔

مسٹر جناح نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور ۱۹ جون ۱۹۲۹ء کو مسٹر میکڈانلڈ کو جنہیں وہ اپنے قیام ولایت کے زمانہ سے جانتے تھے حسب ذیل مکتوب لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"سائمن کمیشن کا سیاسی ہندوستان مکمل مقاطعہ کر چکا ہے اگر اسی بنیاد پر معاملات آگے بڑھائے گئے تو سارا ہندوستان بھڑک اٹھے گا۔ ہندوستان اب برطانیہ کے وعدوں پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ سوچیے یہ اعتماد رفتہ آپ کس طرح واپس لا سکتے ہیں؟ آپ کے لئے واحد چارہ کار یہ ہے کہ آپ ایک واضح اعلان کریں جس میں بتایا گیا ہو کہ ہندوستان کو جلد از جلد درجۂ نوآبادیات حکومت برطانیہ دے دے گی۔"

گول میز کانفرنس

○

نہرو رپورٹ اور گول میز کانفرنس کا درمیانی زمانہ ہنگامہ آرائی، چپقلش اور خلفشار کا دور ہے۔ ہندو مسلم اختلافات کی وسعت کا دور ہے۔ کانگرس اور مجلس خلافت کی رزم آزمائی کا دور ہے۔ گاندھی جی اور علی برادران کی کشمکش کا دور ہے۔ مسلم لیگ اور ہندو مہا سبھا کی معرکہ آرائی کا دور ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ یہ دور بڑا صبر آزما اور اختلاف انگیز تھا۔

گاندھی جی نے نہرو رپورٹ مسلمانوں سے منظور کرانی چاہی لیکن ناکام رہے۔ وہ جانتے تھے اور اپنے اخبار ینگ انڈیا YOUNG INDIA میں تحریر فرما چکے تھے کہ آزادی کی جنگ مسلمانوں کے تعاون اور علی برادران جیسے کہ وہ رہنماؤں کی معیت کے بغیر نہیں لڑی جا سکتی اور اگر لڑی بھی جائے تو کامیاب نہیں ہو سکتی لیکن جب ایک سال کی مدت گزر گئی اور نہرو رپورٹ حکومت نے منظور نہیں کی تو مسلم قوم اور مسلم زعماء سے صلاح و مشورہ کے بغیر انہوں نے حکومت کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ مسلمانوں نے اس جنگ میں گاندھی جی کا ساتھ من حیث القوم نہیں دیا اگرچہ دہلی کی جمعیتہ العلماء کے چند افراد اور دوسری نامقبول جماعتوں نے کانگرس کی رفاقت کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گاندھی جی کو ذرا بھی

لارڈ اِروِن کا اعلان

لارڈ اروِن وائسرائے ہند رخصت پر ولایت گئے۔ وہاں سے واپس آکر ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو انہوں نے اعلان کیا کہ ہندوستان کی منزلِ مقصود درجہ نوآبادیات ہے اور حکومت سیاسی ارتقاء کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے لئے ایک گول میز کانفرس بھی منعقد کرنے کو تیار ہے۔ اس اعلان کا گاندھی جی اور دوسرے کانگرسی لیڈروں نے خیر مقدم کیا لیکن شرطِ تعاون یہ رکھی کہ گول میز کانفرنس میں کانگرس کے مندوبین کو اکثریت حاصل ہو۔ مسٹر وٹھل بھائی پٹیل (کانگرسی) صدر اسمبلی نے وائسرائے کو ایک دعوت دی جس میں موتی لال، گاندھی جی اور دوسرے کانگرسی رہنماؤں کو مدعو کیا۔ مقصد یہ تھا کہ حکومت اور کانگرس کے مابین تعلقات زیادہ سے زیادہ استوار ہوں اور کانگرس کو گول میز کانفرنس میں اکثریت دے دی جائے۔

جواہر لال اپنی سوانح عمری میں لکھتے ہیں :-

"لاہور کانگرس سے تھوڑے ہی دن پہلے کانگرس اور حکومت کے درمیان سمجھوتے کی ایک اور کوشش کی گئی۔ لارڈ اروِن سے ملاقات کا انتظام کیا گیا۔ وٹھل بھائی پٹیل اس کے محرک تھے۔ اس ملاقات میں کوئی نتیجہ نہ نکلا حکومت اور کانگرس کے خیالات میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ غرض اب کانگرس کو اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ عملی کاروائی شروع کرے کلکتہ میں (دسمبر ۲۹ء) جو ایک سال کی مہلت (حکومت کو نہرو رپورٹ منظور کرنے کی) دی گئی تھی، وہ ختم ہو رہی تھی۔ اب قطعی طور پر اعلان کرنا تھا کہ کانگرس کا مقصد کامل آزادی ہے اور اس کو حاصل کرنے کے لئے عملی تدبیر اختیار کرنی تھیں

---

[1] جواہر لال کی "میری کہانی" حصہ اوّل ص ۳۲۸

اور یہ تدابیر بغیر مسلمانوں سے مشورہ اور ان کے تعاون کے اختیار کرنی تھیں"[1]۔ علی برادران کو کھونے کے بعد گاندھی جی کو ایک نیا رفیق مل گیا وہ تھے "سرحدی گاندھی" خان عبدالغفار خان۔

۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء

۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء کو کانگرس کی دی ہوئی مہلت ختم ہو گئی اور اسی تاریخ کو سول نافرمانی کی تجویز کانگرس نے منظور کر لی۔ ۲۶ جنوری ۱۹۳۰ء کو کانگرس نے بڑی دھوم دھام سے "یوم آزادی" منایا۔ اب بھی حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی۔ گاندھی جی نے مسلمانوں کے بجائے حکومت سے صلح کی ایک اور کوشش کی اور وائسرائے کو ایک خط بھیجا جس میں گیارہ شرائط درج تھے کہ اگر یہ مان لئے جائیں تو سول نافرمانی کا نام لیا جائے گا نہ آزادی کامل کا۔ یہ شرطیں بہت معمولی، نیم سیاسی اور زیادہ تر سماجی تھیں لیکن حکومت نے انہیں بھی منظور نہ کیا۔ جواہر لال اب کانگرس کے صدر تھے۔ وہ ان شرطوں سے بہت جز بز ہوئے لیکن حسب معمول بہت جلد راہِ راست پر آگئے۔ اپنی سوانح عمری میں وہ لکھتے ہیں :-

"ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ گاندھی جی نے اپنی گیارہ شرطوں کا اعلان کر دیا تھا۔ ہماری سمجھ میں نہ آیا کہ جب ہم آزادیٔ کامل کا مطالبہ کر رہے ہیں تو چند سیاسی اور سماجی اصلاحوں کو گو وہ اپنی جگہ پر کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہوں فہرست بنانے کے کیا معنی؟ مگر یہ بحث و گفتگو کا موقع نہ تھا"۔

جب حکومت نے ان شرائط کے ماننے سے انکار کر دیا تو گاندھی جی نے مسلمانوں کی طرف مڑ کر دیکھے بغیر سول نافرمانی شروع کر دی اور اب سارے ہندوستان میں یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ سول نافرمانی نمک کی سول نافرمانی تھی۔ گاندھی جی اب تک بچے ہوئے تھے۔ دوسرے لیڈر دھڑا دھڑ گرفتار ہو رہے تھے۔ ۱۴ اپریل ۱۹۳۰ء کو جواہر لال گرفتار کئے گئے۔ ۵ مئی ۱۹۳۰ء کو گاندھی جی اور ۳۰ جون ۱۹۳۰ء کو موتی لال نہرو بھی گرفتار

کر لئے گئے۔ اس طرح حکومت اور کانگرس میں باقاعدہ جنگ و بیکار کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

گول میز کانفرنس کا انعقاد

حکومت نے کانگرس کو نظر انداز کر کے دوسری جماعتوں کے افراد کے نام گول میز کانفرنس کے دعوت نامے جاری کر دئے۔ ۱۲ر نومبر کو پہلی گول میز کانفرنس لندن میں منعقد ہوئی۔

اس کانفرنس میں اگرچہ کانگرس کے رہنما شریک نہیں ہوئے تھے۔ صرف مہاسبھائی اور معتدلین بڑی تعداد میں شریک ہوئے تھے اور ان کا رویہ کانگرس سے کہیں زیادہ مسلمانوں کے لئے دل شکن تھا پھر بھی مسلمان اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہے تھے کہ حکومت کے سامنے ہندوستان کا متحدہ اور متفقہ مطالبہ پیش کیا جائے چنانچہ وہ مخلوط انتخاب تک ماننے پہ تیار ہو گئے۔

بمبئی کے مشہور کانگرسی اخبار بمبئی کرانیکل (BOMBAY CHRANICLE) میں اس کے خاص نامہ نگار کا حسب ذیل بحری تار ۱۵ر نومبر ۱۹۳۰ء کو شائع ہوا۔

"مسلمان مخلوط انتخاب اور تناسب آبادی کی بنا پر نشستوں کی تعیین پہ راضی ہیں۔ بشرطیکہ سندھ کی علیحدگی اور سرحد کے اصلاحات تسلیم کر لئے جائیں اور مسلمان اپنے دوسرے مطالبات پہ زور نہیں دے رہے ہیں، وہ مسٹر جناح اور آغا خاں کی قیادت میں درجہ نوآبادیات کے مطالبہ پہ بھی بالکل متفق ہیں مہاسبھائیوں کے علاوہ تمام ہندو شرکا کا رویہ ہمدردانہ ہے۔ صرف مسٹر جیکر کے طرز عمل کے سبب متحدہ محاذ نہیں بن رہا ہے۔"

حکومت سے صلح

۱۹ر جنوری ۱۹۳۱ء کو پہلی گول میز کانفرنس ختم ہوگئی۔ اس اجلاس کو برخاست کرتے ہوئے مسٹر میکڈانلڈ وزیر اعظم نے ایک تقریر کی جس میں اس کی وضاحت کی کہ ہندوستان کو درجہ نوآبادیات ملے گا اسے فیڈریشن سے بھی نوازا جائے گا۔ اپنی تقریر میں انہوں نے دبے الفاظ میں کانگرس کو بھی مشورہ دیا تھا کہ وہ سول نافرمانی ترک کر دے اور آئینی مباحث میں حصہ لے۔

ہندوستان میں اب سول نافرمانی کا زور ختم ہو چکا تھا۔ تحریک پر افسردگی غالب آ چکی تھی، جواہر لال موتی لال کی علالت کے سبب رہا ہو چکے تھے، ڈاکٹر انصاری بھی آزاد ہو چکے تھے غرض کانگرس کے متعدد لیڈر جیل سے باہر تھے۔ سول نافرمانی نہیں کر رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ کیا کریں؟ موتی لال کی علالت کے سبب کانگرس ورکنگ کمیٹی کا جلسہ الہ آباد میں منعقد ہوا اس میں گاندھی جی بھی شریک تھے ایک تجویز منظور ہوئی لیکن شائع نہیں کی گئی۔ ۶ر فروری ۱۹۳۱ء کو موتی لال کا انتقال ہوگیا، اسی دن سری نواس شاستری سپرو وغیرہ لندن سے بمبئی واپس آگئے اور یہاں سے سیدھے الہ آباد پہنچے۔ اور گاندھی جی کو آمادہ کیا کہ وہ وائسرائے کو خط لکھیں ملاقات کی کوشش کریں۔ حکومت سے مفاہمت کریں اور گول میز کانفرنس میں شرکت کریں، گاندھی جی اس پہ راضی ہو گئے انہوں نے لارڈ ارون کو خط لکھا، ملاقات کی اجازت ملی۔ پہلے وہ دہلی پہنچے، پھر ورکنگ کمیٹی بھی پہنچ گئی۔ کئی روز کے راز و نیاز کے بعد آخر گاندھی جی نے ۴ر مارچ ۱۹۳۱ء کو حکومت سے صلح کر لی۔

یہ صلح گاندھی جی نے بہت گڑگڑا کر کی تھی، جواہر لال اپنی سوانح عمری میں لکھتے ہیں۔

"وائسرائے کے ہاں سے گاندھی جی ۲ بجے شب کو واپس آئے اور ہم لوگوں کو جگا کر کہا گیا کہ معاہدہ ہوگیا۔ ہم نے معاہدہ کا مسودہ دیکھا۔

مجھے سخت دھچکا لگا۔ میں اس کے لئے بالکل تیار نہیں تھا (لیکن) اب کچھ کہنے کی گنجائش نہ تھی جو ہونا تھا ہو چکا تھا۔ ہمارا لیڈر قول دے چکا تھا اگر ہمیں اس کی رائے سے اختلاف بھی تھا تو ہم کیا کرتے؟ اس کا ساتھ چھوڑ دیتے؟ اس سے فیصلہ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا، سول نافرمانی کی تحریک کم سے کم اس وقت ختم ہو چکی تھی اور اسے پھر سے اٹھانا خود ورکنگ کمیٹی کے بس کی بات نہ تھی۔ غرض میں نے سخت ذہنی کشمکش اور جسمانی تکلیف کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اس معاہدے کو تسلیم کر لوں۔ معاہدے سے پہلے اور اس کے بعد گاندھی جی اور لارڈ ارون میں جو ملاقاتیں ہوئیں ان میں گاندھی جی نے بہت اصرار کیا تھا کہ دوسرے سیاسی قیدی بھی چھوڑ دئے جائیں جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اسی طرح بھگت سنگھ کی سزائے موت بدلوانے کے لئے گاندھی جی نے پورا پورا زور لگایا مگر حکومت ٹس سے مس نہیں ہوئی۔"

بہرحال حکومت اور کانگرس میں صلح ہو گئی اور گاندھی جی گول میز کانفرنس میں شرکت کی تیاریاں کرنے لگے اور کراچی کے سالانہ اجلاس کانگرس زیر صدارت ولبھ بھائی پٹیل (مارچ ۱۹۳۲ء) میں معاہدہ دہلی کی توثیق کرا کے اگست ۱۹۳۲ء کے آخر میں لندن روانہ ہو گئے۔

گاندھی جی کا رویہ

گاندھی جی نے گول میز کانفرنس میں شرکت کی اور سب سے پہلے یہ کوشش کی کہ فرقہ وارانہ مسئلہ یہاں زیر بحث لایا ہی نہ جائے اس پر اس وقت گفتگو ہو جب ہندوستان کے سیاسی مستقبل کا فیصلہ ہو جائے۔ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ اس گاندھی جی نے یہ فرمایا کہ اگر فرقہ وارانہ مسئلہ زیر بحث لانا ہے تو ڈاکٹر انصاری

دہلی سے لندن بلوا لوں میں ان کے مشورہ کے کچھ نہیں کر سکتا؛ یہ مضحکہ خیز تجویز ظاہر ہے قطعاً ناممکن العمل تھی۔ اب گاندھی جی نے فرمایا اچھا مسٹر جناح کے چودہ نکات مانے لیتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ مسلمان دوسری اقلیتوں کے فرقہ وارانہ مطالبات کی تائید نہ کریں۔ ظاہر ہے اسے بھی مسلمانوں نے نہیں مانا۔ اب انہوں نے فرمایا، کانگرس ہندوستان کی واحد نمائندہ جماعت ہے اسے پہلے مانو پھر میں بابِ سخن وا کروں گا اسے نہ حکومت مان سکتی تھی نہ دوسری سیاسی جماعتیں، لہٰذا گاندھی نے فرمایا پھر میرا یہاں ٹھہرنا بیکار ہے اور ہندوستان واپس آنے کی تیاریاں کرنے لگے۔

کمیونل اوارڈ

فرقہ وارانہ مسئلہ کو جس قدر ٹالنے کی کوششیں کی گئیں اتنا ہی وہ سخت و سنگین بنتا چلا گیا آخر میں گاندھی جی نے ایک اور شرط مسلمانوں کے سامنے پیش کی کہ وہ اپنے مطالبات (جناح کے چودہ نکات) کی تصدیق ڈاکٹر انصاری اور دوسرے نیشنلسٹ مسلمانوں سے کرائیں اور سکھوں کو راضی کریں کہ وہ پنجاب میں زیادہ مراعات نہ طلب کریں مسلمانوں نے ان دونوں باتوں کے ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ ڈاکٹر انصاری مرحوم غیر مشروط طور پر کانگرس کے ساتھ تھے وہ مسلمانوں کے مطالبات میں سے ایک مطالبہ کے بھی حامی نہیں تھے۔ یہی حال ان کے نیشنلسٹ رفقا کا تھا، رہے سکھ تو وہ اپنے حقوق سے کہیں زیادہ مراعات طلب کر رہے تھے مسلمان ضرورت سے زیادہ انہیں رعائتیں دے کر خود تو اقلیت نہیں بن سکتے تھے۔

گول میز کانفرنس نے ایک "مجلسِ اقلیت" بنائی تھی جو فرقہ وارانہ مسئلہ کے حل کے لئے قائم کی گئی تھی لیکن وہ بھی ناکام رہی۔ آخر کار گاندھی جی کے مشورہ اور مسٹر نائیڈو کی تائید سے پنڈت مدن موہن مالوی اور دوسرے ہندو لیڈروں نے وزیر اعظم مسٹر

میکڈانلڈ سے درخواست کی کہ وہ ثالث بن کر تصفیہ کر دیں۔ مسٹر جناح نے مسلمانوں کی طرف سے اس ثالثی کے ماننے سے قطعاً انکار کر دیا۔

پھر جب وزیر اعظم نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا اور جسے مسلمانوں نے صرف اس لئے قبول کیا کہ کوئی دوسرا حل موجود نہ تھا۔ تو سب سے زیادہ شور مچانے والے اس "ایوارڈ" کی مخالفت میں وہی تھے جنہوں نے مسٹر ریمزے میکڈانلڈ کی ہندو نوازی پہ بھروسہ کر کے انہیں پنچ مان لیا تھا۔ موصوف کی ہندو نوازی کا اندازہ اس سے ہو سکتا کہ مولانا محمد علی مرحوم نے نام ہی "ریمزے میکڈانلڈ کے بجائے "رام جی "مکندا مل" رکھ دیا تھا۔ یہ حضرت اپنی وزارتِ عظمیٰ سے پہلے ایک کتاب "بیداری ہند" لکھ کر ہندوؤں کو گرویدہ بنا چکے تھے اور اس ایوارڈ میں انہوں نے ہندوؤں کے ساتھ جو "سخاوت" کی تھی وہ یہ تھی کہ بنگال اور پنجاب ہر جگہ مسلمانوں کو ان کے تناسب آبادی سے کم نشستیں مجالس قانون ساز میں مرحمت فرمائی تھیں۔

اسمبلی میں مسٹر جناح کی تقریر

مرکزی اسمبلی میں ۷ فروری ۱۹۳۵ء کو گول میز کانفرنس کی مجلسِ منتخبہ کی رپورٹ پیش ہوئی اس میں کمیونل ایوارڈ بھی شامل تھا۔ کانگریس پارٹی نے کمیونل ایوارڈ سے متعلق غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کیا۔ نیشنلسٹ پارٹی (پنڈت مالوی جی کی پارٹی) نے اسے یکسر مسترد کر دینا چاہا۔ مسٹر جناح نے کہا اسے اگر مسترد کرتے ہو تو دوسرا فارمولا پیش کرو اپنی تقریر میں انہوں نے یوں فرمایا:-

"میری تجویز ہے کہ جب تک ہم آپس میں مل کر کوئی اعلیٰ اور معقول لائحہ عمل نہ پیش کر سکیں اس وقت تک فرقہ وارانہ حل تسلیم کر لینا چاہیئے میرے ہندو دوست فرقہ وارانہ حل سے مطمئن نہیں ہیں۔ میں خود بھی اس

سے مطمئن نہیں ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ مسلمان بھی اس سے مطمئن نہیں ہیں، کیونکہ یہ حل مسلمانوں کے درد کا پورا علاج نہیں ہے اور نہ اس میں ان کے مطالبات کا پوری طرح لحاظ رکھا گیا ہے میرے دوست اپوزیشن پارٹی کے لیڈر (مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی) نے کہا ہے پہلے ہمیں آپس میں مل کر حقوق حاصل کر لینے چاہیئں اس کے بعد تقسیم کا معاملہ ہوتا رہے گا — میں نہایت ادب کے ساتھ اس اصول کو منطقی اور بنیادی اعتبار سے غلط سمجھتا ہوں۔ اصل میں اقلیتوں کے مسئلہ کا حل یہ نہیں ہے کہ پہلے حصول حقوق پر عمل کیا جائے اور تقسیم حقوق کو مستقبل کے لئے ملتوی کر دیا جائے یہ کوئی جاگیر نہیں ہے کہ پہلے حاصل کی جائے اور بعد میں اس کی تقسیم ہو۔ نہ یہ کوئی لوٹ کا مال ہے کہ بعد میں حصہ رسدی کی تقسیم عمل میں آئے۔ اگر یہ بات ہے تو گاندھی جی نے اچھوتوں کے معاملہ میں مرن برت کیوں شروع کیا تھا اور حصول حقوق سے پہلے تعین حقوق کو کیوں ترجیح دی تھی؟ صحیح طریقہ وہی ہے جو گاندھی جی نے اختیار کیا تھا اور میں بھی اسی پر زور دینا چاہتا ہوں۔ بیشک گاندھی جی نے ٹھیک کیا انہیں معلوم تھا کہ اچھوت اور پسماندہ اقوام ہندوؤں کا پچاس فیصد حصہ ہیں اور ان کو راضی کئے بغیر سیاسی اقتدار ہندو قوم سے علیحدہ کرنا نہ چاہا۔ اور کسی نہ کسی طرح ان سے معاہدہ کر ہی لیا۔ میں نے انگلستان میں ان سے کہا تھا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں تو انہوں نے جواب دیا تھا میں اچھوتوں کو ہندو قوم سے علیحدہ حقوق دلوانا نہیں چاہتا ورنہ وہ عام ہندوؤں سے الگ ہو جائیں گے اور ہندو قوم انتشار اور سیاسی افتراق کا شکار ہو جائے گی، لہٰذا میں پہلے ان ہی سے

فیصلہ کرنا چاہتا ہوں کہ یہ گروہ ہندو جتھے سے باہر نہ نکلنے پائے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ میں ہندو دوستوں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے اچھوتوں کو اپنے حقوق میں شریک بنا کر انہیں اپنا سیاسی حلیف بنالیا۔ میں اسی اسپرٹ کو اپنے لئے بھی دیکھنا چاہتا ہوں پس آئیے اور ہمارے ساتھ بھی اسی طرح کا انصاف کیجئے۔ میرا ہاتھ دوستی کے لئے بڑھا ہوا ہے آیئے اور یہی اسپرٹ دکھلایئے دوسروں سے لڑنے کے بجائے ہم خود کیوں نہ کسی معاہدہ پر متفق ہو جائیں؟"

گاندھی جی کی واپسی

غرض گاندھی جی واپس آ گئے۔ ان کی آمد سے پہلے پنڈت جواہر لال نہرو گرفتار بھی ہو چکے تھے۔ اب لارڈ اروِن کا دورِ حکومت ختم ہو چکا تھا اور لارڈ ولنگڈن (سابق گورنر بمبئی) وائسرائے ہو کر تشریف لائے تھے۔ انہوں نے آتے ہی سخت گیری کی پالیسی پر عمل کیا اور معاہدۂ دہلی کی خلاف ورزی کے جرم میں کانگرسی رہنماؤں کی گرفتاری شروع کر دی۔ گاندھی جی نے لارڈ ولنگڈن کو خط لکھ کر ملاقات کی درخواست کی۔ جواب ملا ملاقات ہو سکتی ہے لیکن سیاسیاتِ حاضرہ پر گفتگو نہ ہو سکے گی۔ اب گاندھی جی میدان میں کود پڑے اور گرفتار کر لئے گئے۔ گول میز کانفرنس کا آخری مرحلہ ابھی باقی تھا۔

مسئلہ وفاق

گول میز کانفرنس میں سب سے زیادہ اہم مختلف فیہ اور نازک مسئلہ وفاق کا تھا یعنی ہندوستان کے صوبے کامل طور پر آزاد اور خود مختار ہوں۔ یا وہ ایک وفاق سے وابستہ ہوں۔ اس مسئلہ پر تینوں پارٹیوں (حکومت۔ کانگرس۔ مسلم لیگ) کے نقطہ ہائے نظر

جداگانہ تھے۔

حکومت اس لئے وفاق کی حامی اور مؤید تھی کہ انڈیا ایکٹ اور وفاق کے نفاذ کے بعد مرکزی اسمبلی میں سے نامزد گروہ ختم ہو جائے گا، صرف منتخب گروہ رہ جائے گا، اور یہ گروہ سرکار کا وفادار نہیں لہٰذا تلافی کی صورت حکومت نے یہ نکالی کہ وفاق میں والیان ریاست کو بھی شریک کر لیا جائے اور وہ اس وفاق میں اپنے نمائندے نامزد کر کے بھیجیں یہ نمائندے ظاہر ہے ریاستی عوام کے نمائندے نہیں ہوں گے والیانِ ریاست کے پسند کردہ ہوں گے، لہٰذا اسمبلی میں آ کر یہ سابق نامزد گروہ کا کام کریں گے اور حکومت کے اشارہ پر رقص کریں گے اسی طرح حکومت ہندوستان کو اندرونی آزادی دے دینے کے بعد بھی اس کی مربی اور سرپرست بنی رہے گی۔

کانگرس وفاق کی اس لئے مخالفت تھی کہ وہ یہ چاہتی تھی یا تو والیانِ ریاست وفاق میں شریک ہی نہ کئے جائیں اور اگر ان کی شرکت ضروری ہے تو فیڈریشن کو حق ہونا چاہیئے کہ وہ بھی ریاستوں کے معاملات میں مداخلت کر سکے نیز یہ کہ وفاق میں جو ریاستی نمائندے آئیں وہ عوام کے منتخب کردہ ہوں نہ کہ والیانِ ریاست کے نامزد۔

مسلم لیگ کی طرف سے مسٹر جناح یہ کہتے تھے کہ وفاق اس لئے ناقابلِ قبول ہے کہ یہ صوبوں کی آزادی اور خود مختاری کو ختم کر دیتا ہے، یہ انہیں اپنی غلامی میں لے لیتا ہے لہٰذا اس کی سرے سے ضرورت ہی نہیں ہے۔ مسٹر جناح نے وفاق کی اس شد و مد سے مخالفت کی کہ انہیں آخری گول میز کانفرنس میں مدعو ہی نہیں کیا گیا۔ حالانکہ وہ لندن میں مستقل طور پر اقامت گزین تھے چنانچہ ۷ فروری ۱۹۳۵ء کو مرکزی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں:۔

"میں آغاز ہی سے وفاق کا سرگرم مخالف ہوں اسی لئے مجھے گول میز کانفرنس کی آخری نشستوں میں شریک نہیں کیا گیا؟"

مجلسِ تشکیل وفاق FEDRAL STRUCTURECOMMITTEE میں مسٹر جناح نے جو معرکہ آرا، مدلل اور برجستہ تقریر وفاق کے خلاف کی تھی۔ اس نے مجلس کے صدر لارڈ سینکے کو حواس باختہ کر دیا تھا اور انہوں نے اپنی جوابی تقریر میں کہا مسٹر جناح نے ہمارے کئے دھرے پر پانی پھیر دیا۔

وفاق کے نقصانات

وفاق سے مسلمانوں کو کتنا عظیم نقصان پہنچے گا، اسے غیر مسلم بھی محسوس کرتے ہیں۔ پنجاب کے سابق فنانس کمشنر ایچ کیلورٹ اپنی کتاب "دی اینڈ ویلفیئر آف پنجاب" میں لکھتے ہیں:-

"آل انڈیا فیڈریشن کا جزو بننے کے بعد پنجاب پر اقتصادی موت طاری ہو جائے گی اور اس کی تمام تر ذمہ داری ان لوگوں پہ عائد ہوگی جو غیر پنجابی ہوں گے مگر مرکز پر ان کا قبضہ ہوگا، وہ مرکز کے مفاد کا لحاظ کرتے ہوئے پنجاب کا خون شیرِ مادر کی طرح پی جائیں گے۔ وفاقی دستور کے تحت پیداوار دولت کے اہم وسائل دوسروں کے ہاتھ میں ہوں گے۔ ریلوے ڈاک، تار، بحری و بری ذرائع حمل و نقل تمام کے تمام صوبجاتی خود مختار کے حلقۂ اختیار سے باہر ہوں گے۔ حتیٰ کہ پنجاب کی پیداوار کے لئے منڈیاں تلاش کرنا اس کو مناسب قیمتوں پہ فروخت کرنا اور اس قسم کے اہم کام ان کے سپرد ہوں گے جنہیں پنجاب سے کوئی ہمدردی نہیں نرخوں کا تعین خارجی اثرات کے ماتحت ہوگا۔ درآمد برآمد کے سلسلہ میں پالیسی مرکزی ہوگی۔ پنجاب کے لئے سب سے زیادہ خطرناک بمبئی کے تاجروں کا وہ مہلک اثر ہے، جو مرکزی حکومت سے درآمد پہ محصول بڑھواتا

ہے۔ مرکزی حکومت اپنی آمدنی بڑھانے کے لئے اور بمبئی کے تاجروں کے کاروبار کو ترقی دینے کے لئے بیرونی اشیاء کی درآمد پر بھاری محصول عاید کرے گی اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندوستان کی برآمد پہ جواباً اس قسم کی پابندی عائد ہوگی برآمد کم ہو جائے گی اور چونکہ ہندوستان کی برآمد کا بیشتر حصہ خام اشیاء پر مشتمل ہے جو زیادہ تر پنجاب، سندھ وغیرہ زرعی صوبے مہیا کرتے ہیں۔ اس لئے براہ راست زد ان صوبوں کی ۸۰ فیصد آبادی پر پڑے گی۔"

وفاق یا علیحدگی

آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے PAKISTAN AND MUSLIMINDIA- اس کتاب میں وفاق کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے:-

"پنجاب میں مسلمانوں کی حالت وہی ہے جو ترکوں کی اپنے وطن ایشیائے کوچک میں ترکی کی تعمیر جدید سے پہلے تھی اور آبادی میں بھی انہی کی کثرت تھی تاہم اقتصادی حیثیت سے یونانی، ارمنی، یہودی جیسی محکوم قوموں کے مقابلہ میں وہ پاسنگ بھی نہ تھے۔ تمام تجارتیں، ڈاکٹری، معلمی بینک کا کام غرضیکہ سارے علمی اور معزز پیشے، غیر ترک کے ہاتھ ہی میں تھے پنجاب کے مسلمانوں کی طرح ترک بھی یا تو کاشتکاری کرتا تھا اور ہمیشہ قرض کے بار سے دبا رہتا تھا یا پھر اسے سپہ گری یا سرکاری ملازمت پہ قانع ہونا پڑتا تھا۔ ترکوں کی حالت درست کرنے کے لئے ایک مکمل انقلاب کے علاوہ اور کوئی صورت کارگر نہ ہو سکتی تھی چنانچہ مصطفےٰ کمال کے ہاتھوں یہ انقلاب برپا ہو کر رہا۔ انہوں نے خالص ترکی آبادی میں غیر ترکوں کی بود و باش قانوناً ممنوع قرار دے دی اور حکومت کی امداد پر متعدد

تجارتی کاروبار شروع کرائے، اب ترکوں کی یہ حالت ہے کہ وہ اپنے وطنی علاقہ میں تجارتی کاروبار نہایت کامیابی کے ساتھ چلا رہے ہیں اور ترکی کاشتکار کی گردن اب ارمنی، یہودی ساہوکاروں کی گرفت سے آزاد ہو چکی ہے۔"

ایک اور کوشش

ان سنگین اور نازک اختلافات کے باوجود بھی مسٹر جناح بار بار کانگرس کی طرف پر اُمید نظروں سے دیکھتے تھے۔ بار بار صلح و مفاہمت کی کوشش کرتے تھے، متحدہ محاذ بنانے کی دعوت دیتے تھے۔

پہلی گول میز کانفرنس کے برخاست ہونے کے بعد مسٹر جناح نے انگلستان میں مستقل بود و باش اختیار کر لی تھی ان کا خیال تھا کہ وہیں پریکٹس کریں پارلیمنٹ کے ممبر بنیں اور ہندوستان کے سیاسی ارتقاء کے لئے جد و جہد جاری رکھیں۔

لیکن ہندوستان کے حالات نازک صورت اختیار کر رہے تھے انڈیا ایکٹ کے ماتحت صوبوں کو آزادی ملنے والی تھی۔ مسلمان اس وقت ایک بے سپہ سالار کی فوج بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے مسٹر جناح سے درخواست کی کہ تشریف لائیں اور مسلمانانِ ہند کی قیادت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ دوسری طرف مسٹر جناح کے ہندوستان آنے سے پیشتر بمبئی کے مسلمانوں نے ۱۱ فروری ۱۹۳۴ء کو مرکزی اسمبلی کے سلسلہ میں مسٹر جناح کے کاغذات نامزدگی داخل کر دئے اور وہ بلا مقابلہ ممبر منتخب ہو گئے جنوری ۱۹۳۵ء میں مرکزی اسمبلی کا نیا اجلاس ہوا اس میں مسٹر جناح نے شرکت کی اور مسلمانوں کی قیادت کی باگ سنبھال لی۔

مسٹر جناح کا یہ خیال تھا کہ کانگرس جب تک مسلمانوں سے صلح نہ کرے اور مسلمان

جب تک کانگرس سے معاملات طے نہ کریں حالات سازگار نہیں ہو سکتے۔ ہندوستان کوئی حقیقی اور واقعی ترقی نہیں کر سکتا۔ ۱۹۳۴ء کے آخر میں کانگرس کے سالانہ اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا۔ بابو راجندر پرشاد کانگرس کے صدر منتخب ہوئے راجن بابو مسٹر مظہر الحق مرحوم کے تربیت یافتہ تھے اس لئے امید تھی کہ ہندو مسلم اتحاد کے متعلق ان کا زاویہ نگاہ عام کانگرسیوں کے مقابلہ میں زیادہ وسیع ہو گا مسٹر جناح نے ۱۹۳۵ء میں ہندو مسلم مفاہمت کی گفت و شنید شروع کر دی، ایک فارمولا "جناح راجندر فارمولا" مرتب بھی ہو گیا۔ گویا کانگرس کے صدر نے اصولی طور پر مسلم لیگ کے صدر کا نقطۂ نظر قبول کر لیا لیکن شرط یہ لگائی کہ یہ شائع اور مصدق اس وقت ہو گا جب ہندو مہا سبھا بھی اسے مان لے گی۔ یہ ایسی انہونی بات تھی جو ممکن نہ تھی لہذا مسٹر جناح کی یہ مخلصانہ کوشش بھی رائگاں گئی۔

مسٹر جناح کے تاثرات

علی گڑھ یونیورسٹی یونین میں ۵ فروری ۱۹۳۸ء کو ایک تقریر کرتے ہوئے مسٹر جناح نے اپنے قیام لندن کے اسباب اور جناح راجندر گفت و شنید کے مسئلہ پہ روشنی ڈالی ہے۔ اس تقریر میں انہوں نے ارشاد فرمایا۔

"میں حیران ہوں کہ میری ملی خودداری اور وقار کو کیا ہو گیا تھا میں کانگرس سے صلح و مفاہمت کی بھیک مانگا کرتا تھا میں نے اس مسئلہ کے حل کے لئے اتنی مسلسل اور غیر منقطع مساعی کیں کہ ایک انگریزی اخبار نے لکھا: "مسٹر جناح ہندو مسلم اتحاد کے مسئلہ سے کبھی نہیں تھکتے، لیکن گول میز کانفرنس کے زمانہ میں مجھے اپنی زندگی میں سب سے بڑا صدمہ پہنچا جیسے ہی خطرہ کے آثار نمایاں ہوئے ہندو ذہنیت ـــــ دل و دماغ کے اعتبار سے ـــــ اس طرح نمایاں ہوئی کہ اتحاد کا امکان ہی ختم ہو گیا۔

اب میں مایوس ہوچکا تھا مسلمان بے سہارا اور ڈانواڈول ہو رہے تھے کبھی حکومت کے یار وفادار ان کی رہنمائی کے لئے میدان میں آموجود ہوتے تھے کبھی کانگریس کے نیازمند ان خصوصی ان کی قیادت کا فرض ادا کرنے لگتے تھے۔ مجھے اب ایسا محسوس ہونے لگا کہ میں ہندوستان کی کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ نہ ہندو ذہنیت میں کوئی خوشگوار تبدیلی کرسکتا ہوں نہ مسلمانوں کی آنکھیں کھول سکتا ہوں۔ آخر میں نے لندن ہی میں بود و باش کا فیصلہ کر لیا۔ پھر بھی ہندوستان سے میں نے تعلق قائم رکھا اور چار سال کے قیام کے بعد میں نے دیکھا کہ مسلمان خطرے میں گھرے ہوئے ہیں آخر میں نے رختِ سفر باندھا اور ہندوستان پہنچ گیا۔

یہاں آنے کے بعد ۱۹۳۵ء میں میں نے صوبائی انتخابات کے سلسلہ میں کانگریس سے مفاہمت و مصالحت کی گفت و شنید کی اور ایک فارمولا ہم دونوں نے مرتب کیا لیکن ہندوؤں نے اسے منظور نہیں کیا اور معاملہ ختم ہوگیا۔

انڈیا ایکٹ کا نفاذ

گول میز کانفرنس کے اختتام کے بعد جب وزیر اعظم کا کمیونل ایوارڈ شائع ہوا، تو گاندھی جی نے یروداجیل میں اس بات پر مرن برت کا اعلان کر دیا کہ اچھوتوں کو جداگانہ حقِ نیابت دے کر ہندو قوم کے ٹکڑے کئے جا رہے ہیں۔ وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ اچھوت اور ہندو اگر باہمی طور پر رضامند ہو جائیں تو تبدیلی ہو سکتی ہے ورنہ نہیں سر سپرو نے ایک کانفرنس بمبئی میں طلب کی اور گاندھی جی کے برت کے دوران میں ڈاکٹر امبیدکر کو راضی کر کے جداگانہ حقِ نیابت سے کچھ زیادہ نشستیں دے کر راضی کر لیا۔ وزیر اعظم نے بھی ایوارڈ میں تبدیلی کر دی اور اس باہمی فیصلہ کو مان لیا۔

اب گاندھی جی نے کچھ عرصہ بعد پھر ایک برت رکھا اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ جیل میں مجھے اچھوت ادھار کا کام کرنے کا موقعہ دیا جائے ورنہ میں اسی برت میں اپنی جان دے دوں گا۔ حکومت ان کی موت کی ذمہ داری اپنے سر نہیں لینا چاہتی تھی وہ رہا کر دئے گئے لیکن رہا ہونے کے بعد انہوں نے اعلان کیا کہ "اپنی مدتِ قید تک رہائی کے باوجود میں اپنے آپ کو اسیرِ زنداں سمجھوں گا اور کوئی سیاسی کام نہیں کروں گا۔"

ملک پہ ایک عجیب اضمحلال طاری تھا۔ سول نافرمانی کی تحریک بالکل مرچکی تھی ہندو مسلمانوں میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا تھا۔ انڈیا ایکٹ کے نفاذ کے دن قریب آرہے تھے۔ اب ڈاکٹر انصاری مرحوم اور مسٹر آصف علی کی سرکردگی میں ایک تحریک اٹھی کہ مجالس آئین ساز کے انتخاب میں حصہ لیا جائے اور حکومت کا مقابلہ حکومت کے ایوان میں کیا جائے۔ یہ دستور جو زبردستی ہندوستان کے سر منڈھا جارہا ہے اسے WORK نہ کیا جائے بلکہ WRECK (برباد) کیا جائے۔ گاندھی جی مجالس قانون ساز کی افادیت کے سخت مخالف تھے لیکن جس طرح انھوں نے ۲۲ء میں موتی لال اور سی آر داس کے آگے ہتھیار ڈال دئے تھے اور داخلہ کونسل کی اجازت دے دی تھی اسی طرح اس بار وہ ڈاکٹر انصاری اور ان کے رفقاء کے سامنے جھک گئے اور داخلۂ کونسل پہ رضامند ہوگئے۔

اسمبلیوں کے انتخابات

اب صوبائی مجالس آئین ساز کے انتخابات کی ہماہمی شروع ہوگئی۔ انتخابات کے دوران میں، مسلم لیگ پھر کانگرس کی طرف جھکی۔ اس نے بغیر کسی شرط اور سودے کے کانگرس کا ساتھ دیا۔ مسلم لیگ کے رہنماؤں اور کارکنوں نے دوسری جماعتوں کے مقابلہ میں کانگرس کے امیدواروں کی حمایت کی۔ یوپی میں مسٹر رفیع احمد قدوائی صرف چوہدری خلیق الزماں کی رواداری کے باعث ایک حلقہ سے بری طرح ہارنے کے بعد دوسرے حلقہ سے کامیاب ہوئے۔ ڈاکٹر کچلو کے لئے مولانا شوکت علی مرحوم نے بہ نفسِ نفیس دورہ کیا اور ان کی تائید و حمایت میں تقریریں کیں لیکن جیسے جیسے کانگرس کو یقین ہوتا گیا کہ وہ جیت رہی ہے اور اکثریت حاصل کررہی ہے وہ مسلم لیگ سے معاندانہ اور مخالفانہ برتاؤ کرنے لگی چنانچہ کلکتہ کے ایک اجتماع میں صدر کانگرس پنڈت جواہر لال نہرو نے ۱۹۳۶ء میں اعلان کردیا ملک میں صرف دو جماعتیں ہیں ایک حکومت، دوسری

کانگرس اور اہلِ ملک کے لئے دو ہی رستے ہیں یا کانگرس کا ساتھ دیں یا حکومت کا۔ اس مسٹر جناح نے انہیں ٹوکا اور بتایا ایک تیسری جماعت مسلمان بھی ہیں۔

کانگرس کا طرزِ عمل

۳۷ء کے اوائل میں صوبائی مجالس کے انتخابات کامیابی کے ساتھ ختم ہوگئے۔ تمام ہندو صوبوں میں کانگرس غیر معمولی اکثریت کے ساتھ جیتی۔ کچھ عرصہ تک کانگرس نے وزارت قبول کرنے سے انکار کیا کیونکہ وہ گورنروں سے یہ وعدہ لینا چاہتی تھی کہ وہ وزارت کے کاموں میں مداخلت نہیں کریں گے۔ اس عرصہ میں مسلم لیگ نے شرافت کا ثبوت دیا اور کہیں وزارت نہیں بنائی۔

ہر صوبہ میں مسلم لیگ، کانگرس کے بعد سب سے بڑی جماعت تھی، اخلاقاً اور اصولاً کانگرس کا فرض تھا کہ وہ مسلم لیگ کے اشتراک و تعاون سے وزارتیں بناتی لیکن اس نے مسلم لیگ پارٹیز کے سامنے یہ شرط رکھی کہ مسلم لیگ کے ممبر مسلم لیگ سے مستعفی ہوجائیں، کانگرس کے میثاق PLEDGE پہ دستخط کریں، مسلم لیگ پارٹی توڑ دیں تو وہ وزارت میں شریک کئے جاسکتے ہیں یہ شرطیں کانگرس ہائی کمان کی طرف سے مولانا ابوالکلام آزاد نے پیش کی تھیں کیونکہ کانگرس کی غیر فرقہ واریت کے باوجود "مسلم معاملات" کے انچارج کانگرس کے حلقہ میں وہی تھے۔ مسلم لیگ نے پوری آن اور خودداری کے ساتھ یہ شرائط ماننے سے انکار کردیا۔ کانگرس نے اپنی اکثریت اور طاقت کے زعم میں مسلم لیگ کو نظرانداز کردیا۔ اور ان مسلمانوں کو شریکِ وزارت کرلیا جن کے ساتھ نہ مسلم قوم تھی نہ کوئی مسلم جماعت جو ایوانِ اسمبلی میں اگر کسی کے نمائندے تھے تو صرف اپنی ذات کے جو کل تک کانگرس سے کوئی تعلق بھی نہ رکھتے تھے بلکہ اس کی مخالفت میں پیش پیش تھے اس طرزِ عمل نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نیز کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان

اختلافات کی ایک وسیع خلیج حائل کر دی۔

مغربی جمہوریت سے اندیشہ

اب پہلی بار مسٹر جناح نے محسوس کیا کہ مغربی جمہوریت ہمارے درد کا درماں نہیں بن سکتی آخر یہ کیسی جمہوریت ہے جو مسلم قوم کی اکثریت کو محروم کر دے اور اقلیت کو سرفراز کر دے۔ جو مسلمان جماعتیں اسمبلی میں مسلم ممبروں کی اکثریت اپنے ساتھ رکھتی ہیں وہ تو نظر انداز کر دی جائیں اور جو مسلم ممبر نہ قوم کی پشت پناہی کے حامل ہیں نہ ایوان میں جن کی کوئی پارٹی ہے وہ سرفراز ہوں اور سیاسی سربلندی حاصل کریں۔

۵ فروری ۱۹۳۸ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی یونین میں تقریر کرتے ہوئے قائد اعظم نے کہا۔

"ہندوستان میں ہماری سیاسی تربیت مغربی جمہوریت کے اصولوں کے ماتحت ہوئی ہے یہ دستور جو ہم پر مسلط کیا گیا ہے کم و بیش برطانوی طرز اصول پر مرتب کیا گیا ہے لیکن اس ملک میں اور برطانوی مملکت میں اہم بنیادی فرق ہے برطانیہ میں اکثریت کی جماعتیں تغیر پذیر ہوتی رہتی ہیں ان کی صورت و سیرت، ان کی ہیئت اور کیفیت، ان کی قوت و طاقت آئے دن بدلتی رہتی ہے آج اگر وہاں کنزرویٹو پارٹی برسر حکومت ہے تو کل لبرل جماعت برسر اقتدار آ سکتی ہے اور یہ سوال تھا۔ ان وزارت مزدور جماعت کے ہاتھ میں آ گیا۔ لیکن ہندوستان کی صورت حال بالکل برعکس ہے۔

"یہاں ایک مستقل ہندو اکثریت ہے اور باقی جو ہیں وہ اقلیت ہیں جو کسی ممکن اور قابل قیاس زمانہ میں اکثریت نہیں بن سکتیں۔"

گویا دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہوا کہ یورپ میں قومی اتحاد ہے، وہاں زبان، نسل رنگ، مذہب، روایات کا اختلاف نہیں ہے اس لئے وہاں سیاسی جماعتیں مذہبی بنیاد پر

نہیں بنتیں اور ہندوستان میں یہ اختلاف بدرجہ اتم موجود ہے لہٰذا یہاں کی سیاسی جماعتیں مذہبی بنیاد پر بنتی ہے اور مذہب ایسی چیز ہے کہ ہندو ہندو کی طرف اور مسلمان مسلمان کی طرف بہرحال جھکے گا، ہندو اکثریت ہی میں رہیں گے اور مسلمان اقلیت ہی میں رہیں گے اور یہ اکثریت و اقلیت دائمی ہوگی لہٰذا مغربی جمہوریت کے فروغ دینے کا اس ملک میں مطلب یہ ہوا کہ ہندو اکثریت کی غلامی میں مسلم اقلیت دے دی جائے مسلمان اسے کسی طرح منظور نہیں کر سکتے۔ پھر کیا ہو؟ یہ سوال اب مسٹر جناح کے دماغ میں گردش کرنے لگا تھا۔

شانِ کج کلاہی، اندازِ شہریاری

کانگرس نے تختِ حکومت پر بیٹھتے ہی مسلمانوں کے ساتھ وہی سلوک شروع کر دیا جو ایک فاتح ایک مفتوح کے ساتھ کرتا ہے۔ سب سے پہلا حملہ اردو زبان پر ہوا جو ہندو مسلم اتحاد کی بہترین یادگار تھی اس کے بارے میں گاندھی جی نے فرمایا:۔

"اُردو مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے، قرآنی حروف میں لکھی جاتی ہے، مسلمان بادشاہوں نے اسے اپنے زمانہ حکومت میں بنایا اور پھیلایا تھا۔"

گاندھی جی کے ان ارشادات نے مسلمانوں کو بہت متاثر کیا، چنانچہ کانگرس کے دیرینہ دوست ڈاکٹر مولوی عبد الحق صاحب سیکرٹری انجمن ترقی اُردو اور گاندھی جی کے پُرانے قدرشناس پروفیسر محمد مجیب (جامعہ ملیہ اسلامیہ) نے بھی گاندھی جی کی اس روش کے خلاف احتجاج کیا، اس پر جواہر لال کو بہت تعجب ہوا اور انہوں نے کہا "تعجب ہے مجیب صاحب جیسا سمجھدار انسان ایسی باتیں کرتا ہے!" اُردو کے بجائے گاندھی جی نے "ہندی تہوار ہندوستانی" نام ایک نئی زبان کی ایجاد کی اور کانگرسی حکومتیں اس کے پرچار میں لگ گئیں اور اُردو کے خلاف کانگرس نے ایک مستقل محاذ قائم کر لیا حالانکہ اردو ہندی زبان سے کتنی متاثر ہے اس کا اندازہ ایک ہندو رسالہ زمانہ (کانپور) کے ان

اعداد و شمار سے ہو سکتا :-

اُردو کے مشہور و مستند لغت فرہنگ آصفیہ میں کل لفظ ۵۴ ہزار ہیں۔

ان میں سے ہندی ۳۹ ہزار ہیں۔

ان میں سے عربی ۷ ہزار چھ سو ہیں۔

ان میں سے فارسی ۶ ہزار چار سو ہیں

ان میں سے سنسکرت ۵ سو ہیں۔

ان میں سے انگریزی وغیرہ دو سو ہیں۔

مسلمانوں نے لاکھ لاکھ التجائیں کیں ہم ایک فاتح کی حیثیت سے اس دیس میں فارسی زبان اپنے ساتھ لائے تھے پھر یہاں کے رہن سہن اور اختلاط و ارتباط سے خود بخود اُردو زبان بن گئی جس کی تعمیر میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا برابر کا حصہ تھا۔ ہم یہاں "السلام علیکم" کہتے ہوئے آئے تھے مگر تمہاری خاطر سے ہم نے "آداب عرض" "بندگی" "تسلیمات" شروع کر دیا۔ اب ہم جس طرح فارسی کو اپنی زبان نہیں بنا سکتے اسی طرح سنسکرت آمیز ہندی کو بھی نہیں اپنا سکتے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اُردو زبان باقی رکھی جائے جس کے تقریباً ایک تہائی الفاظ ہندی ہیں مگر ہر سعی و کوشش رائگاں گئی۔ کانگرس کی شانِ کج کلاہی اور اندازہ شہریاری میں کوئی فرق نہیں آیا۔

ایک اور ہلاکت آفرین حملہ

کانگرس نے اپنے دورِ حکومت میں صرف اُردو زبان کو پامال نہیں کیا، صرف مسلم حقوقِ سیاسی پہ ڈاکہ نہیں ڈالا بلکہ اب ان کے ذہن و دماغ اور قلب و نظر کو بھی ماؤف کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

اگر تعلیم کی، اور بالخصوص ابتدائی اور ثانوی تعلیم کی باگ حکومت کے ہاتھ میں ہو

تو ایک نسل کے بعد حسب مقصد قوم تیار کر سکتی ہے۔ یہ قوم ذہنی اور دماغی اعتبار سے نئی تعلیم کی حامل ہو گی اور گذشتہ روایات فراموش کر چکی ہوں گی۔ یہ حکومت کے اشارے پہ چلے گی اور ناموس ملی اور غیرتِ مذہبی سے محروم ہو چکی ہو گی، الہ آباد کے پیرِ زندہ دل اکبر الہ آبادی نے فرعون پر طنز کیا تھا۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

یعنی اگر وہ کالج قائم کر دیتا اور قوم کی تعلیم اپنے ہاتھ میں لے لیتا تو اسے پھر کسی بغاوت اور سرکشی کا خطرہ باقی نہ رہ جاتا، اسی مفہوم کو ذرا سنجیدہ انداز میں بھی انہوں نے کہا ہے، فرماتے ہیں :-

دل بدل جاتے ہیں تعلیم بدل جانے سے!

کانگرس نے ایک واردھا اسکیم بنائی بدقسمتی سے اس کی تشکیل میں کچھ مسلمان بھی شریک تھے یہ تعلیمی اسکیم تھی اور اسلامی روح کے قطعاً منافی اس اسکیم کی رو سے لڑکوں اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم رائج کی گئی تھی۔ موسیقی تعلیم کا لازمی جزو تھا۔ عدم تشدد کو دنیا کے بہترین عقیدہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا تھا۔ مذاہبِ عالم کی "مشترک سچائی" کے فتنہ انگیز فلسفہ کو بنیاد اساس کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ ظاہر ہے ان اصولوں میں سے کوئی اصول بھی ایسا نہ تھا جو اسلام کے اصولوں سے ٹکراتا نہ ہو، اسلام لڑکوں اور لڑکیوں کے اشتراک و اختلاط کو قطعاً جائز نہیں رکھتا، موسیقی اسلام میں حرام ہے جس قوم کو یداللہ علی ابن طالب، سیف اللہ خالد بن ولید اور سردار جوانان اہل جنت حضرت حسین علیہما السلام پر ناز ہو، وہ عدم تشدد کو بہترین اور برتر عقیدہ کی حیثیت سے ہرگز قبول نہیں کر سکتے۔ مذاہبِ عالم کی "مشترک سچائی" اب سابق مذاہب میں موجود نہیں ہے۔ صرف اسلام کے سوا کوئی مذہب بھی اصل اور صحیح رنگ میں موجود نہیں ہے۔ پھر ایک مسلمان "مشترک سچائی"

کا اصرار ہو، کہ مذاہب عالم پر مہر تصدیق کس طرح ثبت کر سکتا ہے؟ مسلمانوں نے اس اسکیم کے خلاف احتجاج کیا۔ جلسے کئے، جلوس نکالے، مظاہرے کئے لیکن کانگرس حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی اور سی۔پی میں اس اسکیم کی ابتدا کی اور "ودیا مندر اسکیم" کو عملی جامہ پہنا دیا۔ اب سول نافرمانی کے سوا مسلمانوں کے لئے کوئی چارۂ کار نہ تھا، انہوں نے سول نافرمانی شروع کر دی۔ سب سے پہلے خان بہادر نواب صدیق علی خاں گرفتار ہوئے اور انہوں نے احتجاج کے طور پر اپنا خطاب بھی واپس کر دیا جب حالات نازک ہوئے تو سی۔پی کی کانگرس حکومت نے نواب زادہ لیاقت علی خاں سے صلح کر لی، اور مسلم مدرسوں کا نام "ودیا مندر" کے بجائے "مدینۃ العلم" بدلنے کی اجازت دے دی۔

سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا

دسمبر ۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ کا ایک اہم اور شاندار اجلاس پٹنہ میں مسٹر جناح کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ صدر مجلس استقبالیہ، عزیز ملت سید عبدالعزیز بیرسٹرایٹ لا تھے۔ بہار میں بھی مسلمانوں پر سی۔پی کی طرح مظالم توڑے جا رہے تھے اس اجلاس میں ایک تجویز منظور ہوئی کہ بہار میں بھی اگر حالات سازگار نہ ہوں تو مرکزی مسلم لیگ کی اجازت سے سول نافرمانی شروع کی جا سکتی ہے۔

اپنے خطبۂ استقبالیہ میں سید عبدالعزیز صاحب نے کانگرسی دورِ حکومت پر ایک سرسری نظر ڈالی ہے۔ اس کا کچھ حصہ اگر پیش نظر رہے تو اچھا ہے۔

ودیا مندر اسکیم

ودیا مندر اسکیم مسلمان بچوں کے لئے بالکل ناموزوں ہے اس کے نام ہی میں فرقہ وارانہ ذہنیت پائی جاتی ہے جہاں تک لفظ "مندر" کا تعلق ہے اس کے معنی لغوی ہیر پھیر سے

بدلے نہیں جا سکتے۔ لفظ "مندر" متفقہ طور پر ایک خاص مذہبی رنگت لئے ہوئے ہے اور دوسرے لفظوں سے مل کر بھی اپنا مذہبی معنی برقرار رکھتا ہے اسی۔پی (صوبۂ متوسط) کے وزیر اعظم مسٹر شکلا کے ایک بیان کے مطابق بھی لفظ مندر قصداً خاص ایک غرض سے ابتدائی تعلیم گاہوں کے لئے اختیار کیا ہے تاکہ اس لفظ سے ہندو بچوں کے مذہبی جذبات میں جوش پیدا ہو حالانکہ سرکاری تعلیم پانے کے مستحق صرف ایک ہی قوم کے افراد نہیں ہوتے بلکہ مسلمان اور دیگر غیر ہندو بھی ہوتے ہیں۔ مشترکہ تعلیم گاہوں میں اس طرح کا نام اختیار کرنے اور رواج دینے کی مطلق گنجائش نہیں تھی۔

ودیا مندر کی اسکیم کی بنیاد واردھا اسکیم پر قائم ہے جس کے متعلق آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے جو پچھلے دنوں اس شہر میں منعقد ہوئی تھی صاف صاف اپنی رائے ظاہر کر دی ہے کہ یہ بالکل ناقص نامکمل اور بعض حیثیتوں سے قدامت پرستانہ اور دقیانوسی اسکیم ہے اور مسلمان بچوں کے قومی مزاج کے صریحاً خلاف اور مضر ہے۔

بندے ماترم کو قومی ترانہ قرار دے کر مسلمانوں کو بالعموم اور مسلم طلباء کو بالخصوص کانگرس حکومت اور اس کے ناعاقبت اندیش ہوا خواہوں نے بے حد صدمہ اور رنج پہنچایا ہے۔ اس نغمہ میں بت پرستی کا تخیل اور اس کی تصنیف مسلمانوں سے منافرت پر مبنی ہے۔ ایسی صورت میں کسی مشترکہ جلسے یا تعلیم گاہوں میں اس ترانہ کو جاری کرنا یا اس نغمہ سرائی پر اصرار کرنا مسلمانوں کو دکھ دینا اور برہم کرنا ہے۔

اُردو ہندی کا قضیہ بھی نہایت ہی تلخ اور مضر صورت اختیار کر رہا ہے اُردو جو ہندوؤں اور مسلمانوں کی کوششوں کی زندہ یادگار ہے۔ کچھ عرصہ سے سیاسی اختلافات کی وجہ سے تعصب کا شکار ہو رہی ہے اور آج کانگرسی وزارتوں میں حکمرانہ اقتدار کے ماتحت مٹائی جا رہی ہے۔

اُردو ہمہ گیر حیثیت اور عام مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔ برما کے دشوار گزار جنگلوں میں اُردو اسکول قائم ہیں سرحد کا پٹھان، سندھ کا کاشتکار، بمبئی کا تاجر اور منگلور کا بساطی بھی اُردو

جانتا سمجھتا، بولتا اور لکھتا ہے، اُردو ادب کی تاریخ گواہ ہے کہ ہندوؤں نے بھی اس زبان کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ ماضی کا ذکر جانے دیجئے:۔

آج بھی سر تیج بہادر سپرو، منشی دیا نرائن نگم، پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی اور ڈاکٹر تارا چند کے درخشاں خدمات کو کون بھلا سکتا ہے۔ خود ہمارے صوبے کے ممتاز فاضل اور علم دوست ڈاکٹر سچدانند (وائس چانسلر پٹنہ یونیورسٹی) نے جن کی سخن فہمی اور اُردو دانی کا ہر شخص معترف ہے چند دن ہوئے اپنے لڑکے کی تقریب شادی کے سلسلہ میں جو دعوت نامہ تقسیم کیا ہے وہ اُردو زبان اور رسم الخط سے تعصب برتنے اور بیر رکھنے والوں کے لئے سبق آموز ہے۔ رقعہ کی عبارت حسب ذیل ہے۔

بفضل خدا میرے نور نظر رادھا کرشن سنہا سلمہٗ کی برات بتاریخ ۱۰ جنوری ۱۹۳۹ء شام کے تین بجے میرے مکان سے آنریبل جسٹس سکھ دیو پرشاد ورما کی کوٹھی پر جائے گی اور بعد واپسی برات اسی رات کے ۸ بجے غریب خانہ پر دعوتِ طعام ہے۔ امید ہے کہ آنجناب تقریب اور کھانے میں شرکت فرما کر شکریہ کا موقعہ دیں گے (الملتمس سچدانند سنہا)

اب سر تیج بہادر سپرو کی اس صدارتی تقریر کو ملاحظہ فرمائیں جو ۱۸ دسمبر ۱۹۳۸ء کو یوم اُردو کے جلسہ کے موقع پر الہ آباد میں کی، انہوں نے فرمایا کہ:۔

"اُردو ہم ہندو مسلمانوں کی وراثتِ مشترکہ ناقابل تقسیم ہے۔ یہ ہمارے اتحاد کی سب سے بڑی یادگار ہے۔ ہم کئی صدی سے یہ زبان بولتے چلے آتے ہیں میرے باپ دادا، میرے بچے سب یہی زبان بولتے ہیں اور کسی حال میں بھی اسے چھوڑ نہیں سکتے۔ جو لوگ اس میں غیر مانوس ثقیل سنسکرت اور عربی الفاظ خواہ مخواہ داخل کرتے ہیں۔ وہ زبان کو خواہ مخواہ خراب کر رہے ہیں اور جو لوگ اس بنا پر مروجہ اور مانوس الفاظ نکال کر بھدے اور نئے الفاظ داخل کرنا چاہتے ہیں کہ دیہات والے سمجھ سکیں انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ

دنیا میں کوئی زبان ایسی نہیں جس کی شہری اور دیہاتی بولی میں فرق نہ ہو۔ یہ ساری خرابی اس وجہ سے ہے کہ ہماری زبان کو سیاسی مسئلہ بنا لیا گیا ہے۔

"میں اس زبان کے لئے اردو ہی کا لفظ پسند کرتا ہوں جب میرے سامنے ہندوستانی کا لفظ کہتا ہے تو میرے دل کو تکلیف ہوتی اور مجھے سخت صدمہ ہوتا ہے"

متعصب اور ناعاقبت اندیش برادران وطن کا اُردو زبان کے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہے اس سے باہمی مغائرت اور منافرت کی خلیج وسیع تر ہوتی جا رہی ہے۔

بہار کے مسلمان اقلیت میں ہیں۔ ان کی آبادی تقریباً ۱۴ فیصد ہے۔ ان کی اقتصادی و تعلیمی حالت اچھی نہیں ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ ان حالات میں بھی ان کے اندر بہت سی خوبیاں موجود ہیں

آج انتہائی دکھ کے ساتھ مجھے اس تلخ حقیقت کا اعلان کرنا پڑتا ہے کہ کانگرسی حضرات نے کراچی کے بنیادی حقوق کے طے شدہ اعلان کو طاق نسیاں کا گلدستہ بنا دیا۔ آج قربانی کے مسئلہ میں رسم و رواج کی ایسی قید لگائی جا رہی ہے کہ مسلمان اپنے فرائض کو برت نہیں سکتا۔ چونکہ یہاں قربانی عام طور سے گھروں کے اندر کی جاتی ہے اور اگر چوکیدار کو اس کی اطلاع بھی ہوئی تو عام طور پر ہندو چوکیدار اور ہندو پولیس افسران کے ہونے کے باعث بہت سے علاقوں کی قربانیوں کا اندراج تھانہ کے رجسٹر میں نہیں ہوتا اور پولیس کی مصلحت بھی زیادہ تر یہی ہے کہ کم سے کم جگہوں کے متعلق قربانیوں کا اندراج ہو۔

ضلع مونگیر کے موضع آمین میں مسلمانوں کے خلاف دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ نے جو آگ لگائی ہے وہ صرف مسلم لیگ کی کوشش سے اس وقت تک دبی ہوئی ہے اس طرح موضع تلوکری (ہزاری باغ) اور صوبہ کے کئی اضلاع میں مسلمانوں پر متعصب برادران وطن کے ہاتھوں مقامی افسران اور خاص کر مسلمان افسران کی کمزوریوں اور حکومت کی پالیسی کی وجہ سے جو مظالم ہوئے اور ہو رہے ہیں وہ حد درجہ المناک ہیں۔ کانگرس پر جس قدر کسان زمیندار اور سوشلسٹوں نے جائز یا ناجائز حملے کئے ہیں اس کا چوتھائی حصہ بھی مسلم لیگ

نے نہیں کیا ہے لیکن طرفہ تماشہ یہ ہے کہ اس پر بھی مسلم لیگ صرف کانگریس ہی کی دشمن شمار نہیں کی جاتی بلکہ عام ہندوؤں کی بھی جو صریحاً حقیقت کے خلاف ہے۔

ہندو مسلمانوں کے رشتہ کو خراب اور تلخ کرنے والی ایک مزید چیز پیدا ہوئی ہے وہ یہ کہ سب سے بڑی اسلامی ریاست حیدرآباد کو محض تعصب کی بنا پر نقصان پہنچانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ حیدرآباد کے ہندو باشندوں کی تعلیمی اور اقتصادی حالت وہاں کے مسلمان باشندوں سے بہتر ہے اور ان کی شکایات جو پہلے نہ تھیں وہ بیرونی ذرائع سے پیدا کرائی گئی ہیں۔ پچھلے دنوں اس شہر میں ایک جلسہ کیا گیا جس میں غلط واقعات بیان کر کے حیدرآباد کے خلاف تعصب و دشمنی پھیلائی گئی۔

کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا

مسٹر فضل الحق وزیر اعظم بنگال نے بھی ایک بیان میں کانگریس کی دراز دستیوں کا راز فاش کیا تھا اپنے طویل بیان میں وہ فرماتے ہیں:۔

"کانگرسی وزارتوں نے عہدے سنبھالنے کے ساتھ ہی بعض انوکھی حرکتیں کیں۔ انہوں نے مقامی حکام کے نام تحریری اور زبانی ہدایات جاری کر دیں کہ اہم معاملات میں وہ اپنے ہاں کی کانگرس کمیٹی کے عہدیداروں سے مشورہ حاصل کر لیا کریں۔ انہوں نے احکام جاری کئے کہ پبلک عمارتوں اسکولوں اور دوسرے مقامات پر کانگرسی جھنڈے نصب کئے جائیں، بہت سے وزراء نے نہایت ہی تزک و احتشام کے ساتھ مفصلات اور قصبات میں کانگرسی جھنڈے لہرانے کے لئے دورے کئے اور مسلمانوں کے احتجاج کے باوجود اس کا تمسخر کر کے یہ احکام نافذ کئے اور اجازتیں دیں کہ ہر تقریب پر کانگرس کا ترانہ بندے ماترم گایا جائے۔ انہوں نے ہندی زبان کو رواج دیا اور اس کی ہمت افزائی کی یہاں تک کہ مدراس

میں تمام طلباء کے لئے اس کا پڑھنا لازمی قرار دیا۔ انہوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ اپنے منصوبوں کی مسلمانوں سے جبراً تعمیل کرائیں گے ان کے منصوبے کیا تھے مختصراً یہ کہ:۔

(۱) گئو ماتا کی بہر صورت رکھشا ہونی چاہیئے اسی بنا پر مدناپور، بلیا، اور دیگر مقامات میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا گیا۔

(۲) مسلمانوں کو گائے کا گوشت کھانے کی اجازت نہ دینی چاہیئے، چنانچہ اس مقصد کو سامنے رکھ کر تلوکری میں وحشیانہ اور انسانیت سوز مظالم اور اس طرح دوسرے کثیر التعداد مقامات پر خول ریزیاں روا رکھی گئیں جن کی حقیقت سے کسی کو انکار کی جرأت نہیں ہو سکتی۔

(۳) مسلمانوں کے مذہب کو پامال کر دینا چاہیئے، کیونکہ یہ دیش ہندوؤں کا ہے اس منصوبے کو پورا کرنے کے لئے اذانیں روک دی گئیں۔ مساجد میں نمازیوں پہ حملے کئے گئے۔ نماز کے اوقات میں مسجدوں کے سامنے شور و غوغا کرتے ہوئے باجے کے ساتھ فاتحانہ انداز میں جلوس گزارے گئے، بقرعید کے موقعوں پر گائے کی قربانی کو جبراً روکا گیا، اور مسلمانوں کے قبرستانوں، مسجدوں اور دوسرے مقدس و محترم مقامات کی بے حرمتی کی گئی۔ کانگرس کے خلاف جو کچھ پیش کیا جاتا ہے وہ صرف اتنا ہی نہیں ہے میں اردو ہندی کی تحریک میں شدت، ودیا مندر اسکیم کے نفاذ مقامی با اختیار اداروں (مثلاً ڈسٹرکٹ بورڈ میونسپلٹی) میں جو تھوڑے سے بہت مسلمان رہ گئے ان کو بالکل ہی معدوم کرنے کی کوشش، اردو اسکولوں کی پامالی، ہندو تمدن کی فوقیت دکھانے کے لئے مدارس میں قابلِ اعتراض درسی کتابوں کی ترویج اور خالص مسلم مدارس کے لئے اپنی کتابوں کی منظوری اور متعدد دوسرے ایسے معاملات کا جو مسلمانوں کی طرف سے کانگرسی حکومت کے

خلاف عائد کردہ فردِ جرم میں شامل ہیں یہاں کوئی ذکر نہیں چھیڑا اگر جب کسی عدالت مجاز کے سامنے یہ معاملات پیش ہوں گے تو ان مذکورہ شکایات کی تفصیلات بھی اسی وقت پیش کر دی جائیں گی"۔

شکلا اور کھرے کا جواب لاجواب

پنڈت راوی شنکر شکلا وزیر اعظم سی، پی نے ایک پبلک بیان میں ان الزامات کو "جھوٹ کا ہمالیہ" قرار دیا۔

مسٹر شکلا کے اس جواب کا جواب ان کے پیشرو ڈاکٹر کھرے سابق کانگرسی وزیر اعظم سی، پی نے دیا جو مرہٹہ اخبار "ہتواد" ناگپور میں مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۳۹ء کو شائع ہوا جو حسب ذیل ہے:۔

"مجھے پنڈت شکلا کا وہ بیان جو جبلپور سے ایسوسی ایٹیڈ پریس کے ذریعہ اشاعت پذیر ہوا ہے اور جس میں مسٹر فضل الحق وزیر اعظم بنگال کے فرد الزامات کو جھوٹ کا ہمالہ کہا گیا ہے دیکھ کر تعجب ہوا اگر پنڈت شکلا کا یہ بیان شائع نہ ہوا ہوتا تو میں اس معاملہ کا تذکرہ پریس کے ذریعہ نہ کرتا اس کے علاوہ یہ مناسب بھی نہیں ہو گا کہ اگر اس موقع پر میں واقعات کو جس طرح کہ مجھے معلوم ہیں پبلک کے سامنے نہ لے آؤں۔ میں نے پہلے بھی کہا ہے اور اب پھر کہتا ہوں کہ وزارت قبول کرنے کے پندرہ روز کے اندر ہی میرے اس وقت کے رفیق کار مسٹر ڈی۔ پی مصرا نے مجھ سے درخواست کی کہ مسٹر نیاز احمد خاں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کا جو اس وقت جبلپور میں تعینات تھے تبادلہ کر دیا جائے۔ بلا کسی ظاہری سبب کے مسٹر مصرا کی اس درخواست کا صرف ایک ہی سبب میں سمجھ سکا وہ یہ تھا کہ مسٹر نیاز احمد خاں نے مشہور مقدمہ حسینہ کے اغوا کی تفتیش کی تھی۔ یہ مسلمان افسر کو ایذا پہنچانے کی مثال نمبر ایک ہے میرے بعض مہا کوشلی رفیق یہ چاہتے تھے کہ میں مسٹر انعام الرحیم آئی سی ایس کو جو اس وقت بعہدہ ڈپٹی کمشنر ایوت محل میں تعینات تھے اور

جو اس صوبہ میں واحد مسلم آئی سی ایس افسر تھے مستقل نہ کروں۔ یہ مسلمان افسر کو ایذا پہنچانے کی دوسری مثال ہے اگرچہ میں نے اپنے رفقائے کار کے ان ارشادات کی تعمیل نہیں کی کیونکہ میں سب کے ساتھ یکساں سلوک کرنے کا خواہشمند تھا۔ ایک اور مثال مسٹر شریف کا مشہور معاملہ ہے اس معاملہ میں مسٹر شریف جو اس وقت وزیر تھے بعض قیدیوں کو جن میں چند مسلمان بھی تھے میعاد سے پہلے رہا کر دینے پر سخت باز پرس کی گئی تھی۔ شریف صاحب کے معافی مانگنے پر کانگرس اسمبلی پارٹی نے اپنے ایک جلسہ میں مسٹر شریف کی اس حرکت سے درگذر کر دیا تھا لیکن ہائی کمان اور کانگرس ورکنگ کمیٹی نے اسمبلی پارٹی کی تجویز نظر انداز کرتے ہوئے ایک ٹربیونل مقرر کر دیا کہ شریف کے معاملہ کی تحقیقات کرے اور انجام کار شریف صاحب کو نکال باہر کیا۔ ایک بالکل اسی قسم کے معاملہ میں جس کا تعلق مسٹر مصرا کے خلاف تحریری شکایت تھی لیکن ہائی کمان نے مسٹر مصرا کے حق میں ایک طرفہ فیصلہ دے دیا اور شکایت کرنے والوں سے کوئی جواب طلب کئے بغیر ان سے کہا کہ وہ مسٹر مصرا سے معافی مانگیں اپنی ان حرکتوں سے کانگرس ورکنگ کمیٹی اور ہائی کمان نے مسلمانوں کو اس کا موقع دیا کہ وہ ایک ہی قسم کے دو واقعات میں امتیازی سلوک پر معترض ہوں کیونکہ مسٹر شریف مسلمان ہیں اور مسٹر مصرا ہندو ان کے علاوہ مشہور پان والا واقعہ بھی ہے جس میں وزیر قانون نے ایک مسلمان کے ہندو قاتل کو رہا کر دیا لیکن ہائی کمان نے اس طرف کوئی توجہ نہیں کی حالانکہ مسٹر شریف کے معاملہ میں بہت شور اٹھایا گیا اس لئے کوئی تعجب کی بات نہیں اگر اس معاملہ میں بھی مسلمانوں نے ہائی کمان پر جانبداری کا الزام لگایا کیونکہ جس وزیر نے یہ حرکت کی وہ ہندو ہے۔

شکلا وزارت نے اکثر دوسرے فرقوں کے مفاد کو قربان کیا ہے مسٹر شکلا نے صفائی میں گورنر سے امداد طلب کی ہے لیکن میرا یہ خیال ہے کہ یہ بات غیر متعلق ہے کیونکہ گورنر کو اندرونی کارروائیوں کی خبر نہیں ہوتی۔ میں ہر کمیٹی یا کمیشن کے سامنے اس سلسلہ میں جو کچھ جانتا ہوں، بیان کرنے کے لئے تیار ہوں۔ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ پنڈت جواہر لال نہرو جو کانگرسی وزراء کے خلاف عائد کردہ الزامات کی تحقیقات کے لئے مسٹر فضل الحق کے ساتھ دورہ کرنے کے لئے بیتاب نظر آتے ہیں وہ صرف ناگپور آ کر ان الزامات کی تحقیقات کر لیں جو میں نے عائد کئے ہیں۔ اس میں فائدہ زیادہ ہوگا اور صرف کم ہوگا۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ وہ یہ معلوم کر کے کہ سی، پی وزارت نے کیا کچھ کیا ہے حیران رہ جائیں گے۔

مسلم جلوس پر فائرنگ

۱۹۳۹ء میں کانگرسی حکومت نے بمبئی میں امتناع شراب کا قانون منظور کیا۔ مسلم لیگ پارٹی نے اس قانون کی تائید کی۔ محکمہ آبکاری کے نقصان کی تلافی کے لئے کانگرسی حکومت نے مالکان مکانات پر ۱۰ فیصد کا مزید محصول عائد کیا۔ اسے بھی مسلم لیگ نے مان لیا لیکن اس نے ترمیم یہ پیش کی کہ مکانات اوقاف جو کار خیر کے لئے وقف ہیں۔ اس محصول سے مستثنیٰ کر دئے جائیں کیونکہ اوقاف سود نہیں لیتے۔ مسلمانوں نے اس ترمیم میں مزید وسعت دی اور کہا صرف مسلم اوقاف نہیں ہر قوم کے اوقاف اس ٹیکس سے مستثنیٰ کر دئے لیکن کانگرسی حکومت نے اپنی اکثریت کے بل پر یہ ترمیم ماننے سے انکار کر دیا اور اس طرح مسلم اوقاف پر ۱۱ لاکھ سالانہ کا بوجھ ڈال دیا۔

یکم اگست ۱۹۳۹ء کو سر کریم بھائی ابراہیم[1] (بیرونیٹ) کی سرکردگی میں ایک احتجاجی جلوس

[1] سر کریم بھائی ابراہیم بمبئی کے کروڑپتی لوگوں میں سے تھے، حکومت برطانیہ کی طرف سے انہیں بیرونٹ بنایا گیا تھا۔ سر کا خطاب موروثی طور پر انہیں حاصل تھا۔ مسلم لیگ میں بڑے جوش و خروش اور خلوص کے

باقی صفحہ ۲۰۹ پر

محمد علی روڈ سے نکلا اور مسلم محلوں کا گشت کرتا ہوا چھوٹے قبرستان پر پہنچا۔ جلوس بہت پُرامن تھا۔ مجمع کی غیر معمولی کثرت کے باوجود ضبط و نظم برابر قائم رہا۔ جب جلوس منزل مقصود سے صرف ... گز کے فاصلہ پر تھا کہ اس پر پتھر آئے۔ رضا کاروں نے آگے بڑھ کر پولیس کو اطلاع دی مگر پولیس نے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی پھر بھی مسلمان پُرامن طریقے سے چھوٹے قبرستان کے احاطہ میں داخل ہوگئے اور خیر و خوبی کے ساتھ ایک گھنٹہ تک ان کا جلسہ جاری رہا۔

پولیس کی اس فائرنگ سے مسلمان بہت متاثر ہوئے کئی مسلم رضا کار بری طرح زخمی ہو گئے آخر حکومت نے جسٹس بروم فیلڈ کی زیر صدارت ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا جس نے مسلم جلوس کو پرامن قرار دیا۔ مسلم رضا کاروں کی تعریف کی اور فائرنگ کو بھی جائز اور واجبی قرار دیا۔ بہت خوب!

اس انجمنِ ناز کی کیا بات ہے غالبؔ ○ ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو آئے

پیرپور رپورٹ

۲۰ مارچ ۱۹۳۸ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کونسل نے کانگرسی حکومتوں کے ظلم و ستم کی تاریخ مرتب کرنے، حالات جمع کرنے، واقعات فراہم کرنے اور معلومات مرتب کرنے کے لئے راجہ سید محمد مہدی (آف پیرپور) کی صدارت میں ایک مجلس تحقیقات مرتب کی۔

تقریباً آٹھ مہینے تک ملک کا دورہ کرنے، کانگرسی صوبوں کے حالات فراہم کرنے واقعات کی چھان بین کرنے کے بعد ۱۵ نومبر ۱۹۳۸ء کو کمیٹی نے اپنی رپورٹ مسلم لیگ کے سامنے پیش کر دی۔ اب یہ رپورٹ مسلم لیگ کی طرف سے انگریزی زبان میں شائع ہو چکی ہے اس رپورٹ کے مدلل واقعات سے بھی کانگرس ہائی کمان متاثر نہیں ہوئی۔ وہ اپنے ظلم و ستم کی روش پہ قائم رہی۔

ساتھ شریک ہوتے۔ بمبئی کونسل میں مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر تھے۔ بڑے نڈر اور دبنگ قسم کے آدمی تھے۔ سمندر کے کنارے جوہو پر انہوں نے ایک شاندار بنگلہ بنایا تھا جس کا نام "پاکستان" رکھا تھا۔ تقسیم کے بعد کروڑوں روپیہ کی جائداد اور لاکھوں روپیہ کا سرمایہ چھوڑ کر ایک مہاجر کی حیثیت سے کراچی آ گئے۔ خانہ نشینی کی زندگی بسر کی۔ کچھ عرصے کے بعد قلب کے مرض میں مبتلا ہو کر وفات پا گئے۔

نیا دور

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

آخر مسٹر جناح نے محسوس کر لیا کہ ذاتی اور انفرادی کوششیں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ کسی بے اثر اور کم مایہ جماعت کی پشت پناہی بھی حصولِ مقصد میں ممد و معاون نہیں ہو سکتی۔ ہندو بھی اسی وقت مسلمانوں کی بات سنیں گے جب وہ ایک طاقت رکھتے ہوں اور حکومت بھی ان کا وجود اسی وقت تسلیم کرے گی جب وہ ایک زندہ، خود دار اور متحد قوم کی حیثیت رکھتے ہوں۔

آخر کار ——!

ایک دُبلے پتلے، لمبے تڑنگے، نازک اندام سے آدمی نے یہ محسوس کیا، سوچا، فیصلہ کیا اور اٹھ کھڑا ہوا، دنیا ہنسی، مخالفوں نے قہقہے لگائے، دشمنوں نے مضحکہ اڑایا۔ اپنے بھی حیران و پریشان کہ یہ کیسی انہونی بات بات کہہ رہا ہے۔ مسلمان اور تنظیم؟ مسلمان اور اتفاق و اتحاد؟ مسلمان اور یک جہتی و یگانگی؟ ریت کے ذروں کو سیمنٹ کون بنا سکتا ہے؟ بہتے ہوئے پانی کو پتھر کی چٹان کس طرح بنایا جا سکتا ہے؟ موم لوہا کس طرح بن سکتا ہے —؟ یہ شخص اگر دیوانہ نہیں تو حواس باختہ ضرور ہے۔

لیکن جب میدان میں آیا تو دنیا یہ دیکھ کر دنگ رہ گئی کہ یہ پتلا دُبلا انسان ایک مردِ آہن ہے، ایک مردہ قوم کی رگوں میں زندگی کا نیا خون دوڑا سکتا ہے، پتھر کو چٹان اور چٹان کو پہاڑ بنا سکتا ہے اور ساکن و جامد پہاڑ میں نمو پیدا کر سکتا ہے اسے رقصِ حیات کا درس دے سکتا ہے۔ اسے سرگرمِ خرام کر سکتا ہے اسے کارگاہِ حیات میں آمادۂ جہد و عمل کر سکتا ہے دیکھتے دیکھتے ایک محدود اور مختصر مدت میں مسلمان ایک قوم بن گئے۔ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے۔ ایک پہاڑ بن گئے، جس مسلمان قوم کے لیڈروں کی تعداد حد شمار سے خارج تھی اس کا صرف ایک لیڈر رہ گیا۔ جس مسلمان قوم کے صدہا پلیٹ فارم تھے سب ویران ہو گئے اور ایک پلیٹ فارم باقی رہ گیا، جس مسلمان قوم کی بھانت بھانت کی بولیاں معاملاتِ ملی میں رخنے پیدا کیا کرتی تھیں وہ ایک آواز ہو گئی، اس کا ایک نعرہ بن گیا جس کی گونج اغیار کے در و دیوار کے لئے لرزہ بر اندام ثابت ہونے لگی۔ فارسی کے مشہور شاعرِ گرامی نے حکیم امت اقبال کے لئے کہا تھا اور بجا کہا تھا۔

در دیدۂ معنی نگہاں حضرتِ اقبال — پیغمبری کرد و پیمبر نتواں گفت،

کیا بالکل یہی بات جناح کے لئے بھی نہیں کہی جا سکتی؟

نئی مسلم لیگ

ایک نئے جذبہ، ایک نئے حوصلہ ایک نئے ولولہ کے ساتھ مسٹر جناح نے مسلم قوم کی تنظیم نو کا بیڑہ اٹھایا۔ اب تک مسلم لیگ قائم تھی وہ ناکارہ اور از کار رفتہ تھی، اب جناح نے جو نئی اور جدید مسلم لیگ قائم کی وہ اپنی صورت و سیرت، اپنے کردار و عمل اپنی کمیت و کیفیت کے اعتبار سے بالکل جُدا گانہ اور ممتاز چیز تھی۔

مئی ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کا جو سالانہ جلسہ سر وزیر حسن کی زیر صدارت منعقد ہوا وہ مسلم لیگ کے دورِ جدید کا پیشرو اور ہراول تھا۔ اب تک مسلم لیگ خواص کی جماعت

تھی۔ اب وہ عوام کی جمعیت بن گئی۔ اب جنگ اعزاز و مناصب۔ القاب اور خطاب، جاگیر اور بخشش کے لئے نہیں رہی تھی۔ اب جنگ قوم کے لئے تھی۔ یہ مسلم لیگ تھی جسے بہت جلد قوم نے اپنی امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز بنا لیا اب تک مسلم لیگ کی ممبری فقط اس شخص کو مل سکتی تھی جسے ارباب لیگ چاہیں ممبری کے لئے درخواست پیش کرنی پڑتی تھی درخواست بغیر وجہ بتائے ہوئے نامنظور بھی کی جا سکتی تھی لیکن اب جو شخص دو آنے سالانہ دے وہ مسلم لیگ کا ممبر بن سکتا ہے اس کے فیصلوں پر، اس کی پالیسی پر، اس کے مسلک پر، اس کی ہیئت ترکیبی پر، اس کی قیادت پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔

مسلم لیگ اب آمادۂ عمل ہو رہی تھی۔ اسے شیران قالین کی نہیں مردانِ کار کی ضرورت تھی، اب وہ سروں اور خان بہادروں کی کنیز نہیں تھی۔ اب اسے عامۃ المسلمین کی قیادت کے لئے آگے آگے بڑھنا تھا۔ اب تک وہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں تھی جو اسے اپنے اغراض کا کھلونا بنائے ہوئے تھے۔ اب وہ ان کے ہاتھوں میں آ رہی تھی جو اس کی نمائندگی عام کے مدعی تھے۔ ابھی تک وہ خواص کی "مجلس مباحثہ" تھی اب اسے عوام کا مرکزِ عمل بننا تھا۔ لوگوں نے اب تک اسے آلۂ کار بنا رکھا تھا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ جسے غرض ہو وہ اس کا آلۂ کار بنے لیکن ضرورت تھی اس کے دائرۂ عمل میں توسیع کی جائے اس کا دروازہ ہر مسلمان کے لئے وا کر دیا جائے۔ اس کے کارکنوں میں بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا مسلمان شیر و شکر کی طرح ہم آہنگی اور ہم رنگی سے شریکِ کار ہو۔

۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کا جو شاندار اجلاس بمقام لکھنؤ منعقد ہوا۔ اس نے ایسے دورِ جمہوریت کا آغاز کر دیا جس کے بعد ہر مسلمان کے لئے مسلم لیگ کے تمام کاموں میں حصہ لینا بہ سر غلط ہو تو اسے ڈگنا اور راہِ ثواب پہ گامزن کرنا اتنا ہی آسان ہو گیا جتنا دنیا کی جمہوری سے جمہوری جماعت کا ہو سکتا ہے۔

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ اس کا احیاء جدیدہ اور اس کا ہمہ گیر اقتدار رہینِ منت ہے چند اسباب و عوامل کا جن میں دو خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

(۱) جس طرح معاہدہ ورسیلز نے جرمن قوم میں ایک عام اشتعال۔ ایک عام جذبۂ انتقام اور ایک عام برہمی پیدا کر دی تھی۔ اسی طرح ہندوؤں کے جذبہ استیلا۔ کانگرسی لیڈروں کی مہاسبھائیت اور کانگرسی حکومتوں کی ہندوانہ ذہنیت نے مسلمانوں میں ایک عام بیداری اور کانگرس سے ایک عام بیزاری پیدا کر دی۔ لوہا گرم تھا۔ چوٹ لگنے کی دیر تھی۔ اگر مسلم لیگ کے بجائے کوئی اور فعال جماعت سامنے آتی اور وہی کام کرتی جو وقت کا تقاضا تھا تو وہ شاید مسلم لیگ سے بھی زیادہ پروان چڑھتی۔

(۲) مسٹر جناح میں ۱۹۳۷ء سے پہلے یقیناً بہت سی کمزوریاں تھیں اور اب کہ وہ مسلمانوں کے قائد اعظم ہیں۔ اب بھی ان کی ذات کمزوریوں سے مبرا نہیں ہے لیکن ان کی ایک خوبی تمام کمزوریوں پر غالب آ گئی۔ اس بڑھاپے میں انہوں نے جس جوش و ولولہ کا ثبوت دیا، جس ہمت و مستعدی سے مسلمانوں میں صورِ بیداری پھونکا۔ جس استقلال و عزیمت سے ہندوؤں کا برطانوی دسیسہ کاریوں کا، کانگرسی امپیریلزم کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جس میں قابلِ رشک قوتِ عمل سے کام لے کر مسلمانوں کو ان کی ہستی سے روشناس کرایا، جس طرح انہیں یہ سبق دیا۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

جس طرح ان کی بیداری سے فائدہ اٹھا کر ان کا وجود ہندوؤں اور حکومت سے قبول کرایا۔ اس نے بھی لیگ کی تجدید اور مسلمانوں کے احیاء میں غیر معمولی حصہ لیا۔

کامیابیاں

یہ انہی اسباب و عوامل کا نتیجہ تھا کہ ایک بہت ہی محدود مدت میں مسلم لیگ ہندوستانی مسلمانوں کا سب سے بڑا مرکز بن گئی۔

گزشتہ انتخابات سے پیشتر مسلم لیگ ایک بے جسد بے روح تھی۔ انتخابات کے پالکل وقت کے وقت وہ آمادۂ عمل ہوئی۔ چھ مہینے کے قلیل عرصہ میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد لیگ میں شریک ہو گئی، صدہا شاخیں قائم ہو گئیں جنہوں نے جوش و سرگرمی سے کام شروع کر دیا۔ مسلم لیگ کی ہر دلعزیزی، اس کے اقتدار کی ہمہ گیری، اس کی محبوبیت عام کا دور حقیقتاً اسی جمہوری اقدام سے شروع ہوتا ہے جب تک مسلم لیگ خواص کے ہاتھوں کا کھلونا رہی۔ عوام اس سے برگشتہ رہے جب وہ عوام کے ہاتھ آ گئی عوام بھی اس کے ہو گئے۔

اب ہندوستان کے چھوٹے سے چھوٹے قصبہ میں، ہر ہر ضلع میں، تمام بڑے بڑے شہروں میں مسلم لیگ کی شاخیں قائم ہو چکی ہیں اور سرگرمی و تن دہی کے ساتھ مصروف عمل ہیں۔ مسلمان سمجھ رہے ہیں کہ یہ جماعت انہی کی بنائی ہوئی ہے۔ اس میں روح انہی کی ہمت بلند نے پھونکی ہے۔ اس کا یہ سارا زور، یہ قوت، یہ دبدبہ، یہ سطوت، یہ بڑائی اور یہ شوکت و طاقت رہین منت ہے انہی کے جذبہ و جوش کا، اب لیگ کا پلیٹ فارم عام مسلمانوں کا ہو چکا۔ یہاں سے وہی آواز بلند ہو گی جو مسلمانوں کی آواز ہو گی۔ اس کے خلاف ہر آواز دبا دی جائے گی، نہیں سنی جائے گی۔ نظر انداز کر دی جائے گی۔

پارلیمنٹری پروگرام:

آل انڈیا مسلم لیگ کونسل نے ۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء کو ایک قرارداد کے ذریعہ مسٹر جناح کو مجاز کیا تھا کہ وہ انڈیا ایکٹ کے ماتحت ہونے والے صوبائی مجالس مقننہ

کے سلسلہ میں انتخابی دستور العمل تیار کریں اور شائع کریں۔ مرکزی پارلیمنٹری بورڈ کی طرف سے مسٹر جناح نے حسب ذیل انتخابی دستور العمل شائع کیا:۔

(۱) مسلمانوں کے مذہبی حقوق کی حفاظت خالص مذہبی امور میں جمعیۃ العلماء ہند اور مجتہد کرام کی رائے کو خاص وقعت دی جانی چاہیئے۔

(۲) تشدد آمیز قوانین کی تنسیخ کی کوشش

(۳) ان تمام قوانین کی مخالفت جو ہندوستان کے مفاد کے لئے مضر رساں ہوں اور افراد کے اساسی حقوق پر اثر انداز ہوں یا ملک میں اقتصادی تصرفات کا دروازہ کھولیں۔

(۴) مرکزی و صوبائی نظم و نسق کے خرچ کو کم کر کے اندازے سے ہر قوم کے تعمیری ادارات پر صرف کرنا۔

(۵) فوج کو ہندوستانی بنانا اور ان کے خرچ کو کم کرنا۔

(۶) صنعتوں کو فروغ دینا۔

(۷) سکہ مبادلہ اور قیمتوں کو ملک کے اقتصادی فائدے کے مطابق منظم کرنا۔

(۸) دیہاتی آبادی کی اقتصادی، معاشرتی اور تعلیمی فلاح کی کوشش کرنا۔

(۹) زراعتی قرض میں تخفیف کے لئے قوانین بنانا۔

(۱۰) ابتدائی تعلیم کو مفت اور لازمی بنانا۔

(۱۱) اردو زبان اور رسم الخط کی حفاظت کرنا۔

(۱۲) مسلمانوں کی عام حالت و حیثیت کو بہتر بنانے کی تدابیر اختیار کرنا۔

(۱۳) محاصل کے بار کو کم کرنا۔

(۱۴) ملک میں صحیح رائے عامہ اور عام سیاسی بیداری پیدا کرنا۔

اس کے علاوہ پارلیمنٹری بورڈ نے امیدواروں کے لئے ایک پلیج تیار کیا اس میں اور زیادہ تفصیل اور وضاحت کے ساتھ امور بالا کی دفعات پیش کیں۔

یہ دستور العمل ۱۳ اگست ۱۹۳۶ء کو پارلیمنٹری بورڈ کی مجلس دستور و آئین نے مرتب کیا۔ ۱۳ اگست ۳۶ء ہی کو مجلس عاملہ نے اس کی توثیق کی اور اسی روز یہ شائع کر دیا گیا۔

کانگرس نے بھی ایک اسی طرح کا نظام عمل شائع کیا تھا جہاں تک خیالات اور جذبات کا تعلق تھا مسلم لیگ اور کانگرس میں کوئی بنیادی اور اساسی فرق نہیں رہ گیا تھا۔ دونوں کا نقطۂ نظر ایک تھا۔ منزلِ مقصود ایک تھی اور نصب العین بھی ایک تھا۔

اجلاسِ لکھنؤ

مسلم لیگ کی تجدید اور تعمیر نو کے بعد پہلا سالانہ اجلاس اکتوبر ۳۷ء میں مسٹر جناح کی زیر صدارت بہ مقام لکھنؤ منعقد ہوا۔ یہ اجلاس چند در چند خصوصیات کی بنا پر اہم ترین اجلاس تھا۔

(۱) لیگ عوامی جماعت اسی اجلاس کے بعد سے بنی۔

(۲) اب تک لیگ کا نصب العین حکومت خود اختیاری زیر سایہ برطانیہ تھا۔ اس اجلاس میں لیگ نے فیصلہ کیا کہ اس کا نصب العین آزادی کامل ہے۔

(۳) لیگ کو منظر عام پہ آئے ابھی چند مہینے ہوئے تھے۔ انتخابات میں اسے کامیابی ہوئی تھی لیکن غیر معمولی۔ اب ان مسلمانوں نے بھی لیگ کی ضرورت، اہمیت اور طاقت محسوس کر لی تھی جو لیگ سے باہر تھے چنانچہ سکندر حیات خاں اور مسٹر فضل الحق اپنی پارٹی کے ساتھ اس اجلاس میں لیگ کے باقاعدہ ممبر بنے۔ اس کی رہنمائی قبول کی اور اسے مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کیا۔

خطبۂ صدارت

مسٹر جناح نے اس اجلاس میں ایک بہت ہی اہم خطبہ صدارت ارشاد فرمایا جس کے خاص خاص حصے درج ذیل ہیں:-

"ہندوستان کے مسلمانوں کو کانگرس سے علیحدہ کر دینے کی ساری ذمہ داری کانگرس کے موجودہ لیڈروں پہ ہے اور خصوصاً گزشتہ دس سال سے ان کا طرز عمل کچھ ایسا ہو رہا ہے کہ مسلمان خود بخود اس سے بیزار ہو کر کنارہ کش ہو رہے ہیں۔ اپنے چھ اکثریت والے صوبوں میں جب سے انہوں نے وزارت قائم کی ہے تب سے اپنے پروگرام و اعمال و الفاظ سے مسلمانوں پہ یہ واضح کر دیا ہے کہ انہیں حق و انصاف کے خیال کو بالائے طاق رکھ دینا چاہیئے جہاں جہاں ان کی اکثریت ہے وہاں مسلم لیگ پارٹی کے ساتھ اشتراکِ عمل کرنے سے قطعی انکار کر دیا اور یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ لیگ بغیر کسی شرط کے ان کے عہد ناموں پر دستخط کر دے۔ اگر کسی مسلمان ممبر نے بغیر کسی شرط کے ان کے عہد ناموں پر دستخط کر دیئے تو اسے وزارت کے عہدہ پر مامور کیا جاتا ہے۔ اگرچہ مجلس وضع قوانین میں مسلم نمائندوں کا اسے اعتماد نہ ہو تاہم اسے وزیر قرار دیا جاتا ہے ہندی کو ہندوستان کی قومی زبان و بندے ماترم کو قومی ترانہ قرار دیا جا رہا ہے اور جبراً ہر شخص کو اس پر عمل کرنے کے لئے سختیاں کی جا رہی ہیں۔ کانگرس کے جھنڈے کی اطاعت و عزت ہر شخص کے لئے لازمی قرار دی جا رہی ہے اپنے قلیل اختیارات و ذمہ داری کے نشہ میں اکثریت نے واضح طور سے یہ جتا دیا کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کے لئے ہے۔ موجودہ کانگرس کی پالیسی کا نتیجہ یہ ہو گا کہ باہمی کشمکش، فرقہ دارانہ فسادات بہت ہی زیادہ تعداد میں ہوں گے اور اس کے باعث شہنشاہی اقتدار اور بھی زیادہ مستحکم ہو جائے گا۔ میں دعویٰ کے ساتھ کہتا ہوں کہ برطانوی حکومت ان کے موجودہ طرزِ عمل کی حمایت کرے گی اور جب تک کہ امپیریل حقوق و دیگر حفاظت وغیرہ میں مداخلت یا نقصان نہ پہنچے گا۔ اس وقت تک وہ ان کی ہمت افزائی

کرتے ہوئے اپنا الو سیدھا کرتی رہے گی۔ میرا یہ خیال ہے کہ کانگرس نے بذاتِ خود ہندوستانیوں میں بہت اختلاف پیدا کر دئیے ہیں اور اشتراکِ عمل کو ناممکن بنا دیا ہے۔

آئین کی رو سے اقلیت کے حقوق کے تحفظ کے لئے گورنروں و گورنر جنرل کو جو اختیارات و خاص ذمہ داری دی گئی تھی اس کے استعمال کرنے سے وہ سب پرہیز کر رہے ہیں اور مسلم وزراء کی تقرری کے سلسلہ میں آئین کے اصل معنوں و ہدایت ناموں کی خلاف ورزی کرنے میں حصہ لے رہے ہیں۔ اگرچہ انہیں اس کا علم ہوتا ہے کہ مسلم نمائندوں اور عوام الناس کا ایسے وزیروں پر اعتماد نہیں ہے۔ ایسے ایسے معمولی معاملوں میں جب کہ گورنروں نے اپنی مجبوری کا اظہار کر کے اپنے عہد و پیمان کو توڑ ڈالا تو کیا آنے والے سینکڑوں مسئلوں کی تحفظ کا وہ کوئی سامان کر سکیں گے۔ زمانہ کا یہ بہت نازک و قابلِ غور مسئلہ ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنی تنظیم زور شور کے ساتھ شروع کر دیں تاکہ وہ اپنے مکمل اختیارات پر حاوی رہ سکیں۔ اس سے قبل میں یہ ذکر کر چکا ہوں کہ مسلمانوں کے ایک طبقہ کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے اور اس طبقہ نے برطانیہ و کانگرس کے ساتھ اشتراکِ عمل کرتے ہوئے ان سے اپنی ساری امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں لیکن جو خود کسی کی مدد نہیں کرتا خدا بھی اس کی مدد نہیں کرتا ہے مسلمان جب تک کہ متفق و منظم نہ ہو جائیں گے اس وقت تک طاقت و اختیارات کا حاصل کرنا ناممکن ہے اور اس کے بغیر کامیابی بھی ناممکن ہے۔ اکثریت کے ساتھ کسی قسم کا سمجھوتہ ناممکن ہے کیونکہ ہندو لیڈر اس کا خواہاں معلوم نہیں ہوتا اور سمجھوتہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے احترام کا خیال نہ رکھیں

گی کانگرس کی بائی کمان والے کسی ایک بات پر قائم نہیں رہتے اور وہ اپنا اظہارِ خیال مختلف طرح سے کیا کرتے ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ ہندوستان میں ہندو مسلم اور اقلیت کا سوال ہی نہیں ہے دوسری رائے یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے۔ لہٰذا اگر ان کی اس کس مپرسی کی حالت میں انہیں اور بھی زیادہ منتشر کر دیا جائے تو ان کی سیاسی ہستی کا جنازہ نکل جائے گا لیکن یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ ہندوستانی سیاست کی دنیا میں دخل اندازی کے لئے میدانِ عمل میں آ گئی ہے کانگرسی خیال کے مسلمان یہ اشاعت کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کو بغیر کسی شرط کے کانگرس کے حلقہ میں آ جانا چاہیئے لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ بہت بڑی غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اگر مسلمان اس فریب کا شکار بن گئے تو سمجھ لیجئے کہ ان کی قومی ہستی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہونے والا ہے مسلمانوں کے خلاف جو طنزیہ الفاظ استعمال کئے جا رہے ہیں۔ اس سے ہم لوگوں کو پست ہمت نہ ہونا چاہیئے۔ آج قوم پرست اُسے کہا جا سکتا ہے جو اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر کانگرس کے عہد ناموں پر دستخط کر دیتا ہے خیال فرمائیے کہ اس قسم کا یہ پروپیگنڈا کیا قابلِ اعتراض نہیں ہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا نصب العین بیشک مسلمان و دیگر اقلیت جماعت کے حقوق کی حفاظت کرنا ہے اور یہی سبب ہے کہ لیگ و حامیان لیگ کانگرس کی نظروں میں کھٹک رہے ہیں ورنہ اس کے علاوہ کانگرس کی اور کوئی شکایت ہی نہیں ہے۔

کانگرس وہی کر رہی ہے جس کو ہم لوگوں نے دو سال قبل قرار دیا ہے۔

کانگرس خواہ کتنا ہی دعوےٰ کرے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کے لئے کچھ بھی نہیں کیا ہے۔ مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کا اعتماد حاصل کرنے

میں کانگرس بالکل ناکامیاب ثابت ہوئی ہے۔ اب میں فلسطین کے مسئلہ کی طرف رُخ کرتا ہوں۔ حکومت برطانیہ نے عربوں کے ساتھ بہت بڑی دغابازی کی ہے۔ حکومت برطانیہ نے جنگِ عظیم کے بعد اپنے اعلان میں یہ وعدہ کیا تھا کہ عربوں کو مکمل آزادی عطا کی جائے گی اور ایک عرب کانفیڈریشن (CONFEDRATION) قائم کیا جائے گا لیکن عربوں سے اپنا مطلب حاصل کرنے کے بعد اعلان بالفور کے ذریعہ ان پر مینڈیٹوری (MANDARAY -) تسلط جمایا گیا۔ اب برطانیہ فلسطین کو تقسیم کرنا چاہتی ہے۔ اور اگر رائل کمیشن کی سفارشوں پر عمل کیا گیا تو عربوں کے جائز حقوق و حوصلوں کا بالکل خاتمہ ہو جائے گا۔ اگر برطانیہ اپنے اصلی اعلان اور جنگ عظیم کے بعد کے عہد و پیمان پر قائم نہ رہے گی تو مسلمانانِ ہند کیا بلکہ ساری دنیا کے مسلمان بالاتفاق برطانوی حکومت کو یہ آگاہ کرتے ہیں کہ وہ خود بخود اپنی قبر کھودے گی تمہاری اس جد و جہد میں ہزاروں روڑے اٹکائے جائیں گے تم پر صدہا مظالم کے پہاڑ توڑے جائیں گے۔ دھمکیاں دی جائیں گی۔ لہٰذا جب تک تم ان مصائب کو برداشت کرنے کے لئے شیر کا دل نہ پیدا کرو گے اس وقت تک تمہاری گذشتہ روایات و عظمت کو تسلیم کرنے کے لئے کوئی تیار نہ ہوگا۔"

تجاویز!

مسلم لیگ کا یہ پہلا اجلاس تھا جو کانگرس کے برسرِ حکومت آنے کے بعد منعقد ہوا تھا۔ اس دور میں کانگرس نے مسلمانوں پر ستم ہائے بے حساب کا مظاہرہ شروع کر رکھا تھا۔ فلسطین میں عربوں پر قیامت توڑی جا رہی تھی۔ ہندوستان میں مسلمان پراگندہ، آوارہ اور منتشر تھے۔ دنیا ایک نئی کروٹ لے رہی تھی۔ ہندوستان بھی انقلاب کے دروازہ پر

کھڑا تھا۔ انڈیا ایکٹ کا ایک حصہ پراونشل اٹانومی نافذ ہو چکا تھا اور دوسرا حصہ فیڈریشن بہت جلد نافذ ہونے والا تھا اور یہ مسلمانوں کے لئے حد درجہ مضر اور تباہ کن اور خطرناک تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گورنروں اور کانگرسی لیڈروں کے درمیان کوئی خفیہ معاہدہ ہو چکا ہے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے اقلیتوں پر مظالم ہو رہے تھے اور وہ خاموش تھے حالانکہ جس فرمانِ شاہی کی رو سے گورنر مامور ہوئے تھے اس میں صاف تصریح تھی کہ وہ اقلیتوں پر ظلم و زیادتی نہ ہونے دیں۔ اپنے فرائض کی بجاآوری میں وہ بری طرح ناکام رہے تھے۔ ان حالات میں مسلم لیگ نے بہت اہم اور نتیجہ خیز تجویزیں منظور کیں۔ جن میں سے چند ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ جلسہ کانگرس کے اس طرز و رویہ پر سخت اعتراض کرتا ہے جس کی رو سے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس لگاتے ہوئے بندے ماترم کو قومی ترانہ قرار دیا گیا ہے اور اس ترانہ کی تہ میں صرف بت پرستی و مخالف اسلام خیالات موجزن ہیں۔

(۲) مختلف صوبوں میں کانگرسی جماعت کی وزارت قائم کرنے پر آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس سخت ترین یہ اعتراض کرتا ہے کیونکہ اس کی رو سے حکومت ہند کے ۱۹۳۵ء کے آئین کے اصل مقصد و ہدایتی آلہ کار کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ اور گورنروں نے مسلمان اور دیگر اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے عطا شدہ اپنے خاص اختیارات کو استعمال میں نہ لا کر اپنی کمزوری کا اظہار کیا ہے لہٰذا ان کے اس طرز عمل کی سخت مخالفت کرتی ہے

(۳) یہ قرار پایا کہ مسلم لیگ کا نصب العین، ہندوستان میں مکمل آزادی کا حصول ہے جس کی شکل آزادی جمہوری ریاستوں کے فیڈریشن کی مانند ہوگی جس کے آئین میں مسلمان و دیگر اقلیتوں کے حقوق و مفاد کا کافی لحاظ رکھا جائے گا۔

(۴) حکومت ہند کے ۱۹۳۵ء کے آئین پر مشتمل آل انڈیا فیڈریشن کی اسکیم کو آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ جلسہ پر زور طریقہ سے نامنظور کرتا ہے اور اس کے نفاذ کی مخالفت کرتے

ہوئے حکومت برطانیہ سے مسلم لیگ یہ درخواست کرتی ہے کہ وہ اس کو نافذ کرنے سے گریز کرے کیونکہ یہ اسکیم ہندوستان کے لوگوں کے حق میں عموماً اور مسلمانوں کے حق میں خصوصاً سود مند نہیں بلکہ ضرر رساں ہے۔

(۵) اُردو کی پیدائش ہندو مسلم باہمی تعلقات و تہذیبی مراسم کے باعث ہوئی تھی اور ملک کے ہر طبقہ کے لوگوں کی یہ زبان تھی لہٰذا ایک مخلوط قومیت قائم کرنے کے لئے اُردو زبان بہترین ذریعہ ہے لہٰذا آل انڈیا مسلم لیگ ہندوستان کے ہر اُردو بولنے والے فرد بشر سے یہ درخواست کرتی ہے کہ وہ اپنے اپنے دائرہ عمل میں اپنی زبان کی حفاظت کے لئے حتی الامکان کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھے۔

(۶) آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ جلسہ حکومت برطانیہ سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ بلوچستان کی موجودہ مطلق العنانہ شکل کی حکومت ہٹا کر ہندوستان کے دیگر صوبوں کے مانند ایک جمہوری شکل کی حکومت قائم کرنے کے لئے فوری کاروائی کی جائے۔

(۷) صوبہ آسام کی اراضی کا بندوبست کرنے کے لئے جو طریقے رائج ہیں اور جسے لائن سسٹم (طریقہ احاطہ بندی) کہتے ہیں وہ لوگوں کی صوبائی آمدورفت و شہری اساسی حقوق کے استعمال میں بہت ہی زیادہ خلل انداز ہے و نیز اس کی رو سے نئی آباد ہونے والی جماعت پر طرح طرح کی سختیاں عائد کی جاتی ہیں لہٰذا مسلم لیگ کی یہ خواہش ہے کہ لائن سسٹم کا انسداد کر دیا جائے۔

شہادت گاہ شہید گنج

سکھوں کے گردوارہ شہید گنج لاہور میں سکھ عہدِ حکومت سے ایک مسجد شامل چلی آتی تھی جو شہید گنج کے نام سے موسوم تھی۔ اس پر سکھوں کا قبضہ تھا اور وہ تمادی عارض ہوجانے کے سبب برطانوی آئین و دستور کے مطابق اس کے مالک بن چکے تھے۔

گردوارہ کی توسیع کے لئے سکھوں نے مئی ۳۵ء میں اس مسجد کو ڈھا دینا چاہا۔ مسلمانوں

میں اشتعال پیدا ہوا۔ یہ مسجد اگر حکومت کے قبضہ میں ہوتی تو مسلمانوں کا احتجاج اور مظاہرہ اس کی بازیافت میں کامیاب ہوسکتا تھا لیکن یہ ایک دوسری قوم کے قبضہ میں تھی۔ قانون اس کے ساتھ تھا۔ یہ مسئلہ صرف باہمی مفاہمت سے طے ہوسکتا تھا لیکن سکھ مفاہمت کے لئے تیار نہیں تھے۔ ایک طرف احرار تھے جو سکھوں سے ساز باز کر رہے تھے اور سکھ احرار محاذ قائم کر کے پنجاب میں وزارت قائم کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کا ساتھ دینے کی بجائے سکھوں کی دلجوئی کی۔ دوسری طرف مولانا ظفر علی خاں کے نیلی پوش تھے جو کفن سر سے باندھ کر "میدان جہاد میں اتر چکے تھے اور مسجد شہید گنج پہ قابض ہونے کا فیصلہ کر چکے تھے احرار خاموش تھے۔ یونینسٹ مہر بہ لب تھے۔ خاکسار گوشہ نشین تھے۔ صرف نیلی پوش تھے جو مسجد کی بازیافت کے لئے جانیں دینے باہر نکلے تھے۔ وہ قید ہوئے۔ وہ گرفتار ہوئے انھوں نے سینہ پہ گولیاں کھائیں اور عروس شہادت سے ہمکنار ہوئے لیکن مسجد واپس نہ لے سکے اس لئے کہ وہ نہتے تھے اور حکومت مسلح تھی۔ وہ بے مایہ تھے اور حکومت ساز و سامان دنیاوی سے آراستہ تھی۔ حکومت کے قبضہ میں "مسجد شاہ چراغ" تھی جس میں سرکاری دفاتر تھے وہ اس نے واپس کر دی لیکن شہید گنج کے معاملہ میں وہ بے بس تھی۔

اس ہنگامہ آرائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں مسلمان جیل پہنچ گئے۔ بہت سے شہید ہوئے لیکن مسجد بدستور سکھوں کے قبضہ میں رہی بلکہ سکھوں نے قانونی حق سے فائدہ اٹھا کر مسمار بھی کر دیا۔ سکھ الگ بیٹھے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ حکومت اور عامۃ المسلمین کے درمیان ایک مسلسل کشمکش جاری تھی۔ ہندوستان کے لیڈروں میں سے کسی میں بھی یہ ہمت نہیں تھی کہ وہ لاہور جائے اور اس بھڑکتی ہوئی آگ پہ پانی ڈالے۔ مسلم لیگ ابھی ابھی ہر دلعزیز ہوئی تھی۔ قائداعظم ابھی ابھی مسندِ قیادت پر متمکن ہوئے تھے انھوں نے خطرہ کا احساس کیا اور مارچ ۳۶ء میں لاہور تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر ایک طرف انھوں نے

حکومت کو آمادہ کیا کہ وہ غیر مشروط طور پر تحریک شہید گنج کے تمام غیر متشدد اسیروں کو رہا کر دے۔ دوسری طرف اس تحریک کے رہنماؤں کو انہوں نے آمادہ کیا کہ وہ سول نافرمانی کی تحریک واپس لے لیں۔ صرف جذبات سے نہ کھیلیں۔ عقل و تدبر سے کام لیں اور فراست کا جو تقاضا ہے وہ کریں۔

لاہور کے دوران قیام میں قائد اعظم نے دو امور کی طرف توجہ مبذول کی:۔

(۱) سکھوں سے گفت و شنید کی جائے اور انہیں آمادہ کیا جائے کہ وہ خود اپنے علو ظرف کا ثبوت دیں اور مسجد واپس دے دیں۔

(۲) عدالتی کاروائی کی جائے اور پریوی کونسل تک یہ مقدمہ لڑا جائے۔

ان دو صورتوں کے علاوہ کوئی تیسری صورت ممکن نہ تھی۔ چنانچہ دونوں باتوں پر عمل شروع ہو گیا سکھوں سے گفت و شنید کے لئے ایک مجلس مصالحت ترتیب پا گئی۔ اور عدالتی کاروائی کے لئے سر شاہ نواز (نواب ممدوٹ) نے جملہ مصارف اپنے ذمے لے لئے۔ لاہور ہائی کورٹ کی فل بنچ نے مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کیا جسٹس دین محمد نے اختلافی فیصلہ لکھا لیکن وہ بروئے کار نہ آ سکا۔ پھر پریوی کونسل تک معاملہ پہنچا۔ وہاں سے بھی سکھوں کے حق میں فیصلہ ہوا۔ گفت و شنید مصالحت بھی ناکام رہی۔

جب تک مسلمان ایک غیر قوم کے غلام ہیں، یہ کڑوی گولیاں انہیں نگلنی ہی پڑیں گی۔ ایک مسلمہ غیر مسلم کے حبالۂ عقد میں نہیں رہ سکتی لیکن برطانوی قانون کہتا ہے کہ مذہب کے بدلنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا جو چیز اسلام میں "حرام کاری" ہے وہ برطانوی قانون کی نظر میں "فعل جائز" ہے۔ اسلام وراثت میں لڑکیوں کا حق بھی تسلیم کرتا ہے لیکن برطانوی قانون نے بہت سے مقامات پر "ہندو لا" مسلمانوں پر نافذ کر رکھا ہے اس طرح کی متعدد مثالیں ہیں۔ تعزیر و عقوبت کے قوانین تو الگ رہے "پرسنل لا" میں بھی مسلمان آزاد نہیں ہیں۔ ان باتوں کا علاج مسٹر جناح نے یہ نہیں سوچا ہے کہ وہ توپ سے اڑ جائیں بلکہ یہ سوچا ہے

کہ وہ آزادی حاصل کریں اور خود مختار حکومت قائم کریں۔ شاخیں کاٹو گے وہ پھر ہری بھری ہو جائیں گی۔ جڑ پر وار کرو گے تو پھر کبھی نہیں سر سبز ہو گی۔

شوکت علی بہادر جرنیل

مسلم لیگ کے دورِ جدید کی تاریخ نامکمل رہے گی اگر اس شخصیت کا تذکرہ نہ کیا جائے جس نے لیگ کے جسدِ بے روح میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی۔ میری مراد مولانا شوکت علی مغفور سے ہے۔

مولانا شوکت علی کی لیگ میں شرکت، مسٹر جناح کی قیادت کا اعلانیہ اور برملا اعتراف اپنی عظیم الشان شخصیت کو اپنے ہمہ گیر اثر و رسوخ رکھنے والے وجود کو اپنی محبوب عوام اور مقبولِ عام ہستی کو ملت کے مفاد پر قربان کر دینا، فنا کر دینا، بھول جانا۔ بے غرضی اور بے لوثی کی تاریخ کا اتنا بڑا کارنامہ ہے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی شاندار مثالیں ملتِ اسلامیہ کی تاریخ میں شاذ و نادر ہی ملیں گی۔ وہ صفِ اول کے زعیم تھے۔ وہ تحریکِ خلافت کے خالق تھے۔ وہ "گاندھی ساز" تھے، وہ "کانگریس گر" تھے۔ ان کا جسم جتنا شاندار اور باوقار تھا ان کی شخصیت اس سے کہیں زیادہ شاندار اور باوقار تھی۔ وہ صحیح معنوں میں عوام کے لیڈر تھے۔ تحریکِ خلافت ختم ہو گئی۔ خلافتی رہنماؤں کا اثر و رسوخ ختم ہو گیا لیکن یہ بڑی آنکھوں والا، موٹی لیکن خوبصورت گردن والا، دبیز لیکن شاندار جسم والا۔ شیریں لیکن گرجدار آواز والا اپنی سحر طراز آنکھوں کو جنبش دیتا ہوا۔ اپنے ہاتھوں میں ایک سیاہ رنگ کی مضبوط چھڑی کا سہارا لیتا ہوا۔ سر پہ استرخانی ٹوپی رکھے، عبا پہنے، کلائی پر گھڑی باندھے اب بھی جب عوام کے مجمع میں پہنچ جاتا تھا تو لیگ کی تحریک کے اللہ اکبر کے نعرے لگنے لگتے تھے موج در موج اور فوج در فوج دست بوسی کے لئے لوگ ٹوٹنے لگتے تھے اور ان سب کے بیچ میں یہ موٹا تازہ لمبا تڑنگا، خوبصورت اور خوب سیرت بوڑھا، لیکن طرحدار، کمن سال لیکن بانکا گنٹھیا کا مریض، ذیابیطس کا شکار، امراضِ مزمنہ کا حریف، آفات و مصائب

کا ہدف اس طرح اکڑ اکڑ کر کھڑا ہوتا اور مسکراتا تھا کہ اس کے ہاتھ پاؤں بھی مسکرانے لگتے تھے، چشم و آبرو بھی مسکرانے لگتے تھے، معلوم ہوتا تھا یہ غم سے واقف ہی نہیں، ناکامی کا لفظ بھی اس نے کبھی نہیں سنا، تھکن اور کمزوری سے ناآشنائے محض، ہر وقت تازہ دم، ہر آن متبسم، ادائیں مستانہ، باتیں دلفریب۔ عجیب لیڈر تھا یہ بھی جب تک آنکھوں سے اوجھل ہے۔ گالیاں دینے والے گالیاں دے رہے ہیں۔ عیب جوئی کر رہے ہیں۔ برا بھلا کہہ رہے ہیں لیکن جہاں سامنے آیا اکڑی ہوئی گردنیں جھک گئیں، چلتی ہوئی زبانیں رک گئیں، بغاوت اطاعت میں بدل گئی۔

یہ شخص چاہتا تو ملت اسلامیہ کے لئے فتنہ بن سکتا تھا۔ یہ تن تنہا، احرار، خاکسار، مسلم مجلس، آزاد مسلم بورڈ، نیشنلسٹ پارٹی، جمعیتہ علماء دہلی کی مجموعی قوت حاصل کر سکتا تھا یہ مسلم لیگ میں تفرقہ پیدا کر سکتا تھا اور اسی طرح اپنی لیڈری کا آفتاب درخشاں اور تاباں رکھ سکتا تھا۔ اپنی دوکان قیادت کی گرم بازاری میں اور اضافہ کر سکتا تھا۔

سنہ ۳۴ء میں مرکزی اسمبلی کا الیکشن اس نے اپنے چند رفقاء کے ساتھ اپنی ساختہ پرداختہ جماعت "مسلم یونیٹی بورڈ" کے ٹکٹ پر جیتا تھا لیکن جنوری سنہ ۳۵ء میں پہلی بار جب وہ ایک ممبر کی حیثیت سے شریک ہوا تو اس نے سب سے پہلا یہ کام کیا کہ مسٹر جناح کی قیادت تسلیم کر لی، بغیر کسی شرط کے اور بغیر کسی "پیکٹ" کے، بغیر کسی تحریک کے اور پھر زندگی کی آخری سانسوں تک خدا اور رسول صلعم کے بعد، خلوت و جلوت میں اگر وہ کسی کا وفادار تھا تو مسلم لیگ اور قائد اعظم کا! کیا کہنے ہیں اس بے نفسی کے، جو سب کچھ بن سکتا تھا جس نے اپنی زندگی کا بہترین زمانہ ملتِ اسلامیہ کے ناخدائے مطلق کی حیثیت سے گزارا تھا جب وقت کا تقاضا ہوا تو اس نے اپنا تاجِ قیادت اتار دیا۔ تلوار ہاتھ میں لی اور ایک سپاہی کی زندگی بسر کرنے لگا۔ دوست اکساتے تھے، عقیدتمند بھڑکاتے تھے لیکن وہ ایک جاں نواز تبسم کے ساتھ کہتا تھا تو صرف یہ: "وقت کا تقاضا یہی ہے، جناح سے بڑھ کر لیڈر نہیں مل سکتا۔"

مجلسِ دستور ساز

○

یکم ستمبر سنہ ۱۹۳۹ء کو برطانیہ نے جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ فوراً ہی بعد فرانس نے بھی اس قسم کا اعلان کر دیا، جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کیا اور طوفان کی طرح یورپ کی چھوٹی ریاستوں کو لقمۂ اجل بناتا ہوا آگے بڑھنے لگا، روس نے جرمنی سے دوستی اور غیر جانبداری کا معاہدہ کر لیا۔ انگریزوں کی پوزیشن اور زیادہ کمزور ہو گئی۔

کانگریسی حکومتیں ابھی تک مستعفی نہیں ہوئی تھیں، حکومت کانگریس کا تعاون بھی حاصل کرنا چاہتی تھی اور مسلم لیگ کا بھی، کانگریس نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ ہندوستان کی آزادی کا غیر مشروط اعلان کرے اور کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی (مجلسِ دستور ساز) کے ذریعہ ہندوستان کے مسائل کا تصفیہ، ہندو مسلم حقوق کا فیصلہ، نظامِ حکومت اور آئین معدلت کا خاکہ تیار کرے۔

مسٹر جناح نے جس شدّ و مد سے فیڈریشن کی مخالفت کی تھی۔ اسی زور شور سے دستوری اسمبلی کی مخالفت بھی کی۔

سب سے پہلے دستوری اسمبلی کا نعرہ پنڈت جواہر لال نہرو نے بلند کیا تھا لیکن

وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اس لئے کہ گاندھی جی اس کے مضمرات سے آشنا نہ ہوئے تھے لیکن اب گاندھی جی یہ نعرہ بلند کر رہے تھے۔ لہٰذا بہت جلد۔ یہ مطالبہ کانگرس کا اور ساری ہندو قوم کا مطالبہ بن گیا۔ پہلی بار گاندھی جی نے مخالفت کی تھی لہٰذا دستور ساز اسمبلی کا خیال خوابِ پریشان بن گیا تھا۔ اب گاندھی جی یہی فرما رہے تھے لہٰذا اس کی ہر طرف سے تائید شروع ہو گئی۔

مسٹر جناح کا معرکہ آرا بیان

گاندھی جی نے نیوز کرانیکل لندن کے ایک نامہ نگار کو بیان دیتے ہوئے ہندوستان کے فرقہ وارانہ مناقشات اور آئینی مشکلات کا واحد حل مجلس دستور ساز کو قرار دیا اور اب ہندوؤں کا اتحاد پروپیگنڈہ بھی کرنے لگے۔

گاندھی جی کے بیان کا جواب دیتے ہوئے مسٹر جناح نے ۲۶ جنوری ۱۹۴۰ء کو حسب ذیل بیان شائع کیا:

"میں خاموش رہنا بہتر سمجھتا مگر مجبور ہو گیا کہ اس پروپیگنڈہ کی تردید کروں جو کانگرس کی جانب سے ہندوستان اور انگلستان میں بڑی قوت کے ساتھ یک طرفہ ہو رہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مجھے صرف لیگ کی مدافعت میں بولنا پڑتا ہے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ مسٹر گاندھی نے ایک امریکن اخبار نویس کو بیان دیا تھا کہ صرف ایک پارٹی ہے جو کچھ کر سکتی ہے اور وہ کانگرس ہے۔ اس کے بعد سوال کیا گیا کہ مسلم لیگ بھی ہے۔ اس کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں۔ مسٹر گاندھی نے جواب دیا کہ میں سوائے کانگرس کے کوئی دوسری پارٹی تسلیم نہیں کروں گا۔ اس پر انہیں اس طرف متوجہ کیا گیا کہ اگر ہندوستان میں صرف ایک پارٹی ہوئی تو گورنمنٹ فیسسٹ ہو جائے گی جمہوری نہیں رہے گی۔ مسٹر گاندھی نے

جواب دیا کہ آپ اس کا کوئی نام رکھیں۔ ہندوستان میں ایک ہی پارٹی ہو سکتی ہے اور وہ کانگرس ہے۔

مسٹر گاندھی جی جو ہمیشہ کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی کے معاملہ میں مبتلائے شکوک رہے تھے یکایک اس کے پُرجوش حامی بن گئے۔ کچھ عرصہ سے وہ مسلم لیگ کو غلط شکل میں پیش کر رہے ہیں اور اس کی نیت اور ارادوں کے متعلق کنایۃً تہمتیں لگا رہے ہیں مثلاً لیگ ملک کی ترقی میں سدِّ راہ ہے اور جو زیادہ قیمت لگائے اس کے ہاتھ بکنے کے لئے تیار ہے۔ مسٹر گاندھی جیسے شخص کا اس سے زیادہ فتنہ پردازانہ بیان اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

اب جب کہ کانگرس کا بھانڈہ پھوٹ چکا ہے یعنی یہ کہ وہ تمام ہندوستان کی نمائندہ نہیں بلکہ صرف ہندوؤں کی انجمن ہے مسٹر گاندھی کو یکایک یہ پسند آیا کہ وہ کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی کے مؤید بن جائیں جو ہندوستان کے موجودہ حالات میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ کانگرس کا دوسرا اور زیادہ ضخیم نسخہ ہو گی۔

اس کے بعد مسٹر گاندھی فرماتے ہیں "جہاں تک کہ کانگرس کا تعلق ہے اس میں ریاستوں کے باشندوں کی بالکل اسی حیثیت سے نیابت ہونی چاہیئے جس طرح کہ برطانوی ہند کے باشندوں کی ہوتی ہے۔ کون اس کا انتظام کرے گا؟ اور وہاں ایلکٹریٹ کیونکر قائم ہو گی؟ اور ان حقوق کا کیا ہو گا جو معاہدات کی بنا پر قائم رہیں؟ اور برطانوی حکومت اور والیانِ ملک کے درمیان کیا تعلقات ہوں گے؟ اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ مسلمان اور دوسری مسلّمہ اقلیتوں کی نیابت اگر ضرورت ہو تو جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کی بنا پر ہو سکتی ہے یہ ایک رعایت ہے لیکن جب وہ آگے چل کر یہ کہتے ہیں کہ ان کی نیابت ان کی آبادی کے صحیح تناسب کے مطابق ہونی چاہیئے تو پھر اس میں بھی کوئی خوبی

میں کثیر التعداد ہے۔ میری تمنا ہے کہ مسٹر گاندھی اپنے دماغ کو اس مسئلہ کے
تصفیہ پر لگائیں جو اہمیت کے اعتبار سے ایک ہی ہے یعنی ہندوؤں اور
مسلمانوں کے تصفیہ کا مسئلہ کیونکہ کانگرس کے تمام لیڈروں میں وہی ایک
ایسے شخص ہیں جو ہندوؤں کی مسلّمہ حیثیت سے نیابت کر سکتے ہیں اور ہندوؤں
کی طرف سے مختارانہ عمل کر سکتے ہیں اور ان دو سب سے بڑی قوموں کے
درمیان سمجھوتہ کرا سکتے ہیں۔ اس بات کو دہرانے کی زیادہ ضرورت نہیں
ہے کہ باعزت سمجھوتہ کرانے کے لئے میں مسلمانوں کی طرف سے وہ انتہائی
مدد کرنے کے لئے تیار ہوں جو میرے اختیار میں ہے"۔

کانگرس، گاندھی جی، جواہر لال، سب آج بھی دستوری اسمبلی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔
لیکن مسٹر جناح نے اس تحریک پر جو اعتراضات وارد کئے، ان کا جواب آج تک کوئی نہ دے سکا

نہیں دے سکتی۔ مسٹر گاندھی کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ ان کے تخیل کی کانسٹی
ٹیوٹینٹ اسمبلی کے اندر بہت ہی حقیر اقلیت میں ہو گے اور وہاں ان کی توقع
ہے کہ مسلمان اور دوسری اقلیتوں کے مقابلہ میں ان کو حیوانی اکثریت حاصل ہو گی،
اس کے بعد بڑا جملہ آتا ہے جو ان کے کورانہ تمرد کا پھر اظہار کرتا ہے۔ یعنی یہ
کہ تمام مشترکہ مفاد کے معاملات میں مجموعی اکثریت کی رائے کا فیصلہ ناطق
ہو گا، اس لئے مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو ہندوستان کے آئندہ دستور کی
نوعیت قسم اور صورت کے متعلق جو کانگرس کی طرف سے مسٹر گاندھی معین کریں
گے۔ اسمبلی کا فیصلہ ماننا پڑے گا۔ مثلاً مسلمان اس کو بہتر سمجھیں گے کہ مجلس
اضعاف قانون دو ایوانوں پر مشتمل ہو۔ کانگرس کے ماتحت اکثریت اس کے خلاف طے
کرے گی۔ مسٹر گاندھی کی رائے کے مطابق کونسا فیصلہ آخری اور قطعی ہو گا؟

مسٹر گاندھی کو نہ ملک کے رقبہ سے بحث ہے اور نہ لوگوں کی جہالت سے
صحیح طور پر نمائندہ اسمبلی کے انعقاد کے لئے یہ شرط اوّل ہے کہ رائے عامہ ترقی
یافتہ ہو۔ رائے دہندے تعلیم یافتہ اور تجربہ کار ہوں۔ ہر قسم کے توہمات سے
آزاد ہوں اور ان اہم سیاسی معاملات پر رائے قائم کرنے کی ان میں صلاحیت
ہو جو ملک پر اثر انداز ہیں۔ یہ حالت نہ ہو جو ہندوستان کی ہے۔ فرقوں کی
تفریق، طرح طرح کے توہمات، صوبہ دارانہ تعصبات اور پھر سب سے
الگ برطانوی ہند اور ہندوستانی ریاستوں کی تفریق۔ لہٰذا مسٹر گاندھی جس
کانسٹی ٹیوٹینٹ اسمبلی کی تجویز پیش کر رہے ہیں۔ اگر بہتر سے بہتر صورت
اختیار کرے تو ایک ایسی مجلس ہو گی جس کا اہتمام اور انتظام تمام کانگرس
پارٹی کے ہاتھ میں ہو گا۔

وہ ملک کی رائے عامہ نہیں ہو گی بلکہ ایک فرقہ کی مرضی ہو گی جو اس ملک

صُلح کی کوششیں

"واں ایک خاموشی تری سب کے جواب میں"

یارب نہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

مسٹر جناح کی سیاسی سرگرمیوں کا مطلع کانگرس کا پلیٹ فارم ہے۔ عدالت کے ایوان سے نکل کر وہ سیدھے کانگرس کے پنڈال میں پہنچے اور یہاں پہنچ کر انہوں نے صرف فصاحت و بلاغت کے جوہر نہیں دکھائے۔ صرف اپنی آئین دانی اور قانون سازی کا ثبوت نہیں دیا صرف حکومت کے خلاف لچھے دار تقریروں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ کانگرس کے مقصدِ حیات آزادی کا انہوں نے راز ـــــ ہندو مسلم اتحاد ـــــ معلوم کر لیا اور اس کارِ اہم کے لئے اپنی خدمات وقف کر دیں۔ یہاں تک کہ مسز سروجنی نائیڈو نے انہیں "ہندو مسلم اتحاد کا سفیر" کہہ کر پکارا اور یہ خطاب کچھ ایسا چلا کہ مسز نائیڈو سے لے کر گاندھی جی تک سب کی زبانوں پر یہی ایک بات تھی۔

مسٹر جناح ۱۹۰۵ء میں کانگرس میں شریک ہوئے۔ کئی برس تک مسلم لیگ سے الگ رہے۔ اس لئے کہ اس وقت تک وہ پہلے ہندوستانی پھر مسلمان تھے۔ پھر ۱۹۱۳ء میں وہ مسلم لیگ

میں شریک ہوئے اس لئے نہیں کہ وہ "فرقہ پرست" ہو گئے تھے۔ صرف اس لئے کہ کانگرس اور لیگ اتحاد ـــــ ہندو مسلم اتحاد ـــــ کے بغیر ہندوستان سیاسی ترقی نہیں کر سکتا۔ حکومت اصلاحات سیاسی کی پہلی قسط نافذ کرنے والی تھی اور ضروری تھا کہ یہ قسط متحدہ ہندوستان کو ملے، دسمبر ۱۹۱۵ء میں مسٹر جناح نے کانگرس کے ساتھ مسلم لیگ کا اجلاس بمبئی میں خطرات کا دلیری سے مقابلہ کر کے منعقد کرایا تاکہ ملک کی یہ دو بڑی سیاسی جماعتیں متحد اور متفق ہو کر حکومت سے اپنے مطالبات منوا سکیں۔ ۱۹۱۶ء کا لکھنؤ پیکٹ اس سعی و کوشش کا مظہر تھا۔

تحریکِ خلافت کے بعد ہندوستان کی سیاست پر ہندو مہاسبھائی قابض ہو گئے اور کانگرسی لیڈر خاموش ہو کر بیٹھ رہے۔ اس وقت بھی جناح نہ ہراساں ہوا نہ بد دل، صلح کانفرنسوں میں شریک ہوتا رہا۔ صلح کانفرنسوں کی بنیادیں ڈالتا رہا۔ صلح و مفاہمت کا راگ الاپتا رہا۔ اتحاد و اتفاق کی خوبیاں بیان کرتا رہا۔ اپنے ہم قوموں کی گالیاں سنتا رہا۔ لیکن ہندو قوم کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا اور سمجھوتہ کی دعوت دیتا رہا۔

مہاسبھا کی جانشین کانگرس

مہاسبھا کے لیڈروں نے ہمیشہ صلح و سلام کی کوششوں کو ناکامیاب بنایا اور کبھی بھی ہندو مسلم اتحاد کو فروغ پذیر نہیں ہونے دیا۔ کانگرس حکومت کا خم ٹھونک کر مقابلہ کر سکتی تھی لیکن ہندو مہاسبھا سے نہیں لڑ سکتی تھی۔ وہ پولیس کی لاٹھیاں اور فوج کی گولیاں کھا سکتی تھی لیکن ہندوؤں کی گالیاں نہیں کھا سکتی تھی۔ مہاسبھائی لیڈروں کے سیاسی طمانچے نہ برداشت کر سکتی تھی وہ برطانوی سامراج کے مقابلہ میں لوہا تھی اور ہندو مہاسبھا کے دربار میں موم!

جواہر لال نہرو اپنی خود نوشت سوانح عمری میں تحریر فرماتے ہیں:

"بہت دن ہوئے گاندھی جی نے فرقہ وارانہ مسئلہ کا ایک حل تجویز کیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ مسئلہ صرف اکثریت کی نیک نیتی اور فراخدلی سے طے ہو سکتا

تھا اس لئے وہ مسلمانوں کا ہر مطالبہ ماننے کو تیار تھے وہ ان کا دل ہاتھ میں لینا چاہتے تھے۔ دُور اندیشی اور قدر و قیمت کے صحیح اندازے کی بدولت وہ حقیقت کی تہ کو پہنچ گئے لیکن دوسرے لوگ (مہا سبھائی) جو یہ سمجھتے تھے کہ ہمیں بازار کا بھاؤ خوب معلوم ہے حالانکہ وہ کسی چیز کی صحیح قدر و قیمت کو نہیں پہچانتے تھے۔ مول تول کرنے میں لگے رہے۔ نہایت افسوس ہے کہ انہیں مہنگے دام تو نظر آئے مگر یہ نہ سوجھا کہ مال کیسا ہے؟

میری کہانی حصہ اوّل صفحہ نمبر ۲۳۲

کتنی عجیب بات ہے گول میز کانفرنس کے اختتام اور انڈیا ایکٹ کے نفاذ کے بعد کانگرس نے مہا سبھا کو شکست دے دی اور عادات و اطوار، شمائل و خصائل، جبلت و ذہنیت خیال و عمل کے اعتبار سے یکسر مہا سبھا کا نمونہ اور مثنیٰ بن گئی۔ وہی گاندھی جی جو بقول جواہر لال مسلمانوں کا دل ہاتھ میں لینا چاہتے تھے۔ ایسے بدلے کہ مہا سبھائیوں کی طرح مول تول کرنے لگے اور بالکل مہا سبھائی بن گئے۔ وہ بھی اور ان کے ساتھ کانگرس کے بڑے بڑے لیڈر بھی حتیٰ کہ جواہر لال بھی، یہ سب کانگرسی لیڈر — مول تول کرنے میں لگے رہے۔ نہایت افسوس ہے کہ انہیں مہنگے دام تو نظر آئے مگر یہ نہ سوجھا کہ مال کیسا ہے!"

مسٹر جناح کی یک رنگی

مہا سبھائی کانگرسی بن گئے۔ کانگرسی مہا سبھا میں مدغم ہو گئے۔ دونوں بدل گئے لیکن مسٹر جناح کی یک رنگی برابر قائم رہی۔ وہ ہر دور میں صرف ایک ہی نعرہ بلند کرتے رہے اتحاد، ہندو مسلم اتحاد! یہ آواز کبھی نقار خانہ میں طوطی کی صدا بن گئی کبھی شیر کی گرج لیکن اس کے بول کبھی نہیں بدلے۔

جواہر لال نہرو کانگرس کے صدر ہوئے اور دو برس تک صدارت پہ فائز رہے۔

ان سے بھی گفت و شنید کا سلسلہ مسٹر جناح نے جاری رکھا۔ پھر سبھاش چندر بوس کے ہاتھ میں عنانِ صدارت آئی جو آجکل "بیتاجی" کے نام سے مشہور ہیں اور اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ نیتاجی کا دامن بھی مسٹر جناح نے بار بار پکڑا لیکن کامیابی کہیں بھی نہیں ہوئی سب کی تمنا ایک ہی تھی۔ مسلمان غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیں، اپنا وجود کانگرس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں

"ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائیں گے کیا؟

گاندھی جی جب سے کانگرس میں آئے ہیں۔ کانگرس کی باگ انہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہیں صدر بنا دیں جسے چاہیں صدارت سے معزول کر دیں۔ وہ جب چاہیں کانگرس کا نصب العین درجہ نو آبادیات قرار دے لیں اور جب چاہیں آزادیٔ کامل، وہ جب چاہیں جنگی معاملات میں حکومت سے اشتراک کی شرطیں پیش کر دیں اور جب چاہیں عدم تشدد اور اہنسا کی آڑ لے کر اپنی شرائط واپس لے لیں۔ وہ ڈکٹیٹروں سے نفرت کرتے ہیں لیکن کانگرس کے سب سے بڑے ڈکٹیٹر وہی ہیں۔

مسٹر جناح نے یہ آخری ذریعہ بھی استعمال کر دیکھا۔ بمبئی کے کانگرسی وزیر اعظم مسٹر بال گنگادھر کھیر کے ذریعہ گاندھی جی کو پیام بھیجا کہ حالات نازک ہو رہے ہیں ہندوؤں اور مسلمانوں میں تلخی اور بد مزگی بڑھ رہی ہے آزادی کی منزل دور ہو رہی ہے اور غلامی کی زنجیریں مضبوط ہو رہی ہیں۔ اٹھیئے اور ہندو مسلم اتحاد کے عملی ذرائع و وسائل پر غور کیجئے آئیے سر جوڑ کر بیٹھیں اور دل جوڑ کر اٹھیں۔

اس پیام کا جواب گاندھی جی نے یہ دیا:۔

"کھیر نے آپ کا پیام پہنچایا، کاش میں کچھ کر سکتا۔ میں قطعاً بے بس ہوں"۔

(مکتوب مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۳۷ء)

سعیٔ مسلسل، جہدِ پیہم

گاندھی جی کے اس مایوس کن جواب کے بعد بھی مسٹر جناح نے ہمت نہیں ہاری۔ وہ

برابر ہندو مسلم اتحاد کی کوششوں میں سرگرم کار رہے۔ وہ کانگرس کو جھنجھوڑتے تھے کبھی گاندھی جی کو مخاطب کرتے تھے کبھی جواہر لال سے مخاطب ہوتے تھے لیکن کوئی بھی ان کی بات نہیں سنتا تھا۔ سب کی طرف سے ایک ہی مطالبہ تھا۔ کانگرس کی پالیسی اور پروگرام سے اتفاق کرو۔ کانگرس کے پلیج پر دستخط کرو۔ مسلم لیگ کو ختم کر دو۔ پھر صلح بھی ہو سکتی اور صفائی بھی ہو سکتی ہے لیکن اگر قومی انفرادیت پر اصرار ہے، جداگانہ قومی وجود کے قیام و بقا پر اصرار ہے، ہندو قومیتِ متحدہ میں شرکت سے انکار ہے تو پھر نہ صلح ہو سکتی ہے نہ صفائی ہو سکتی ہے۔

مسلم لیگ کانفرنس کراچی

۸، ۹ ر اکتوبر ۱۹۳۸ء کو مسٹر جناح کی زیرِ صدارت سندھ مسلم لیگ کا ایک عظیم المرتبت اجلاس منعقد ہوا۔ مسلمانوں کا جوش و خروش حدِ کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ کانگرس سے مسلمانوں کے دل جلے ہوئے تھے۔ کانگرس ہائی کمان سے مسٹر جناح مایوس اور برداشتہ خاطر تھے کانگرسی حکومتیں مسلمانوں پر ظلم و ستم توڑ رہی تھیں۔ یہ حالات تھے جب مسٹر جناح نے اپنا خطبہ صدارت پڑھا۔

"مسلم لیگ کی پالیسی اور اس کے لیڈروں پر طرح طرح کی نکتہ چینیاں کی جا رہی ہیں۔ کانگرسی پریس اور محکمہ اطلاعات میں حقیقت کو دبا کر جھوٹ و لغویات کا انکشاف کیا جا رہا ہے لیکن ہندوستان کی سب سے بڑی مصیبت و آفت جو نازل ہوئی وہ یہ ہے کہ چھ صوبوں میں وزارت حاصل کرنے کے بعد سے کانگرس کے ہائی کمانڈ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے خلاف ایک زبردست وحشیانہ و ظالمانہ و معاندانہ طرز و رویہ اختیار کر رکھا ہے

وزارت قبول کرنے کے بعد سے کانگرس نے مجلسِ مقننہ کی لیگ پارٹی کے

اراکین کو اچھوت قرار دیا اور نیز یہ قرار دیا گیا کہ ان صوبوں کی وزارت میں لیگ کی جماعت کے کسی نمائندہ کو اس وقت تک شامل نہ کیا جائے گا جب تک کہ وہ بغیر کسی شرط کے کانگرس کی پالیسی و عہد نامے پر دستخط نہ کر دے لیکن حقیقت یہ ہے کہ کانگرس آل انڈیا مسلم لیگ سے کہیں زیادہ بدتر و متعصب ہے کانگرس نے مجلسِ مقننہ میں کارروائی شروع کرنے کے قبل بندے ماترم کو قومی ترانہ قرار دے کر اسے گانا شروع کر دیا۔ بت پرستی کے علاوہ اس کے لفظ مسلمانوں کے خلاف نفرت و حقارت کے خیالات سے پر ہیں۔ اگرچہ اب یہ تسلیم کیا جا رہا ہے کہ یہ قومی ترانہ نہیں ہے تاہم اسکولوں اور مجالس میں اس کو گانے کے لئے اسکول کے حکام کے نام برابر ہدایت نامے و تنبیہات جاری کئے جا رہے ہیں۔ اگرچہ یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ کانگرس کا جھنڈا قومی جھنڈا نہیں ہے تاہم سرکاری و پبلک اداروں و عمارتوں پر بغیر کسی کے جذبات کا احساس کئے ہوئے عمداً اسے لہرایا جا رہا ہے۔ صوبوں کے تعلیمی طریقوں کی از سر نو تشکیل کی جا رہی ہے اور اسے واردھا اسکیم کے اصول پر جاری کیا جا رہا ہے جس کا دوسرا نام ودیا مندر ہے۔ مسلمانوں کی حقیقی نمائندگی کو شکست دینے یا مغلوب کرنے کے لئے اور ہر مسلمان کو کانگرس کا رکن بنانے کے لئے اور کمیونل اوارڈ (فرقہ وارانہ عطیہ) کا خاتمہ کرنے کے خیال سے "مسلم ماس کنٹیکٹ" شروع کیا گیا ہے، مسلمانوں کی تہذیب و طاقت کو نیست و نابود کر دینے کے لئے اردو کا خاتمہ کر کے سنسکرت آمیز ہندی ہندوستان کی عام زبان قرار دی جا رہی ہے۔ ملازمت صرف ان لوگوں کے لئے مخصوص کر دی گئی ہے جو کانگرسی ہوں، جو لیگ سے علیحدگی اختیار کرنے کے لئے تیار ہوں۔ مسلم لیگ کے اراکین کے خلاف دفعہ ۱۴۴ اور

قانون فوجداری کی ترمیمی آئین آزادی کے ساتھ استعمال کی جارہی ہیں میونسپل وڈسٹرکٹ بورڈ میں مسلمانوں کی نمائندگی کے خلاف ووٹ دینے کے اختیارات کے متعلق طرح طرح کے قوانین کا نفاذ کیا جارہا ہے۔ مسلم پریس (چھاپہ خانہ) کو ضمانت کی ضبطی کی دھمکیاں دی جارہی ہیں۔ اور بعض اُردو اخباروں اور رسالوں کی ضمانتیں ضبط کرلی گئی ہیں۔ اب آپ ہی غور فرمایئے کیا ایسے ہی پروگرام سے ہندوستان کی آزادی حاصل ہوگی؟ کانگرس اتنے ہی اختیارات کے نشہ میں اتنا سرمست ہوگئی ہے کہ میں سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس حالت میں وہ مسلمانوں پر کیسے کیسے ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے گی، جب کہ حکومت ہند کے مکمل اختیارات اسے عطا کر دئے جائیں۔ بہار۔ یوپی اور سی پی کانگرس کے جوش وغضب کے پورے شکار بنے ہوئے ہیں۔ یہ عام تجربہ ہے کہ بہت سے کانگرسی اپنے کو اس ملک کا حکمران دکھلاتے ہیں اور جیسا سلوک کہ برطانیہ نے ہندوستانیوں کے ساتھ کیا ہے اس سے بدتر سلوک وہ مسلمانوں کے ساتھ روانہ کررہے ہیں۔

اب میں پنجاب، بنگال وآسام کے مسئلوں کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ان صوبوں کی وزارت میں مسلمانوں کا کافی اقتدار ہے اس لئے کانگرس کے سپہ سالارِ اعظم ان کی معزولی کے لئے کوئی حرکت وکارروائی سے باز نہیں آرہے ہیں۔ بنگال میں فضل الحق کی وزارت کو شکست دینے میں انہیں سخت مایوسی ہوئی۔ پنجاب میں سر سکندر کی وزارت کو کمزور بنانے کے لئے انتہائی کوشش کی جارہی ہے لیکن پنجاب میں ابھی تک وزارت کے خلاف بے اعتمادی کی تحریک پیش کرنے کی نوبت نہیں آئی ہے۔ سر سعد اللہ کی وزارت نے جیسے ہی استعفےٰ داخل کیا ویسے ہی صدر کانگرس اپنے

ہمرکابوں کے ہمراہ اپنے عہد وپیمان کو بالائے طاق رکھتے ہوئے نئی کانگرسی وزارت کے پیدائش کے موقع پر اپنی حمایت کا یقین دلانے کے لئے گئے لیکن وزارت قرار پانے کے بعد مسٹر باردولی تین مسلم وزیروں میں سے ایک مسلم وزیر کے نام کا بھی اعلان نہ کرسکے۔ اس کے علاوہ اسمبلی کو ملتوی کرانے کے لئے صدر کو جن جن طریقوں سے پھسلایا گیا وہ باعثِ ذلت ہے کانگرس کے سپہ سالارِ اعظم میں مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرکے مسلم لیگ کی طاقت کو کمزور بنانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے ہیں۔ اگر مسلمانوں کو اپنے حوصلوں اور مقاصد میں ناکامی ہوگی تو یہ مسلمانوں ہی کی غداری کے باعث ہوگی۔

برطانیہ سے وہی بازی لے جاسکتا ہے جس میں طاقت وقوت ہے جس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو بھیڑوں کے حوالے کردیا ہے۔"

اس تقریر میں قائداعظم نے کانگرس کے "رام راج" کی مکمل تصویر کھینچ دی ہے لیکن مفاہمت، تصفیہ اور مصالحت کا جذبہ ایک ایک حرف سے ہویدا ہے۔ یہ تاریخ انہوں نے اس لئے بیان کی ہے کہ وہ اپنے اندر قوت پیدا کریں اور ہندو قیادت کو یہ باور کرادیں کہ وہ فنا نہیں ہوسکتے، جھک نہیں سکتے، انہیں برباد نہیں کیا جاسکتا۔ جب ہندو قیادت میں یہ احساس پیدا ہوجائے گا وہ ضرور معاملہ فہمی سے کام لے گی۔

سعئ مصالحت اور نعرۂ جنگ

اگست ۴۲ء کی ہنگامہ آرائی کے بعد گاندھی جی ایک عرصہ دراز تک نظربند رہے پھر وسط ۱۹۴۴ء میں اپنی علالت کے باعث رہا کردئے گئے۔ رہا ہونے کے بعد انہوں

نے مسٹر جناح کو گفت وشنید کی دعوت دی۔ مسٹر جناح جان رہے تھے کہ ڈراما ہونے کے بعد گاندھی جی نے پھر خفیہ خط وکتابت وائسرائے سے کی اور اسے مسلم لیگ کو نظر انداز کر کے صرف ہندو کانگرس سے صلح کر لینے کا مشورہ دیا لیکن یہ جاننے کے باوجود مسٹر جناح نے فوراً دعوت قبول کر لی۔

ستمبر ۱۹۴۴ء میں گفت وشنید شروع ہوئی اور کامل تین ہفتہ تک جاری رہی اس دوران میں مسٹر جناح نے یہ محسوس کر لیا کہ یہ سعی مفاہمت درحقیقت ایک دام ہے جس میں انہیں پھانسنے کی کوشش کی جا رہی ہے پھر بھی کامل صبر وسکون کے ساتھ وہ گفت وشنید میں منہمک رہے۔

شاید کہ ہمیں بیٹھ کر آکر دیے وبال!

لیکن حسبِ معمول یہ گفتگو بھی ناکامی پر ختم ہوئی۔

"گاندھی جناح "گفت وشنید کی ناکامی کے بعد ۲۷ ستمبر ۱۹۴۴ء کو پرارتھنا کے وقت گاندھی جی نے ایک مختصر سی تقریر کی۔ پھر ۲۸ ستمبر کو ایک بیان دیا جس میں فرمایا:-

"بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم دونوں کسی مفاہمت پہ نہ پہنچ سکے لیکن یہ ناکامی محض نام نہاد ہے۔ اصل میں اسے غیر معین التوا تصور کرنا چاہیئے۔ میں آپ کی توجہ اپنے مشترکہ بیان کے آخری جملہ کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہوں جس میں کہا گیا ہے کہ یہ ہماری کوششوں کا آخری نتیجہ نہیں ہے۔"

کتنے شیریں الفاظ ہیں!

لیکن عمل؟ عمل کی کیفیت یہ ہے کہ مسلم لیگ اور قائد اعظم کا مکمل بائیکاٹ کر دیا گیا گفت وشنیدِ مصالحت سے قطعی انکار کر دیا گیا۔ ان لوگوں کو جو ہندو مسلم اتحاد اور لیگ کانگرس اتحاد کے علمبردار تھے کانگرس سے مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔

شملہ کانفرنس

پھر جب جولائی ۱۹۴۵ء میں شملہ کانفرنس لارڈ ویول کی دعوت پر منعقد ہوئی تو مسٹر

جناح نے اب کی بار مسٹر گوبند ولبھ پنت سابق وزیر اعظم یو پی کو پیامبر بنا کر گاندھی جی کے پاس بھیجا اور دعوت دی کہ پہلے صلح کر لو۔ پھر کانفرنس میں حصّہ لو۔ تاکہ کانفرنس ناکام نہ ہو۔ لیکن گاندھی جی نے زبان کو جنبش بھی نہیں دی۔ صدر کانگرس کی طرف اشارہ کر دیا، بات کرنا ہے تو ان سے کرو۔

ان حقائق کی روشنی میں تسلیم کرنا پڑے گا کہ جس طرح جناح ہندو مسلم اتحاد کا سفیر ۱۹۰۹ء میں تھا، ۱۹۴۵ء میں بھی تھا اور ۱۹۴۶ء میں بھی ہے۔

کانگرس اپنے آئینہ میں

نہ تم ٹوٹے ہوئے دل جوڑ سکتے ہو محبت سے
نہ تم شاہی کا جادو توڑ سکتے ہو سیاست سے
نہ تم طوفان کا رخ موڑ سکتے ہو فراست سے
نہ جانے کس لئے آخر امیرِ کارواں تم ہو؟

کانگرس کے بارے میں ہم بہت کچھ معلوم کر چکے۔ ابھی ہمیں بہت کچھ معلوم کرنا ہے لیکن قبل اس کے کہ آگے بڑھیں۔ کانگرس کا ایک "کلوز اپ" ہمارے سامنے آجائے۔ ایک آئینہ رکھ دیا جائے جو کانگرس کے خد و خال کو، اس کے چشم و ابرو کو، اس کی صورت و سیرت کو، اس کے اوصاف و شمائل کو بے نقاب کر دے تاکہ معلوم ہو جائے مسلم لیگ کو، مسٹر جناح کو کس جماعت سے پالا پڑا ہے۔ مسلم لیگ نے، مسٹر جناح نے کس استقامت اور اولوالعزمی سے اس طلسم ہفت پیکر کا مقابلہ کیا ہے؟ اور اس مقابلہ میں آگے چل کر کیا کیا دشواریاں اور مشکلیں پیش آنے والی ہیں؟ یہ جماعت دوسروں کے بارے میں کیا کہتی ہے؟ اور دوسرے اس کے بارے میں کیا خیال رکھتے ہیں؟

اس جماعت کا خیال اپنے سابق و حال، رفیقوں کے بارے میں کیا ہے؟ اور اس کے سابق و حال رفقاء کا نقطۂ نظر اس کے بارے میں کیا ہے؟

نیشنلسٹ مسلمان اور کانگرس

نیشنلسٹ مسلمانوں کے بارہ میں کانگرس کے زعیم کبیر و بطلِ جلیل پنڈت جواہر لال فرماتے ہیں:۔

"کانگرسی مسلمانوں نے نیشنلسٹ مسلم پارٹی نام کی ایک جماعت ترتیب دی۔ ان (نیشنلسٹ مسلمانوں) کے پاس کوئی چیز نہ تھی جسے یہ اپنی کہہ سکتے کوئی بنیادی اصول نہ رہا جس پر وہ قدم جما کر کھڑے ہو سکتے۔ آج وہ ہر اصول اور عمل کو جس پر انہوں نے اپنی جماعت کی بنیاد رکھی تھی جسے وہ بڑے زور شور سے لے کر اٹھے تھے، کھو چکے ہیں اور ان کے پاس نام کے سوا کچھ باقی نہیں ہے۔ انفرادی حیثیت سے اب بھی قوم پرست مسلمان کانگرس میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں لیکن جماعت کی حیثیت سے ان کی تباہی کی داستان بڑی دردناک ہے!"

(میری کہانی حصہ اول ص۲۳۶)

ہمیں نہیں معلوم اس ارشاد خصوصی کے بارے میں نیشنلسٹ مسلمانوں نے کیا سوچا، شاید وہ زیر لب غالب کا یہ شعر پڑھ رہے ہوں ؎

لو وہ بھی کہہ رہے ہیں یہ بے ننگ نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

مجلسِ احرار اور کانگرس

مجلسِ احرار اور اس کے زعمائے کرام کے بارے میں کانگرس ہائی کمان کی کیا

رائے ہے ؟ ملاحظہ ہو:۔

"کراچی کانگرس میں آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے بعض (مسلمان) ممبروں کو (کانگرس ورکنگ کمیٹی کے) انتخاب پر خصوصًا ایک مسلمان کے نام پر اعتراض تھا۔ انہیں یہ شکایت تھی کہ ان کے حلقہ میں سے کوئی نہیں لیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اعتراض کرنے والا گروہ کانگرس سے علیٰحدہ ہو گیا اور اس نے "مجلس احرار" کے نام سے اپنی ایک انجمن بنالی"

(میری کہانی حصہ اوّل صفحہ ۴۴۱، ۴۴۲)

علمائے کرام اور کانگرس

پنڈتوں اور مولویوں کا تذکرہ "کانگرس ہائی کمان" کی زبان سے سنیئے۔ اس "مقدس" جماعت کا تذکرہ کرتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایک عام تحریک میں ہر قسم کے لوگ موجود ہوتے ہیں۔ اس لئے جب تک ہم صحیح راستہ سے نہ بھٹکیں چند رجعت پسندوں کی موجودگی سے کیا حرج تھا"

(میری کہانی حصہ اوّل صفحہ ۱۲۹)

علمائے کرام کے ایک طبقہ نے ایک عرصہ دراز سے مسٹر جناح کے مقابلہ میں نہایت سخت اور ناقابل مفاہمت رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ مسٹر جناح پر اور ان کی مرحومہ مسلمان بیوی پر اب تک کفر و فسق کے فتوے دئے جارہے ہیں لیکن اس کے باوجود مسٹر جناح نے آج تک علمائے کرام کے کسی فرد کی اتنی شدید توہین نہیں کی ہوگی جتنی پنڈت جی نے کردی ہے۔ کتنی عجیب بات ہے، یہ علمائے کرام مسٹر جناح کی بے التفاتی سے اتنے برہم ہیں کہ بس چلے تو انہیں کبھی معاف نہ کریں اور پنڈت جی کے ان اہانت آمیز الفاظ کو بھی قند و نبات کی طرح وہ مزے لے لے کر ہضم کر جاتے ہیں۔

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی

"اشداء علی الکفار رحماء بینہم" کی کتنی نادر تصویر ہے یہ!

کشتگانِ کانگرس

کانگرس کے ہر رہنما کا دعوٰے یہ ہے کہ وہ ایک غیر متعصب اور خالص جمہوری جماعت ہے لیکن

ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

عمل سے کانگرس نے ہمیشہ اس دعوٰے کے خلاف ثبوت دیا!

بمبئی کے مسٹر نریمان، پارسی جماعت کے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کانگرس کی خاطر قید و بند کے مصائب برداشت کئے، بے انتہا مصائب سے دوچار ہوئے لیکن ان کی جبین استقامت پر کبھی شکن نہیں آئی۔ وہ پوری مستعدی اور وفاداری سے کانگرس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۹۳۷ء میں جب صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے وہ کانگرس (صوبہ بمبئی) کے صدر تھے۔ آئین و دستور کا تقاضا یہ تھا کہ وہی بمبئی کے وزیر اعظم بنتے۔ گورنر بمبئی نے اسی خیال سے کہ وہ صوبہ کانگرس کے صدر، اسمبلی کی کانگرس پارٹی کے لیڈر ہیں انہیں انٹرویو کے لئے طلب کیا لیکن دفعۃً مسٹر ولبھ بھائی پٹیل نے بازی الٹ دی۔ نریمان کے مقابلہ میں نسبتًا غیر معروف شخص مسٹر کھیر کو کانگرس پارٹی کا لیڈر منتخب کرایا اور وہی بمبئی کے وزیر اعظم بن گئے۔ بتایا جائے اگر یہ تعصب نہیں تھا تو کیا تھا؟

ڈاکٹر کھرے سی۔ پی کے پہلے کانگرسی وزیر اعظم تھے۔ ان کی قابلیت، اخلاص اور قربانیوں کا ہر کانگرسی معترف تھا لیکن جب ان کی کانگرس ہائی کمان یعنی مسٹر پٹیل سے ان بن ہوئی تو انہیں وزارتِ عظمٰی سے الگ کر دیا گیا اور ان کی جگہ مسٹر راوی شنکر شکلا جن کی مہاسبھائی ذہنیت ہر شخص کے علم میں ہے۔ وزیر اعظم بنا دئے گئے۔

مسٹر سبھاش چندر بوس پہلی مرتبہ اس لئے ۱۹۳۷ء میں کانگرس کے صدر بن گئے کہ گاندھی جی کی مرضی یہی تھی ۱۹۳۸ء میں کانگرس کے عام ممبروں کی متفقہ رائے کے بعد صدر منتخب ہو جانے کے باوجود انہیں مستعفی ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ گاندھی جی ان سے تعاون اور اشتراک عمل کے لئے تیار نہیں تھے حالانکہ مسٹر بوس کانگرس کے صدر تھے اور گاندھی جی کانگرس کے چار آنے والے ممبر بھی نہیں تھے۔

سی پی میں مسٹر شریف بیرسٹر مسلم لیگ کو چھوڑ کر مسلم قوم سے غداری کر کے مسلمانوں کی عام اور ہمہ گیر مخالفت برداشت کر کے کانگرس میں تشکیل وزارت کے وقت ۱۹۳۷ء میں شریک ہوئے اور کانگرس نے انہیں وزیر بنا بھی لیا لیکن ان کی وزارت قائم نہ رہ سکی۔ انہیں صلۂ وفا یہ ملا کہ وہ ایک ہندو مہاسبھائی سابق جج ہائی کورٹ سر منمتھ ناتھ مکرجی کی پرائیویٹ عدالت سے بری ہونے کے باوجود کانگرسی رہنے کے قابل نہ سمجھے جا سکے۔ انہیں الگ کر دیا گیا اور ان کے بعد کوئی غدار مسلمان کانگرس کو نہ ملا۔ لہٰذا بغیر کسی مسلمان وزیر کے کانگرس کی وزارت قائم رہی۔

مسٹر یوسف شریف کا واقعہ کانگرس کی تاریخ ظلم و ستم کا ایک نہایت دردناک اور تکلیف دہ واقعہ ہے اس لئے ہم اسے ذرا تفصیل کے ساتھ درج کرتے ہیں:۔

"یہ ایک مسلّمہ اور ہر جگہ رواج پذیر قدیم معمول ہے کہ سزا یافتہ مجرمین حکومت سے سزا کی معافی یا تخفیف کے لئے رحم کی درخواست کرتے ہیں اور حکومت زیر دفعات ۴۰۱، ۴۰۲ ضابطہ فوجداری اپنے اختیار رحم کو استعمال کر کے ملزم کو معافی یا سزا میں تخفیف کا حکم دیتی ہے یا درخواست نامنظور کر دیتی ہے۔ ہر سال اسی طرح کے سینکڑوں واقعات ہوتے ہیں۔ کانگرسی کابینہ کے پہلے وزیر عدالت مسٹر شریف کے پاس جولائی ۱۹۳۷ء سے مارچ ۱۹۳۸ء تک دو سو تریسٹھ درخواستیں رحم کی آئیں انہوں نے صرف بہتر درخواستوں کے سلسلہ میں اپنے اختیارات رحم کو استعمال کیا۔ بہتر فائدہ پانے والوں

میں سے سترہ مسلمان ہیں (ملاحظہ ہو روئداد سی۔ پی اسمبلی بابت ۲۹ مارچ ۱۹۳۸ء جلد ۳ صفحات ۲۱۳، ۲۱۴) جن کے حق میں اختیارات رحم کو استعمال کیا گیا۔ ان میں طرح طرح کے مجرم ہیں قتل کے مجرمین کی تعداد بہت زیادہ ہے، ان درخواست کنندوں میں سے چھوٹو گنگو اور عبد الرزاق دو ہندو اور ایک مسلمان بھی تھے جنہیں ایک چودہ سالہ لڑکی کے ساتھ زنا بالجبر کی اعانت میں دو۔ دو سال کی سزا ہوئی تھی۔ مسٹر شریف نے ان کی درخواست کے سلسلہ میں یہ رائے قائم کی کہ چونکہ عدالت نے یہ امر تسلیم کیا ہے کہ لڑکی اگرچہ قانوناً نابالغ تھی لیکن آوارہ مزاج تھی۔ اور واقعہ متعلقہ کے پہلے سے مقاربت جنسی کی لذت سے پوری طرح آشنا ہو چکی تھی نیز مقدمہ کے سلسلہ میں ان ملزمین کو جتنی پریشانی اور زیرباری کا سامنا ہوا۔ وہ ایک مزید سزا اُن کے لئے ہوئی ہے اس لئے انہیں کافی سبق مل چکا اور ان کی سزا بجائے دو سال کے اگر ایک سال کر دی جائے تو چنداں ہرج نہیں۔ ان دو ہندو اور ایک مسلمان مجرمین کی سزا میں تخفیف کے بعد اسی مقدمہ میں سزا یافتہ ملزم ظفر حسین کی درخواست رحم بھی آئی۔ جنہیں تین سال کی قید اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا ہوئی تھی۔ مسٹر شریف نے اس درخواست پر انہیں واقعات کے پیش نظر جو اسی مقدمہ کے تین دیگر ملزموں کی سزا میں تخفیف کے محرک ہوئے تھے۔ ظفر حسین کی سزا بھی تین سال سے گھٹا کر ایک سال کر دی۔ مگر جرمانہ کی سزا بحال رہنے دی۔ ظفر حسین کی سزا میں تخفیف کیا ہوئی کہ نہ صرف بھائی بلکہ بعض کانگرسی ہندو حلقہ میں بھی ایک تہلکہ مچ گیا۔ یہ امر قابل غور ہے کہ ظفر حسین کے ساتھ رحم کئے جانے سے پہلے کسی مجرم کی رعایت پر کوئی اعتراض نہ کیا گیا بلکہ جب اسی مقدمہ اور اسی جرم کے سزا یافتہ دو ہندو مجرمین مسٹر شریف کے تخفیف سزا کے حکم کی بدولت رہا ہوئے تب بھی کوئی اعتراض یا شور ہنگامہ نہیں ہوا لیکن جب ظفر حسین کی سزا میں تخفیف کی گئی تو ہندو حلقوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ کانگرس ہائی کمان نے باوجود اس امر کے کہ صوبہ کی کانگرسی اسمبلی پارٹی مسٹر شریف کے فعل کو جائز قرار

دیتے ہوئے ان پر اعتماد کا ریزولیوشن پاس کر چکی تھی۔ ہندوؤں کی ایک ٹولی کے شور کو ہر طرح قابلِ اعتنا سمجھا اور مسٹر شریف کے خلاف ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کر دیا اس سلسلہ میں بھی دو باتیں قابلِ تذکرہ ہیں۔ جکم سر من متھا ناتھ مکرجی کو بنایا گیا جو کلکتہ ہائی کورٹ کے سابق جج اور غیر کانگرسی ہونے کے علاوہ ہندو سبھا سے گہرے طور پر وابستہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ انہیں صرف اس امر پر تحقیقات کرنے کی ہدایت کی گئی کہ ظفر حسین کی سزا میں تخفیف کرنے میں مسٹر شریف نے بد دیانتی اور جانبداری یا فرقہ پرستی، حدِ اختیار سے تجاوز یا کسی اور قابلِ اعتراض اثر سے کام لیا ہے یا نہیں۔ دکھویا گنگو کے رہائی کے معاملہ کو قابلِ تحقیقات نہ سمجھا گیا بلکہ صرف ظفر حسین کے معاملہ کی۔ بہر حال کمیشن نے تحقیقات شروع کی۔ ہندوؤں نے کمیشن کے پاس ہر طرح کے متعلق اور غیر متعلق کاغذات پیش کئے۔ ہندوؤں سے رکن کمیشن نے کہا کہ جو کچھ بھی ثبوت اس سلسلہ میں تم پیش کر سکتے ہو لاؤ۔ سر من متھا نے کسی شہادت یا ثبوت کو اس بناء پر کہ یہ غیر متعلق ہے پیش کئے جانے سے نہیں روکا۔ انہوں نے الزام لگانے والی جماعت کو اس کا پورا موقع دیا کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں کہیں۔ سردار پٹیل نے خود بھی ایک تحریر مسٹر شریف کے خلاف بھیجی۔ الزام لگانے والوں کی تمام شہادتوں اور ثبوتوں اور مسٹر شریف کی صفائی کو سننے اور ان پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد سر من متھا اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسٹر شریف نے نہ تو حدِ اختیار سے تجاوز کیا ہے اور نہ کوئی فرقہ پرستی کا ثبوت موجود ہے اور نہ بد دیانتی ثابت ہے اور نہ کسی قابلِ اعتراض امر کو کام میں لانے کا شائبہ پایا جاتا ہے البتہ واقعاتِ مقدمہ کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس مقدمہ میں تخفیف کی رائے قائم کرنے میں ان کی قوتِ فیصلہ نے غلطی کی۔" واضح رہے کہ کمیشن کو اس امر کا مجاز نہیں بنایا گیا تھا کہ وہ اس بات کی بھی تحقیقات کرے کہ واقعات مقدمہ کے پیشِ نظر کیا رائے قائم کی جانی چاہیئے تھی بلکہ صرف اس امر کی تحقیقات کا مجاز بنایا تھا کہ مسٹر شریف کا طرزِ عمل مقدمہ سے قطع نظر کسی خارجی قابلِ اعتراض اثر کے تحت تو نہیں تھا باوجود اس کے جن عنوانات

کے تحت تحقیقات کرنے کا مجاز ہائی کمان نے کمیشن کو بنایا تھا ان عنوانات کے سلسلہ میں کمیشن نے مسٹر شریف کے خلاف کسی الزام کا ثبوت نہیں پایا۔ کمیشن نے اپنے حدِ اختیار سے تجاوز کرتے ہوئے ایک ایسے معاملہ پر رائے دے دی جس کا اسے مجاز نہیں بنایا گیا تھا۔ پھر "قوتِ فیصلہ کی غلطی" کس بشر اور کس انسان سے سرزد نہیں ہوتی؟ یہ کوئی ایسا جرم نہ تھا کہ جس کے باعث کانگرس کا سارا انظام درہم برہم ہو جاتا۔ کسی وزیر کا ایک ملزم کی سزا تین سال سے کم کر کے ایک سال کر دینا ایک بہت ہی معمولی بات ہے ایسی رائے قائم کرنے میں بلا کسی اثر سے متاثر ہوئے قوتِ فیصلہ سے غلطی سرزد ہو جانا (اگر کمیشن کی رائے درست تسلیم کر لی جائے) کسی منصف مزاج کے نزدیک ایسا قصور نہیں قرار پا سکتا کہ اسے وزارت کے قابل نہ سمجھا جائے لیکن ہائی کمان نے اس قوتِ فیصلہ کی غلطی کو بھی ناقابلِ معافی جرم تصور کیا اور مسٹر شریف کو وزارت سے علیحدہ ہونے پر مجبور ہونا پڑا۔

کانگرس کی اُصول پروری

کٹک کے ایک اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر کھرے سابق کانگرسی وزیرِ اعظم سی پی و حال ممبر اگزیکٹو کونسل وائسرائے ہند نے ۳۰ جنوری ۱۹۴۵ء کو کہا:-

"میں پچیس برس تک کانگرس میں رہ چکا ہوں اور اس پر مجھے فخر ہے لیکن کانگرس کی سیاست میں اب یکسانیت نہیں رہی۔ مثلاً جنگ کے سوال پر اس نے عہدے چھوڑ دئے اور اسمبلیوں کا بائیکاٹ کر دیا لیکن اب مقصد حاصل کئے بغیر کانگرسی اسمبلی میں شریک ہونے لگے اور منتخب کمیٹیوں میں بھی شامل ہونے لگے۔ میرے چند کانگرسی دوستوں نے کانگرسی نظر بندوں کو پیرول پر رخصت دلانے اور رہائی دلانے میں مجھ سے مدد لی۔"

کانگرس کی اتحاد دشمنی

ستمبر ۱۹۴۵ء کے آخری ہفتہ میں میاں افتخار الدین صدر صوبہ کانگرس کمیٹی پنجاب نے صدارت اور ممبری سے استعفےٰ دے دیا۔ انہوں نے صدر کانگرس کے نام ایک خط لکھا:۔

"کانگرس کے بمبئی سیشن میں سردار ولبھ بھائی پٹیل اور پنڈت جواہر لال نہرو نے مسلمانوں اور مسلم لیگ کے خلاف جو زہر اگلا ہے وہ نامناسب اور نقصان دہ ہے۔ مسلم لیگ سے سمجھوتہ کئے بغیر کانگرس ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ کانگرس کے اس اجلاس میں کانگرس کی پالیسی واضح ہو گئی ہے۔ یہ پالیسی مسلم مفاد کے لئے نقصان دہ ہے۔ ان حالات میں مَیں کانگرس کا ممبر نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا یہ استعفےٰ دے رہا ہوں!"

خود را فضیحت دیگراں را نصیحت

کانگرس کا مسلم لیگ پر ایک سب سے بڑا اور سنگین اعتراض یہ ہے کہ وہ خان بہادروں، اللہ سروں، سرمایہ داروں اور دولت مندوں کی جماعت ہے۔ اس کے برعکس کانگرس سرمایہ کی دشمن اور غریبوں کی دوست ہے۔

بادی النظر میں یہ اعتراض بڑا وزنی معلوم ہوتا ہے لیکن اگر اسے صداقت اور حقیقت کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو معلوم ہوگا اس سے بڑھ کر مغالطہ انگیز اعتراض کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ بلاشبہ مسلم لیگ میں سرمایہ دار بھی ہیں لیکن لیگ نے اپنی زندگی کے اس نئے دور میں کبھی بھی یہ ثابت نہیں ہونے دیا کہ وہ سرمایہ داروں کی آلہ کار ہے۔ خود ان سرمایہ داروں کو لیگ کا آلہ کار بننا پڑا۔ ملک خضر حیات خاں، سر سلطان احمد نواب سر احمد سعید خاں (چھتاری)، سر عبد الطیف، حضرت خاں، سر سعد اللہ، سر غلام حسین

ہدایت اللہ، ان کی سرکار رسی۔ ان کی دولت مندی اشک و شبہ سے بالاتر ہے لیکن جب یہ مسلم لیگ کے اصول سے ٹکرائے تو مسلم لیگ ان کے لئے شمشیر بے نیام بن گئی۔ ان میں سے کچھ تائب ہو گئے اور جو اکڑے رہے وہ مسلم لیگ سے نکال دئے گئے نہ ان کی دولت مندی کام آئی نہ خطاب رسی۔

اس کے برعکس کانگرس سرمایہ دارانہ نظام اور سرمایہ دارانہ مفاد کی سب سے بڑی سرپرست ہے۔ مسلم لیگ کا خزانہ اگر بھرپور ہے تو غرباء کے دم سے اور کانگرس کا خزانہ عامرہ رہینِ منت ہے۔ برلاؤں، ڈالمیاؤں، مل مالکان کا، چور بازار کے ساہوکاروں کا، اس سلسلہ میں پنڈت جواہر لال نہرو سے زیادہ کس کی شہادت وقیع ہو سکتی ہے۔؟ سوراج پارٹی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"سوراج پارٹی میں بہت سے نااہل لوگ بھی شامل کر لئے گئے تاکہ پارٹی کی قوت بڑھ جائے۔ اس کے بعد انتخاب کا موقع آیا۔ اس کے لئے روپیہ کی ضرورت تھی اور روپیہ امیروں سے مل سکتا تھا۔ ان کی دلجوئی ضروری تھی۔ ان (امیروں) میں سے بعض سوراجی امیدوار بنا کر کھڑے کئے گئے۔ سیاسیات کے متعلق امریکہ کے ایک اشتراکی کی رائے سر اسٹیفر ڈکرپس نے لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ سیاست وہ نازک فن ہے جس میں غریبوں سے ووٹ اور امیروں سے اپنے کام کے لئے روپیہ لیا جاتا ہے اور ان میں ہر ایک سے یہ وعدہ کیا جاتا ہے کہ ہم تمہیں دوسرے سے بچائیں گے!"

(میری کہانی حصہ اوّل صفحہ نمبر ۲۲۴)

کانگرس کی یہ داستان اور جواہر لال نہرو کی یہ شہادت ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔

چلے تم کہاں میں نے تو دم لیا ہے
فسانہ دلِ زار کا کہتے کہتے

نہرو رپورٹ اور آل پارٹیز کانفرنس کا ذکر کرتے ہوئے پنڈت جی لکھتے ہیں :-

"آل پارٹیز کانفرنس کی کارروائی سے مجھے سخت دھچکا اس وجہ سے پہنچا کہ اس نے مجوزہ دستور اساسی کے بنیادی حقوق کے سلسلہ میں اودھ کے تعلقہ داروں کی خاطر ایک دفعہ یہ بھی بڑھا دی کہ ان کے حقوق اپنے اپنے تعلقہ میں محفوظ رہیں گے۔ یوں تو سارا دستور ہی ذاتی ملکیت کے اصول پر مبنی تھا مگر یہ غضب دیکھئے کہ بڑی بڑی نیم جاگیری ریاستوں کے حقوق دستور کی اٹل بنیادوں میں داخل کئے جا رہے تھے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ کانگرس کے لیڈر اور ان سے زیادہ غیر کانگرسی لوگ اپنی جماعت کے ترقی پسند لوگوں کو چھوڑ کر بڑے بڑے زمینداروں کا ساتھ دینے کو تیار ہیں"۔

(میری کہانی حصہ اوّل صفحہ ۲۹۳)

"ترقی پسند لوگوں" سے پنڈت جی کی مراد کن لوگوں سے ہے؟ کیا خود پنڈت جواہر لال بنفسِ نفیس؟ لیکن وہ تو نہرو رپورٹ کے پُرزور حامیوں اور آل پارٹیز کانفرنس کے پُرجوش داعیوں میں تھے!

ایک لرزہ خیز مقدمہ

کانگرس کے دورِ حکومت میں مسلمانوں پر کیا گزری؟ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا اور انہیں کس طرح ہدفِ ستم بنایا گیا۔ یہ بڑی طویل داستان ہے۔ اس داستان کا ایک لرزہ خیز حصہ درج ذیل ہے :-

"اگر کانگرسی دور کی تمام ظالمانہ مجوبہ کاریوں سے قطع نظر کر بھی لیا جائے تو صرف چاند ور بسواسی۔ پی کا ایک ہی واقعہ انسانیت سوز بربریت کا مرقع ہے بلکہ اس سے اس امر کا بھی پورا ثبوت مہیا ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کو ایذا

پہنچانے۔ ذلیل کرنے۔ کچلنے اور تباہ کرنے میں وزیر اعظم سے لے کر گاؤں کے پٹیل تک اور صوبہ کانگرس کمیٹی کے صدر سے لے کر معمولی کانگرسی ممبر تک کس طرح ہم آواز اور متحد ہو کر حکومت کی ساری مشنری کو حرکت میں لا کر اپنے وحشیانہ جذبات بغض و انتقام پسندی کی تسکین کا سامان پیدا کر سکتے ہیں۔

اس قصبہ کی کل آبادی تین ہزار کے قریب ہے جس میں مسلمانوں کی آبادی مرد، عورت، بچے ملا کر ایک ہزار کے قریب ہے۔ یہاں صرف چند گھر کھاتے پیتے مسلمانوں کے ہیں جو کچھ کھیت وغیرہ رکھتے ہیں ورنہ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد مزدور پیشہ ہے جو ہندوؤں کے کھیتوں میں عموماً کام کرتے ہیں یہاں ۱۹۲۶ء میں مسجد کے سامنے باجہ بجانے کے سلسلہ میں بلوا ہوا تھا جس میں پولیس نے صرف مسلمانوں کا چالان کیا تھا اور انہیں سزائیں ہو گئی تھیں۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کے خلاف پولیس سے ناامید ہو کر استغاثہ دائر کیا تھا جس میں مسٹر اسٹین ہوپ سب ڈویژنل مجسٹریٹ بلڈانہ نے ہندوؤں کو سزائیں دے دی تھیں مگر اپیل پر راؤ صاحب چٹنولیس نے جو اس وقت ایڈیشنل سیشن جج تھے تمام ہندوؤں کو بری کر دیا تھا۔ مسلمانوں نے جن ہندوؤں کے خلاف اس وقت استغاثہ دائر کیا تھا ان میں سے دو یہ تھے (۱) جگدیو پٹیل ہندوؤں کی مسلم آزار ٹولی کا سرغنہ اور (۲) لکشمن جو اس وقت اس گاؤں کا پٹیل ہے اس وقت کا عناد اس ٹولی کے دلوں میں ہمیشہ باقی رہا۔ جگدیو پٹیل نے اس گاؤں میں ایک مرہٹی پریس قائم کیا اور ۱۹۲۹ء میں ایک دل آزار کتاب موسوم بہ "قرآن کی غزل" لکھی جس میں مسلمانوں کے مذہب۔ خدا، پیغمبر، ان کی مقدس کتاب کا مضحکہ اڑایا۔ یہ شخص ان غزلوں کو ملکاپور بازار بسوا اور دیگر مقامات پر چار پانچ لڑکوں کے ساتھ لے کر گا گا کر پڑھا کرتا تھا۔ ۱۹۲۹ء میں پولیس نے اس

سلسلہ میں زیر دفعہ ۲۹۵ اس کا چالان کیا اور اسے دو سو روپیہ جرمانہ کی سزا ہوئی۔ اس کی اشتعال انگیزی کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

مارچ ۱۹۳۹ء میں یہاں بھی فساد کرا کے مسلمانوں کو کچلنے کی پالیسی پر عمل کیا گیا۔ جب محرم میں تعزیئے کا جلوس نکلا تو اس پر گوبر اور غلیظ کوڑا پھینکا گیا۔ مسلمانوں نے ضبط اور تحمل سے کام لیا۔ پولیس کو اطلاع دی مگر پولیس حسب دستور شرارت کرنے والوں کا پتہ نہ چلا سکی۔ دوسری مرتبہ جب پھر مسلمانوں نے تعزیہ کا جلوس ہر سال کے رواج کے مطابق نکالنا چاہا تو ٹھیک اس جلوس کے وقت جو عموماً شب کو نکلتا ہے ڈنڈی کا جلوس بھی نکالنے کی تیاریاں کی گئیں مسلمانوں نے یہ سمجھ کر کہ یہ بلوہ کرانے کا پیش خیمہ ہے۔ تعزیوں کا جلوس نہیں نکالا۔ اس موقع کے دستیاب نہ ہونے سے جگد یو پٹیل اور اس کے ساتھیوں کی آتش فساد اور تیز ہو گئی۔ ۵ مارچ کو مسلمانوں کی لائبریری میں انسانی غلاظت پھینکی ہوئی پائی گئی۔ پولیس کو اطلاع دی گئی۔ مروجہ پالیسی کے مطابق کوئی کاروائی نہیں ہوئی۔

جگد یو پٹیل گزشتہ انتخاب میں کانگریس کا مخالف تھا۔ کانگریس کے برسر اقتدار آتے ہی اس کے ساتھ کانگریس نے مفاہمت کر لی۔ اسے ملکا پور کانگریس کمیٹی کا صدر بنا دیا گیا۔ اور ملکا پور لوکل بورڈ کا پریسیڈنٹ بھی۔

۱۷ مارچ ۱۹۳۹ء کو یہ جگد یو پٹیل اپنے چند (تقریباً آٹھ نو) ساتھیوں کے ساتھ اسٹیشن سے اتر کر بستی کی طرف چلا جب یہ ٹولی مسجد کے پاس پہنچی تو مسجد میں چند مسلمانوں کو بیٹھا دیکھ کر مسلم آزار اور دلخراش نعرے لگانے شروع کر دئے اور مسجد پر گوبر اور گلالی پھینکے۔ ساڑھے پانچ بجے شام کا وقت تھا اور چار مسلمان مسجد میں تھے۔ ان مسلمانوں کے معترض ہونے پر

جگد یو اور اس کی پارٹی نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے مدافعت میں ہاتھ چلائے۔ اس جھگڑے میں بعض مسلمان زخمی ہوئے اور جگد یو کی پارٹی کے بھی چند لوگ مجروح ہوئے۔ اتفاق سے جگد یو کو زیادہ چوٹیں آئیں اور اسی روز شب کو ناندورہ اسپتال میں اس کا انتقال ہو گیا۔

اس باہمی جھگڑے اور جگد یو پٹیل کے زخمی ہونے کی اطلاع اسٹیشن ماسٹر بسوا جاندور نے بذریعہ فون ناندورہ، ملکا پور اور دیگر مقامات پر کر دی۔ یہ گاؤں ناندورہ تھانہ کے اندر ہے۔ اس وقت تھانیدار ایک مسلمان نظام الدین تھے۔ وہ اطلاع ملتے ہی ایک مال گاڑی پر سوار ہو کر بسوہ پہنچے۔ چار گھنٹہ بعد تحصیلدار ملکا پور اور سرکل انسپکٹر پولیس ملکا پور بھی بسوہ آ گئے۔ ایک مہا سبھائی وکیل مسٹر کلکرنی جو کھام گانوں سے ملکا پور جا رہے تھے۔ بسوہ اسٹیشن پر واقعہ کی اطلاع سن کر اتر پڑے۔ یہ واقعہ کے آدھ گھنٹہ بعد ہی بسوہ پہنچ گئے تھے۔ جگد یو پٹیل کو زخمی ہونے کے بعد ایک مقامی اسکول میں رکھا گیا تھا۔ مسٹر کلکرنی اور دیگر حکام جو آ چکے تھے وہیں جمع تھے۔ تقریباً تین گھنٹہ بعد جگد یو کو ایک مال گاڑی کے ذریعہ ناندورہ بھیجا گیا جہاں اسپتال پہنچنے کے بعد رخصت ہو گیا۔ دوسرے ہندو زخمیوں کو جن کی تعداد تقریباً آٹھ تھی۔ ۱۰ بجے رات کو پارسل ٹرین کے ذریعہ ناندورہ بھیجا گیا۔ مسلمان زخمیوں کی کوئی پرواہ نہ کی گئی۔

زخمیوں کو اور ان کے ہمدردوں کو پورا موقع دیا گیا کہ اپنی خواہش کے مطابق صلاح و مشورہ سے افسانہ تیار کر لیں۔ ایک ہندو سب انسپکٹر مسٹر انتھاوڑے طلب سے ناندورہ بھیجے گئے اور بعض زخمیوں کا بیان پہلی مرتبہ انہوں نے ۵ بجے رات کر لیا یعنی واقعہ کے تقریباً نو گھنٹے بعد اور

بعض زخمیوں کے بیانات دوسرے روز بعد دوپہر لئے گئے تاکہ ایک بیان میں کوئی خامی ہو تو دوسرے کے بیان میں وہ دور ہو جائے۔

واقعہ کے روز ہی یعنی ۱۷ر مارچ کو مسٹر صوبہ دار اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کھام گاؤں اور مسٹر پٹیل آئی۔سی۔ایس سب ڈویژنل مجسٹریٹ کھام گاؤں بھی ۱۰ بجے رات کو لبوہ پہنچے۔ اتنے بے شمار حکام کی آمد کا سبب یہ ہوا کہ اطلاع ملنے کے بعد ملکاپور۔ کھام گاؤں اور ناندورہ کے کانگریسیوں نے تمام حکام اور اصحاب اختیار کو ادھر ادھر تار اور ٹیلی فون اس کثرت سے دئے کہ وہ لوگ بھی گھبرا گئے کہ شاید بہت ہی بڑا بلوہ ہوا ہے یا شدید بلوہ ہو گیا ہے یوں بھی کانگریسی عہدیداروں کے تار پر توجہ نہ کرنا وزارت کی سرزنش اور انتقام کو دعوت دینا تھا سب ڈویژنل مجسٹریٹ مسٹر پٹیل نے جو ایک تجربہ کار آئی۔سی۔ایس افسر ہیں اور اس سب ڈویژن کے سب سے بڑے حاکم اور انچارج تھے۔ دو بجے رات کو یعنی اپنے آنے کے چار گھنٹے اور واقعہ کے نو گھنٹے بعد جو تار ڈپٹی کمشنر بلڈانہ کو دیا۔ وہ بہت ہی اہم اور قابلِ غور ہے۔ اس تار سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ اصل واقعہ کیا تھا اور بعد میں سازش کے ذریعہ اسے کیا سے کیا بنایا گیا: تار کا ترجمہ حسب ذیل ہے:-

"چند مسلمانوں نے جگدیو پر بزدلانہ حملہ کیا۔ کوئی فرقہ وارانہ کشیدگی نہیں ہے کوئی فرقہ وارانہ حملہ نہیں ہے۔ ملکاپور اور کھام گاؤں میں اس کے اثرات کی نگرانی رکھی جائے۔" (تار سب ڈویژنل مجسٹریٹ کھام گاؤں بنام ڈپٹی کمشنر بلڈانہ۔ از لبوہ مورخہ ۱۷ر مارچ ۱۹۳۹ء)

یہ تار ڈپٹی کمشنر بلڈانہ کو ۱۸ر مارچ ۱۹۳۹ء کو ساڑھے دس بجے دن کے وقت ملا۔

سب ڈویژنل مجسٹریٹ مسٹر پٹیل نے دوسرے روز صبح یعنی ۱۸ر مارچ ۱۹۳۹ء کو اپنی تحقیقات کے بعد چار مسلمانوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ اس روز سرکل انسپکٹر نے اسٹیشن پر ان دو ہندو وکیلوں سے بھی ملاقات کی جو واقعہ کے روز شب کو زخمیوں کے ساتھ ناندورہ گئے تھے اور لوگوں کے آنے جانے اور سرگوشیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ بطورِ احتیاط مسلمان سب انسپکٹر کو ایک معمولی بہانہ بنا کر ناندورہ بھیج دیا گیا۔ جن مسلمانوں کو گرفتار کیا گیا۔ گرفتاری سے پہلے نہ ان کا کوئی بیان لیا گیا نہ صفائی پیش کرنے کا موقع دیا گیا اب لبوہ میں سب کے سب ہندو حکام رہ گئے۔ ۱۲ بجے دن تک کوئی گرفتاری نہیں ہوئی۔ سرکل انسپکٹر نے ناندورہ فون کیا کہ سید اکرام الدین کو لبوہ لے آیا جائے۔ سید اکرام الدین لبوہ کے ایک معزز متمول اور با اثر باشندے ہیں اور ناندورہ میونسپل کمیٹی کے منتخب شدہ ممبر ہیں۔ یہ سیاسی اعتبار سے کانگریس کے مخالف تھے اور میونسپل الیکشن میں کانگریسی امیدوار کو شکست دی تھی۔ اکرام الدین صاحب سب انسپکٹر کے ساتھ لبوہ آ گئے۔

۱۸ر مارچ کو دوپہر کے بعد سرکل انسپکٹر مسٹر تیواڑی نے قصبہ کے ممتاز اور با اثر اصحاب کو جن میں سید اکرام الدین کے بھائی سید معین الدین اور محمد علی جمعدار تھے بلوایا اور اسکول میں بیٹھنے کو کہا اور مع ان کے چھ معزز اور با اثر مسلمانوں کو گرفتار کر لیا۔ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ڈپٹی کمشنر بھی اسی روز بعد دوپہر لبوہ پہنچ گئے۔ مسٹر اکرام الدین بھی اسی ٹرین سے لبوہ آئے اور آتے ہی ان کو بلوایا گیا اور گرفتار کر لیا گیا۔ واقعہ کے روز کچہری برخاست ہونے تک مسٹر اکرام الدین بلڈانہ میں تھے اور واقعہ کے وقت ان کا لبوہ پہنچنا امر محال تھا۔ ان کے بلڈانہ میں ہونے کی ڈپٹی کمشنر کے ریڈر اور کچہری کے دیگر

اہل کاروں سے تصدیق بھی دوسرے ہی روز کرلی گئی مگر پھر بھی انہیں گرفتار ہی رکھا تھا۔ گیارہ گرفتار شدہ مسلمانوں کو کھام گاؤں بھیج دیا گیا۔ ایک ملزم محمد عقیل بیمار تھے۔ انہیں کرسی پر بٹھا کر سوار کیا گیا مگر ہتھکڑی نہیں کھولی گئی۔ پنڈت شکلا اس ضلع کے ممبران اسمبلی کے ساتھ ملکاپور آئے۔ انہوں نے یہاں مقامی کانگریسیوں اور آریہ سماجیوں سے گفتگو کی۔ یہ لسوہ ۱۹ مارچ کی صبح کو پہنچے تاکہ متوفی جگدیو کی تعزیت میں شرکت کریں۔ متوفی کا لاشہ وزیراعظم کی آمد کے انتظار میں جلایا نہیں گیا تھا۔ جگدیو راؤ کی ارتھی کا جلوس اسی جگہ سے نکالا گیا جہاں وزیراعظم ٹھہرے ہوئے تھے۔ پنڈت شکلا ۱۲ بجے دن کو ناندورہ واپس ہوگئے اور مسٹر رادھا کشن اور ان کی پارٹی کے ساتھ کھانا کھایا۔ یہ لوگ مسلمانان لسوہ کے مسلم لیڈر سید اکرام الدین کے زبردست مخالفین میں سے ہیں۔ یہ شام کو پھر کھام گاؤں آئے اور رات کا کھانا اپنے دن کے میزبانوں کے ساتھ کھا کر اسی روز ۱۲ بجے رات کو روانہ ہوگئے۔

اگرچہ جس علاقہ میں واقعہ ہوا تھا اس کے تھانیدار ایک مسلمان تھے اور اس ضلع کے سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی مسلمان تھے مگر ان کو تحقیقات میں حصہ نہ لینے دیا گیا۔ تحقیقات کا کل کام اس سرے سے اس سرے تک خالص ہندو افسروں کے ہاتھ میں رکھا گیا۔

آنریبل مسٹر برج لال بیانی جو کونسل آف اسٹیٹ کے ممبر اور برار صوبائی کانگریس کمیٹی کے صدر ہیں اور اس صوبائی بورڈ کے بھی ممبر ہیں جس کا کام وزراء پر نگرانی رکھنا ہے، ۹ مارچ کو دہلی سے لسوہ پہنچے تاکہ متوفی جگدیو اعزا کو پرسا دیں۔ انہوں نے متوفی کے کارناموں کو سراہا اور متوفی کی ایک یادگار قائم کرنے اور اعزا کی امداد کرنے کے لئے فنڈ کی اپیل کی۔

وزیراعظم مسٹر شکلا نے ناگپور پہنچ کر جگدیو کی موت کے سلسلہ میں تحریک التوا کے مباحثہ کے موقع پر ۲۳ مارچ ۱۹۳۹ء کو اسمبلی میں قاعدہ کے بالکل خلاف ایک بہت ہی زہریلا اور جانبدارانہ بیان دیا۔ یہ امر قابل غور ہے کہ وہ لسوہ میں صرف تین گھنٹے رہے اور ناندورہ اور کھام گاؤں کے قیام کو ملا کر بلڈانہ ضلع کے اندر بارہ گھنٹے ٹھہرے۔ اس وقفہ میں انہوں نے حکام کے علاوہ صرف کانگریسی اور آریہ سماج لیڈروں اور مسلمانوں کے مخالفوں سے گفتگو کی لیکن تحقیقات مکمل ہونے سے پہلے انہوں نے رائے قائم کرلی اور اسمبلی میں یہ بیان دیا کہ (۱) جگدیو کا قتل وحشیانہ اور بزدلانہ تھا (۲) اسے مسلمانوں نے قتل کیا (۳) اس قتل کا پہلے سے طے شدہ سازش کا نتیجہ تھا۔ (۴) اس قتل میں تقریباً پچھتر مسلمانوں نے حصہ لیا۔ وزیراعظم کے اس تاریخی بیان نے واقعہ کا رخ بدل دیا۔ ہر کس و ناکس سمجھ گیا کہ وزیراعظم کا کیا منشا ہے اور سرکاری و غیر سرکاری متعصب ہندو پوری آزادی اور حوصلہ کے ساتھ جو عنوانات وزیراعظم نے قائم کئے تھے۔ اس کی کڑیوں کو جوڑنے کے لئے ثبوت مہیا کرنے میں مشغول ہوگئے۔ علاوہ ازیں وزیراعظم کے متعدد کانگریسی اور غیر کانگریسی ہندو ممبروں نے انتہائی منافرت انگیز اور زہریلی تقریریں کیں۔

۱۷ اپریل ۱۹۳۹ء کو ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس کے اسسٹنٹ مسٹر پربھو دیال تیواڑی ناگپور سے لسوہ پہنچے۔ سرکل انسپکٹر ملکاپور مسٹر تیواری بھی آئے۔ ضلع بلڈانہ کے مختلف مقامات کھام گاؤں، شیگاؤں، جلمب وغیرہ سے بہت سی پولیس ہتھکڑیوں کی کافی تعداد کے ساتھ لسوہ بھیجی گئی۔ کھام گاؤں سے ایک اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کو بھی وہاں پہنچ جانے کا حکم ملا۔ اس بھاری فوج کے لسوہ پہنچ جانے کے بعد ۱۸ اپریل ۱۹۳۹ء کو کانگریس حکومت

کی ستم رانی کا ڈرامہ شروع ہوا۔ گاؤں کے تمام راستوں پر پولیس تعینات ہو گئی کہ کوئی مسلمان باہر نہ جاسکے۔ گاؤں کی ساری مسلم آبادی کو پکڑ لایا گیا۔ جمعہ کا روز مسلمانوں کی ایذا رسانی کے لئے بہت ہی موزوں سمجھا گیا۔ ان تمام مسلمانوں کو اپریل کی سخت دھوپ میں صبح سے شام تک کھڑا رکھا گیا۔ واقعہ کے پورے بائیس تیئیس روز بعد ان مسلمانوں کو مختلف ہندوؤں سے شناخت کرایا گیا۔ ان شناخت کرنے والوں میں جھگڑے کے روز مجروح ہونے والا کوئی ہندو نہ تھا۔ بیمار مسلمانوں کو بھی پکڑ کر شناخت کے لئے لایا گیا۔ انہیں دن بھر کچھ بھی کھانے کو نہیں دیا گیا اور ان گیارہ آدمیوں کے علاوہ جو پہلے گرفتار ہو چکے تھے مزید ایک سو چھیالیس مسلمانوں کو گرفتار کر لیا۔ ان میں بوڑھے۔ جوان۔ کم عمر۔ بیمار اور معذور سب ہی تھے۔

ان تقریباً ڈیڑھ سو مسلمانوں کو رات کے وقت مقامی اسکول کے کمرے میں جس کا رقبہ ۲۰×۳۰ ہے ٹھونس دیا گیا۔ رات کو بھی انہیں کھانا نہیں دیا گیا اور نہ رشتہ داروں کو دینے دیا گیا۔ اس گرمی کے موسم میں دن بھر بھوکا پیاسا رکھ کر رات کو بھی بلا کھانا پانی رکھا گیا اور سانس گھٹنے والی کوٹھڑی میں بند کر دئے گئے۔ بارہ بجے رات سے اسی کوٹھڑی میں انہیں ہتھکڑیاں پہنائی جانے لگیں۔ اور جب ہتھکڑیاں ختم ہو گئیں تو انہیں جانوروں کی طرح رسی سے باندھ کر چھوڑ دیا گیا۔ کانگرسی حکومت نے تو پوری کوشش کی کہ فرضی کال کوٹھڑی کے مقابلہ میں واقعی کال کوٹھڑی لبوا میں قائم کردے مگر ان مسلمانوں کی سخت جانی نے یہ مراد پوری نہ ہونے دی۔ انہیں ۹ اپریل کی صبح کو ملکاپور لایا گیا اور ملکانہ پور سے بلڈانہ موٹر لاری میں جانوروں کی طرح بھر کر لے جایا گیا۔ انہیں چھتیس گھنٹہ بھوکا پیاسا رہنے کے بعد بلڈانہ

میں رات کے وقت ڈپٹی کمشنر اور ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے سامنے کھانے کو ملا۔ ۱۴۸ میں سے ۵۳ مسلمانوں کو لاری میں بھر کر اکولہ جیل بھیج دیا گیا۔ ۷ اور ۸ اپریل کی شناخت کے موقع پر بعض بیمار مسلمان دھوپ کی شدت سے نڈھال ہو گئے اور چکر آنے کے باعث انہیں متلیاں آنے لگیں مگر انہیں اسی طرح کھڑے رہنے پر مجبور کیا گیا۔ ان صدمات کی تاب نہ لا کر ایک غریب ۱۱ اپریل ۱۹۳۹ء کو جنت سدھار گیا۔ ایک بیوہ ضعیفہ جس کا جوان لڑکا اس ہنگامہ خیز حالات میں گرفتار کیا گیا۔ مارے ہول کے ۱۴ اپریل کو دنیا سے رخصت ہو گئی۔ ایک منہارن ۹ اپریل کو صبح کو جب کہ ان بے گناہوں کو ملکاپور لے جانے کی تیاریاں کی جا رہی تھیں اپنے داماد کے لئے روٹی لائی کیونکہ گزشتہ چوبیس گھنٹہ سے وہ بھوکا تھا اسے روٹی نہ دینے دیا گیا۔ اس کے اصرار اور التجا پر ایک ہندو افسر نے کہا ”جب جگدیو پر حملہ ہوا تب تو کہاں تھی؟ اب ہمارا راج ہے۔“ یہ واقعہ ”اہنسا اور صداقت“ کی حکومت کا زندہ جاوید کارنامہ ہے۔

اس واقعہ نے سارے ہندوستان کے مسلمانوں میں غم و غصہ اور نفرت کی لہر دوڑا دی۔ ہر جگہ احتجاجی جلسہ اور نفرت کی تجویز منظور ہوئی۔ حکومت نے یہ محسوس کیا کہ اتنی بڑی تعداد کے ملزم بنانے سے مقدمہ بالکل ہی کمزور ہو جائے گا اور گواہ کبھی اتنے زیادہ آدمیوں کو عدالت میں ٹھیک طور پر نہ پہچان سکیں گے۔ اس لئے ایک سو ستاون گرفتار شدہ مسلمانوں میں سے ایک سو چودہ مسلمانوں کو ہر طرح کی ایذا پہنچانے اور ایک ماہ سے زائد جیل میں رکھنے کے بعد رہا کر دیا گیا۔ یہ ثابت ہو گیا کہ ایک سو چودہ ضرور بے گناہ تھے اور انہیں جو ستم سہنے پڑے اس کی سیاہی سے کانگرسی

حکومت کی پیشانی ہمیشہ داغدار رہے گی۔ اس کے بعد ۴۴ مسلمانوں کا متعدد دفعات کے تحت جس میں قتل، ضرب رسانی، بلوہ، سازش سبھی کچھ ہے چالان کیا گیا۔ پولیس نے استغاثہ کی طرف سے چونسٹھ گواہ پیش کئے۔ عدالت ماتحت نے تمام ملزمین کو سشن سپرد کر دیا۔

کانگرسی وزراء اور اصحابِ اختیار کی آتش انتقام گاؤں کے تمام مسلمانوں کو جسمانی ایذا پہنچانے اور کثیر تعداد کو جیل بھیج دینے سے سرد نہ ہوئی بلکہ تمام کام کرنے اور والوں اور کمانے والوں کو جیل میں بھیجنے کے بعد حکومت نے لبسوہ میں تعزیری پولیس تعینات کر دی اور اس کے خرچ کا سارا بار کئی ہزار روپے کا صرف مسلمانوں پر ڈالا گیا۔ اور ان کی وصولی کے لئے وارنٹ جاری کئے گئے، ان کی جائیداد مکان اور جس کے پاس یہ نہ ہو اس کا اثاثہ ضبط کر کے خزانہ میں داخل کیا جائے۔

سشن جج ناگپور نے سماعت کے بعد ۴۴ ماخوذین میں سے چھ مسلمانوں کو پھانسی، چوبیس کو حبس دوام اور ایک کو ایک سو روپیہ جرمانہ کی سزا دی بقیہ کو بری کر دیا۔ فاضل سشن جج نے اس کا مطلق خیال نہیں کیا کہ گواہ کیسے ہیں سچے یا جھوٹے۔ بلکہ فیصلہ میں صرف یہ اصول رکھا کہ اتنے آدمیوں نے فلاں فلاں کو پہچانا۔ لہٰذا یہ مجرم ہے۔ مسلمانوں کو ایسی سنگین سزائیں دینے کے باوجود کانگرسی وزارت کی ماتحت پولیس اور حکام کے طرز عمل پر نکتہ چینی کرنے سے فاضل سشن جج اپنا قلم نہ روک سکے۔ چنانچہ "لبسوہ کی کال کوٹھری" کا تذکرہ کرتے ہوئے فیصلہ میں لکھا ہے کہ "یہ وحشیانہ سلوک نازی جرمنی میں قابلِ عمل ہو تو ہو۔ مہذب برطانوی حکومت کے سایہ میں ایسا کیا جانا محکمۂ انتظام کے لئے ایک نہایت ہی بدنما داغ ہے۔" فیصلہ میں آپ نے یہ بھی

لکھا ہے کہ "ہندو اسیسروں نے رائے دینے میں فرقہ پرستانہ ذہنیت سے کام لیا ہے۔"

ہائی کورٹ میں اس فیصلہ کے خلاف اپیل کی گئی۔ مقدمہ کی پیروی کے لئے نواب صدیق علی خاں صاحب کی کوششوں کی بدولت مسٹر قاسم علاؤالدین سوجی ایم۔ اے ایل ایل۔ بی بار ایٹ لا بمبئی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اپیل کی سماعت ناگپور کے ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سر گلبرٹ اسٹون اور مسٹر جسٹس جز رویون بوس کے سامنے شروع ہوئی۔ مسلمانوں کی خوش قسمتی سے جس وقت یہ مقدمہ ہائی کورٹ میں پہنچا۔ کانگرسی وزارت حکومت کو خیرباد کہہ چکی تھی۔ اور ایڈوکیٹ جنرل کانگرسی حکومت کے نامزد کردہ نہ تھے۔ مسٹر سوجی کی پانچ روز کی ابتدائی بحث کے بعد مسٹر والٹروت ایڈووکیٹ جنرل نے عدالت کے سامنے یہ بیان دیا کہ مسل کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ "ان اکتیس ملزموں میں سے انیس کے خلاف سازش قتل و بلوہ کا جرم ثابت نہیں ہے۔ عدالت کا وقت ضائع نہ ہو۔ اس لئے میں پہلے ہی اس بات کی وضاحت کر دیتا ہوں کہ میں انیس ماخوذین کے خلاف جرم کے مرتکب ہونے کے متعلق زور نہیں دوں گا۔" ان انیس میں ایک ملزم وہ بھی تھا جس کو سو روپیہ جرمانہ کی سزا ہوئی تھی اور ضمانت پر رہا تھا۔ بقیہ اٹھارہ میں سے ایک کو پھانسی اور سترہ کو حبسِ دوام کی سزا ہوئی تھیں۔ ایڈووکیٹ جنرل کے اس بیان کے بعد مسٹر سوجی نے عدالت سے یہ درخواست کی ان ملزمین کو ضمانت پر رہا کر دیا جانا چاہیئے۔

چنانچہ عدالت نے ایک عارضی فیصلے کے ذریعہ ان انیس ماخوذین کو ضمانت پر رہا کئے جانے کا حکم صادر کیا۔ یہ حکم مسٹر جسٹس بوس نے لکھا جس سے چیف جسٹس نے اتفاق کیا۔ فاضل ججوں نے اس حکم میں تحریر کیا کہ "اپیل کی سماعت کے ابتدائی دنوں ہی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ بہت سے ملزمین کے

خلاف جرم کے ثبوت کا دارومدار "باہمی سازش" کے کمزور ستونوں پر ہے۔ یہ بات صاف ہوگئی ہے کہ اس مفروضہ باہمی سازش کا وجود ثابت نہیں ایڈووکیٹ جنرل نے مجلسِ وکلاء کی شاندار روایات کی صحیح پیروی کرتے ہوئے اس کا اعتراف کر لیا ہے۔ اس لئے ان ملزمین کو جن کے خلاف ایڈووکیٹ جنرل نے جرم کو مشکوک مان لیا ہے، جیل میں رکھنا مناسب نہیں، بنابریں انہیں ضمانت پر رہا کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔"

دس روز اپیل کی سماعت کے بعد ۲۰ مئی ۱۹۴۰ء کو عدالت عالیہ نے اس تاریخی مقدمہ میں اپنا تاریخی فیصلہ سنایا اور تمام ماخوذین کو بے داغ رہا کر دیا۔ مسٹر گلبرٹ اسٹون چیف جسٹس ناگپور ہائی کورٹ نے فیصلہ کی ابتدا ان الفاظ سے کی ہے "یہ ایک اندوہناک مقدمہ ہے یہ تعریف صحیح ثابت ہوتی ہے جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس مقدمہ میں ۲۴ آدمی قتل کے الزام میں ماخوذ ہیں اور ایسے گواہ جن کی شہادتیں جھوٹی بنائی ہوئی یا سکھائی ہوئی ہیں۔ یکے بعد دیگرے شہادت دینے کو چلے آرہے ہیں۔ ان میں سے سات گواہ ایسے ہیں جو کم عمر یا بچے ہیں جنہیں جھوٹی شہادت دینے کے لئے تیار کیا گیا ہے ایسے مقدمہ میں جھوٹی شہادت دینا سکھائی ہوئی شہادتوں کی بناء آدمیوں کو شناخت کرنا یہ بتاتا ہے کہ گواہ یا اس کو سکھلانے والا دوسرے انسان کو پھانسی پر چڑھا دینے کے لئے بلا اس خیال کے یہ انسان قصور وار ہے یا نہیں۔ اپنی تمام کوششیں صرف کر رہا ہے انسانی اطوار کی پستی اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتی ہے کہ اپنے مخالف کی جان لینے کی کوشش بچوں کی زبان سے دروغ حلفی کے ذریعہ کی جائے۔"

چند ہی سطر آگے چل کر جج موصوف لکھتے ہیں:-

۱۷ مارچ ۱۹۳۹ء کو لبوہ میں مسلمانوں کی مسجد کے سامنے یا قریب چند منٹ کے لئے ایک ہنگامہ ہوا جس میں متعدد ہندو اور مسلمان زخمی ہوئے اور ایک ہندو ان زخموں کے صدمہ سے جو اسے لگے تھے بعد میں قضا کر گیا۔ ۲۰ مارچ کو صوبائی اسمبلی میں تحریک التوا پیش کی گئی اس کے مباحثہ میں اکثر ارکان نے ایسی تقریریں کیں گویا یہ قطعیت کے ساتھ معلوم ہو چکا ہے کہ کس جرم کا ارتکاب کیا گیا ہے اور جہاں تک ایک ممبر کا تعلق ہے۔ انہوں نے اشارہ کیا کہ کس شخص نے قتل کے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ اس مباحثہ میں اس وقت کے وزیر اعظم نے بھی "قتل" کا لفظ استعمال کرتے اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ واقعہ بلوہ کا نہیں ہے بلکہ قتل کی ایک ایسی گہری سازش ہے جس پر پوری طرح عمل کیا گیا کوئی بات محسوس نہ کی۔"

یہ مقدمہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے کتنا جگر فگار، کتنا دلدوز، کتنا لرزہ خیز ہے؟ پھر یہ واقعہ اپنی نوعیت میں منفرد نہیں۔ کانگرسی دورِ حکومت کی تاریخ اس قسم کے واقعات سے لبریز ہے۔

کانگرس اور مذہب

مسٹر جناح اور مسلم لیگ کی "لادینی" کے فرضی اور افسانوی واقعات احرار اور جمعیتہ علماء دہلی کے طبقہ میں مسلمات کی طرح مانے جاتے ہیں۔ وہ اگر صحیح بھی تسلیم کر لئے جائیں تو بھی پاکستان کے نظام پر اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ اس لئے پاکستانی حکومت کی تشکیل عامہ مسلمین کریں گے اور ان کی مذہبی ذہنیت اور جذبہ سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اس کے برعکس ہندوستان کے نظام کی تشکیل ۲۲ کروڑ ہندوؤں کے ہاتھ میں ہوگی اور کانگرس وہی چاہے گی جو گاندھی جی اور جواہر لال چاہیں گے۔

اسلام میں ایک مسلمہ کا نکاح ایک غیر مسلم سے اور ایک مسلم کا نکاح ایک مشرک سے نہیں ہو سکتا لیکن کانگرس ہائی کمان اس اصول کو نہیں مانتی۔ پنڈت جواہر لال نہرو فرماتے ہیں

"میں مختلف فرقوں کے درمیان شادی بیاہ کا حامی ہوں خواہ اس کی کوئی حمائیت کرے یا نہ کرے۔ یہ بے حد ضروری ہے کہ سول نکاح کا ایک عام قانون ہو جس کا اطلاق تمام مذاہب کے لوگوں پر ہو اور ان کو اجازت دی جائے کہ مذہب کی تبدیلی یا کسی دین کو ترک کرنے کا اعلان کئے بغیر آپس میں شادی بیاہ کر سکیں۔"

(میری کہانی حصہ دوم صفحہ ۲۹۴)

کانگرس اور مسلمانوں کا جداگانہ وجود

کانگرس ہائی کمان کے نزدیک ہندو اور مسلمان ایک قوم ہیں۔ دونوں میں کوئی مابہ الامتیاز نہیں ہے۔ مسلم تمدن، مسلم ثقافت، مسلم حضارت ایک بے معنی لفظ ہے جب صورتِ حال یہ ہے تو ظاہر ہے نہ مسلمان خود اختیاری کا مطالبہ کر سکتے ہیں نہ اپنے جداگانہ وجود کے قیام پر اصرار کر سکتے ہیں۔

مسلمانوں کی قومی انفرادیت اور مسلم تمدن کے بارے میں کانگرس ہائی کمان کی رائے کیا ہے؟ ملاحظہ ہو۔ پنڈت جی فرماتے ہیں:-

"ہندو اور مسلم تمدن اور ملتِ اسلامی، ان الفاظ سے ماضی کے کیسے کیسے دل پسند تاریخی واقعات کے باب کھل جاتے ہیں لیکن ہندوستان میں مسلم قومیت پر زور دینے کا مطلب کیا ہے؟ یہی کہ ایک قوم کے اندر ایک دوسری قوم موجود ہے۔ سیاسی نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو یہ تخیل بالکل لغو معلوم ہوتا ہے اور معاشی نقطۂ نظر سے یہ بہت دور از کار ہے۔ مسلم قومیت

کا ذکر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں کوئی قوم ہی نہیں صرف مذہبی اخوت کا رشتہ ایک چیز ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جدید تہذیب و تمدن کو ترک کر کے ہم لوگ عہدِ وسطیٰ کے طریقوں کو پھر اختیار کر لیں ——— مسلم قوم کا تخیل تو صرف چند لوگوں کی من گھڑت اور محض پرواز خیال ہے، اگر اخبارات اس کی قدر اشاعت نہ کرتے تو بہت تھوڑے لوگ اس سے واقف ہوتے اور اگر زیادہ لوگوں کو اس پر اعتقاد بھی ہوتا تو بھی حقیقت سے دوچار ہونے کے بعد اس کا خاتمہ ہو جاتا ——— لیکن یہ مسلم تمدن ہے کیا چیز؟ کیا یہ عربوں، ایرانیوں، ترکوں وغیرہ کے بڑے بڑے کارناموں کی ایک یاد ہے جو نسلی تعلق کی وجہ سے اب تک باقی ہے؟ یا اس کا مطلب زبان، آرٹ، موسیقی اور رسم و روایات ہیں۔ مجھے نہیں یاد آتا کہ کوئی شخص اسلامی موسیقی یا اسلامی آرٹ کا کبھی ذکر کرتا ہو ——— مسلم اقوام اور ممالک کے تاریخی کارناموں پہ فخر کرنا غالباً ایک بہت ہی مضبوط اسلامی رشتہ سمجھا جاتا ہے لیکن کیا کوئی شخص مختلف اقوام کے عظیم الشان کارناموں پہ فخر کرنے سے مسلمانوں کو روکتا ہے ——— میں نے اسلامی تمدن کا مطلب سمجھنے کی بڑی کوشش کی لیکن میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں اس میں کامیاب نہیں ہوا ——— اسلامی تمدن کی نشانی بظاہر یہ ہے کہ ایک خاص قسم کا پاجامہ جو نہ زیادہ لمبا ہو نہ زیادہ اونچا۔ ایک خاص طریقہ سے مونچھوں کی تراش خراش اور داڑھی کا رکھنا اور ایک لوٹا جس میں ایک خاص قسم کی ٹونٹی ہوتی ہے ——— جہاں تک داڑھیوں کا تعلق ہے امان اللہ خاں نے کابل میں جب ان کا صفایا کرانا شروع کیا تو مجھے خوشی ضرور ہوئی تھی۔ ان مسلمانوں کی حالت بھی حد درجہ حیرت انگیز ہے جو ہمیشہ ماضی کی طرف نظر رکھتے ہیں اور ہمیشہ انہی چیزوں

کو پکڑتے ہیں۔ جو ان کی گرفت سے نکلتی چلی جارہی ہیں —— اس زمانہ میں ہندی مسلمانوں کو پیہم صدمات پہنچے ہیں۔ اور ان کے بہت سے خیالات جن کی پرورش بڑی تمناؤں سے کی گئی تھی پاش پاش ہو گئے اسلام کے غازی مرد ترک نے نہ صرف یہ کہ اس خلافت ہی کو ختم کر دیا جس کے لئے ہندوستان ۱۹۲۰ء میں اتنا لڑا تھا بلکہ یکے بعد دیگرے ایسے قدم اٹھائے ہیں جو مذہب سے اس کو دور ہی لئے جا رہے ہیں۔ ترکی کے جدید دستور اساسی میں ایک دفعہ تھی کہ ترکی اسلامی ریاست ہے لیکن اس اندیشہ سے کہ کوئی غلط فہمی نہ پیدا ہو جائے کمال پاشا نے ۱۹۲۷ء میں اعلان کیا کہ دستور اساسی کی یہ دفعہ کہ ترکی ایک اسلامی ریاست ہے محض سمجھوتہ کے طور پر داخل کی گئی ہے اور مقصد یہ ہے کہ اولین موقعہ ملتے ہی اس کو خارج کر دیا جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ جو اشارہ اس نے کیا تھا اس پر بعد میں اس نے عمل بھی کیا۔ مصر بھی اسی راستہ پر جا رہا ہے۔ گو نسبتاً بہت زیادہ احتیاط کے ساتھ یہی حال عربی ممالک کا ہے، سوائے ملک عرب کے جو بہت زیادہ پیچھے ہے ایران کی نظریں اپنے تمدنی احیا کے لئے تاریخ قبل از اسلام پر پڑتی ہیں۔ غرض ہر جگہ مذہب بالکل پس پشت ڈالا جا رہا ہے اور وطنیت جنگ آزما لباس میں ظہور پذیر ہو رہی ہے۔ ہاں مسلم قوم اور مسلم تمدن کا کیا ہو گا؟ کیا یہ آئندہ صرف شمالی ہند میں سرکارِ دولت مدار برطانیہ کے زیر سایہ پھلے پھولے گا —— ہمارے فرقہ پرستوں نے تنگ نظری کو اپنا مقصودِ نظر قرار دیا ہے۔"

(میری کہانی حصہ دوم صفحہ ۲۳۱ تا ۲۳۳)

رو سیاہیوں کی سُرخ روئی

سی پی کے مسٹر یوسف شریف کا ذکر ہو چکا ہے۔ وہ خود زانی نہ تھے۔ اس قسم کے ایک ملزم کو انہوں نے کچھ رعایت دے دی تھی مگر وہ وزارت سے برطرف کر دئے گئے۔ اب مسٹر دوارکا پرشاد مصرا کانگرسی وزیر سی پی کی سیاہ کاریاں اور کانگرس ہائی کمان سے ان کی سرخ روئیاں ملاحظہ فرمائیے۔ خوب غور کر لیجئے یہ واقعہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے کتنا سنگین، کتنا ہولناک، کتنا لرزہ خیز اور کتنا غیر شریفانہ ہے؟ صرف یہ الزام مصرا کو کانگرسی وزارت سے برطرف کر دینے کے لئے کافی تھا لیکن اس الزام کے ثبوت پیش کئے گئے۔ داد رسی کی کوشش کی گئی۔ عرض و التماس سے کام لیا گیا مگر کانگرس ہائی کمان نے اپنے "پرسٹیج" کے خلاف سمجھا کہ وہ ایک ہندو وزیر کو سزا دے۔

"جون ۱۹۳۸ء میں ایک مسلمان عورت نے جبل پور کو توالی میں رپورٹ کی۔ کہ اس کی نابالغ لڑکی کا اغوا ہو گیا ہے۔ اور اُس کا شک مسٹر مصرا کے ڈرائیور نانا نائیڈو پر ہے۔ دوران تحقیقات میں پولیس کو یہ معلوم ہوا کہ اس اغوا میں مصرا اور اس کے کئی دوستوں کا زبردست ہاتھ ہے۔ پولیس کو یہ بھی پتہ چلا کہ مسٹر مصرا اور ان کے سرپرست سیٹھ گوونداس اس کی پوری کوشش کر رہے ہیں کہ لڑکی اور ملزم کا سراغ نہ ملے۔ مسٹر مصرا پر کتنا سنگین الزام تھا۔ اس کا اندازہ پولیس ڈائری کے ان ٹکڑوں سے ہو سکتا ہے جس کو بعض لوگوں نے حاصل کر کے اخبارات میں چھپوایا اور ایک حلفیہ بیان کے ساتھ ناگپور ہائی کورٹ میں داخل کیا۔ بہت دنوں کی تلاش کے بعد جب لڑکی کو پولیس نے برآمد کر لیا تو لڑکی نے پولیس کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا کہ "میری ماں کی عدم موجودگی میں نانا نائیڈو آیا اور کہا کہ تیری ماں تجھے بلا رہی ہے۔ جب میں باہر نکلی تو اس نے ایک موٹر پر مجھے زبردستی ڈال دیا اور موٹر چلا دی۔ میرے چیخنے چلانے کی آواز کو اس نے موٹر

۴۳۶ کا ہارن بجا بجا کر دبا دیا۔ موٹر پر ایک آدمی اور تھا جسے میں اندھیرے کے سبب نہیں پہچان سکی۔ مجھے گوپال باغ میں لے جا کر تالے میں بند رکھا گیا۔ نانا نائیڈو نے اس رات کئی بار میری عصمت دری کی۔ نائیڈو مجھ سے بار بار یہ کہا کرتا تھا کہ مجھے مصرا جی کے گھر میں رہنا ہوگا۔ وہاں بڑے آرام اور چین سے کٹے گی۔ وہ بڑے آدمی ہیں" لڑکی کا حسب ذیل بیان جو پولیس کی ڈائری میں درج ہے مصرا جی کے خلاف جرم ثابت کرتا ہے۔

"گوپال باغ میں میرے پہنچنے کے ایک یا دو دن بعد ایک رات مصرا جی میری کوٹھڑی میں آئے اور مجھ سے کہا میرے گھر چلو اور اس طرح کی باتیں کرنے لگے جو مجھے ناگوار معلوم ہوئیں۔ میں نے ان کے گھر جانے سے انکار کیا اور اس پر بھی راضی نہ ہوئی کہ وہ میرے ساتھ صحبت کریں لیکن اس شب انہوں نے میرے ساتھ زنا کیا۔"

پولیس کے کاغذات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ لڑکی کو بمبئی بھیجا جا رہا تھا تلاشی میں ایک کاغذ ملا جس پر سیٹھ گوونددواس کی فلم کمپنی "آدرش چترا" (جس کے منیجر مسٹر مصرا تھے) کے بمبئی آفس اور ایک ملازم کا پتہ لکھا تھا جس کے مکان سے لڑکی برآمد ہوئی اس نے پولیس کے سامنے اقبال کیا کہ اس کے بھتیجے نے جو نانا نائیڈو کا دوست ہے یہ بچہ اور لڑکی حوالہ کی کہ اسے بمبئی پہنچا دیا جائے۔ پولیس کے کاغذات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر چارج ڈی سلوا سابق صدر جبل پور میونسپل کمیٹی اور ڈاکٹر مس قاضی سے لڑکی کے بلوغت کا جھوٹا سرٹیفکیٹ لینے کی کوشش کی گئی تھی مگر ناکامی ہوئی کیونکہ ان دونوں نے جعلی سرٹیفکیٹ دینے سے انکار کیا اور بعد معائنہ کہہ دیا کہ لڑکی نابالغ ہے۔ اس سلسلہ میں پولیس نے مسٹر مصرا کا بیان لینا چاہا مگر کامیاب نہ ہوئی۔

ڈائری کے الفاظ یہ ہیں:-

"جب سب انسپکٹر ان کے پاس گئے تو انہوں نے کہا کہ وہ بہت

بیمار ہیں اور صاحب فراش ہیں اور باہر نکلنے کے قابل نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بیماری بناوٹی ہے اور وہ سب انسپکٹر کے سوالات سے بچنا چاہتے تھے کیونکہ یہ معلوم ہوا کہ بعد میں وہ گھومتے ہوئے دیکھے گئے اور تندرست حالت میں تھے"

پولیس اس مقدمہ کی تحقیقات کر رہی تھی اور ایک دو دن میں مجسٹریٹ کے سامنے ان کی شناخت ہونے والی تھی کہ کانگرس نے انہیں وزیر منتخب کر لیا اور ان کے خلاف حکومت نے مزید کارروائی کرنے سے حکماً روک دیا اور اس طرح اتنے سنگین الزامات سے آلودہ شخص بغیر اپنے جرم کی صفائی پیش کئے ہوئے وزارت جیسے کام پہ مامور کیا گیا۔ غالباً گاندھی صداقت کی راج گدی ایسے ہی لوگوں کے لئے موزوں ہے۔ بہرحال جب حکومت نے اپنے اختیارات کے زور سے ان کے اخلاق سوز الزامات کی پردہ پوشی کر دی تو منصف مزاج لوگوں نے ان کے خلاف آواز اٹھائی اور ہائی کمان کے کانوں تک ہر طرح کی بات پہنچائی گئی کہ پہلے ان کے خلاف جو الزامات ہیں ان کی صفائی ہونی چاہیئے کہ اس کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کرے لیکن ہائی کمان نے اس مطالبہ کو سال بھر ٹالا اور جب بہت ہی بے بس اور لاجواب ہوئی تو شریف صاحب کے معاملہ کی طرح کسی سابق جج اور غیر کانگرسی آدمی کو نہیں مقرر کیا بلکہ ورکنگ کے ایک ممبر مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی کو انہوں نے شریف صاحب کے معاملہ کے تحقیقات کنندہ کی طرح الزام لگانے والوں کو اس کی آزادی نہیں دی۔ کہ واقعاتی ثبوت اور شہادت کے ذریعہ جرم کو ثابت کر سکیں بلکہ مسٹر ڈیسائی نے بہت سی شہادتوں اور ثبوتوں کے لینے سے اس بہانہ انکار کر دیا کہ یہ نفس معاملہ سے غیر متعلق ہیں یا عدالتوں میں رائج قوانین کی شہادت کی دفعات کی روشنی میں ایسی شہادت یا ثبوت ناقابل قبول ہے اس کی ذرا وضاحت کر دینی ضروری ہے۔ قانون شہادت کے مطابق کسی دعوے کے ثبوت میں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے فلاں شخص کو ایسے کہتے ہوئے سنا تھا اور فلاں شخص زندہ ہو، گواہی دینے کے

قابل ہو اور ممکن طریقہ سے دستیاب ہو سکتا ہو تو اس فلاں شخص کی شہادت بھی پیش کرنی لازمی ہے ورنہ گواہی دینے والے کا بیان بطور ثبوت قابل قبول نہ ہوگا لیکن عدالت میں مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو اس کا موقع حاصل رہتا ہے کہ اگر متعلقہ گواہ شہادت دینے میں آنا کانی کرے تو عدالت سے بذریعہ سمن اور اس پر بھی نہ آئے تو بذریعہ وارنٹ اسے عدالت میں گواہی دینے پر مجبور کیا جائے مگر ڈیسائی کسی کو گواہی دینے پر مجبور نہیں کر سکتے تھے نہ مسٹر مصرا پہ الزام لگانے والوں کو یہ موقع حاصل تھا کہ نا رضا مند گواہ کو مسٹر ڈیسائی کے سامنے شہادت دینے پر مجبور کر سکیں۔ ایک وزیر کے خلاف گواہی دینے پر راضی ہونا آسان نہیں۔ اس لئے اس قسم کی تحقیقات میں قوانین شہادت پر ایسی سخت پابندی کے ساتھ عمل کہیں نہیں کیا جاتا اور مسٹر ڈیسائی کا ایسا کرنا سراسر غیر منصفانہ اور جانبدارانہ فعل تھا۔ اس صریح زیادتی کو دیکھتے ہوئے الزام لگانے والوں نے تحقیقات میں حصہ لینے سے انکار کر دیا اور ہائی کمان نے مسٹر مصرا کو بے قصور قرار دے کر مزید تحقیقات کی ضرورت نہ سمجھی۔

سپرنٹنڈنٹ پولیس کا روزنامچہ

ذیل میں سٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس جبل پور کے خفیہ انگریزی روزنامچہ کا اردو ترجمہ تلخیص کے ساتھ درج کیا جاتا ہے۔ اس روزنامچہ کے اندراجات سے اندازہ ہوگا کہ مسٹر دوارکا پرشاد مصرا کانگرسی وزیر سی۔ پی کے خلاف کتنا سنگین جرم تھا۔ اگر وہ وزارت میں نہ ہوتے اور کانگرسی حکومت نے پولیس کو مزید تحقیقات سے حکماً نہ روک دیا ہوتا تو آج جیل میں ہوتے اور خانصاحب ظفر حسین سے زیادہ عبرت انگیز اور تکلیف دہ حالات سے انہیں دوچار ہونا پڑتا۔

یہ واقعہ، یہ مقدمہ، یہ تفتیش، یہ روزنامچہ، یہ سیہ کاری، ہر چیز تاریخی ہے صرف

طوالت کے بیان کے خوف سے ایسی اہم چیزوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ امکانی طور پر اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ پھر بھی لاکھ مختصر کیجئے سیاہ کاری کی داستان طویل ہو ہی جاتی ہے۔

اب روزنامچہ کے اہم اور ضروری اندراجات ملاحظہ ہوں:۔

خفیہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس جبل پور۔

متعلق الزام نمبر ۳۱۳ دفعہ ۳۶۶ تعزیرات ہند سال ۱۹۳۷ء

بنام نانا نائیڈو اور ڈی۔ پی مصرا ملزمان۔

ہیڈ کانسٹیبل بھیا لال سیونی سے واپس آیا اور ظاہر ہوا کہ اسے معلوم ہوا ہے کہ دس دن ہوئے نانا نائیڈو اور ایک لڑکی مسماۃ حسینہ سیونی گئے تھے۔ اور دو دن رہ کر وہاں سے چلے گئے۔

نانا نائیڈو کا باوجود تلاش کچھ پتہ نہیں چلا۔ یہ معلوم ہوا ہے کہ ڈی۔ پی مصرا کے ایک بھائی کانپور میں ہیں اور یہ اطلاع ملی ہے کہ لڑکی کانپور بھیج دی گئی ہے اور نانا نائیڈو بھی وہیں چلا گیا ہے۔ پولیس کانپور کو بغرض کاروائی مناسب اطلاع دے دی گئی ہے سیٹھ گووند داس اور ڈی پی مصرا اس معاملہ میں رکاوٹیں ڈال رہے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نانا نائیڈو انہیں دونوں کے مشورہ سے چھپا ہوا ہے۔

مورخہ ۲۴-۵-۳۷ دستخط سٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس

نقل بخدمت جناب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب بہادر

خفیہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس جبل پور۔

الزام نمبر ۳۱۳ دفعہ ۳۶۶ تعزیرات ہند بنام نانا نائیڈو اور ڈی پی مصرا ملزمان لڑکی کی ماں نے ایک درخواست دی ہے کہ چونکہ اس معاملہ میں بڑے آدمیوں کا ہاتھ ہے بہت ممکن ہے کہ لڑکی جان سے مار دی گئی ہو۔ اس پر بھی نگاہ رکھی جائے گی۔

اس مقدمہ کے سلسلہ میں بہت سی افواہیں ہیں۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ڈی۔ پی مصرا اور سیٹھ گووند داس اس امر کے کوشاں ہیں کہ بھاگنے والوں کا پولیس کو کچھ پتہ نہ چلے اور انتہائی کوشش کر رہے ہیں کہ نانا کے جائے قیام کا پتہ نہ چل سکے۔

مورخہ ۸ ۶/۳۷ (دستخط ڈی سپرنٹنڈنٹ پولیس جبل پور)

خفیہ رپورٹ بہ سلسلہ تفتیش مقدمہ الزام نمبر ۳۱۳ دفعہ ۳۶۶ تعزیراتِ ہند

بنام نانا نائیڈو اور ڈی۔ پی مصرا ملزمان

مقدمہ ہذا میں تفتیش جاری رہی اور گزشتہ پندرہ دن میں کئی مرتبہ اطلاعات نانا ملزم اور لڑکی حسینہ کے متعلق ملتی رہیں ان پر عمل کیا گیا مگر کوئی کامیابی نہ ہو سکی۔

ہیڈ کانسٹیبل سندر لال نے اطلاع دی ایک نوجوان ہندو لڑکی جو ساڑھی پہنے ہے ہندوانہ لباس میں ہے دو یوم کا عرصہ ہوا محلہ بھان تلیا میں آئی تھی۔ بمبئی لے جائی جا رہی ہے۔ وہ ہردیو سنگھ بیاس کے مکان پر ہے۔ محلہ کی عورتوں کے ذریعہ سے بمشکل تمام اس کا حلیہ معلوم کیا گیا تو اس کا حلیہ گم شدہ لڑکی حسینہ سے ملتا ہے۔ اولاً ہردیو سنگھ نے بتایا کہ اس مکان میں کوئی لڑکی موجود نہیں ہے لیکن جب اس سے کہا گیا کہ لڑکی ضرور موجود ہے اور اس مکان کا دروازہ توڑ دیا جائے گا تو اس نے تسلیم کیا لڑکی ہے۔ چنانچہ ایک لڑکی دستیاب ہوئی جس کو حسینہ کی ماں نے اپنی بیٹی شناخت کیا۔ پہلے ہردیو سنگھ نے یہ بیان کیا کہ اسے یہ لڑکی بھیک مانگتی ہوئی ملی تھی۔ لہٰذا وہ اپنی حفاظت میں اسے لے آیا۔ لڑکی کے اچھے لباس وغیرہ کو دیکھتے ہوئے یہ صریح جھوٹ ہے وہ گرفتار کیا گیا اور جلد راست گوئی پر اتر آیا۔ اس نے تسلیم کیا کہ اس لڑکی کو اس کا بھانجا جو نانا کا دوست ہے لایا تھا۔ اور وہ اس کو بمبئی لے جا رہا تھا۔ ہردیو سنگھ کے مکان کی تلاشی پر بستر اور صندوق سفر کے لئے بندھے پائے گئے۔ ان کے کھولنے پر لڑکی کے کپڑے ہردیو سنگھ

کے کپڑوں کے ساتھ ملے۔ ایک پرچہ بھی ملا جو پرتاپ سنگھ ہردیو سنگھ کے بھانجے کا لکھا ہوا ہے۔ یہی پرتاپ سنگھ لڑکی کو یہاں لایا تھا۔ اس پرچہ میں بنرجی آدرش چترا لیمنگٹن روڈ بمبئی کا پتہ لکھا ہوا ہے جہاں لڑکی لے جائی جا رہی تھی۔

یہ پرچہ ہردیو سنگھ کے کوٹ کی جیب سے برآمد ہوا۔ آدرش چترا گووند داس کی فلم کمپنی کا دفتر ہے۔ اور جس کے انتظام میں ڈی۔ پی مصرا کا بڑا ہاتھ ہے۔ ہردیو سنگھ اور پرتاپ سنگھ نے بعد میں یہ بھی بتایا کہ نانا بمبئی میں مذکورہ بالا پتہ پر موجود ہے۔ سب انسپکٹر ورما نانا کی گرفتاری کے لئے بمبئی بھیجے گئے ہیں۔ لڑکی حسینہ سے ابھی پورے طور سے دریافت حال نہیں کیا جا سکا۔ دستیابی اور اپنی ماں بہنوں اور چھوٹے بھائی کے ملنے سے وہ ایک بدحواسی کی سی کیفیت میں ہے اور متلی اور دردِ سر کی شکایت کرتی ہے جو کچھ بھی اس نے بیان کیا ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ وہ گول باغ میں جبراً ایک کمرہ میں کئی دن تک بند رکھی گئی اور وہاں نانا کے علاوہ ڈی۔ پی مصرا بھی اس سے ملا۔

(۲۱ ۶/۳۷) دستخط ڈی سپرنٹنڈنٹ پولیس جبل پور

رپورٹ بہ سلسلہ تفتیش مقدمہ الزام ۳۱۳ دفعہ ۳۶۶ تعزیراتِ ہند

بنام نانا نائیڈو۔ ڈی۔ پی مصرا ملزمان خفیہ

مقدمہ ہذا کی تفتیش جاری ہے۔ لڑکی حسینہ نے جو بیان دیا ہے اس کا خلاصہ ہم رشتہ ارسال ہے اس نے اپنے بیان میں بہت سی باتیں بتائی ہیں جن کی تصدیق کی جا رہی ہے۔

وہ سول سرجن اور لیڈی ڈاکٹر کے معائنہ کے لئے پیش کی گئی۔ معائنہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ لڑکی کی عمر قریب سولہ سال کی ہے۔ صحیح عمر کے تعین کے لئے سول سرجن سے مزید دریافت کیا جا رہا ہے اور اس کی عمر کے سرٹیفکیٹ کو بھوپال

سے حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

مورخہ ۲۷ ۶/۶۱ دستخط سٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس جبل پور

مختصر بیان سماۃ حسینہ

خفیہ سٹی کوتوالی جبل پور

حسینہ دختر محمد حنیف ساکن محلہ گوڑھا پھاٹک جبل پور

جس روز چری تال میں آگ لگی نانا نائیڈو قریب ساڑھے سات یا آٹھ بجے رات کو میری ماں کی عدم موجودگی میں میرے مکان پر آیا۔ اس سے قبل نانا نائیڈو تین چار مرتبہ میرے مکان پر آچکا تھا اور میری ماں سے بات چیت کی تھی۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ کیا بات ہوتی تھی۔ میں نے نہیں دیکھا کہ روپیہ یا نوٹ میری ماں کو پیش کئے گئے ہوں کیونکہ میں پردہ کرتی تھی اور گھر چھوٹا ہونے کی وجہ سے جب کوئی بیرونی شخص آتا تھا تو میں بادشاہ مسلمان اپنے پڑوسی کے یہاں چلی جاتی تھی جب نائیڈو آتا تھا تب بھی میں یہی کرتی تھی۔ جس دن چری تال میں آگ لگی۔ میری ماں حسب معمول بازار گئی تھی۔ اس وقت سورج ڈوب رہا تھا یا اندھیرا ہو چکا تھا۔ اس روز جب میری ماں چلی گئی تو نانا نائیڈو آیا اور مجھ سے کہا تیری ماں نے بلایا ہے جو گھر کے باہر ہے۔ جب نائیڈو آیا تھا تو میں مکان کے اندر کھانا پکانے اور اپنے چھوٹے بھائی بہنوں کی دیکھ بھال میں مصروف تھی۔ میں مکان سے باہر آگئی۔ جب میں نے پوچھا میری ماں کہاں ہے تو اس نے کہا اور تھوڑی دور چلو۔ کچھ دور کے فاصلہ پہ ایک موٹر کار کھڑی تھی جونہی ہم موٹر کے قریب پہنچے اس نے مجھے زبردستی موٹر کار کی پچھلی سیٹ پہ بٹھا دیا۔ نانا یہی کہتا رہا کہ ڈرو مت تمہاری ماں وہاں ہے اور وہ تمہیں بلا رہی ہے۔ میں رونے چلانے لگی۔ اس نے موٹر کا ہارن بجانا شروع کیا جس سے میری آواز دب گئی۔ ایک آدمی

اور بھی موٹر کار کی اگلی نشست پر بیٹھا تھا۔ میں اسے نہیں پہچان سکی کیونکہ اندھیرا ہو گیا تھا اور میں بہت پریشان و خوفزدہ ہو گئی تھی۔ میں سیدھی گوپال باغ لے جائی گئی۔ گوپال باغ میں ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جس کی میں نشان دہی کر سکتی ہوں۔ مجھے اس میں لے گئے۔ اس کمرہ میں ایک کھڑکی پشت کی جانب ہے جس میں لکڑی کے جنگلے لگے ہیں اور اس کے دو ڈنڈے غائب ہیں۔ اس رات نانا نائیڈو نے میرے ساتھ کئی بار حرام کاری کی۔ جب وہ باہر جاتا تھا تو سامنے والا دروازہ کا تالا بند کر دیتا تھا۔ میں نے ہر چند کوشش کی اور نائیڈو کی خوشامد کی کہ مجھے چھوڑ دیا جائے مگر وہ مانا نہیں۔ یہ پانچ چھ دن تک ہوتا رہا۔ نانا کھانا لاتا! جب مجھے رفع حاجت کی ضرورت ہوتی تو نانا چارپائی پر ایک کرسی رکھ دیتا اور مجھے کھڑکی کے ٹوٹے ہوئے ڈنڈوں کے خلا سے باہر کر دیتا تھا جہاں کئی خالی اور ویران مکانات اور ان کی دیواریں ہیں۔ میں وہاں ضروریات سے فراغت پا لیتی تھی۔ ان ایام میں نائیڈو مجھ سے کہتا رہتا تھا کہ مجھے مصرا جی (ڈی۔ پی مصرا) کے مکان میں رہنا ہوگا جہاں عیش و آرام سے زندگی کٹے گی۔ مصرا جی بڑے آدمی ہیں۔ دو ایک روز بعد مصرا جی میرے کمرہ میں آئے اور انہوں نے مجھ سے اپنے گھر چلنے کو کہا اور مجھ سے اس قسم کی باتیں کیں جو مجھے ناپسند تھیں۔ میں نے ان کے ساتھ جانے اور مجامعت کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن اسی رات انہوں نے مجھ سے بدفعلی کی۔ مصرا جی کے اس واقعہ کے بعد میں نے نائیڈو سے کہا کہ خواہ کچھ بھی ہو مصرا جی کے ساتھ گوپال باغ میں نہیں رہوں گی۔ میں دن بھر روتی رہی۔ میں گوپال باغ میں ایک ہفتہ کے قریب رہی۔ ان مکانات کی نشاندہی کر سکتی ہوں۔ اس کے بعد میں کیدار ناتھ کے مکان پر لے جائی گئی جہاں قریب پندرہ دن تک رہی۔ کیدار ناتھ ٹیچر ہیں۔ نانا وہاں روز آتا تھا وہاں سے ایک دن کے لئے مجھے سینیٹری انسپکٹر کے مکان پر لے گئے اور پھر گورکھ پور پرتاپ سنگھ کے یہاں لے گئے۔ میں پرتاپ سنگھ کے یہاں دس دن تک رہی اور پھر وہاں سے دلیپ سنگھ کے

مکان پر لائی گئی جہاں وہ دستیاب ہوئی ہے۔

خفیہ :۔ رپورٹ بہ سلسلہ تفتیش الزام ع ۳۱۳ دفعہ ۳۶۶ تعزیراتِ ہند

بنام نانا نائیڈو اور ڈی۔ پی مصرا ملزمان

تفتیش مقدمہ ہذا جاری رہی۔ لڑکی حسینہ نے مجسٹریٹ کے روبرو سی آر نائیڈو سینئر ڈی انسپکٹر کو شناخت کر کے بتایا کہ وہ جن لوگوں کے گھر رکھی گئی تھی ان میں سے یہ ایک ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ ڈاکٹر جارج ڈی سلوا نے اس کا معائنہ اسی سی آر نائیڈو سینئر ڈی انسپکٹر کے مکان پر کیا اور یہی اس کو لے کر لیڈی ڈاکٹر مس نیڈا ایچ قاضی کے مکان پر معائنہ کے لئے لے گیا تھا۔ لڑکی نے جب کہ وہ معائنہ کے لئے اسپتال بھیجی گئی۔ مس قاضی کو بھی پہچانا۔

سی آر نائیڈو نے تسلیم کیا کہ نانا نائیڈو اس لڑکی کو اس کے مکان پر لایا تھا۔ پہلی مرتبہ دیبی پرشاد مسری دستوا بیرسٹر نانا نائیڈو کے ہمراہ اس کے مکان پر آیا اور انہوں نے کہا تھا کہ لڑکی کا ڈاکٹری معائنہ لیڈی ڈاکٹر سے کرایا جائے۔ تب وہ اس لڑکی کو مس قاضی کے پاس لے گئے۔ انہوں نے لڑکی کا معائنہ کر کے اپنی رائے دی کہ وہ سولہ برس سے کم قریب چودہ برس کی ہے۔ لہٰذا انہوں نے کوئی سرٹیفکیٹ نہیں دیا۔ دوسرے دن لچھمن سنگھ چوہان ڈاکٹر جارج ڈی سلوا کو لے کر میرے مکان پر آئے اور لڑکی کا معائنہ کرایا گیا۔ ڈاکٹر جارج ڈی سلوا کی رائے میں بھی لڑکی نابالغ پائی گئی۔ اور اس کی عمر یقیناً سولہ سال سے کم تھی لہٰذا ان سے بھی سرٹیفکیٹ نہ حاصل کیا گیا۔

ڈاکٹر جارج ڈی سلوا سے بھی دریافت کیا گیا کچھ پس و پیش کے بعد انہوں نے کہا کہ گو وہ پولیس کو مدد دینے کے لئے قانوناً مجبور ہیں مگر ایسے معاملات میں انہیں بیان دیتے ہوئے شرم آتی ہے کیونکہ ایسے معاملہ میں بدنامی ہوتی ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ اصلی

کی نامزدگی کے دوسرے دن وہ لچھمن سنگھ چوہان کے یہاں کاغذات وغیرہ دینے گئے تھے۔ لچھمن سنگھ نے ان سے ایک لڑکی کی عمر کی تنقیح کرنے کے لئے اس کے ڈاکٹری معائنہ کے لئے کہا چنانچہ وہ لچھمن سنگھ چوہان کے ساتھ سی۔ آر نائیڈو انسپکٹر کے مکان پر گئے اور وہاں ایک مسلمان لڑکی کا معائنہ کیا جو نابالغ تھی کیونکہ اس کے بغل اور شرمگاہ پر بال نہ تھے اور دیگر علامات بھی ایسی تھیں جن سے وہ لڑکی قریب چودہ سال کی معلوم ہوتی تھی لہٰذا انہوں نے لڑکی کی بلوغت کا سرٹیفکیٹ دینے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے مزید بیان کیا کہ اگر عدالت ان کو طلب کرے گی تو وہ سچے معاملات کا اظہار کریں گے۔

مصرا سے بھی سوالات کرنے کی کوشش کی گئی۔ جب سب انسپکٹر ان کے پاس گیا تو انہوں نے کہلا دیا کہ وہ بہت بیمار ہیں اور چارپائی سے اٹھنے یا باہر نکلنے کے قابل نہیں ہیں۔ سب انسپکٹر کے سوالات سے بچنے کے لئے یہ بیماری بناوٹی معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ اس کے بعد تندرست حالت میں گھومتے پھرتے دیکھے گئے ہیں ان سے استفسار حال کیا جائے گا۔

(دستخط سٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس جبل پور) ۲۷/۶/۳۷

کانگرس اور مہاسبھا کا مقصد ایک ہے!

کانگرس اور مہاسبھا کے مقاصد میں کس درجہ یک رنگی اور اتحاد ہے؟ اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہوگا۔

نئے انتخاب کے بعد ہندو مہاسبھا بنگال میں کانگرس کی حریف بن کر نمودار ہوئی مسٹر سرت چندر بوس نے ۱۳ نومبر ۴۵ء کو مہاسبھا کے صدر ڈاکٹر شیام پرشاد مکرجی کے نام ایک نہایت "مخلصانہ" خط لکھا جسے امرت بازار پتریکا کلکتہ، ہندوستان ٹائمز

(دہلی)، اور بمبئی کرانیکل (بمبئی)، نے بڑی نمایاں سرخیوں سے بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا۔ ذیل میں خط کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے:۔

"میں پورے اصرار کے ساتھ آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ صرف کانگرس ہی ایک ایسا ادارہ ہے جو مسٹر جناح کو شکست فاش دے سکتا ہے اور ان کے دعوائے پاکستان اور تقسیم ہند کی دھجیاں اڑا سکتا ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے، کانگرس خود پوری قوت کے ساتھ تقسیم ہند اور پاکستان کی مخالف ہے مہاسبھا تقسیم ہند اور پاکستان کے خلاف حلق کی پوری قوت کے ساتھ چیخ سکتی ہے لیکن کامیاب نہیں ہو سکتی۔ میں آپ سے صرف ایک ہی سوال کرتا ہوں بتایئے مہاسبھا اور کانگرس میں سے کون اس وقت مسٹر جناح اور مسلم لیگ کے امیدواروں سے مقابلہ کر رہا ہے؟ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے صرف کانگرس ہی وہ ادارہ ہے جو مرکزی اسمبلی کی چھ کی چھ مسلم نشستوں کے لئے مسلم لیگی امیدواروں کا مقابلہ کر رہی ہے۔ چار نیشنلسٹ مسلمانوں یعنی خالص کانگرسی امیدواروں کے ذریعہ؟ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے یہ مقابلہ کانگرس ہی کر سکتی ہے مہاسبھا نہیں۔ اس وقت مہاسبھا اگر کوئی "خدمت" کر رہی ہے تو صرف یہ کہ ہندوؤں میں تفرقہ اندازی کر رہی ہے۔ اس میں مسٹر جناح کا مقابلہ کرنے کی طاقت ہی نہیں ہے اور یہ طاقت اسے کبھی نہیں حاصل ہو سکتی ——— مجھے افسوس ہے کہ آپ نے میری پیش کش کہ مرکزی اسمبلی کی دو ہندو نشستوں کے لئے کانگرس اپنے نمائندے نہ کھڑے کرے اور مہاسبھا کے یہ دو امیدوار بلا مقابلہ منتخب ہو جائیں۔ مسترد کر کے غلطی کی ہے۔ یہ بڑی فیاضانہ پیشکش تھی۔ میں آپ کے اس مطالبہ سے اتفاق نہیں کر سکتا

کہ مہاسبھا کو ۵۰ فیصد ہندو نشستیں کانگرس دے دے۔"

(بمبئی کرانیکل ۱۲ نومبر ۱۹۴۵ء)

کانگرس کے اوچھے ہتھیار

۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو بمبئی میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر سرت چندر بوس نے فرمایا ہے:۔

"بنگال میں مرکزی اسمبلی کی مسلم نشستوں میں سے ہمیں پچاس فی صد مسلم نشستیں جیت لینے کی پوری امید ہے۔"

مسٹر بوس کی یہ امید پوری نہیں ہوئی، ایک نشست بھی مسلم لیگ سے نہ کانگرس چھین سکی نہ نیشنلسٹ مسلمان۔ لیکن مسٹر بوس نے مسلم لیگ کو زک دینے اور کانگرس کو کامیاب بنانے کے لئے جتن کئے۔ یہ ایک بڑی دلچسپ اور یادگار کہانی ہے مسٹر تمیز الدین (مسلم لیگ) اور سر عبد الحلیم غزنوی (نام نہاد نیشنلسٹ) کے درمیان مقابلہ تھا۔ بنگال میں کاشتکار اور کسان زیادہ تر مسلمان ہیں۔ زمیندار اور تعلقہ دار ہندو ہیں مسٹر بوس نے تمام ہندو زمینداروں کے نام ایک گشتی خط لکھا:۔

"میرے دوست سر عبد الحلیم غزنوی مرکزی اسمبلی کے لئے امیدوار ہیں۔ انہوں نے ملک کی بیش بہا خدمتیں انجام دی ہیں۔ مناسب ہے کہ اس مشکل وقت میں ان کے بہترین تجربات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے اس لئے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ مہربانی فرما کر ان کی حمایت کریں اور اپنے مسلمان ملازمین اور کاشتکاروں کو ہدایت کریں کہ وہ سر غزنوی کو ووٹ دیں ان کی کامیابی کے لئے آپ دوسری تدابیر بھی اختیار کریں۔"

سنا ہے کانگرس شریفانہ الیکشن کی قائل ہے۔ کوئی شبہ نہیں کانگرس نے شرافت کی حد کر دی بقولِ ریاض ؎

جتنے ہو نیک اتنے ہی بد ذات بھی تو ہو!

سر عبد الحلیم اور مسٹر تمیز الدین کا موازنہ سجاد ظہیر کی زیر ادارت نکلنے والے مشہور کمیونسٹ اخبار "نیا زمانہ" نے خوب کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:-

"۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۰ء تک سر عبد الحلیم ہر ملکی مسئلہ کے متعلق کانگرس اور دیش بندھو (سی آر داس) کے مقابلہ میں حکومت کی حمایت کرتے رہے۔ مرکزی اسمبلی میں انہوں نے نمک پر ٹیکس بڑھانے میں سرکار کا ساتھ دیا ۳۲ء میں جب حکومت نے بنگال کے انقلابیوں کو کچلنے کے لئے قانون فوجداری میں ترمیم کرنا چاہی تو اعتدال پسند رہنما بھی اس کی تائید کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے لیکن غزنوی کا نام ان رسوائے زمانہ کے لوگوں کی فہرست میں شامل ہے جنہوں نے اس موقع پر بھی حکومت کی تائید کی تھی ——— سرت چندر کو دیکھنا چاہیئے۔ کہ وہ کس کے مقابلہ میں سر عبد الحلیم غزنوی کی پیٹھ ٹھونک رہے ہیں؟ لیگی امیدوار مولوی تمیز الدین نے عدم تعاون کی تحریک میں وکالت چھوڑ دی اور تحریک خلافت کے سلسلہ میں دو سال کی قید کاٹی۔ جیل میں انہیں کوڑے لگائے گئے اور ان کا بازو ٹوٹ گیا۔ رہا ہونے کے بعد وہ دانہ دانہ کو محتاج ہو گئے اور کئی دن تک کپڑا بیچ کر پیٹ پالا۔ کانگرس سے وہ اس وقت علیحدہ ہوئے جب بنگال کے کانگرسی رہنماؤں نے دیش بندھو کی مسلم دوست پالیسی چھوڑ دی۔ اس کے بعد انہوں نے مسلم لیگ میں شرکت کی۔

بڑے بڑے زمیندار اور کانگرس

مسٹر سرت چندر بوس کے طرزِ عمل پر نکتہ چینی کرتا ہوا "نیا زمانہ" لکھتا ہے:-

"ہندوستان چھوڑ دو" کے بجائے ایشیا خالی کر دو کا نعرہ لگانے والے سرت چندر بوس نے رجعت پسند تاجروں اور زمینداروں سے بھی ربط ضبط پیدا کرنا شروع کر دیا ہے۔ بنگال کے زمیندار ہمیشہ سے کسانوں کو لوٹتے رہے ہیں۔ خاص کر قحط کے زمانہ میں ان کے کرتوت دیکھ کر انسانیت کانپ اٹھی۔ لیکن سرت چندر بوس پچیس لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی والے زمیندار مہاراجہ قاسم بازار اور مہاراجہ بیمن سنگھ سے درخواست کر رہے ہیں کہ وہ مہاسبھا چھوڑ کر کانگرس میں شامل ہو جائیں!"

ایک اور نمونہ

صرف مسٹر چندر بوس ہی سرمایہ داروں کے دوست نہیں ہیں۔ کانگرس ہائی کمان میں سب کا یہی حال ہے۔

کانگرس دورِ حکومت میں مسٹر پٹیل نے ڈاکٹر کھرے کانگرسی وزیر اعظم سی پی کو ایک چٹھی لکھی تھی جو اخبارات میں شائع ہو چکی ہے اور ۱۳ دسمبر ۱۹۴۵ء کے مرہٹی اور انگریزی اخبارات (مثلاً ٹائمز آف انڈیا) میں اس کا بلاک بھی چھپ چکا ہے چٹھی یہ تھی:-

"مائی ڈیر کھرے! میں انڈین ہوم پائپ کمپنی کے رتن چند۔ ہیرا چند کا آپ سے تعارف کر رہا ہوں۔ یہ خود کٹر قوم پرست ہیں۔ ان کے ایک بھائی بمبئی اسمبلی کی کانگرس پارٹی کے ممبر ہیں۔ ان کے بڑے بھائی نے اکثر موقعوں پہ کانگرس کی زبردست حمایت کی ہے۔ میں آپ کا احسان مانوں گا اگر آپ اس کا خیال رکھیں گے کہ ان کے ساتھ "انصاف" ہو رہا ہے۔ ان کا حریف ایک یورپین ٹھیکہ دار ہے!"

اصل حقیقت کیا ہے ؟ بیرزشن چند جنہیں پٹیل صاحب کٹر قوم پرست کہہ رہے ہیں کانگریس کے برسرِ حکومت ہونے سے پہلے تک کانگریس کے "کٹر" مخالف تھے ۱۹۴۶ء میں مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں انہوں نے علانیہ کانگریس کی مخالفت کی تھی اور ان کے بڑے بھائی جن کا نام لیتے ہوئے پٹیل صاحب شرما رہے ہیں مشہور کروڑپتی سیٹھ دالچند ہیراچند (سندھیا اسٹیم نیوی گیشن کمپنی) ہیں۔

قوم پرست مسلمان اور کانگریس

دوسرے صوبوں کی طرح بہار میں بھی کانگریس نے کھلم کھلا میدان میں آنے کے بجائے پس پردہ رہ کر "قوم پرست" اور جمعیتہ علماء دہلی کے چند کارکنوں کو آگے بڑھا کر ایک مسلم انتخابی بورڈ قائم کیا۔ اس میں سابق وزیراعظم بہار مسٹر محمد یونس بھی شریک تھے لیکن ۹ جنوری ۱۹۴۶ء کو وہ اس بورڈ سے مستعفی ہو گئے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں ایک بیان بھی شائع کرایا:۔

اس بیان کا ایک خاص جزو یہ ہے:۔

"میں نے قوم پرست مسلم انتخابی بورڈ سے استعفےٰ دے دیا ہے کیونکہ وہ کانگریس کے غلاموں پر مشتمل ہے۔ کانگریس نے مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے جو ڈھونگ رچایا ہے اس سے مسلمان ہرگز دھوکے میں نہیں آئیں گے۔"

جنگِ فرنگ

حکومت، کانگریس اور مسلم لیگ میں کشمکش

جرمنی کے خلاف اتحادیوں نے یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو اعلانِ جنگ کیا۔ کانگریس محوریوں کے مخالف تھی اور اتحادیوں کے مقاصد سے ہمدردی رکھتی تھی۔ پھر بھی وہ جنگ میں تعاون کرنے سے ہچکچا رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی حکومت اس کے سامنے ہتھیار ڈال دے ہندوستان کی حکومت اس کے حوالہ کر دے اور مسلمانوں کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دے

جب کانگریس نے یہ دیکھا کہ حکومت ہند کانگریس کے ہاتھ میں ہندوستان کی حکومت دینے کو تیار نہیں ہے تو اس نے ۲۲ مارچ ۱۹۳۹ء کو کانگریسی وزارتوں کو حکم دیا کہ وہ مستعفی ہو جائیں۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی اور کانگریسی صوبوں میں انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی دفعہ ۹۳ کے مطابق گورنر راج قائم ہو گیا۔

کانگریس نے اپنے دورِ حکومت میں مسلمانوں پر جو مظالم توڑے تھے وہ مسلمانوں کے دلوں میں تازہ تھے۔ جب کانگریسی وزارتیں مستعفی ہوئیں تو مسلمانوں نے بڑے جوش و خروش سے "یوم نجات" منایا۔ اس تقریب میں اچھوتوں اور دوسری اقلیتوں نے نمایاں حصہ لیا۔

یہ جنگ ایسے نازک وقت میں دفعتہً اور اچانک شروع ہوئی تھی کہ حکومت

ہندوؤں اور مسلمانوں کا تعاون حاصل کرنے پر مجبور تھی۔ لہٰذا قصرِ وائسرائے میں مسٹر جناح اور گاندھی جی مدعو کئے گئے۔ متحدہ مطالبہ کی صورت میں حکومت بعد از جنگِ آزادی اور دورانِ جنگ میں آزادی کا مغز دینے کو تیار تھی لیکن گاندھی جی مصر تھے کہ جنگ کا بار کانگرس کے کندھے پر ڈال دیا جائے اسے ہندوستان کی واحد سیاسی نمائندہ جماعت تسلیم کر لیا جائے اور مسلم لیگ کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے۔

کانگرس نے یہ دیکھ کر کہ حکومت اس کی بات نہیں مانتی سول نافرمانی کی دھمکی دینی شروع کر دی تھی اور گاندھی جی کو اختیار دے دیا کہ وہ جب اور جس طرح چاہیں سول نافرمانی شروع کر دیں۔

مسلم لیگ کی روش

اس جنگ میں تقریباً سارا عالمِ اسلام بالواسطہ یا بلاواسطہ شریک تھا۔ لہٰذا مسلم لیگ کوئی جارحانہ فیصلہ نہیں کر سکتی تھی لیکن وہ غیر مشروط طور پر حکومت کا ساتھ دینے کو بھی تیار نہیں تھی، مسلم لیگ کو عالمِ اسلام کا مستقبل پیش نظر رکھنا تھا، ہندوستان کا مستقبل پیش نظر رکھنا تھا وہ کوئی ایسی روش نہیں اختیار کر سکتی تھی جو ان تینوں میں سے کسی ایک کے لئے بھی مضر اور نقصان دہ ہو۔

مسلم لیگ اب ٹوڈیوں اور سرکار پرستوں کی جماعت نہیں تھی وہ اب ایک عوامی جماعت تھی، وہ حکومت کی آلۂ کار نہیں بن سکتی تھی۔ حکومت سے الجھ سکتی تھی وہ حکومت کا ساتھ دینے کو تیار تھی لیکن ایک ملازم، ایک خادم، ایک غلام کی حیثیت سے نہیں۔ ایک دوست ایک رفیق اور ایک فریق کی حیثیت سے!

اس سلسلہ میں وائسرائے اور مسٹر جناح کی حسب ذیل خط و کتابت خاص طور پر قابلِ ذکر ہے:۔

نیو دہلی ۵ر نومبر ۱۹۳۹ء

ڈیئر لارڈ لنلتھگو

۲ر نومبر کو میرے اور آپ کے درمیان جو ملاقات ہوئی تھی اس میں اس مسئلہ پر اچھی طرح بحث ہو گئی تھی اور اب میں یوَر ایکسیلینسی کی خواہش کے مطابق ذیل کے معاملات آپ کے غور اور جلد سے جلد جواب کے لئے پیش کر رہا ہوں۔

(۱) یہ کہ جیسے ہی حالات اجازت دیں یا جنگ کے فوراً بعد گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء سے قطع نظر ہندوستان کے آئندہ دستور کے پورے مسئلہ کی از سر نو جانچ کی جائے گی اور اس پر غور کیا جائے گا۔

(۲) یہ کہ ملک معظم کی گورنمنٹ یا پارلیمنٹ ہندوستان کی دو بڑی قوموں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کی رضامندی اور منظوری کے بغیر اصولاً یا کسی اور طرح نہ کوئی اعلان کیا جائے گا۔ اور نہ کوئی دستور بصورت قانون منظور کیا جائے گا۔

(۳) یہ کہ ملک معظم کی گورنمنٹ کو چاہیئے کہ فلسطین کے عربوں کے تمام معقول قومی مطالبات پورے کرے۔

(۴) یہ کہ ہندوستانی فوجوں سے ہندوستان کے باہر کسی اسلامی ملک یا سلطنت کے خلاف کام نہیں لیا جائے گا۔

۱۸ر ستمبر کے اجلاس ورکنگ کمیٹی کے بیان میں ایک معاملہ کا اور ذکر تھا اور وہ یہ کہ ان صوبوں میں جہاں کانگرس کی حکومت تھی اور جہاں مسلمانوں کے ابتدائی حقوق تک بھی بے دردی کے ساتھ پامال کئے گئے وہاں ان کے حق میں انصاف کرایا جائے لیکن چونکہ کانگرسی حکومتیں مستعفی ہو چکی ہیں اب میں اس معاملہ کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہتا۔

آپ کا مخلص

ایم۔ اے جناح

کیمپ وائسرائے ہندوستان
کلکتہ۔ مورخہ ۱۳ دسمبر ۱۹۳۹ء

اب میں اس قابل ہو گیا ہوں کہ آپ کے خط مورخہ ۵ نومبر کا جس میں آپ نے بعض معاملات میرے غور کے لئے پیش کئے ہیں جواب دے دوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ یہ مانیں گے کہ آپ کے خط میں ایک سے زیادہ ایسے مسائل ہیں کہ اگر ان پر تمام باتوں کی روشنی میں غور کیا جائے جو ان میں مضمر ہیں تو اس کا اثر ہندوستان کے دوسرے فرقوں پر پڑے گا اور نیز آپ یہ بھی مانیں گے کہ میری اور آپ کی باہمی خط و کتابت سے ان مسائل پر اعلان مناسب نہیں ہے لیکن مجھے یہ امید ہے کہ میرے جوابات اگرچہ وہ معناً محدود ہیں آپ کی دشواریاں رفع ہو جائیں گی۔ آپ کے پہلے سوال کا میری طرف سے یہ جواب ہے کہ میں نے ملکِ معظم کی منظوری سے ۱۸ اکتوبر کو جو اعلان کیا تھا اس سے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے کسی جزو کی یا اس کی پالیسی کی جس پر وہ مبنی ہے جانچ خارج نہیں ہے۔

آپ کی دوسری بات کے متعلق میں یہ یقین دلا سکتا ہوں کہ ملکِ معظم کی گورنمنٹ کو اس معاملہ میں کوئی غلط فہمی نہیں ہے کہ ہندوستان کے آئینی استحکام اور ترقی کے لئے آپ کی قوم کا مطمئن ہونا کس قدر اہم ہے۔ لہٰذا آپ کو اس بات سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ہندوستان میں اپنی حیثیت کی وجہ سے آپ کو قوم کی رائے کا جو وزن ہے اس کو گھٹایا جائے گا۔

فلسطین کے متعلق اپنی پالیسی قائم کرنے میں ملکِ معظم کی گورنمنٹ نے عربوں کے تمام معقول مطالبات پورے کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کو اس مسئلہ کی اہمیت کا احساس ہے آخر میں آپ نے یہ ضمانت چاہی ہے کہ ہندوستانی فوجیں کسی مسلم حکومت یا کسی ملک کے خلاف ہندوستان سے باہر استعمال نہیں کی جائیں گی۔

خوش نصیبی سے چونکہ ملکِ معظم کی گورنمنٹ کسی مسلم حکومت سے برسرِ پیکار نہیں ہے لہٰذا یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ بہر کیف یہ آپ مانیں گے۔ ایسی وسیع شرائط میں اس کی ضمانت جو آپ کے خط میں درج ہیں۔ ممکن نہیں جس کا اثر یہ ہوگا کہ ہندوستان کو اپنے تحفظ میں اور ایسے حالات میں جنہیں کوئی پہلے سے نہیں جان سکتا اپنی فوجیں استعمال کرنے کا کوئی حق نہ رہے گا لیکن موجودہ حالات میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے گورنمنٹ آف انڈیا کی خواہش پر ملکِ معظم کی گورنمنٹ اس کی پوری طرح احتیاط کر رہی ہے کہ مسلمانانِ ہند کے جذبات کا پورے طور پر احترام کیا جائے گا۔"

اسمبلی میں مسٹر جناح کی تقریر

کانگرس کے میدان سے ہٹ جانے کے بعد مسٹر جناح مسلم لیگ کی طرف سے مکمل تعاون کی امید حکومت کو دلا رہے تھے لیکن ان کی صاف اور واضح شرط یہ تھی کہ "ہم اپنی جیب کی آخری پائی اور اپنے خون کا آخری قطرہ اس جنگ میں صرف کرنے کو تیار ہیں لیکن شریکِ اختیار بن کر۔ تابع اقتدار بن کر نہیں" مسٹر جناح کا فرمانا یہ تھا کہ کانگرس جب آمادہ تعاون ہو تو مسلم لیگ ایک "قوم" کے نمائندہ کی حیثیت سے مساوی بنیادوں پر نہ کہ اقلیت کی حیثیت سے شریک کار ہو گی لیکن جب تک کانگرس آمادہ تعاون نہیں ہوتی مسلم لیگ کو اگر کونسل میں اکثریت ملے گی تو وہ حکومت ہاتھ میں لے گی ورنہ نہیں۔ حکومت نے جس طرح کانگرس کا مطالبہ نہیں مانا مسلم لیگ کا بھی نہیں مانا اور وہ ملک کی کسی اہم جماعت کا تعاون نہ حاصل کر سکی۔

مرکزی اسمبلی میں حکومت کے نمائندے جو تقریریں کرتے تھے ان میں نازی زندگی اور بربریت کے لرزہ خیز واقعات بتا کر ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کو مرعوب کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ کہتے تھے اگر جرمنی غالب آ گیا تو ہندوستان کی حاصل کردہ سیاسی

ترقیاں ختم ہوجائیں گی۔ یورپین نمائندہ مسٹر پی۔ جے گرفتھس نے ایک ایسی وحشت انگیز تقریر کی جس کا منہ توڑ جواب ۹ نومبر ۱۹۴۰ء کو ایک تقریر میں مسٹر جناح نے یہ دیا:۔

"اگر حکومت مجھے اس دلیل سے خوفزدہ کرنے کی کوشش کرے گی کہ اگر انگلستان ہار گیا تو ہندوستان کا کیا حال ہوگا تو میں یہ جواب دوں گا کہ میں ہرگز انگلستان کی شکست نہیں چاہتا میں نے ایسا کبھی نہیں کہا ہے لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ اگر انگلستان کو شکست ہوگئی تو زیادہ نقصان میں کون رہے گا میں یا تم؟ اگر انگلستان کو شکست ہوگئی تو انگلستان نہ صرف اپنی آزادی اور خودمختاری سے محروم ہوجائے گا نہ صرف وہ نازیوں کی ٹھوکر تلے آجائے گا بلکہ اس کے پاس کچھ بھی باقی نہ رہ جائے گا۔ کیا میں حکومت سے یہ نہ کہہ دوں گا کہ مجھ سے کہیں زیادہ خطرہ میں تم کھڑے ہوئے ہو؟"

کمانڈرانچیف کی دعوت مسترد

لارڈ ویول مصر کے محاذ سے ہندوستان کے کمانڈرانچیف بنا کر یہاں بھیجے گئے انہوں نے مساعیٔ جنگ کے سلسلہ میں ایک مشاورتی اجتماع کیا جس میں مسٹر جناح کو شرکت کی دعوت دی لیکن مسٹر جناح نے اس اجتماع میں شرکت سے صاف انکار کر دیا انہوں نے جواب دیا "میں اس وقت تک حکومت کی کسی سرگرمی میں تعاون نہیں کر سکتا جب تک مسلم لیگ کے مطالبات منظور نہ کر لئے جائیں۔ میں با اختیار شریک کار کی حیثیت سے شریک ہو سکتا ہوں۔ لیکن مشیر اور ملازم کی حیثیت سے نہیں۔"

○

پاکستان کی طرف

○

"مجھے یہ دیکھ کر بڑا صدمہ ہوا کہ بڑے بڑے کانگریسی بھی کس طرح سے سازشیں کر سکتے ہیں" (میری کہانی حصہ اوّل صفحہ ۱۸۴)

مسلمان ایک اقلیت کی زندگی بسر کرنے پہ قناعت کرتے کرتے اپنی جداگانہ قومیت اور اپنے جداگانہ ملّی وجود کے تشخیص پر کیوں اصرار کرنے لگے؟ تحفظات۔ مراعات اور تیقنات طلب کرتے کرتے وہ پاکستان کے داعی اور معمار کس طرح بن گئے؟ اس کی اصل علت جواہر لال کے وہی الفاظ ہیں جو اس باب کا طرازِ عنوان ہیں! "بڑے بڑے" کانگریسیوں کی سازشوں، فریب کاریوں اور خود غرضیوں ہی کے باعث!

فراستِ مومن

ہندو کانگرس کی ذہنیت اور جبلت دیکھ کر علامہ اقبال مغفور کی فراستِ ایمانی نے بھانپ لیا تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا کفر اور اسلام کا حق و باطل کا، مکر و صداقت کا

گزرا ایک ساتھ نہیں ہو سکتا، دسمبر ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس (الہ آباد) کی صدارت کرتے ہوئے انہوں نے یہی خواب دیکھا تھا اور بے جھجک اور بر ملا اسے بیان بھی کر دیا تھا۔ اگرچہ اس وقت اُن کی بات نہیں سنی گئی لیکن یہ محض تصورات نہیں تھے برافگندہ نقاب واقعات تھے۔ ٹھوس سچائیاں تھیں۔ انہیں کب تک نظر انداز کیا جاتا! انہیں کب تک دیوانوں کی پکار اور نادانوں کی ہنگامہ آفرینی سے تعبیر کیا جاتا؟

اپنے معرکۃ الآرا خطبۂ صدارت میں علامہ اقبال نے ہندوؤں کی ذہنیت، مسلمانوں کی نفسیات، گزشتہ اور موجودہ حالات و کیفیات، فرقہ دارانہ فسادات اور ہندو کانگرس کی متعصبانہ اور خالص ہندوانہ روش اور رویہ پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد مسلم لیگ کے اسٹیج پر پہلی بار فرمایا تھا:۔

"جہاں تک میں نے مسلم افکار کا مطالعہ کیا ہے میں اس بنا پر بلا تامل اعلان کرتا ہوں کہ اگر یہ اصول فرقہ داری کے مستقل فیصلہ کی اساس قرار دیا جائے کہ ہندی مسلمانوں کو پورا پورا حق ہے کہ وہ اپنے علاقوں میں اپنی ثقافت و روایات کو برقرار رکھتے ہوئے پورے طور پر آزادانہ ترقی کا مستحق ہے تو مسلمان ہندوستان کی آزادی کی خاطر اپنی عزیز ترین متاع بھی قربان کرنے کے لئے بے قرار ہے۔ یہ اصول فرقہ داری پر مبنی نہیں ہے۔ فرقہ داریاں بھی کئی قسم کی ہیں وہ قوم جو دوسری قوموں پر نگاہ بد رکھے اور بدنیتی جس کے خمیر میں ہو تو وہ قوم ذلیل اور کمینہ ہے۔ میں دوسری قوموں کے رواج، قانون اور مذہبی معاشرتی مجالس کو نہایت احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ نہیں بلکہ قرآن مجید کی تعلیمات کی رو سے میرا فرض عین ہے کہ بوقت ضرورت میں دیگر اقوام کے معابد کی حفاظت کروں لیکن اس پر بھی مجھے اپنی قوم سے عشق ہے جو کہ میری حیات اور مسلک کا منبع ہے جس نے

کہ مجھے اپنا مذہب، اپنا ادب، اپنا فکر، اپنا تمدن دے کر میرے وجود کی تشکیل میں حصہ لیا ہے اور اس طرح اپنے تمام ماضی کا احیاء کر کے زندہ اور مؤثر عوامل سے مجھے میرا موجودہ تصور بخشا ہے۔ نہرو رپورٹ کے مصنفین نے بھی فرقہ داری کے اس اعلیٰ پہلو کے فوائد کو تسلیم کیا ہے۔ سندھ کی علیحدگی پر بحث کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ وسیع قومی نقطۂ نگاہ سے یہ کہنا کہ فرقہ وارانہ صوبے نہیں بنانے چاہیئں۔ ایک لحاظ سے یہ کہنے کے مترادف ہے کہ وسیع بین الاقوامی نقطۂ نگاہ سے الگ الگ قومیں بھی نہیں ہونی چاہیئں۔ ان دونوں بیانات میں کچھ صداقت تو ہے لیکن بین الاقوامیت کے بڑے سے بڑے داعی کو بھی اس امر کا اعتراف ہے کہ کامل قومی خود اختیاری کے بغیر ایک بین الاقوامی ریاست کی تشکیل امر محال ہے۔ اسی طرح کامل ثقافتی خود اختیاری اور اعلیٰ قسم کی فرقہ داری کے بغیر ایک متحدہ قومیت کی تعمیر مشکل ہو گی۔ جب کہ ہندوستان کے ہندوؤں میں بھی پورے طور پر یک رنگی نہیں پائی جاتی تو فرقہ وارانہ طبقات کو تسلیم کئے بغیر ہندوستان میں فرنگی جمہوریت کا نفاذ درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مسلمانوں کا اسلامی ہند کی تشکیل کا مطالبہ کاملاً صحیح ہے۔ میری تمنا ہے کہ پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک سلطنت کے قیام کی کوشش کرنی چاہیئے۔ حکومت خود اختیاری خواہ وہ سلطنت برطانیہ کے اندر رہ کر لے یا اس سے باہر ہندی مسلمانوں کے لئے مذکورہ بالا متحدہ سلطنت کی تعمیر مسلمانوں کا مقصد اعلیٰ ہونا چاہیئے۔ ہندوستان دنیا میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے اس تقسیم سے مسلمانوں کا احساس ذمہ داری و حبِ وطن مزید ترقی کرے گا اور شمال مغربی ہند کے مسلمان ہندوستان کو بیرونی حملوں سے بچانے

ان کے لئے بہترین مدافعی ثابت ہوں گے خواہ یہ حملے خیالات کے ہوں یا سنگینوں کے۔ اگر آزاد نیپال کے ١٩ ہزار گورکھے جو فوج میں بھرتی کئے جاتے ہیں منہا کر دئے جائیں تو ہندوستانی فوج میں ٦٢ فیصد پنجابی ہیں۔ اس میں سرحدی اور بلوچی سپاہی شامل ہیں جن کی تعداد تقریباً چھ ہزار ہے۔ اس سے آپ شمال مغربی ہند کے مسلمانوں کی مدافعانہ قوت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اس بارے میں آنریبل مسٹر شاستری نے اپنے شبہات کا اظہار کیا ہے۔ میں انہیں واضح طور پر بتا دینا چاہتا ہوں کہ مسلمان صرف آزادانہ ترقی کرنا چاہتے ہیں جو کہ وحدانی طرزِ حکومت کے ماتحت تقریباً ناممکن ہے اور قوم پرست ہندو سیاستدان اسی طرزِ حکومت کے شیدا ہیں تاکہ سارے ہندوستان پر ان کا مستقل غلبہ قائم رہے۔"

جناح اقبال خط و کتابت

کانگرسی دورِ حکومت کے تلخ تجارب کے بعد مسٹر جناح کی آنکھیں کھل گئی تھیں اور وہ سوچنے لگے تھے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا سیاسی مستقبل کیا ہوگا؟ وفاق یا پاکستان؟

اس زمانہ میں علامہ اقبال مرحوم نے اس موضوع پر متعدد اہم اور قابلِ غور خطوط مسٹر جناح کو لکھے۔ چند کا ضروری اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ مرحوم مسٹر جناح کو لکھتے ہیں:

"سوال صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کی غربت کے مسئلہ کا حل کیسے ممکن ہے؟ لیگ کے مستقبل کا دارومدار ان مساعی پر ہے جو اس مسئلہ کو حل کرنے میں وہ اختیار کرے گی۔ اگر لیگ اس قسم کی کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتی تو مسلم عوام پہلے کی طرح اس سے بے تعلق رہیں گے خوش قسمتی سے اسلامی قانون کے نفاذ اور جدید تصورات کی روشنی میں اس مسئلہ کا حل نکل آتا ہے

اسلامی قانون کے طویل اور گہرے مطالعہ کے بعد میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اگر اس نظامِ قانون کو اچھی طرح سے عملی جامہ پہنایا جائے تو کم از کم ہر فرد کے معاشی حقوق کا تحفظ ہو سکتا ہے لیکن اس ملک میں شریعت اسلامی کا نفاذ، ایک آزاد مسلم مملکت یا چند مملکتوں کے بغیر ناممکن ہے۔ کیا آپ نہیں سمجھتے کہ اس قسم کے مطالبہ کا وقت آگیا ہے؟"

(مکتوب مورخہ ٢٨ مئی ١٩٣٧ء)

مسٹر جناح اب تک پاکستان کی راہ اختیار کرنے میں تامل کر رہے تھے کہ جواہر لال نہرو صدر کانگرس نے کلکتہ میں ایک تقریر کرتے ہوئے کہا ملک میں دو ہی جماعتیں ہیں حکومت اور کانگرس۔ مسٹر جناح نے جواب دیتے ہوئے کہا تھا ایک تیسری جماعت بھی ہے اور وہ ہیں مسلمان۔

جواہر لال کے اس بیان کے بعد علامہ اقبال نے مسٹر جناح کو ایک مکتوب لکھا:-

"صدر کانگرس نے مسلمانوں کے سیاسی وجود سے صریحاً انکار کر دیا ہے۔ ان حالات کے تحت ہندوستان میں قیامِ امن کی واحد راہ یہی ہے کہ نسلی، مذہبی اور لسانی مماثلت کے لحاظ سے ہندوستان کی دوبارہ تقسیم عمل میں آئے۔ مجھے یاد ہے کہ انگلستان سے مراجعت سے قبل لارڈ لوتھین نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہاری اسکیم (یعنی اسکیم پاکستان ـــــ مؤلف) ہی ہندوستان کے درد کا واحد درماں ہے!"

(مکتوب مورخہ ٢١ جون ١٩٣٧ء)

آگے چل کر وفاق کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے علامہ اقبال مسٹر جناح کو لکھتے ہیں:-

"میرے خیال میں واحد وفاقی ہندوستان کا تصور جو دستورِ جدید میں پیش کیا

گیا ہے بالکل مایوس کُن ہے۔ مسلم صوبوں کا جداگانہ وفاق ہی وہ واحد صورت ہے جس کے ذریعہ ہم پُرامن ہندوستان حاصل کر سکتے ہیں اور غیر مسلموں کے تسلّط سے مسلمانوں کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔"

مسلمانوں کا نقطۂ نظر

مسلم لیگ جیسے جیسے ترقی کر رہی تھی، کانگرسی لیڈر ویسے ویسے جھنجھلا جھنجھلا کر، خفا ہو کر اس سے صلح کی گفت و شنید کر رہے تھے۔ جواہر لال نے جناح صاحب سے طویل خط و کتابت کی مگر آخر تک۔ سب کچھ جاننے اور سمجھنے کے باوجود یہی پوچھتے رہے آخر آپ کو کانگرس سے شکایت کیا ہے؟

مسلمانوں کا سیاسی نقطۂ نظر پیش کرتے ہوئے ایک صاحب نے "معین الملک"[1] کے نام سے اسٹیٹسمین (دہلی) مورخہ ۱۲ فروری ۱۹۳۸ء میں ایک مقالہ شائع کرایا تھا جس کا ایک حصّہ یہ ہے:-

"ہری پورہ اجلاس میں شرکت کرنے والے مندوبین کو بمقام لکھنؤ مخاطب کرتے ہوئے پنڈت جی نے بمبئی کے بیان کا حوالہ دیا اور پوری شدّت کے ساتھ بیان کیا کہ کسی حال بھی کانگرس "اپنے اصول کو ترک نہیں کر سکتی"۔ یہ بیان امید افزا نہیں ہے کیونکہ کسی قابلِ قبول تجویز یا معاہدہ میں جو کانگرس اور لیگ کے قائدین مرتب کریں بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جداگانہ انتخاب (کم از کم ایک خاص مدّت کے لئے) مخلوط وزارتوں ہندوستانی مسلمانوں کی واحد با اقتدار اور نمائندہ تنظیم کی حیثیت سے لیگ کو تسلیم کرنے

---

[1] مسٹر الطاف حسین جو اب "ڈان" کے ایڈیٹر ہیں اس زمانہ میں متحدہ بنگال کے پبلسٹی ڈائرکٹر تھے۔ چونکہ سرکاری ملازم تھے اس لئے سیاسی مضامین اپنے نام سے نہیں لکھ سکتے تھے لہٰذا معین الملک نام اختیار کیا۔

ہندی زبان اور اس کے رسم الخط کی نسبت کانگرس کے طرزِ عمل میں تبدیلی بندے ماترم کو بالکلیہ ختم کر دینے اور ممکن ہے کہ از سرِ نو سہ رنگی جھنڈے کی ساخت یا کم سے کم لیگی پرچم کو مساوی اہمیت دینے کی نسبت کانگرس کو رضامندی کا اظہار کرنا پڑے۔ فریقین کی جانب سے تھوڑے سے تدبّر کے ساتھ اپنے اصول کی خلاف ورزی کے بغیر ان تمام امور پر مصالحت ممکن ہے مگر اطمینان بخش حل کے حصول میں پھر بھی ایک بڑی رکاوٹ مہا سبھائی فرقہ پسند اور غیر قانع بنگالیوں کی صورت میں باقی رہ جاتی ہے۔"

لیکن پنڈت جی اب بھی کچھ نہیں سمجھے اور اس پر مصر رہے کہ مسلمانوں کے مطالبات کیا ہیں وہ یہ بتائیں۔

مسلمانوں کی شکایات و مطالبات

جواہر لال کے اس "تجاہلِ عارفانہ" کا جواب دیتے ہوئے نیو ٹائمز (NEW TIMES) لاہور نے یکم مارچ ۱۹۳۸ء کو ایک طویل مقالہ لکھا۔ اس مقالہ میں مسلمانوں کے شکایات و مطالبات ہندو کانگرسی لیڈروں کے تجاہلِ عارفانہ، جواہر لال اور دوسرے سربرآوردہ ہندو رہنماؤں کے توہمات و تخیّلات پر بڑی خوبی اور صفائی سے روشنی ڈالی تھی۔

اب تک مسلمانوں کے سامنے، مسلم لیگ کے سامنے، مسٹر جناح کے سامنے پاکستان کی منزل مقصود نہیں تھی۔ وہ صرف چند معمولی مطالبات کانگرس سے منظور کرا کے ایک اقلیت کی طرح اس دیس میں رہنا چاہتے تھے۔ اس مقالہ کے مندرجات سے مسٹر جناح کو بھی کامل اتفاق تھا چنانچہ جواہر لال نہرو کے استفسار و شکایات کے جواب میں قائدِ اعظم نے خود کچھ لکھنے کے بجائے اس مقالہ کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔

ذیل میں مقالہ مذکورہ کا اقتباس درج کیا جاتا ہے:-

"کل ہند کانگرس نے اپنے گزشتہ اجلاس ہری پورہ میں ایک قرارداد منظور کی ہے جن میں اقلیتوں کو ان کے مذہبی اور ثقافتی حقوق کے تحفظ کا یقین دلایا گیا ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے یہ قرارداد پیش کی تھی جسے منظور کر لیا گیا۔ اس موقع پر پنڈت جی نے جو تقریر کی وہ نہایت ہی بُری تھی۔ اگر اس قرارداد پر اس تقریر کی روشنی میں تبصرہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ منظور کرنے میں متانت، سنجیدگی کی روح کارفرما نہ تھی۔ نادان اقلیتوں کو ان کی تشفی کے لئے جو فرقہ وارانہ مسئلہ کی بابت حصولِ اطمینان کے لئے مضطرب ہیں" محض ایک بے معنی سا یقین دلایا گیا ہے۔ مسٹر جواہر لال کی تقریر کی بنیاد یہ تھی کہ فی الحقیقت فرقہ وارانہ مسئلہ کا وجود ہی نہیں ہے۔ جس تیز و تند انداز میں انہوں نے اس مسئلہ پر بحث کی۔ ہم اس کو بجنسہٖ نقل کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا اس نام نہاد فرقہ وارانہ مسئلہ کا میں نے دوربین کے ذریعہ امتحان کیا ہے۔ جب کوئی بات ہی نہیں ہے تو پھر آپ کو اس میں کیا دکھائی دے سکتا ہے؟" اس تمہید کے ساتھ قرارداد پیش کرنا ہمارے نزدیک انتہائی بددیانتی ہے۔ اگر اقلیتوں کا سوال ہی نہیں ہے تو پھر قرارداد منظور کرنے ہی کی کیا ضرورت ہے؟ کیوں نہ کہہ دیا جائے کہ اقلیتوں کا سوال ہی نہیں ہے۔ وہ اقدامی بیان کو دہراتے ہیں کہ فرقہ وارانہ حل آئین ساز مجالس میں چند نشستوں، سرکاری ملازمتوں یا وزارتی عہدوں کی خاطر متوسط یا اونچے طبقوں کا پیدا کیا ہوا شاخسانہ ہے ہم پنڈت جواہر لال نہرو پر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ مسلم اقلیت کی حقیقت کو انہوں نے بالکل غلط سمجھا ہے اور یہ امر سخت تکلیف دہ ہے کہ کل ہند ادارہ کا صدر جو ہندوستان کی پوری آبادی کی نمائندگی کا دعوے دار ہے مسلم اقلیت کے مطالبات سے اتنا ناواقف ہے۔ ذیل میں ہم چند مطالبات کی جھلک پیش کرتے ہیں تاکہ پنڈت جواہر لال نہرو کو یہ کہنے کا موقع حاصل نہ رہے کہ مسلمان اس سے زیادہ اور

کیا چاہتے ہیں۔ مسلم مطالبات یہ ہیں:۔

(۱) کانگرس آئندہ سے فرقہ وارانہ حل کی مخالفت سے دستبردار ہو جائے کانگرس نے جب اپنے ایک بیان کے ذریعہ اعلان کر دیا ہے کہ وہ فرقہ وارانہ حل کی مخالفت نہیں کرے گی تو مسلمان چاہتے ہیں کہ اس کے استرداد کے بارے میں احتجاج بھی ختم کر دیا جائے۔

(۲) فرقہ وارانہ حل سے ملک کی مجالس آئین ساز میں مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کی نمائندگی کا مسئلہ طے ہوتا ہے مگر ملازمتوں میں اقلیتوں کی نمائندگی کا دوسرا سوال جوں کا توں باقی رہتا ہے۔

مسلمانوں کا مطالبہ ہے کہ ملک کی ملازمتوں میں ہندوؤں کی طرح ان کو بھی پورا پورا حق حاصل ہے۔ اپنے تلخ تجربات کی بناء پر چونکہ مسلمانوں نے اندازہ کیا ہے کہ ملازمتوں کے بارے میں ان کے حقوق کی حفاظت ممکن نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان کا حصہ معین کر دیا جائے تاکہ "آئین" کے پردے میں کوئی ہندو حاکم سررشتہ ان کے حقوق پامال نہ کر سکے۔

(۳) پنڈت جواہر لال نہرو مذہبی احکام و اوامر پر کچھ زیادہ اعتقاد نہیں رکھتے ان کا دعوٰی ہے کہ ہر شخص معاشی دنیا سے وابستہ ہے ہم پنڈت جی کو واقف کرانا چاہتے ہیں کہ گائے کے ذبح کا مسئلہ مسلمانوں کے لئے ایک معاشی احتیاج کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔ اس لئے ہندو آزاد نہیں کہ گائے کے ذبح پر قانونی امتناع عائد کر سکیں۔

(۴) مسلمان مطالبہ کرتے ہیں کہ جن جن صوبوں میں وہ فی الحساب اکثریت میں ہیں ارضی تقسیم یا تنظیم کے ذریعہ ان کی اس اکثریت کو متاثر نہ کیا جائے۔ صوبہ جات بنگال، پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان مسلم آبادی کی موجودہ ترتیب میں کسی ارضی حد بندی یا تنظیم کے ذریعہ کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔

(۵) مسلمانوں کا ایک اور مطالبہ زبان اور رسم الخط کے بارے میں ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اردو عملاً ان کی قومی زبان ہے۔ وہ اس کی آئینی ضمانت چاہتے ہیں کہ اردو کے دامن کو کوئی دانش مندانہ طریقے سے بھی نہ تو کوتاہ کیا جائے نہ متاثر،

(۶) مقامی اداروں میں مسلمانوں کی نمائندگی کا ایک ایسا سوال ہے جو اب تک حل نہیں ہوا ہے مسلمانوں کا مطالبہ ہے کہ جداگانہ انتخاب اور آبادی کے اعتبار سے حق نمائندگی کے اصول کو جو فرقہ وارانہ حل میں مضمر ہے، شروع سے آخر تک تمام مقامی اور دیگر انتخابی اداروں میں یکساں طور پر روبہ عمل لایا جائے۔

اس فہرست کو طویل تر بھی بنایا جا سکتا ہے لیکن فی الحال مذکورہ بالا مطالبات کی نسبت ہم کانگرس اور پنڈت جواہر لال نہرو کا جواب سننا چاہتے ہیں ہماری خواہش ہے کہ پنڈت جی اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہندوستان کے لئے صحیح معنی میں کامل آزادی کے حصول کی خاطر ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمان زیادہ بے چین و مضطرب ہیں۔ ہندوستان کے لئے ان کے نزدیک مسلم راج کا کوئی تصوّر نہیں ہے اور "ہندو راج" کا وہ جان توڑ مقابلہ کریں گے۔ ملک اور ملک میں بسنے والی تمام جماعتوں کی کامل آزادی ان کا نصب العین ہے لیکن وہ ہر ایسے "اکثریت راج" کے قیام کی مخالفت کریں گے جو مختلف اقلیتوں کے ان ثقافتی، مذہبی اور سیاسی تیقنات کا صفایا کرے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔"

جو کانگرس مسلمانوں کے یہ معمولی مطالبات بھی اپنی خودسری اور سرکشی کے سبب منظور نہ کر سکی۔ آج وہ پاکستان کی کشمکش سے دوچار ہے۔ حرص اور طمع کا انجام آخر کار یہی ہوتا ہے۔

تجویزِ پاکستان اور مابعد

گفتند جہانِ ما آیا بتو می سازد؟
گفتم کہ نمی سازد، گفتند کہ برہم زن!

(اقبالؒ)

آخر جب ساری امیدیں منقطع ہو گئیں، اور مسلمانوں نے یقین کر لیا کہ متحدہ ہندوستان میں ان کا ملّی وجود قائم نہیں رہ سکتا، وہ اپنی تہذیب و تمدّن، رسم و رواج، معاشرت اور معیشت، ثقافت اور حضارت کو باقی نہیں رکھ سکتے تو انہوں نے طے کر لیا، کہ اب اگر انہیں زندہ رہنا ہے تو ایک مستقل بالذات قوم کی حیثیت سے، ایک زندہ اور توانا اور ملّت کی حیثیت سے ایک آزاد اور خود مختار وجود کی حیثیت سے یہ فیصلہ انہوں نے کامل غور اور تامّل کے بعد کیا، لیکن جب کر لیا تو چٹان کی طرح اپنے اس فیصلہ پر قائم ہو گئے۔ واذا عزمت فتوکل علی اللّٰہ

تجویزِ پاکستان

۲۲ر مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ لاہور میں منعقد ہوا۔ جس میں حسب ذیل تجویز منظور ہوئی:۔

(۱) کل ہند مسلم لیگ کا یہ اجلاس دستوری معاملات کی نسبت لیگ کونسل اور

مجلس عاملہ کی کاروائی کی، جو ان تجاویز مورخہ ۲۷ اگست، ۱۷، ۱۸ اور ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء اور ۳ فروری ۱۹۴۰ء سے ظاہر ہے، توثیق کرتے ہوئے پوری شدت کے ساتھ اس کا اعادہ کرتا ہے کہ وفاقی اسکیم جس کی دستور ہند بابت ۱۹۳۵ء میں تشریح کی گئی ہے۔ اس ملک کے حالات کے اعتبار سے قطعاً ناموزوں اور ناقابل عمل ہے۔ اور مسلم ہندوستان کے لئے کسی طرح قابلِ قبول نہیں۔

(۲) ملک معظم کی حکومت کی جانب سے وائسرائے بہادر کے اعلان مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۹ء کی نسبت یہ اجلاس اپنے نقطۂ نظر کا اظہار کرتا ہے کہ حکومت ہند کے دستور بابت ۱۹۳۵ء کا جہاں تک تعلق ہے اس اعلان کے ذریعہ یقین دلایا گیا ہے کہ مختلف جماعتوں، فرقوں اور مفادات سے مشورت کے بعد دستور پر نظر ثانی کی جائے گی، مسلم ہندوستان اس وقت تک مطمئن نہ ہو سکے گا جب تک کہ پورے دستوری خاکہ پر از سر نو غور نہ کیا جائے تا وقتیکہ اس کی بابت مسلمانوں کی رضامندی اور توثیق حاصل نہ ہو جائے کوئی غور کردہ خاکہ قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔

(۳) قرار پایا کہ کل ہند مسلم لیگ کے اس اجلاس کی یہ غور کردہ رائے ہے کہ دستوری خاکہ اس ملک میں قابل عمل یا مسلمانوں کے لئے قابلِ قبول نہ ہوگا جب تک وہ مندرجہ ذیل بنیادی اصول کے تحت مرتب نہ کیا گیا ہو۔

جغرافیائی حیثیت سے متصل ارضی وحدتوں کے مابین حدود قائم کر کے ان کو جداگانہ علاقوں میں منقسم کیا گیا ہے، لیکن جیسا کہ ضروری معلوم ہوتا ہے، ان رقبہ جات میں جہاں بلحاظ تعداد مسلمان اکثریت میں ہیں مثلاً شمال مغربی اور ہندوستان کے مشرقی علاقوں کو آزاد ریاستوں کی حیثیت سے ایک دوسرے سے متحد کرنا چاہیئے کہ ان میں سے ہر ایک وحدت خود مختار ہو

ان آزاد علاقوں اور خود مختار وحدتوں کے دستور میں اقلیتوں اور ان کے مذہبی، ثقافتی، معاشی، سیاسی، انتظامی اور دیگر حقوق و مفادات کی حفاظت کے لئے اُن ہی کی مشورت سے معین اور مؤثر تحفظات مہیا کرنے چاہئیں۔

ہندوستان کے دیگر علاقوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں دستور میں ان کے لئے مذہبی، ثقافتی، اقتصادی، سیاسی، انتظامی اور دیگر حقوق و مفادات کی خود ان کی مشورت کے ذریعہ حفاظت ہو سکے۔

یہ اجلاس مجلس کو اختیار دیتا ہے کہ مذکورہ مندرجہ بنیادی اصول کے بموجب ایسی دستوری اسکیم مرتب کرے جس میں ان مختلف مجوزہ ریاستوں کو سارے مسائل مثلاً دفاع، خارجی معاملات، رسل و رسائل جنگی، اور دیگر ضروری امور کا اختیار کیا گیا ہو۔"

اس تجویز نے ہندوستان بھر میں قیامتِ صغریٰ کا منظر قائم کر دیا۔ سارے ہندو پریس میں ایک تہلکہ مچ گیا، غدر ۱۸۵۷ء کے بعد سے ہندو یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ اب وہ سارے ہندوستان پر بادشاہت کریں گے، مغربی جمہوریت کو وہ اپنے لئے ایک نعمتِ عظمیٰ سمجھ رہے تھے، مسلمانوں کو غلام رکھنے کی صرف یہی ایک تدبیر تھی کہ ہندوستان پر جمہوریت یعنی ہندو اکثریت کی حکومت ہو، اب یہ آس ڈوبتی نظر آ رہی تھی "خاندان مشترکہ" کا ایک فریق باغی ہو کر اپنا حصہ طلب کر رہا تھا، یہ بڑا سانحہ تھا۔ جس نے بڑے بڑے کانگرسی لیڈروں کو حواس باختہ کر دیا۔

مصائب اور تھے پر دل کا جانا   عجب ایک سانحہ سا ہو گیا ہے

عجیب و غریب مطالبہ

اب ہر طرف سے اور خاص طور پر کانگرس کی طرف سے مطالبہ ہونے لگا کہ پاکستان کی

وضاحت کیجئے، اس کی حد بندی کیجئے، اس کی تعریف کیجئے، بتائیے اس کے حدود اربعہ کیا ہوں گے۔

مسٹر جناح نے بالکل بجا طور پر جواب دیا، اس فرمائش کی تعمیل ضرور ہوگی، لیکن پہلے اصول تسلیم کیجئے، پہلے یہ تسلیم کر لیجئے کہ ہندوستان تقسیم ہوگا۔ پاکستان بنے گا۔ مسلمانوں کو خود اختیاری کا حق استعمال کرنے کی پوری پوری اجازت ہوگی۔ پھر تفصیلات پر گفتگو کر لیں گے قبل از وقت تفصیلات پر گفتگو کرنا، بغیر اصول کو تسلیم کرائے ہوئے، تفصیلات کا خاکہ بحث و گفتگو کے لئے پیش کرنا اختلاف و افتراق کا ایک نیا دروازہ کھول دے گا۔ تقسیم کا اصول مان لیجئے پھر آئیے بیٹھیں، اور تفصیلات طے کر لیں۔

بیورلی نکلس اپنی کتاب "مشاہدہ ہند" میں مسٹر جناح سے اپنی ملاقات کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے:۔

"میں ——— (مسٹر جناح سے) معترضین کا سب سے بڑا اور اہم اعتراض آپ پر یہ وارد ہوتا ہے کہ آپ نے اب تک پاکستان کی کوئی واضح اور معین تعریف نہیں کی، کیا آپ اس الزام کو موزوں اور مناسب نہیں سمجھتے؟

مسٹر جناح ——— یہ اعتراض نہ تو موزوں ہے نہ مناسب ہے نہ یہ فہم سیاسی کا کوئی اچھا نمونہ ہے، بالخصوص اس وقت یہ اعتراض جب کوئی انگریز کر رہا ہو! آئرلینڈ کی علیحدگی انگلستان سے عمل میں آئی تو تقسیم کا شرائط نامہ صرف دس سطروں پر مشتمل تھا۔ صرف دس سطریں، ایک ایسے گنجلک اور الجھے ہوئے مسئلہ کے لئے جس نے صدیوں سے برطانوی سیاست کو تلخ اور ناگوار بنا رکھا تھا اس کی جملہ تفصیلات مستقبل کے حوالہ کر دی گئیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اکثر و بیشتر مستقبل بہترین ثالث ثابت ہوا کرتا ہے۔"

اس کے برعکس میں نے تو دس سطروں سے کہیں زیادہ مواد پاکستان

کی ہیئت ترکیبی، اس کے اجزاء و عناصر کے بارے میں ساری دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے، آپ اسے بھی پیش نظر رکھئے کہ ہندوستان کی تاریخ سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ کوئی تفصیلی دستاویز قطعاً غیر ضروری اور بے نتیجہ ہے۔ گول میز کانفرنس میں جب برما کی ہندوستان سے علیحدگی کا مسئلہ طے ہوا تھا، تو کیا کوئی دستاویز مرتب کی گئی تھی؟ ہے کوئی دستاویز جب سندھ کی بمبئی سے علیحدگی عمل میں آئی تھی؟ جواب قطعاً نفی میں ہے ایسی دستاویز کی مطلق ضرورت نہیں، اصل سوال یہ ہے کہ پہلے علیحدگی کا اصول تسلیم کر لیا جائے۔ تفصیلات خود بخود طے ہوتی رہیں گی۔"

ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

مسٹر جناح اگر، پاکستان کا حدود اربعہ اور اس کی جامع و مانع تفصیل نہیں پیش کرتے (حالانکہ وہ ایسا کر چکے ہیں)، تو اس پر کم از کم جواہر لال اور گاندھی جی، اور رہنمایانِ کانگرس کو تو برہم نہیں ہونا چاہیئے، ہندوستان کی آزادی کے بارے میں خود ان کا مسلک اور طرزِ عمل کیا رہا ہے۔ کیا انہیں یاد ہے؟

مجھے یاد سب ہے ذرا ذرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

تحریک ترکِ موالات کا ذکر کرتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہم بے سوچے سمجھے زور شور سے بڑھے چلے جا رہے تھے، مگر منزلِ مقصود کا کوئی واضح تصور ہمارے سامنے نہیں تھا، ہم سب سوراج سوراج پکارتے تھے لیکن اس لفظ کا مفہوم ہر شخص اپنے خیال کے مطابق الگ الگ سمجھتا تھا۔ اکثر نوجوانوں کے نزدیک اس کا مفہوم کامل سیاسی آزادی اور جمہوری طرزِ حکومت تھا۔ اور ہم میں سے بہت سے یہ بھی سمجھتے تھے

کہ اس سے لازمی طور پر اس بوجھ میں کمی ہو جائے گی۔ کسانوں اور مزدوروں کے طبقہ کو کچلتا ہے لیکن یہ یقینی ہے کہ ہمارے اکثر لیڈر سوراج کا مفہوم مکمل آزادی سے بہت کم سمجھتے تھے۔ گاندھی جی خود اس معاملہ میں بڑے مزے کی گول مول باتیں کیا کرتے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس پر وضاحت سے غور کیا جائے۔ مگر ان کی مبہم گفتگو سے بھی یہ خاص طور پر ظاہر تھا کہ وہ غریبوں کے حامی ہیں اور اس بات سے ہم میں سے اکثر کو بڑی تسکین ملتی تھی۔ اگرچہ اس کے ساتھ وہ امیروں کو بھی بہت اطمینان دلاتے تھے۔"

(میری کہانی۔ حصہ اول صفحہ ۱۴۴)

کیا مسٹر جناح کا طرزِ عمل گاندھی جی سے زیادہ مبہم ہے؟ کیا مسلم لیگی رہنماؤں کی تخیل آرائی کانگرس کے لیڈروں سے زیادہ پیچیدہ ہے؟

مختلف حل اور نئی نئی اسکیمیں

مسلم لیگ کی قرار داد لاہور سنہ ۱۹۴۰ء سے کچھ پیشتر، اور زیادہ تر بعد میں دوسرے اصحاب فکر و نظر نے مختلف حل پیش کئے، اور نئی نئی اسکیمیں، مسلمانوں کے حق خود ارادیت کے حصول کے لئے بنائیں ایک اسکیم سر سکندر حیات مرحوم کی تھی، جس میں ہندوستان کو مختلف حلقوں میں تقسیم کر کے ایک وفاق کی حمایت کی گئی تھی، ایک اسکیم مولانا حسرت موہانی کی تھی۔ جو صوبوں کے کامل اختیارات اور مکمل آزادی اور لامرکزیت پر مشتمل تھی ایک اسکیم سر شاہ نواز مرحوم نواب ممدوٹ کی تھی، جو سر سکندر کی اسکیم سے ملتی جلتی تھی ایک اسکیم سر فیروز خاں نون نے مسلم یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے پیش کی تھی۔ اس میں بھی ایک کمزور مرکز کا جلوہ نظر آتا تھا۔ ایک اسکیم یا وش بخیر ڈاکٹر عبد اللطیف صاحب کی تھی جس نے کئی رنگ بدلے، اور معین صورت نہ اختیار کر سکی۔ ایک اسکیم

پروفیسر ظفر الحسن (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کی تھی جس میں اقلیتی صوبوں کے لئے بھی پاکستانی حلقوں کا ایک خاکہ تیار کیا گیا تھا۔ لیکن ان اسکیموں میں سے کوئی اسکیم بھی قبول عام نہ حاصل کر سکی۔ مسلمان پوری سختی کے ساتھ اس اسکیم پر قائم رہے، جو لاہور میں مسلم لیگ نے منظور کی تھی۔ اور جو اَب عام طور پر پاکستان کے نام سے معروف ہے۔

آزاد پنجاب کا مسئلہ

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ شر انگیز فارمولا آزاد پنجاب کا تھا۔ جس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ سکھوں کو حق خود اختیاری دیا جائے۔ اور جہاں جہاں ان کی آبادی ہے اسے "خالصتان" یا سکھستان" کے نام سے پاکستان کی طرح ایک جدا گانہ اور آزاد حکومت تسلیم کر لیا جائے، کانگرس اس اسکیم کی پسِ پردہ حمایت کرتی رہی۔ تاکہ پاکستان کا پنجاب میں قیام ناممکن ہو جائے۔

سکھوں کے ضمنی تو Sommantsmm ہونے پر قائدِ اعظم نے جو بیان دیا تھا اس پر ہم کسی دوسرے موقع پر گفتگو کریں گے، لیکن اس موضوع پر "آل انڈیا ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی" کے جنرل سکریٹری مسٹر پورن چند جوشی نے جو خیالات ظاہر کئے ہیں وہ اس قابل ہیں کہ ان کا غور سے مطالعہ کیا جائے، وہ لکھتے ہیں:-

"اکثر مسلم علاقے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ جہاں ان کی بھاری اکثریت پائی جاتی ہے۔ مثلاً سندھ میں ان کی آبادی ۷۱ فی صد ہے۔ بلوچستان میں ۸۷½ فی صد اور صوبہ سرحد میں ۹۲ فی صد ان علاقوں میں استصواب رائے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہ مسلم علاقے ہیں اور مسلمانوں کو ملنے چاہئیں۔ یہاں کی غیر مسلم اقلیتیں اپنے حقوق کے تحفظ کے علاوہ اور کسی کی مستحق نہیں ہیں۔ اور لیگ نے اس کا عہد کیا ہے۔

مسلمان ان علاقوں کا جائز مطالبہ کر سکتے ہیں۔ جہاں وہ اکثریت میں ہیں، لیکن انہیں اس کا حق نہیں کہ وہ دوسروں کی ایک انچ زمین پر بھی للچائی نظریں ڈالیں۔ مغربی اضلاع کے بارے میں کوئی تنازع نہیں ہو سکتی۔ وہاں تو مسلمانوں کی آبادی ۶۰ سے ۹۰ فیصد تک ہے لیکن کانگڑہ میں ہندو ۹۳ فی صد اور مسلمان پانچ فیصد ہیں اور انبالہ میں ہندو ۶۶ فیصد اور مسلمان ۲۸ فیصد ہیں۔ ان علاقوں کی زبان بھی پنجابی نہیں بلکہ ہندوستانی ہے ظاہر ہے کہ یہ علاقے کسی طرح پاکستان کا جزو نہیں بن سکتے۔

پنجاب میں آبادی کا تناسب یہ ہے، مسلمان ۵۷ فیصد ہندو ۲۸ فی صد اور سکھ ۱۳ فیصد، یہاں مسلم اکثریت تو بے شک ہے لیکن اس آبادی کی تقسیم کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا۔ مثلاً انبالہ کمشنری دہلی کا جزو ہے نہ کہ پنجاب کا۔ اس کی آبادی ۴۴ لاکھ ہے۔ اگر کانگڑہ اور انبالہ کمشنری کو بقیہ پنجاب سے نکال دیا جائے تو پنجاب کی آبادی کا تناسب یہ ہوگا۔ کہ مسلمان ۶۷ فیصد، ہندو ۱۶ فیصد سکھ ۱۵ فیصد، یہ پاکستان کا معقول علاقہ بن سکتا ہے لیکن پنجاب کا مسئلہ یہیں ختم نہیں ہوتا، دریائے ستلج کے پورب میں جالندھر ڈویژن ہے اور پچھم میں امرتسر اور گورداسپور کے ضلعے ہیں عام طور سے اس علاقے کو سکھ علاقہ کہتے ہیں اور پاکستان کی حد بندی کے وقت اس علاقے کے بارے میں نزاع ہو سکتی ہے ان اضلاع میں آبادی کا تناسب حسب ذیل ہے:-

	مسلم	سکھ	ہندو
ہوشیارپور	۳۷	۱۷	۴۰
جالندھر	۴۵	۲۶	۱۸

لدھیانہ	۳۷	۴۱	۲۰
فیروزپور	۴۵	۳۴	۲۰
امرتسر	۴۷	۳۶	۱۵
گورداسپور	۵۰	۱۹	۲۴

یہاں کئی باتیں قابلِ غور ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہوشیارپور کے علاوہ ان تمام اضلاع میں ہندو بہت چھوٹی اقلیت میں ہیں۔

دوسرے یہ کہ سکھ اکثریت میں نہیں ہیں۔ البتہ ان کی اقلیت کافی بااثر ہے

تیسرے یہ کہ ان کی اضلاع میں بجز گورداسپور کے مسلمان کہیں اکثریت میں نہیں ہیں۔ گورداسپور میں بھی یہ اکثریت برائے نام ہے۔

چوتھے یہ کہ ان اضلاع میں کسی ایک قوم کی غالب اکثریت نہیں ہے البتہ مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ ان کے بعد سکھ ہیں۔

یہ علاقے روایتی طور پر سکھوں کا آبائی وطن خیال کئے جاتے ہیں۔ یہاں سکھ دوسری جگہوں کے مقابلے میں زیادہ ہیں لیکن یہاں بھی ان کی اکثریت نہیں ہے۔ سب سے زیادہ آبادی مسلمانوں کی ہے۔ سکھ آبادی ۲۰ لاکھ ہے اور مسلم آبادی ۳۰ لاکھ۔ پس ظاہر ہے کہ یہ علاقے سکھوں اور مسلمانوں کے مشترکہ وطن ہیں۔ پھر معاشی، تہذیبی اور لسانی اعتبار سے بھی یہ علاقے پنجاب کے جزو ہیں۔

یہاں کے باشندوں کے لئے بہترین صورت یہی ہے کہ وہ سکھ مسلم معاہدے کی بنا پر پاکستان میں شریک ہو جائیں۔

پنجاب میں سکھ قوم بڑی اہمیت رکھتی ہے اس کی تاریخ، روایات

بھی بڑی شاندار ہیں لیکن بدقسمتی سے وہ کسی ایک علاقے میں آباد نہیں ہے بلکہ پنجاب کے متعدد اضلاع میں بکھری ہوئی ہے بجز چند تحصیلوں کے کسی ضلع میں بھی ان کی اکثریت نہیں ہے لہٰذا ان کا کوئی علیحدہ آبائی وطن نہیں بن سکتا۔ اس کے باوجود بعض اکالی لیڈروں نے آزاد پنجاب کی اسکیم بنائی ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ پنجاب میں دوسری قوموں کی حق تلفی کئے بغیر اپنے حقوق کی حفاظت کی تدابیر اختیار کرتے ان حضرات نے "آزاد پنجاب" کا رجعت پسند نعرہ بلند کیا ہے۔ انہوں نے انبالہ جالندھر ڈویژن اور امرتسر اور گورداسپور کے اضلاع کو ملا کر "آزاد پنجاب" کا نام دیا ہے۔ بعض سکھ لیڈر تو لاہور کو بھی اس میں شامل کر لیتے ہیں۔

"آزاد پنجاب" سے مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کی سخت حق تلفی ہوتی ہے۔ انبالہ ڈویژن کو جو ہندوستانی زبان بولنے والا خالص ہندوستانی علاقہ ہے۔ باقی ہندوستان میں شامل ہونے سے محروم کیا جاتا ہے اسی طرح مسلمانوں کے آبائی وطن کو دو حصوں میں بانٹا جاتا ہے۔ اس حصے کے نکل جانے کے بعد پاکستان میں بنجر اور اجاڑ علاقوں کے سوا کیا رہ جاتا ہے مسلم لیگ اس تجویز پر جتنا خفا ہو کم ہے۔ پنجاب کے سب سے زیادہ زرخیز اور ترقی یافتہ علاقے پاکستان سے الگ کیے جاتے ہیں۔ تہذیبی اور معاشی اعتبار سے یہ علاقے مشرقی (ہندو) پنجاب کے مقابلے میں مغربی پنجاب کے زیادہ قریب ہیں۔ اس کے علاوہ چونکہ کانگڑہ اور انبالہ ڈویژن کے علاوہ اس تمام علاقے میں مسلمانوں کی آبادی دوسری قوموں سے زیادہ ہے اس لئے ان علاقوں پر پہلا حق انہیں کا ہے مانا کہ یہ نزاعی علاقے ہیں لیکن یہ نزاع جمہوری طریقے سے یعنی استصواب

رائے کے ذریعہ طے ہو سکتی ہے اور طے ہونی چاہیئے۔

"آزاد پنجاب میں آبادی کا تناسب یہ ہوگا"

لاہور سمیت ۴۲ فیصد ہندو، ۳۷ فیصد مسلمان، ۱۷٫۴۷ فیصد سکھ

لاہور کے بغیر ۴۴٫۶۹ " " ۳۴٫۶۹ " ۱۸٫۶۵ " "

ان اعداد و شمار کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ "آزاد پنجاب" میں بھی سکھوں کی اکثریت نہیں ہوتی لیکن آزاد پنجاب کی اسکیم سے سکھ لیڈروں کا مقصد ایک ایسی ریاست بنانا ہے جہاں گو وہ اکثریت میں نہ ہوں پھر بھی ان کی آواز فیصلہ کن ہو۔ ہندو اور مسلمان دونوں ان کی حمایت کے محتاج ہوں اور وہ دونوں پر دباؤ ڈال کر، دونوں کو لڑا کر، سیاسی توازن کے اصول پر فائدہ اٹھاتے رہیں۔ آزاد پنجاب کا مقصد پنجاب میں پھوٹ ڈالنا ہے۔

پاکستان

دنیا کے نئے جغرافیے کا نیا مُلک

"دنیا کا کوئی رہنما کسی عام تحریک کو جادو کے ذریعہ وجود میں نہیں لاتا بلکہ جب موزوں حالات پیدا ہو جاتے ہیں تو ان سے فائدہ اٹھاتا ہے، وہ ان حالات کے لئے لوگوں کو تیار کر سکتا ہے۔ حالات کو پیدا نہیں کر سکتا۔"

(میری کہانی حصّہ اوّل، صفحہ ۲۱۹)

کون کہہ سکتا ہے، جواہر لال کی یہ نفسیاتی اور فلسفیانہ تحلیل غلط ہے؟ انہوں نے جو کچھ کہا ہے بالکل صحیح ہے اور جس طرح یہ کانگرس کی تحریکوں پر صادق آتا ہے اسی طرح یہ پاکستان کی عوامی تحریک پر بھی صادق آتا ہے۔ مسٹر جناح اس تحریک کو جادو کے ذریعہ وجود میں نہیں لائے "جب موزوں حالات" پیدا ہو گئے تو انہوں نے ان سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ ان حالات کو کانگرس نے پیدا کیا لیکن جب یہ پیدا ہو گئے تو "لوگوں کو تیار کرنے کا کام" مسٹر جناح نے سرانجام دیا۔

پاکستان کی نوعیّت و کیفیت

پاکستان کیا ہے اور کیا نہیں ہے؟ اس کے حدود اربعہ کیا ہیں؟ اس کا نظامِ حکومت کیا ہے؟ اس کی کمیت و کیفیت کیا ہے؟ اس کی بنیاد و اساس کیا ہے؟ یہ اور اس طرح کے دوسرے سوالات تجویز لاہور کے بعد سے مخالف پریس سے برابر اٹھ رہے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر ہندو مفکّرین نے، مسلمان مدبّرین نے اور خود مسٹر جناح نے الگ الگ زاویہ ہائے نظر کے ساتھ کی ہے، ضرورت ہے کہ اہم تعبیرات کی تلخیص پیش نظر رہے تاکہ نفس مسئلہ کو سمجھنے میں سہولت ہو۔

مسٹر جناح نے دسمبر ۱۹۴۲ء میں ایک کتاب PAKISTAN MUSLIM INDIA پر پیش لفظ تحریر فرمایا تھا جس میں اس سوال کے بعض پہلوؤں کو اجاگر کیا تھا، اس پیش لفظ کا حسب ذیل حصّہ خاص طور پر لائق مطالعہ ہے:-

"ہندوستان میں جو اختلافات یہاں کی دو بڑی قوموں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان موجود ہیں۔ وہ ان اختلافات سے ہزار گنا زیادہ ہیں جو یورپ کی مختلف اقوام کے درمیان پائے جاتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہاں نسل، مذہب، زبان اور تہذیب کے اعتبار سے جتنا تنوع اور اختلاف ہے اتنا دنیا کے کسی حصّہ میں بھی نہیں ہے مگر خوش قسمتی سے مسلمانوں کے وطنی علاقے شمال مغرب اور شمال مشرق میں الگ واقع ہوئے ہیں اور ان علاقوں میں مسلمانوں کی ٹھوس اکثریت موجود ہے جو سات کروڑ نفوس پر مشتمل ہے۔ مسلمانوں کی خواہش یہ ہے کہ ان علاقوں کو بقیّہ ہندوستان سے الگ کر کے انہیں آزاد اور خود مختار ریاستوں کی حیثیت دے دی جائے مسلمان نہایت غیر مبہم طور پر اس کے خواہاں ہیں کہ اس نیم بر اعظم میں وہ

خود بھی آزاد ہوں، ہندو اور ہندو انڈیا بھی آزاد ہو۔ برخلاف اس کے ہندوؤں کی تمام چالیں اور تجویزیں اور ان کی پیش کی ہوئی تمام اسکیموں کی بنیاد اس منصوبہ پر ہوتی ہے کہ سارے ہندوستان پر ہندو راج مستولی کرکے دس کروڑ مسلمانوں کو اس کے ماتحت غلام رکھا جائے جس کے معنی یہ ہوئے کہ مسلمان محض برطانیہ کا طوق غلامی اتار کر ہندوؤں کا طوق غلامی پہن لیں۔ خواہ صریح ناواقفیت کی بنا پر ہو یا غیر ممالک کی رائے عامہ کو اپنی موافقت میں گمراہ کرنے کی غرض سے آج کل یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کا معاملہ چین، سوویٹ روس بلکہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے حالات کے متوازی ہے اور ان ممالک کے باشندوں نے جو تجربات حاصل کئے ہیں ان کی روشنی میں یہاں کے مسائل بھی حل کئے جا سکتے ہیں اگر کوئی ذی فہم انسان اس دعوے کا سرسری جائزہ بھی لینے کی زحمت کرے تو وہ یقیناً اس نتیجے پر پہنچے گا کہ ہندوستان اور ان کے ممالک کے مسائل کا تقابل صریحاً لغو اور گمراہ کن ہے۔

ہندوستان ایک قومی اسٹیٹ نہیں ہے، نہ ایک ملک ہے بلکہ ایک نیم براعظم ہے جس میں متعدد قومیتیں ہیں۔ منجملہ ان کے ہندو اور مسلمانوں کی دو بڑی بڑی قومیں ہیں جن کے تہذیب و تمدن، زبان و ادب، فن تعمیر اسم و اصطلاحات، معیار قدر و تناسب اصول و قوانین، ضوابط اخلاق و معاشرت، رسم و رواج، نظام تقویم، تاریخ و روایات، رجحانات و عزائم نظریۂ حیات غرض تمام چیزیں ایک دوسرے کے یکسر مخالف و متضاد ہیں۔"

مسٹر جناح کی ان تصریحات سے بآسانی اندازہ ہو جاتا ہے کہ پاکستان کے محرکات

ڈاکٹر امبیدکر کا نقطۂ نظر

ڈاکٹر امبیدکر اپنی دستوری و آئینی مہارت کے اعتبار سے ہندوستان کے چوٹی کے لوگوں میں ہیں۔ اچھوتوں کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن وہ بہرحال ہندو ہیں، ان کے خالص اور کٹر ہندو ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ان کی قوم ہزارہا سال سے اونچی ذات کے ہندوؤں کا تختۂ مشق بنی ہوئی ہے اور اب تک ان کی دراز دستیوں کا شکار ہوتی رہتی ہے پھر بھی ڈاکٹر صاحب مع اپنی قوم کے "ہندو" بنے ہوئے ہیں۔ گویا دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہوا کہ "ہندو مفاد" کا جہاں تک تعلق ہے امبیدکر اور گاندھی جی میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ ہندو مفاد کا نقصان جس طرح جواہر لال اور گاندھی جی نہیں برداشت کر سکتے اسی طرح امبیدکر بھی نہیں برداشت کر سکتے۔

پاکستان کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے انہوں نے پاکستان کی حمایت کی ہے اس لئے نہیں کہ یہ مسلمانوں کا واجبی مطالبہ ہے صرف اس لئے کہ "ہندو مفاد" کی بہتری اسی میں ہے وہ فرماتے ہیں :-

ہندو کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان کے قیام سے ہندوستان کی سائنٹفک سرحد جاتی رہے گی۔ جواب یہ ہے کہ محض سرحد کے سوال پر مسلمان اپنے مطالبہ سے دستبردار تو نہیں ہو سکتے۔ دوسرے یہ کہ قدرتی سرحد کی غیر موجودگی میں مصنوعی سرحد بنائی جا سکتی ہے جو زیادہ فائدہ مند ثابت ہو سکتی ہے۔

دوسرا مسئلہ وسائل کا ہے جو زیادہ اہم ہے اگر وسائل کی بہتات ہو تو اس سے فائدہ اٹھا کر پہلی کمزوری پہ غلبہ حاصل کیا جا سکتا ہے، آیئے پاکستان اور ہندوستان کے ذرائع و وسائل پر غور کریں۔

پاکستان کے وسائل

صوبہ	رقبہ	آبادی	محاصل
سرحد	۱۳۵۱۸	۲۴۲۵۰۰۳	۱۹۰۱۱۸۴۲
پنجاب	۹۱۹۱۹	۲۳۵۵۱۲۱۰	۱۲۵۳۸۷۰۳
سندھ	۴۶۲۸۷	۳۸۸۷۰۷۰	۹۵۷۸۱۷۶۹
بلوچستان	۵۴۲۲۸	۴۲۰۶۴۸	۰۰۰۰۰۰۰
بنگال	۸۴۹۵۵	۵۰۰۰۰۰۰۰	۳۴۵۵۰۶۲۴۸۵
جملہ	۲۸۸۲۹۸	۸۰۲۸۳۹۲۱	۴۰۵۶۳۵۰۳۶۶

ہندوستان کے وسائل

صوبہ	رقبہ	آبادی	محاصل
اجمیر میواڑ	۲۷۱۱	۵۶۰۲۹۲	۲۱۰۰۰۰۰
آسام	۵۵۰۱۴	۸۶۲۲۲۵۱	۴۴۶۰۴۴۵۱
بہار	۶۹۳۴۸	۳۲۳۵۴۳۴	۶۷۸۲۱۵۸۸
بمبئی	۷۷۱۶۱	۱۰۷۰۰۰۰۰۰	۳۴۹۸۰۸۰۰
سی پی برار	۹۹۹۵۷	۱۵۵۰۷۷۲۳	۴۵۸۸۳۹۶۲
کورگ	۱۵۹۳	۱۶۳۳۲۷	۱۱۰۰۰۰۰
دہلی	۵۷۳	۶۳۶۲۴۶	۷۰۰۰۰۰۰
مدراس	۱۴۲۲۷۷	۴۹۰۰۰۰۰۰	۴۵۶۶۷۱۲۴۵
اڑیسہ	۳۲۶۹۵	۸۰۴۳۸۱	۸۷۶۷۲۶۹
یو۔پی	۲۰۶۲۴۸	۴۸۴۰۷۶۳	۱۶۸۵۵۲۸۸۱
جملہ	۴۰۷۹۵۷	۱۷۸۱۲۹۱۹	۹۶۲۴۰۵۲۰۶

مختصر یہ کہ پاکستان کا محصول ۶ کروڑ ہوگا اور ہندوستان کا ۱۲۰ کروڑ۔

جہاں تک فوج تعلق ہے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ آج کل پاکستانی علاقوں کی حفاظت کے لئے اہل ہنود کی گاڑھی کمائی استعمال کی جاتی ہے۔

مرکزی حکومت کا محصول ۱۲۱ کروڑ ہے جس میں ۵۲ کروڑ روپیہ فوج پر خرچ کیا جاتا ہے۔ یہ رقم کس علاقہ میں خرچ کی جاتی ہے۔ اس رقم کا بار کون برداشت کرتا ہے؟ صریحاً ۵۲ کروڑ روپیہ مسلمانوں کے پاکستانی علاقوں پر خرچ کیا جاتا ہے اور ایک ایسی فوج پر خرچ کیا جاتا ہے جس میں ہندو شریک نہیں ہیں۔ کتنے ایسے ہندو ہیں جنہیں اس کا احساس ہے کیا یہ جزیہ جاری رہے گا؟ اگر اہل ہنود اسے جاری رکھنا چاہتے تو انہیں پاکستان کا مطالبہ منظور کر لینا چاہیئے تاکہ ہندوستان کے لئے وہ اپنے وسائل پر خرچ کر سکیں اور اپنی فوج تشکیل دے لیں۔ ایک محفوظ فوج ایک محفوظ سرحد سے تو بہر حال لاکھ درجہ بہتر ہے۔

آیئے اب ہم اس پر غور کریں کہ پاکستان کس طرح فرقہ وارانہ مسئلہ کا کامیاب حل پیش کر سکتا ہے۔ یہ بات تو تسلیم کی جا چکی ہے کہ ہر دو فرقے کسی بھی حال میں ایک دوسرے سے متحد نہیں ہو سکتے اور ان کے اتحاد کی کوشش تحصیل حاصل اور امید و خوش فہمی سے زیادہ نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ فرقہ وارانہ اور منافرانہ جذبہ اس وقت تک موجود رہے گا جب تک کہ کسی اقلیت کے سر پہ کوئی ظالم اکثریت مسلط ہو۔ اس کا بہتر حل یہ ہے کہ حکومت کے دستوری ڈھانچہ میں اقلیت اور اکثریت ایک ساتھ نہ رہیں۔

ہاں تو سوال یہ تھا کہ پاکستان کس طرح اس مسئلہ کا حل پیش کرتا ہے اگر پاکستان منظور کر لیا جائے تو پھر شمال مغرب اور بنگال کے صوبوں کی

سرحدوں کی حد تک اقلیت اور اکثریت کا سوال باقی رہ جاتا ہے۔

مشکلات کا ماخذ کیا ہے اور اس کے وجوہات کیا ہیں۔کیا یہ برائیاں پاکستان سے نکلتی ہیں یا حدود سے۔اگر ان کا ماخذ پاکستان ہے تو پھر کسی ہندو کو اس پر غور کرنے کے لئے وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں، اور پاکستان کو مسترد کرنے پر وہ حق بجانب رہے گا لیکن اگر محض حدود کی بنا پر یہ مشکلات باقی رہیں تو گویا پاکستان کی شکل محض حدود کی تبدیلی سے آسان ہو جاتی ہے۔مسئلہ پاکستان کا غائر مطالعہ کیا جائے تو بآسانی اس نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے کہ محض حدود ہی اس شکل کا ماخذ ہیں۔اس لئے موجودہ صورتِ حال میں شمال مغرب علاقہ اور بنگالی علاقے ایک دوسرے سے دور ہیں اور چونکہ بالکل علیحدہ ہیں اس لئے یہ مشکلات باقی ہیں لیکن اگر ان دونوں کو ملا کر صرف ایک ہی نسل کی وحدت بنا دیا جائے تو سوال خود بخود حل ہو جاتا ہے۔پاکستان میں جداگانہ انتخاب کا سوال باقی نہ رہے گا۔اس لئے کہ ایسے متجانس پاکستان میں نہ ایسی اکثریت کا وجود باقی رہے گا جو حکومت کرے، نہ کوئی اقلیت باقی رہے گی جس پر اکثریت مظالم ڈھائے ایک بڑے علاقہ میں محض حدود کو ہٹا لینے سے متجانس علاقہ تشکیل پا جاتا ہے اور بقیہ حصہ میں محض انتقال آبادی سے یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔اگر پنجاب بنگال اور آسام کے علاقہ جات کی آبادی کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ پنجاب اور بنگال میں بہت سے ایسے علاقے ہیں جن میں اہل ہنود کی غالب اکثریت ہے اور لطف یہ ہے کہ ہر دو ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں بلکہ جداگانہ ہیں۔"

ڈراویڈین اور پاکستان

جنوبی ہند کے وہ کروڑوں ڈراویڈین جو عام ہندوؤں سے اپنی تہذیب و ثقافت کے اعتبار سے جدا ہیں ہندو وفاق کے حامی نہیں ہیں۔وہ خود بھی ہندو وفاق کے تسلط سے آزاد ہونا چاہتے ہیں اور جداگانہ و خود مختارانہ طور پر زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ قدرتاً ان کے سنجیدہ ارباب فکر و تدبر پاکستان کی افادیت و اہمیت کے بھی قائل ہیں اور اس کی تائید میں کوئی تامل نہیں کرتے۔

مسٹر گوپال چیٹی، سابق ایڈیٹر نیو رفامر نے ایک طویل مضمون تقسیم ہند کے مسئلہ پر مدراس کے اخبار سنڈے آبزرور SUNDAY OBSERVER کی اشاعت مورخہ ۵ مئی ۱۹۴۰ء میں تحریر کیا تھا۔مضمون اگرچہ فوائد ضروریہ پر مشتمل ہے لیکن طویل ہے اور اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"ابھی کچھ دن ہوئے کہ دارالامراء میں لارڈ زٹلینڈ نے بیان کیا کہ کانگریس پارٹی نے بہت سے مسلمانوں کے دماغوں میں ایسے خطرات پیدا کر دئیے ہیں جن کا دفعیہ صرف کانگریس ہی کر سکتی ہے۔لارڈ ڈکریو نے کہا کہ ان کے خیال میں کانگرس کے بہت سے انتہا پسند ممبر ایک ایسی حکومت کا خواب دیکھ رہے ہیں جو ہمارے خیال کے مطابق پسندیدہ حکومت POPULAR GOVERNMENT کی بجائے جماعتی حکومت OLIGARCHY سے مشابہ ہو گی۔چونکہ طریقہ انتخاب اور نمائندہ مجالس ناکام ہو چکی ہیں۔ڈاکٹر ڈیڈین اور مسلمان کانگرس کی مجوزہ مجلس دستور ساز CONSTITUENT ASSEMBLY پہ آئندہ ذمہ دار حکومت کے سلسلہ میں کوئی اعتماد نہیں کر سکتے۔ہندوستان کے اس الجھے ہوئے مسئلہ کا صحیح حل مسٹر جناح یہ پیش کرتے ہیں۔کہ ہندوستان کو تقسیم کر دیا جائے دو ڈامینین

ان سے اس معاملہ میں بالکلیہ اتفاق کرتے ہیں۔ کانگرس اس سے اختلاف
کرکے اپنی آپ تردید کر رہی ہیں، کیونکہ وہ خود بھی تو ہندوستان کو لسانی صوبوں
پر تقسیم کر دینے کی قائل ہے۔ ہندوستان کی تقسیم سے کشمکش میں شدت نہیں
ہوگی۔ جب مختلف نسلوں کے لوگ ایک ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں تو کشمکش
پیدا ہوتی ہے لیکن جب یہ لوگ الگ الگ رہیں گے تو جھگڑا اور فساد
کی بنیاد ہی نہیں رہے گی۔

برما و سیلون سے قطع نظر کر کے موجودہ گیارہ صوبوں کے علاوہ ہندوستان
میں ایسی (۱۰۰) ریاستیں ہیں جن کا حکومت ہند سے بذریعہ ایجنٹ راست
تعلق ہے اور ایسے کل علاقے جو دیسی ریاست کہے جاتے ہیں تقریباً (۶۰۰)
ہیں۔ تجویز تقسیم کا مقصد صرف یہ ہے کہ گیارہ کی بجائے تین (۳) حصے قرار دیئے جائیں۔
ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین حقیقی اتحاد کا پیدا ہونا بالکل ناممکن ہے
ایک مرتبہ بڑی شدومد سے اس کی کوشش اکبر نے شروع کی تھی۔ اس نے
اپنے وقت کے بہترین اشخاص مثلاً ابوالفضل اور فیضی وغیرہ کو اپنے گرد جمع
کیا۔ ان کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ ہندوؤں کے مقدس نوشتوں، شاستروں
اور ہندو فلسفہ کی کتابوں کا ترجمہ کریں۔ راجپوت نسل کا غرور۔ جے پور اور
جودھ پور کی راجکماریوں سے رشتہ کر کے اعتدال پہ لایا گیا۔ ان راجکماریوں
کو محل کی دوسری شہزادیوں کے برابر۔ بلکہ بلند مرتبہ عطا کیا گیا تھا۔ خود
شہنشاہ اپنے ہندو اور مسلمان مشیروں کی رہنمائی میں ان دو قوموں کے
مابین اتحاد کے بانی بن گئے اور یہ پالیسی شہنشاہی دربار پہ ایک سو سال
تک مسلط رہی۔ محسوس کیا گیا کہ ان دونوں قوموں کا امتزاج ایک جدید
مذہب کے ذریعہ اور بھی زیادہ ناپائیدار ہوگا۔ دین الٰہی کی بنیاد ڈالی

گئی۔ اس میں ہندوؤں، مسلمانوں اور دوسرے مذاہب سے اچھی اچھی باتیں
چن کر داخل کی گئیں۔ اپنی رعایا کی دلدہی کے لئے اکبر نے گوشت کا استعمال
ترک کر دیا اور ہندو رانیوں کے مذہبی تہواروں میں شرکت کی۔ اختلاف
کی بنیادوں کو مٹانے اور یگانگی پیدا کرنے کی یہ ساری ترکیبیں کسی کی دخل اندازی
کے بغیر ہی جہانگیر اور شاہجہان کے دور میں خود بخود ختم ہوگئیں ان سارے
انتظامات کے برخلاف ہندو مسلم اتحاد ناممکن ہوتا گیا۔ ہندو خود آپس
میں ایک دوسرے سے مل کر ایک قوم کبھی نہیں بن سکتے تو ہندوؤں اور
مسلمانوں کے آپس میں اتحاد کر کے ایک قوم بن جانے کی امید کیا ہو سکتی
ہے۔ ان حالات میں سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ ہندوستان کو آریائی
ہند، ڈراویڈی ہند اور اسلامی ہند تین حصوں پر تقسیم کر دیا جائے۔

ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ یورپ اور امریکہ میں اس قسم کے سوال کو کس طرح
حل کیا گیا ہے۔ کینیڈا اور السٹر اس طریقۂ حل کا بہترین نمونہ مہیا کرتے
ہیں۔ جس کے ذریعے اس مسئلہ کو حل کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ حل کیا گیا۔
صوبہ کیوبے (QUBEE) کے فرنچ کناڈین دومینین آف کینیڈا
شریک ہو گئے کیونکہ اس صوبہ میں ان کی زبردست اکثریت ہے۔ اور یہ
یقین کیا جا سکتا تھا کہ کوبے کی مجلس قانون ساز میں ان کو محض آلۂ کار بنا لیا
جائے گا۔ اسی طرح آئرلینڈ سے السٹر کے علاقہ کو کاٹ کر الگ کر لیا گیا کیونکہ
آزادی کی اکثریت مذہباً پروٹسٹنٹ تھی۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد سے
جو حکومتیں یورپ میں قائم ہوئی ہیں وہ اسی ذہنیت اور طریقۂ عمل کا پتہ
دیتی ہیں۔ ریاستہائے لیٹیویا، ہسٹونیا اور لیتھونیا کے دستور بغیر کسی خرابی
کے صرف اس لئے اچھی طرح جاری رہے کہ وہاں کے مسائل بالکل صاف

ہیں۔ نسلی، مذہبی یا فرقہ داری اختلافات اور کشمکش وہاں موجود ہی نہیں رہی۔ یہ حکومتیں ایسی رعایا کی مرضی اور خوشنودی سے قائم ہوئی ہیں جو مذہبی، نسلی اور ثقافتی اتحاد رکھتی ہے۔

دوسری وحدانی UNITARY اور اساسی (ORGANIC) حکومتوں میں بھی صورت حال یہی ہے۔ انگلستان، فرانس اور جرمنی کو دیکھیئے۔ وسیع آبادی میں معاشی سوالات تو پیدا ہوتے ہیں مذہبی یا نسلی اختلافات رونما نہیں ہو سکتے۔ اب ذرا ان ممالک سے قبل جنگ کی سلطنت "آسٹریا ہنگری" کا مقابلہ کیجئے۔ ہر وہ شخص جس نے اس سلطنت کے دستور کو کام کرتے ہوئے دیکھا ہے، اچھی طرح جانتا ہے کہ روزانہ کس قدر سخت الجھاوے پڑتے تھے اور کس طرح یہ ثابت ہو گیا کہ ایک مضبوط پارلیمانی حکومت کا قیام ناممکن ہے۔ مختلف مذاہب اور مختلف نسلوں کی مرکز گریز قوتیں اتنی زبردست تھیں کہ دوران جنگ ہی میں حکومت مرکزی کا شیرازہ بکھر گیا اور پوری شہنشاہیت کے ویرانہ پر چیکوسلوکیا، آسٹریا، ہنگری اور پولینڈ کی حکومتیں قائم ہوئیں۔ قومیت اور تہذیب کے الجھے ہوئے مسائل نے اپنا حل تقسیم میں تلاش کر لیا۔

ان حالات میں سب سے اچھا طریقۂ عمل یہی ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کو تقسیم کر دیا جائے۔"

"تائید کی ایک اور آواز

حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں کا آرین طبقہ سارے ہندوستان پر، مسلمانوں پر، اچھوتوں پر، دڑاوڈین پر حکومت کرنا چاہتا ہے۔ اپنے اس عزم سے وہ دستبردار

ہونا نہیں چاہتا۔ پاکستان کی مخالفت بھی اسی کی طرف سے ہو رہی ہے ہندوؤں کے وہ طبقے جو آرین طبقہ کی دراز دستیوں کے شکار ہو رہے ہیں۔ وہ نہ صرف پاکستان کے حامی ہیں، بلکہ اپنی گلو خلاصی کی ترکیبیں بھی سوچتے رہتے ہیں اور اپنے جذبۂ علیحدگی کا فاش و برملا اظہار و اعلان بھی کرتے رہتے ہیں۔

سلیم (مدراس) میں ۱۹؍ اپریل ۱۹۴۰ء کو یوم پاکستان کے موقع پر جسٹس پارٹی کے ایک لیڈر مسٹر راماسوامی نے ایک معرکہ آرا تقریر کی جس کی رپورٹ سنڈے آبزرور ۲۸؍ اپریل ۱۹۴۰ء میں شائع ہوئی۔ ذیل میں اس تقریر کا اہم اور ضروری اقتباس درج کیا جاتا ہے۔

ہندوستان کبھی ایک واحد ملک یا متحدہ قومیت کا گہوارہ نہ تھا۔ ہاں باہر سے آنے والوں نے مختلف وقتوں میں سیاسی مصالح کے لئے اسے ایک بنا دیا۔

ہندوستان میں جو قومیں آباد ہیں وہ کسی ایک نسل سے نہیں ہیں۔ یہ ایک ماں باپ کی اولاد نہیں کہے جا سکتے۔ کسی جیل خانہ کا داروغہ قیدیوں کا بزرگ نہیں ہو سکتا۔ نہ وارڈ اور بندانداز کو قیدیوں کا سرپرست کہنا صحیح ہو گا۔ بالکل اسی طرح برطانیہ یا آرین ہندوستان کے خاندانی بزرگ یا ہمارے سرپرست نہیں کہے جا سکتے۔

مزید برآں یہ ایک امر واقع ہے کہ ہندوستانی باشندے ایک ماں کی اولاد نہیں۔ بلکہ مختلف خاندان کے ارکان ہیں، جو مذہب، وطن اور عادات وغیرہ میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف واقع ہوئے ہیں۔

یہ متخالف اجزاء ایک دوسرے سے اس قدر متخالف ہیں، کہ کسی طرح

وہ مزعومہ متحدہ خاندان بن ہی نہیں سکتا جس کے تقسیم کی صورت میں تباہ ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ یہ ایک ناقابل انکار اور مسلمہ حقیقت ہے کہ ہندوستان ماضی میں بھی کسی وقت متماثل الاجزاء خاندان کی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔

آریہ، مسلمان اور ڈراویڈین کبھی ایک خاندان کے اجزا نہ تھے، یہ تمام متخالف عناصر ایک دوسرے سے صرف اس لئے جوڑ دئے گئے کہ یہ سب کے سب ایک ہی حکومت کے غلام ہو گئے۔ یہ نقلی اتحاد مسلم اور ڈراویڈین مفاد کے لئے نقصان دہ ثابت ہوا اور یہی ہے کہ یہ دونوں تقسیم کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ آریہ کا اس سے ناخوش ہونا اور اس کی مخالفت کرنا ایک بالکل طبعی امر ہے کیونکہ ان کے مفاد اس نقلی اتحاد سے وابستہ ہیں۔ تقسیم کا مطالبہ صرف اس امر کا مطالبہ ہے، کہ ایک نسل دوسری نسل پر جو دستبرد وار کر رہی ہے اسے ختم ہو جانا چاہیئے۔ آریہ کی یہ کوششیں کہ وہ ہمیشہ ملک کے تمام ذرائع پر قابض رہیں اور دوسروں پر ان کی دستبرد ختم نہ ہونے پائے بالکل ایسی ہے جیسے کسی امیر آدمی کا ایک ناجائز بیٹا دوسرے جائز وارثوں کے شدید مطالبۂ تقسیم کے باوجود باپ کی تمام متروکہ جائیداد پر قبضہ قائم رکھنے کی کوشش کرے اور کسی طرح اس کے لئے راضی نہ ہو کہ جائیداد حسب حصۂ رسدی تقسیم کر دی جائے۔

سر ہومی مودی اور سر جان متھائی

سر تیج بہادر سپرو نے جو دستوری کمیٹی مسائل ہند کے تصفیہ کے لئے بنائی تھی۔

اس کے مخصوص ممبروں میں سر ہومی (مودی، "پارسی") اور سر جان تھمائی (عیسائی) بھی تھے یہ حضرات سر سپرو کی درخواست پر کمیٹی کو ماہر اقتصادیات و مالیات کی حیثیت سے مشورہ دینے کے لئے شریک ہوئے تھے۔ سپرو کمیٹی نے تقسیم ہند کے مطالبہ کی سخت و شدید مخالفت کی اور ہندوستان کی وحدت قائم رکھنے پر اصرار کیا۔ سر مودی اور سر متھائی نے کمیٹی کے اس فیصلہ سے اتفاق نہیں کیا اور ایک اختلافی نوٹ لکھا، جو ۱۳ دسمبر ۱۹۴۵ء کے اخبارات میں شائع ہوا۔

"ہمیں افسوس ہے کہ پاکستان کے مسئلہ پر ہم اپنے رفقاء سے اتفاق نہیں کر سکتے۔ ہمارا نظریہ یہ ہے کہ اگر ایک اسکیم جو ہندوستان کی سیاسی وحدت کو مسلم جانتی ہے، مسلمانوں کے لئے قابلِ قبول نہ ہوئی، اور اگر ہونے والے انتخابات کے نتائج نے عمومی طور پر مسلم لیگ کی پوزیشن کو مضبوط تر کر دیا تو موجودہ جمود کو ختم کرنے کے لئے تقسیم اور علیحدگی پر افسوس نہ کرنا چاہیئے۔ اگر ایک سمجھوتہ کے لئے کوئی دوسری بنیاد نہ مل سکے تو ہمیں تقسیم کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔"

پاکستان کے محرکات اور نتائج

مسلم لیگ کی طرف سے ایک کتاب PAKISTAN MUSLIM INDIA شائع ہوئی ہے، یہ کتاب بہت اہم مواد پر مشتمل ہے۔ ذیل میں اس کے ایک باب کے چند پہلوؤں کا اقتباس درج کیا جاتا ہے، اس سے اندازہ ہو سکے گا کہ پاکستان کے محرک کیا ہیں؟ اور اگر یہ اسکیم بروئے کار آ جائے تو اس کے اثرات و نتائج کیا مرتب ہوں گے؟ اور ان سے مسلمانوں کے تعمیری، سیاسی، صنعتی اور تجارتی مستقبل کو کیا فوائد حاصل ہوں گے؟

(۱) پاکستان کے باشندے بقیہ ہندوستان کے باشندوں سے بہ اعتبار نسل مذہب اور زبان کے مختلف واقع ہوئے ہیں اور ان میں وہ تمام عناصر ترکیبی موجود ہیں جو ایک قوم کی تشکیل کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ وہاں کے مسلمانوں، سکھوں اور ہندوؤں کے درمیان بقیہ ہندوستان کے باشندوں کی بہ نسبت زیادہ چیزیں مشترک ہیں۔ مذہبی اعتبار سے سکھوں اور آریہ سماجوں کا عقیدۂ توحید اور مذہب کے آسمانی ہونے کا عقیدہ دوسری جگہ کے ہندوؤں کے عقائد کی بہ نسبت مسلمانوں کے عقائد سے زیادہ مشابہت و مطابقت رکھتا ہے۔ نسل کے اعتبار سے وہاں کے تمام لوگ آریائی ہیں۔ جہاں تک زبان کا تعلق ہے اس پورے خطہ کی سرکاری زبان اُردو (فارسی رسم الخط) میں ہے۔ چھوت چھات، مسجد کے سامنے باجا بجانا اور گاؤکشی وغیرہ کے مسائل وہاں ایسے سنگین اور وجہ طلب نہیں ہیں جتنے بقیہ ہندوستان میں ہیں۔

(۲) متحدہ ہندوستان میں مسلمان اور سکھ دونوں بے بس و درماندہ اقلیت کی حیثیت میں ہوں گے اور مرکز پر ہندو غلبہ کے باعث ان کے مفاد کا معقول تحفظ نہ ہو سکے گا مگر پاکستان میں مسلمانوں یا سکھوں کو اپنی تہذیب کے فنا ہو جانے کا کوئی خطرہ نہیں رہے گا، کیونکہ وہ صدیوں سے ساتھ رہ بس رہے ہیں اور ایک دوسرے کے نقطۂ نظر سے کافی واقف ہو چکے ہیں۔"

(۳) گزشتہ زمانہ میں بھی پاکستان کی حیثیت بقیہ ہندوستان سے ممتاز و مختلف رہی ہے۔ ہندوؤں کے عہدِ حکومت میں یہ خطہ کبھی ہندو سلطنت کے زیر نگیں نہیں رہا۔ چندر گپت کے زمانہ میں البتہ یہ علاقہ

تھوڑے دنوں تک اس کی سلطنت میں شامل رہا لیکن گپت اور ہرش کی سلطنت کی حدود کبھی جمنا سے آگے نہیں بڑھی۔ راجپوتوں کے زمانہ میں اس پر خود مہیں کے راجاؤں کی حکومت رہی ہے۔ مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں یہ علاقہ بسبب ان کی قوت و شوکت کے محکم ترین ستون ہونے کے ہمیشہ ایک امتیازی شان و حیثیت کا مالک اور جمنا کے اس طرف کے حصّہ سے جسے ہندوستان کہا جاتا ہے۔ بیّن طور پر ممتاز رہا ہے۔ برطانیہ کے زیر اقتدار آنے سے قبل پاکستان نے پہلے پٹھانوں کے اور اس کے بعد سکھوں کے ماتحت اپنی انفرادی اور امتیازی حیثیت پھر حاصل کر لی تھی۔ ہندوستان اپنی موجودہ ہیئت کے لحاظ سے محض برطانوی پیداوار ہے اور گزشتہ زمانہ میں اس کا موجودہ حدود کے ساتھ کبھی وجود نہ تھا۔

(۴) پاکستان ایک ایسا ممتاز طبعی خطّہ ہے جس میں دریائے سندھ اور اس کے معاون دریاؤں کی ترائیاں واقع ہیں اور ان دریاؤں کا بہاؤ اس سے بالکل مختلف سمت میں ہے جس میں بقیۂ ہندوستان کے دریا بہتے ہیں۔ اس خطّہ کا نظام آبریزی بھی بالکل جُدا ہے۔

(۵) اس خطّہ کی آب و ہوا اور جغرافیائی حالات نے یہاں کے لوگوں کو امتیازی خصوصیات کا حامل کر دیا ہے، قد و قامت، رنگ و روپ ناک نقشہ طریقِ زندگی طرزِ معاشرت اور رسم و رواج کے اعتبار سے یہاں کے باشندے بقیۂ ہندوستان کے باشندوں سے صریحاً ممتاز و مختلف ہیں۔

(۶) اس خطّہ کا اپنا علیحدہ ریلوے نظام ہے جسے شمال مغربی ریلوے

کہتے ہیں اور جس کی شاخیں سارے خطے میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس کی تمام تجارتی درآمد برآمد کراچی کی بندرگاہ سے ہو کر گزرتی ہے۔ جو اس خطہ کے تمام اہم شہروں سے بذریعہ ریل ملا دیا گیا ہے۔

(۷) پاکستان کے اقتصادی مفادمیں اور بقیہ ہندوستان کے اقتصادی مفاد میں صریح تصادم ہے۔ پاکستان خاص طور پر زرعی علاقہ ہے جہاں غلہ، کپاس، تلہن، چمڑا اور کھالیں وغیرہ باہر بھیجی جاتی ہیں اور مصنوعات اور مشینریاں باہر سے منگائی جاتی ہیں۔ درآمد / برآمد دونوں کے اعتبار سے پاکستان کو بہ مقابلہ ہندوستان کے یورپ سے کہیں زیادہ تجارتی رابطہ قائم رکھنا پڑے گا۔ پاکستان کی پیداوار کا بہترین خریدار کم از کم ایک مدت تک یورپ ہی ہوگا۔ جہاں سے ان خام اشیاء کے عوض میں اس کو مصنوعی اشیاء مل سکیں گی مگر ہندوستان کا ایک جزو بن کر رہنے کی صورت میں پاکستان کو ہمیشہ کے لئے بمبئی، احمد آباد اور کانپور کے مالکان کارخانہ کے رحم و کرم پر رہنا پڑے گا، کیونکہ یہ لوگ مرکزی حکومت پر دباؤ ڈالتے رہیں گے کہ وہ تحفظ کی پالیسی اختیار کرے۔ اس طرح درآمد پر بھاری محصول لگا دئے جائیں گے۔ اس پالیسی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پاکستان کو لامحالہ ہندوستانی مال کی خرید پر مجبور ہونا پڑے گا۔ اسے اپنی صنعتوں کو فروغ دینے کا موقع نہ ملے گا۔ اور اس کے کسان بھوکوں مر جائیں گے کیونکہ انہیں اپنی خام پیداوار کی نکاسی کے لئے منڈی نہیں ملے گی۔ انہیں وجوہ کی بنا پر مسٹر کالورٹ نے اپنی کتاب "دولت و خوشحالی" میں لکھا ہے کہ پاکستان کا مرکزی وفاق میں شامل ہونا اس کی خودکشی کے مترادف ہوگا۔

(۸) پاکستان عسکری قوموں کا مسکن ہے، جو بیرونی حملہ کی مدافعت کر سکتی ہیں۔

(۹) پاکستان اتنا وسیع علاقہ ہے کہ وہاں ایک مضبوط قومی حکومت قائم ہو سکتی ہے۔ رقبہ میں یہ علاقہ فرانس سے دگنا اور آبادی میں اٹلی کے برابر ہے۔

(۱۰) پاکستان میں باعتبار اراضی، جنگلات اور معدنیات، اتنے کافی وسائل موجود ہیں کہ جس وقت ان کی معقول ترقی کا انتظام ہو جائے گا تو یہ دو چند بلکہ سہ چند آبادی کے اسباب معیشت فراہم کرنے کے لئے کافی ثابت ہوں گے۔

(۱۱) آزاد پاکستان سرحدی قبائل کو حسن سلوک اور اقتصادی مراعات کے ذریعہ اپنا رفیق و حلیف بنا لے گا اور مزید برآں افغانستان سے اور ایشیا کے دیگر جنوب مغربی ریاستوں سے بھی روابط قائم کر سکے گا۔ اس طرح سے سرحد پر بہت بڑی فوج رکھنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ وہ بے شمار رقم جو اس وقت جنگی اخراجات میں نکل جاتی ہے بچ جائے گی اگر افغانستان اور ایران یا ایران اور ترکی کی سرحدیں تھوڑی تھوڑی سی فوجیں رکھ کر محفوظ رکھی جا سکتی ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ پاکستان کو اس مقصد کے لئے ایک زبردست فوج رکھنی پڑے۔

(۱۲) پاکستان جب ایک آزاد ریاست کی صورت اختیار کر لے گا تو وہ آمدنیاں جو انکم ٹیکس اور محاصل درآمد وغیرہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ مرکزی خزانہ میں داخل ہونے کے بجائے پاکستان ہی کی آمدنی میں شامل ہوں گی۔ تحفظ مدافعت کے اخراجات ان وسائل سے پورے ہو جایا

کریں گے۔ اور صوبہ سرحد و بلوچستان جیسے کم آمدنی والے صوبوں کی معاونت بھی ہو سکے گی۔

مطالبۂ پاکستان جائز ہے یا ناجائز؟

پاکستان کا مطالبہ ناجائز ہے، نامناسب ہے، نامعقول ہے۔ یہ الفاظ کانگرس کے ایوان سے نکلے اور تمام ہندو دماغ پر چھا گئے۔

تقسیم کا سوال ایک فطرتی سوال ہے۔ علیحدگی کا مسئلہ ایک ناگزیر مسئلہ ہے اس پہ نہ برہم ہونے کی ضرورت ہے، نہ خفا ہونے کی، بلکہ انصاف اور معقولیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ اسے بے چون وچرا تسلیم کر لیا جائے۔

پاکستان اور مسلمانانِ ہند (PAKISTAN & MUSLIM INDIA) کا مؤلف اس کے اسباب و عوامل اور موثرات و نتائج پر گفتگو کرتا ہوا لکھتا ہے:۔

"گذشتہ جنگِ عظیم کے بعد ہی ایک ایسا اصول مرتب کر لیا گیا تھا جس کی بنا پر اقلیتوں کی دو قسمیں قرار دی گئی تھیں۔ ایک وہ جو مستقل قوم کی حیثیت رکھتی ہیں دوسری وہ جنہیں جماعت تحت القوم یا قوم اندر قوم کہنا چاہیئے۔ اوّل الذکر کے لئے حقِ آزادی و خود مختاری تسلیم کیا گیا۔ اور موخر الذکر کو اس کا استحقاق دیا گیا کہ ان کے مذہب زبان اور تہذیب کے تحفظ کی مکمل ضمانت کی جائے۔ یہ اصول موضوعہ جس بنیادی تخیل پہ وضع کیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ اگر کوئی اقلیت کسی ایسے علاقے میں یکجا آباد ہے جس کی سرحدیں کافی واضح اور معین ہیں اور اس کے جغرافیائی حدود میں مناسب ترمیم کر کے اس اقلیت کو معقول اور موثر اکثریت میں بدلا جا سکتا ہے تو اسے آزاد اور خود مختار قومی ریاست بننے کا حق ملنا

چاہیئے۔

اس زمانہ میں مسئلہ اقلیت نے آسٹریا ہنگری میں جہاں دوعملی تھی۔ نیز یورپین روس اور ترکی سلطنت میں کافی شدت اختیار کر لی تھی اور جنگ کے بعد مدبّرین یورپ نے صورتِ حال کی از سرِ نو تشکیل کا کام اپنے ہاتھ میں لیا تو وہ مسلسل کئی موقعوں پہ کانفرنسوں میں سر جوڑ کر بیٹھے اور مسئلۂ اقلیت کی تمام پیچیدگیوں کو متعین اور صاف کرنے کے لئے انہوں نے نہایت مفصل اور جامع اسلوب و مناہج مرتب کئے۔

اس سلسلہ میں تقریباً ایک درجن نئی حکومتیں معرضِ وجود میں لائی گئیں جن میں بعض تو ایسی تھیں کہ ان میں قوتِ مدافعت تھی۔ نہ ان کی سرحدیں ایسی واضح اور معین تھیں کہ انہیں تاریخی یا جغرافیائی اعتبار سے دیگر ریاستوں سے صحیح معنوں میں ممیز کیا جا سکتا۔ آسٹریا، ہنگری کی خاکستر سے چیکوسلوکیا آسٹریا اور ہنگری کی ریاستوں کی تخلیق کی گئی۔ رومانیہ اور سربیا کے حدود میں یوں تو توسیع کی گئی کہ جن علاقوں میں یہاں والوں کے ہم قوم آباد تھے انہیں ان ریاستوں میں شامل کر دیا گیا۔ یورپین روس کی مغربی سرحد پہ پانچ ریاستوں کا ایک سلسلہ قائم کر دیا گیا جس نے روس کے لئے خشکی اور تری دونوں طرف سے مغرب کی راہیں مسدود کر دیں فن لینڈ۔ استھونیا لٹویا۔ لتھوانیا اور پولینڈ نے روس کی ساری مغربی سرحدیں گھیر لی۔ صرف لینن گراڈ کے اردگرد کا تھوڑا سا ساحلی علاقہ رہ گیا۔ ریگا اور ہلسنگفورس جیسے بندرگاہ روس کے قبضہ سے نکل گئے۔

اس موقع پہ بالشویکوں نے جنہیں اب روس پہ مکمل اقتدار حاصل

ہو چکا تھا۔ ان تمام ریاستوں کے حقِ آزادی کو تسلیم کرکے نہایت فراخدلی کا ثبوت دیا۔

حق خود اختیاری کے اصول کا نفاذ جس کی بنا پہ ایک درجن قومی اقلیتوں کو جو مجموعی طور پہ آٹھ کروڑ نفوس پر مشتمل تھیں۔ صرف اس خیال سے نہیں روکا جا سکتا تھا کہ آزادی پانے والی ریاستوں میں اپنے پیروں پہ کھڑے ہونے کی تاب نہیں ہے یا یہ اپنی طاقتور ہمسایہ قوموں کے حملوں کی مدافعت نہ کر سکیں گی۔ ورنہ اس نظریہ کو اگر اس کے آخری منطقی نتائج تک لے جایا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ کسی کمزور ریاست کو اپنی آزادی برقرار رکھنے کا حق ہی نہیں۔

ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ فرانس جس کی آبادی جرمنی کے نصف ہے بغیر طاقتور حلیفوں کی مدد کے جرمنی کے حملہ کی مدافعت نہیں کر سکتا موجودہ جنگ سے اس کا بین ثبوت مل چکا ہے لیکن اس کے یہ معنی تو نہیں کہ اب فرانس حق استقلال و آزادی کا مستحق نہ رہ گیا۔

بعض حضرات یہ تجویز کرتے ہیں کہ کمزور ریاستوں کو مل کر مشترکہ مدافعت و محافظت کے لئے وفاق بنا لینا چاہیئے مگر اس موقع پر بھی وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ آخر اس کا بھی تو امکان ہے کہ بعض وفاق اپنے ہمسایہ ریاستوں بلکہ وفاقوں سے قوی تر ہو جائیں اور ان کے لئے مستقل خطرہ ثابت ہوں۔

مثال کے طور پہ فرض کیجئے کہ ترکی، عراق، ایران اور افغانستان کی

مسلم ریاستیں محض بغرض مدافعت و محافظت ایک وفاق بنا لیں، کیا ایسی صورت میں یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ چاروں ریاستیں مل کر بھی ایک متحدہ اور طاقتور روس کے حملے کا کامیاب مقابلہ کر سکیں گی۔

بد قسمتی سے ہندوستان کے کانگریسی قوم پرست جو اپنے سیاسی تصورات کے اعتبار سے سو فیصد سامراجی واقع ہوئے ہیں ایک ایسی قوم کی جو نو کروڑ افراد پر مشتمل ہے مگر اتفاقی طور پہ ایک ایسے نیم براعظم میں اقلیت میں واقع ہوئی ہے جو کبھی ایک سیاسی وحدت کی صورت نہ رکھتا تھا اور محض برطانوی سنگینوں کی نوک سے متحد کیا گیا ہے حق خود اختیاری دینے کو تیار نہیں ہے۔ دنیا میں کوئی مثال نہیں مل سکتی کہ اتنی بڑی قوم جو باعتبار آبادی جرمنی کی ہمسر ہو، اقلیت کی حیثیت قبول کر لینے پر قانع ہو سکی ہو۔ مزید برآں دنیا میں کوئی نظیر نہیں پیش کی جا سکتی جہاں اقلیت اور اکثریت کے درمیان اتنے شدید بنیادی اختلاف ہوں جتنے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ہیں۔

اس وقت ہندوستان میں پینتیس کروڑ آبادی میں سے نو کروڑ یعنی ایک چوتھائی مسلمان ہیں لیکن اگر وہ نو کروڑ کے بجائے صرف تیس لاکھ بھی ہوتے اور یہ سب ہندوستان کے کسی خاص حصہ مثلاً سندھ میں یکجا آباد ہوتے تو بھی کوئی معقول جواز اس کا نہ ہو سکتا تھا کہ انہیں بشرط خواہش حق استقلال و آزادی سے محروم رکھا جائے۔"

پاکستان کے قیام پر جواہر لال اور کانگرسی لیڈروں کی طرف سے آئے دن جو خدشات و خطرات ظاہر کئے جاتے ہیں کیا ان کا شافی جواب

نہیں ہے؟

اعترافِ رائے اور رمز و اصول

پاکستان پر ٹھوس اور معقول شبہات و خطرات ذیل کے طور سہ گانہ سے باہر نہیں جا سکتے:۔

(۱) مسلمان پاکستان کے قائل ہیں یا نہیں؟

(۲) اقلیتوں کے ساتھ پاکستان میں کیا سلوک ہوگا؟

(۳) اپنی ہمسایہ حکومت ہند کے ساتھ پاکستان کا رویہ کیا ہوگا؟

مسٹر جناح ان تینوں اعتراضات و خطرات کا واضح اور غیر مشکوک جواب دے چکے ہیں۔ اس کے بعد اب کوئی حقیقی اور واقعی اعتراض وارد ہی نہیں ہو سکتا۔

پہلی شق کے بارے میں انہوں نے فرمایا کہ مسلمانوں کی رائے اگر معلوم کرنی ہے تو استصواب رائے عامہ کے اصول پر عمل کیجئے اور ایک وسیع ترین حلقۂ انتخاب قائم کر کے مسلمانوں کی رائے لے لیجئے، اگر استصواب کا نتیجہ یہ نکلے کہ مسلمان پاکستان کے موید ثابت ہوں تو یہ مطالبہ تسلیم کیجئے ورنہ مسترد کر دیجئے۔

(۴) اقلیتوں کے بارے میں مسٹر جناح نے یہ جواب دیا کہ جو سلوک ہندوستان کے صوبوں میں مسلم اقلیتوں کے ساتھ ہوگا وہی مسلم صوبوں میں ہندوؤں کے ساتھ روا رکھا جائے گا۔ اس جواب کے بعد کوئی خطرہ باقی ہی نہیں رہ جاتا۔

(۵) پاکستان اور ہندوستان کے باہمی تعلق کے بارے میں قائد اعظم نے یہاں تک کہہ دیا کہ ہم امریکہ کے رمز و اصول پر ایک سمجھوتہ کر لیں گے جس طرح کناڈا پر کوئی حملہ کرے تو وہ حملہ براہِ راست امریکہ پر متصوّر ہوگا۔ اسی طرح اگر ہندوستان پہ کوئی حملہ کرے گا تو ہم اسے براہِ راست پاکستان پر حملہ تصوّر کریں گے اور

پوری قوت سے ہندوستان کا ساتھ دیں گے اس کے بعد بھی کوئی جائز اور معقول شبہ ہندوستان اور پاکستان کے باہمی تعلقات کے بارے میں وارد کیا جا سکتا ہے؟

پاکستانی اسکیم کا نقشہ

ایسوسی ایٹیڈ پریس آف امریکہ کو قائد اعظم نے ایک بیان دیتے ہوئے ۹ نومبر ۱۹۴۵ء کو پاکستان کی ایک واضح اسکیم پیش کی جو بہت سی غلط فہمیوں کا گرہ کُشا ہے آپ نے فرمایا:۔

”حکومت پاکستان میں اقلیتوں کو خاطر خواہ نمائندگی کا حق دیا جائے گا۔ پاکستان کی ہندو اقلیت کو میں یقین دلاتا ہوں کہ بہر صورت ان کے حقوق کی حفاظت کی جائے گی کیونکہ کوئی مہذب حکومت کامیابی کے ساتھ اس وقت تک نہیں چلا سکتی جب تک اسے اقلیت کا پورا پورا اعتماد حاصل نہ ہو۔

پاکستان کے مختلف علاقوں میں امریکہ، کینیڈا اور آسٹریلیا کے اصولوں پہ کامل آزادی کار فرما ہوگی لیکن پاکستان کی مرکزی حکومت کو بعض اہم اختیارات حاصل ہوں گے۔

اگر حکومت برطانیہ تمام دنیا میں منتشر رہ کر بھی طاقتور رہ سکتی ہے تو حکومت پاکستان بھی ہندوستان کے مشرق و مغرب میں رہ کر بہت مضبوط رہ سکتی ہے۔

میں ایک شہری اور مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے بول رہا ہوں میں پاکستان کے قانون ساز باڈی پر تبصرہ کرنے سے احتراز کرتا ہوں تاکہ لوگوں میں یہ غلط فہمی نہ ہو جائے کہ میں آج ہی ایسا کرنے کا خواہشمند

ہوں۔ پاکستان کی تشکیل حسب ذیل طریقوں پر ہوگی۔

ہندوستان کے شمال مغرب میں شمال مغربی سرحد بلوچستان سندھ اور صوبہ پنجاب شامل ہوں گے۔ مشرقی ہندوستان میں پاکستان کا دوسرا حصہ ہوگا جس میں صوبہ بنگال (جس میں کلکتہ کا مالدار اور تجارتی شہر اور بندرگاہ شامل ہوگا۔) اور صوبہ آسام بھی ہوں گے۔

پاکستان دو حلقوں میں تقسیم ہونے کے باوجود ایسا سمجھا جائے گا کہ پاکستان ایک ملک ہے جس کی مختلف ریاستیں ایک گروپ میں شامل ہیں اور یہ کہ اس کے فطری ذرائع اور آبادی پاکستان کی صفِ اوّل کی طاقت کے ساتھ کھڑا کرنے کے لئے کافی ہیں۔ پاکستان کی حکومت دس کروڑ انسانوں پر مشتمل ہوگی۔ انگلستان فقط ساڑھے تین کروڑ کی آبادی سے ایک طاقت بن بیٹھا۔

پاکستان کا مستقبل یقیناً بہت ہی شاندار ہے۔ اس میں کثیر مقدار میں لوہا۔ پیٹرولیم۔ سلفر۔ کوئلہ اور دیگر نباتات موجود ہیں جن کو اب تک ہاتھ بھی نہیں لگایا گیا ہے۔ پنجاب میں اس وقت ہائیڈرو۔ الیکٹرک اسٹیشن قائم کئے جا رہے جن کا دنیا کے بڑے بڑے اسٹیشنوں میں شمار ہے جن کی مدد سے دیہاتوں تک میں بجلی کا استعمال عام ہو جائے گا اور صنعتی پروگرام میں ان سے کافی مدد ملے گی۔

یہ بات کوئی معنی نہیں رکھتی کہ کارخانہ جات قائم کر کے کھیت سونے پڑ جائیں اور قحط کی وبا پھیل جائے گی۔

مجھے یقین ہے کہ پاکستان میں ایک پارٹی کی حکومت نہیں ہوگی۔ اور میں خود ایک پارٹی کی حکومت کی مخالفت کروں گا۔ طاقتور پارٹی

کے مقابلہ میں جو مختلف پارٹیاں ہوتی ہیں وہ اس پارٹی کی غلطیوں کو سدھارنے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔"

ان ارشادات سے ان لوگوں کے دل صاف ہوگئے جنہیں واقعی کوئی غلط فہمی تھی لیکن جو ارادی اور سوچی بجھی غلط فہمی میں مبتلا تھے۔ وہ کبھی بھی اس مرض سے نجات نہیں پا سکیں گے۔

پاکستان کی خود کفالتی

پاکستان کے مخالفین سب سے بڑا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ پاکستان اگر قائم ہوگیا تو وہ خود کفیل نہیں ہوگا اس کی آمدنی خرچ سے کم ہوگی اور اگر اس نے خرچ میں کمی کی تو وہ اپنی حیثیت (STATUS) نہیں برقرار رکھ سکے گا۔ بظاہر یہ اعتراض بڑا وزنی معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقتاً یہ بڑا بودا اور لچر اعتراض ہے۔

پاکستان کے بارے میں اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ آزاد ہونے کے بعد مطلق ترقی نہیں کرے گا۔ نہ اپنے معاون سے کام لے گا۔ نہ اپنی زراعت کو ترقی دے گا۔ نہ اپنی تجارت اور کاروبار کو فروغ دے گا۔ نہ اپنی صنعتوں اور حرفتوں کو آگے بڑھائے گا تو بھی وہ بہت سے اور خود مختار ممالک کے مقابلہ میں اس وقت بھی خود کفیل ہے۔ ذیل میں مختلف آزاد ممالک سے اور پاکستان کی موجودہ آمدنی کا، مختلف خود مختار ممالک سے مقابلہ و موازنہ کرتے ہیں اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ مخالفین کے اس دعوے میں کہاں تک صداقت ہے:-

ممالک کے نام	سالانہ آمدنی کا اوسط	ممالک کے نام	سالانہ آمدنی کا اوسط
ترکی	۴۰ کروڑ	مصر	۳۵ کروڑ
ایران	۱۵ "	افغانستان	۹ کروڑ ۵ لاکھ

ممالک کے نام	سالانہ آمدنی کا اوسط	ممالک کے نام	سالانہ آمدنی کا اوسط
مغربی پاکستان	۳۵ کروڑ ۵۸ لاکھ	مشرقی پاکستان	۴۳ کروڑ ۶۲ لاکھ

اب آبادی کا نقشہ ملاحظہ کیجیے:۔

نام ملک	آبادی	نام ملک	آبادی
فرانس	۴ کروڑ ۵ لاکھ ۸ ہزار	انگلستان	۴ کروڑ
اٹلی	۴ " ۳۵ " ۸۰ "	ایران	۱ کروڑ ۵۰ لاکھ
افغانستان	۱ " ۷۰ "	ترکی	۱ " ۸۰ "
مصر	۱ " ۷۰ "	مشرقی پاکستان	۵ کروڑ ۴۳ لاکھ ۹ ہزار ۴۳۴
مغربی پاکستان	۴ " ۵ " ۹۴ ہزار ۸۱۵		

ان اعداد و شمار میں زمانہ کے امتداد کے ساتھ کمی بیشی ہوتی رہتی ہے لیکن نہ اتنی کہ وہ ان کے "اوسط" پر اثر انداز ہو سکے۔ مذکورہ حقائق کی روشنی میں کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ پاکستان اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے؟ اور آزاد و خود مختار ممالک کی صف میں جگہ پا سکے؟

اگر پاکستان قائم ہو گیا!

پاکستان کی معمولی تائید کمیونسٹ پارٹی بڑے زور و شور سے کر چکی ہے۔ اس پارٹی کے جنرل سیکرٹری مسٹر پورن چند جوشی نے پاکستان اور ہندوستان کے امکان یا پاکستان اور ہندوستان کے تعلقات اور ہندوستان کی ہیئت و اہمیت اور دنیا کی اسلامی حکومتوں میں پاکستان کے درجہ اور حیثیت کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"۱۹۱۹ء-۲۰ء کے یادگار دنوں کے بعد سے ہندو مسلم اتحاد ایک خواب بن گیا ہے۔ اس درمیان میں مسلمان دھیرے دھیرے، اپنے آخری مطالبے، یعنی

پاکستان کی طرف بڑھے ہیں۔ اگر کانگرس نے ان کے مطالبے کو مان لیا تو اتحاد کا ایسا دور آئے گا جس کا تصور ہم خواب میں بھی نہیں کر سکتے۔

اگر مسلمانوں کا حق پاکستان مان لیا گیا۔ ہندوستانی مسلمان دنیا کی سب سے بڑی مسلم ریاست کے مالک ہوں گے۔ مغربی پاکستان کی آزاد اور جمہوری ریاست (جس میں انبالہ ڈویژن شامل نہ ہوگا) کی آبادی ۳ کروڑ سے زیادہ ہو گی در آنحالیکہ ترکی اور ایران کی ۱½ کروڑ ہے، مصر کی آبادی ایک کروڑ ۷۰ لاکھ ہے۔ افغانستان کی ایک کروڑ ہے اور عراق کی ۳۰ لاکھ ہے دوسرے اسلامی ملکوں کی آبادی اس سے بھی کم ہے۔ بنگال کی متحدہ آزاد ریاست (جس میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی) کی آبادی ۶ کروڑ ہو گی۔ ہندوستان کے مسلمان دنیائے اسلام کی زندگی میں انقلاب عظیم پیدا کر دیں گے۔ یہاں سے ان کی نشاۃ ثانیہ کا ایک نیا دور شروع ہوگا۔

پاکستان کو ماننے کے معنی متحدہ ہندوستان کے پرانے تصور میں انقلابی تبدیلی کرنے کے ہیں لیکن اس سے ہندوستان کمزور نہیں بلکہ مضبوط اور مطمئن مسلم ریاستوں کا قیام ہماری حفاظت کی ضمانت ہوگا۔ ان کے اور ہندوستان کے درمیان خوشگوار تعلقات کا ہونا لازمی امر ہوگا خواہ یہ تعلقات معاہدوں کی بنا پر قائم ہوں یا اتحاد کی بنا پر پاکستانی ریاستوں کا مفاد بھی اسی میں ہے کہ وہ باقی ہندوستان کے اچھے ہمسائے اور دوست ہوں۔"

اور کوئی شبہ نہیں، وہ دن جلد آئے گا جب دنیا کے نقشہ پر ایک نمایاں ملک ——— پاکستان ——— نمودار ہوگا جو دنیا کی تمام اسلامی حکومتوں سے زیادہ مضبوط اور زیادہ مستحکم ہوگا۔

گاندھی جی کا اعتراف

گاندھی جی پاکستان کے سخت ترین مخالفوں میں ہیں وہ اسے ہندو سامراج کے راستہ میں سب سے بڑا روڑا سمجھتے ہیں اسی لئے وہ اس کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں۔ لیکن آدمی دور بین اور حقیقت شناس ہیں۔ اپنی مخالفت کے باوجود عرصہ ہوا انہوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ مسلمان اگر تل گئے تو وہ پاکستان لے کے رہیں گے چنانچہ ہندوستان ٹائمز (HANDUSTAN TIMES) نے جو ان کے صاحبزادہ دیوی داس گاندھی کی ادارت میں نکلتا ہے ۵ مئی ۱۹۴۰ء کی اشاعت میں ان کا حسب ذیل انٹرویو شائع کیا تھا۔

"اگر ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمان فی الواقعہ اس اسکیم کو نافذ کرنا چاہتے ہیں تو پھر اس خطۂ ارض پر کوئی ایسی طاقت نہیں جو انہیں روک سکے خواہ کتنا ہی تشدد آمیز یا عدم تشدد کے ذریعہ اس کی مخالفت کی جائے۔"

○

برطانوی حکومت اور پاکستان

○

برطانوی حکومت ہندوستان کی آزادی کی اتنی مخالف نہیں ہے جتنی پاکستان کی ہے ہندوستان کی آزادی کو تو وہ چارو ناچار برداشت بھی کر سکتی ہے لیکن پاکستان کا قیام اس کے مقاصد و مصالح کے قطعاً خلاف ہے۔ وہ جانتی ہے کہ اگر پاکستان قائم ہو گیا تو اس سے اخلاقی طور پر ہمسایہ اسلامی ممالک کی قوت میں اضافہ ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ پاکستانی وفاق ایک کنفڈریشن قائم کر لے، جس کے اعضا و جوارح پاکستان، افغانستان ایران اور دیگر ممالک عربیہ و اسلامیہ ہوں اور یہ کنفڈریشن حکومت روس سے مضبوط و مستحکم بنیاد پر ایک اصولی مفاہمت کر لے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ حکومت کے مصالح کے لئے قطعاً ناقابل برداشت ہوگا یہی وجہ ہے کہ حکومت برطانیہ کے سربرآوردہ ممبران نے اگرچہ ایوان پارلیمنٹ تک میں اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ وہ ہندو کانگرس کا دورِ حکومت ہے جس نے پاکستان کا تخیل پیدا کیا۔ مسٹر ایمرے سابق وزیر ہند نے تو صاف صاف ایوان پارلیمنٹ میں یہ باتیں کہیں، لیکن جب حکومت نے محسوس کر لیا کہ یہ مطالبہ اب اہمیت اور نزاکت اختیار کرتا جاتا ہے تو اس نے اس کی صاف صاف مخالفت شروع کر دی ۱۹۴۲ء کے آغاز میں

جب سر کرپس اپنے تجاویز لے کر دہلی تشریف لائے تو وہ اصولاً پاکستان کی حمایت کر چکے تھے یعنی انہوں نے ہندوستان کے ہر صوبے کو کامل آزادی دے دی تھی اور یہ اصول طے کر لیا تھا کہ وفاق ایک سے زائد بن سکتے ہیں لیکن ۱۹۴۲ء کے آخر میں جب حکومت نے کانگرس کی ٹکر جھیلی تو وہ اپنے یہ وعدے فراموش کر گئی اور اس وقت کے وائسرائے لارڈ لن لتھ گو نے دسمبر ۱۹۴۲ء میں کلکتہ کے ایسوسی ایٹڈ چیمبر آف کامرس کے سالانہ خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ ہندوستان کی جغرافی وحدت قائم رکھنا ضروری ہے۔ لارڈ لن لتھ گو جب تک بعد از خرابیٔ بسیار ہندوستان سے رخصت نہیں ہو گئے یہی فرماتے رہے پھر لارڈ ویول تشریف لائے انہوں نے آتے ہی فرمایا اور بڑے سیاہیانہ انداز میں فرمایا "کسی ملک کے جغرافیہ میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا" شاید لن لتھ گو اور ویول یہ سمجھ رہے تھے، کہ مسلمان یہ نطق ہمایونی سُن کر سجدہ میں گر پڑیں گے اور "انت ربنا الاعلےٰ" کا نعرہ بلند کریں گے اور آداب و تسلیمات و کورنش بجا لا کر عرض پیرا ہوں گے۔ ہماری آنکھیں کھل گئیں۔ جہالت کے پردے اُٹھ گئے۔ واقعی ایسا تو حضور کبھی نہیں ہو سکتا کہ کسی ملک کا جغرافیہ بدل جائے۔ ہم اپنے مطالبہ سے دستبردار ہوتے ہیں۔ اب بھی پاکستان کا نام آپ کے سامنے نہیں لیں گے۔

لیکن ان دونوں حضرات کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی۔ مسلمان چٹان کی طرح اپنے فیصلہ پر جمے ہوئے تھے۔ وہ پاکستان کے حصول کی کوششوں میں اور زیادہ سرگرم ہو گئے۔ ان کا جوش اور جذبہ پہلے سے اور زیادہ بڑھ گیا۔ ان کے عزم میں پہاڑ کی سی استقامت پیدا ہو گئی۔ انہوں نے فاش و برملا، وائسرائے کی اس روش کے خلاف احتجاج کیا۔ آخر وائسرائے کو نسبتاً احتیاطی روش اختیار کرنی پڑی اور دسمبر ۱۹۴۵ء میں ویول نے کلکتہ کے ایسوسی ایٹڈ چیمبر آف کامرس میں جو خطبہ دیا اس میں ہندوستان کے لئے "ایک یا ایک سے زیادہ حکومتیں" تسلیم کر لینے پر آمادگی ظاہر کی۔

مسٹر جناح کا بیان

ڈیلی ورکر لندن DAILY WORKER کے نامہ نگار خصوصی کو بیان دیتے ہوئے ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۴ء کو قائد اعظم نے فرمایا :-

"برطانیہ کا حکمران طبقہ پاکستان کے بروئے کار آنے کا سب سے زیادہ مخالف ہے کیونکہ میرے خیال میں (ہندوستان کے) آزادی حاصل کرنے کی سب سے یقینی اور زود اثر ترکیب یہی ہے۔ یہ طبقہ جب متحدہ ہندوستان کا نام لیتا ہے تو اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ برطانوی شہنشاہیت کا تسلط ابداً قائم رہے۔ برطانوی حکومت تقریباً سو سال سے ہمیں اس ڈھرے پر لگائے ہوئے ہے۔ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو غیر فطری اور مصنوعی طور پر ایک رکھنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ اور ہندوؤں کو ایک قومی وحدت کی حیثیت سے ہندوستان کی وحدانی جمہوری اور پارلیمانی حکومت کے خواب دکھاتی رہتی ہے جس کا شرمندۂ تعبیر ہونا قطعاً ناممکن ہے۔ ان باتوں سے حکومت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس طرح ۱۹۳۵ء میں انڈیا ایکٹ کے نفاذ کے وقت اس نے کہا تھا اب پھر کہہ سکے کہ ہم تمہارے آپس کے جھگڑوں کی وجہ سے یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ ہندوستان کی فلاح و بہبود عرضِ تاخیر میں پڑی رہے خدا کے برگزیدہ بندے ہونے کی حیثیت سے ہمارا ایک مقصد حیات ہے اور ہم تمہاری باہمی مفاہمت کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہیں رہ سکتے۔ لہٰذا ما بدولت جو بہ حیثیت آقائے بالائے دست ایک دستور مرتب کر کے تم باہمی لڑنے والوں پہ نافذ کر دو گے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح نافذ کئے ہوئے دستور کی رو سے نہ ہندو آزاد و خود مختار ہو سکتے ہیں نہ مسلمان،

نہ عوام کا کوئی اور طبقہ؟

لارڈ ویول اور پاکستان

الیسوسی ایٹڈ چیمبر آف کامرس کے سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے ۱۴ دسمبر ۱۹۴۴ء کو لارڈ ویول نے کہا:۔

"اگر ہندوستان سیاسی اختلاف کے بخار میں مبتلا رہا۔ اور اس کے سیاسی ڈاکٹروں نے فیصلہ کیا کہ اس کے جسم پر بڑا آپریشن ہونا چاہیئے جیسا کہ پاکستان تو ہندوستان ایک بہترین موقع کھو دے گا۔ اور یہ عظیم ملک خوشحالی اور فلاح کی جنگ میں ناکامیاب رہے گا!"

مسٹر جناح نے لارڈ ویول کی معنویت کو سمجھ لیا، ۱۳ جنوری ۱۹۴۵ء کو احمد آباد میونسپلٹی کے سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا:۔

"مجھے یقین ہے۔ اور میرا یہ اعتقاد ہے کہ ہندوستان کی آزادی اور باشندگان ہند کی نجات کا مختصر ترین راستہ نظریۂ پاکستان سے اتفاق کرنے ہی میں پوشیدہ ہے۔ شاید ایک دن اس حقیقت کو آپ اچھی طرح محسوس کر لیں گے کہ میرے اس تخیل کی مزاحمت اور مخالفت وطنی جماعتوں سے زیادہ حاکم قوم کی طرف سے ہوگی؟"

پھر احمد آباد ہی میں ۱۵ جنوری ۱۹۴۵ء کو اسٹوڈنٹس یونین کے زیرِ اہتمام ایک عظیم الشان جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے لارڈ ویول کا جواب مسٹر جناح نے زیادہ صاف اور واضح الفاظ میں دیا، انہوں نے فرمایا:۔

"پاکستان ہی آزادی کا واحد راستہ اور جان بل کو صحیح راہ پر لانے کا واحد طریقہ ہے۔ پاکستان کے لئے جدوجہد ہندوؤں کے خلاف نہیں بلکہ برطانوی

حکومت کے خلاف جدوجہد کرنا ہے۔ متحدہ ہندوستان کی دلیل بازی برطانوی سازش کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ آپ جو چاہیں کہیں موجودہ "متحدہ" ہندوستان کو ہم نہیں برطانوی مشین گنیں قائم کئے ہوئے ہیں۔ مسلمان وائسرائے کی دلیل قبول نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جب انگریز "متحدہ" ہندوستان کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی مراد عارضی طور پر ظلم و جور سے ہندو مسلمانوں کو ملا دینا ہوتا ہے۔ تاکہ ہم سب کے سر پر وہ خود مسلط رہیں ——— برطانیہ اور آئرلینڈ کے درمیان ہندو اور مسلمانوں کے درمیان مشترک باتوں سے زیادہ مشترک باتیں موجود ہیں۔ پھر بھی دونوں الگ الگ ہیں؟"

مسٹر ایٹلی وزیر اعظم برطانیہ نے، پارلیمنٹ میں ہندوستان والے وزارتی وفد کے حدود و عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے ۱۵ مارچ ۱۹۴۶ء کو فرمایا:۔

"کسی اقلیت کو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ اکثریت کے سیاسی ارتقا کی راہ میں سنگِ گراں بن کر حائل ہو سکے!"

مسٹر جناح نے ہندو پروپیگنڈے سے مسموم وزیرِ اعظم کے بیان کا مفصل و مدلل جواب دیتے ہوئے ۱۴ مارچ ۱۹۴۶ء کو ارشاد فرمایا، اگر حکومت سے حق منوانے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ خون بہانے کی دھمکیاں دی جائیں تو وقت آنے پر،

"مسلمان بھی بتا دیں گے کہ کون زیادہ خون بہا سکتا ہے؟"

اس سے پہلے بھی امن پسند جناح کلکتہ میں کہہ چکا تھا، اگر پاکستان نہ ملا تو مسلمان بغاوت کر دیں گے، نمائندہ پریس نے پوچھا بغاوت سے مطلب کیا ہے آپ کا؟ جواب ملا! "بغاوت!"

انگریز اور پاکستان

حکومت برطانیہ کے نام ڈبلی ورکر کی وساطت سے اکتوبر ۱۹۴۴ء میں مسٹر جناح نے یہ پیام دیا تھا۔

"برطانوی قوم اگر واقعی پرخلوص ہے اور یقیناً اس قوم میں بہتر سے ایسے ہیں جن میں خلوص ہے تو ایسے لوگوں کو چاہئے کہ حکومت برطانیہ پر دباؤ ڈالیں کہ وہ اصول پاکستان کو جو ہندوستان کے آئینی مسائل کا واحد حل ہے تسلیم کر لے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ صرف مسلمان آزاد ہو جائیں گے۔ بلکہ ساتھ ہی ساتھ ہندو اور اس ملک کے دیگر عناصر ترکیبی بھی آزاد ہو جائیں گے۔"

حکومت برطانیہ اور انگریز قوم

حکومت برطانیہ تو بلاشبہ اپنے مخصوص مقاصد و مصالح اغراض و مفادات کے پیش نظر پاکستان کی مخالف ہے اور آخر تک رہے گی لیکن انگریز قوم کا جہاں تک تعلق ہے وہ اصولی طور پر پاکستان کی مخالفت کر ہی نہیں سکتی۔ انگریزوں سے زیادہ اس حقیقت کو

کوئی نہیں جانتا کہ مسلمان ایک غیر مسلم نظام کے ماتحت زندگی بسر کر ہی نہیں سکتے وہ اسی نظام میں امن اور خوشحالی کی زندگی بسر کر سکتے ہیں جو ان کے مذہب کی تعلیمات سے مطابق ہو اور وہی ماحول رکھتا ہو جس کی اسلام نے تعلیم دی ہے۔

۱۸۵۷ء کے غدر کے معاً بعد، ایک انگریز ہیر نگٹن طامس نے ۱۸۵۸ء میں ایک کتابچہ لکھا تھا، مصنف انگریز ہے اور بنگال کا سویلین رہ چکا ہے، وہ لکھتا ہے:۔

"میں نے پہلے بیان کیا ہے کہ غدر ۱۸۵۷ء کے بانی اور اصلی محرک ہندو نہ تھے۔ یہ غدر مسلمانوں کی سازش کا نتیجہ ہے، یہ قوم خلیفہ اوّل کے وقت سے موجودہ زمانہ تک یکسانیت کے ساتھ مغرور، غیر رودار، اور ظالم رہی ہے ہمیشہ ان کا مقصد یہ رہا ہے کہ جس ذریعہ سے بھی ہو اسلامی حکومت قائم ہو اور عیسائیوں کے ساتھ نفرت کے خیالات کی نشو و نما ہو، مسلمان کسی ایسی گورنمنٹ جس کا مذہب دوسرا ہو اچھی رعایا نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ احکام قرآنی کی موجودگی میں یہ ممکن ہی نہیں"

مسلمانوں کے اس دشمن نے بھی ایک بات ضرور لکھ دی یعنی "مسلمان کسی ایسی گورنمنٹ کے جس کا مذہب دوسرا ہو اچھی رعایا نہیں ہو سکتے" اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ انگریز قوم اس حقیقت کو خوب سمجھتی ہے کہ مسلمان غیر مسلم نظام کو ہنسی خوشی برداشت نہیں کر سکتے!

جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی کی رپورٹ

گول میز کانفرنس کے بعد انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء نافذ ہونے سے پیشتر جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی کی رپورٹ حکومت کی طرف سے شائع ہوئی۔ اس وقت تک پاکستان کا تخیل سر سبز ہوا تھا نہ باقاعدہ طور پر حکومت کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ پھر بھی اس رپورٹ کے

واضعین نے اپنے دیباچہ میں صاف طور پر یہ تسلیم کر لیا تھا کہ مسلمان ایک جداگانہ ملی وجود رکھتے ہیں۔ اور وہ کسی طرح بھی مشترک ملی وجود بن جانے پر مجبور نہیں کئے جا سکتے۔ سچ پوچھئے تو مسلمانوں کو جداگانہ حق انتخاب جو حاصل ہے وہ بھی اسی اصول کے ماتحت ہے ورنہ مخلوط انتخاب کو ترک کرنے کی کوئی اور وجہ نہیں تھی کمیٹی کے ممبر اعضائے حکومت نہیں تھے۔ انہوں نے یہ حقیقت تسلیم کر لی مگر حکومت اس حقیقت کو سرکاری طور پر شائع کرنے کے باوجود اسے تسلیم کرنے سے گریز کر رہی ہے۔

لارڈ اسٹرابولگی کے تاثرات

برطانوی دارالامرا کی مزدور پارٹی کے سابق چیف وہیپ لارڈ اسٹرابولگی سے انجان بین طبقہ خوب واقف ہوگا۔ موصوف کانگرس کے اتنے دالہ و شیدا تو نہیں ہیں جتنے مسٹر سورنسن جو ایک زر خرید غلام کی طرح کانگرس کی حمایت اور اس کے مخالفوں کی مخالفت کرتے رہتے ہیں اور جنہوں نے ۸ فروری ۱۹۴۶ء کو نئی دہلی سے ۱۱ فروری ۱۹۴۶ء کو کراچی سے انگلستان روانہ ہوتے وقت پاکستان کے خلاف ایک زہریلا لیکن سراسر بے مغز اور بے معنی بیان دیا ـــــ لیکن ہمیشہ کانگرس کی حمایت کرتے رہے ہیں۔ پنڈت نہرو کے مخلص اور قدر شناسوں میں ہیں۔

مسائل ہند پر ۹ نومبر ۱۹۴۵ء کو ایک بیان دیتے ہوئے پاکستان اور ہندوستان کی کشمکش پر اظہار خیال کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا:۔

"اصل حقیقت صاف اور واضح الفاظ میں یہ ہے کہ اگر ہندوستان کی دونوں جماعتیں مسلم لیگ اور کانگرس کسی قسم کے دستور اساسی پر متفق ہو جائیں گی، تو پھر موجودہ یا آئندہ برطانوی حکومت اسے قبول کرنے سے ہرگز انکار نہیں کرے گی۔"

انگریز صحافیوں کے خیالات

جو انگریز صحافی ہندوستان آئے اور انہوں نے کامل غیر جانبداری کے ساتھ ہندوستان کے سیاسی حالات کا جائزہ لیا۔ وہ بھی بالآخر اسی نتیجہ پر پہنچے کہ ہندوستان کے مسائل کا تصفیہ صرف اسی طرح ہو سکتا ہے کہ تقسیم ہند کا اصول مان لیا جائے اور پاکستان کو اصولی طور پر تسلیم کر کے حکومت کے سامنے متفقہ مطالبہ پیش کیا جائے۔

بیورلی نکلس نے اپنی کتاب مشاہدۂ ہند VERDICT ON INDIA میں پاکستان کی اہمیت و افادیت پر سیر حاصل تبصرے کئے ہیں اس صحافی کے خیالات کے مختلف حصے اس کتاب میں پیش کئے جا چکے ہیں اور کچھ آئندہ پیش کئے جائیں گے۔

ڈیلی ایکسپریس DAILY EXPRESS - کے نامہ نگار خصوصی مسٹر رائٹ مقیم نئی دہلی نے اپنے اخبار کو ہندوستان سے متعلق ایک مفصل بیان بھیجا۔ یہ بیان دسمبر ۱۹۴۵ء کے اخبارات میں شائع ہوا اس نے اپنے بیان میں لکھا تھا۔

"ہندوستان کی سیاسیات میں پاکستان ایک نئی طاقت کی حیثیت رکھتا ہے، جس کی طاقت ایسے اچانک طور پر بڑھی کہ ہر شخص کا اندازہ غلط ہو گیا۔"

ایک اور انگریز مدبّر

ہندوستان کے مشہور انگریزی اخبار اسٹیٹسمین کے سابق ایڈیٹر سر آرتھر مور نے ۲ جنوری ۱۹۴۵ء کو اپنے ایک اہم اور طویل بیان میں کہا:۔

"مسٹر جناح کے قول کے مطابق پاکستان کی پوزیشن وفاق کی طرح ہوگی اور یہاں کے دونوں وفاق (پاکستان اور ہندوستان) کامن ویلتھ کے سلسلہ

کی دو لڑیاں ہوں گی۔ اس طرح آپس کا اتحاد اور زیادہ مضبوط ہو سکتا ہے۔ اس طرح یورپ کے مستحکم بین الاقوامی نظام کے مقابلہ میں یہ ملک بھی دنیا کی حکومتوں کے دوش بدوش نظر آئے گا۔"

میجر وائٹ اور پاکستان

برطانیہ کی لیبر حکومت نے ہندوستان کے سیاسی احوال و کوائف کا جائزہ لینے کے لئے جو پارلیمنٹری ڈیلیگیشن ہندوستان بھیجا تھا۔ اس کے ایک رکن میجر وائٹ H-A-WYATT نے ۸ فروری ۱۹۴۶ء کو نئی دہلی سے انگلستان روانہ ہوتے وقت ایک بیان دیا جس میں انہوں نے کہا۔

"عقل و دانش کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ہندوستان کو امکانی قلیل ترین وقت میں آزاد کر دیں، تاکہ ہم اس کی ہمدردیاں حاصل کر سکیں ہر انگریز کے دماغ میں یہی تصور اور دھن ہے کہ ہندوستان اکھنڈ و متحد رہے لیکن سوال کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ صوبوں کے حدود ایسے طور پر قائم کئے گئے ہیں اور صوبائی اسمبلیوں میں نشستوں کا تعین کچھ اس طریقہ سے متعین کیا گیا ہے کہ مسلم لیگ کے لئے کسی صوبہ میں بھی وزارت بنانا تقریباً ناممکن ہو رہا ہے لیکن پھر بھی اس کا یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ مسلم لیگ کے دعاوی مسترد کئے جا سکتے ہیں کیونکہ عین ممکن ہے کہ صوبائی انتخابات ختم ہو جائیں تو مسلمانوں کی اکثریت پاکستان لینے پر تل جائے اس حالت میں اس مطالبہ کو نظر انداز کرنا ناممکن ہو گا۔"

سیاسی تعطل کا واحد حل

پارلیمانی وفد کے ڈپٹی لیڈر مسٹر ہاکمن مارلین نے ایوننگ نیوز کراچی کے نامہ نگار کو بیان دیتے ہوئے لندن روانہ ہوتے وقت ۱۲ فروری ۱۹۴۶ء کو حسب ذیل بیان دیا:۔

"دونوں قوموں میں اتحاد کی تمام امیدیں منقطع ہو جانے کے بعد ہندوستان کے سیاسی تعطل کو دور کرنے کا حل صرف پاکستان ہی رہ جاتا ہے میری رائے میں تمام ممبران وفد پاکستان کے حق میں ہیں۔

پاکستان اپنے قیام کے لئے ٹھوس اور وزن دار دلائل رکھتا ہے الیکشن نے ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کی کتنی اکثریت پاکستان کے حق میں ہے تاریخ میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جب کسی قوم کے حقوق کا تحفظ نہیں ہوا تو اس نے اپنی اکثریت کے علاقے میں خود اختیاری طلب کیا ہے اور وہ انہیں دیا گیا۔"

ہر وہ انگریز جو کانگریس کا ایجنٹ (مسٹر ہورنس کی طرح) نہیں ہے یا اس سے مرعوب و دہشت زدہ نہیں ہے وہی رائے رکھتا ہے جو میجر وائٹ کی ہے۔

ہندو اور پاکستان

پاکستان کی تحریک جیسے جیسے زور پکڑتی گئی ہر دلعزیزی اور مقبولیت حاصل کرتی گئی ویسے ویسے ہندوؤں کی طرف سے اس کی پوری شدت اور جوش وخروش کے ساتھ مخالفت بڑھتی گئی مہاسبھائی تو مہاسبھائی، کانگرس کے متین وثقہ ہندو لیڈروں کے لئے بھی یہ تصور ناقابلِ برداشت تھا کہ مسلمان آزادی حاصل کرلیں۔ ہندوستان کی ہندو اکثریت کی حکومت سے نجات حاصل کریں اس "جمہوریت" کو ٹھکرا دیں، جو ہندو قوم کے لئے پیامِ فرماں روائی وکشور کشائی اور مسلمان قوم کے لئے دعوتِ مرگ اور پیامِ ہلاکت تھی۔

مہاسبھائیوں کی روش

مہاسبھا کے لیڈروں کے رویّہ پر گفتگو کرنا وقت کا ضائع کرنا ہے ان کی ذہنیت اور جبلّت کا ہر شخص کو علم ہے ڈاکٹر ساورکر، ڈاکٹر شیام پرشاد مکرجی اور اسی قبیل کے دوسرے مہاسبھائیوں سے صرف یہی توقع ہو سکتی تھی کہ وہ کہیں "ہندوستان ہمارا ہے، ہم اس دیس کے اصلی باشندے ہیں مسلمانوں میں کچھ وہ ہیں جو باہر سے آئے تھے اور بہت سے وہ ہیں

جو ہمارے ہم نسل ہیں جو باہر سے آئے تھے وہ واپس جا سکتے ہیں جو ہمارے ہم نسل ہیں انہیں ہندوستانی ہی بن کر رہنا پڑے گا۔" چنانچہ ان لوگوں نے یہی کہا لیکن ان کی یہ روش بجائے خود تکلیف دہ کتنی ہی ہو مگر خلاف توقع یا تعجب انگیز نہیں تھی، انہوں نے اپنی زندگی کے کسی دور میں مسلمانوں کو غلط فہمی میں مبتلا نہیں رکھا، اپنے مقاصد اور نقطۂ نظر کا برملا اعلان کرتے رہے، دوسرے یہ کہ ان حضرات کا ہندو قوم پر بھی کوئی اثر نہیں تھا، اس لئے نہ ان کی مخالفت کسی اندیشہ کی موجب ہو سکتی تھی نہ ان کی تائید سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ ہندوؤں کی حقیقی نمائندگی، تحریک عدم تعاون کے بعد ایک مختصر مدت سے قطع نظر کبھی بھی مہاسبھا کے ہاتھ میں نہیں رہی، یہ فخر ہمیشہ کانگرس ہی کو رہا اور کانگرس کی پالیسی ۱۹۱۹ء سے اب تک مسلسل اور غیر منقطع طور پر گاندھی جی کے ہاتھ میں چلی آ رہی ہے۔

گاندھی جی کی روش

جب تک گاندھی جی یہ محسوس کر رہے تھے کہ پاکستان کا مطالبہ محض ایک سیاسی بازی گری ہے اس وقت تک تو وہ بڑی سنجیدگی سے کہتے رہے کہ "مسلمان اگر پاکستان بننے پر تُل جائیں گے تو انہیں کوئی نہیں روک سکتا۔" لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ یہ تصور ایک زندہ تحریک کی صورت اختیار کر رہا ہے تو وہ اس کی مخالفت کے لئے میدان میں اتر پڑے اور اسے ناکام بنانے میں اپنی اندرونی روشنی کی ہدایت اور تلقین کے مطابق سرگرم عمل ہو گئے۔

راجگوپال اچاریہ اور جگت نرائن لال

ہندوؤں کے باثر رہنماؤں کے گروہ میں سب سے پہلے گاندھی جی کے دستِ راست کانگرس کے رکن رکین، مدراس کے سابق وزیر اعظم اور کانگرس کی مجلس عاملہ کے ایک پرانے ممبر مسٹر راجگوپال اچاریہ نے ۱۹۴۲ء کے آغاز میں حالات کے مشاہدہ کے بعد یہ رائے قائم

کی کہ پاکستان کا اصول تسلیم کر لینا چاہیئے۔ ان کے اس بیان پر عام ہندوؤں اور مہاسبھائیوں نے اتنا واویلا نہیں مچایا جتنا کانگرس کی صفِ اوّل کے لیڈروں نے اضطراب اور برہمی کا اظہار کیا۔ جواہر لال گرجے، ولبھ بھائی پٹیل برسے، گاندھی جی چیخے اور صدر کانگرس مولانا ابوالکلام آزاد کی برہمی سے سردار ولبھ بھائی پٹیل اور راجہ جی ایک ہی ٹرین میں الہ آباد کے لئے بیٹھے لیکن منزلِ مقصود تک پہنچ جانے کے بعد بھی، سردار نے راجہ کو منہ نہیں لگایا، بات بھی نہ پوچھی الہ آباد کی روانگی سے پہلے بمبئی میں ایک خالص ہندو کانگرسی مجمع کے اندر راجہ جی کی تواضع گندے انڈوں اور تارکول سے کی جا چکی تھی۔

راجہ جی استقلال سے ان چیزوں کو برداشت کرتے رہے اور کانگرس کے جلسہ میں شریک ہوئے، وہاں انہوں نے ایک ویسی ہی معقول اور مدلل اور اثر انگیز تقریر کی جسے آل پارٹیز کانفرنس (نیشنل کنونشن) کے اجلاس دسمبر ۱۹۲۸ء میں سر تیج بہادر سپرو نے کی تھی۔ لیکن جو ناکامی سر سپرو کو ۱۹۲۸ء میں ہوئی تھی، ویسی ہی ناکامی راجہ جی کو ۱۹۴۳ء میں ہوئی۔ راجہ جی کی تقریر کا کوئی اثر نہیں لیا گیا اور جگت نرائن لال کی یہ تجویز کانگرس نے باتفاق منظور کر لی۔

"آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی رائے ہے کہ ہندوستان کی کسی جزوی مملکت یا علاقہ داری وحدت کو ہندوستان کی یونین یا وفاق سے الگ ہو جانے کی اجازت دے کر ہندوستان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کی ہر تجویز ملک کے بہترین مفاد کے لئے انتہائی نقصان دہ ہو گی۔ اس لئے کانگرس ایسی کسی تجویز پر راضی نہیں ہو سکتی۔"

اس تجویز کا نتیجہ یہ ہوا کہ راجہ جی کو کانگرس سے مستعفی ہو جانا پڑا، اور گاندھی جی نے بڑی خوشی سے انہیں اجازت دے دی کہ وہ ضرور کانگرس سے مستعفی ہو جائیں۔

اس سلسلہ میں کانگرس کی ایک ستم ظریفی خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اس واضح تجویز کے بعد بھی کانگرس کے تمام لیڈر گاندھی جی سے لے کر جواہر لال تک اور ولبھ بھائی پٹیل سے

لے کر راجندر پرشاد تک بھی کہتے رہے کہ "ہم اقوام کا حق خود ارادیت تسلیم کرتے ہیں۔" غالب کی زبان میں

سادگی و پرکاری، بے خودی و ہشیاری

اسی کو کہتے ہیں۔

مسٹر جیکر کی گوہر افشانیاں

اگست ۱۹۴۲ء میں تمام کانگرسی لیڈر نظر بند کر دئے گئے گاندھی جی علالت کے باعث ۱۹۴۴ء میں رہا کر دئے گئے، رہائی کے بعد انہوں نے مسٹر جناح کو پھر اسیرِ دام کرنے کی کوشش اور ملاقات کا وقت مقرر کیا تاکہ پاکستان کے موضوع پر گفتگو ہو سکے، گاندھی جی یہ طے کرنے گئے تھے کہ وہ خود قائل نہیں ہوں گے۔ مسٹر جناح کو قائل کرنے کی کوشش کریں یعنی پاکستان نہیں مانیں گے۔ پاکستان سے مسٹر جناح کو منحرف کرنے کی کوشش کریں گے۔

لیکن بعض سادہ لوح ہندوؤں کو خیال پیدا ہو گیا، کہیں وہ پاکستان مان نہ لیں چنانچہ بڑے بڑے کانگرسیوں نے گاندھی جی کو متنبہ کیا کہ وہ ایسی غلطی نہ کریں، کہ ان گھبرا گئے بنگال کانگرس کے روحِ رواں تو اتنے بگڑ گئے کہ سخت کلامی پر اتر آئے۔ جگت نرائن نے بھی ایک بڑا سخت بیان شائع کیا اور گاندھی جی کو اس اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی مسٹر جیکر نے گاندھی جی کو متنبہ کرتے ہوئے ۱۲ دسمبر کو پونہ کے ایک کالج میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"پنجاب کو مسلمان اپنا وطن کہتے ہیں مگر ۱۹۱۱ء سے پہلے وہاں ہرگز مسلم اکثریت نہ تھی۔ ویدوں کے زمانہ سے پنجاب ہندوؤں کے بعض مقدس مقامات کا مرکز ہے اور سکھوں کا تو وطن اور مقام مقدس ہونا کھلی بات

ہے، رہ گیا حق خود ارادیت، تو دنیا میں مذہب کی بنیاد پر یہ اصول کہیں نہیں مانا گیا۔"

گاندھی جی کے ارشادات

گفت و شنید مصالحت کے دوران میں گاندھی جی اور مسٹر جناح کے مابین خط و کتابت ہوئی اس میں بھی گاندھی جی پاکستان کی اصل بنیاد یعنی مسلمانوں کی جداگانہ قومیت تسلیم کرنے سے برابر انکار کرتے رہے۔ اپنے مکتوب مورخہ ۱۲ ستمبر سنہ ۱۹۴۴ء میں انہوں نے فرمایا:-

"میں دو قوموں کے نظریہ پر جتنا زیادہ غور کرتا ہوں اتنا ہی وہ میرے نزدیک تشویش انگیز بنتا جاتا ہے۔ میں اس استدلال کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ ہندوستان کے مسلمان بقیہ باشندوں سے الگ ایک قوم ہیں۔ اس استدلال کو تسلیم کر لینے کے نتائج حد درجہ خطرناک ہوں گے۔ اگر ایک مرتبہ اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے تو ہندوستان کو ان گنت ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کے مطالبات کی کوئی انتہا نہیں رہ جائے گی۔"

پھر اپنے ایک دوسرے مکتوب مورخہ ۲۴ ستمبر سنہ ۱۹۴۴ء میں انہوں نے مسٹر جناح کو لکھا:-

"علیحدگی کا ایک معاہدہ ہوگا جس میں امور خارجہ، دفاع، داخلی امور رسل و رسائل، تجارت اور اس قسم کے دوسرے مسائل مشترک رہیں گے۔"

واقعہ یہ ہے کہ گاندھی جی نے جس شان سے پاکستان یا مسلمانوں کو حق خود ارادیت تسلیم کیا تھا اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ آزادی کا حق تسلیم لیکن پابندیوں کی نہ ختم ہونے والی زنجیریں دست مبارک میں موجود۔

پاکستان کون دے سکتا ہے؟

گوالیا ٹینک (بمبئی) کے میدان میں کانگریس کی ساٹھویں سالگرہ کے موقع پر ۲۹ دسمبر سنہ ۱۹۴۵ء کو تقریر کرتے ہوئے سردار ولبھ بھائی پٹیل نے ارشاد فرمایا:-

"حکومت مسلمانوں کو پاکستان تو کیا ایک انچ زمین بھی نہیں دے گی پھر بھی مسلمان پاکستان کا شور مچاتے ہیں۔ پاکستان اگر مل سکتا ہے، تو ہندوؤں سے!"

سردار صاحب نے یہ بھی اگر فرما دیا ہوتا کہ "پاکستان" اگر مل سکتا ہے تو ہندوؤں سے اور ہندوؤں کی طے شدہ پالیسی، کانگریس کے زیر قیادت یہ ہے کہ وہ پاکستان ہرگز نہیں دے گی" تو جملہ زیادہ معنی خیز اور مکمل ہو جاتا۔

جواہر لال کی نصیحت

پنڈت جواہر لال نہرو نے ۸ جنوری سنہ ۱۹۴۶ء کو حیدرآباد سندھ کے ایک مجمع میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

"خود مسلمانوں کا مفاد اس میں ہے کہ وہ اس پاکستان کو نہ لیں جسے وہ باقی نہ رکھ سکیں گے۔ اور جسے ہمیشہ غلامی میں مبتلا رہنا پڑے گا کیونکہ اسے دوسری قومیں ہضم کر لیں گی۔ جنگ عالمگیر نے ہمیں یہ سبق سکھایا ہے کہ چھوٹی قوموں کے لئے کوئی تحفظ نہیں ہے۔ اس لئے ہندوستان کو تقسیم کرنے کا موقع دینا بہت بڑی غلطی ہے۔ نیز معاشی حیثیت سے بھی پاکستان غیر مناسب ہے۔"

ایک سانس میں پنڈت جی نے بہت سی باتیں کہہ ڈالیں۔ انہوں نے یہ یاد رکھا

کہ "چھوٹی قوموں کے لئے کوئی تحفظ نہیں ہے"۔ لیکن وہ یہ بھول گئے۔ کہ چین "چھوٹی قوم" نہیں ہے جسے جاپان جیسی "چھوٹی" قوم نے تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا، نہ روس "چھوٹی قوم" ہے جسے جرمنی جیسی "چھوٹی" قوم نے کچل کر رکھ دیا تھا۔ نہ اطالیہ "چھوٹی قوم" ہے جسے یونان جیسی "چھوٹی" قوم نے مسل دیا ہوتا۔ اگر جرمنی بیچ میں نہ آجاتا، نہ ہندوستان "چھوٹی قوم" ہے جسے انگریز جیسی "ننھی سی قوم" نے غلام بنا رکھا ہے یہ دست و بازو کی جنگ کا دور نہیں ہے۔ ذہانت فراست، ایجادات کی جنگ کا دور ہے۔ اگر فن لینڈ جیسی "چھوٹی سی قوم" ایٹم بم سے بڑی کوئی چیز بنا لے تو وہ ساری دنیا کو تہس نہس کر کے رکھ دے۔ لہٰذا تحفظ کا جہاں تک تعلق ہے چھوٹی اور بڑی قوم کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا!

غیر برہمن ہندو اور پاکستان

ہندوستان پر فرماں روائی ہمیشہ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں CASTE HINDUS نے کی ہے یہی طبقہ ہمیشہ فرماں روائی کرتا رہا اور یہی طبقہ اب بھی فرماں روائی کے نشے سے مخمور ہے۔ گزشتہ دور میں اپنی شہنشاہیت کو فروغ دینے کے لئے اس نے ہندوستان کے اصلی باشندوں ـــ گونڈ اور بھیل وغیرہ کے ساتھ وہی سلوک کیا جو امریکہ میں سرخ ہندیوں RED INDIANS کے ساتھ، افریقہ میں حبشیوں کے ساتھ اور آسٹریلیا میں قبائلی باشندوں کے ساتھ کیا گیا۔ اسی طبقہ نے ہندوستان کی سب سے بڑی عوامی اور اصلاحی تحریک ـــ بدھ مت ـــ کا اس طرح خاتمہ کیا کہ ہندوستان جو بدھ دھرم کا مرکز، منبع، مخرج اور سرچشمہ تھا آج بدھوں کے صرف چند "آثار قدیمہ" دکھتا ہے، باقی بدھ تمدن معاشرت، مذہب، اصول، روایات، تعلیم، ہر چیز کا مکمل خاتمہ ہو چکا ہے۔ یہی طبقہ اب وہ سلوک مسلمانوں کے ساتھ کرنا چاہتا ہے۔ اور مغربی جمہوریت کے نام پر اپنی مطلق العنان حکومت کے خواب دیکھ رہا ہے۔

لیکن ہندوؤں کا وہ گروہ جو اعلےٰ ذات کے افراد پر مشتمل نہیں ہے اور جس کی

تعداد ۸۰۔۱۰ کروڑ سے ہرگز کم نہیں ہے، اعلےٰ ذات کے ہندوؤں کی اس سامراجی ذہنیت کا مخالف ہے، وہ خود بھی، اعلےٰ ذات کے ہندوؤں کے دام سے نکلنا اور آزاد ہونا چاہتا ہے، اور دوسری قوموں کے لئے بھی وہ آزادی اور خود مختاری کا حامی و مؤید ہے۔

ڈاکٹر امبیدکر کے خیالات

اچھوتوں کے مشہور لیڈر ڈاکٹر امبیدکر کے نام سے ہر پڑھا لکھا شخص واقف ہے انہوں نے اچھوتوں میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی ہے۔ اور ان میں یہ احساس پیدا کر دیا ہے کہ وہ بھی ایک قوم ہیں انسان ہیں، ترقی کرنے، پھلنے پھولنے اور زندہ رہنے کا حق رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر امبیدکر نے پاکستان کے مسئلہ پر اس کے تعلقات پر اس کے اثرات و نتائج پر اس کے محرکات و عوامل پر، اس کے مالہ و ماعلیہ پر بڑی گہری نظر سے تمام حالات پیش نظر رکھنے کے بعد، رائے قائم کی ہے اور اگر اس پر غیر جانبداری کے ساتھ غور کیا جائے تو کوئی شبہ نہیں کہ ان کی ماننی ہی پڑے گی۔

وہ اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اگر ہند کو پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کر دیا گیا تو: اتنا ہی ہندوؤں کا نقصان ہوگا ہ معاہدہ میونچ کی وجہ سے چیکوسلواکیہ کا جب ایک حصّہ جاتا رہا اس وقت حکومت چیکوسلواکیہ کے جو احساسات تھے وہ قابلِ غور ہیں ان احساسات کا نہایت واضح طور پر اظہار چیکوسلاواکیہ کے وزیر اعظم کے اس بیان پر ہوا جو انہوں نے چیکوسلاواکیہ کے عوام کے نام دیا تھا۔ اس پیام میں وہ یہ کہتے ہیں:۔

شہریو اور سپاہیو! میں اپنی زندگی کے سخت ترین لمحہ میں قدم رکھ رہا ہوں میں ایک ایسا دردناک کام انجام دے رہا ہوں جس کے مقابلہ میں موت

زیادہ آسان تھی، لیکن چونکہ میں نے جنگ کی ہے اور جانتا ہوں کہ کن حالات میں جنگ فتح کی جاتی ہے اس لئے میں تم سے صاف صاف کہہ رہا ہوں کہ جو فوجیں اس وقت ہمارے مقابلہ میں کھڑی ہیں وہ ہمیں مجبور کر رہی ہیں کہ ان کی قوت و برتری کو تسلیم کیا جائے اور اسی کے مطابق عمل کیا جائے۔

میونچ میں چار عظیم یورپی دول جمع ہوئے تھے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم سے نئی سرحدوں کو تسلیم کروایا جائے، جس کے مطابق ہمارے ملک کے جرمن علاقے لے لئے جائیں گے، کمزور یاس انگیز مدافعت یا یہ سخت گیر شرائط ——— ہمیں ان دو میں سے کسی ایک کو منتخب کرنا تھا۔ مدافعت کے معنے یہ ہیں کہ نہ صرف نوجوان نسل بلکہ عورتوں اور بچوں کی قربانی دی جائے اور یہ سخت گیر شرائط ——— ان کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ کیونکہ ان کو جنگ کئے بغیر محض دباؤ ڈال کر ہم سے منوایا جا رہا ہے۔ ہم امن عالم میں اپنا حصّہ ادا کرنا چاہتے ہیں اور ہم بخوشی اپنا یہ فرض ادا کرتے لیکن اس طرح نہیں جس طرح اس کے ادا کرنے پر ہمیں مجبور کیا گیا ہے۔ لیکن ہم بے یار و مددگار اور تنہا ہیں، تمہارے تمام قائدین نے اور فوج اور جمہوریہ کے صدر نے نہایت تعلق خاطر کے ساتھ ان تمام امکانات پر غور کیا ہے جو اس وقت باقی رہ گئے ہیں وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ تنگ تر سرحد اور قوم کی موت ——— ان دو میں سے کسی ایک کا انتخاب کرتے وقت ان کا یہ مقدس فرض ہے کہ اپنی قوم کی جانوں کو بچایا جائے تاکہ ہم کو اس کا یقین ہو جائے کہ ہماری قوم آئندہ پھر اسی طرح مجتمع ہوگی۔ جس طرح ماضی کے تجربات شاہد ہیں اب ہمیں چاہیے کہ اپنی مملکت کو اس کی تنگ تر سرحدوں کے اندر مستحکم طور پر قائم کریں تاکہ اس کے باشندوں کو امن اور خوشحالی کی حیات تازہ حاصل ہو

آپ کی مدد سے ہم کامیاب ہوں گے ہم آپ پر بھروسہ کرتے ہیں اور ہم آپ پر اعتماد رکھتے ہیں۔" یہ واضح ہے کہ ترکیوں نے تاریخی جذبے کی قوت کے پیچھے چلنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے اپنی سرحدوں کو گھٹانا گوارا کیا۔ مگر اپنی جانیں گنوانا مناسب نہ سمجھا۔

ترکی کے متعلق عام طور پر مروجہ خیال وہی تھا جس کو زار نکولاس اوّل نے ۱۸۵۳ء میں سینٹ پیٹرسبرگ میں ایک برطانوی سفیر سے گفتگو کرتے ہوئے ظاہر کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ ہمارے ساتھیوں میں ایک بیمار بہت ہی بیمار مریض ہے ہو سکتا ہے کہ وہ دفعتاً ہمارے ہاتھوں میں مر جائے اس دن سے اس کے تمام ہمسایہ ممالک ترکی ۔۔۔ یورپ کے مرد بیمار ۔۔۔ کی موت کا انتظار کر رہے تھے، لیکن اس "مرد بیمار" نے جو صلح نامہ سیورے پر دستخط کرنے کے ساتھ آخری ہچکی لینے والا تھا تڑپ تڑپ کر انگڑائیں لیں اور مرد بیمار بستر مرگ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ فاسدہ مادہ خارج ہو گیا ترکی سے بعض علاقے علیحدہ کر دئے گئے۔ مگر وہ اب "مرد بیمار" نہیں رہا۔ ترکی کے انتشار اور افتراق کے متعلق کیا یہ صحیح زاویہ نظر ہے۔ اس سلسلہ میں ارنلڈ ٹائن بی کی تنقید قابلِ غور ہے زار نے ترکی کو "مرد بیمار" سے تشبیہہ دی تھی۔ اس تشبیہہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ کہتا ہے زار نکولاس نے مرض کی علامت کو صحیح طور پر نہیں سمجھا اور اس لئے وہ اپنی تشخیص کے اس دوسرے اور نسبتاً زیادہ جذباتی حصہ میں ذرا بھٹک گیا۔ اگر ایک شخص علوم فطری سے ناواقف ہے اور کسی سانپ کو اپنی کینچلی نکال پھینکتے ہوئے دیکھ لے تو وہ یہی کہے گا کہ سانپ اب جانبر نہیں ہو سکتا۔ وہ یہی مثال دے گا کہ اگر آدمی کی کھال اتار لی جائے تو وہ ہرگز زندہ نہیں رہے گا۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ چیتا اپنے دھبے اور حبشی اپنی کھال بدل نہیں

سکتا۔ لیکن اگر ہمارے متعلّم نظرت نے اپنے مطالعہ کو ذرا وسیع کیا ہوتا تو اس کو یہ معلوم ہوتا کہ ایک سانپ سے یہ دونوں باتیں سرزد ہوتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ سانپ کے لئے بھی یہ عمل تکلیف دہ ہے وہ عارضی طور پر بے ہوش ہو جاتا ہے۔ اور اس حالت میں صرف اپنے دشمنوں کے رحم و کرم پر رہتا ہے لیکن اگر وہ چیلوں اور کوّوں سے بچ جائے۔ یہاں تک کہ اس کی قلب ماہیت مکمل ہو جائے تو اس کی صحت نہ صرف عود کر آتی ہے بلکہ وہ از سر نو جوان ہو جاتا ہے یہی ترکی کا حالیہ تجربہ ہے اور ترکی کو "مرد بیمار" سے تشبیہہ دینے کے بجائے کینچلی اتارنے والے سانپ سے تشبیہہ دینا زیادہ مناسب ہے۔

اس نقطۂ منظر سے ترکی نے اپنے مقبوضات کھو کر اپنی کینچلی بدلی ہے، ترکی ایک یقیناً ایک ہم آہنگ مملکت ہے اور اس کو کسی اندرونی انتشار کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

پاکستان ہندوستان کے جسم پر ایک غیر طبعی زائدہ ہے اگر دونوں کو باہم باندھ رکھنے کی کوشش کی جائے تو ہندوستان ایشیا کا مرد بیمار بن جائے گا، پاکستان اور ہندوستان کو اگر ملایا جائے تو وہ غیر متجانس اکائی ہو گی یہ ظاہر ہے کہ اگر پاکستان کا ایک نقص یہ ہے کہ اس کی وجہ سے ہند کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں تو اس کا ایک بہت بڑا فائدہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔

اگر ہند کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا جائے تو ہر ایک حصّہ زیادہ ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔ ہر ایک کے پاس ایک علیحدہ ثقافتی اتحاد اور مذہبی ہم آہنگی موجود رہے گی۔

پاکستان میں لسانی اتحاد بھی ہو گا۔ ہندوستان میں بھی لسانی اتحاد پیدا

کیا جاسکتا ہے اور ہندوستان میں ہندی یا اردو میں سے کسی ایک کو مشترکہ زبان کے طور پہ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ تقسیم کے بعد ہر ایک حصہ میں ایک مضبوط اور مستحکم سلطنت قائم کی جاسکے گی۔ ہندوستان کو ایک مضبوط مرکزی حکومت کی ضرورت ہے لیکن جب تک پاکستان ہند کا ایک جزو بنا رہے گا مضبوط مرکزی حکومت کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔ قانونی حکومت ہند ۱۹۳۵ء کے آئینہ میں وفاقی حکومت کے خاکہ کو دیکھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جس مرکزی حکومت کا خاکہ اس میں پیش کیا گیا ہے۔ وہ ایک جسدِ بے روح ہے مرکزی حکومت کی کمزوری کا نتیجہ ہے مسلم صوبوں کی اس خواہش کا کہ وہ مرکزی حکومت کی ترکیب اور نوعیت ہی ایسی ہے کہ اس میں لازمی طور پہ ہندو اقتدار کا بول بالا ہوگا۔ جب پاکستان قائم ہو جائے گا تو یہ شکوک باقی نہیں رہیں گے ہندوستان میں اس وقت ایک طاقت ور مرکزی حکومت قائم کی جاسکتی ہے اور آبادی پھل پھول سکتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں۔ جب تک پاکستان کو ہندوستان سے جداگانہ کیا جائے گا یہ دونوں چیزیں حاصل نہیں ہو سکتیں۔"

کانگرسی رہنما، ہندو سامراج کے قیام و دوام کی فکر میں اتنے سرگرداں ہیں کہ حقائق
و واقعات پر غور کرنے کی زحمت ہی نہیں گوارا کرتے:۔

تائید کا ایک اور نعرہ

ڈاکٹر امبیدکر کی طرح مسٹر اے کرپلائی، بیرسٹر ایٹ لا مدراس بھی اعلےٰ ذات کے ہندوؤں کے سامراجی اغراض و مقاصد سے ہم آہنگ نہیں ہیں، وہ ان لوگوں میں ہیں جو جنوبی ہند کے ہندوؤں کو شہنشاہیت سے بچانا چاہتے ہیں اور اسے ہرگز پسند نہیں کرتے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جمہوریت اور اکثریت کی حکومت کے نام پر اعلےٰ ذات

کے ہندوؤں کے غلام بنا لئے جائیں۔

ایک طویل مضمون میں موصوف نے، اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پہ سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس کا اہم اور ضروری اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

"قائد اعظم سب کے لئے آزادی چاہتے ہیں، اور وہ کوشش کر رہے ہیں کہ جب آدمی آزادی ملے تو کوئی کسی کو غلام نہ بنا سکے بلکہ جہاں حقیقی معنوں میں جمہوریت ہو اور ہر ایک قوم کو اپنے اپنے طریقوں پہ چلنے کی آزادی ہو"

"قائد اعظم نے ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کو بیان دیتے ہوئے بالکل ترقی پسندانہ اور روشن خیالات کا اظہار کیا ہے جب آپ سے پوچھا گیا کہ پاکستان کس طرح ہوگا تو آپ نے جواب دیا کہ اس کا فیصلہ صرف آنے والی نسل اور اصول بنانے والی اسمبلی ہی کر سکتی ہے۔ یہ جواب صرف وہی شخص دے سکتا ہے جو جمہوریت پسند ہو لیکن ایک آمرانہ خیالات رکھنے والا آدمی فوراً بلو پرنٹ (تجویز کا خاکہ) پیش کر دیتا۔ جیسا کہ جواہر لال نے اکھنڈ ہند کے متعلق اپنا بلو پرنٹ شائع کیا ہے"

پھر آگے چل کر موصوف لکھتے ہیں:۔

"پاکستانی تخیل صوبائی آزادی ۱۹۳۵ء کے ایکٹ سے کہیں ترقی یافتہ ہے، نہرو رپورٹ اور سائمن کمیشن سے بڑھ کر آزاد اور پرامن ہندوستان کی پیش کش ہے۔

میری مخلصانہ رائے ہے کہ قائد اعظم کا پاکستان ہندوستان کی پیچیدہ گتھی کو سلجھا کر ہندوستان میں امن و امان قائم کر دے گا۔ جہاں جھگڑوں اور اختلافوں نے گھر کر رکھا ہے۔

پاکستان کا وہ سیاسی تخیل جو قائد اعظم نے پیش کیا ہے۔ اس میں رہنے سے

کون انکار کر سکتا ہے۔ اور جب پاکستان میں اس طرح کی ترقی پسندانہ جمہوریت قائم ہو گئی تو ہندوستان کے دوسرے حصوں میں دیسی حکومت قائم کرنے میں بڑی مدد ملے گی، اس کو تسلیم کرنا غیر ضروری وغیرہ تاریخی رام راجیہ سے کہیں بدرجہا پسندیدہ امر ہے جو لوگ اکھنڈ ہندوستان کے نعرے لگاتے ہیں وہ ابھی تک سیاسی بچے ہیں، جو اتنا بھی نہیں جانتے کہ حقیقی اتحاد و عام آزادی اور مساوات اور دلی ملاپ ہی سے حاصل ہو سکتا ہے اور غیر متفق مجمع سے اتحاد کی امید رکھنا خام خیالی ہے میں قائد اعظم کے پاکستان کی دل سے تائید کرتا ہوں کیونکہ پاکستان میں ایک بہت ہی اعلےٰ درجہ کی عام جمہوریت قائم ہو گی۔"

ایک وقت آئے گا، جب اعلےٰ ذات کے ہندو، اپنے ہم قوموں کی ان معقول اور سنجیدہ باتوں کو ماننے پر مجبور ہوں گے!

○

نیشنلسٹ مسلمان اور پاکستان

○

آیئے اب دیکھیں کہ ہندوستان کی وہ عجیب و غریب مخلوق ہے جسے عرف عام میں نیشنلسٹ مسلمان کہتے ہیں اور جس کی بے عملی اور بے اصولی کا اعتراف جواہر لال اپنی خود نوشت سوانح عمری میں کر چکے ہیں ـــــ پاکستان اور مسلمانوں کے حق خود ارادیت کے بارے میں کیا رائے رکھتی ہے؟

شملہ کانفرنس کے انعقاد سے پہلے تک، ہر نیشنلسٹ مسلمان، مسلمانوں کے حق خود ارادیت کو کم از کم اصولی طور پر تسلیم کرتا تھا۔ بمبئی کرانیکل کے ایڈیٹر مسٹر سید عبد اللہ بریلوی نے تو اپنے اخبار میں متعدد مقالات حقِ خود ارادیت کی حمایت میں لکھے اور سردار پٹیل کے مورد عتاب بھی ہوئے، لیکن شملہ کانفرنس کے بعد جب کانگرس نے مسلم لیگ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تو اپنی وہ لفظی تائید بھی واپس لے لی اور اب اکھنڈ ہندوستان ان کا واحد قومی نصب العین رہ گیا ہے۔

ملک خدا بخش اور حق خود ارادیت

بیورلی نکلس نے اپنی کتاب میں ملک خدا بخش اسپیکر سرحد اسمبلی و رکن رکین تحریک

خدائی خدمتگار (سرحد کانگرس) سے اپنی ملاقات کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"ملک خدا بخش نے مجھے متنبہ کیا، یاد رکھیئے، مسلمان اور ہندو صرف مذہبی اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہیں، بلکہ یہ دو مختلف تمدّن اور مختلف ثقافت ہیں یہ بڑا اہم نکتہ ہے یہ کہتے ہوئے ان کا چہرہ ایک دلنواز تبسم سے چمک اٹھا، انہوں نے فرمایا، خدا کہاں نہیں ہے؟ جو شخص درخت کے وجود کا اعتراف نہ کرتا ہو اسے بھی وہ سایہ دیتا ہے۔

"ملک صاحب پاکستانی خیالات کے بزرگ نہیں ہیں، نہ وہ اسلام کی سیاسی وحدت پر ایقان رکھتے ہیں، پھر بھی وہ اس رائے پر سختی کے ساتھ قائم ہیں کہ مسلمان تمام پر ایک ممتاز اور جداگانہ قومیت کے حامل ہیں، زبان کے بارے میں تو ملک صاحب زیادہ تند اور تیز تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ ہندو اردو کی جگہ ہندوستانی کو فروغ دینے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن اُردو زبان بڑی سخت جان ہے، آپ لفظ اُردو کے معانی جانتے ہیں؟ اس کے معنی ہیں "لشکر" یہ ایسا لشکر ہے جس پر ہندوستانی کبھی فتح نہیں پا سکتی"۔

مسلم لیگ کا حصّہ

کانگرسی مسلمانوں کی یہ ذہنیت شملہ کانفرنس تک رہی اس کے بعد وہ یکسر بدل گئے اپنے تمام گزشتہ اعلانات فراموش کر بیٹھے اور کانگرس کے تابع مہمل بن کر رہ گئے۔ ایک جماعت مسلم لیگ کے مقابلہ میں "مسلم مجلس" قائم ہوئی اس کے صدر ہیں مسٹر عبد المجید خواجہ[1]

---

[1] مسٹر عبد المجید خواجہ علی برادران کے ساتھیوں میں تھے تحریک خلافت میں بھی پیش پیش رہتے تھے ایک عرصہ دراز سے کانگرس میں شریک رہے جواہر لال کی مقرب بارگاہ میں لیکن علی گڑھ کے حالیہ فسادمیں ان کا گھر بھی لوٹ لیا گیا اور فرنیچر جلا دیا گیا۔ کانگرسی حکومت کے حکام و عمال ان کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ جس پر جواہر لال نے جون پور کے کانگرسی اجتماع میں انہیں خوب لتھاڑا لیکن اس سے زیادہ کچھ نہ کر سکے۔

جس طرح درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، جماعتیں اپنے رہنماؤں سے پہچانی جاتی ہیں۔ مسلم مجلس کے صدرِ محترم کا تعارف جواہر لال سے بہتر کون کرا سکتا ہے؟ وہ اپنی سوانح عمری میں اپنے لندن کے زمانۂ طالب علمی کا تذکرہ کرتے ہوئے اور کیمبرج میں گوکھلے، بپن چندر پال لالہ اجیت رائے کی آمد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؛۔

"گوکھلے نے عام جلسہ میں تقریر کی مجھے اس جلسہ کی جو بات خاص طور پر یاد ہے وہ عبد المجید خواجہ کا ایک سوال تھا۔ جو انہوں نے گوکھلے کی تقریر کے بعد پوچھا، خواجہ نے ہال کے بیچ میں کھڑے ہو کر ایک طویل سوال چھیڑ دیا جس کا سلسلہ کسی طرح ختم ہی نہیں ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ہم میں سے اکثر یہ بھول گئے کہ بات کیا تھی؟ اور شروع کیونکر ہوئی تھی؟"

(میری کہانی، حصہ اوّل صفحہ ٤٨)

اس واقعہ کو ایک جگ بیت گیا لیکن خواجہ صاحب آج تک نہیں بدلے وہ اپنے روایات پر اب تک قائم ہیں وہ اب بھی کوئی ایسی بات نہیں فرماتے جو قابلِ توجہ ہو مسلم مجلس کو انہوں نے

این خانہ تمام آفتاب است

کا مصداق بنا لیا ہے اس مجلس کے تمام ذمہ دار اصحاب اسی قسم کی باتیں کرتے ہیں کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی!

کے ذیل میں آتی ہیں۔

مولانا ابو الکلام آزاد کا مشورہ

مولانا ابو الکلام نے کھلے طور پر جیل سے رہا ہونے کے بعد اعلان کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے حقِ خود ارادیت کے حامی ہیں۔ پھر کشمیر سے انہوں نے ایک بیان شائع

کیا اس اعلان میں کہا کہ پونہ میں جو جلسہ کانگریس کمیٹی کا ہو رہا ہے اس میں اس مسئلہ کی وضاحت کر دی جائے گی لیکن سردار نے آزاد کو شکست دی، مولانا کانگریس سے کوئی اعلان نہ کرا سکے۔ کانگریس نے جو کچھ کیا وہ یہ کہ جگت نرائن لال کی تجویز مئی ۱۹۴۲ء کو دوسرے الفاظ میں پھر منظور کر لیا۔

خودداری اور اصول پروری کا تقاضا یہ تھا کہ مولانا کانگریس سے مستعفی ہو جاتے اور کانگریس کی اس روش کے خلاف ایک محاذ قائم کرتے لیکن انہوں نے کانگریس کے بجائے مسلم لیگ کے خلاف اپنی قوت کا مظاہرہ شروع فرما دیا۔ سلسلہ سے مولانا نے ۱۵ دسمبر ۱۹۴۵ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس کو ایک بیان دیتے ہوئے فرمایا:۔

"میں تمام مسلم جماعتوں، بالخصوص قوم پرست مسلمانوں احرار مسلم مجلس وغیرہ کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ وہ ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر آئندہ مرکزی اور صوبجاتی اسمبلیوں کے انتخابات میں مسلم لیگ کا مقابلہ کریں اور بتا دیں کہ مسلمان متحدہ ہندوستان کے علمبردار ہیں۔ مجھے کوئی شبہ نہیں کہ متحدہ ہندوستان کے تصور کی پنجاب، بنگال، سرحد اور سندھ کے مسلمان بڑی تعداد میں تائید کریں گے"

ایک اور بیان

۱۱ ستمبر ۱۹۴۵ء کو مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی کے پر فضا اور شاہانہ بنگلہ پر مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک پریس کانفرنس طلب کی جس میں بمبئی، بیرون بمبئی اور غیر ممالک کے تقریباً ۷۵ اخباری نمائندے موجود تھے۔

ایک نامہ نگار نے پوچھا:۔

"مجلس عاملہ نے حق خود ارادیت پر جو نئی تجویز منظور کی ہے۔ اس میں ایک

جملہ کے اندر وحدت ہند کو توڑنے والی کسی اسکیم پر کانگریس نے راضی ہونے سے انکار کیا ہے۔ مگر دوسرے جملہ میں اس کے برعکس یہ کہا ہے کہ وہ کسی علاقائی وحدت کو زبردستی شامل رکھنے کا خیال نہیں رکھتی، کیا اس میں کوئی تضاد نہیں نہیں ہے مولانا نے جواب دیا:۔

"ہرگز نہیں کانگریس متحدہ ریاست کی تجویز پر پوری مضبوطی سے قائم ہے لیکن اگر کوئی علاقہ نہ مانے تو وہ زبردستی کرے گی یا نہیں، اس تجویز کے دوسرے حصہ میں اسی فیصلہ کا اظہار کیا گیا ہے"

گویا مولانا کے نزدیک، غلامی کی حالت میں کانگریس، مسلمانوں کو شامل وفاق رہنے پر مجبور کر سکتی ہے لیکن جب سارے ملک کی عنان انتظام اس کے ہاتھ میں ہو گی فوج اور پولیس پر اس کا قبضہ ہو گا۔ تب اگر کوئی علاقہ علیحدہ ہونا چاہے تو وہ "زبردستی" نہیں کرے گی۔

بلائے جاں ہے غالب اس کی ہر بات
عبارت کیا، اشارت کیا، ادا کیا

سوال وجواب

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی، اپنے اخبار صدق مورخہ ۲۲ جنوری ۱۹۴۶ء میں تحریر فرماتے ہیں:۔

ایک انگریزی معاصر لکھتا ہے:۔

"اسلامی حکومت، اس ایک لفظ میں نہ جانے کتنی دلربا کہانیاں چھپی ہوئی ہیں، سیدھے سادے مسلمانوں کی آنکھیں اس چمک دمک کے سامنے خیرہ ہو جاتی ہیں۔ دل بے اختیار اس کی طرف بھاگتا ہے اور دماغ تھوڑی دیر کے

لئے ابھی تام کی لذت سے سرشار ہو کر معطل ہو جاتا ہے۔ ذرا دیر کے بعد یہ سوالات اٹھتے ہیں کہ اسلامی حکومت کیسی ہو گی؟ حجازی قسم کی یا ہندی مغلئی قسم کی؟ پھر یہ سوالات اٹھتے ہیں کہ وہاں سنّی فقہ چلے گی یا شیعہ فقہ؟ اور سُنّی فقہ حنفی ہو گی یا حنبلی؟ اسی طرح کے بہت سے سوالات۔"

الزامی جوابات (مثلاً یہ کہ سوراجی حکومت کس کے خیالات کے مطابق ہو گی؟ گاندھی جی کے اصول کے یا پنڈت جواہر لال کے نقشے کے یا سوباش چندر بوس کے نظریات کے مطابق؟ وقس علی ہذا) سے اگر قطع نظر کر لی جائے جب بھی پیش کردہ سوالوں کا جواب بہت ہی آسان ہے اسلامی حکومت ایسی بدلے بد تر شکل میں اور کسی فرقہ کی فقہ کے مطابق بھی سہی بہرحال بیماری کی ہم سطح تو نہیں ہو سکتی روشنی دھیمی سے دھیمی سہی بہرحال تاریکی سے تو غنیمت ہی رہے گی۔

کمیونسٹ اور پاکستان

کانگرس اقوام ہند کا متحدہ پلیٹ فارم کبھی نہیں بن سکتی، اس کے سامنے کوئی ایسا نصب العین نہیں ہے جو مشترک اغراض و مصالح کا علمبردار ہو کانگرس پر سرمایہ داروں کا قبضہ ہے وہ کبھی بھی عوام کی تعمیر نہیں کر سکتی مزدوروں اور کسانوں کی حمایت نہیں کر سکتی، اپنے دورِ وزارت میں اس نے کانپور کے مزدوروں اور بہار کے کسانوں پر گولیاں چلوائیں۔

لیکن کمیونسٹ پارٹی صرف مزدوروں اور کسانوں کی جماعت ہے اس کا پلیٹ فارم کم از کم مسائل مشترکہ کی حد تک متحدہ پلیٹ فارم بن سکتا ہے وہ سرمایہ داری کی مخالف ہے اس لئے عوامی جماعت صحیح معنوں میں وہی بن سکتی ہے۔ اگرچہ یہ جماعت روز بروز ترقی اور رسوخ حاصل کر رہی ہے لیکن ابھی تک کانگرس کی صحیح حریف نہیں بن سکی ہے۔

کمیونسٹ اور حق خود ارادیت

اس جماعت میں ہندو بھی شریک ہیں اور مسلمان بھی، سکھ بھی اور دوسری اقوام کے لوگ بھی مگر ہندوؤں کی اکثریت ہے لیکن یہ ہندو نہ رام راج کا خواب دیکھتے ہیں، نہ

ہندو سامراج کا یہ کانگرس کی طرح تنگ خیال اور خود غرض نہیں ہیں، وسیع المشرب اور فراخ دل ہیں یہ اپنی کہتے ہیں تو دوسروں کی سنتے بھی ہیں یہ اپنی بات منواتے ہیں تو دوسروں کی مانتے بھی ہیں۔

ہندوستان کی غیر مسلم جماعتوں میں کمیونسٹ پارٹی سب سے پہلی جماعت ہے جس نے پاکستان کی تائید کا ہندوستانی اقوام کے حق خود ارادیت کے تسلیم کر لینے کا اعلان کیا، یہ اعلان اس جماعت کے لئے ابتلا کا پیام ثابت ہوا، کانگرس اور مہا سبھا نے اس کے خلاف متحدہ مورچہ قائم کر لیا اور اس جرم کی وہ سزا دی جس کی مثال صرف مسولینی کی فاسسٹ پارٹی اور ہٹلر کی نازی پارٹی میں مل سکتی ہے کمیونسٹوں کے دفتر پر ایک سے زائد بار حملے کئے گئے، آگ لگائی گئی، سامان لوٹا گیا جلسوں میں ان لوگوں پر پتھراؤ کیا گیا۔ ان کے اخبار کو بند کرنے کی، پریس کو تباہ کرنے کی، دار الاشاعت کو برباد کرنے کی کوششیں کی گئیں اور آخر میں چند فرضی اور بے بنیاد الزامات لگا کر کانگرس کا دروازہ بھی ان پر بند کر دیا گیا۔

اس ہولناک سلوک کے باوجود یہ جماعت سختی کے ساتھ اپنے مسلک پر قائم رہی۔

کامریڈ جوشی کا بیان

مسٹر پورن چند جوشی جنرل سیکرٹری آل انڈیا کمیونسٹ پارٹی کے مقالہ کا وہ حصہ جو پاکستان سے متعلق تھا ہم کسی باب میں درج کر چکے ہیں ذیل میں ہم ان کے اس بیان کا ایک حصہ درج کرتے ہیں جو ۳ جولائی ۱۹۴۶ء کو شملہ کانفرنس کے سلسلہ میں شائع ہوا تھا اور کانگرس لیگ کی کشمکش دوبارہ نمائندگی سے متعلق تھا:-

"کانگرس اور مسلم لیگ کے لیڈروں کو ایک بار پھر سمجھوتہ کی کوشش کرنی چاہیئے اور کانگرس کو مسلمانوں کی امداد حاصل کر کے وائسرائے کی ڈکٹیٹرشپ کا مقابلہ

(۱) جوشی کی علیحدگی کے بعد کیمونسٹ پارٹی کا رنگ بدل گیا۔

کرنا چاہیئے، کانگرس اور لیگ کے جمود نے وائسرائے کو سارے نظام کا مالک و مختار بنا دیا ہے، وہ اپنی مرضی سے جو حکومت بنائیں گے، وہ نہ تو کانگرس کے لئے قابل اطمینان ہو گی نہ مسلم لیگ کے لئے۔

دونوں جماعتوں میں جو جمود ہو گیا ہے اس کو اس طرح دور کیا جا سکتا ہے کانگرس اور لیگ مشترکہ طور پر اپنے حصہ کے مطابق نام پیش کر دیں کانگرس اور لیگ دونوں کے مساوی ممبر ہوں، مثلاً ہر ایک کے پانچ۔ کانگرس جو ممبر دے ان میں ایک کانگرسی مسلمان بھی ہو۔ دونوں جماعتیں دس آدمیوں پر اتفاق کر لیں اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ کانگرس کی ایک ہندو نشست کم ہو جائے گی۔ مگر مسلم لیگ کو کانگرسی مسلمان کو نہ لئے جانے کے مطالبہ سے دست بردار ہونا پڑے گا۔"

ڈاکٹر اشرف کی اپیل

سپرو کمیٹی کے سلسلہ میں ایک بیان دیتے ہوئے ڈاکٹر اشرف نے ۱۴ دسمبر ۱۹۴۵ء کو فرمایا "یہ خیال کرنا بے وقوفی ہے کہ پاکستان کا مطالبہ مسلم عوام کے جذبات و حسیات کا نتیجہ نہیں ہے، اور یہ ایک نعرہ ہے جسے مسٹر جناح نے کانگرسی لیڈروں سے لڑنے کے لئے وضع کر لیا ہے۔ پاکستان کے مطالبہ کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اپنے سیاسی اور سماجی نظریات کو ایک جداگانہ جمہوری حکومت کی صورت میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ مطالبہ گاندھی کے رام راج یا سوراج کے مطالبہ سے زیادہ مختلف نہیں ہے مسلمان برطانوی اقتدار کے خاتمہ کے ساتھ ہی ساتھ ہندو اثر کے خاتمہ کے لئے بھی جدوجہد کر رہے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ پاکستان کے مطالبہ کا بین الاقوامیات کے پرانے تصور اور ہندوستان کی تقسیم سے کوئی تعلق نہیں ہے جیسا کہ مہا سبھائی کہتے ہیں۔

میں ہر کانگرسی کو مشورہ دوں گا کہ وہ مولانا محمد علی کے اس خطبے کو پڑھے جو انہوں نے کوکناڈا کانگرس ہی پڑھا تھا۔ اس خطبہ میں مولانا محمد علی نے جو پکے کانگرسی اور شہنشاہیت کے دشمن تھے ۱۹۲۳ء میں کہا تھا کہ مذہبوں کی بنیاد پر ایک فیڈریشن قائم کیا جائے نیز یہ کہ جداگانہ انتخاب سے ہندوستان کے اتحاد میں مدد ملتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا ہم مسلمانوں کے جمہوری مطالبہ کو دبا ان کو رجعت پسندوں کے حوالے کر دینا چاہتے ہیں مجھے امید ہے کہ گاندھی اور دوسرے کانگرسی لیڈر خلافت کے زمانہ کی تاریخ کو پھر دوہرائیں گے اور ملک میں مزید اتحاد پیدا کرنے کے موجب ہوں گے۔

لیکن یہ اپیل بھی دوسری مخلصانہ اپیلوں کی طرح رائیگاں گئی۔

گوشِ سخن شنو کہا؟ دیدۂ اعتبار کو

یونینیسٹ پارٹی اور پاکستان

اکتوبر ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کا جو شاندار اور تاریخی اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا تھا اس میں سر سکندر حیات خاں مرحوم وزیر اعظم پنجاب نے اعلان کیا تھا کہ وہ اپنے رفقا سمیت مسلم لیگ میں شریک ہوتے ہیں۔ اس اعلان کو انہوں نے نباہا۔ اور اپنی یونینسٹ پارٹی کے تمام ممبروں سمیت مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ آخر دسمبر ۱۹۴۲ء میں اچانک ان کا انتقال ہوا اور ملک خضر حیات خاں ٹوانہ وزیر اعظم بن گئے۔ ملک صاحب نے وزارت عظمیٰ کا چارج لینے کے بعد دہلی کے مسلم لیگ کونسل کے ایک جلسہ میں مسلم لیگ سے اپنی غیر مشروط وفاداری کا اعلان کیا اور وعدہ کیا کہ وہ مسلم لیگ کے احکام و ہدایات پر عمل کرتے رہیں گے۔

۱۹۴۴ء میں مسٹر جناح نے ملک خضر حیات خان سے مطالبہ کیا کہ وہ یونینسٹ پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے کام کریں اور اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی سے دوسری غیر مسلم پارٹیوں کا کولیشن کریں۔ سر چھوٹو رام خضر حیات کے مشیر خصوصی SPECIAL ADVISER تھے اور ۱۵ اکثر سے آئے نتیجہ یہ ہوا کہ ملک صاحب کے خلاف مسلم لیگ نے تادیبی کارروائی کی اور انہیں ان کے رفقاء کو مسلم لیگ سے خارج کر دیا۔

اس علیحدگی اور اخراج کے بعد ملک خضر حیات خان کو، مسٹر فضل الحق کی طرح اپنے "مسلم لیگی" ہونے پر اصرار رہا۔ انہوں نے ایک بیان شائع کیا جس میں بتایا کہ "آل انڈیا معاملات میں مسلم لیگ کا وفادار سپاہی ہوں۔ لیکن صوبہ کے اندرونی معاملات میں مسلم لیگ کو مداخلت کی اجازت نہیں دے سکتا" یہ اعلان ملک صاحب نے اس لئے کیا تھا کہ وہ جانتے تھے ان کی پس پردہ اور خفیہ معاندانہ کوششوں کے باوجود، مسلم لیگ اور اس کا قومی نصب العین پاکستان، مسلمانوں کے قلوب میں گھر کر چکا ہے اگر انہوں نے اس سے بغاوت کی تو صوبہ بھر میں ان کو اور ان کی پرانی پارٹی یونینسٹ اور ان کی نئی پارٹی "زمیندارہ لیگ" کو بڑے نازک حالات سے دوچار ہونا پڑے گا۔

ملک خضر حیات خاں کا اعلان

شملہ کانفرنس کے بعد جب نئے انتخابات کی تیاریاں شروع ہوئیں اور مسلم لیگ ایک طاقتور حریف کی حیثیت سے میدان میں اتری تو انہیں یہ اندیشہ ہوا اور مسلم لیگ غالب آ جائے گی اور یونینسٹ پارٹی شکست کھا جائے گی لہٰذا مسلمانان پنجاب کے نام انہوں نے ایک طویل بیان، ۴؍ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو شائع کیا جس میں مسلم لیگ پر نہایت ناروا الزامات لگائے۔ لیکن پاکستان سے اپنی دلی وابستگی کا بھی اعلان کیا۔

اپنے بیان میں ملک صاحب نے فرمایا:۔

"میں اور میری پارٹی کے تمام مسلمان اراکین مسلم لیگ کے پاکستان والے نظریہ کے سختی کے ساتھ حامی اور اس کے مددگار ہیں۔ مسلمان ووٹر تو پاکستان کی حمایت میں ووٹ دیں گے، خواہ وہ ووٹ مسلم لیگی امیدوار کو دیں یا پاکستان ماننے والے یونینسٹ مسلمان امیدوار کو، چونکہ یونینسٹ پارٹی کے تمام مسلمان ممبر مسلم لیگ کے لاہور والے ریزولیوشن کی حمایت کرنے میں کسی سے بھی پیچھے نہیں

رہے اس لئے صوبائی حکومت کے سوال پر وہ ضرور مسلم لیگ کی طرح برابر کا حق رکھتے ہیں"

پھر مسلم لیگ اس کی قیادت، اس کے نظام اور اس کے پروگرام پر نہایت درشت اور پست الفاظ میں نکتہ چینی کی اور نہایت بے اصل اور غیر شریفانہ الزامات عائد کئے پھر فرمایا مسلم لیگ اور یونینسٹ پارٹی میں جو مقابلہ ہوگا وہ پاکستان کے سوال پر نہیں ہوگا۔

"کیونکہ اس مسئلہ پر تو کوئی اختلاف ہے ہی نہیں بلکہ نبائے تنازعہ یہ ہوگی کہ آیا پنجاب اسمبلی میں خالص فرقہ وارانہ بنیادوں پر پارٹیاں بنائی جائیں گی یا اقتصادی مفاد کی بنا پر بنائی جائیں گی۔ یونینسٹ مسلمان ایک بہترین اقتصادی پروگرام کی تائید کرتا ہے جس سے ایک مستحکم وزارت کی ضمانت بھی ہو جاتی ہے اس کے برخلاف مسلم لیگ ایک ایسی پالیسی پر عمل درآمد کرنا چاہتی ہے جس سے باہمی اختلافات بڑھتے جائیں گے۔ وزارتیں بن بن کر ٹوٹتی رہیں گی۔ فرقہ وارانہ کشیدگی اور منافرت زور پکڑتی جائے گی اور آخر میں دفعہ ۹۳ کے ماتحت گورنر راج قائم ہو جائے گا۔"

ملک صاحب نے "گورنر راج" سے بڑی دہشت کا اظہار کیا ہے، گویا یہ کوئی بڑی خوفناک چیز ہے حالانکہ ایک بڑے مقصد کے حصول کے لئے، اگر گورنر راج برداشت بھی کرنا پڑے تو کوئی قیامت نہیں آ جائے گی۔ کانگرس نے تین برس تک ہندو صوبوں کی وزارت کو ٹھکرا دیا اور گورنر راج قائم ہو جانے دیا تو نہ آسمان ٹوٹ پڑا، نہ زمین پھٹ گئی، اس قسم کے خطرات اگر پیش نظر رکھے جائیں تو حکومت سے نہ جنگ کی جا سکتی ہے نہ حصول حقوق کے لئے جدوجہد کی جا سکتی ہے لیکن جن لوگوں کے پیش نظر صرف جاہ و منصب ہو، وہ سیاسی سربلندیوں (وہ بھی ذاتی) سے زیادہ سوچ ہی نہیں سکتے۔

مجلس احرار اور پاکستان

شملہ کانفرنس سے پہلے مجلس احرار کے ارباب بست وکشاد مسلم لیگ کے سرگرم مخالفوں میں نہیں تھے بلکہ پاکستان کی دبی زبان سے تائید کیا کرتے تھے لیکن شملہ کانفرنس کے دوران میں مولانا ابوالکلام آزاد نے ملک خضر حیات وزیراعظم پنجاب سے مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی رہائی کی سفارش کی، ملک صاحب کو مسلم لیگ کے مقابلہ کے لئے کانگریس احرار خاکسار سب کا تعاون حاصل کرنا تھا۔ انہوں نے فوراً ارشاد کی تعمیل کی اور مولانا رہا کر دیے گئے۔ مولانا فوراً رہا ہوتے ہی شملہ پہنچے اور پھر ایسوسی ایٹڈ پریس کے تار مورخہ ۱۲ جولائی ۱۹۴۵ء کے مطابق

"مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی صدر کل ہند مجلس احرار نے آج ایک گھنٹہ تک وزیراعظم سرحد ڈاکٹر خانصاحب سے گفتگو کی، معلوم ہوا ہے کہ اس گفتگو کا تعلق سرحد اور پنجاب کے صوبوں کی آئندہ سیاست سے تھا۔"

کل مولانا حبیب الرحمٰن نے مسٹر جلال الدین ہاشمی ڈپٹی اسپیکر بنگال اور مسٹر بدرالدجیٰ سابق میئر کلکتہ سے غیر رسمی گفتگو اور مشورہ کیا تھا یہ گفتگو مسلم قوم پرست جماعتوں میں اشتراک پیدا کرنے اور سرحد سے بنگال تک قوم پرست مسلمانوں

کی ایک صف قائم کر دینے کے سلسلہ میں تھی۔

"مولانا حبیب الرحمٰن نے ایک پریس انٹرویو میں مسلم لیگ کے مسلمانانِ ہند کی نمائندگی کے دعوے کی صحت سے انکار کیا ہے۔"

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے رہا ہوتے ہی مجلس احرار کی ساری قوت مسلم لیگ کے خلاف اور مخالف پاکستان جماعتوں کی تائید کے لئے وقف ہو گئی کانگریس سے خود بخود ساری شکائتیں رفع ہو گئیں۔

آنکھوں آنکھوں میں اشارے ہو گئے   تم ہمارے ہم تمہارے ہو گئے

اور مسلم لیگ کے خلاف خواہ مخواہ ایک محاذ قائم کر دیا گیا۔

مجلسِ احرار کے لیڈر میدان میں

چنانچہ مجلس احرار کے وہ لیڈر جو مدت سے گوشہ نشین تھے میدان میں اتر آئے اور پاکستانی تحریک کے خلاف سدِّ سکندری کی طرح حائل ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کشمیر کی بلندیوں سے نیچے اتر آئے، مسٹر مظہر علی اظہر اخلاق کی بلندیوں سے بہت نیچے اترے اور ان سب حضرات نے متحد و متفق ہو کر مسلم لیگ کے خلاف دھاوا بول دیا اپنی تقریروں اور تحریروں کا ایک ہی مقصد رکھا۔

واعظ ثبوت لائے جو مے کے جواز میں   اقبالؔ کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑ دے

مسلم لیگ جو کچھ کہے وہ خواہ کتنا ہی برحق کیوں نہ ہو اس کی مخالفت کی جائے حتیٰ کہ پاکستان جیسے مسئلہ کی مخالفت بھی ان حضرات نے فرائض و واجبات میں شامل کر لی۔

ایک نئی گالی

علی گڑھ کے طلباء پر ایک نہایت ناپاک، غلط اور تمام تر دروغ الزام لگاتے ہوئے

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ایک تقریر کی جو قوم پرور اخبارات زمزم (لاہور)، الامان، ہند (کلکتہ) نے بڑی اہمیت کے ساتھ شائع کی، اس تقریر پر مولانا نے غریب سرسید مرحوم کو بھی پیٹ لیا۔

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے اپنے اخبار صدق مورخہ ۵ دسمبر ۱۹۳۹ء میں اس انداز گفتگو پر تنقید کرتے ہوئے لکھا۔

"سرسید کی اولاد جو علی گڑھ کے زیر سایہ پل رہی ہے ان نوجوانوں میں ایسے برخوردار بھی تھے جنہوں نے مولانا ابوالکلام کے ڈبہ میں داخل ہو کر اپنی پتلونیں اتار دیں، اور اپنی شرمگاہوں کا مظاہرہ کیا۔ مولانا حسین احمد مدنی جیسے عالم دین کی بے حرمتی کرنے میں سرسید احمد کی اولاد یہاں تک چلی گئی کہ ان کی ٹوپی جلا دی گئی، ان کی نورانی داڑھی میں شراب کی بوتل انڈیل کر اپنے اخلاق کی انتہائی پستی کا ثبوت دیا۔"

(تقریر مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ مندرجہ زمزم و ہند)

جس تقریر دلپذیر کا یہ نمونہ درج ہوا ہے اس کے معنوی جواہر ریزوں سے قطع نظر کیجئے سامنے کی بھی جانے دیجئے کہ جس وقت ولا تقف ما لیس لک به علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک عنه مسئولا کی تعمیل حکم کی بابت پرسش ہو رہی ہوگی۔ اس وقت اس خطیب اعظم کے پاس کیا جواب ہوگا۔ یہاں داد صرف اس کی دیجئے کہ اردو میں ایک نئی گالی خوب ہاتھ آگئی "سرسید کی اولاد" "بچہ شمر" "اولاد یزید" "ذریت شیطان" "ابلیس" کے قبیلہ کے الفاظ کو مبارک ہو کہ انہیں ایک نیا ساتھی "سرسید کی اولاد" شاہ صاحب کی عنایت سے خوب مل گیا۔"

درس گوسفندی

۹ دسمبر ۱۹۴۵ء کی شب کو بمبئی کی مجلس احرار کے اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے مولانا

عطاء اللہ شاہ بخاری نے فرمایا:۔

"پاکستان کے دونوں اجزا ایک دوسرے سے علیحدہ ہوں گے اور ان کے درمیان ۲۶ کروڑ ہندوؤں کی ایک زبردست حکومت ہوگی جس کے پاس سرمایہ ہوگا۔ بہتر مدبر صاحب دماغ آدمی ہوں گے۔ جواہر لال ہوگا۔ گاندھی جی مہاراج ہوں گے۔ کالاناگ راجگوپال اچاریہ ہوگا۔ مالوی جی ہوں گے، اس کے برخلاف اس کے بنگال، پنجاب، سندھ اور سرحد کے مسلمان زیادہ تر کمین ہیں یعنی لوہار، موچی، بڑھئی، کسان، مزدور حتیٰ کہ پنجاب کے بعض علاقوں میں مسلمان بھنگی کا کام کرتے ہیں، جو علاقے پاکستان کے لئے طلب کئے جاتے ہیں۔ ان میں بھی ہندو سرمایہ دار ہیں تعلیم یافتہ ہیں تجارت پر ان کا قبضہ ہے۔ پشاور والوں کو شلوار کے لئے لٹھا امرتسر کی منڈی سے خریدنا پڑتا ہے۔"

یہ خیالات ایک عالم دین کے ہیں جو سرمایہ داری سے مرعوب ہے اور مسلمانوں کو "کمین" کہہ کر اسلام کی توہین کر رہا ہے یہ اس مذہب کا "عالم" ہے جس کے داعی نے فرمایا تھا "الفقر فخری" یہ اس قوم کا فرد ہے جس کے شتربانوں نے ایران اور روم کی شہنشاہتیں الٹ دی تھیں اس استدلال کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو کہ مسلمان غریب ہیں کمین ہیں لہٰذا وہ اپنے ہندو آقاؤں کی سرپرستی میں زندگی بسر کریں ورنہ وہ کچل کر رکھ دئے جائیں گے۔ تباہ و برباد کر دئے جائیں گے۔ تعجب ہے جس قوم کے بعض رہنما تک "احساس کمتری" کے اس مرض میں مبتلا ہیں وہ پھر بھی اتنی حساس اور خوددار ہے کہ پاکستان لینے پر تلی ہوئی ہے۔

شہید پاکستان

۸ جنوری ۱۹۴۶ء کو ایسوشی ایٹڈ پریس آف انڈیا کا ایک تار تمام اخبارات میں شائع ہوا "حال ہی میں لدھیانہ میں پنجاب مسلم لیگ کے ایک رکن محمد صادق شہید ہو گئے"

کہا جاتا ہے کہ کچھ احراریوں نے ایک ہندو کی دوکان پہ لاؤڈ اسپیکر لگا کر مسلم لیگ کو گالیاں دینا شروع کر دیں، محمد صادق نے ان احراریوں سے التجا کی کہ وہ ایسی نازیبا حرکت نہ کریں اور مسلم لیگ کے خلاف گالی گلوچ بند کر دیں، اس پہ کچھ لوگوں نے اس پہ دھوکہ سے قاتلانہ حملہ کیا وہ اپنی قوم کی عزت و آبرو کا تحفظ کرتے شہید ہو گیا۔"

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

تعجب یہ ہے کہ مسلم لیگ کی "غنڈہ گردی" کے خلاف فریاد و الغیاث کا شور بلند کرنے والے اصحاب عزائم ان کارناموں پہ بالکل خاموش رہتے ہیں جو مسلم لیگ کے مقابلہ میں حریف جماعتیں انجام دیتی ہیں۔

واقعہ کی مزید تفصیل

اس حادثہ کے ایک عینی شاہد محمد عالم کا ایک مکتوب بہت سے اخبارات میں شائع ہوا مکتوب کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے تاکہ صحیح حالات کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

"لدھیانہ میں احراری ہر محلہ میں لاؤڈ اسپیکر لگا کر مسلم لیگ اور پاکستان کے مخلص لیڈروں کو صریحاً گالیاں دیتے ہیں اور مسلم لیگیوں کو اشتعال دلاتے ہیں، مولانا حبیب الرحمٰن نے گزشتہ جمعہ میں ایک تقریر میں کہا جو مسلم لیگی تمہارے سامنے ذرا بولنے کی جرأت کرے اس کا سر پھوڑ دو۔ چنانچہ بازار خرادیاں میں انہوں نے ایک ہندو کانگرسی کے مکان میں لاؤڈ سپیکر لگا رکھا تھا اور صاف الفاظ میں ہم کو گالیاں دے رہے تھے غور سے پڑھ لیجئے یہ واقعہ جمعرات کے دن ۱۱-۱-۴۶ کا ہے، ایک پاکستانی مجاہد نے کہا کہ احرار اس آواز کو بند کر دو۔ لیکن وہ باز نہ آئے خیر آپس میں لڑائی ہوئی۔ بعد میں عبدالرحمٰن نے محمد صدیق پسر محمد حیات کشمیری کے پیٹ میں

ایک چاقو جس کی لمبائی ۹" اور چوڑائی دو انچ ہے گھونپ دیا۔ چاقو مجاہد پاکستان کے جگر، دل کلیجے کو کاٹتا ہوا پار ہو گیا احراری نے چاقو خود ہی مارا اور پولیس چوکی میں رپورٹ لکھوانے کے لئے گیا کہ مجھے "صدیق مسلم لیگی نے مارا۔"

اس حادثہ سے صادق نے جام شہادت نوش کیا، جواں ہمت باپ نے کہا:۔

"باری تعالےٰ تو نے مجھے دو بیٹے عطا کئے تھے، ایک تو ملت اسلامیہ کے لئے شہید ہو گیا۔ اگر دوسرا بھی اسی طرح قربان ہو جائے تو میں اپنے آپ کو اس دنیا میں حد سے زیادہ خوش نصیب سمجھوں گا جمعہ کے دن صبح سویرے ۱۰ بجے جنازہ پولیس کی حفاظت اور نگرانی میں جھنڈوں کے سایہ میں تقریباً ۸-۹ ہزار لوگوں کے ساتھ اٹھایا گیا جنازہ کی ایک شان تھی، سبز اسلامی رنگ کے جھنڈے ہوا میں لہرا رہے تھے جگہ بہ جگہ فوٹو اتارے جا رہے تھے پھول برس رہے تھے۔ کلمہ بآواز بلند اور درود شریف پڑھے جا رہے تھے۔

عورتیں اور مرد اور بچے کھڑے اس شہید پہ آنسو بہا رہے تھے۔

لدھیانہ میں ایک عجیب طوفان برپا ہو گیا ہے۔ بہت سے احراری پارٹی کی بزدلی دیکھ کر مسلم لیگ میں شامل ہو رہے ہیں۔"

مولانا ظفر علی خاں کی ایک نظم

مسجد شہید گنج کے سلسلہ میں پاکان احرار نے جو کارنامے انجام دیئے تھے ان کی داد مولانا ظفر علی خاں کے خامۂ سحر آفریں نے یوں دی تھی۔

اللہ کے قانون کی پہچان سے بیزار — اسلام اور ایمان اور احسان سے بیزار
ناموس پیمبرؐ کے نگہبان سے بیزار — کافر سے موالات مسلمان سے بیزار
اس پہ ہے یہ دعوےٰ کہ ہیں اسلام کے احرار — احرار کہاں کے یہ ہیں اسلام کے غدار

پنجاب کے احرار اسلام کے غدّار

کھاتا ہے مسلماں کوئی سینہ میں جو گولی — گالی اسے دیتی ہے یہ احرار کی ٹولی
اسلامیوں کے خوں سے چلے کھیلنے ہولی — احرار کو پھر آج سے کیوں کہئے نہ اشرار
پنجاب کے احرار اسلام کے غدّار

سو جھی شہدا پر انہیں مردار کی پھبتی ! — سکھوں کی یہ پھبتی ہے نہ سرکار کی پھبتی
توحید کے بیٹو یہ ہے احرار کی پھبتی ! — گمراہ ہیں خود اور ہمیں کہتے ہیں غلط کار
پنجاب کے احرار اسلام کے غدّار

اللہ کے گھر کو کوئی ڈھا دے تو یہ خوش ہیں — مسجد کا نشاں کوئی مٹا دے تو یہ خوش ہیں
مسلم کا کوئی خون بہا دے تو یہ خوش ہیں — لاہور میں آثارِ قیامت ہیں نمودار
پنجاب کے احرار اسلام کے غدّار

مردانِ مجاہد سے جو اس طرح کٹے ہیں — اللہ کے رستے سے جو اس طرح ہٹے ہیں
اسلام کی فوجوں کے مقابل جو ڈٹے ہیں — پھر کیوں نہ یہ کمبخت ہوں سوا سربازار
پنجاب کے احرار اسلام کے غدّار

یہ نظم اپنے مفہوم و معنی کے اعتبار سے اگر مسجد شہید گنج کے حادثہ انہدام کے تحت صحیح تھی تو اب اس کی معقولیت میں کچھ اور اضافہ ہو گیا ہے۔

○

جماعت خاکسار اور پاکستان

○

خاکسار تحریک کا اٹھان بڑا شاندار اور امید افزا تھا مسلم عوام کی ہمدردیاں اور دلچسپیاں اس تحریک کے ساتھ روز بروز بڑھتی جاتی تھیں یہ تحریک ۱۹۳۱ء میں قائم ہوئی اور رفتہ رفتہ ہندوستان کی سب سے بڑی زندہ اور لرزہ خیز تحریک بن گئی۔ اگر اس تحریک کو کوئی ایسا قائد میسّر آجاتا جو ولولۂ عمل سے سرشار ہوتا، دولت اخلاص سے مالامال ہوتا عزم و استقامت کی نعمت سے بہرہ ور ہوتا تو یقیناً یہ تحریک پھولتی پھلتی پروان چڑھتی اور مسلمانوں کی سب سے جاندار تحریک ثابت ہوتی لیکن بدقسمتی سے اس تحریک کو ایسی قیادت نصیب ہوئی جس نے اس کا تختہ الٹ کے رکھ دیا۔

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو؟

مسلم لیگ اور خاکسار

دسمبر ۱۹۴۱ء میں جب خاکساروں پر حکومت پنجاب نے پہلا وار کیا اور پھر حکومت ہند نے مسٹر مشرقی کو نظر بند کر کے اس تحریک کو خلاف قانون قرار دے دیا تو وہ مسلم لیگ ہی تھی

جس نے خاکساروں کی حمایت مسٹر مشرقی کی رہائی اور حکومت کے طرزِ عمل پر سخت و شدید احتجاج کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاکساروں پر سے پابندیاں اٹھ گئیں اور مسٹر مشرقی رہا کر دئے گئے۔

مسٹر مشرقی کا کردار

۸ر اکتوبر ۱۹۴۶ء کو راقم الحروف کی مسٹر دیوان سنگھ مفتون ایڈیٹر سے دہلی میں ملاقات ہوئی دورانِ گفتگو میں مسٹر مشرقی کا تذکرہ چھڑا، مفتون صاحب نے بڑی تفصیل سے گرفتاری کے بعد مشرقی صاحب کی حرکات مذبوحی بیان کیں، اور بتایا کہ جب خاکساروں پر گولیاں چل رہی تھیں تو ان کا یہ لیڈر ڈسٹرکٹ جیل دہلی میں حکومت سے انڈے اور مرغی اور حقہ کے لئے جھگڑا کر رہا تھا پھر نومبر کے کسی پرچہ میں مفتون صاحب نے "ناقابلِ فراموش" کالم کے تحت یہ تفصیلات شائع بھی کر دیں۔ مفتون صاحب اور مشرقی صاحب ایک ہی جیل میں تھے اس لئے یہ تمام تفصیلات بڑی آسانی سے انہیں معلوم ہو گئیں۔

ظاہر ہے کہ اس کردار کی شخصیت سے نہ عزم و استقامت کی توقع کی جا سکتی ہے نہ اصول پروری کی۔

چنانچہ رہائی کے بعد بجائے اس کے کہ مشرقی صاحب مسلم لیگ میں شریک ہو کر اسے تقویت دیتے اس کے خلاف ہو گئے اور قائد اعظم اور مسلم لیگ کے خلاف ہمہ تن جہاد بن گئے یونینسٹوں سے ساز باز کانگرس سے یارانہ احراروں سے میل جول شروع ہو گیا الغرض مسلم لیگ کے خلاف ایک محاذ قائم کر لیا گیا۔

بمبئی میں ہنگامہ

مسٹر مشرقی اپنے انتخابی دورہ کے سلسلہ میں بمبئی بھی تشریف لائے اور ۹ر دسمبر ۱۹۴۵ء کو وائی ایم سی کے احاطہ میں ایک مختصر مجمع کے سامنے انہوں نے تقریر شروع کی وہ اس جلسہ

کے متعلق خاکسار آئین پیش کرنے تشریف لائے تھے لیکن انہوں نے قائد اعظم کے خلاف نہایت ناروا اور ناشائستہ الفاظ میں اظہار رائے شروع کر دیا۔ حاضرین اسے برداشت نہ کر سکے اور ہنگامہ شروع ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی خاکسار زخمی ہو گئے اور کئی شرکا جلسہ بھی مجروح ہوئے یہ آگ بڑھی اور شہر میں خاکساروں کے دفاتر پر مشتعل مجمع نے پتھراؤ کیا لیکن جذبات پر قابو پا لیا گیا اور امن و امان بحال ہو گیا۔

ایک خاکسار کے تاثرات

۱۱ر نومبر ۱۹۴۵ء کے اخبارات میں حسب ذیل بیان مسٹر محبوب الٰہی مالک بلوچستان بوٹ ہاؤس، شوز مارکیٹ آگرہ نے خاکسار جماعت سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے شائع کیا۔

"ابتدا میں جس نے کہا تھا کہ میری جماعت کو سیاست سے تعلق نہ ہوگا وہ آج گاندھی جی کی گود میں بیٹھا ہوا قائد اعظم پر کیچڑ اچھال رہا ہے۔ قول و فعل میں زمین و آسمان کا یہ فرق علامہ کو زیب نہیں دیتا میں نے خاکسار جماعت کی سرگرم خدمت کی ہے لیکن علامہ کی نئی روش مسلمانوں کے لئے اور مسلمانوں کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ کے لئے نقصان رساں ہے اس لئے مجھے اس تحریک سے بیزار ہونا پڑا آج میں خاکسار جماعت سے اپنی علیحدگی کا اعلان کرتا ہوں اور اپنے دوسرے خاکسار بھائیوں سے بھی اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی غلط روش پر غور کریں اور اس ضرر رساں تحریک سے علیحدہ ہو جائیں۔"

یہ تاثرات صرف ایک خاکسار کے نہیں ہیں سینکڑوں خاکسار قائد تحریک کی غلط اور تفرقہ انگیز روش سے تنگ آ کر تحریک سے علیحدہ ہو کر مسلم لیگ میں شریک ہو چکے ہیں۔

لاہور کا حادثہ

۱۱ جنوری ۱۹۴۶ء کے اخبارات میں ایسوسی ایٹڈ پریس کا حسب ذیل تار شائع ہوا:۔

"قائد اعظم کی تقریر کے خاتمہ کے قریب علامہ مشرقی بھی اپنے خاکسار والنٹیروں کے ایک گروہ کے ساتھ آپہنچے۔ اور ڈائس کی طرف بڑھے۔ جیسے ہی وہ ڈائس کے قریب پہنچے ان کا استقبال راجہ غضنفر علی خاں نے کیا ان کے لئے معزز مہمانوں کی صف میں ایک کرسی مہیا کی گئی۔ اور قائد اعظم نے پرجوش مصافحہ کیا۔"

قائد اعظم نے اپنی تقریر پھر جاری فرمائی۔ مسٹر عنایت اللہ مشرقی خاموشی سے سنتے رہے۔ جب قائدِ اعظم تقریر فرما چکے تو اعلان کیا گیا کہ قائد اعظم کے رخصت ہونے اور موٹر سے تشریف لے جانے کے بعد مجمع اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔

جب قائدِ اعظم ڈائس سے تشریف لے جانے لگے تو مسٹر عنایت اللہ مشرقی نے اس جلسہ میں تقریر کی اجازت مانگی۔ قائد اعظم نے دریافت کیا کہ کیا آپ لیگ کے رکن ہیں؟ مسٹر مشرقی نے نفی میں جواب دیا۔ اس پر قائد اعظم نے فرمایا کہ آپ جلسہ میں تقریر نہیں کر سکتے۔ یہ سن کر مسٹر مشرقی نے قائد اعظم سے ملنے کی مہلت چاہی۔ قائد اعظم نے کہا کہ آپ ملاقات کے لئے وقت مقرر کیجئے اس کے بعد قائد اعظم پنجاب مسلم لیگ کے لیڈروں کے ساتھ پنجاب مسلم اسٹوڈنس فیڈریشن میں تشریف لے گئے۔

قائد اعظم کے تشریف لے جانے کے بعد مسٹر عنایت اللہ مشرقی بانئ خاکسار تحریک ڈائس پر چڑھ گئے۔ بولنے کی کوشش کی لیکن مجمع نے آواز بلند کی اور نہایت غضبناک ہو کر کہا کہ وہ اس وقت تک کوئی بات نہ سنیں

گے، جب تک مسٹر مشرقی لیگ میں نہ آجائیں۔ اب یہ غضب ناک آوازیں ایک ہولناک ہلّہ کی شکل میں تبدیل ہو گئیں۔ اور اس قدر اشخاص ڈائس پر جا چڑھے کہ پورا ڈائس لوگوں کے وزن سے ٹوٹ کر گر پڑا۔

خاکسار جاں نثاروں اور جاں بازوں کے گروہ نے جو اپنے لیڈر کی حفاظت کے لئے آئے تھے جب اپنے لیڈر مسٹر مشرقی کو ایسے خطرناک طریقہ پر بے بسی کے عالم میں گھرے ہوئے دیکھا تو وہ آخر کار اُٹھے لیکن اپنے لیڈر مسٹر مشرقی کی کسی طرح بھی حفاظت اور مدد نہ کر سکے۔

مسلمانوں کے مجمع نے خاکساروں سے ان کا جھنڈا چھین لیا اور ان کے سامنے پھاڑ کر اس کے چیتھڑے ہوا میں اڑا دئیے۔ مسلم مجمع خاکساروں پر اس تندی کے ساتھ جھپٹا کہ شامیانہ بھی ڈائس کے اوپر گر پڑا۔ اور خاکساروں کی عام پٹائی شروع ہو گئی۔

مسٹر مشرقی کو جو پٹتے پٹتے گرے ہوئے شامیانہ میں دوبارہ گھسنے کی کوشش کر رہے تھے، پھر پکڑ کر باہر نکالا اور پورے مجمع کے سامنے انہیں کھڑا کیا گیا اور انہیں حکم دیا کہ مسلم لیگ کا جھنڈا ہاتھ میں لے کر بلند کرو۔ مسٹر مشرقی نے گڑگڑاتے ہوئے مسلم لیگ کا جھنڈا ادب سے ہاتھوں میں لے کر بلند کیا اور کافی دیر تک بلند کئے رہے۔

لیکن مسٹر مشرقی کو اس پر بھی معاف نہیں کیا گیا۔ کیوں کہ انہوں نے آج جو جسارت کی تھی مسلمانوں کے نزدیک ناقابل معافی تھی۔ لہٰذا انہیں خوب پیٹا گیا۔ جوں توں کر کے مسٹر مشرقی بری طرح مار کھاتے ہوئے کالج کے ہال کی طرف پناہ لینے کے خیال سے کھسکتے چلے گئے اور مار پڑتی گئی اور یہاں پہنچ کر پٹائی کی اور بھی انتہا ہو گئی یہاں تک کہ علامہ مشرقی خاکسار تحریک کے

لیڈر بے ہوش ہو گئے اور بیہوشی کے عالم میں پڑے رہے ان کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار مار کر ہوش میں لا لا کر بٹھایا گیا۔ اور اس قدر شدت سے بے ہوش ہوئے کہ پانی کے چھینٹوں سے بھی ہوش میں نہ آئے۔

یہ وہ حالات تھے کہ علامہ مشرقی کی مدد کو پولیس آئی جس نے کالج کے پرنسپل سے اجازت لے کر ہال میں بمشکل تمام گھسنے کی کوشش کی اور خاکسار لیڈر علامہ مشرقی صاحب کو اٹھا کر کسی محفوظ مقام کی طرف لے گئی۔

زمیندار کے اِنکشافات

یہ تو خبر تھی ایسوسی ایٹڈ پریس کی، زمیندار لاہور نے اس سلسلہ میں اپنے نامہ نگار خصوصی کا حسب ذیل بیان ۱۲ جنوری ۱۹۴۵ء کو شائع کیا جس سے اندازہ ہوگا کہ مسلم لیگی مجمع کے اشتعال کی اصل وجہ کیا تھی۔

"ہمارے نامہ نگار خصوصی کا بیان ہے کہ جلسہ گاہ پر دھاوا بولنے سے پہلے علامہ مشرقی نے دہلی دروازہ کے باغ میں ایک جلسہ کیا اس جلسہ میں چالیس پچاس خاکسار اور بیس پچیس احراری اور یونینسٹ تھے۔ جلسہ میں علامہ مشرقی نے خاکسار آئین پر تقریر فرمائی اور اس کے بعد خاکساروں کے ہمراہ جنہوں نے سروں پر کفن لپیٹ رکھے تھے۔ مسلم لیگ، کے جلسہ پر دھاوا بولنے کے لئے دہلی دروازہ کے باغ سے مارچ کیا اور اسلامیہ کالج کے میدان میں پہنچے، آپ نے سب سے پہلی شرارت یہ کی کہ مرغ بے ہنگام کی طرح مبارک مسجد میں اذان دے دی۔ حالانکہ اذان کا وقت گزر چکا تھا۔ اس کے بعد علامہ مشرقی خاکساروں کے ہمراہ جلسہ گاہ میں داخل ہو گئے اور اسٹیج پر پہنچ گئے۔ قائداعظم نے جو اس وقت تقریر فرما رہے تھے آپ سے مصافحہ کیا اور آپ

کو کرسی پیش کی۔ اس موقع پر جلسہ گاہ میں جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ مسلمان علامہ مشرقی کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ وہ پر امن طریقے پر بیٹھے رہیں۔ لیکن علامہ مشرقی جو یونینسٹ پارٹی کے اشارے پر فساد کرنے کا تہیہ کر کے جلسہ گاہ میں آئے تھے، بار بار یہ اصرار کرنے لگے کہ وہ ضرور تقریر کریں گے۔

جلسہ ختم ہوا تو علامہ مشرقی نے اپنی کم ظرفی کا مظاہرہ شروع کر دیا۔ جس پر لوگوں نے شامیانہ اکھاڑ دیا اور خاکسار اور علامہ مشرقی شامیانے کے نیچے دب گئے۔ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے طلباء نے ان کو شامیانوں کے نیچے سے نکالا اور ان کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ پر امن طور پر نکل جائیں۔ لیکن علامہ مشرقی ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے اس پر مسلمانوں کا مشتعل ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں نے اس نام نہاد لیڈر کی تھپڑوں سے تواضع کی۔ اس پر علامہ مشرقی بھاگ نکلے مسلمانوں نے علامہ مشرقی کا تعاقب کیا چنانچہ مسلم طلباء پھر آڑے آئے اور انہوں نے علامہ مشرقی کو ایک کمرے میں بند کر دیا جوشیلے مسلمانوں سے ان کو بچایا اس کے بعد پولیس آگئی اور وہ مشرقی صاحب کو بچا کر باہر لے گئی۔

علامہ مشرقی اس جگہ سے جانے کے بعد قائداعظم جناح اور مسلم لیگ کے خلاف اشتعال انگیزی کرتے رہے چنانچہ اس اشتعال انگیزی کا یہ نتیجہ ہوا کہ بھاٹی دروازہ کے باہر مسلمانوں نے علامہ مشرقی کو پھر گھیر لیا اور ان کے کپڑے وغیرہ پھاڑ دئے۔ اس جگہ بھی علامہ صاحب سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔

اسی نامہ نگار کا بیان ہے کہ:۔

"عوام ہال کے سامنے کھڑے سیاپہ کر رہے تھے اور "خضری ٹولی ہائے ہائے"

"ٹوڈی بچہ ہائے ہائے" کے نعرے لگا رہے تھے، سوا پانچ بجے کے قریب کالج گیٹ کے باہر کھڑی پولیس پرنسپل اسلامیہ کالج کی اجازت سے اندر آئی علامہ مشرقی اور دوسرے خاکساروں کو نکالا گیا اور پولیس عوام کے گھیرے سے انہیں صحیح سلامت باہر لایا گیا مظاہرین ساتھ ساتھ بدستور سیاپا کرتے جا رہے تھے اور خضری ٹوڈی ہائے ہائے کے نعرے لگا رہے تھے۔

"علامہ مشرقی اپنے ساتھیوں سمیت پولیس کی حفاظت میں چلے گئے۔"

مسٹر مشرقی کے ساتھ جو کچھ ہوا برا ہوا، لیکن مسٹر مشرقی نے جو کچھ کیا اس کی تائید کون سمجھ دار کر سکتا ہے؟

○

علمائے کرام اور پاکستان

○

علمائے کرام کا کام گمراہوں کو راہِ ہدایت دکھانا ہے بھٹکے ہوؤں کو صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔ کفر و شرک کے مقابلہ میں تلوار اور اسلام و ایمان کے مقابلہ میں حریر و پرنیاں بن جانا ہے۔ علمائے کرام کا آوازۂ حق ہمیشہ باطل کے ایوانوں میں گونجا اور زلزلہ آفریں ثابت ہوا۔ علمائے کرام کا نعرۂ صداقت کشور کشاؤں اور جہاں بانوں کے دربار میں ہمیشہ لرزہ خیز ثابت ہوا، قدوسیوں کی یہ جماعت ہمیشہ حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت کرتی رہی، اس نے اسلام کی سربلندی کے لئے مسلمانوں کی عروج و ترقی کے لئے قید و بند اور دار و رسن کے مصائب برداشت کئے اور جبینِ استقامت پر شکن تک نہ آنے دی۔

پاکستان کا مسئلہ یعنی مسلمانوں کی آزادی و خود مختاری کا مسئلہ ایسا تھا کہ کم از کم علماء کے طبقہ میں دو رائیں نہیں ہونی چاہیئے تھیں، لیکن غلاموں میں ایسے اصحاب علم و فضل ایسے ارباب فہم و دانش، ایسے صاحبان زہد و تقویٰ، ایسے حاملان کتاب و سنت بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں، جو کافروں اور مشرکوں کے زیر سایہ زندگی بسر کرنے کے ذوق و شوق میں اپنے ہم مذہبوں اور ہم قوموں سے "جہاد" کر سکتے ہیں۔ فجزاہم اللہ خیر الجزا۔

علمائے کرام کی وہ شرذمہ قلیلہ جو دہلی کی جمعیۃ علماء وابستہ ہے پاکستان کی سخت مخالف ہے اور اکھنڈ ہندوستان اس کا آخری مطمع نظر اور نصب العین ہے۔ لیکن الحمد للہ کہ علمائے کرام کا بڑا طبقہ دہلی کی اس جماعت کے ساتھ نہیں ہے نہ اس کے نظریات و خیالات سے متفق ہے یہ گروہ مسلم لیگ کی حمایت، پاکستان کی تائید اور مسلمانوں کی آزادی و خود مختاری کے لئے سربکف میدان میں اتر چکا ہے۔

علماء کی روش ایک عالم کی نظر میں

دیوبند اور دہلی کے وہ علماء جو کانگرس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہتے ہیں اور مسلم لیگ و پاکستان کی مخالفت کرتے رہتے ہیں، انہیں علمائے کرام کے ذمہ دار طبقہ میں کس نگاہ سے دیکھا جاتا ہے؟ اس کا اندازہ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی شیخ التفسیر جامعۂ عثمانیہ کے اس مکتوب گرامی سے ہو سکتا ہے جو موصوف نے عبدالماجد صاحب دریا بادی کو لکھا تھا اور جو جنوری ۱۹۴۶ء کے صدق میں شائع ہو چکا ہے، مولانا نے تحریر فرمایا تھا:-

"دیوبند ہی میں نہیں، طبقہ علماء کا حال ہر جگہ قابلِ رحم حد تک پہنچ چکا ہے۔ اپنی فوج کو خود اپنے ہاتھوں انہوں نے ضائع کیا۔ اب اگر مذہبی بیباکیوں کی طرف سے کوئی اقدام خدانخواستہ پیش آیا تو ان مولویوں سے کوئی پوچھے کہ اپنی کس ہوت کا دباؤ ڈال کر ان شرارتوں کا مقابلہ کریں گے؟ جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ نے گو ایک محاذ مولویوں کے لئے قائم کر دیا ہے لیکن عوام ان کے ہاتھوں سے نکل چکے، اب ان پر قابو پانا آسان نہیں ہے۔ افسوس کہ خود اپنے ہاتھوں اپنے پیر پر کلہاڑی ان مولویوں نے چلائی۔ تاہم محمد رسول اللہ صلعم کے دین کا محافظ وہی ہے جس نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے خدا کا شکر ہے کہ علماء ہمارے ہاں کسی نسل کا نام نہیں، مجھے تو کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ تعلیم یافتوں کی تعلیم میں دین کا عنصر شریک کر کے علماء کی قیادت کی باگ قدرت اب تعلیم یافتوں کے سپرد کر دے گی۔ آئندہ میدان انشاء اللہ محمد علیوں اقبالوں کے ہاتھ میں رہے گا۔"

بہتر طرزِ عمل

علمائے کرام کی ایک جماعت وہ بھی ہے جو اب تک پاکستان کے فوائد اور خصائص کی پورے طور پر قائل نہیں ہوئی ہے جو مسلم لیگ کی قیادت کو غیر مذہبی سمجھ رہی ہے اس لئے اس میں شریک ہوتے ہوئے ہچکچاتی ہے لیکن وہ یہ نہیں کرتی کہ کانگرس کی قیادت تسلیم کر لے، پاکستان کی مخالفت میں سرگرم عمل ہو جائے اور مسلم لیگ کے خلاف کفر کے فتوے شائع کرنے لگے، وہ حالات کا جائزہ لے رہی ہے اور خاموشی کے ساتھ صورت حال کے مطالعہ میں مصروف ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی کا حسب ذیل شذرہ ۲۶ دسمبر ۱۹۴۵ء کے صدق میں مولانا عبدالماجد دریا بادی نے اپنے تائیدی نوٹ کے ساتھ شائع کیا۔

"مجلس دار المصنفین بھی ایک علمی ادارہ ہے۔ اس ادارہ میں بھی طرزِ سیاست کے لحاظ سے لوگ مختلف الخیال ہیں، تاہم ہمارے ارکانِ مجلس اس باب میں متحد ہیں کہ ادارہ کو سیاسیات کے اکھاڑے سے پاک رکھا جائے اور اس کو عملی سرگرمیوں کا بازیچہ نہ بنایا جائے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب مسلمانوں کی اکثریت ایک طرف ہے۔ خطا و صواب اپنی اپنی جگہ پر لیکن اکثریت کی رائے کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا خصوصاً اس وقت جب اس میں بعض مصالح اسلامیہ کا پرتو بھی نظر آتا ہے۔"

دیوبند اور دہلی کے علمائے کرام اگر یہ طرز عمل بھی رکھتے تو عامۃ المسلمین کو ان سے شکایت نہ ہوتی۔

مولانا ظفر احمد صاحب کی تصریحات

حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ مجاز حضرت مولانا ظفر احمد صاحب نے ایک مفصل اور مدلّل بیان میں مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے مزعومات اور شرکت کانگرس کے تخیلات پر خالص مذہبی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی ہے۔ یہ بیان ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۵ء کے متعدد مقامی اخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔ اس طویل بیان کے جستہ جستہ حصے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

مولانا حسین احمد صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت سہارنپور میں کانگرس سے اشتراکِ عمل کو جائز ٹھہرایا تھا۔ مولانا ظفر احمد صاحب نے فرمایا:۔

"مسلمانوں کا مشرکین کے ساتھ جہادِ آزادی میں اشتراکِ عمل اس شرط سے جائز ہے کہ حکم اہلِ شرک غالب نہ ہو۔ مسلمان مشرکین کے جھنڈے تلے نہ ہوں بلکہ مشرکین اسلامی جھنڈے کے نیچے ہوں۔ چنانچہ شرح اسیر صفحہ ۱۴۱ جلد ۳ میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔"

"اب فیصلہ اہلِ انصاف کے ہاتھ میں ہے کہ کانگرس میں اس وقت حکم شرک غالب ہے یا حکم اسلام؟"

اب مولانا موصوف پاکستان کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"رہا مطالبہ پاکستان سو جب کہ تمام ہندوستان کو اسلامی سلطنت بنانا بحالت موجودہ کسی طرح ممکن نہیں تو کم از کم ان صوبوں کو جہاں مسلم اکثریت ہے اسلامی سلطنت بنا لینا کہ وہاں اسلامی سلطنت اسلامی اصول پر قائم کی جائے لازم اور ضروری ہے اور اس کی نظیر مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت ہے جب کہ مکہ معظمہ میں اسلامی حکومت اور نظامِ اسلامی قائم نہ ہو سکا تو مدینہ منورہ

کو مرکز بنایا گیا۔ پھر اسی مرکز سے اسلام کو ترقی ہوئی۔ اسی طرح کیا عجب ہے کہ پاکستان سے بھی اسلام کو ترقی حاصل ہو۔"

مولانا شبیر احمد عثمانی کے ارشادات

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مفسر و مترجم قرآن شارح حدیث نبوی کے نام نامی واسم گرامی سے ہر پڑھا لکھا شخص واقف ہے۔ مولانا موصوف اپنے علم وفضل زہد وورع تقوٰے اور پرہیزگاری، ہر اعتبار سے یگانہ اور فرد فرید ہیں۔ مولانا کے فضل وکمال کو ان کے مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں اور ہندوستان کے چند گنے چنے خطیبوں اور واعظوں میں مولانا کا شمار ہوتا ہے۔

موصوف، مسلم لیگ کے نصب العین پاکستان کے دل وجان سے حامی ہیں اور علالت ونقاہت کے باوجود اس مقصد عظیم کے حصول کے لئے سعی وجہد فرمایا کرتے ہیں۔ مولانا کا ایک اہم بیان نومبر ۱۹۴۵ء کے عصرِ جدید (کلکتہ) میں شائع ہوا تھا، جس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"کیا کانگرس کے دائرہ میں جہاں ہندو عناصر کے کھلے ہوئے غلبہ سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، مٹھی بھر مسلمان داخل ہو کر تو یہ امید کر سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے معاملات میں ان سب کو راہِ راست پر لے آئیں گے لیکن مسلم لیگ کے متعلق جو خالص مسلمانوں کی جماعت ہے۔ اسی امید کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ یہ چیز کم از کم میری سمجھ سے باہر ہے۔ اچھا مان لو کہ لیگ نے وہ سب غلطیاں کی ہیں جو اس کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ مگر کیا ترکوں نے شرعی نقطۂ نگاہ سے اس سے کچھ کم غلطیوں کا ارتکاب کیا تھا، تاہم جب کبھی کوئی معاملہ ترکی سلطنت کا ہمارے سامنے آتا ہے۔ ہم صرف یہ دیکھتے ہیں کہ ان تمام

غلط کاریوں کے باوجود کلمہ گو ہیں مسلمان ہیں۔ اس لئے ہم ہر دوسری غیر اسلامی طاقت کے مقابلہ میں ان کی طرف جھکتے ہیں۔ آج ہندوستان میں بھی مسلم لیگ کلمہ گو مسلمانوں کی جماعت ہے اس میں ہزار عیب سہی تاہم غیر مسلم قوموں کی نسبت وہ ہم سے قریب تر اور مفید تر ہے۔ ادھر جوں جوں اب عام مسلمان اس میں بکثرت شامل ہوتے جاتے ہیں۔ اس کے قائدین بھی پہلے کی نسبت ذرا احتیاط سے کام کرنے لگے ہیں۔ پھر اس وقت جس اصول پر وہ الیکشن لڑ رہی ہے وہ عقلی اور شرعی حیثیت سے مرجع اور بے غبار ہے اگر مسلم لیگ موجودہ الیکشن میں ناکامیاب ہو گئی تو قوی اندیشہ ہے کہ ایک سچا اصول ہی شاید ہمیشہ کے لئے دفن ہو جائے اور مسلمانوں کے قومی و سیاسی استقلال کی آواز فضائے ہندوستان میں پھر کبھی نہ سنائی دے۔ پاکستان ایک اصطلاحی نام ہے یہ نام سن کر کسی کو بھی یہ غلط فہمی یا خوش فہمی نہیں پیدا ہونی چاہیئے کہ اس خطہ میں فوراً بلاتاخیر خلافت راشدہ یا خالص قرآنی اور اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی۔ ضرورت سے زیادہ امیدیں دلانا توقعات باندھنا کسی عاقبت اندیش حقیقت پسند کے لئے زیبا نہیں۔ ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان ایک ایسا ابتدائی قدم ہے جو انجام کار قرآنی اصول کے مطابق احکم الحاکمین کی حکومت عادلہ قائم ہونے پر کسی وقت منتہی ہو سکتا ہے جس کے قیام کا نام نہاد قومیت متحدہ کی حکومت کے ذریعہ بظاہر کوئی امکان نہیں۔"

عزمِ شہادت

۲۶ر دسمبر ۱۹۴۵ء کو دیوبند کے ایک عظیم الشان اجتماع میں حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

"ایک عرصہ سے عافیت نشین تھا، اور میری طویل علالت و خرابی صحت کا اقتضی ابھی یہی تھا۔ لیکن آج ملتِ اسلامیہ ایسی جدّ و جہد سے دوچار ہے اس کے نتائج و عواقب اس قدر اہم ہیں جو مجھے اس بیماری کی حالت میں بھی سیاست میں کھینچ لائے، تحریکِ خلافت کے بعد سے میں سیاست سے کنارہ کش ہوں لیکن عرصہ دراز کی کاوشوں اور غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر حصول پاکستان کے لئے میرے خون کی ضرورت ہو تو میں اس راہ میں اپنا خون دینا باعثِ افتخار سمجھوں گا۔ اور اس سے ہرگز دریغ نہ کروں گا۔ اس ملک و ملت اسلامیہ کا وجود و بقا اور مسلمانوں کی باعزت زندگی قیام پاکستان سے وابستہ ہے میں اپنی زندگی کو کامیاب سمجھوں گا اگر اس مقصد کے حصول میں کام آجاؤں۔"

علمائے کرام کے ان ارشادات کو ملاحظہ فرمایئے، اور دیکھئے کہ اب بھی بعض لوگ کہتے ہیں "علماء" مسلم لیگ سے الگ ہیں، نہ معلوم "علماء" سے ان کی مراد کیا ہے؟

صوفیائے کرام اور پاکستان

علمائے کرام کے ارشادات وتصریحات کا "مشتے نمونہ از خروارے" گزشتہ باب میں پیش کیا جا چکا ہے، اب صوفیائے عظام کے تاثرات وتلقینات کے دفتر بے پایاں میں سے چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔ یہ اخلاف کرام، ان اسلاف عظام کے جانشین ہیں، جنہوں نے اس کفر کدۂ ہند میں اپنی روحانیت کی روشنی سے اجالا کیا، جن کے ہاتھ تلوار وسناں سے نیزہ وخنجر سے تیر وتبر سے خالی تھے لیکن جن کے چہرہ پر نورانیت کا جلال برس رہا تھا۔ جن کی آنکھوں میں روحانیت کا نور چمک رہا تھا۔ جن کی زندگی عیش وتنعم کی، دبدبہ وطنطنہ کی، جاہ وجلال شہریاری کی زندگی نہیں تھی جو چٹائی پر بیٹھتے اور زمین پر سوتے تھے جو نانِ جویں پر بسر کرتے تھے، اور اسی میں مگن تھے جو محلّوں اور کوشکوں میں نہیں رہتے تھے۔ خانقاہوں اور حجروں میں زندگی بسر کرتے تھے جو دست وبازو کی قوت سے لوگوں کے سر نہیں جھکاتے تھے صداقت وحقانیت کے بل بوتے پر منکروں اور کافروں، مشرکوں اور سرکشوں کے دل تسخیر کر لیتے تھے جو سیم وزر کو کنکر پتھر سمجھتے تھے۔ جو حبّ دنیا سے نفور اور بیگانہ تھے آج وہ نہیں ہیں، لیکن ان کے جانشین اور سجادہ نشین موجود ہیں۔ آیئے دیکھیں وہ مسلم لیگ کے بارے

میں مسلم لیگ کے قائد اعظم کے بارے۔ میں مسلم لیگ کے نصب العین پاکستان کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ کیا ارشاد کرتے ہیں؟

سجادہ نشین مانکی شریف کا اعلان

۱۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو جب صوبہ سرحد اور پنجاب کے پیروں، سجادہ نشینوں، صوفیوں اور روحانی پیشواؤں کا ایک اہم اجتماع پشاور میں ہوا، اس جلسہ میں ایک تجویز منظور ہوئی جس میں مسلم لیگ سے وفاداری اور مسٹر جناح کی قیادت پر اعتماد کا اظہار کیا گیا۔

سجادہ نشین صاحب مانکی شریف نے اس اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اس وقت مسلمانوں کو باہمی اتحاد کی سخت ضرورت ہے، ہر مسلمان کو حصول پاکستان کے لئے پوری جدوجہد کرنی چاہیئے، جہاں وہ عزت اور آزادی سے رہ سکیں گے۔ حصول پاکستان کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا کہ ہر مسلمان مسلم لیگ میں شریک ہو کیونکہ صرف مسلم لیگ ہی ایک ایسی جماعت ہے جو صرف اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی اور آزادی کے لئے کوشاں ہے۔"

سجادہ نشین درگاہ خواجہ غریب نواز

شیخ المشائخ حضرت دیوان سید آل رسول صاحب نبیرہ وسجادہ نشین درگاہ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نور اللہ مرقدہ، علالت کے سبب علمائے اسلام کانفرنس کلکتہ میں بہ نفس نفیس شریک نہیں ہو سکے، لیکن آپ نے غازی محی الدین صاحب اجمیری کو خاص طور پر اپنا نمائندہ بنا کر حسب ذیل پیام بھیجا جو وہاں پڑھ کر سنایا گیا۔

"اس وقت ہندوستان میں سب سے زیادہ ضروری اور ہم سب کی توجہ کے قابل یہ مسئلہ ہے کہ مسلم لیگ کی واحد نمائندگی کے دعوے میں ہم پورے

اتر جائیں، اور قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح کی قیادت قائم و برقرار رہ جائے، اغیار اور معاندین اسلام ہماری اس واحد نمائندگی اور قیادت کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اڑا دینا چاہتے ہیں۔ ہم کو بڑے استقلال و پامردی کے ساتھ اس دعوے کو ثابت کرنا ہے اور اس قیادت کے قیام و بقا کے لئے کام کرنا ہے، میں اپنے اس سلسلہ کی خانقاہوں کے سجادگان سے اپنے جدِ امجد حضرت خواجہ غریب نواز کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی اپنی گدیوں کو چھوڑ کر اس نازک وقت میں اسلام کی خدمت کے لئے نکل پڑیں اور مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنانے کے لئے کمر باندھ کر میدان میں آ جائیں۔"

خواجہ حسن نظامی کا بیان

مشہور صاحب طریقت بزرگ، خواجہ حسن نظامی صاحب کا ایک طویل بیان ۱۱/ نومبر ۱۹۴۵ء کے روزناموں میں شائع، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

"حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کے سجادہ نشین پیر غلام محی الدین صاحب نے اپنے سب مریدوں کو حکم دے دیا ہے کہ وہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں، اور چونکہ نواب خضر حیات خان صاحب ان کے مرید ہیں اس واسطے یقین ہے کہ نواب صاحب بھی آخر کار مسلم لیگ کے ساتھ ہو جائیں گے۔"

کانگرسی جمیعت العلماء سے بہت زیادہ مولوی صاحبان کلکتہ کی بڑی جمیعت العلماء میں ہیں، اور وہ سب مسلم لیگ کے ساتھ ہیں اور انہوں نے سب مسلمانوں کو فتوے دے دیا ہے کہ وہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں جو مسلمان بڑی جمیعت علماء کے فتوے کے خلاف کرے گا گنہگار ہوگا۔

اگرچہ میں عالم اور مشائخ نہیں ہوں لیکن اپنی چشتی برادری اور نظامی برادری کے مسلمانوں کی طرف سے وائسرائے کو تار دے چکا ہوں کہ ہم سب مسلم لیگ کے ساتھ ہیں۔ اور اب بھی میں اسی رائے پر قائم ہوں لہٰذا میری چشتی برادری کے مسلمان ممبر اور میرے سب مرید اور نظامیہ خاندان کے سب متوسل مسلم لیگ کا ساتھ دیں گے۔

متولی درگاہ حضرت بو علی قلندرؒ کا ارشاد

۲۰/ جنوری ۱۹۴۶ء کو حضرت شاہ شرف الدین بو علی قلندر قدس سرہٗ کی درگاہ کے متولی اور سجادہ نشین عبد الرشید نے پانی پت سے حسب ذیل بیان شائع فرمایا:۔

"اس وقت مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے اور پاکستان مسلمانانِ ہند کا بہترین نصب العین ہے۔"

اس کے بعد موصوف نے درگاہ کے متوسلین اور معتقدین سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ صرف مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دیں۔

پیر سیّد جماعت علی شاہؒ کا فرمان

جمیعتہ علمائے اسلام کانفرنس پنجاب کے ایک اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے الحاج پیر سیّد جماعت علی شاہؒ محدث علی پوری نے فرمایا:۔

"حکومت اور کانگرس دونوں کان کھول کر سن لیں، کہ اب مسلمان بیدار ہو چکے ہیں، انہوں نے اپنی منزل مقصود متعین کر لی ہے۔ اب دنیا کی کوئی طاقت ان کے مطالبۂ پاکستان کو ٹال نہیں سکتی، بعض دین فروش نام نہاد لیڈر مسٹر جناح کو برملا گالیاں دیتے ہیں لیکن انہوں نے آج تک کسی کو برا نہیں کہا، یہ ان کے

سچے رہنما ہونے کا بڑا ثبوت ہے خاکساروں نے مجھے قتل کی دھمکیاں دی ہیں میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں سید ہوں۔ سید موت سے کبھی نہیں ڈرتا۔"

اس کے بعد موصوف نے اپنے مریدوں اور حلقہ بگوشوں سے ارشاد فرمایا کہ وہ صرف مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دیں۔

مذکورہ حقائق سے کیا یہ اندازہ نہیں ہو جاتا کہ صوفیان کرام، اور علمائے عظام کی بہت بڑی اکثریت مسلم لیگ اور مطالبۂ پاکستان کی حامی ہے؟

فرقۂ شیعہ اور پاکستان

شیعوں اور سنیوں میں مذہبی اختلافات ہیں، لیکن فروعی اور ضمنی ان اختلافات کی نوعیت اساسی اور بنیادی نہیں ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو مسلمان سمجھتے ہیں، دونوں کا قبلہ ایک، قرآن ایک، خدا ایک، رسول ایک، تمدن، معاشرت، تاریخ، روایات ایک، پھر بھی دونوں کے چند فتنہ پرور اور فساد انگیز طبائع۔ ایک دوسرے پر کفر کا فتوے دیتے رہتے ہیں۔ لیکن اس طرح حقیقت نہیں بدل سکتی، کفر کا فتوے دینے والوں نے ہر غیر عقیدہ والے پر فتوئ کفر دیا ہے اس طرح کے تنگ نظر سنیوں کے نزدیک شیعہ کافر، شیعہ کے نزدیک سنی کافر، حنفی کے نزدیک شافعی کافر، حنبلی کے نزدیک اہل حدیث کافر، اہل حدیث کے نزدیک بدعتی کافر، غرض کفر کی یہ توسیع صرف تنگ نظر طبقہ تک محدود ہے، سمجھ دار اور صحیح مذہبی سمجھ رکھنے والا طبقہ کفر سازیوں سے بلند ہے وہ کسی مدعی اسلام کو کافر نہیں سمجھتا، اس کے سامنے رسالت مآب کا ارشاد جلالی "بل شققت قلبہ" موجود ہے۔ اور وہ اس سے لرزتا ہے کہ ذات رسول صلعم (فداامی وابی) اس کے کسی فعل سے برأت کا اظہار کرے۔

پھر شیعہ اگر نا ... ہوتے تو حرمین شریفین کے دروازے ان کے لئے بند کر دئے جاتے

مدینۃ الرسول اور خانہ کعبہ میں انہیں گھسنے نہ دیا جاتا۔ لیکن کیا تاریخ کے کسی دور میں ایسا ہوا ہے؟ سلطان ابن سعود جیسے ماحی بدعت فرماں روا کے دور میں بھی شیعہ اصحاب مکہ جاتے ہیں۔ مدینہ جاتے ہیں۔ اپنے طریقہ پر نماز پڑھتے ہیں۔ شیعہ عرب، مطوف مذہبی مراسم کی انجام دہی میں ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ شیعہ اگر کافر ہوتے تو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ بخاری شریف میں، شیعہ رواۃ کی حدیثیں نہ ملتیں، اور اسماء الرجال کی کتابوں میں ان کی شیعیت کے باوجود "ثقہ ہونے کی انہیں سند نہ ملتی۔ جس کا جی چاہے علامہ ذہبی کی کتاب "میزان الاعتدال" دیکھ کر اپنی تشفی کر سکتا ہے۔ امام بخاری کی جامع صغیر اور جامع کبیر میں اس دعوے کے شواہد ملیں گے کیا کسی "کافر" سے "حدیث رسول" کی روایت قبول کی جا سکتی ہے؟ حدیث کا ایک معمولی طالب بھی جانتا ہے کہ جواب انکار میں ہے۔

بالکل یہی کیفیت شیعوں کے سمجھ دار اور ذمہ دار طبقہ ہے، عربی زبان میں تاریخ کی جتنی معتبر ترین، اور مستند ترین کتابیں موجود ہیں اور جو "مکتب جوا" کے طور پر ہر عربی دان سنی کے ہاتھ میں رہتی ہیں۔ زیادہ تر شیعہ مؤرخوں اور عالموں کی لکھی ہوئی ہیں۔ ان کتابوں میں خلفائے ثلثہ تک کا ذکر، جس ادب واحترام اور تاریخی استناد کے ساتھ مرقوم ہے اس کی صحت کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ سنی انہیں بے چون و چرا تسلیم کرتے ہیں، اور ان سے مستفید ہوتے ہیں مثلاً سعودی وغیرہ۔

ان حالات میں جب "مسلمانوں" کا سوال اٹھے گا "مسلمان" ایک ہو جائیں گے۔ خواہ وہ شیعہ ہوں یا سنی، چنانچہ ہندوستان میں، سنیوں کی عنانِ قیادت اکثر و بیشتر شیعہ رہنماؤں کے ہاتھ میں رہی ہے اور سنیوں نے ان کی قیادت کو پورے خلوص کے ساتھ تسلیم کیا ہے۔ سر آغا خاں، سر علی محمد خاں (راجہ محمود آباد) سید امیر علی اور اسی صف کے دوسرے شیعہ رہنما مسلمانوں کے سرتاج اور محبوب زعیم رہ چکے ہیں۔

ذیل میں شیعہ فرقہ کے ان رجحانات کا تذکرہ مقصود ہے جو پاکستان، مسلمانوں کے

حق خود ارادیت اور آزاد مسلمان ریاست کے قیام سے متعلق پائے جاتے ہیں، ان سے اندازہ ہو گا کہ من حیث المجموع، من حیث الجماعت، فرقہ شیعہ، خواہ وہ اثنا عشری ہو طبقہ بوہیرے تعلق رکھتا ہو، یا خوجہ جماعت (جماعت اسمعیلی) سے وابستہ ہو۔ عامۃ المسلمین کے ساتھ ہے اور ان ارباب غرض سے قطعاً غیر متعلق ہے جو "شیعہ مفاد" کا نام لے کر شیعوں کو سنیوں کے خلاف اکساتے اور ابھارتے رہتے ہیں۔

اعتماد کامل کا اظہار

جب شیعوں میں مسٹر علی ظہیر (لکھنؤ) اور مسٹر حسین بھائی لال جی (بمبئی) نے سنیوں اور مسلم لیگ، اور قائد اعظم کے خلاف ایک طوفان بپا کرنے کی کوشش کی، اور شیعہ حضرات کو سواد اعظم سے جدا کرنے کی سرگرم سعی میں مصروف ہو گئے تو مخلص اور بے ریا شیعوں کا ایک طبقہ ان اصحاب فتنہ و فساد کے سامنے سدِ سکندری بن کر کھڑا ہو گیا اور شیعہ عوام نے پورے جوش کے ساتھ اس باہمت طبقہ کا ساتھ دیا۔

۲۳ جون ۱۹۴۶ء کو مسلم چیمبر آف کامرس کے صدر مسٹر حبیب ابراہیم رحمت اللہ (بمبئی) نے وائسرائے کے نام حسب ذیل برقیہ ارسال کیا۔

"تمام شیعہ مسلم لیگ کے پرچم کے نیچے دوسرے مسلمانوں سے کامل اتحاد رکھتے ہیں اور مسٹر جناح کی قیادت پر پورا پورا بھروسہ رکھتے ہیں۔"

ایک شیعہ مدبّر کے خیالات

اودھ چیف کورٹ کے سابق جج جسٹس ضیاء الحسن نے ایک طویل مضمون اس موضوع پر تحریر فرمایا، جو ۹ اکتوبر ۱۹۴۶ء کے اردو روزناموں میں نمایاں طور پر شائع ہوا اس مفید اور اہم مقالہ کے خاص خاص حصص درج ذیل کئے جاتے ہیں:-

"ہر شخص جانتا ہے کہ اجتماع و اتحاد باعثِ قوت اور افتراق و انشقاق موجب ضعف و ذلت ہوتا ہے اور ہم مسلمانانِ ہند کو جس قدر اتفاق و اتحاد کی اس وقت ضرورت ہے ایسی شاید پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ اتفاق و اتحاد کس طرح حاصل ہو۔ اس کا اس وقت صرف ایک ہی جواب ہے کہ ہم سب کو اپنے مختلف نصب العین چھوڑ کر ایک مرکز پر جمع ہو جانا چاہیئے اور وہ مرکز صرف مسلم لیگ ہی ہو سکتی ہے۔"

آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

"کیا آپ چاہتے ہیں کہ ایک غلامی سے نکل کر دوسری اور بدتر غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈال لیں۔ کیا آپ کی یہ خواہش ہے کہ آئندہ ہندوستان میں آپ کی حالت اچھوتوں کی حالت سے بدتر ہو جائے یا آپ اس کے لئے تیار ہیں کہ ہندوستان آپ کے لئے دوسرا اسپین ثابت ہو۔"

یہ امر بھی ناقابلِ انکار ہے کہ مسٹر محمد علی جناح نے صرف چند سال میں لیگ کو جس بامِ ترقی پر پہنچا دیا اور مسلمانوں کی تنظیم میں اس قلیل مدت میں جو کامیابی حاصل کی وہ نہایت حیرت انگیز ہے۔ اس تعجب خیز کامیابی کا سبب میرے نزدیک صرف تائیدِ غیبی ہے۔ ایسی حالت میں ہمارا فرض ہے کہ اس غیبی اشارہ پر عمل کریں اور مسلم لیگ میں دل و جان سے شریک ہو جائیں۔"

پھر وہ مذہبی نقطۂ نظر سے اس مسئلہ کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہیں اور فرماتے ہیں:۔

"من فارق الجماعت شبراً فقد خلع ربقتہ الاسلام من عنقہ" (جمع الفوائد)

یعنی جو شخص جماعت سے ایک بالشت علیحدہ ہو، اس نے اپنی گردن سے اسلامی طوق نکال پھینکا، پھر فرمایا کہ،

من شذ شذ فی النار، یعنی جماعت سے علیحدہ ہونے والے کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

لن تجتمع امتی علی ضلالتہ فعلیکم الجماعتہ فان ید اللہ علی جماعتہ (جمع الفوائد)

یعنی میری اُمت گمراہی پر ہرگز جمع نہیں ہو سکتی۔ جماعت کو خوب مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو، اس لئے کہ اللہ کی رحمت کا سایہ جماعت پر ہے۔

اس حدیث میں نہ صرف جماعت میں شامل رہنے کا حکم ہے۔ بلکہ یہ بھی ارشاد ہے کہ میری اُمت گمراہی پر مجتمع نہ ہو گی اور نیز یہ کہ جماعت کو خدا تعالےٰ کی تائید حاصل ہو گی۔ اب دیکھئے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی کس قدر کثیر جماعت مسلم لیگ کے ساتھ ہے۔ اسی سے مسلم لیگ کا مؤید من اللہ ہونا ظاہر ہے۔

ایک ممتاز شیعہ کی مسلم لیگ میں شرکت

حالات کی نزاکت اور مسئلہ کی اہمیت نے بہت جلد شیعوں کے سربرآوردہ اصحاب کو مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع کرنا شروع کر دیا۔

ہندوستان کے مشہور صاحبِ طرز ادیب اور افسانہ نگار، چوہدری محمد علی[۱] رئیس ردولی، جو ایک عرصہ تک یو۔ پی کونسل کے ممبر بھی رہ چکے ہیں اور سیاسیات سے خاص دلچسپی لیتے رہتے ہیں ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۵ء کی ایک اطلاع کے مطابق مسلم لیگ میں باقاعدہ شریک ہو گئے۔ یہ اپنی نوعیت کی تنہا مثال نہیں ہے۔ صاحب موصوف کے علاوہ اور بھی متعدد ممتاز اور نمایاں شیعہ اصحاب بڑے خلوص اور جوش کے ساتھ مسلم لیگ میں شریک ہو چکے ہیں۔

شیعہ کانفرنس اور مسٹر جناح

شیعہ کانفرنس (لکھنؤ) کے پروپیگنڈہ سیکرٹری نے حسب ذیل تار مسٹر جناح کو

---

[۱] جسٹس اخلاق حسین (لاہور ہائیکورٹ) کے خسر

ارسال کیا تھا:۔

"شیعہ آل پارٹیز کانفرنس کا دعوت نامہ بھیجا جا رہا ہے۔ لیڈروں کی شرکت بے حد ضروری ہے۔ اپنی منظوری کی اطلاع دیجئے۔"

اس تار کا جواب کوئٹہ، ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو مسٹر جناح نے یہ دیا:۔

"آپ کا تار ملا۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ شیعہ کانفرنس کے بانی غلط فہمی میں مبتلا ہیں، اور ہمارے دشمنوں نے انہیں گمراہ کر دیا ہے ہر شیعہ کو میری یہ نصیحت ہے کہ وہ اس نازک موقع پر مسلم لیگ میں بلا کسی شرط کے شامل ہو جائے۔ دوسرا طریق کار نہ صرف عام مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ہے بلکہ اس سے شیعوں کو زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے مسلم لیگ کی طرف سے اور میری طرف سے یہ بات بار بار صاف کر دی گئی ہے کہ مسلمانوں کے ہر فرقہ کے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔ مسلم لیگ کا بنیادی اصول جس پہ وہ آج بھی عامل ہے، تمام مذہبی فرقوں کی آزادی ہے۔ مسلم لیگ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے مذہبی عقائد میں کبھی دخل نہ دے گی اور نہ غیر مسلمان اقلیتوں کے مذہبی عقائد میں دخیل ہو گی۔ برخلاف اس کے لاہور کے ریزولیوشنوں میں جو ۱۹۴۰ء میں منظور کئے گئے تھے اقلیتوں کے مذہبی حقوق کے بارے میں تحفظات کا خاص طور پہ انتظار کرتے ہیں، شیعوں کی زبردست اکثریت لیگ کے ساتھ ہے اور ان کو کوئی شکایت ہے تو وہ ہمارا اندرونی معاملہ ہے اور مسلم لیگ کے اندر رہ کے اسے بآسانی طے کیا جا سکتا ہے۔"

تفرقہ انگیزی کی ناکام کوشش

مسٹر جناح کے اس صاف واضح اور غیر مشتبہ جواب کے بعد بھی، جو لوگ تفریق بین

بین المسلمین کے لئے میدان میں اتر چکے تھے۔ وہ اپنی شر انگیزیوں سے باز نہ آئے اور بالآخر اکتوبر ۱۹۴۵ء کے پہلے ہفتہ میں مسٹر علی ظہیر[1] کی کوششوں سے شیعہ آل پارٹیز کانفرنس مسٹر حسین بھائی لال جی کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ لیکن شیعوں کے ترقی پسند، معاملہ فہم اور پرجوش نوجوان طبقہ نے ان "مساعی جمیلہ" کو کامیاب نہ ہونے دیا، اور مسلم لیگ کے خلاف کوئی محاذ شیعوں میں نہ بن سکا۔

اس کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لئے کیا وسائل اختیار کئے گئے؟ اور ان وسائل کا کس کامیابی سے مقابلہ کیا، اس کی ضروری تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

جلسہ شروع ہوا

"لیکن جس وقت لوگ رفاہِ عام میں جلسہ کی شرکت کے لئے داخل ہوئے تو انہوں نے حیرت سے دیکھا کہ رفاہ عام کلب کی پوری عمارت پہ اندر سے ملٹری اور پولیس کے پکٹ لگے ہوئے ہیں اور مسلح پولیس ہر طرف موجود ہے۔ اور جلسہ گاہ کی عمارت کے سامنے ملٹری پولیس کی ایک کمپنی فالن ہے۔ پولیس کی موجودگی نے جلسہ کی نوعیت پہ ایک گہرا اثر ڈالا اور بانیان جلسہ کے خلاف لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے۔ دریافت کرنے پہ معلوم ہوا کہ بانیان جلسہ نے یہ اندازہ کر کے جلسہ میں مخالف عناصر کافی تعداد میں موجود ہیں۔ کہیں کوئی ناگوار صورت نہ پیدا ہو جائے۔ بطورِ حفظ ماتقدم پولیس کی امداد حاصل کی۔ جلسہ گاہ کے اندر داخلہ پر بھی کافی بندش تھی۔"

اب شور و شر کے ہنگامہ میں مسلم لیگ کے خلاف تجویز پیش ہوئی مسٹر بشیر احمد رضوی

---

[1] مسٹر علی ظہیر سر وزیر حسن کے صاحبزادے ہیں تقسیم ہند کے بعد سے یو۔ پی کے کانگرس وزارت کے ایک رکن چلے آ رہے ہیں۔

ایڈووکیٹ نے ترمیم پیش کی کہ :-

"آنے والے انتخابات میں شیعہ من حیث القوم مسلم لیگ کی تائید کریں اور اصل تجویز کو اس وقت ملتوی رکھا جائے۔ اسی تحریک کے سلسلہ میں صدر کانفرنس حسین بھائی لال جی کے درمیان سخت کلامی بھی ہوگئی۔ جس پر صدر نے کہا کہ میں کافی بوڑھا ہوں اور اپنے فرائض کو اچھی طرح سمجھتا ہوں جس کا مسٹر بشیر احمد نے یہ جواب دیا کہ میں بھی کافی عمر رکھتا ہوں اور آپ سے زیادہ شیعہ سیاست کو سمجھتا ہوں۔ صدر نے ترمیم پیش کرنے کی اجازت نہیں دی۔"

صدر کی اس غیر آئینی رولنگ کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے، ایک سو مندوبین واک آوٹ کر گئے۔ دوسرے مقررین کو بھی صدر نے برہمی کی حالت میں بیٹھ جانے کا حکم دیا، اس پر احتجاج کرتے ہوئے مسٹر طفیل احمد جعفری نے کہا کہ صدر کو مندوبین کے ساتھ ان کے اعزاز کے مطابق برتاؤ کرنا چاہیئے۔ اس پر مسٹر کلب عباس نے چند نامناسب الفاظ استعمال کئے اور مسلم لیگ اور سنیوں کے خلاف کچھ درشت باتیں کہیں۔

اب مسٹر کلب مصطفےٰ سے ضبط نہ ہوا، انہوں نے کہا :-

"کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ انتخاب کے موقع پر اس کانفرنس کو کیوں طلب کیا گیا ہے، اور اس کے پس پردہ کیا منظر ہے۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ جو مطالبات پیش کئے گئے ہیں وہ شیعہ روایات اور ان کے اماموں کی تعلیم کے خلاف ہیں۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ تاریخ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اورنگ زیب اور شاہان مغلیہ کے دور میں شیعوں کو کافی مراعات حاصل تھیں۔ اور اس کی مثالیں بھی آپ نے پیش کیں۔"

مسٹر کلب مصطفےٰ نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے مزید کہا کہ مسلم لیگ میں شرکت اور مسلمانوں کے سواد اعظم کی تائید نہ صرف شیعہ روایات کے مطابق ہے بلکہ اسلام کی بہترین

خدمت ہے!

مسٹر مجتبیٰ علی فیض آبادی نے اپنی تقریر میں کہا :-

"پنڈت نہرو، برطانوی افسران پر الزام عائد کرتے ہیں کہ انہوں نے فساد اگست ۱۹۴۲ء میں سختی سے رائے عامہ کو دبایا، لیکن جب ۱۹۳۸ء میں کانگرسی حکومت کے حکم سے گولی چلائی گئی تو وہ کہاں تھے؟"

جو مندوبین صدر کی ناروا رولنگ سے برداشتہ خاطر ہو کر واک آوٹ کر آئے تھے۔ ان کے ساتھ حاضرین کی ایک بڑی تعداد بھی چلی آئی تھی۔ ان سب حضرات نے نواب ارش علی خاں کی زیر صدارت اپنا ایک الگ جلسہ منعقد کیا۔ جس میں آل پارٹیز کانفرنس کو دھوکہ قرار دیا گیا اور کانفرنس کے صدر مسٹر حسین بھائی لال جی کے بارے میں صدر جلسہ نے کہا کہ انہوں نے پوری جانبداری سے کام لیا ہے۔ اس جلسہ میں "مسٹر جناح اور مسلم لیگ پر کامل اعتماد کا اظہار کیا گیا۔"

شیعانِ پنجاب سے اپیل

حسین بھائی کی اس روش اور لکھنؤ کی تفرقہ انگیز کانفرنس سے متاثر ہو کر، مشہور مسلم لیگی رہنما اور شیعہ لیڈر راجہ غضنفر علی خاں نے ایک اپیل شیعان پنجاب کے نام ۱۰ نومبر ۱۹۴۵ء کو شائع کی :-

"اس نازک موقع پر جب کہ ہندوستان کے مسلمان اپنے محبوب نصب العین کے حصول کے لئے مسلم لیگ کے اسلامی علم کے سایہ میں مجتمع ہو کر جدوجہد کر رہے ہیں مسٹر حسین بھائی لال جی نے لکھنؤ کی نام نہاد شیعہ کانفرنس کے نام سے ایک شرمناک ڈھونگ کھڑا کیا ہے اور تمام اسلامی مفادات اپنی اغراض پر قربان کرتے ہوئے شیعہ جماعت میں نفاق پیدا کرنے کی نامساعد سعی شروع کر دی ہے

شیعوں کا مذہبی وقار بہت خطرہ میں ہے۔ مجھے امید ہے کہ شیعانِ پنجاب اپنے صوبہ کے گوشہ گوشہ میں جلسے منعقد کر کے لالجی کی حرکت مذلوجی کے خلاف اظہار مذمت کریں گے۔"

راجہ صاحب کے اس ارشاد کی تعمیل، پنجاب کے باحمیّت شیعوں نے پورے جوش و خروش سے کی۔

شیعانِ بارھہ کا فیصلہ

سلطنتِ مغلیہ کے عہدِ زوال میں، ساداتِ بارھہ کو وہ عظمت و رفعت حاصل تھی کہ وہ "بادشاہ گر" مشہور ہو گئے تھے۔ ان ساداتِ بارھہ کے بارے میں سیّد سرفراز علی خاں رئیس جانسٹھ ممبر شیعہ پولیٹیکل کانفرنس نے ایک تار اخبارات میں شائع کرایا کہ سادات بارھہ شیعہ کانفرنس کے ساتھ ہیں اور حسین بھائی لالجی پر اعتماد رکھتے ہیں۔ اس کی تردید کرتے ہوئے سیّد حسن علی خاں صاحب ایم، ایل، اے ممبر شیعہ کانفرنس کا ایک تار ۱ نومبر ۱۹۴۵ء کو اخبارات میں شائع ہوا۔ جس میں بتایا گیا ہے۔

"یہ برقیہ بالکل لغو اور افترا کی حیثیت رکھتا ہے۔ ضلع مظفر نگر کے شیعوں میں صرف دو درجن شیعہ ایسے مل سکیں گے جو سرفراز علی خاں رئیس جانسٹھ کے قول کی تائید کریں۔ ورنہ سب مسلم لیگ کے ساتھ ہیں۔ سادات بارھہ کے تمام سیّد مسلم لیگ کے حامی ہیں۔ اور ان کو قائدِ اعظم پر مکمل اعتماد ہے یہاں کے سیّد متفقہ حیثیت سے حسین بھائی لالجی کے اس فعل کی مذمت کرتے ہیں کہ وہ ہمارے قابلِ تعظیم و محبوب قائد محمد علی جناح کے خلاف الیکشن لڑنا چاہتے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں کہ حسین بھائی لالجی اپنی نامزدگی واپس لے لیں۔ شیعہ پولیٹیکل کانفرنس دوسری جماعتوں کی طرح کانگرس کا ایک کھلونا ہے

شیعانِ بارھہ اس جال میں کبھی نہیں پھنس سکتے۔ وہ متحد ہو کر مسلم لیگ کے ساتھ ہیں اور مطالبۂ پاکستان کو حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ جدّ و جہد جاری رکھیں گے وہ ہندو راج میں نہیں رہنا چاہتے۔"

شیعہ کس کے ساتھ ہیں ؟

۳ نومبر ۱۹۴۵ء کو مسٹر کلب مصطفےٰ، ایڈوکیٹ، سابق رکن اسٹینڈنگ کمیٹی کل ہند شیعہ پولیٹیکل کانفرنس نے اورنیٹ پریس آف انڈیا کو حسب ذیل بیان دیا:۔

"مسٹر علی ظہیر کے حالیہ بیان سے جس میں انہوں نے شیعوں سے درخواست کی ہے کہ وہ مسلم لیگ کے خلاف ووٹ دیں، آل پارٹیز شیعہ کانفرنس کا بھرم کھل گیا۔ اور اب مزید شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی مسٹر ظہیر کا حکم ہے کہ شیعہ نیشنلسٹ مسلمانوں کو یا بالفاظ دیگر کانگرس کو ووٹ دیں گے۔ یعنی اس جماعت کو جس نے ہمیشہ شیعوں کے جذبات کو کچلا ہے۔ جہاں تک شیعوں کے حقوق کا سوال ہے۔ اس کی حفاظت مسلم لیگ نے ہمیشہ کی ہے اور کرے گی مجھے یقین ہے کہ شیعہ ہمیشہ اپنے اماموں کی پیروی کرتے چلے آتے ہیں اور اس مرتبہ بھی وہ علی ظہیر یا ان جیسے دیگر حضرات کی غلط رہنمائی کا شکار نہ ہوں گے بلکہ متفقہ طور پر مسلم لیگ کے نامزد کردہ امیدواروں کو ووٹ دیں گے۔"

بوہرہ جماعت اور مسلم لیگ

بوہرہ جماعت بھی جس کے امام سیّدنا ملّا طاہر سیف الدین ہیں۔ پورے طور پر مسلم لیگ کے ساتھ ہیں۔ وہ پاکستان کی حامی ہے اور مسلم مرکزیت کی قائل ہے، راجہ امیر احمد

خاں (محمود آباد) نے قائد اعظم کے الیکشن کے زمانہ میں بذاتِ خود سیدنا سے گفتگو کی، اور انہیں مسلم لیگ کا حامی پایا۔

یہ ملا طاہر سیف الدین صاحب کے پاکستان اور مسلم لیگ سے تعلق خاطر کا نتیجہ تھا کہ بوہروں نے جماعتی حیثیت سے مسٹر جناح کو ووٹ دیا۔ ہر بوہرہ ووٹر جو بمبئی میں تھا اور تندرست تھا، پولنگ بوتھ پر آیا اور اس نے بے تامل قائد اعظم کو اپنی رائے دی، اور کسی تحریص و ترغیب اور اثر و تعلق سے متاثر نہیں ہوا۔ بوہرہ رضا کاروں کی جماعتیں، انجمن اسلام ہائی اسکول بمبئی کے احاطہ میں موجود تھیں اور نظم و انتظام میں مسلم لیگی کارکنوں کا ہاتھ بٹا رہی تھیں۔ بوہرہ رہنماؤں کی ایک بڑی جماعت بھی موجود تھی، اور قائد اعظم کے لئے کنویسنگ کر رہی تھیں، بوہرہ خواتین نے بھی بہت بڑی تعداد میں ووٹ دئے۔ یہ راقم الحروف کا ذاتی مشاہدہ ہے۔

اسلامی ہند کی تاریخ میں شاید یہ بالکل اور پہلا موقعہ تھا کہ بوہرہ اور خوجہ جماعتوں کے افراد نے من حیث الکل اور من حیث المجموع مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔

خوجہ جماعت اور مسلم لیگ

۲۸ اگست ۱۹۴۵ء کو سر آغا خان، جنوبی افریقہ جاتے ہوئے فرانسکو مارکوئیس میں ٹھہرے اخباری نمائندوں کو ایک بیان دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا:-

"ہندوستان کے مختلف خطے گزشتہ ۱۵۰ سال کے بعد برطانوی تسلط کے نتیجہ میں متحد کر دئے گئے ہیں۔ ورنہ ہندوستان میں وسیع تر تاریخی، نسلی اور لسانی اختلاف موجود ہیں۔ ان خطوں کو ایک مرکزی حکومت کے ماتحت کر دیا گیا تو یہ عملی سیاست نہیں ہوگی۔"

۱۱ نومبر ۱۹۴۵ء کو ہندوستان آنے کے بعد، کلکتہ کے دورانِ قیام میں ایک طویل بیان دیا:-

"یہ امر تعجب خیز ہے کہ پاکستان کو کوئی انقلابی قسم کی نئی چیز خیال کیا جائے میسور

حیدر آباد اور کشمیر یہ سب ایک قسم کے پاکستان ہی تو ہیں کم از کم ان کی شکل میں پاکستان کا بنیادی اصول ضرور موجود ہے۔"

ہز ہائی نس کی اس روش کا اور ان بیانات کا نتیجہ یہ ہوا کہ بوہروں کی طرح خوجوں نے بھی مسلم لیگ کی تائید و اعانت کو اپنا شعار قرار دے لیا۔ قائد اعظم کے الیکشن میں خوجہ مردوں اور عورتوں نے جس جوش و خروش سے شرکت کی۔ اس کا منظر اب تک آنکھوں میں پھر رہا ہے اور وہ بوڑھا خوجہ تو بھولتا ہی نہیں، جو عمر کی آخری منزل پہ پہنچ چکا تھا، آنکھیں بصارت سے محروم تھیں لیکن دل نورِ بصیرت سے معمور تھا ہاتھوں میں رعشہ، پاؤں میں لرزہ کمر جھکی ہوئی چہرہ پہ جھریاں چلنا تو بڑی چیز ہے، کھڑے ہونے کی بھی طاقت نہیں، لیکن پوری استقامت کے ساتھ موٹر سے اترا۔ اور دو آدمیوں کا سہارا اپنے بائیں لیتا ہوا۔ پولنگ بوتھ پہ پہنچا اور قائد اعظم کو اپنا ووٹ دے کر واپس آ گیا۔ اس کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ وہ خوش تھا بے انتہا خوش اس نے مسلمانانِ ہند کے شہریارِ بے تاج کو اپنا ووٹ دیا تھا۔ ووٹ اور ووٹ دینے والے کے لئے یہ کتنی بڑی عزت تھی، کتنی بڑی سعادت تھی۔

اصحابِ قادیان اور پاکستان

اب ایک دوسرے بہت بڑے فرقہ اصحاب قادیان کا مسلک اور رویہ پاکستان کے بارے میں پیش کیا جاتا ہے۔ حقائق ذیل سے اندازہ ہو جائے گا کہ اصحاب قادیان کی دونوں جماعتیں یعنی احمدیہ اور قادیانی مسلم لیگ کی مرکزیت، پاکستان کی افادیت اور مسٹر جناح کی سیاسی قیادت کی معترف اور مداح ہیں۔

جماعت احمدیہ (لاہور) کے امیر جناب مولانا محمد علی صاحب (جن کا مشہور انگریزی ترجمہ قرآن عالمگیر شہرت کا حامل ہے) نے ۱۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو متعدد اردو روزناموں کو حسب ذیل تار ارسال فرمایا:-

"آئندہ انتخابات میں جماعت احمدیہ سے تعلق رکھنے والے تمام اصحاب مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دیں اور ان کی ہر ممکن مدد کریں، کیونکہ موجودہ وقت بہت نازک ہے اور اگر مسلم لیگ کو شکست ہوئی تو دونوں کے لیے مسلمانوں کی قسمت تاریک ہو جائے گی"

مرزا محمود احمد صاحب کا بیان

قادیانی گروہ کے "امام جماعت" مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے ۱۴ اکتوبر ۱۹۴۵ء

کو ایک طویل بیان اس سلسلہ میں شائع فرمایا جس کے جستہ جستہ حصے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:-

"کسی شخص کا کسی دوسرے شخص کے مفاد کا دیانتداری سے خیال رکھنا یا ایسا کرنے کا دعویٰ دار ہونا اسے اس کی نیابت کا حق نہیں دے دیتا کیا کوئی وکیل کسی عدالت میں اس دعوے کے ساتھ پیش ہو سکتا ہے کہ میں مدعی یا مدعا علیہ کے وکیل سے زیادہ سمجھ دار ہوں اور دیانتداری سے اس کے حقوق کو پیش کر سکوں گا۔ کیا کوئی عدالت اس وکیل کے ایسے دعوے کو باوجود سچا سمجھنے کے قبول کر سکے گی؟ اور کیا اس قسم کی اجازت کی موجودگی میں ڈیمو کریسی ڈیمو کریسی کہلا سکتی ہے؟"

آگے چل کر موصوف فرماتے ہیں:-

"کانگرس کے اس اعلان نے کہ اب وہ مسلم لیگ سے بات نہیں کرے گی بلکہ مسلمان افراد سے خطاب کرے گی۔ میرے جذبات کو بالکل بدل دیا۔ اور میں نے محسوس کیا کہ جو لوگ دروازہ سے داخل ہونے میں ناکام رہے ہیں اب وہ سرنگ لگا کر داخل ہونا چاہتے ہیں اور اس کے معنی مسلم لیگ کی تباہی کے نہیں بلکہ مسلم کیریکٹر اور مسلم قوم کی تباہی ہے، بس اسی وقت سے میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ جب تک یہ صورت حالات نہ بدلے ہمیں مسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کرنی چاہیئے"

جناب موصوف نے اپنی جماعت کے اصحاب کو ہدایت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"آئندہ انتخابات میں ہر احمدی کو مسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کرنی چاہیئے تاکہ انتخابات کے بعد مسلم لیگ بلا خوف تردید کانگرس سے یہ کہہ سکے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ ہے اگر ہم اور دوسری جماعتیں ایسا نہ کریں گی تو مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کمزور ہو جائے گی۔ اور ہندوستان کے آئندہ نظام میں ان کی آواز بے اثر ثابت ہو گی اور ایسا سیاسی اور اقتصادی دھکا مسلمانوں کو لگے گا کہ اور چالیس پچاس

سال تک ان کا سنبھلنا مشکل ہو جائے گا۔ اور میں نہیں کہہ سکتا کہ کوئی عقلمند آدمی اس حالت کی ذمہ داری اپنے اوپر لینے کو تیار ہو۔ پس میں اس اعلان کے ذریعہ تمام صوبہ جات کے احمدیوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اپنی اپنی جگہ پر پورے زور اور قوت کے ساتھ آئندہ انتخابات میں مسلم لیگ کی مدد کریں۔"

یونینسٹوں کے بارے میں جناب مرزا صاحب نے فرمایا:۔

"جب تک یونینسٹ پارٹی، اپنی پالیسی کی ایسی وضاحت نہیں دیتی جس سے اس کا مسلم لیگ کی مرکزی پالیسی سے پورا تعاون اور تائید ثابت اور جس کے بعد شملہ کانفرنس والے حالات کا اعادہ ناممکن ہو جائے، میں سمجھتا ہوں کہ کسی احمدی کو یونینسٹ ٹکٹ پر کھڑا نہیں ہونا چاہیئے۔"

مسلم قوم کی مرکزیت، پاکستان، یعنی ایک آزاد اسلامی حکومت کے قیام کی تائید، مسلمانوں کے یاس انگیز مستقبل پر تشویش، عامۃ المسلمین کی صلاح و فلاح نجاح و مرام کی کامیابی، تفریق بین المسلمین کے خلاف برہمی اور غصہ کا اظہار، کون کر رہا ہے؟ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور جماعت حزب اللہ کا داعی اور امام الہند؟ نہیں، پھر کیا، جانشین شیخ الہند اور دیوبند کا شیخ الحدیث؟ وہ بھی نہیں؟ پھر کون؟ وہ لوگ جن کے خلاف "کفر" کے فتووں کا پشتارہ موجود ہے۔ جن کی نامسلمانی کا چرچا گھر گھر ہے۔ جن کا ایمان، جن کا عقیدہ، مشکوک مشتبہ اور محل نظر ہے کیا خوب کہا ہے ایک شاعر نے ؎

کامل اس فرقۂ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے

مسلم طلبا اور پاکستان

ہر زندہ غیور، اور خوددار قوم کی ریڑھ کی ہڈی، طالب علموں کا نوجوان طبقہ ہوتا ہے جس کی قربانیوں اور سرگرمیوں، جوش و خروش، ہمت و حوصلہ، عزم و استقامت، جذبۂ صادق اور اخلاص صالح پر حیات آفریں، تحریکات ملی کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ دنیا کی تاریخ حریت کے شاندار الواب وہی ہیں جو نوجوان اور پر جوش طلبہ کی سعی و جہد کے تذکرہ سے معمور ہیں، چین کی تاریخ حریت کا مطالعہ کیجیے، طالب علموں کا گروہ پیش پیش نظر آئے گا۔ مصر کے جہاد حریت کی تاریخ ابھی زیر ترتیب ہے لیکن طلبہ نے اپنے کارناموں کی ایک نہ مٹنے والی داستان تاریخ کے اوراق میں محفوظ کرا دی ہے۔ جرمنی کی نشاۃ ثانیہ میں جاپان کی قوت و طاقت میں برطانیہ کی شوکت و عظمت میں طالبان علم کے زریں کارنامے بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔

ہندوستان میں کانگرس کی تحریک کو فروغ دینے میں اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طالب علموں کا بہت بڑا حصہ ہے، تحریک خلافت کے پروان چڑھانے میں علی گڑھ یونیورسٹی کے طالب علم اگر شاندار اور ناقابل فراموش حصہ نہ لیتے تو جامعہ ملیہ اسلامیہ کا

وجود کیونکر ہوتا

ہندوستان کے مسلم طلبہ

مسلم لیگ کے دورِ جدید کے ساتھ ساتھ مسلم ہند کے مسلمان طلبہ میں بھی بیداری احساس اور عمل کی ایک لہر پیدا ہوگئی۔ ان کی آنکھیں بصیرت سے محروم تھیں اب وہ دور دور تک دیکھنے لگیں۔ ان کا دماغ حقائق سے خالی تھا۔ اب وہ حقائق کا گنجینہ بن گیا اور دیکھتے دیکھتے مسلم ہندوستان کے طلبہ نے تحریک مسلم لیگ و پاکستان میں وہی حیثیت اختیار کر لی جو افریقہ کے میدان، جرمنی کے مورچہ اور محوریوں کی شکست میں برطانیہ کی "آٹھویں ڈویژن" کا تھا۔

مسلمان طلبہ نے اپنی جداگانہ تنظیم کی اور مسلم اسٹوڈنٹس یونین اور فیڈریشن کی بنیاد رکھی۔ قائداعظم کی سرپرستی ہمیشہ ان جماعتوں کو حاصل رہی۔ انھوں نے ان جماعتوں کی سرپرستی کی۔ ان کے اجتماعات میں شرکت کی۔ ان کی تنظیم میں حصہ لیا۔ ان کی حوصلہ افزائی کی، انہیں پاکستانی فوج کا ہراول قرار دیا۔ ان کی کانفرنسوں میں خطبے دئے اور ان کے اندر ایک نئی زندگی پیدا کر دی۔

نواب زادہ لیاقت علی خاں کا خطاب

۲۴ ستمبر ۱۹۴۵ء کو نواب زادہ لیاقت علی خاں جنرل سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ نے مسلم یونیورسٹی کے طلبہ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

"میں آپ کو محسوس کرانا چاہتا ہوں کہ آئندہ انتخابات نے مسلمانوں کی زندگی اور موت کے مسئلہ کی اہمیت اختیار کر لی ہے۔ میں نہ صرف مسلم یونیورسٹی کے طلبہ بلکہ سارے ہندوستان کے مسلمان طالب علموں کو ایک ایسے معاملہ میں جو مسلم قوم کی نجات یا مستقل غلامی کا سبب بن سکتا ہے۔ بہادری اور عزت

کے ساتھ حصہ لیتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں میں نے اور قائداعظم نے ہمیشہ کہا ہے کہ طالب علموں کو اپنی تعلیم قربان کرکے سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہئے مگر کبھی ایک قوم کی موت اور زندگی کا وقت آجاتا ہے۔ آج وہی وقت درپیش ہے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے اسکولوں اور کالجوں سے نکل آؤ۔ خواہ تمہارا ایک سال ضائع ہی کیوں نہ ہو جائے آؤ اور انتخابات میں ہماری مدد کرو۔ کیا یورپ کے طالب علم اپنی تعلیم روک کر گولیوں کا مقابلہ کرنے نہیں چلے گئے؟ کیا انہوں نے کبھی اس پر غور کیا کہ وہ ڈگری لیں یا اپنے وطن اور اس کی آزادی کا تحفظ کریں؟ یہ تو جدوجہد کی ابھی صرف ابتدا ہے۔ ایک وقت ایسا بھی آسکتا ہے جب قومی آزادی حاصل کرنے کے لئے تمہیں بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنی ہوگی"

تقریر کا اثر

اس تقریر نے جادو کا سا کام کیا۔ سارے مسلم طلبہ کمر کس کر میدان میں اتر آئے مسلم یونیورسٹی کے مجاہد نوجوانوں نے جن صبر آزما حالات میں پنجاب کا دورہ کیا۔ سرحد کا دورہ کیا۔ سندھ کا دورہ کیا۔ بنگال پہنچے، آسام گئے۔ یوپی میں معروف رہے۔ بہار میں کام کیا وہ ایک ایسی تابندہ اور درخشاں حقیقت ہے جو تاریخ حیات اسلامیہ کا ایک روشن باب ہے، تازہ انتخابات میں مسلم لیگ کو جو قابل فخر کامیابیاں ہوئیں اس میں مسلم یونیورسٹی اور اسلامی ہند کے طالب علموں کا بہت بڑا اور قابلِ رشک حصہ ہے۔

ریاستی ہند اور پاکستان

مسلم لیگ ریاستوں کے معاملات و مسائل میں براہِ راست حصّہ نہیں لیتی، ریاستی ہند کے معاملات و مسائل سلجھانے کے لئے ایک الگ اور مستقل ادارہ "اسٹیٹس مسلم لیگ" موجود ہے اور پوری مستعدی و سرگرمی کے اپنے فرائض انجام دے رہا ہے۔

لیکن پاکستان کا مطالبہ، ریاستوں کے مسلمان باشندوں میں بھی گھر کر چکا ہے اور وہاں بھی قائداعظم، مسلم لیگ اور پاکستان کے بارے میں پورے جوش و خروش کے ساتھ جذبات پیدا ہو رہے ہیں۔ جب کبھی بھی وقت آئے گا کہ حصول پاکستان کے لئے باقاعدہ جدّوجہد شروع ہو تو یقیناً ریاستی ہند کے مسلمان اپنے فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کریں گے اور حصول پاکستان کے لئے وہ سب کچھ کر گزریں گے جو ہندوستان کے مسلمان کریں گے۔

طوالت کے خوف سے اس سلسلہ میں متعدد ریاستوں کے تفصیلی واقعات پیش نہیں کئے جا سکے، لیکن ایک واقعہ ذیل میں ایسا درج کیا جاتا ہے جو ریاستی ہند کے مسلمانوں کے جذبات و حسیات کا آئینہ ہے۔ اور اس آئینہ میں باقی ریاستوں کے کیفیات و تاثرات کا جلوہ دیکھ لیا جا سکتا ہے۔

کشمیر کا ناقابلِ فراموش واقعہ

کشمیر ایک ہندو ریاست ہے۔ اور وہاں کے مسلمان ایک عرصۂ دراز سے تختۂ مشقِ ستم بنے ہوئے ہیں، وہاں کے مسلمانوں کے سرغنہ اور وہاں کی "نیشنلسٹ تحریک" کے روح رواں شیخ عبداللہ صاحب ہیں، جو "شیر کشمیر" کہے جاتے ہیں اور دعویٰ کیا جاتا ہے کہ تمام مسلمان ان کے ساتھ ہیں کشمیر کی ریاست پاکستان کی حامی نہیں مخالف ہے شیخ عبداللہ مسلم لیگ اور پاکستان کے بدترین مخالف ہیں وہاں کے مرغزاروں اور کوہساروں، آبشاروں اور سبزہ زاروں کی سیر اور گلگشت کے لئے شملہ کانفرنس سے فارغ ہو کر مولانا ابوالکلام آزاد، خان عبدالغفار خاں اور پنڈت جواہر لال نہرو تشریف لے جاتے ہیں شیخ عبداللہ نے ان حضرات کے اعزاز میں اپنی نیشنل کانفرنس کی طرف سے ایک بڑی جلوس نکالا۔ کشمیر کے مسلمان، پاکستان کے ان مخالفوں کا استقبال کرنے یا انہیں اعزاز دینے کے لئے تیار نہیں۔ انہوں نے مخالفت کی، ہنگامہ ہوا ایک مسلمان ہلاک ہوا اور جنوں زخمی ہوئے اور پچاس گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں اس سلسلہ میں ۱۲ اگست ۱۹۴۵ء کو حکومت کشمیر کی طرف سے حسب ذیل کیونکے شائع ہوئے۔

"مولانا آزاد، خان عبدالغفار خاں، پنڈت جواہر لال نہرو کے اعزاز میں ایک دریائی جلوس کل شام کو نیشنل کانفرنس نے نکالا جس کے لئے ضلع مجسٹریٹ سے اجازت لے لی گئی تھی، شہر کے ایک علاقہ میں مسلم کانفرنس کے متعلقین نے جلوس اور نیشنل کانفرنس کے حامیوں پر پتھر پھینکنے شروع کر دیئے، اس کی وجہ سے دونوں جماعتوں کے بہت سے آدمی زخمی ہو گئے اور نیشنل کانفرنس کا ایک حامی اسپتال میں زخموں کی وجہ سے ہلاک ہو گیا، پولیس نے مداخلت کی۔ اور اگرچہ پولیس کے کئی آدمی اور ایک مجسٹریٹ زخمی بھی ہوا۔ مگر حالات پر قابو

حاصل کر لیا گیا۔ شہر کے متاثرہ علاقوں میں جلسے اور جلوس ممنوع قرار دے دئے گئے ہیں۔"

کیا اس واقعہ سے یہ اندازہ نہیں ہو جاتا کہ کشمیر کے مسلمانوں کی رائے عامہ نام نہاد نیشنل کانفرنس کے ساتھ نہیں ہے۔ وہ پاکستان کی حامی ہے۔ اور ان رہنماؤں سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی جو پاکستان اور مسلم لیگ کے مخالف ہیں اور اگر مسلمانانِ کشمیر کے نام پر ایسی نارَوا اجارہ داری کی جائے تو وہ اپنے تئیں خطرہ میں ڈال کر اس کی مخالفت اور مزاحمت کرتی ہے؟

دوسری ریاستیں

تقریباً یہی کیفیت ہندوستان کی دوسری ریاستوں کے مسلمانوں کی ہے ریاست حیدرآباد کی انجمن اتحاد المسلمین پاکستان کی سب سے بڑی نقیب اور علمبردار ہے۔ ریاست گوالیار کی انجمن اسلام بھی پاکستان اور مسلم لیگ کی پرزور حامی ہے۔ بھوپال کے مسلمانوں کی حمایت کا جذبہ روز بروز بڑھ رہا ہے۔ میسور میں تو مسلم لیگ اور پاکستان کا زور اتنا بڑھ چکا ہے کہ حکومت کو ایک مسلم لیگی وزیر اپنے کابینہ وزارت میں لینا پڑا۔

بڑودہ، ٹراونکور، گوالیار، پٹیالہ اور دوسری ریاستوں میں جہاں اب مجالس آئین ساز کی تشکیل وائسرائے کے حکم کے مطابق عمل میں لائی جا رہی ہے مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب سے محروم رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور مخلوط انتخاب ان کے سر تھوپنے کی کوشش کی جا رہی ہے لیکن مسلمان پوری پامردی اور عزم کے ساتھ اس طرزِ عمل کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اور مجالس آئین ساز کے انتخاب میں کوئی حصہ نہیں لے رہے ہیں۔ یہ ایسے حالات ہیں جو ریاستی عوام کو مسلم لیگ سے اور زیادہ قریب کر دیں گے اور خوش قسمتی سے یہ

حالات خود والیان ریاست کی کوتاہ اندیشی سے پیدا ہو رہے ہیں مسلمان بہر حال ان حالات کو نہیں برداشت کر سکتے، نہ صرف بائیکاٹ پر قناعت کر سکتے ہیں۔ انہیں کوئی نہ کوئی عملی اقدام کرنا ہی پڑے گا۔ اور اس صورت میں مسلم لیگ بھی خاموش نہیں بیٹھ سکتی۔ اسے بھی اپنی پالیسی ترک کر کے میدان میں آنا پڑے گا، اور پھر لازمی طور پہ ان دونوں کے روابط اور زیادہ بڑھ جائیں گے۔

اہل عرب اور پاکستان

نیشنلسٹ اور کانگرسی مسلمانوں کی طرف سے عام طور پر مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین احمد صاحب کی طرف سے خاص طور پر یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ ہندوستان کی آزادی عالم اسلام کی آزادی اور خود مختاری کی پیامبر ہوگی اور پاکستان کا سوال اس امکان کو ختم کر دیگا۔ اس معاملہ میں بہترین ثالث خود اہلِ عرب ہو سکتے ہیں، آئیے دیکھیں وہ پاکستان کے قیام کو اپنی غلامی کا سبب بتاتے ہیں یا پاکستان کا قیام ان کے نزدیک ایک خوش آئند، اور امید افزا چیز ہے؟ ظاہر ہے کہ عالمِ اسلام سے مراد اہلِ عرب ہی ہیں۔ وہی بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر انگریزوں کی گرفت میں ہیں۔ وہ غلامی پر قانع بھی نہیں ہیں۔ اپنی آزادی اور خود مختاری کے لئے کفن اوڑھ کر میدان میں اتر بھی چکے ہیں لہٰذا ان کی رائے اس معاملہ میں فیصلہ کن ثابت ہونی چاہیئے۔

عرب لیڈروں کے بیانات

عرب پروپیگنڈہ کمیٹی کے ایک عہدہ دار شیخ نشاشیبی ممالک عربیہ کا دورہ کر کے لندن

پہنچے۔ وہاں آپ نے پاکستان کی حمایت کرتے ہوئے ریوٹر کے نمائندہ کو حسب ذیل بیان ۳۰ جون ۱۹۴۶ء کو دیا۔

”تمام اقوام عرب سیاست ہند سے دلچسپی لے رہی ہیں۔ جناب محمد علی جناح نے شام و لبنان کے مطالبات آزادی کی ہندوستان میں سب سے پہلے حمایت کی ہے اور ہمیں یہ بات بھی اچھی طرح یاد ہے کہ جناب جناح نے برطانیہ کی لیبر پارٹی کو ایک تار روانہ کیا تھا جس میں آپ نے فلسطین میں یہودیوں کو آباد کرنے کی پالیسی کے خلاف سخت احتجاج کیا تھا۔ پاکستان کا قیام میرے نزدیک ایک خوش آئند چیز ہے۔ تمام ممالک عرب جناب جناح کی پاکستان کی اسکیم کو دل سے پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ جناب جناح نے مسلم حکومت کا جو تصور قائم کیا ہے وہ مستقبل میں عربوں کے لئے بے حد مفید اور ممد و معاون ثابت ہوگا“

عرب پروپیگنڈہ کمیٹی کے جنرل سیکرٹری جناب طٰہٰ نے بیان دیتے ہوئے کہا:-

”ہم ہندوؤں کے مقابلہ میں جناب جناح سے بہت زیادہ قریب ہیں“:-

فلسطین اور پاکستان

لندن میں وفد عرب کے ایک رکن انور نشاشیبی نے ۲۰ اگست ۱۹۴۶ء کو لندن مسلم لیگ کے صدر مسٹر عباس علی کے نام ایک خط لکھا:-

”اگر پاکستان قائم ہو جائے، تو فلسطین کا مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا، دس کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کی ایک عظیم الشان حکومت کا قیام ایشیا کی تاریخ کو بدل دے گا۔ اور عرب حکومتوں کے مسلمانوں کے لئے سب سے بڑی رحمت ثابت ہوگا۔ اگر اس وقت ایسی حکومت موجود ہوتی تو فلسطین کے موجودہ

پیچیدہ حالات بھی رونما ہوتے ہندوستان میں اسلامی حکومت کے قیام کے سلسلہ میں مسلم لیگ جو مبارک جد وجہد کر رہی ہے میں اس پر اپنی قوم کی طرف سے پسندیدگی اور تحسین کا اظہار کرتا ہوں"

پاکستان کا مطالبہ حق بجانب ہے

اخبار ڈان "DAWN" کے نامہ نگار خصوصی نے اسے حسب ذیل بحری تار ۲۴ر جنوری ۱۹۴۵ء کو لندن سے روانہ کیا۔

"میں نے شام کے سابق وزیر اعظم فارس الخوری سے ملاقات کر کے یہ دریافت کرنا چاہا کہ وہ ہندوستانی مسلمانوں کی موجودہ سیاسی سرگرمیوں اور تحریکوں سے واقف ہیں؟ مجھے یہ سن کر سخت حیرت ہوئی، جب آپ نے فرمایا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آزاد حکومت کا قیام بے حد پسند کرتا ہوں، ہندوستانی مسلمانوں کی یہ آزاد ریاست اسلامی ممالک کے لئے بے حد مفید اور ضروری ہو گی۔ ہمیں یقین ہے کہ انگریز ہندوستانی مسلمانوں کے جذبات اور دوسرے اسلامی ممالک کے جذبات کا پورا پورا احترام کریں گے۔ وہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اور نہ کوئی قوم ان کے حقوق کو غصب کر سکتی ہے۔ میں ہندوؤں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کی دوستی کی اہمیت کو سمجھیں کیونکہ یہ چیز ان کے لئے مفید ثابت ہو گی"

عزام کا بیان

غازی عبدالرحمن عزام بے، غازی انور پاشا مرحوم کے دست راست جہاد طرابلس کے

مجاہد اعظم شیخ سنوسی کے کمانڈر انچیف، اور آٹھ عرب سلطنتوں ــــ سعودی عرب، یمن عراق، شرق اردن، شام، لبنان، فلسطین اور مصر ــــ کی متحدہ عرب لیگ یعنی دول عربیہ کی مجلس اتوام کے جنرل سیکرٹری نے قاضی محمد عیسٰے، ممبر مجلس عاملہ آل انڈیا مسلم لیگ کو ایک پیغام روانہ کیا جسے ہندوستان میں رائٹر نے ۱۵ر جنوری ۱۹۴۶ء کو نشر کیا:۔

"ہم دس کروڑ مسلمانان ہند کی نمائندہ آل انڈیا مسلم لیگ کی آواز سننے پر فخر کرتے ہیں۔ ہم خوش ہیں کہ آل انڈیا مسلم لیگ عرب لیگ کے مقاصد اور اعمال دونوں کی تائید کرتی ہے۔ خصوصاً فلسطین کی حمایت اور آزادی کے منصوبوں کے لئے ہماری جد وجہد کی تائید کرتی ہے ہمیں خوشی ہے کہ مسلم لیگ دس کروڑ مسلمانوں کو استقلال اسلام کے لئے ایک اسلامی جھنڈے کے نیچے متحد و منظم کر رہی ہے"

وزیر اعظم لبنان اور پاکستان

اخبار NEWS MORNING کلکتہ کے نامہ نگار خصوصی نے حسب ذیل بحری تار ۱۹ر جنوری ۱۹۴۵ء کو دیا۔

"ریاض الصلح وزیر اعظم لبنان نے جو اہم ترین بین الاقوامی کانفرنس لندن میں لبنان کے نمائندہ ہیں فرمایا بلا شبہ سلطنت پاکستان دنیا کی مضبوط ترین اسلامی سلطنت ہو گی، ہمیں امید ہے کہ آپ کی ہمسایہ ہندو قوم مسئلہ پاکستان و استقلال اسلام کے متعلق آپ کے جذبات کا احترام کرے گی"

ہز اکسی لینسی حافظ وہبہ کا اعلانِ حق

سلطنت سعودی عربیہ کے سفیر ہز اکسی لینسی حافظ وہبہ نے جو اقوام متحدہ کی عالمگیر کانفرنس لندن میں سلطان ابن سعود کے نمائندے ہیں ۱۲ فروری ۱۹۴۶ء کو کلکتہ کے مشہور اخبار MORNING NEWS کے نمائندہ کو حسب ذیل بیان دیا۔

"میرے لئے یہ سخت مشکل ہے کہ میں اس بات کا یقین کروں کہ مولانا ابو الکلام آزاد مسلم لیگ کے ماتحت مسلم اتحاد کے مخالف ہیں یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ مولانا ابو الکلام مسٹر جناح سے اختلاف رکھتے ہوں لیکن یہ اختلاف رائے چاہے کتنا ہی شدید کیوں نہ ہو کیونکر اور کس طرح مولانا ابو الکلام کو مجاز کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی جماعت مسلم لیگ سے جدا اور ہندو جماعت کانگرس سے واصل اور وابستہ رہیں کیونکہ شریعت کا مسلمہ اصول ہے کہ کسی حالت اور کسی صورت میں کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کی جماعت اور سواد اعظم سے اپنے آپ کو منقطع کرلے، غیر منصوص (یعنی وہ مسائل جو قرآن مجید میں واضح نہیں ہیں۔ مؤلف) معاملات میں ایک مسلمان کا اختلاف رائے ہمیشہ امت کی اکثریت اور سوادِ اعظم کی خواہش و مرضی کا تابع ہوتا ہے۔ اگر میں اور مولانا آزاد کی جگہ ہوتا اور پاکستان کے خلاف بھی ہوتا تاہم پاکستان کی حمایت کرتا اور صرف اس لئے کہ مسلمان پاکستان چاہتے ہیں۔ میں بھی پاکستان کی تائید کرتا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ہندوستان میں ایک مسلمان سلطنت کا ظہور و قیام نہ صرف مسلمانان ہند اور عالم اسلام کے لئے عظیم ترین فائدہ اور

بھلائی کی بات ہوگی بلکہ امن عالم کے لئے بھی بڑی چیز ہوگی۔"

ہندوستان کے عرب

ہندوستان میں جو عرب آباد اور مقیم ہیں وہ بھی مسلم لیگ کے حامی ہیں اور پاکستان کے مؤید ہیں۔

بمبئی میں جناب زنیل علی رضا کا خاندان ہندوستان میں جو عرب مقیم ہیں ان میں سب سے زیادہ سربرآوردہ مانا جاتا ہے اور اس خاندان نے ہمیشہ دامے، درمے مسلم لیگ کی مدد کی ہے۔ اس کی تحریکوں میں حصہ لیا ہے۔ اس کی پکار پر لبیک کہا ہے۔

ممالک عربیہ کے جو قناصل ہندوستان میں مقیم ہیں۔ وہ بھی مسلم لیگ سے اور اس کی تحریک سے پوری پوری دلچسپی اور ہمدردی رکھتے ہیں۔ مصر و عراق کے قناصل نے تو مسلم لیگ کے جلسوں میں شرکت کی ہے اور تقریریں کی ہیں۔

شرقِ اردن اور پاکستان

شرقِ اردن کے فرمانروا۔ امیر عبد اللہ نے ترکیہ کے دورہ کے سلسلہ میں بمقام انقرہ ایک پریس کانفرنس میں عالم اسلام کو ایک سیاسی نظام میں منسلک کرنے کی تجویز پر گفتگو کرتے ہوئے ۱۱ جنوری ۱۹۴۷ء کو فرمایا:۔

"دنیائے عرب اور ترکی کے علاوہ ممالک اسلامی کے اس نئے نظام سیاسی میں ایران، افغانستان، شمالی افریقہ کی اسلامی سلطنتیں اور سلطنت پاکستان بھی شریک ہوگی۔ یہ تمام ممالک ایک ہی خاندان کے مختلف فرد ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کریں گے تاکہ یہ ممالک اپنی جغرافیائی حدود

آزادی برقرار رکھ سکیں"۔

غرض اگر سنجیدگی سے اہلِ عرب کا نقطہ نگاہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے تو ماننا پڑے گا کہ من حیث القوم عرب اپنے ہندوستانی مسلمان بھائیوں کے ساتھ ہیں اور ان کے مطالبہ استقلال قومی و حریت ملی سے پورا پورا اتفاق رکھتے ہیں۔

○

اور اگر پاکستان نہ ملا؟

○

گزشتہ ابواب سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی ہے کہ مسلمانانِ ہند کی عظیم ترین اکثریت پاکستان کی دل و جان سے حامی ہے، یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ اقوامِ عرب کی ہمدردیاں بھی مسلم لیگ اور پاکستان کے ساتھ ہیں، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر بھی اگر پاکستان نہ ملا تو کیا ہوگا؟ کھلی ہوئی بات ہے ہندو کانگرس ایڑی چوٹی کا زور اس کی مخالفت میں صرف کر رہی ہے اور وہ حتی الامکان ہرگز پاکستان کو عالمِ وجود میں نہیں آنے دے گی۔ برطانوی حکومت کے اغراض و مصالح کا جہاں تک تعلق ہے وہ بھی پاکستان خوشی سے نہیں دے گی بلکہ آثار و قرائن سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پاکستان کے خلاف ہندوؤں سے زیادہ سخت اور معاندانہ رویہ اختیار کرے گی پھر کیا ہوگا؟ کیا مسلمان اپنے استقلال اور آزادی کے تصور سے دستبردار ہو جائیں گے؟ کیا وہ خاموشی اختیار کر لیں گے؟ کیا وہ آقاؤں کی تبدیلی منظور کر لیں گے۔ اور انگریزوں کی غلامی سے نکل کر ہندو قوم کی غلامی کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالیں گے؟ پھر اگر وہ یہ سب کچھ نہیں کریں گے تو کیا کریں گے؟ کیونکر عروسِ جنت سے ہمکنار ہوں گے؟ آئیے اب ذرا کچھ دیر

اس مسئلہ پر بھی سوچیں۔

مولانا حسرت موہانی کی تقریر

۲۸ دسمبر ۱۹۴۵ء کو علیم مسلم کالج ہال میں مسلمانوں کے ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے تقریر کرتے ہوئے مولانا حسرت موہانی نے فرمایا:۔

"مسٹر جناح ہی ایک ایسے لیڈر ہیں جو مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر لانے میں کامیاب ہوئے صحیح معنوں میں قائد اعظم کہلانے کے حقدار ہیں ان کی تاریخ پیدائش وہی ہے جو انسانیت کے عظیم المرتبت نجات دہندہ حضرت عیسٰیؑ کی ہے۔ اسی کی برکت ہے کہ وہ مسلمانانِ ہند کے سیاسی مسیحا ہیں۔

حصولِ اقتدار کے لئے کانگرس نے عجیب رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ اس کی پالیسی دھمکیوں اور انتہائی چاپلوسیوں سے مرکب ہے، اگر مسلمان کانگرسی ہتھکنڈوں کو خوب سمجھ گئے ہیں، میں برطانوی حکومت کو متنبہ کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے مطالبہ (پاکستان) کو تسلیم نہ کیا گیا تو اسلامی ہند مکمل طور پر بغاوت کر دے گا۔"

قائد اعظمؒ کے ارشادات

۱۷ جنوری ۱۹۴۶ء کو مسلمانانِ دہلی کے ایک عظیم الشان جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے قائد اعظم نے ارشاد فرمایا:۔

"مسلمان ایک طاقتور منظم اور اٹل قوم ہیں اور پاکستان کے لئے اپنا خون تک بہانے کو تیار ہیں۔ جب خون بہانے کا وقت آئے گا، تو اس کے لئے بھی ہمیں تیار رہنا چاہیئے مسلمانوں کے لئے یہ موت و حیات کا مسئلہ ہے پاکستان حاصل کرنے میں ناکام ہو جانے کا مقصد ہماری قومیت کا فنا ہو جانا ہے۔"

ایک اور بیان

قائد اعظم نے NEW YARK TIMES کے نامہ نگار خصوصی مقیم ہندوستان کو ایک بیان دیا جو نیو یارک سے ہندوستان ۱۳ فروری ۱۹۴۶ء کو پہنچا اس بیان میں قائد اعظم نے فرمایا:۔

"اگر برطانیہ نے پاکستان کے قیام کے سلسلہ میں انحراف سے کام لیا تو مسلمان جنگ کرنے کے لئے تیار ہیں، سارے ہندوستان میں مسلمان بغاوت کر دیں گے۔ برطانیہ کا فرض ہے کہ صحیح قدم اٹھانے میں اوّل بھی مسلمان ہوں اور آخر بھی مسلمان ہوں اور مسلم ہونے کی حیثیت سے میں کسی دوسری چیز پر غور نہیں کر سکتا۔"

لیکن ——!

مذکورہ بیانات سے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اگر پاکستان کے بارے میں حکومت نے معاندانہ رویہ اختیار کیا یا ہندو اپنی ہٹ دھرمی پر اڑے رہے تو مسلمان کس حد تک آگے جانے کو تیار ہیں لیکن جب تک اس کا ذرا سا بھی شائبہ باقی ہے ہم مایوس کیوں ہوں؟ کیوں نہ یہ اُمید رکھیں کہ ہندو اور حکومت دونوں معاملہ فہمی سے کام لیں گے اور پاکستان کا مطالبہ مان لیں گے

قائد اعظم نے ۸ ستمبر ۱۹۳۹ء کو عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن کے سالانہ ڈاکٹر اولڈ بوائز ایسوسی ایشن میں تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"اس وقت کسی کو روشنی نظر نہیں آتی، لیکن آپ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ دونوں (ہندو و مسلمان) کب متحد ہو جائیں گی۔ ہمارے سامنے جرمنی اور سوویٹ روس کی تازہ مثال موجود ہے یہ دونوں قومیں بدترین دشمن تھیں مگر ان کے درمیان معاہدہ ہو گیا۔"

کیا اس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں میں معاہدہ نہیں ہو سکتا؟

کرپس مشن

نیا جال لائے پرانے شکاری

اب ہندوستان میں کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان، پاکستان اور اکھنڈ ہندوستان کے بارے میں باقاعدہ کشمکش ہو رہی تھی، مسلم لیگ اپنے مسلک پر قائم تھی اور کانگرس ہندو سامراج کے تخیل سے دستبردار ہونا نہیں چاہتی تھی۔ بمبئی کے سابق کانگرسی وزیر مسٹر کنھیا لال منشی مسٹر پٹیل کی شہ پر اکھنڈ ہندوستان کی تحریک شروع کر چکے تھے۔

ایک طرف تو یہ حال تھا دوسری جانب جنگ کے حالات روز بروز ابتر ہوتے جا رہے تھے، جرمنی نے برطانیہ کا قلع قمع کر رکھا تھا۔ اور بڑی تیزی کے ساتھ اقدام کر رہا تھا۔ فرانس کا جنازہ نکل چکا تھا۔ یورپ کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں سرنگوں ہو چکی تھیں بلقانی ریاستوں پر بھی جرمنی کی تاخت و تاراج بڑھتی جا رہی تھیں۔

جنوری ۱۹۴۲ء کے آغاز میں جاپان نے باقاعدہ جنگ اتحادیوں کے خلاف چھیڑ دی۔ اور جرمنی سے زیادہ برق رفتار فتوحات اور پیش قدمیوں اور محیر العقول کامیابیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا۔ ۱۵ فروری ۱۹۴۲ء کو سنگاپور۔ برطانیہ کا بہت بڑا قابل فخر اور ناقابل تسخیر قلعہ جاپانیوں کے قبضہ میں آگیا۔ یہاں برطانیہ نے

بڑے زبردست فوجی استحکامات قائم کر رکھے تھے، جو دیکھتا تھا یہی کہتا تھا ان استحکامات کو توڑنا قوتِ بشری سے ناممکن ہے۔ لیکن یہ استحکامات تارِ عنکبوت ثابت ہوئے اور جاپانیوں نے انہیں پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔ ۷ مارچ ۱۹۴۲ء کو جاپان نے رنگون پر قبضہ کر لیا اور برطانوی فوجیں بڑی بے بسی کے ساتھ راہ فرار اختیار کرنے یا غیر مشروط اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہو گئیں ۲۳ مارچ ۱۹۴۲ء کو جزیرہ انڈمان پر جاپان کا قبضہ ہو گیا۔ ۶ اپریل ۱۹۴۲ء کو اس کی ہمت یہاں تک بڑھ گئی کہ اس نے وزیگاپٹم اور کوکناڈا پر بمباری کی، اسی اثنا میں سوبھاش چندر بوس بھی پر اسرار طور پر ہندوستان سے فرار ہو چکے تھے۔ اور محوری حکومتوں سے ساز باز کر کے ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

ہندوستان کی آزادی اور حکومت

اب حکومت یہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ صرف طفل تسلیوں سے ہندوستان کو بہلا پھسلا نہیں سکتی، اگر ہندوستان کا تعاون اسے حاصل نہ ہوا تو بہت ممکن ہے ہندوستان ہاتھ سے جاتا رہے پھر کیا ہو؟ حکومت نے طے کیا کہ تعاون حاصل ہو تو ہندوستان بھر کا کسی ایک قوم کا نہیں، ورنہ مشکلات اور بڑھ جائیں گی، حالات اور ناساعد ہو جائیں گے اور جو جنگ ہندوستان میں ابھی تک شروع نہیں ہوئی ہے وہ بڑے المناک طریقہ سے شروع ہو جائے گی۔

چنانچہ وزیر اعظم مسٹر چرچل نے جنگی کابینہ کی طرف سے ایک مسودہ مرتب کیا اور سر اسٹیفرڈ کرپس کو سفیر صلح بنا کر ہندوستان بھیجا، سر کرپس کانگرس کے پرانے دوست تھے پنڈت جواہر لال نہرو اور دوسرے کانگرسی لیڈروں سے ان کے گہرے روابط تھے حکومت برطانیہ مطمئن تھی کہ وہ کانگرس کے ایک دوست کو بھیج رہی تھی۔ کہ اس کا ایک پیامِ دمساز آرہا ہے۔

سرکرپس کی آمد

آخر ۲۲ مارچ ۱۹۴۲ء کو سر اسٹیفرڈ کرپس، اپنا مسودہ لے کر ہندوستان آئے پہلے انہوں نے ہندوستان کے کانگرسی لیڈروں سے ملاقاتیں کیں، اپنا مسودہ ان کے سامنے پیش کیا اور ان کے خیالات معلوم کئے۔ حکومت کی طرف سے یہ شرط تھی کہ یا تو یہ مسودہ بجنسہٖ منظور کر لیا جائے یا مسترد کر دیا جائے۔ ترمیم و تغیر کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ۳۰ مارچ ۱۹۴۲ء کو معلومات عام کے لئے یہ مسودہ شائع کر دیا گیا تاکہ ہر شخص اس کے مالہ و ماعلیہ پر غور کر سکے اور اس کے بارے میں ایک رائے قائم کر سکے۔

تجاویز کرپس

سر کرپس اپنے ساتھ جو مسودے لے کر آئے تھے۔ اس کا ضروری اور اہم خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ اختتام جنگ کے بعد ہندوستان کو مکمل آزادی دے دی جائے گی۔

۲۔ اقوام اور مذاہب کے تحفظ کی ذمہ داری سر دست برطانیہ پر ہوگی۔

۳۔ اختتام جنگ کے بعد مجالس آئین ساز کے انتخابات ہوں گے اور دستور ساز اسمبلی کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔

۴۔ یہ دستور وفاقی ہوگا۔ یعنی صوبے، ایک یونین میں شریک ہوں گے۔

۵۔ مجلس دستور ساز کا منظور شدہ آئین ہندوستان کا دستور قرار دیا جائے گا۔

۶۔ لیکن ہر صوبہ یا ریاست کو یہ حق ہوگا کہ وہ یونین میں شرکت کے دس سال بعد، اگر چاہے تو یونین یا وفاق سے اپنا تعلق منقطع کر لے۔ اس طرح الگ ہونے والے صوبے اور ریاستیں اگر چاہیں تو اپنا جداگانہ وفاق یا یونین بھی بنا سکتے ہیں۔

۷۔ تا اختتامِ جنگ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ نافذ رہے گا۔

۸۔ محکمۂ دفاع بدستور وائسرائے کے ماتحت رہے گا اگرچہ ملک کی تمام سیاسی پارٹیاں متحد کیوں نہ ہو جائیں۔

۹۔ یہ تجاویز تمام و کمال یا منظور کی جائیں گی یا مسترد ان میں ترمیم و تغیر نہیں ہو سکتا۔

کانگرس کا رویہ

وائسرائے کے کابینہ میں مکمل تبدیلی پر وائسرائے سر کرپس اور وزیر ہند سب راضی تھے اور اس پر تیار تھے کہ مسلم لیگ اور کانگرس کے نمائندے شریک کر لئے جائیں۔

کانگرس نے دیکھا یہی وقت ہے انگریز دبے ہوئے ہیں انہیں اور زیادہ دبایا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کا مستقبل تاریک ہے، ان سے من مانے شرائط منوائے جا سکتے ہیں۔ اس وقت انگریز شکست کے خیال سے لرزہ براندام ہیں انہیں بہت زیادہ جھکایا جا سکتا ہے، کانگرس اگر مسلم لیگ سے سمجھوتہ کر کے اس فیصلہ میں کچھ تبدیلیاں کراتی تو یقیناً حکومت منظور کر لیتی۔ لیکن وہ مسلم لیگ سے معاملہ کرنا نہیں چاہتی تھی وہ صوبوں کو حقِ خود ارادیت دینا نہیں چاہتی تھی۔ وہ وائسرائے کی کونسل میں کانگرس کی اکثریت قائم کرنا چاہتی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے بیک جنبش قلم ان تجاویز کو مسترد کر دیا۔ اسے سب سے زیادہ غصہ یہ تھا کہ صوبوں کی علیحدگی کا حق کیوں دیا گیا اس طرح تو گویا پاکستان کا اصول تسلیم کر لیا گیا۔

مسلم لیگ کی روش

مسلم لیگ شروع سے کہتی چلی آ رہی تھی کہ وہ پاکستان کے بارے میں کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتی، اس اسکیم میں سب کچھ تھا مگر پاکستان نہیں تھا لہٰذا مسلم لیگ نے بھی اسے مسترد کر دیا۔ اپریل ۱۹۴۲ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس بمقام الہ آباد منعقد ہوا۔ اس

اجلاس کی صدارتی تقریر میں قائداعظم نے فرمایا:۔

"مسلمانانِ ہند کو اس امر سے سخت صدمہ پہنچا اور مایوسی ہوئی کہ مسلمان قوم کی جداگانہ ہستی اور جداگانہ وجود کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ مسلمان اس وقت تک خاموش نہیں ہوں گے۔ جب تک ان کا حق خود ارادیت تسلیم نہیں کر لیا جائے گا ہندوستان نہ ایک ملک ہے، نہ ایک قوم یہ مختلف قوموں اور تمدنوں کا گہوارہ ہے۔"

پھر اپریل سنہ ۱۹۴۲ء کو ایک پریس کانفرنس کو مخاطب کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا:۔

"ملک معظم کی حکومت کی طرف سے سر اسٹیفرڈ کرپس جو تجاویز لے کر ہندوستان آئے تھے ان میں ترمیم و تغیر کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ان تجاویز میں پاکستان کو غیر مبہم اور واضح طور پر قبول نہیں کیا گیا تھا۔ نہ مسلمانوں کے حق خود ارادیت کو تسلیم کیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے ان تجاویز کو مسترد کر دیا۔"

سر کرپس کی واپسی

سر کرپس ناکام و نامراد واپس گئے۔ وہاں جا کر ایک بیان میں انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ "کانگرس سب کچھ لے لینا چاہتی ہے۔ اسی لئے سمجھوتہ نہیں ہو سکا۔" اور سچ پوچھئے تو واقعہ بھی یہی ہے۔ کانگرس نے اگر معاملہ فہمی سے کام لیا ہوتا اور مسلم لیگ کا مطالبۂ تقسیم ہند قبول کر کے متحدہ طور پر ترمیمیں کرانا چاہی ہوتیں تو ضرور کامیاب ہوتی لیکن وہ اپنی طاقت کے نشہ میں مست تھی۔ وہ سارا ہندوستان لینا چاہتی تھی، مسلمانوں کو ان کا حصہ بھی نہیں دینا چاہتی

تھی۔ اس روش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بہترین موقع جو ہندوستان کو ملا تھا وہ ضائع ہو گیا۔

ماندم کہ خار از پا کشم، محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

طوفان

جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا

سر کرپس کے لندن واپس جانے کے بعد حکومت کا رویہ بھی زیادہ سخت ہوگیا اور کانگرس نے بھی ٹھان لیا کہ یہی وقت ہے بغاوت کا، لہٰذا اعلےٰ الاعلان بغاوت کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ جواہر لال اور ولبھ بھائی پٹیل تو اپنی حد سے بڑھی ہوئی "جذباتیت" کی وجہ سے مرفوع القلم کہے جا سکتے ہیں۔ لیکن حد ہے کہ گاندھی جی جیسا عدم تشدد اور اہنسا کا پرستار اور علمبردار، ان جیسا ٹھنڈے مزاج کا صابر و متحمل و بردبار شخص بھی علی الاعلان اپنے اخبار ہریجن کے ہفتہ وار مقالات میں اعلان کر رہا تھا کہ "ہم حکومت کے خلاف بغاوت کر دیں گے اگر اس نے دوسری تمام پارٹیوں سے قطع نظر کے کانگرس سے گفت و شنید کر کے ہندوستان کی آزادی کا پروانہ عطا نہ کیا۔ یہی گاندھی جی تھے، جو فرما رہے تھے کہ "خانہ جنگی (سول وار) اگر ناگزیر ہی ہے تو ہم اسے بھی برداشت کر لیں گے۔ بلکہ اس غلامی کے مقابلہ میں اس کا خیر مقدم کریں گے۔" وہ گاندھی جی ہی تھے جنہوں نے فرمایا تھا کہ "ہماری بغاوت آخری بغاوت ہو گی۔ ہماری جنگ فیصلہ کن جنگ ہو گی۔ اس جنگ میں نہ پسپائی کا سوال پیدا ہو گا نہ التوا کا۔" غرض جواہر لال سے لے کر گاندھی جی تک سب فتح کے نشہ میں سرشار اور بدمست تھے۔

مسلم لیگ کے خلاف تہمت تراشیاں

اس جنگ عالمگیر میں محوریوں اور اتحادیوں کا عام طور پر یہ طرز جنگ تھا کہ جس مورچہ پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تھا پہلے دو ایک روز مسلسل اور غیر منقطع اور اندھا دھند بمباری طیاروں کے ذریعہ کی جاتی تھی پھر فوجیں اترتی تھیں اور نہایت وسیع پیمانہ پر حملہ شروع ہو جاتا تھا، اسی اصول پر کانگرس نے عمل کیا۔ اس نے حکومت کے خلاف حملہ کرنے سے پہلے بلکہ اس کے خلاف اپنی فوجیں صف آرا کرنے سے پہلے زبردست پیمانہ پر "ہوائی حملہ" یعنی پروپیگنڈہ شروع کیا اور حکومت کے ساتھ ہی مسلم لیگ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا، یہ جنگ جو کانگرس نے شروع کی درحقیقت مسلم لیگ اور مسلم قوم کے خلاف بھی اتنی ہی تھی جتنی انگریزوں اور انگریزی حکومت کے خلاف اس لئے کہ وہ ہندوستان کی آزادی کا قبالہ کانگرس کے نام کیوں نہیں لکھ دیتی، اور مسلم قوم کے خلاف اس لئے کہ یہ "جنگ" جو ہندوستان کی آزادی کے نام پر شروع کی جا رہی تھی۔ درحقیقت مسلمانوں کو غلام بنانے کے لئے تھی، ظاہر ہے ایسی جنگ میں مسلمان اگر فریق بن سکتے تھے۔ اور فریق مخالف بھی یہ ان کی شرافت تھی کہ وہ غیر جانبدار اور خاموش رہے۔

بے بنیاد الزامات

کانگرس کی طرف سے ایک بے بنیاد الزام مسلم لیگ پر یہ عائد کیا جا رہا تھا کہ وہ اس "جنگ آزادی" میں کانگرس کا ساتھ اس لئے نہیں دیتی کہ وہ انگریز دوست ہے حالانکہ یہ بالکل غلط بات تھی، مسٹر جناح کی قیادت مسلم دوست کے سوا کسی اور کی دوست ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ قیادت بے شک کانگرس کا ساتھ اس لئے نہ دے سکی کہ وہ اپنی قوم کو ہندوؤں کا آئینی غلام بنانے پر تیار نہیں تھی۔ لیکن اس قیادت نے حکومت

کا ساتھ ہرگز نہیں دیا۔ بلکہ واضح الفاظ میں اس سے تعاون سے انکار کیا۔

۲۱ جولائی ۱۹۴۱ء کو لارڈ لن لتھ گو وائسرائے ہند نے ایک مجلسِ دفاعِ قومی NATIONAL DEFENCE COUNCIL قائم کی مسٹر جناح کو دعوت دی کہ وہ مسلم لیگ کے نمائندے نامزد کر دیں، مسٹر جناح نے صاف انکار کر دیا کہ جب تک مسلمانوں کے مطالبات نہیں مانے جائیں گے وہ حکومت کی بنائی ہوئی کسی کمیٹی میں شرکت نہیں کریں گے۔ وائسرائے نے بالا بالا سر سکندر مرحوم وزیر اعظم پنجاب، مسٹر فضل الحق وزیر اعظم بنگال۔ سر سعد اللہ خاں وزیر اعظم آسام نیز چند اور سربرآوردہ لیگیوں کو شرکت کی دعوت دی اور انہوں نے قبول کر لی۔ مسٹر جناح نے ان سب کے خلاف تادیبی اور تعزیری کارروائی کا اعلان کیا سر سکندر اور سعد اللہ نے سر جھکا دیا اور استعفے دے دیا۔ فضل الحق صاحب اپنی روش پر قائم رہے اور استعفےٰ دینے پر راضی نہ ہوئے، ان کا اس سرکشی کے بعد جو حشر ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔

آخر دسمبر ۱۹۴۱ء میں ناگپور میں آل انڈیا مسلم فیڈریشن کے سالانہ اجلاس کا خطبۂ صدارت ارشاد کرتے ہوئے مسٹر جناح نے فرمایا:۔

"میں کرسمس کے تحفہ کے طور پر مسٹر فضل الحق کو لارڈ لن لتھ گو کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور نئے سال کے تحفہ کے طور پر نواب ڈھاکہ گورنر بنگال کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، میں بہت خوش ہوں کہ مسلم ہندوستان ایسے غداروں اور ملت دشمنوں سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔"

مسلم لیگ کی اس واضح روش اور قائد اعظم کے اس صاف طرزِ عمل کے باوجود کانگرسی لیڈروں کی طرف سے ہوائی حملے یعنی مخالفانہ پروپیگنڈے کا سلسلہ جاری رہا اور بجائے اس کے کہ پاکستان کا اصول تسلیم کر کے متحدہ محاذ حکومت کے خلاف قائم کیا جاتا۔ مسلم لیگ کے خلاف بھی ایک مورچہ قائم کر دیا گیا۔

"ہندوستان خالی کر دو" کا نعرہ

بمبئی میں کانگرس کمیٹی کا ایک جلسہ ہوا۔ اور ۸ اگست ۱۹۴۲ء کو ایک تجویز کانگرس نے منظور کی جس میں انگریزی حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ فوراً "ہندوستان خالی" کر دے اس حکم کی نافرمانی کی صورت میں گاندھی جی کو مجاز بنا دیا گیا کہ وہ ایک "عوامی تحریک بغاوت" شروع کر دیں۔

۹ اگست ۱۹۴۲ء کو حکومت نے ورکنگ کمیٹی کے تمام ممبروں کو دفعتہً گرفتار کر لیا، ان گرفتاریوں نے آگ پر تیل کا کام کیا اور سارا ہندوستان بھڑک اٹھا، توڑ، پھوڑ، آتش زنی بلوہ فساد، متشددانہ اقدام انگریزوں پہ حملے، سرکاری دفاتر پہ حملے، ریل، تار، ٹریم۔ بس پر پتھراؤ، آباد محلوں میں بموں کے دھماکے عام ہو گئے اور سارے ملک کا امن و امان درہم برہم ہو کے رہ گیا، حکومت نے بھی پورے تشدد سے کام لیا اور نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا یعنی "بڑے تشدد" نے "چھوٹے تشدد" کا قلع قمع کر دیا، سچ پوچھئے تو اس مرتبہ گاندھی جی اور کانگرس نے یہ جنگ عدم تشدد کے اصول پر نہیں بلکہ خالص تشدد کے اصول پر لڑی تھی

ایک نئی چال

اس تحریک میں بہت سے کانگرسی لیڈر گرفتار کر لئے گئے تھے لیکن بہت سے جیل سے باہر بھی تھے انہوں نے کوئی سرگرم حصہ لیا تھا، راجہ جی، بھولا بھائی ڈیسائی، مسٹر منشی ڈاکٹر خان صاحب وغیرہ سب آزاد تھے اور باہر رہ کر مسلم لیگ کے خلاف "ہوائی حملے" زور شور سے کر رہے تھے

مسلم لیگ کے مطالبہ حق خود ارادیت کی بے پناہ قوت دیکھ کر اب ایک نئی چال یہ چلی گئی کہ صرف مسلمان ہی کیوں حق خود ارادیت سے بہرہ ور ہوں، دوسری "قوموں" کو بھی یہ حق کیوں نہ دیا جائے، اور اگر ہندوستان کی ہر قوم کو یہ حق دیا گیا تو ہندوستان کے ان گنت ٹکڑے ہو جائیں گے لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ حق خود ارادیت ناقابلِ التفات۔

۵ / نومبر ۱۹۴۲ء کو جالندھر میں تقریر کرتے ہوئے قائد اعظم نے فرمایا:۔

"یہ خیال کہ ہر فرقہ کو حق خود ارادیت حاصل ہے یا فریب خوردگی ہے یا فریب کاری ہے، میرا جواب یہ ہے کہ مسلمان ایک مخصوص حلقہ میں جو ان کا وطن ہے، بحیثیت ایک مستقل قوم کے اپنے حق خود ارادیت کا مطالبہ کر رہے ہیں اور وہ علاقے ایسے ہیں جہاں ان کی اکثریت ہے کیا آپ نے تاریخ میں کہیں دیکھا ہے کہ منتشر ضمنی اقوام SUB NATIONS کو حق خود ارادیت سے بہرہ ور ہونے کا موقع دیا گیا ہے؟ آخر انہیں کہاں سے مملکت دلوائی جائے گی؟ اگر یہ بات ہے تو صوبہ جات متحدہ میں ۱۴ فیصد مسلمان ہیں انہیں بھی ایک مملکت کیوں نہیں دیتے؟ وہاں مسلمان قوم نہیں ہیں منتشر ہیں للہذا ضمنی قوم ہیں وہ صرف ایک اقلیت کے حق سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں اس سے زیادہ کی وہ توقع نہیں کر سکتے؛

یہی حالت پنجاب میں سکھوں کی بمبئی میں پارسیوں کی سرحد و سندھ میں ہندوؤں کی مدراس، بہار، اڑیسہ، سی پی وغیرہ میں مسلمانوں کی ہے اگر بمبئی میں پارسی یو پی میں مسلمان حق خود ارادیت کا مطالبہ نہیں کر سکتے تو پنجاب میں سکھ اور سرحد میں ہندو بھی نہیں کر سکتے، اگر بمبئی اور مدراس میں ہندوؤں کو حق ہے کہ وہ اپنی اکثریت کی بنا پر قومی حکومت قائم کریں تو یہی حق سندھ اور بنگال وغیرہ میں مسلمانوں کو ملنا چاہیئے۔ یہ بڑی سیدھی سادھی بات تھی لیکن سمجھ دار لوگ اس کے سمجھنے سے برابر انکار کرتے رہتے۔

گاندھی جی کا "سنسنی خیز" برت

چھ مہینہ تک خاموشی سے نظر بندی کا زمانہ گزارنے کے بعد گاندھی جی نے دفعتہً وائسرائے کو خط لکھا کہ یا تو مجھے غیر مشروط رہائی عطا کیجئے، ورنہ میں ۲۱ روز کا برت رکھتا ہوں۔ اس سے وہ کئی بار اسی طرح دھمکیاں دے کر رہائی حاصل کر چکے تھے لیکن اس

مرتبہ معاملہ اور تھا۔

بار ہا دیکھی ہیں ان کی رنجشیں لیکن اب کے سرگرانی اور ہے

اس مرتبہ حالات ایسے تھے کہ حکومت ہتھیار ڈال ہی نہیں سکتی تھی لارڈ لنلتھ گو نے گاندھی جی کو اس ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی گو ناکام رہے آخر میں انہوں نے کہا برت کے زمانہ تک آپ رہا کئے جا سکتے ہیں۔ اس کے بعد گرفتار کر لئے جائیں گے۔ اس پر گاندھی جی رضامند نہ ہوئے۔ آخر جل کر لارڈ لنلتھ گو نے کہا آپ "استعمال بالجبر" سے کام لے رہے ہیں۔ گاندھی جی نے کہا "یہی سہی!"

جواہر لال کے تاثرات

ایک ایسا ہی برت ستمبر ۱۹۳۲ء میں گاندھی جی نے رکھا تھا۔ جب اچھوتوں کو جداگانہ حق انتخاب کیمونل اوارڈ کی رو سے حکومت نے دیا تھا۔ جواہر لال لکھتے ہیں۔

"ہمارا جیل کا یکساں اور پرسکون ماحول یکایک درہم برہم ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی گولہ آ کر پھٹا ہو۔ خبر آئی کہ گاندھی جی نے ان جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب پر اظہار ناپسندیدگی کرنے کے لئے جو مسٹر ریمزے میکڈانلڈ نے اپنے فرقہ وارانہ فیصلہ میں نیچ ذاتوں کے لئے تجویز کئے تھے اس بات کا فیصلہ کیا ہے کہ برت رکھ کر جان دے دیں اس شخص میں بھی لوگوں کو جھنجھوڑنے کی کیسی کچھ صلاحیت ہے؟

"باپو میں ہمیشہ سے ایک عجیب صفت ہے کہ ٹھیک نفسیاتی موقع پر صحیح بات کر گزرتے ہیں۔ دل نے کہا کیسا جادوگر ہے یہ چھوٹا سا آدمی جو یروڈا کے قید خانے میں بیٹھا ہے یہ ان تاروں کو اچھی طرح پہچانتا ہے جن سے دلوں کو جنبش دی جاتی ہے۔"

(میری کہانی حصہ دوم صفحہ ۱۵۳، صفحہ ۱۵۵)

سپرو کانفرنس

لیکن گاندھی جی کا یہ نیا برت "نفسیاتی موقع" پر شروع نہیں ہوا تھا اسی لئے ناکام رہا، ملک میں ایک ہیجان برپا ہو گیا، لیکن حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی۔ مسٹر اینے، مسٹر نلنی انجن سرکار، سر ہومی مودی وغیرہ نے وائسرائے کی اگزیکٹو کونسل سے استعفے دے دئے گئے جو فوراً منظور کر لئے گئے مگر گاندھی جی کی رہائی عمل میں نہ آئی۔

اب سر سپرو نے ایک کانفرنس دہلی میں منعقد کی جس میں تمام ہندو لیڈر شریک ہوئے اس کانفرنس نے حکومت سے پر زور مطالبہ کیا کہ گاندھی جی کو فوراً غیر مشروط طور پر رہا کر دیا جائے لیکن حکومت کا صرف ایک جواب تھا رہائی اس وقت تک عمل میں نہیں آسکتی جب تک غیر مشروط اعتذار گزشتہ حرکات پر نہ کیا جائے۔ اس برت نے گاندھی جی کی جان پر بنا دی لیکن حکومت کا فیصلہ قائم رہا۔

مسٹر جناح سے مطالبات

راجہ جی باہر تھے وہ سپرو کانفرنس میں شریک ہوئے انہوں نے مسٹر جناح کو بھی اس کانفرنس اور اس مطالبہ میں شریک کرنے کی کوشش کی لیکن مسٹر جناح کا جواب ایک ہی تھا "گاندھی جی کی تحریک حکومت سے زیادہ مسلمانوں کے خلاف ہے لہٰذا جب تک وہ تحریک ۹ اگست ۱۹۴۲ء سے دستبرداری نہ اختیار کریں اس وقت تک مسلم لیگ اس سلسلہ میں کچھ نہیں کر سکتی۔"

بظاہر یہ طرز عمل سخت معلوم ہوتا ہے لیکن یہ ذاتی مسئلہ نہیں تھا۔ ایک قوم کی زندگی اور موت کا مسئلہ تھا اسے جذبات کی رو میں طے نہیں کیا جا سکتا اسے صرف اصول اور حقائق کی روشنی میں طے کیا جا سکتا تھا۔ حقائق اور اصول کی پونجی، مسٹر جناح کے پاس تھی، جذبات اور جوش کا سرمایہ گاندھی جی کے پاس۔

کانگریس لیگ اتحاد

مطالبے، تقاضے، کوشش

گاندھی جی کی گرفتاری اور نظر بندی کے بعد جب حکومت نے کانگرس کی متشددانہ تحریک کو کچلنا اور پامال کرنا شروع کر دیا ہے تو ہندو پریس نے راجہ جی کی قیادت میں یہ تحریک شروع کی کہ مسٹر جناح گاندھی جی سے ملیں، اب گاندھی جی پاکستان کے حامی اور حق خود ارادیت کے مؤید ہو گئے ہیں۔ ان کی رائے اور پالیسی بدلے ہوئے حالات میں بدل گئی ہے۔

مسٹر جناح کا جواب

مسٹر جناح ان مطالبوں اور تقاضوں کا جواب یہ دیتے تھے کہ اگر گاندھی جی واقعی بدل گئے ہیں تو وہ جیل میں بیٹھے بیٹھے وائسرائے کو کیوں خط لکھ رہے ہیں، اور اسے مائل و متوجہ کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں، وہ مجھے ایک خط لکھ دیں "صرف دو حرفی خط کہ پاکستان کا اصول وہ تسلیم کرتے ہیں، پھر میں دیکھوں گا کہ حکومت ان کا خط مجھ تک کیسے نہیں پہنچنے دیتی۔"

گاندھی جی نے خط تو لکھا لیکن نہ پاکستان کا مطالبہ تسلیم کیا، نہ مسلمانوں کا حق خود ارادیت صرف "دو حرفی" خط بھیج کر یہ لکھ دیا کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں، حکومت نے خط کا مضمون

مسٹر جناح کے پاس بھیج دیا اس پر مسٹر جناح کے خلاف ایک قیامت برپا ہو گئی اور ان پر الزام لگایا جانے لگا کہ وہ اپنے قول سے پھر گئے، ڈر گئے، اور کچھ نہ کر سکے، ان الزام لگانے والوں نے اسے قطعاً فراموش کر دیا کہ مسٹر جناح گاندھی جی کا خط دیکھنے کے لئے بے چین نہیں تھے نہ ان سے ذاتی طور پر ملنے کے لئے بیقرار تھے وہ پاکستان تسلیم کر لینے کا مطالبہ کر رہے تھے اور اس مطالبہ کو جب تک گاندھی جی منظور نہ کر لیں وہ کچھ نہیں کر سکتے، نہ رہائی کی کوشش نہ ملنے کی استدعا رہائی کی کوشش اس لئے نہیں کہ "نہ میں نے گاندھی جی کو جیل بھیجا ہے، نہ جیل کی کنجی میرے پاس ہے۔ اور نہ ملنے کی استدعا اس لئے نہیں کہ

میں جانتا ہوں جو وہ کہیں گے جواب میں

مسلم لیگ کی مساعی صلح

مسلم لیگ اور قائد اعظم نے مساعی صلح سے کبھی گریز نہیں کیا یہ ایک درخشندہ اور تابندہ حقیقت ہے کہ مسلم لیگ اور قائد اعظم نے ہمیشہ دست مصالحت بڑھایا۔ لیکن وہ جھٹک دیا گیا ہمیشہ صلح و سلام کی پیشقدمی کی لیکن وہ نظر انداز کر دی گئی ہمیشہ ملنا جلنا چاہا لیکن منہ پھیر لیا گیا۔

مسٹر جناح کہتے تھے اور بجا کہتے تھے کانگرس کے کچھ لیڈر جیل میں ہیں اور بہت سے جیل سے باہر ہیں اگر کانگرس بدل گئی ہے اور اس کا مسلک بدل گیا ہے تو یہ باہر والے لیڈر کیوں نہیں میدان میں آتے؟ یہ کیوں نہیں ہماری مساعی صلح کا خیر مقدم کرتے؟ یہ کیوں نہیں پاکستان تسلیم کر لیتے؟ یہ کیوں نہیں حق خود ارادیت کا مطالبہ مان لیتے؟ گاندھی جی "بے بس ہیں" لیکن یہ تو بے بس نہیں ہیں وہ کچھ نہیں کر سکتے، لیکن یہ تو سب کچھ کر سکتے ہیں پھر یہ آگے بڑھنے سے کیوں انکار کر رہے ہیں؟

اس کیفیت نے فضا کو اور زیادہ تیرہ و تار کر دیا، روشنی غائب ہو گئی اور اندھیرا چھا گیا راہ مسدود، نشان منزل موہوم، خضر گم کردہ راہ، راہی خوش اعتقاد اور سادہ لوح۔

قاتلانہ حملہ

ملت اسلامیہ کے قائد اعظم پر مجنونانہ وار

○

مسٹر مشرقی مسلم لیگ اور قائد اعظم کی مساعی کی بدولت جیل سے رہا ہو چکے تھے لیکن وہ بجائے اس کے کہ مسلم لیگ میں شریک ہو کر اپنے اخلاص کا ثبوت دیتے۔ انہوں نے خود قائد اعظم بننے کی تیاریاں شروع کر دیں جیل سے رہا ہوتے ہی انہوں نے مسلم لیگ اور قائد اعظم کے خلاف ایک محاذ قائم کر دیا اور پوری آمرانہ شان سے مسٹر جناح کے نام "ادارہ علیہ" سے فرمان جاری ہونے لگے کہ گاندھی جی سے ملو، ورنہ ہم معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیں گے اور نتائج نہایت تلخ ہوں گے۔

مسٹر اکبر بھائی پیر بھائی بیرسٹرایٹ لاء نے ایک کتاب "مسٹر جناح پر قاتلانہ حملہ" JINNAH FACF ASSASSION کے نام سے لکھی ہے جو اس موضوع کے تمام احوال و کوائف پر مشتمل ہے ذیل میں ضروری اور اہم مواد پیش کیا جاتا ہے۔

حملہ آور بمبئی میں

۶ جولائی ۱۹۴۳ء کو سہ پہر کے وقت ایک ریل گاڑی بمبئی کے بوری بندر اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر آکر رکتی ہے ریل سے اترنے والے سینکڑوں مسافر۔ سیکڑوں سامان

ایک نوجوان رفیق صابر مزنگوی بھی ہے۔ عمر کوئی تیس کے لگ بھگ ہوگی چھریرا بدن گٹھا ہوا جسم بکھرے ہوئے بال اور نوکدار داڑھی وہ دوسروں سے کسی قدر ممتاز اور جاذب نظر تھا وہ ٹرین سے اتر کر شہر کا رخ کرتا ہے۔

اسٹیشن سے نکل کر وہ ٹرام میں سوار ہوتا ہے اس کا بے ترتیبی سے لپٹا ہوا بستر اس کی بغل میں ہے ٹرام اسے مسلم محلے کی سمت لئے جارہی ہے آخر کار وہ ٹرام سے اتر کر پاکموڈیا اسٹریٹ میں داخل ہوتا ہے اور ایک مسافر خانے کے پھاٹک پر جا کر رکتا ہے یہ مسافر خانہ حاجی اسمٰعیل حاجی حبیب ٹرسٹ کا ہے لیکن وہاں ٹھہرنے کی اجازت حاصل کرنے سے پہلے وہاں کے مینجر کو اپنے متعلق ضروری اطلاعات دینا لازمی ہے چنانچہ وہ اپنا فرضی نام محمد صادق اور اپنے بمبئی آنے کا مقصد اپنے بھائی کی تلاش بتاتا ہے وہاں اس کو قیام کی اجازت مل جاتی ہے ساحکام مسافر خانہ کی رو سے وہ مستقل طور پر وہاں قیام نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے ۱۳ جولائی کو ایک ہفتہ پورا ہو جانے کے بعد وہاں سے منتقل ہو کر انجمن خاکساران بمبئی کے دفتر میں جاتا ہے جہاں اسے سونے کو جگہ مل جاتی ہے۔ اس دوران میں وہ مقامی خاکسار طلباء کی انجمن کے سالار سے دوستی گانٹھتا ہے

مسٹر جناح کی واپسی

۲۲ جولائی کو جناب جناح بمبئی آتے ہیں۔ ان کی آمد کا اعلان اخباروں میں ہو چکا ہے ان کے استقبال کے لئے ہزاروں مسلمان اسٹیشن پر جمع ہیں۔ اسی ہجوم میں رفیق بھی ہے وہ اپنے شکار کو نظر بھر کر دیکھ لیتا ہے۔ اب رفیق نے چاقو حاصل کیا۔ لیکن اس کی دھار اس کے حسب منشا تیز نہیں تھی۔ اس لئے وہ اسمٰعیل دادا میاں کی دوکان پر جا کر اپنے چاقو کو سان پر چڑھواتا ہے اور دادا میاں سے یہ تاکید بھی کرتا ہے کہ وہ چاقو کی دھار اچھی طرح تیز کرے، یہ واقعہ ۲۴ جولائی سینچر کا ہے۔

وہ ۲۵ جولائی کا دن گزر جانے دیتا ہے ممکن ہے اسے یہ خیال ہو گیا ہو کہ اتوار ہونے کی وجہ سے جناب جناح کے ہاں ملاقاتیوں کا مجمع ہوگا اور اسے ملاقات کا موقع نہ مل سکے گا؟

وہ پیر کی صبح کو ملابار ہل کا راستہ اختیار کرتا ہے۔

حملہ آور مسٹر جناح کے مکان میں

وہ پھاٹک کے پاس پہنچ گیا ہے اس وقت سوا بجا ہے اس نے دوپہر کا غیر معمولی وقت کیوں پسند کیا؟ اس کی وجہ معقول ہے یہی تو وہ وقت ہے جب بیشتر ملازمین دوپہر کا کھانا کھانے کے لئے باہر چلے جاتے ہیں اور جو کوٹھی میں رہ جاتے ہیں وہ جناب جناح کو کھانا کھلانے کی تیاریاں کرتے ہیں۔

جب وہ کوٹھی کے مقابل درختوں کی قطار کو طے کر چکتا ہے تو برآمدے کے اندر شاہ محمد اپنی ڈیوٹی پر کھڑا نظر آرہا ہے۔ رفیق اس کے پاس پہنچ کر اسے سلام کرتا ہے اور اس کے پوچھنے پر بتاتا ہے کہ وہ قائداعظم محمد علی جناح سے ملنے آیا ہے اگر رفیق اب سے صرف ایک ماہ قبل آیا ہوتا تو اسے کوئی بھی دقت نہ ہوتی۔ کوٹھی کا دروازہ ہر کس و ناکس کے لئے کھلا رہتا ہے اور جناب جناح تک ہر ایک کی رسائی آسانی سے ممکن تھی لیکن ۲۶ جولائی والے دن کو یہ بات نہ تھی، جناب جناح ان بے شمار خطوط اور تاروں کی بنا پر جن میں سے بعض پر دھمکیاں تھیں، بعض میں کھلم کھلا ان کے قتل کی خواہش کا اظہار کیا گیا تھا کسی قدر محتاط ہو گئے تھے، دوستوں اور خیر خواہوں کے اصرار کے باوجود کسی دربان یا سنتری کا تقرر بیرونی پھاٹک پر نہیں ہوا تھا اور ہر شخص بلا روک ٹوک کوٹھی میں داخل ہو سکتا تھا پہلے کی بہ نسبت اب اگر کوئی فرق ہوا تھا تو صرف اتنا کہ کوئی ملاقاتی براہ راست

جناب جناح کے پاس نہیں جا سکتا تھا اس کو پہلے ان کے سیکرٹری کے جانا ہوتا تھا چنانچہ اسی حکم کے مطابق شاہ محمد رفیق صاحب کو سیکرٹری کے دفتر لے جاتا ہے جو کوٹھی کے زیریں منزل کے مشرقی حصے میں ہے وہاں وہ جناب جناح سے ملاقات کی خواہش ظاہر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اسے لیگ کے بعض اہم معاملات پہ ان سے تبادلۂ خیالات کرنا ہے۔

دستور کے مطابق سیکرٹری اس کا نام دریافت کرتا ہے رفیق جواب دیتا ہے "میں کوئی بڑا آدمی نہیں ہوں۔ اس لئے نام بتانا بیکار ہے۔" اس پہ سیکرٹری کہتا ہے "آج جناب جناح بہت معروف ہیں آپ کو جو کچھ کہنا ہے ایک کاغذ پر لکھ جائیے جناب جناح اس پہ غور فرمائیں گے اور اگر ضرورت ہوئی تو آپ کو ملاقات کے لئے کوئی وقت دیں گے" چنانچہ رفیق سیکرٹری کے سامنے اسی میز پہ بیٹھ کر اردو میں ایک کاغذ پہ لکھنا شروع کرتا ہے۔ جونہی وہ لکھنا ختم کرتا ہے جناب جناح ایک فائل کی تلاش میں بذاتِ خود سیکرٹری کے دفتر میں آتے ہیں۔ رفیق تو اسی موقع کا منتظر تھا کیا قسمت اپنا کھیل دکھا رہی تھی؟ کیا رفیق کی دعائیں قبول ہو رہی تھیں؟

مسٹر جناح کی آمد اور حملہ

جیسا کہ جناب جناح نے کچہری میں بتایا تھا بعض اوقات کسی کاغذ یا فائل کی تلاش میں وہ خود دفتر چلے آتے تھے رفیق کو دیکھ کر قدرتی طور پہ جناب جناح پوچھتے ہیں یہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ سیکرٹری بتاتا ہے کہ یہ آپ سے ملنے کے خواہش مند ہیں۔ اس پہ جناب جناح رفیق سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں "آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں ایک کاغذ پہ لکھ دیجئے میں اس پہ اچھی طرح غور کروں گا۔ اور دو ایک روز میں ملاقات کا وقت دوں گا۔" لیکن رفیق اس وقت ملاقات پہ زور دیتا ہے جس

پر جناب جناح جواب دیتے ہیں "مجھے بہت افسوس ہے کہ اس وقت میں بے انتہا معروف ہوں اس لئے فی الحال ملاقات نہیں کر سکتا۔"

بڑے سے کھلے ہوئے چاقو کے ساتھ رفیق جناب جناح پہ پل پڑتا ہے ظاہر ہے کہ اس کا ارادہ قاتلانہ ہے جان بچانے کے قدرتی جذبے کے ماتحت جناب جناح اپنا بایاں ہاتھ اٹھاتے ہیں اور رفیق کے بائیں ہاتھ کی کلائی پکڑ لیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ضرب کا زور ٹوٹ جاتا ہے لیکن رفیق ایک جوان آدمی ہے وہ زور لگاتا ہے اور اپنے ہاتھ کو جھٹکا کر چاقو کی نوک جناب جناح کی ٹھوڑی تک لے جاتا ہے جناب جناح کے ایک زخم آتا ہے ظاہر ہے کہ وہ ان کے حلق کو نشانہ بنانا چاہتا تھا لیکن جناب جناح کی گرفت کی وجہ سے حلق کے بجائے ٹھوڑی میں زخم آ کر رہ جاتا ہے جیسا کہ ڈاکٹر مسینا نے عدالت میں بیان کیا۔ اگر چاقو آدھا انچ بھی نیچے لگتا تو ممکن ہے اس کے نتائج خطرناک ہوتے رفیق اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتا ہے اور اس کوشش کے دوران میں جناب جناح کے ہاتھ زخمی ہو جاتے ہیں اور ان کے کوٹ کی بائیں آستین بھی کٹ جاتی ہے۔ سیکرٹری جو اس تمام عرصے میں چند ہی گز کے فاصلے پہ تھا جناب جناح کی مدد کو آتا ہے اور ساتھ ہی دربان کو بھی پکارتا ہے وہ رفیق کو پیچھے دھکیل کر ان دونوں کے درمیان آنا چاہتا ہے اتنے میں شاہ محمد تیزی سے آتا ہے اور حملہ آور کو پیچھے سے پکڑ لیتا ہے اب رفیق جناب جناح سے دور ہو گیا ہے اور اسے مجبوراً ان کے کوٹ کا کالر چھوڑنا پڑتا ہے عبد الغنی شوفر بھی جو کوٹھی کے احاطے میں موٹر کار کے پاس کھڑا تھا آواز سن کر اور ہاتھا پائی دیکھ کر دوڑتا ہوا آتا ہے اور ایک لمحے کے اندر بڑی صفائی اور چالاکی سے رفیق کے ہاتھ سے چاقو جھپٹ لیتا ہے جناب جناح کی ٹھوڑی پہ گھونسہ اس غرض سے رسید کیا گیا تھا کہ وہ پیچھے گر جائیں اور پھر آسانی سے ان کو قتل کیا جائے، ایک ایسے آدمی کا گھونسہ جو تقریباً چالیس سالہ جوان تھا ان کو

نیچے نہ گرا سکا بلکہ وہ صرف ڈگمگا کر رہ گئے۔ پھر انھوں نے جو حملہ آور کی کلائی کو اپنی آہنی گرفت میں لے لیا بس یہی بات ان کی جان کے بچانے کا باعث ہوئی۔

فرار کی کوشش

اس واقعے سے سارے گھر میں کھلبلی مچ گئی اور تمام ملازمین دوڑ کر دفتر میں جمع ہو گئے رفیق نے سمجھ لیا کہ سب کھیل بگڑ گیا چنانچہ وہ دربان کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ وہی تنہا اسے پکڑے ہوئے تھا۔ ہاتھا پائی کے دوران میں وہ فرش پر پھسل کر دربان سے چھوٹ جاتا ہے۔ پھر بجلی کی طرح وہ فرش سے اٹھتا ہے اور قبل اس کے دربان اسے دوبارہ پکڑ سکے۔ وہ برآمدے سے پھولوں کی کیاری کو پھلانگ کر باغ میں پہنچ جاتا ہے اور پھاٹک کا رخ کرتا ہے لیکن دربان ایک شکاری کتے کی طرح اس کے پیچھے لگ جاتا ہے اور شوفر بھی جو جناب جناح کو چاقو دے کر آ گیا تھا اس کا تعاقب کرتا ہے۔ دربان کی رفتار رفیق سے تیز تھی وہ ایک جگہ اس کو جا لیتا ہے اور اس کی قمیص کا پچھلا حصہ پکڑتا ہے قمیص پھٹ جاتی ہے لیکن وہ ہمت کر کے ایک جست لگاتا ہے اور رفیق کی کمر اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور اسے نیچے گرا دیتا ہے۔

اب شوفر بھی وہاں پہنچ جاتا ہے اور دونوں مل کر رفیق کو بے بس کر دیتے ہیں پھر اسے حفاظت کے ساتھ سیکرٹری کے دفتر میں واپس لایا جاتا ہے اور اب وہ کڑی نگرانی میں ہے۔

اس کے بعد سیکرٹری گام دیوی پولیس اسٹیشن اور ڈاکٹر مسینا کو فون کرتا ہے اس دوران میں جناب جناح کو ان کی بہن بالائی منزل لے جاتی ہیں اور وہاں عارضی طور پر ان کی ٹھوڑی اور ہاتھوں کے زخموں کی مرہم پٹی کی جاتی ہے دو

بجے کے کچھ ہی بعد جب ڈاکٹر مسینا پہنچتے ہیں تو وہ دیکھتے ہیں کہ بالائی منزل پر جناب جناح اپنے بستر پر بیٹھے ہوئے پولیس افسر سے باتیں کر رہے ہیں۔ ان کی کالر قمیص اور کوٹ پر خون کے دھبے ہیں اور کوٹ کی آستین چند جگہ سے کٹ گئی ہے ڈاکٹر مسینا عارضی پٹیوں کو الگ کر کے زخموں کو دھوتے اور دوا لگاتے ہیں مرہم پٹی کے دوران میں ڈاکٹر مسینا کے چہرے پر تفکرات کے بادل چھا جاتے ہیں اور وہ مضطرب سے نظر آتے ہیں۔ اس خاندان سے ان کے پرانے تعلقات ہیں وہ تیس سال سے بھی زیادہ عرصے سے جناب جناح کو جانتے ہیں ان کو پورا احساس ہے کہ جناب جناح بال بال بچے ہیں۔

ملزم کی مجنونانہ حرکتیں

اس دوران میں رفیق اپنی قسمت کو کوس رہا تھا۔ بیچ بیچ میں وہ ملازموں کو بھی باتیں سناتا جاتا تھا، وہ کبھی ہنستا کبھی روتا، کبھی خدا کو اپنی مدد کے لئے بلاتا اور کبھی قرآن کی آیتیں پڑھنے لگتا وہ بہت ہی جوش میں نظر آتا تھا اور پھر اس نے بڑبڑانا شروع کیا۔ میں کوئی بھاڑے کا قاتل نہیں ہوں۔ میں نے یہ کام اپنے رہنما علامہ مشرقی کے احکام کی تعمیل میں کیا ہے۔ اس لئے کہ جناب جناح ہندوستان کی آزادی کی راہ میں ایک روڑا اور برطانوی حکومت کے ہاتھ میں ایک کھلونا ہیں۔ تا آنکہ سب انسپکٹر شیخ اسے آ کر لے جاتے ہیں۔

ادھر یہ سب کچھ ہوا اور ادھر حملے کی خبر سارے شہر میں بجلی کی طرح دوڑ گئی آدھ گھنٹے کے اندر ہی اندر جناب جناح کے رشتے دار دوست احباب اور مسلم لیگ کے عہدیدار ان بنگلے پر آ موجود ہوئے۔

مسٹر جناح کی شرافت

جناب جناح خوب جانتے ہیں کہ اس حادثے کا اثر مشتعل مسلمانوں پر کیا ہو گا

چنانچہ وہ صوبائی مسلم لیگ کے چند عہدیداروں سے تھوڑی دیر صلاح و مشورہ کرنے کے بعد ایک بیان شائع کرتے ہیں جس میں مسلمانوں سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ امن و سکون کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں مسلمانوں کے جذبات اس درجہ مشتعل ہو گئے ہیں کہ اس قسم کی اپیل ان کے لئے از حد ضروری تھی۔ ملازموں کو بھی ہدایت کر دی گئی ہے کہ وہ حملہ آور کو کوئی گزند نہ پہنچائیں۔

جناب جناح سب کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور اپنے دوستوں سے رخصت ہو کر آرام کرنے کے لئے اوپر جاتے ہیں تنہائی میں ان کو ہوشربا حادثے کا جائزہ لینے کا موقع ملتا ہے اپنی تیس سال سے زیادہ کی پر ہنگام سیاسی زندگی میں آج پہلی بار ان کو چاقو چھری استعمال کرنے والے سے سابقہ پڑا ہے۔ ہندوستانی سیاست آخر کس طرف جا رہی ہے! خوف تو ان میں نام کو نہیں! جرأت اور عزم ان کے پاس بافراط ہے جس کا انہوں نے کئی موقعوں پر ثبوت دیا ہے لیکن یہ واقعہ بالکل مختلف ہے کیا اس کے پیچھے کوئی گہری سازش تھی ؟ یا اس مجنونانہ حرکت کی ذمہ داری تنہا اسی پر تھی؟

ملزم عدالت کے کٹہرہ میں

سخت نگرانی میں ملزم کو عدالت کی عمارت کے زینے پر چڑھایا جاتا ہے۔ رفیق کے دونوں طرف دو حوالدار ہیں جو مضبوطی سے اس کے بازو پکڑے ہوئے ہیں اس کے فوراً ہی بعد سرکاری وکیل کے ہمراہ مسٹر سوجی صاحب کمرۂ عدالت میں آتے ہیں۔ ان کے پیچھے پیچھے ڈاکٹر دار و والا بھی آتے ہیں جو رفیق کے وکیل صفائی مقرر ہوئے ہیں ٹھیک پونے گیارہ بجے ایک نقیب کے پیچھے سیشن جج مسٹر جسٹس بلیگڈن کمرۂ عدالت میں داخل ہوتے ہیں۔

پیش کار، رفیق سے مخاطب ہو کر اس کے خلاف مبینہ الزام کو دہراتا ہے اور

اس سے دریافت کرتا ہے کہ اسے اپنے جرم کا اقرار ہے یا وہ صفائی پیش کرنا چاہتا ہے رفیق کھڑے ہو کر ایک ترجمان کی وساطت سے اپنے آپ کو بے گناہ بتاتا ہے اور مقدمہ کی سماعت کا حق چاہتا ہے اس کے بعد پیش کار جیوری کے انتخاب کے لئے نام پکارتا ہے ملزم آٹھ ناموں پر یکے بعد دیگرے اعتراض کرتا ہے ان کی جگہوں کو دوسرے ممبروں سے پُر کرنا پڑتا ہے۔

مسٹر سوجی وکیل استغاثہ کا بیان

مسٹر سوجی مقدمہ کا افتتاح کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ مسٹر جناح آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر ہیں۔ ملک کی ایک جماعت خاکسار کے ممبروں نے ان پر خطوں اور تاروں کی بوچھاڑ کی اور خاکساروں کے لیڈر علامہ مشرقی نے ایک اعلان عام شائع کر کے مسٹر جناح کی اس پالیسی پر تنقید کی جو انہوں نے کانگرس کے متعلق اختیار کر رکھی تھی، اسی اعلان عام میں علامہ نے پر زور الفاظ میں اپنے پیروؤں کو حکم دیا تھا۔ کہ وہ مسٹر جناح کی خدمت میں ہزارہا خطوط اور تار بھیجیں۔ جن میں ان سے درخواست کی جائے کہ وہ گاندھی جی سے ملاقات کریں چنانچہ اس اعلان عام کی تعمیل میں مسٹر جناح کے پاس بیشمار خطوط اور تار بھیجے گئے، جن کا ایک انبار لگ گیا ہے جو اس وقت پولیس کے قبضہ میں ہیں۔ ان میں سے چند ایک کے الفاظ معتدل اور لہجہ نرم تھا لیکن بعض دھمکی آمیز تھے اور ان میں مسٹر جناح پر حملہ کرنے اور ان کو قتل کرنے کی دھمکی دی گئی تھی۔ ملزم بھی خاکسار جماعت کا ایک ممبر تھا۔ اور "جانباز" کے نام سے مشہور تھا۔ ان دھمکی آمیز خطوں کے پیش نظر مسٹر جناح زیادہ محتاط ہو گئے تھے اور انہوں نے ہدایتیں دے رکھی تھیں کہ اگر ان سے کوئی ملاقات کے لئے آئے تو پہلے سیکرٹری کے پاس لے جایا جائے۔

اس کے بعد مسٹر سوجی حملہ کی تفصیل بیان کرتے ہیں، بعد میں مسٹر جناح کے سیکرٹری مسٹر سید احمد کا بیان ہوتا ہے۔

مسٹر جناح کے سیکرٹری پر جرح

ڈاکٹر دارو والانے دیر تک سید صاحب سے جرح کی، ان سے طرح طرح کے سوالات پوچھے جاتے ہیں کہ مسٹر جناح نے رفیق کو گالیاں دیں کہ مسٹر سید اور مسٹر جناح نے اس پر حملہ کیا۔ کہ ہاتھا پائی کے دوران میں ملزم مسٹر جناح پر گر پڑا جس کی وجہ سے مسٹر جناح کی ٹھوڑی اور ہاتھوں میں زخم آگئے، سید صاحب ان تمام بیانوں کی تردید سختی سے کرتے ہیں۔

اس کے بعد سوجی صاحب، شاہ محمد دربان کو طلب کرتے ہیں جب وہ گواہوں کے کٹہرے میں آتا ہے تو اس کا شاندار قد و قامت اور اس کی طرے دار پگڑی تمام نظروں سے خراجِ تحسین وصول کرتی ہے، اس نے بیان کیا کہ وہ سیکرٹری کی چیخ و پکار سن کر نہایت سرعت کے ساتھ دفتر میں گیا اور اس نے وہاں ملزم اور جناب جناح کو ایک دوسرے سے دست و گریبان پایا۔ اس کے بعد وہ مفصل اور واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ اس نے کیونکر ملزم کو پیچھے سے پکڑ کر کھینچ لیا۔ اس عرصے میں شوفر بھی آگیا اور اس نے ملزم کے ہاتھ سے چاقو چھین لیا۔

ملزم کا نیا عذر

شاہ محمد اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ ملزم ترجمان کی وساطت سے ڈاکٹر دارو والا کو بلواتا ہے۔ دونوں میں کچھ دیر کانا پھوسی ہوتی ہے اور ڈاکٹر دارو والا عدالت کو بتاتے ہیں کہ چند سال قبل ملزم کو بجلی کا ایک جھٹکا لگا تھا جس کی وجہ سے اس کا

دایاں ہاتھ کمزور ہوگیا، اس ہاتھ سے وہ کوئی چیز پکڑ نہیں سکتا ہے۔ ایسی حالت میں یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ جناب جناح پر حملہ کرتا، یا اس ہاتھ سے چاقو چلاتا ہے؟ اس لئے مناسب ہے کہ پولیس سرجن سے ملزم کا معائنہ کروایا جائے۔ عدالت عالیہ اس عرضداشت کو منظور کرلیتی ہے۔

مسٹر جناح کمرۂ عدالت میں

اب جناب جناح کمرۂ عدالت میں داخل ہوتے ہیں، ان کی شخصیت فوراً سب کو اپنی طرف متوجہ کرلیتی ہے عدالت کے وسیع کمرے میں سرگوشیوں کے ذریعے سے یہ خبر پھیل جاتی ہے آنکھیں ان کے دیکھنے کے لئے اٹھ جاتی ہیں وہ آگئے۔ سالہا سال گزر گئے لیکن ان کی وضع قطع میں وہی شان موجود ہے! انقلاباتِ زمانہ کا ان کے لباس و پوشاک پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ اب بھی وہ ہندوستان کے سب سے زیادہ خوش پوشاک آدمی کہے جاسکتے ہیں۔ ان کا بدن پہلے سے زیادہ چھریرا تھا۔ اور ان کا رنگ بھی پہلے سے زیادہ صاف تھا مگر اب زمانہ کے اثرات جسم و چہرہ سے عیاں ہیں لیکن ان کی شخصیت کی کشش ان کے وقار اور برتری میں کوئی فرق نہیں آیا۔

دلچسپ منظر

عبدالغنی کا بیان سننے کے بعد مسٹر جسٹس بلیگڈن چاقو طلب کرتے ہیں اور اس کا پھل کھول کر اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑے ہوئے اس طرح گواہ کی طرف بڑھتے ہیں جیسے وہ اس پر حملہ کرنے جارہے ہیں۔ ہز لارڈ شپ گواہ سے کہتے ہیں کہ جس طرح اس نے چاقو چھینا تھا اس کا مظاہرہ کرے۔ حاضرین دم بخود ہوکر یہ تماشہ دیکھتے ہیں۔ عبدالغنی ایک لمحہ کے اندر آسانی سے ہز لارڈ شپ کی مضبوط گرفت

سے چاقو چھین لیتا ہے اس مظاہرے پر ممبران جیوری، حاضرین اور خود جج بھی عش عش کرنے لگتے ہیں۔

ہز لارڈشپ اپنی جگہ جا کر بیٹھ جاتے ہیں اور گواہ سے کہتے ہیں کہ "کیا تمہارے ناخن اس روز بھی اتنے ہی تیز تھے جتنے کہ آج ہیں؟" کمرۂ عدالت میں ہر طرف قہقہے لگتے ہیں سو جج صاحب فوراً کھڑے ہو کر پوچھتے ہیں۔ ہز لارڈشپ کے کہیں چوٹ تو نہیں آئی؟ مسٹر جسٹس بلیگڈن مسکراتے ہوئے جواب دیتے ہیں "ہاں! لیکن بے جا طور پر نہیں۔"

اس سوال و جواب سے عدالت کے سنجیدہ ماحول میں زندہ دلی کی لہر دوڑ جاتی ہے ہز لارڈشپ ممبران جیوری سے کہتے ہیں "میں خود اس بات کا اطمینان کر لینا چاہتا تھا کہ گواہ کے بازوؤں میں اتنا زور ہے یا نہیں کہ وہ کسی کی مضبوط گرفت سے چاقو چھین سکے گواہ کے مظاہرے سے میں پوری طرح مطمئن ہو گیا ہوں۔"

مسٹر جناح کی طلبی

اب جناب جناح اپنے اسی وقار اور خود اعتمادی کے ساتھ گواہوں کے کٹہرے کے چند زینے چڑھ کر پلیٹ فارم پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

عدالت کو دیکھ کر جناب جناح کے دل میں کیا کیا باتیں اٹھ رہی ہوں گی؟ کیا ان کو بیتے ہوئے دنوں کی یاد آ رہی ہے جب وہ وکالت کے میدان میں رنگروٹ کی طرح ہاتھ پیر مار رہے تھے؟ یہ بھی تو ممکن ہے کہ ان کے حافظے میں باولا کا مقدمۂ قتل تازہ ہو گیا ہو جس میں انہوں نے نہایت قابلیت سے ایک ملزم کی مدافعت کی تھی؟ ان کے خواب و خیال میں بھی کبھی یہ بات نہ آئی ہو گی کہ ایک دن ان کو بھی اسی سیشن کورٹ میں اپنے ہی اقدام قتل کے سلسلے میں گواہوں کے کٹہرے میں کھڑے رہنا ہو گا۔

رفیق ملزم کی جرح

مسٹر جناح کے بیان کے بعد رفیق ملزم مسٹر جناح پر جرح کرتا ہے رفیق شروع میں کہتا ہے کہ جناب جناح کو جو خطوط بھیجے گئے ہیں وہ خاکساروں کے نہیں بلکہ اور ہی لوگوں کے ہوں گے اور ان کا مقصد مسلم لیگ اور خاکساروں کے مابین ان بن پیدا کرنا ہو گا جناب جناح کہتے ہیں کہ ان خطوں کے بارے میں کوئی رائے ظاہر کرنا ملزم کا منصب نہیں اس کے بعد مسلم لیگ کے معاملات اور سالانہ اجلاسوں کے اخراجات کے متعلق کئی بے جوڑ سے سوالات پوچھتا ہے۔ جن کا مقدمہ کی کارروائی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ہز لارڈشپ بار بار اس کو ٹوکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان باتوں کا مقدمے سے کیا واسطہ! پھر رفیق پاکستان کے موضوع پر آتا ہے اور جناب جناح سے فرمائش کرتا ہے کہ وہ اس کا مطلب بتائیں، ہز لارڈشپ پھر اسے روکتے ہیں کہ وہ ایسے غیر متعلق سوالات نہ پوچھے، اس کے بعد وہ لیگی اخبار "ڈان" دہلی کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے، اور صرف یہی نہیں بلکہ جناب جناح کی بیٹی کی شادی کے متعلق بھی سوالات پوچھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہز لارڈشپ ایک بار پھر اس کی یاد دہانی کرتے ہیں کہ یہ باتیں مقدمے سے غیر متعلق ہیں۔ پھر وہ مذہب اور قرآن پر اتر آتا ہے اور یہ بتانا چاہتا ہے کہ جناب جناح اسلامی تعلیمات سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ اس پر ہز لارڈشپ چیں بجبیں ہو کر کہتے ہیں کہ یہاں جناب جناح کے خلاف کفر کے الزام میں مقدمہ نہیں چل رہا بلکہ رفیق کے خلاف اقدام قتل کا مقدمہ درپیش ہے۔

اس کے بعد رفیق پھر بہکنے لگتا ہے وہ جاننا چاہتا ہے کہ مسلم لیگ کے لئے کتنی رقم جمع کی گئی ہے۔ اور اس کو کن مدوں میں خرچ کیا جاتا ہے؟ ہز لارڈشپ اس سوال کی اجازت نہیں دیتے اور ملزم سے کہتے ہیں کہ اس سوال کا جواب طلب کرنے کی جگہ یہ نہیں یہ عدالت ہے رفیق اپنی بے جوڑ اور اوٹ پٹانگ کا سلسلہ نہیں ختم کر

دیتا ہے جناب جناح ہزلارڈشپ کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے کہ وہ آپے سے باہر ہو گئے تھے اور ملزم کو دھکے دے کر گھر سے نکلوا دینا چاہتے تھے اس کے برعکس انہوں نے اپنے ملازموں سے تاکید کے ساتھ کہا کہ ملزم کو کوئی گزند نہ پہنچنے پائے حتیٰ کہ اس وقت بھی اس کی حفاظت کا خیال رکھا گیا جب وہ بے بس ہو گیا تھا۔

عدالت کا فیصلہ

پھر رفیق کا بیان ہوتا ہے بعد ازاں جیوری کی رائے لی جاتی ہے۔ جس کا فیصلہ ہے کہ ملزم اقدام قتل کا سزاوار ہے۔ ہزلارڈشپ جیوری کے فیصلے کو قبول کرتے ہوئے ملزم کو مخاطب کرتے ہیں۔ رفیق اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ ہزلارڈشپ کہتے ہیں رفیق صابر تمہارا مقدمہ معمولی نہیں ہے۔ میں تمہارے حق میں یہ فرض کرنے کو تیار ہوں کہ تم نے یہ حرکت ایک ایسی نیت سے کی ہے جو کسی حد تک احترام کے قابل ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ تم جناب جناح کے خلاف کسی ذاتی عناد کے جذبے سے مشتعل ہوئے۔ اور تم خواہ کتنے ہی گمراہ کیوں نہ ہوئے لیکن مجھے یقین ہے کہ تم اپنے ملک کو مسرور و خوشحال دیکھنا چاہتے تھے اور تمہارا خیال یہ تھا کہ جناب جناح اس راہ میں ایک روڑا ہیں یہ کہہ کر میں نے وہ سب کچھ کہہ دیا جو تمہاری حمایت میں کہا جا سکتا ہے۔ لیکن جو بھی ملک سیاسی یا کسی اور غرض سے قتل و خونریزی کو روا رکھتا ہے وہ کبھی مسرور و خوشحال نہیں ہو سکتا۔ سیاسی قتل و خونریزی کو روا رکھنے کا ایک ہی نتیجہ ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جائز و مناسب حکومت کی جگہ غنڈہ راج لے لیتا ہے۔ یہی جرمنی میں ہوا اور جبر کے باعث موجودہ جنگ چھڑی تم کو اور تمہارے جیسے گمراہ لوگوں کو یہ حقیقت سزا دے کر اور سزا کی مثال پیش کر کے سکھائی جاتی ہے میرا خیال ہے کہ میں تم کو جو کم سے کم سزا مناسب طور پر دے سکتا ہوں وہ پانچ برس کی قید بامشقت ہے۔

دو قوموں کا نظریہ

○

اب ہم منزل پر پہنچ چکے ہیں، جہاں "دو" قوموں کا نظریہ" یعنی مسلمانوں کی جداگانہ ہستی کا مطالبہ ایک خوفناک اور ہولناک شرارت سے ہندو حلقوں میں تعبیر کیا جا رہا ہے آیئے سوچیں کہ واقعی یہ مسٹر جناح کی ایک فتنہ انگیز اور افتراق پرور اختراع ہے یا یہ اتنی ہی پرانی ٹھوس اور ناقابلِ انکار حقیقت ہے جتنے اس دیس میں خود مُسلمان؟

مسلمانوں کو ایک جداگانہ قوم کی حیثیت سے ہندو بھی ہمیشہ سے تسلیم کرتے چلے آئے ہیں اور مسلمان بھی، یہ انکار تو اس وقت سے شروع ہوا جب سے مسلمانوں نے اس اعتراف و تسلیم کے لازمی نتائج ــــــ حق خود ارادیت، پاکستان، تقسیم ہند ــــــ کو منوانے کی کوشش کی اعتراف و تسلیم کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہا، جب تک مسلمان منتشر تھے، آوارہ تھے، کمزور تھے اور اعراض و انکار کا سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا، جب وہ منظم ہو گئے، ایک مرکز پر جمع ہونے لگے۔ اور ایک ناقابلِ تسخیر قوّت و طاقت بن گئے۔

غدر کے بعد پہلی آواز

۱۸۵۷ء کے عالم آشوب غدر کے بعد مسلمانوں کی حالت حد درجہ یاس انگیز ہو گئی تھی،

سہام انتقام کا سینہ بنایا جا رہا تھا، ہندو اور انگریز دونوں ان سے جلے ہوئے تھے اور اپنے پچھلے فرضی اور واقعی قرضے چکا رہے تھے، یہ حالت بیسویں صدی کے آغاز تک رہی اس زمانہ میں نواب محسن الملک کی قیادت میں مسلمانوں کا ایک وفد شملہ پہنچا اور وائسرائے ہند کے سامنے اس نے ایک مفصل عرضداشت پیش کی، اس عرضداشت اور وفد کی ضروری تفصیل بیان کی جا چکی ہے اس جگہ صرف یہ کہنا مقصود ہے کہ وفد نے سب سے زیادہ جس چیز پر زور دیا تھا وہ یہ تھا۔

"قومی حیثیت سے مسلمانوں کی ایک جداگانہ جماعت ہے جو ہندوؤں سے بالکل الگ ہے۔"

یہ غدر کے بعد مسلمانوں کی پہلی آواز تھی جو ایک قوم کی حیثیت سے بلند ہوئی تھی اور اس میں صاف صاف قومی انفرادیت پر زور دیا گیا تھا۔

ایک اور پرانی بات

۱۹۱۲ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس سر محمد شفیع کی زیر صدارت بمقام لکھنؤ منعقد ہوا سر شفیع نے اپنے خطبۂ صدارت میں کہا:-

"ہندو قوم حالات سے سازگاری میں کمال رکھتی ہے۔ اس قوم نے برطانوی حکومت سے اس قدر جلد اور اس قدر زیادہ سازگاری حاصل کر لی کہ محتاج بیان نہیں پھر سات کروڑ مسلمانوں کا سوال ہے جو فاتحانہ تاریخ رکھتے ہیں۔ اور ایک جداگانہ تمدن کے مالک ہیں۔"

بھولی ہوئی بات

۱۹۱۶ء میں کانگرس اور مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا تھا۔ یہ ایک تاریخی اجلاس تھا جس میں ہندو اور مسلمان اپنی قومی انفرادیت کے مطالبہ اور اس احساس کے

باوجود مشترک معاملات میں ایک دوسرے سے بہت قریب آ گئے تھے۔ اسی اجلاس میں میثاق لکھنؤ منظور ہوا تھا جو تمام تر جداگانہ انفرادیت کے اصول پر مبنی تھا۔ اس اجلاس میں پنڈت جواہر لال نہرو موجود تھے اور یہ جداگانہ قومی ملی وجود کا احساس و اعتراف ان کے سامنے ہو رہا تھا[1]۔

مسلم لیگ کے خطبۂ صدارت ۱۹۱۶ء میں مسٹر جناح نے فرمایا اور جس زور شور سے آج فرماتے ہیں اسی زور شور سے فرمایا:-

"لیگ کا سب سے بڑا اصول یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی علیحدہ قومیت اس قدر مضبوط بنیادوں پر قائم ہو جائے کہ کسی قسم کی سیاسی اصلاحات اسے نقصان نہ پہنچا سکیں۔"

آج مسٹر جناح اس سے زیادہ کیا کہتے ہیں جو ۱۹۱۶ء میں کہتے تھے؟ لیکن اس وقت وہ "ہندو مسلم اتحاد کے سفیر" گاندھی جی کی نظر میں تھے، اور آج؟

اسی خطبۂ صدارت میں آگے چل کر انہوں نے کہا:-

"میرے اور مسلمان قوم پرستوں کے لئے یہ بے حد خوشی کا مقام ہے کہ ہندو قوم کے رہنماؤں نے خوشی خوشی مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کو تسلیم کر لیا، ہماری قومی حیثیت مضبوط ہو جانے کے بعد اگر کوئی میرا ہم قوم اپنے ہندو بھائی کی طرف دستِ اتحاد نہ بڑھائے۔ تو مجھے اس سے کوئی ہمدردی نہیں۔"

مذکورہ جملوں میں "ہندو رہنماؤں" سے مراد کون لوگ ہیں؟ کیا مہا سبھا کے؟ مہا سبھا تو اس وقت عالم وجود میں نہیں آئی تھی؟ وہ کون "ہندو رہنما" تھے جنہوں نے "خوشی خوشی مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت تسلیم کی تھی اور اس پر دستخط کئے تھے؟ یہ وہی رہنما تھے جو کانگرس کے ناخدا تھے، کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مسٹر جناح کانگرس کو ہمیشہ ہندو جماعت سمجھتے رہے، مانتے رہے، پھر یہی وہ آج بھی کہہ رہے ہیں؟ پھر ۱۹۱۶ء میں وہ گشتی اور

[1] ملاحظہ ہو "میری کہانی" حصہ اوّل صفحہ ۶۹

گر دن زدنی نہیں تھے، اب کیوں ہو گئے ؟

تحریکِ خلافت کا ہنگامہ خیز دَور

اب تحریک خلافت کا ہنگامہ خیز اور طوفان بدوش دَور شروع ہوتا ہے۔ علی برادران اور گاندھی جی، سارے ہندوستان پر ایک طوفان کی طرح چھا جاتے ہیں۔ مشترک جلسے ہوتے ہیں اور ان مشترک جلسوں میں "اللہ اکبر" "بندے ماترم" "ست سری اکال" کے مستانہ نعرے ساتھ ساتھ لگتے ہیں۔ مشترک جلوس نکلتے ہیں اور ان جلسوں میں ہندو اور مسلمان دوش بدوش اپنے سروں پر پولیس کی لاٹھیاں اور سینوں پر فوج کی گولیاں کھاتے ہیں مشترک مقدمے چلتے ہیں اور ان میں مولانا محمد علی اور سری شنکر اچاریہ ساتھ ساتھ ماخوذ ہوتے ہیں خلافت کے پنڈال کی رونق ہندوؤں سے ہے اور کانگرس کی گرمئ بازار مسلمانوں سے قائم ہے اس سے بڑھ کر جذبات اور ہنگامی دور ہندوستان کی تاریخ میں کبھی نہیں آیا لیکن خدارا بتایا جائے کہ کیا اس دور میں مسلمان اپنی جداگانہ قومیت کے احساس سے دستبردار ہوگئے تھے؟ کیا خلافت کانفرنس کے اجلاس کانگرس کے ساتھ لیکن جداگانہ طور پر منعقد نہیں ہوتے تھے ؟

مولانا ابوالکلام آزاد کی رائے گرامی

مولانا ابوالکلام آزاد، جو آج بھی کانگرس کے والہ و شیدا ہیں اور جنگ طرابلس و بلقان کے زمانہ میں بھی تھے جن کا دعوٰی ہے کہ وہ آج تک اپنے مسلک پر قائم ہیں اور اس سے ذرا بھی منحرف نہیں ہوئے ہیں۔ آئیے دیکھیں اس بارہ میں مولانا کی کیا رائے تھی، وہ اپنے جریدۂ فریدہ الہلال مرحوم میں تحریر فرماتے ہیں:-

"اسلام اس سے بہت ارفع و اعلےٰ ہے کہ اس کے پیروؤں کو اپنی پولٹیکل پالیسی قائم کرنے کے لئے ہندوؤں کی پیروی کرنی پڑے مسلمانوں کے لئے اس سے بڑھ

کر کوئی شرم انگیز سوال نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسروں کی پولٹیکل تعلیموں کے آگے جھک کر نیا راستہ پیدا کریں ان کو کسی جماعت میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں وہ خود دنیا کو اپنی جماعت میں شامل کرنے والے اور اپنی راہ پر چلانے والے ہیں اور صدیوں تک چلا چکے ہیں پس اور تمام چیزوں کی پالٹیکس میں بھی میری یہی دعوت ہے کہ نہ تو گورنمنٹ پر بے جا اعتماد کیجئے اور نہ ہندوؤں کے حلقۂ درس میں شریک ہو جئے صرف اس پر چلئے جو اسلام کی بنائی ہوئی صراطِ مستقیم ہے"۔

کیا مسلم لیگ، مسٹر جناح اور مسلم عوام مولانا کی تعلیم پر آج حرف بحرف عمل نہیں کر رہے ہیں؟

مولانا محمد علی مرحوم کے ارشادات

گول میز کانفرنس میں شرکت کے بعد وفات سے چند روز بیشتر مولانا محمد علی مرحوم نے یکم جنوری ۱۹۳۱ء کو بستر علالت پر جو بعد میں بسترِ مرگ ثابت ہوا لیٹے لیٹے ایک خط ریمزے میکڈانلڈ وزیر اعظم برطانیہ کو لکھا تھا۔ اس میں وہ تحریر فرماتے ہیں:-

"سب سے پہلے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہندو مسلم سوال کا نام اقلیتوں کا سوال رکھنا بالکل غلط ہے۔ ہندوستان میں بلاشبہ کچھ اقلیتیں ضرور ہیں اور یقیناً ہم کو ان کے لئے انتظام کرنا چاہیئے"۔

مسلمان ہندوستان پر آٹھویں صدی کے آغاز سے ۱۹ ویں صدی کے وسط تک کسی نہ کسی صورت میں اور ملک کے کسی نہ کسی حصہ میں حکومت کرتے رہے اتنے عرصے تک کسی دوسری قوم نے ہندوستان میں حکومت نہیں کی، سکھوں نے پنجاب پر کچھ روز حکومت کی یہ حکومت محض اتفاقی واقعہ تھا اسی طرح مرہٹوں کی لوٹ مار ہندوستان میں مسلمانوں کی تاریخ کے ہم پلہ نہیں ہے۔ دوسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمان اس قسم کی اقلیت نہیں ہیں جس معنی میں جنگ کے

بعد یورپ میں یہ لفظ استعمال ہو رہا ہے" جمعیۃ اقوام یورپ کی اقلیتوں کا انتظام کرتی ہے۔ مگر ہمارے ہندوستانی فضلا جینوا میں بیٹھ کر ہندوستان کی رہنمائی کرنا چاہتے ہیں حالانکہ خود ہندوستان جینوا کی بہتر رہنمائی کر سکتا ہے ایک ایسی قوم جو تنہا ہندوستان میں سات کروڑ سے زیادہ ہے آبادی اس معنی میں اقلیت نہیں کہلائی جا سکتی جس مفہوم میں یہ لفظ جینوا میں استعمال ہوتا ہے ایسی قوم کو اقلیت کے نام سے پکارنا محض لغو ہے۔

خالدہ ادیب خانم

ترکی کی مشہور ادیبہ اور مجاہدہ، خالدہ ادیب خانم نے ۱۹۳۵ء میں ڈاکٹر انصاری مرحوم کی دعوت پر ہندوستان تشریف لائی تھیں یہاں وہ زیادہ تر کانگرسی حلقہ میں گھری رہیں لیکن ذرف بیں نگاہ کی مالک تھیں یہاں سے واپس جا کر انہوں نے ایک معرکہ آرا کتاب "اندرونِ ہند" INSIDE INDIA لکھی جسے بڑے اہتمام سے انجمن ترقی اردو دہلی نے چھاپا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے ہندومت اور مذہب اسلام اور ہندومت کی قوت جاذبہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"دوسری بڑی تخریبی قوت اسلام ہے۔ ہندومت کی موجیں دوبارہ آگے بڑھیں اور جس حد تک جذب کر سکتی تھیں ... ں کو ست اپنے جسم میں داخل کر لیا، اگرچہ یہ انجذاب اتنا کافی نہ تھا کہ اسے بالکل ناموزوں کر دے۔ جو کچھ بھی ہو مگر اللہ اور محمدؐ دیوبانی میں نہ سما سکتے تھے، نہ سمانا چاہتے تھے پھر اسلام کے اقتصادی اور اجتماعی اصول قومی نظام میں کسی قسم کی بھی تفریق و تقسیم کی اجازت نہ دیتے تھے تحریک اسلامی جس میں کسی قسم کا تغیر و ترمیم و کمی نہیں وہ یہ ہے کہ اپنی شریعت کو عامۃ الناس تک پہنچائے اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اسلام کی آمد نے ہندو نظام کو یہاں وہاں بدلنا شروع کیا۔ سکھ تحریک اس کی ایک مثال ہے۔ پھر ہندو دنیا کے جس حصے کو

اسلام بدل نہ سکا تھا وہاں بھی بددلی اور بے اطمینانی ضرور پیدا کر دی۔ اس لئے اسلام سرزمین ہند پر مستقل سکونت کے لئے آیا تھا۔ اور اپنی اصلیت کو چھوڑے بغیر ہندوستانی زندگی کا جزو ہو گیا تھا، چنانچہ ہندوستان کے اندر کشمکش پیدا ہوئی کہ اسلام اور ہندومت کے پہلو بہ پہلو رہنے کی سبیل کی جائے، یہ موقع تھا کہ ہندومت ایک ایسی قوت سے دوچار ہوا جسے نہ جذب کرنا ممکن تھا نہ باہر کرنا، ہندومت کو یہ عجب طرح کی انقلاب انگیز صورت پیش آئی۔ اس کے معنی یہ تھے کہ اسے ایک قوم کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی تدبیر نکالنی پڑی جو ہندومت سے بالکل ہی مختلف تصور پر مبنی تھی!"

مسلمانوں کی جداگانہ قومیت پر کیا اس سے بہتر استدلال ممکن ہے؟

مولانا حسین احمد اور علامہ اقبالؒ

۱۹۳۶ء تک مولانا حسین احمد صاحب مسلم لیگ کے حامی تھے اس کے بعد وہ خفا ہو گئے اب وہ ایک نئے نظریہ کے داعی بن گئے۔ انہوں نے ایک موقع پر فرمایا "قومیں اوطان سے بنتی ہیں نہ کہ مذہب سے!" ظاہر ہے یہ بالکل غیر اسلامی نظریہ ہے ہمیں دوسری قوموں سے بحث نہیں اسلام کا جہاں تک تعلق ہے وہ صرف مذہب کی بنا پر قومیت کی تشکیل و تعمیر کا قائل ہے مولانا کا یہ نظریہ، علامہ اقبالؒ مرحوم تک پہنچا، وہ عاشق رسول صلعم یہ بات کب برداشت کر سکتا تھا، اس نے کہا، اور برجستہ کہا۔

زدیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است!

پھر آگے چل کر

سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است

چہ بے خبر ز مقام محمدؐ عربی است

بہ مصطفےٰ برساں خویش راکہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است!

جناح گاندھی خط وکتابت

۱۹۴۰ء میں مسٹر جناح اور گاندھی کے مابین ہندو مسلم سوال پر خط وکتابت شروع ہوئی
تو ۱۲ جنوری ۱۹۴۰ء کے مکتوب میں مسٹر جناح نے صاف صاف لکھ دیا تھا:۔
"ہندوستان نہ ایک ملک ہے اور نہ اس کے باشندے ایک قوم ہیں وہ ایک
ذیلی برّ اعظم ہے جو متعدد قوموں پر مشتمل ہے جن کے منجملہ ہندو اور مسلمان دو اہم
قومیں ہیں آج آپ کا انکار ہے کہ قومیت کی تعیین میں مذہب بہت اہم عنصر ہوا
کرتا ہے لیکن جب آپ سے سوال کیا گیا تھا کہ آپ کی زندگی کا مقصد کیا ہے تو
آپ نے جواب دیا تھا خالص مذہب۔"

گاندھی جی کا ایک بیان، اپریل ۱۹۴۰ء کے روزنامہ ہندوستان ٹائمز
HINDUSTAN - TIMES میں شائع ہوا جس میں انہوں نے فرمایا:۔
"ہندوستان کے مسلمان نومسلموں کی اولاد ہیں تبدیلیٔ مذہب سے قومیت
نہیں بدل سکتی، میری روح اس امر کے تصوّر سے بغاوت کرتی ہے اور اسلام اور
ہندومت دو مختلف اور متضاد کلچر اور نظریہ حیات کے مذاہب ہیں کسی ایسے
نظریہ کا تسلیم کرنا میرے نزدیک خدا سے انکار کرنے کے برابر ہے۔"
ظاہر ہے گاندھی جی سب کچھ کر سکتے ہیں خدا سے انکار نہیں کر سکتے۔

ایک اور تشریح

بیورلی نکلس نے مسٹر جناح سے پوچھا "آخر آپ کن اسباب کی بنا پر مسلمانوں کو ایک

جداگانہ قوم کہتے ہیں؟" مسٹر جناح نے جواب دیا:۔
"یاد رکھئے اسلام صرف ایک روحانی اور مذہبی ہی نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک مکمل
ضابطہ حیات ہے۔ جس نقطۂ نظر سے بھی غور کیجئے آپ مسلمانوں کو ہندوؤں سے
ایک جداگانہ اور ممتاز قوم پائیں گے۔ ہماری تاریخ معاشرت جنتری، رسم ورواج،
مذہب، تمدن، ثقافت، اکابر، فنِ تعمیر، اصولِ تعزیر، عبادت، آئین قانون،
غذا، لباس، تعلیم، عورتوں کے برتاؤ، حیوانات کے ساتھ سلوک، غرض کوئی چیز
ایسی نہیں ہے جو مشترک ہو۔"

گاندھی جی کا انکار

۱۹۴۴ء میں "گاندھی جناح گفت وشنید" کے انقطاع کے بعد گاندھی جی نے ۹ ستمبر
۱۹۴۴ء کو نیوز کرانیکل لندن NEWS CHRONICLE کے نامہ نگار خصوصی کو بیان دیتے
ہوئے فرمایا:۔
"میں دو قوموں والی اساس تسلیم نہیں کر سکتا، اور مسٹر جناح کا یہی مطالبہ تھا۔"

اصل حقیقت

اصل حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کا قومی اور مذہبی مزاج کچھ ایسا ہے کہ وہ دوسری قوموں
کو جذب کر سکتے ہیں، خود ان میں جذب نہیں ہو سکتے، یہ خصوصیت ہندوستانی مسلمانوں کی
نہیں ہے مسلم قوم کی ہے یورپ میں یہودی اور عیسائی دوش بدوش رہ سکتے ہیں ساتھ کھا سکتے
ہیں۔ ان کی زبان ایک ہے تمدن ایک ہے، معاشرت ایک ہے، سب کچھ ایک ہے اس
کے برعکس مسلمان جہاں بھی ہے ان کی زبان، تمدن، معاشرت، تاریخ ہر چیز جدا ہے اور
اس امتیاز پہ انہیں اصرار ہے۔ مصر میں قبطی بستے ہیں، بیروت، عراق، دمشق، فلسطین، شام

لبنان میں عیسائی اور یہودی بستے ہیں۔ مسلمان ان میں جذب نہیں ہوئے، یہ مسلمانوں میں جذب ہو گئے۔ قدیم اور جدید عربی کی ترقی اور فروغ میں مسلمانوں سے کہیں زیادہ حصّہ عرب عیسائیوں کا ہے۔ فرانس، اسپین، اٹلی وغیرہ کے قبضہ میں جو عرب نوآبادیات ہیں، یہ عرب ایک زمانہ میں متعلقہ علاقوں کے فرمانروا تھے، ان کی بادشاہت ختم ہوگئی۔ یہ غلام ہو گئے لیکن آج بھی ٹیونس، مراکش، الجزائر اور دوسرے مقامات پر دیکھئے عرب عرب ہی ہے یورپ کے عیسائیوں نے یہودیوں کو جذب کر لیا۔ یہی حال ہندوستان میں ہے۔ مسلمان ہندوؤں میں جذب نہیں ہو سکتے، وہ اپنے جداگانہ ملی وجود کے قیام پر مصر ہیں اور اس سے کسی قیمت پر بھی دستبردار نہیں ہو سکتے۔

وحدتِ ہند اور قومیّتِ متحدّہ

دو قوموں کے نظریہ کا ردِّ عمل یہ ہوا کہ ہندو کانگرس کھلم کھلا میدان میں اتر آئی اور اس نے پاکستان کے خلاف ایک مورچہ قائم کر لیا۔ ۱۹۴۰ء میں مسٹر منشی نے گاندھی جی سے دعائے خیر و برکت حاصل کی اور "اکھنڈ" ہندوستان کے داعی بن گئے۔

جگت نرائن لال کی تجویز

مئی ۱۹۴۲ء میں آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا جلسہ الہ آباد میں منعقد ہوا اسی جلسہ میں راجگوپال اچاریہ (راجہ جی) نے تجویز پیش کی کہ پاکستان منظور کر لیا جائے۔ اس کے جواب میں جگت نرائن نے حسب ذیل تجویز پیش کی۔

"آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی رائے ہے کہ ہندوستان کی کسی جزوی مملکت یا اراضی کو ہندوستان کے اتحاد یا وفاق سے الگ ہو جانے کی اجازت دے کر ہندوستان کے ٹکڑے کر دینے کی ہر تجویز ان مملکتوں اور صوبوں کے باشندوں کے نیز مجموعی حیثیت سے پورے ملک کے بہترین مفاد کے لئے

انتہائی مُضر ہو گی۔ اس لئے کانگرس ایسی کسی تجویز پہ رضامند نہیں ہو سکتی۔"

لارڈ لن لتھ گو کا نعرہ

ایک طرف کانگرس کی یہ روش تھی کہ وہ تقسیم ہند کا نام سننا بھی گناہ کبیرہ سمجھتی تھی دوسری طرف حکومت تھی جو اپنے گزشتہ مواعید سے ٹلنے کے لئے پر تول رہی تھی اس لئے کہ پاکستان جتنا ہندوؤں کے قومی نقطۂ نظر سے ہندو سامراج کے لئے مضر ثابت ہو سکتا تھا۔ اسی طرح برطانوی مصالح کا بھی خلاف تھا۔

چنانچہ اپریل ۱۹۴۲ء میں کرپس تجاویز کی رو سے حکومت برطانیہ نے تقسیم ہند کا اصول تسلیم کر لیا لیکن دسمبر ۱۹۴۲ء میں کرسمس کے موقعہ پہ لارڈ لن لتھ گو وائسرائے ہند نے ایسوسی ایٹڈ چیمبر آف کامرس میں جو سالانہ تقریر فرمائی اس میں "ہندوستان کی جغرافیائی وحدت" پہ واعظ و پند کا سلسلہ شروع کر دیا۔

مسلمانوں نے جس طرح کانگرسی تجویز کی مقاومت کی اسی طرح انہوں نے لارڈ لن لتھ گو کے اس نعرہ کو کوئی وقعت نہیں دی اور اپنے فیصلہ پہ چٹان کی طرح قائم رہے۔

لارڈ ویول کی سعادت مندی

پھر لارڈ ویول، لارڈ لن لتھ گو کے جانشین بن کر تشریف لائے انہوں نے پورے جذبۂ سعادت مندی سے اپنے پیشرو کی تقلید کی اور سپاہیانہ لب و لہجہ میں بڑے جاہ و جلال اور طمطراق کے ساتھ فرمایا "کسی ملک کے جغرافیہ میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا" اس سپاہیانہ دم خم کا جواب بھی مسلمانوں نے وہی دیا جو لن لتھ گو کو دے چکے تھے۔ جو زیادہ پڑھے لکھے اور سمجھدار تھے وہ مسکرائے کہ لاٹ صاحب جغرافیہ کے ماضی و حال سے خوب واقف ہیں گویا یورپ کا جغرافیہ آج بھی وہی ہے جو آج سے پانچ برس پہلے تھا۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا!

قائداعظم نے ان ارشاداتِ عالیہ کا جواب نیوز کرانیکل لندن NEWS CHRONICLE کے نامہ نگار خصوصی کو دیا جو لندن کی سیر کرتا ہوا ۲ر فروری ۱۹۴۵ء کو ہندوستان میں شائع ہوا قائداعظم نے فرمایا:۔

"یورپین ایوانِ تجارت کلکتہ میں وائسرائے کی تازہ تقریر نے مجھے حیران کر دیا اس فوجی وائسرائے نے آپریشن سے بچنے کا مشورہ دے کر اپنی ذمہ داریوں سے ہٹنے کا ارادہ کیا ہے۔ میں حیران ہوں کہ وہ کس کے مشورہ یا ذمہ داری پہ یہ الجھن پیدا کر رہے ہیں۔ مجھے خیال ہوتا ہے کہ وہ صرف ہندوؤں کو خواب آور دوا دے کر مسلمانوں میں غیر ضروری مخالفانہ جذبات پیدا کر رہے ہیں۔ نیز اس قسم کے غیر دانشمندانہ اعلانات برطانوی حکومت کی اعلان کردہ پالیسی کے خلاف ہیں کیونکہ حکومت برطانیہ نے دو یا زائد ریاستوں کی تشکیل کے اصول کو ۹۹ فیصد مسلمانوں کے واضح مطالبہ کی بنا پر قبول کر لیا ہے۔"

مسٹر جناح کی تشریح

اپنے دعوے اور مسلم مطالبہ کی توضیح مسٹر جناح نے بیورلی نکلس کے سامنے بھی پیش کی تھی جسے اس نے اپنی کتاب میں یوں لکھا ہے:۔

"وحدانی ہندوستان کا مدعا صرف ہندوؤں کی غیر معمولی اکثریت ہے اس کا مطلب اس کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کے علاوہ اگر آپ کوئی اور مفہوم قرار دیں گے تو یہ محض ایک وہم ہو گا۔ سچ پوچھئے تو وحدتِ ہند برطانوی سامراج کا ایک شاہکار ہے اور بس، وحدتِ ہند محض ایک انتظامی وحدت ہے۔ جس پر ایک سامراجی نظام بزورِ شمشیر مسلط ہے۔ یہ ہے وحدتِ ہند

کی کل کائنات۔ اس کے علاوہ حقیقی اور واقعی صورت میں اس کا کہیں وجود نہیں!

بے بنیاد افسانہ

حقیقت یہ ہے کہ وحدت ہند اور قومیت متحدہ سے زیادہ دلچسپ اور بے معنی افسانہ آج تک کوئی تصنیف ہی نہیں ہوا نگاہِ غائر سے دیکھئے تو نہ ماضی میں ہندوستان واحد تھا نہ آج ہے، نہ مستقبل میں رہے گا۔

ماضی میں مسلمانوں کی آمد سے پیشتر، ہندوستان سینکڑوں آزاد اور خود مختار ریاستوں کا مجموعہ تھا۔ اس وحدت کے طلسم کو مسلمانوں نے فاتح کی حیثیت سے آکر توڑا لیکن وہ بھی پورے طور پر وحدت قائم نہیں کر سکے۔

صوبہ سرحد کے مسلمان اور مسلم لیگ

آگے چل کر بڑے اہم مسائل پیش آنے والے ہیں ضروری ہے کہ ان سے دوچار ہونے سے پیشتر ہم ذرا رکیں اور جائزہ لے لیں کہ مسلم ہندوستان کے دو بڑے اہم متنازعہ فیہ صوبے سرحد اور پنجاب مسلم لیگ کے ساتھ کس حد تک ہیں؟

تحریکِ خلافت کے زمانہ میں صوبۂ سرحد سب سے آگے آگے تھا۔ خان عبدالغفار خاں علی برادران کے ایک خادم اور عقیدت کیش کی حیثیت سے میدان میں آئے علی برادران کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے خادموں اور عقیدت کیشوں کو بہت آگے بڑھاتے تھے اور پھر بعد میں ان کی بغاوت اور سرکشی کا نشانہ بنتے تھے۔

ہر کہ آموخت علم تیر از من   کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

یہی سلوک خان عبدالغفار خاں نے علی برادران کے ساتھ کیا، اپنے ان دونوں عظیم المرتبت رہنماؤں کا ساتھ چھوڑ کر گاندھی جی سے مل گئے اور کانگرس کے آلۂ کار بن گئے۔

صوبہ سرحد کے سیاسی اصلاحات کا مطالبہ جب مرکزی اسمبلی میں ۱۹۲۸ء میں پیش ہوا تھا تو موتی لال نہرو کا نگرس پارٹی نے اس کی مخالفت کی تھی اور کھلم کھلا مہاسبھائیوں کا ساتھ دیا

تھا علی برادران نے اس روش کے خلاف سخت احتجاج کیا، پھر گول میز کانفرنس میں مسٹر جناح نے اس مسئلہ کو اٹھایا اور حکومت کی خوب خبر لی۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۳۷ء میں جب انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء نافذ ہوا تو سرحد کو بھی دوسرے صوبوں کے مساوی سیاسی اصلاحات عطا ہوئے،

اب خان عبد الغفار خاں پھر میدان میں آئے اور سرحد کے ناواقف اور ناخواندہ لوگوں کے سامنے تحریکِ "خلافت" کا نام لے لے کر انہیں پھر اکسایا اور دورِ خلافت کا تذکرہ کرتے ہوئے یاد دلایا کہ یہ کانگرس وہی تو ہے جس کے ساتھ "خلافت" شریک ہے ادھر مسلم لیگ کی حیاتِ نو کے بعد مسلم لیگی رہنماؤں نے سرحد کو بالکل "اچھوت" صوبہ قرار دیا نہ وہاں کوئی گیا نہ مسلم لیگ اور اس کے اغراض و مقاصد کا کافی پروپیگنڈہ ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں بڑی آسانی سے کانگرسی وزارت قائم ہو گئی اور ڈاکٹر خانصاحب وزیر اعظم کی حیثیت سے صوبہ کے مالک و مختار بن گئے۔

گزشتہ انتخابات کے موقع پر مسٹر جناح صرف ایک بار، چند روز کے لئے سرحد تشریف لے گئے تھے لیکن وہاں وہ "یوسفِ بے کارواں" کی حیثیت سے مقیم رہے پھر ضمنی انتخابات میں مسلم لیگ نے ذرا زور لگایا، اور نمایاں کامیابی حاصل کی،

مسٹر جناح کا سرحد میں ورود

اب نئے انتخابات کے سلسلہ میں مسٹر جناح نومبر ۱۹۴۵ء میں سرحد تشریف لے گئے۔

اب مسٹر جناح وہ نہیں تھے جنہوں نے آج سے چند سال پہلے

غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد

کا نعرہ لگایا اور کسی نے نہیں سنا تھا۔ اب کی وہ ایک رہنما، ایک لیڈر: و قائد اعظم کی حیثیت سے تشریف لے گئے اور صوبہ کے مسلمانوں نے ان کا شاندار استقبال کیا

ذیل میں قائد اعظم کے استقبال کی مفصل کارروائی درج کی جاتی ہے۔ ۲۰ نومبر ۱۹۴۵ء

کے بہت سے اردو و روزنامہ میں شائع ہو چکی ہے:۔

"آج سرحد کے مسلمانوں نے وہ مناظر دیکھے کہ اسلامی حکومت کا جاہ و جلال نظر میں پھر گیا، پشاور کی قسمت بیدار ہو گئی اور سرحد کے غیور مسلمانوں نے ثابت کر دیا کہ وہ اسلام پر سب کچھ فدا کر ڈالنے کے لئے تیار ہیں اور سرحد کے مسلمانوں نے اغیار کے تمام کذب و افترا کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر کر دنیا پر آشکار کر دیا کہ وہ اپنے محبوب قائد کے کس درجہ فدائی ہیں۔

علی الصبح پشاور میں نئی زندگی کے آثار ہر طرف نمایاں تھے مسلمان اپنی بہترین پوشاکیں زیب تن کئے ہوئے اپنے محبوب قائد کے دیدار کے لئے بیتاب نظر آتے تھے، نئے شہر سے پرانے شہر کے آخری سرے تک تمام سڑکیں موسم بہار کے گلستان کی طرح نکھاری اور سجائی گئی تھیں۔ ایک سو سے زائد عظیم الشان دروازے سڑکوں پر تیار کئے گئے تھے، بازاروں کو نمائش گاہ میں تبدیل کر دیا گیا، بالاخانوں کو قیمتی سامان آرائش سے سجایا گیا اور سارا شہر عروسِ نو کی طرح آراستہ نظر آتا تھا۔

مسلمانوں کے بے پناہ ہجوم سڑکوں پر باادب دو رویہ کھڑے ہوئے اپنی قوم کی کشتی کے ناخدا کے مبارک دیدار کے لئے بے تاب تھے، انتظار کی گھڑیاں چٹکیاں لے رہی تھیں، بالاخانوں اور چھتوں پر یہ عالم تھا کہ بیشمار مسلمان پھولوں کے ڈھیر لئے ہوئے منتظر تھے کہ کب ان کو محبوب قائد اعظم کی سواری آ رہی ہے جس کی یہ شان ہے کہ آگے آگے شتر سواروں کا زبردست بارعب رسالہ چلا آ رہا ہے اس کے پیچھے گھوڑے سواروں کی فوج ظفر موج ہے پھر موٹروں کی نامتناہی قطار شروع ہوئی اس کے بعد موٹر سائیکلوں اور گاڑیوں کا طویل سلسلہ جاری ہوا اور پھر فرزندانِ اسلام کے سر بکف

نیشنل گارڈ کی پرشکوہ فوج حیات تازہ کا سحر پھونکتی ہوئی سمندر کی موجوں کی طرح بڑھتی چلی آرہی ہے۔ جن کی تعداد کو ایک ہندو خبر رساں ایجنسی دو ہزار سرفروشوں سے زیادہ بتاتی ہے اور پھر قائداعظم کی سواری تھی۔ جس کے منظر نے مسلمانوں میں ایک عجیب روح پھونک دی۔

یہ جلوس ایک سرے سے دوسرے سرے تک اس قدر طویل تھا کہ ایک ہندو خبر رساں ایجنسی کو بھی یہ لکھنا پڑا کہ یہ ایک میل سے بھی زائد تھا بالاخانوں سے قائداعظم کی مبارک سواری پر پھولوں کے انبار برسائے جارہے تھے اور جگہ جگہ قائداعظم کی خدمت میں تحفے اور نذرانے پیش کئے جاتے تھے

قائداعظم کی شاہانہ سواری

اہالیان پشاور نے کبھی اس قدر بڑا اور اتنا پرجلال و عظیم جلوس نہیں نہیں دیکھا قائداعظم ایک کھلی موٹر کار میں تشریف فرما تھے۔ موٹر خراماں خراماں توحید کے بحرِ بیکراں کی امواج میں بہی جارہی تھی۔ مسلمان تھے کہ فرط انبساط سے پھولے نہیں سماتے تھے اور قائداعظم کے دیدار حاصل ہوتے ہی "قائداعظم زندہ باد" "پاکستان زندہ باد" کے حیات بخش نعرے بلند کرتے تھے اور نہادیت ادب کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کرتے تھے۔

پرچم کشائی

میاں افتخار الدین صاحب سابق صدر پراونشل کانگرس کمیٹی نے رسم پرچم کشائی ادا فرمائی، فضائے آسمانی پہ ہلالی جھنڈا لہرانے کی رسم ادا کرتے وقت بندوقیں فائر کی گئیں اس تقریب پر بندوقوں کی آواز سے فضا گونج اٹھی۔ اس کے بعد

مسلم نیشنل گارڈ نے سلامی دی۔ میاں صاحب نے "ہمارا جھنڈا سلامت رہے" اور "قائداعظم زندہ باد" کے نعرے لگائے جس کے جواب میں فرزندان توحید کے اس عظیم اجتماع نے بھی فلک بوس نعرے لگائے۔

قائداعظم کی معرکہ آرا تقریر

۲۰ نومبر کو قائداعظم کا پرتپاک اور شاہانہ استقبال ہوا، ۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء کو موصوف نے ایک معرکہ آرا تقریر ارشاد فرمائی، حاضرین کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی صوبہ کے بعید ترین مقامات سے لوگ حاضر ہوئے تھے، ایک بڑا شامیانہ نصب کیا گیا تھا جس پر مسلم لیگ کا سبز پرچم ہلالی نظر آرہا تھا اور جگہ جگہ جھنڈیوں سے سجایا تھا قائداعظم نے اُردو میں تقریر کی۔ آپ اس وقت شیروانی اور شلوار میں ملبوس تھے حاضرین ہمہ تن گوش بنے ہوئے تھے۔ وقتاً فوقتاً جوش و جذبہ سے مغلوب ہو کر نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے تھے اور تالیاں بجاتے تھے۔

تقریر کا خلاصہ درج ذیل ہے:-

"آج رات کو میرے سامنے انسانوں کے اس سمندر نے مجھے باور کرا دیا ہے کہ شمال مغربی صوبے کے مسلمانوں میں اب زندگی کی لہر دوڑ گئی اور حالات کی نزاکت کا ان کو پورا احساس ہو گیا جو ہندوستان میں مسلم قوم کو اس وقت درپیش ہیں۔"

پچھلی دفعہ میں ۱۹۳۶ء میں پشاور آیا تھا اس وقت میں نے یہاں دس دن قیام کیا تھا اب پھر نو برس کے بعد آپ کے پاس آیا ہوں۔ میں بالکل واضح طور پر اس تبدیلی کو دیکھ رہا ہوں جو اس صوبہ میں اس عرصہ میں پیدا ہو گئی ہے اس کا سبب کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ کانگرس نے جو جادو کیا تھا وہ

ٹوٹ گیا اور ہمیشہ کے لئے ٹوٹ گیا اب آپ کانگرس کے جال سے بالکل نکل چکے ۱۹۳۶ء میں یہاں لیگ کی کوئی تنظیم نہ تھی لیکن ہم کام کرتے رہے تا آنکہ آج ہندوستان کا ہر مرد، عورت، بچہ اور بوڑھا یہ سمجھتا ہے کہ صرف مسلم لیگ ہی ہے جو دس کروڑ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے ہمارا کوئی دوست نہیں، نہ برطانوی ہمارے دوست ہیں اور نہ ہندو، ہمیں یہ صاف نظر آ رہا ہے کہ ہمیں ان دونوں سے جنگ کرنی ہے (دیر تک تالیاں) اگر یہ دونوں قسم کے بنئے ہمارے خلاف متحد ہو گئے تو بھی ہم ان کی متحدہ قوت کے خلاف نبرد آزما ہوں گے اور انشاء اللہ آخر میں فتح ہماری ہو گی (نعرہ اللہ اکبر)

شملہ کانفرنس کا ذکر کرتے ہوئے قائد اعظم نے فرمایا:

کانگرسی ہتھکنڈے

کانگرس چاہتی کیا تھی؟ وہ لارڈ ڈیول کے آگے سربسجود تھی۔ یاد رکھئے! دو برس سے کچھ زیادہ تک یہ لوگ قولاً اور عملاً بھی ہندوستان میں برطانوی راج کو نسیاً منسیاً کر دینے پر تلے ہوئے تھے۔ کانگرس کہتی تھی کہ ہم ایک قومی جماعت ہیں ہم سب کے مفاد کی نمائندگی کرتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں پانچ ہندو نشستیں ملیں اور ساتھ ہی ساتھ مسلم کوٹا میں سے کم از کم دو نشستیں بھی تاکہ ہماری قومی حیثیت کی شان برقرار رہے (شرم شرم کے نعرے) خدا کے فضل سے ہندو کانگرس ناکام رہی خدا کے فضل سے دنیا کے سامنے اپنے اصلی رنگ میں ظاہر ہو گئی۔

ہمارا مطالبہ کیا تھا؟ ہم کہتے تھے کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے، جو مسلمانوں کی طرف سے حل و عقد کا اختیار رکھتی ہے۔ ہم نے یہ مطالبہ کیا اور بالکل صحیح کیا کہ پانچوں مسلم نمائندوں کو مسلم لیگ ہی نامزد کرے گی اس کو قبول نہیں کیا گیا اور اس طرح کانفرنس تاریکیوں میں ختم ہو گئی۔

ہم نے مطالبہ کیا کہ نئے انتخابات ہوں، ہماری صورت حالات یہ تھی کہ عام انتخابات ہو جائیں اور معلوم ہو جائے کہ مسلمان پاکستان چاہتے ہیں یا اکھنڈ ہندوستان میں ہندو راج۔

یاد رکھئے کہ سب مسلمان اسمبلی میں نہیں جا سکتے، مرکزی مجلس واضعان قانون میں صرف ۴۸ مسلم نشستیں ہیں، پارلیمنٹری بورڈ تمام امیدواروں کو ٹکٹ نہیں دے سکتا، جنہوں نے درخواستیں دی ہیں ان میں سے کئی کو مسترد کرنا پڑے گا اگر آپ ایماندار ہیں بے نفس ہیں اور مسلم قوم کی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو آپ کے لئے کوئی چارۂ کار نہیں سوائے اس کے کہ آپ لیگی امیدوار کو ووٹ دیں۔

پٹھان منظم ہیں!

بحیثیت مجموعی سب لوگوں سے زیادہ پٹھان منظم ہیں وجہ ظاہر ہے کہ ان کی غلامی کا زمانہ نسبتاً کم ہے میں آپ سے استدعا کرتا ہوں اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ میری استدعا آپ کے دل میں گھر کر جائے کہ آپ اپنی قوم کے بارے میں اپنے فرض کو پہچانیں اور اس کا حق ادا کریں۔ ہم یہ الیکشن اس لئے لڑ رہے ہیں کہ پاکستان کے متعلق مسلم لیگ کا فیصلہ معلوم ہو جائے۔ اگر آج ہم نے اپنے فرض سے تغافل برتا۔ تو پھر آپ لوگوں کی حیثیت شودروں کی سی بنا دی جائے گی اور ہندوستان میں اسلام مغلوب ہو جائے گا۔ میں اس پلیٹ فارم سے اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمان ہزار گنا زیادہ آزادی کے طلبگار ہیں۔

مسلمان پاکستان چاہتے ہیں جن کے معنی یہ ہیں کہ مسلم اکثریت والے صوبوں میں مسلم اکثریت کی حکومت ہو اور اقلیتوں کو مناسب و موثر تحفظات دئے جائیں۔ ہمارا دین ہماری تاریخ اور ہماری روایات اس کی سب سے زیادہ

مضبوط اور سب سے زیادہ مؤثر ضمانت ہیں کہ غیر مسلموں کے سیاسی، دینی اور تمدنی حقوق کی خاطر خواہ حفاظت ہو سکے گی۔ اس کے ساتھ انصاف سے زیادہ مراعات ہوتی جائیں گی۔ (تالیاں)

ہم ہندوؤں کی بھی آزادی چاہتے ہیں کہ وہ اکھنڈ ہندوستان پہ حکومت کریں وہ اکھنڈ بھارت کو اس طرح دیکھتے ہیں کہ گویا وہ غیر منقسم رہنے کے لئے انہیں ان کے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملی ہے۔ ہم نے اس سرزمین پر آٹھ سو برس حکومت کی ہے۔ آج تم نشہ میں چور ہو محض اس لئے کہ دوڑ میں مسلمان پیچھے رہ گئے اور تم یہ چاہتے ہو کہ اُن پر مسلط ہو جاؤ۔

یاد رکھو! مسلمانوں کو کبھی کچلا نہیں جا سکتا، اس ایک ہزار برس کے عرصہ میں کوئی طاقت ان کو کچلنے میں کامیاب نہیں ہو سکی، یہ ایک خواب ہے۔ اس خواب کی دنیا سے باہر آجاؤ، ہمارا دین، ہمارا تمدن اور ہمارے اسلامی تصورات ہمیں مہمیز کرتے ہیں کہ ہم آزادی حاصل کریں (دیر تک نعرہ ہائے تکبیر)

پاکستان کیا ہے؟

لہٰذا میں کانگرس سے کہتا ہوں کہ تم اپنے طریقہ پر اپنے وطن میں عزت کے ساتھ رہو اور ہمیں اپنے وطن میں آزادانہ طریقہ پہ عزت کے ساتھ رہنے دو۔

اگر آپ مستعدی اور حوصلہ مندی سے جمے رہے تو مدد خداوندی سے پاکستان قائم ہو جائے گا۔ وہ پوچھتے ہیں کہ مسٹر جناح اور مسلم لیگ نے کیا قربانیاں کی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ میں جیل نہیں گیا پرواہ نہیں میں تو ایک بڑا آدمی ہوں لیکن میں تم سے پوچھتا ہوں کہ ۲۱-۱۹۲۰ء میں قربانیاں کس نے کیں؟ مسٹر گاندھی ہماری کھوپڑیوں کا زینہ بنا کر قیادت کی گدی پر براجمان ہو گئے، لیکن

کیا ہوا؟ علی برادران اسلام کے فدائی اور خادم تھے جب کانگرس کا کام نکل گیا تو ان کو نکال باہر کیا۔ مسٹر گاندھی کہا کرتے تھے کہ میں علی برادران کی جیب میں ہوں۔

صوبہ سرحد کو کیا ملا؟

اب میں آپ کے صوبہ کی بات کرتا ہوں کہ آپ نے ۳۱-۱۹۳۰ء میں یہاں قربانیاں دیں، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ مسلمانوں کو اس کا ثمر کیا ملا۔ ۱۹۲۴ء میں جب کہ مسلم لیگ آپ کے صوبہ کی اصلاحات کے لئے لڑ رہی تھی تو کانگرس نے مرکزی اسمبلی میں اس مسئلہ کی مخالفت کی۔

کہا جاتا ہے کہ ۳۱-۱۹۳۰ء میں کانگرس آپ کی مدد پہ کمربستہ ہوئی بے شک وہ اب بھی تو مدد کر رہی ہے کانگرس نے ابھی حال ہی میں خان عبدالغفار خاں کو ۲۵ ہزار روپیہ دیا ہے۔ یہ سیاسی کھیل ہے میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کانگرس نے مسلمانوں کے لئے کیا کیا؟

ایک آواز۔ انہوں نے ہمیں ٹھوکروں میں رکھا)

جی ہاں! اگر آپ جاگے نہیں تو ابھی اور ٹھوکریں کھائیں گے۔ اس کا صرف ایک جواب ہے جو آج آپ دے سکتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ آپ متحد ہو جائیں مسلم لیگ کو مضبوط بنائیے اور خدا نے چاہا تو برطانیہ یہاں سے دفعہ ہو جائے گا۔ کانگرسی کہتے ہیں کہ مسلم لیگ نے اگست کی جدوجہد میں ان کے ساتھ شرکت نہیں کی۔ ہم شریک ہوتے کیسے؟ اگست ریزولیوشن کے معنی تھے ہندوؤں کی آزادی اور ہماری آزادی کے مطالبہ کو قبول کر لو۔ پھر دنیا دیکھ لے گی۔ کہ آزادی کے لئے قربانی کرنے میں کون کس سے زیادہ ہے (تالیاں)

جدّوجہد کا وقت

جب تک میں زندہ ہوں کسی مسلمان کا ایک قطرۂ خون بھی بیکار نہیں بہنے دوں گا میں کبھی مسلمانوں کو ہندوؤں کا غلام نہیں ہونے دوں گا (نعرۂ تکبیر) بھول نہ جائیے مت آپ کا جنرل خوب جانتا ہے کہ قربانی کا صحیح وقت کون سا ہے جب وہ وقت آئے گا تو اس وقت میں جھجکوں گا اور نہ ایک قدم پیچھے ہٹوں گا (تالیاں)

میں اس خیال کا حامی نہیں کہ میں جیل جانے کے لئے ایک تحریک پیدا کروں یقین مانئے میرے لئے یہ مشکل ہے کہ میں چھ سات مہینہ کے لئے جیل جاؤں، بہرحال مسٹر گاندھی کو تو کچھ نہ ہوا۔ آرام سے آغا خان کے محل میں پہنچا دئے گئے۔ ان کے ساتھ ان کے پرائیویٹ سیکرٹری بھی تھے بلکہ ان کا پورا گھران کے ساتھ تھا۔ لیکن گولیاں کون کھائے گا؟ وہ میرے بھائی ہوں گے۔

"ہم جب اپنی تحریک شروع کریں گے تو پھر فتح بھی ہماری ہی ہوگی اور اگر ہم شکست کھا گئے تو ہماری شکست بھی عزت کی شکست ہوگی" (تالیاں)

انتخابات کے نتائج

مسلم صوبوں میں صرف سرحد میں مسلم لیگ کو عملی کلام اور پروپیگنڈے کا موقع بہت کم ملا۔ نئے انتخابات کے موقع پر ڈاکٹر خان صاحب نے کہا تھا "مسلم لیگ اور کہیں ہو تو ہو، سرحد میں تو نہیں ہے" لیکن نئے انتخابات نے ثابت کر دیا کہ سرحد میں مسلم لیگ ہے اور بڑے تزک و احتشام سے ہے۔ قاضی عطاء اللہ صاحب ڈاکٹر خان عبدالغفار کے معتمد خصوصی بمشکل جیتے اور پہلے حلقہ سے مسلم لیگی امیدوار کے مقابلہ میں شکست یاب ہوئے۔

سرحد اسمبلی کی کل ۵۰ نشستیں ہیں جن میں سے ۳۱ مسلم ہیں۔ انتخابات کا آخری نتیجہ ۱۸ فروری ۱۹۴۶ء کو شائع ہوا جو حسب ذیل ہے۔

کانگرس	۳۰	مسلم لیگ	۱۷	نیشنلسٹ مسلمان	۲
اکالی	۱	میزان	۵۰		

کانگرس کی ۳۰ نشستوں میں تقریباً ۱۰ غیر مسلم نشستیں ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلم لیگ نے سرحد میں کوئی خاص پروپیگنڈہ کئے بغیر ۵۰ فیصد مسلم نشستیں حاصل کر لیں۔ یہ بہت بڑی اور نمایاں کامیابی ہے۔

پر بھروسہ کیا۔ مخالفین سے درخواست کی کہ وہ ملک صاحب کو موقع دیں۔
پنجاب واپس جانے کے بعد، ملک صاحب نے ایک وعدہ بھی پورا نہیں کیا۔ مسٹر جناح نے تقریباً ڈیڑھ سال تک انہیں مہلت دی، موقع دیا۔ بار بار ٹوکا اور متنبہ کیا، لیکن اب معاملات ناقابلِ برداشت ہوتے جاتے تھے۔

مسٹر جناح کا مطالبہ

آخر وقت آگیا کہ اس دورخی اور دوعملی کا خاتمہ کر دیا جائے، چنانچہ مسٹر جناح نے ملک صاحب سے مطالبہ کیا کہ وہ اسمبلی میں باقاعدہ مسلم لیگ پارٹی قائم کریں اور یہی پارٹی دوسری جماعتوں سے اشتراک کرلے، دوسرے صوبوں کو بھی یہی حکم دیا گیا تھا، سب نے اس حکم کی تعمیل کی لیکن ملک صاحب سرکشی پہ اتر آئے انہوں نے سر چھوٹو رام انجمانی کے مشورہ اور ہدایت سے فیصلہ کیا کہ وہ یونینسٹ پارٹی کو بہرحال قائم رکھیں گے۔ مسلم لیگ پارٹی کو آگے نہیں بڑھائیں گے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی پیروی صرف آل انڈیا معاملات میں کریں گے۔ صوبائی معاملات میں لیگ کی مداخلت ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔

شوکت حیات خاں کی برطرفی

یہ معاملات ابھی زیرِ بحث تھے کہ ملک صاحب نے فیصلہ کرلیا کہ کابینہ وزارت کو "غداروں" سے صاف کر دیا جائے۔ سر سکندر مرحوم کے صاحبزادے شوکت حیات خاں وزیر محکمہ پی، ڈبلیو، ڈی نے ملک صاحب کو استعفےٰ لکھ کر دے دیا تھا اور کہہ دیا تھا اگر وہ مسلم لیگ کے آگے سر نہیں جھکائیں گے تو میں مستعفی ہو کر مسلم لیگ ہی کا ساتھ دوں گا، یونینسٹ پارٹی کا نہیں۔ چنانچہ ملک صاحب نے بجائے اس کے کہ استعفا منظور کرتے

سیاسیات پنجاب

عہد بہ عہد کے انقلاب و کشمکش کی داستان

۲۶ دسمبر ۱۹۴۲ء کو دفعتہً بغیر کسی سابقہ علالت کے سر سکندر حیات خاں وزیر اعظم پنجاب کا انتقال ہوگیا۔ سر گلینسی گورنر لاہور نے اسمبلی کی کسی پارٹی سے استصواب کئے بغیر ملک خضر حیات خاں ٹوانہ کو وزیر اعظم بنا دیا۔

ملک خضر حیات خاں کا نیا دور!

مسلم لیگی حلقوں میں اس انتخاب پر چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔ مسلم لیگ کونسل کے اجلاس منعقدہ دہلی میں سخت اور تند لب و لہجہ میں اس تقرر کے خلاف تجویزیں پیش کی گئیں۔ دفعتہً خضر حیات خاں دہلی پہنچے اور مسٹر جناح کو انہوں نے اپنی غیر مشروط وفاداری اور مسلم لیگ سے لازوال عقیدت کا یقین دلایا اور وعدہ کیا کہ وہ مسلم لیگ کے احکام کی پیروی کریں گے۔ سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ وہ در پردہ مسلم لیگ کو تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے مسلم لیگ پر قبضہ کر رکھا ہے اور اسے عوامی جماعت نہیں بننے دیتے۔
مسٹر جناح نے اس مخالفانہ طوفان کو دبایا۔ خضر حیات خاں کی اطاعت اور وفاداری

ایک عیسائی معلمہ کو غلط طور پہ برطرف کرنے کے الزام میں کابینہ کا جلسہ کیا اور گورنر نے شوکت حیات کو بالکل خلاف آئین و خلاف ضابطہ برطرف کر دیا۔

اس فیصلہ نے ملک خضر حیات خاں کو بالکل بے نقاب کر دیا اور صاف معلوم ہو گیا کہ وہ اب انتقام پہ اتر آئے ہیں اور اپنے دبدبۂ شاہی سے مسلم لیگ کو مرعوب کرنا چاہتے ہیں مسلم لیگ نے اور مسٹر جناح نے ملک صاحب کو بار بار موقع دیا، لیکن وہ اپنی سرتابی سے باز نہ آتے اور بالآخر انہیں مسلم لیگ کی مجلس عمل نے مسلم لیگ سے خارج کر دیا اور مسلم لیگ پارٹی حزب مخالف بن کر میدان عمل میں آ گئی۔ سر جمال لغاری اور میجر عاشق حسین بڑے پختہ مسلم لیگی تھے اور خضر حیات کی ٹولی کے سخت و شدید مخالف، لیکن یہ رنگ دیکھ کر انہوں نے کیمپ بدل لیا اور دفعتہً وہ یونینسٹ ہو گئے۔ شوکت حیات کی جگہ عاشق حسین نے سنبھال لی اور سر جمال ایک زائد وزیر بنا لئے گئے۔

مسلم لیگ پارٹی کو خضر حیات خاں نے کبھی ابھرنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس اختلاف کے بعد صرف چند لوگ مسلم لیگ پارٹی کی حیثیت سے نمودار ہوئے، جنگِ عظیم ثانی تیزی سے جاری تھی، لہٰذا نئے انتخابات کی امید دور دور تک کہیں نہیں دکھائی دیتی تھی مستقبل درخشاں نظر آ رہا تھا اور یقین تھا کہ نئے انتخابات کے ہونے تک مسلم لیگ صوبہ میں کچل کر رکھ دی جائے گی بہرحال اب مسلم لیگ اور خضر حیات میں زبردست آویزش شروع ہو گئی خوش قسمتی سے مسلم لیگ کو تین ان تھک نوجوان پرجوش اور مخلص کارکن مل گئے۔ یعنی نواب ممدوٹ، مسٹر افتخار حسین خاں، سردار شوکت حیات خاں اور میاں ممتاز دولتانہ، حقیقت یہ ہے کہ ان تینوں نوجوانوں نے مسلم لیگ کی جڑ مضبوط کر دی اور صوبہ میں اسے بے انتہا مقبول اور عوامی جماعت بنا دیا۔

تنگ دلی کی انتہا

مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس برائے ۱۹۴۵ء لاہور میں قرار پایا تھا۔ مجلس استقبالیہ بھی

قائم ہو گئی تھی۔ اجلاس کے لئے مسلم لیگ نے حکومت سے منٹو پارک طلب کیا، لیکن حکومت نے اس عذر سے کہ اس سے سبزہ خراب ہو گا اور لوگوں کی تفریح میں خلل پڑے گا، پارک دینے سے انکار کر دیا، یہ تنگ دلی کی انتہا تھی۔

میاں ممتاز دولتانہ جنرل سیکرٹری پنجاب صوبہ لیگ نے ۸ فروری ۱۹۴۵ء کو حسب ذیل بیان شائع کیا:۔

"یہ حکم پارٹی پالیٹکس کے پیش نظر دیا گیا ہے۔ گزشتہ سال اس جگہ جنگی نمائش ہوتی تھی جس میں لاکھوں آدمیوں نے شرکت کی تھی۔ گزشتہ ماہ اس پی سی اے نے اپنی سالانہ نمائش مویشیاں اسی جگہ کی، حکومت کا منٹو پارک دینے سے انکار ہمارے انتظامات کو گڑبڑ کر دیتا ہے۔"

خضر حیات کی حکومت نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ قائد اعظم کے جلوس پر بھی پابندیاں عائد کر دیں جس پر ۱۵ مارچ ۱۹۴۵ء کو اسمبلی کے اجلاس میں کافی گرما گرم بحث ہوئی۔

راجہ غضنفر علی خاں کی معرکہ آرا تقریر

مارچ ۱۹۴۵ء کے بجٹ سیشن میں ملک خضر حیات خاں وزیر اعظم نے ایک عرصہ دراز کی خاموشی کے بعد کسی وجہ کے دفعتہً ایک طویل بیان شوکت حیات خاں کی برطرفی کے بارے میں اسمبلی کے سامنے پیش کیا جس میں نہایت سنگین الزامات لگائے گئے تھے۔

راجہ غضنفر علی خاں نے ایک نہایت شستہ اور شائستہ زبان اور پر مغز تقریر میں اس بیان کی دھجیاں اسمبلی کے اندر اڑائیں۔ تقریر بہت طویل ہے لیکن [illegible] معافی ہو گی اگر اس کے اہم ترین حصے ذیل میں درج نہ کئے جائیں۔ یہ تقریر ۸ مارچ ۱۹۴۵ء کو ہوئی تھی۔ راجہ صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا:۔

"سردار شوکت حیات خاں کی برطرفی کا مسئلہ [illegible] کے سانحۂ المیہ

کی یاد تازہ کرتا ہے۔ ایسے موقع پر جب کہ امریکن حکومت گفت و شنید کر رہی تھی، جاپانی طیاروں نے پرل ہاربر میں ہڑبونگ مچادی اسی طرح اس نازک موقع پر جب کہ ایک طرف خضر حیات خاں اور قائد اعظم کے درمیان بات چیت ہو رہی تھی، دوسری طرف گورنر پنجاب کو گمراہ کیا گیا۔ ہم مدت سے کہہ رہے ہیں کہ اس ایوان میں سردار صاحب کی برطرفی کا معاملہ زیر بحث لاؤ پچھلے سیشن میں ہم باربار اس مطالبہ کو دہراتے رہے مگر وزیر اعظم کو جرأت نہ ہو سکی۔ مگر آج اچانک ایک احمقانہ بیان پیش کر دیا۔ وزیر اعظم کی ہچکچاہٹ کی اصل وجہ یہ ہے کہ برطرفی کا حکم جابرانہ ہے اور گورنر کے پاس اس غیر آئینی فعل کی کوئی وجہ جواز موجود نہیں ہے اس سے انصاف اور ڈیموکریسی کی جو مٹی پلید ہوئی ہے اس کی مثال آئین کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔"

برطرفی کے اصل اسباب

پھر راجہ صاحب نے شوکت حیات خاں کی برطرفی کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا:-

"سردار شوکت حیات خاں کے تقرر میں جو طریق اختیار کیا گیا اس کی نوعیت جداگانہ تھی، ہر ممبر سے باری باری پوچھا گیا، خوب اچھی طرح استصواب رائے کیا گیا اور پھر اتفاق رائے سے وزارت کا قلمدان سردار صاحب کے سپرد کیا گیا۔ مگر جب برطرفی کا ارادہ ہوا تو گورنر صاحب نے ان چی حضور وزراء کو بلایا اور ان سے کچھ بات چیت کی اور ۵ منٹ کے اندر اندر اس وزیر کو ڈسمس کر دیا گیا (شیم شیم کے آوازے)

سردار شوکت حیات خاں ضمنی انتخاب میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے ہوئے اور مسلم لیگ کے نامزد کردہ امیدوار کی حیثیت سے کامیاب ہوئے وہ فوجی نوجوان ہیں انہوں نے اپنے وطن کی خاطر اپنے جسم پر زخم کھائے اور دشمن کی قید میں رہے انہیں وہ فریب کاریاں نہیں آتیں جو یہاں برتی جاتی ہیں وہی ایک منسٹر ہیں جنہوں نے اپنے مسلم لیگ کے وفود سے ملاقاتیں کیں اور پاکستان کا نعرہ بلند کیا اور لوگوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونے کی دعوت علی الاعلان دیتے رہے۔ ان کے بالمقابل وزیر اعظم اعمال و افعال کی یہ کیفیت ہے کہ وہ لوگوں سے کچھ اور کہتے رہے اور قائد اعظم سے کچھ اور۔ ان کا نصب العین تو وزارت عظمیٰ سے چمٹے رہنا ہے۔

جب وزیر اعظم کو معلوم ہوا کہ شوکت حیات خاں نے بقا بم کرنال مسلم لیگ کے جلسہ میں تقریر کی، تو وہ اور ان کے یونینسٹ ساتھی تلملا اٹھے، شملہ میں وزارتی جماعت کا جلسہ ہوا اور ضروری تار بھیج کر سردار صاحب کو بلایا گیا جب وہ شملہ پہنچے تو ان سے کہا گیا کہ آپ کو گورنر نے بلایا ہے۔ گورنر کو احساس تو پہلے ہی تھا کہ پنجابی وزیر ہمارے غلام ہیں ہمارے سوا اور کسی سے وابستہ نہیں رہ سکتے، یہ کیا وجہ ہے کہ ایک وزارتی کارکن مسلم لیگ سے وابستہ ہو رہا ہے۔ یونینسٹ حکومت کی پالیسی کسی سے مخفی نہیں وہ غیر ملکیوں کی غلام اور اپنے اغراض کی غلام ہے۔ شوکت سا صاف دل فوجی نوجوان اس چیز کو برداشت نہ کر سکا۔ اور اپنی قوم کی خاطر وہ اسی وقت مستعفی ہو جانے کو تیار ہو گیا۔ یہ وہ طوطا کہانی نہیں ہے جو ابھی ابھی وزیر اعظم نے پڑھ کر سنائی ہے۔

خضر حیات اور شوکت حیات کا فرق

راجہ صاحب نے سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا:۔

ملک خضر حیات خان صاحب مسلم لیگ میں شامل ہوئے انہوں نے قائد اعظم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور وفاداری کا حلف اٹھایا۔ انہوں نے کہا میں حتمی وعدہ کرتا ہوں کہ مسلم لیگ کا وفا شعار رہوں گا۔ لیکن جب قائد اعظم صاحب کو یہ اطلاع مل گئی کہ ملک صاحب کا قول اور فعل کچھ اور ہے قائد اعظم لاہور آئے انہوں نے وزیر اعظم کو بلا کر پوچھا، کہ آپ وزارتِ عظمیٰ کی مسند سے یونہی چپٹے رہیں گے یا مسلمانوں کی صحیح نمائندگی کا خیال بھی رکھیں گے؟ قائد اعظم کے ساتھ ملک خضر حیات کی ملاقاتوں کا سلسلہ بارہ روز جاری رہا۔ ہر روز دو گھنٹے بلکہ تین تین گھنٹے بات چیت ہوتی رہی۔ اسی اثنا میں شوکت حیات خاں بھی قائد اعظم سے ملتے رہے انہوں نے اسلامی ہندوستان کے اس بطلِ جلیل کو یقین دلایا کہ میں سپاہی ہوں اور اس سپاہی کا بیٹا ہوں جس کی قربانیوں کا اعتراف نہ صرف پنجاب بلکہ ساری سلطنت برطانیہ کر چکی ہے میں لیگ کے ساتھ پیمانِ وفا باندھ چکا ہوں اور لیگ کے مفاد پر وزارت قربان کر دینے کے لئے تیار ہوں۔

سردار شوکت حیات خاں نے وزیر اعظم سے صاف صاف کہہ دیا کہ میں آپ کا بھی وفادار ہوں لیکن اگر قائد اعظم کے ساتھ غداری اس وفاداری کے لئے ضروری ہو تو میں ہرگز ایسا نہیں کر سکتا۔ شوکت حیات خاں نے وزیر اعظم کی میز پر بیٹھ کر اپنا استعفیٰ لکھا اور وزیر اعظم کے حوالے کر دیا۔ وزیر اعظم کے لئے چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ سردار صاحب سے صاف صاف کہہ دیتے کہ گلانسی

صاحب کو آپ کی سرگرمیاں ناپسند ہیں مگر انہوں نے غیر مسلم وزراء کی ناراضگی کو آلہ بنایا اور ان غیر مسلم وزراء سے فرضی استعفے لکھوائے گئے جنہیں اٹھا کر وزیر اعظم قائد اعظم کے حضور میں پہنچے اور انہیں یقین دلانا چاہا کہ اگر لیگ سے وفاداری ہوئی تو میرے تمام رفقاء مستعفی ہو جاتے ہیں اور حکومت کا کام چلانا مشکل بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے۔

یہ ہے اس ذلیل رجعت پسند اور ظالم وزارت کا کارنامہ۔ ہر دیانتدار انسان نے محسوس کیا کہ ایک ایسے صوبہ میں جو پاکستان کا دل ہے ایک ایسی جگہ جو پاکستان کا دار الحکومت ہے مسلمانوں کا یوں مٹ جانا افسوسناک ہے۔

جابر گورنر اور کمزور وزیر اعظم

راجہ صاحب نے ڈپٹ کر کہا:۔

"اوے سکندر مرحوم کے نام کی آڑ کیوں لیتے ہو۔ مرحوم پکے مسلم لیگی تھے اور امتحان کے موقعہ پر مسلم لیگی ثابت ہوئے اسی طرح سر سکندر مساعی جنگ کے بھی حامی تھے۔ آج سے چار سال پہلے یونینسٹ دوست اپنے مکانوں میں خندقیں کھود رہے تھے ان کا خیال تھا کہ فرانس جنگ ہار چکا ہے اس لئے جرمنوں کا غلبہ ضروری ہے اس کڑی آزمائش کے وقت سر سکندر مرحوم مساعی جنگ کو تقویت پہنچانے میں مشغول تھے۔ آج جب کہ اتحادیوں کی فتح صاف نظر آ رہی ہے یہ یونینسٹ بھی پانچوں سواروں میں نام لکھوا رہے ہیں گھبراؤ نہیں تمہارے کرتوت ڈپٹی کمشنر سرگودھا طشت از بام کرے گا۔ کمشنر کی رپورٹ منظرِ عام پر آ جائے گی اور سب کچھ ظاہر ہو جائے گا۔ تم سکندر کی جانشینی کے دعویدار ہو۔ تمہارا پہلا کارنامہ یہ ہے کہ مرحوم کے لختِ جگر کے

سینے میں چھرا گھونپ دیا ہے۔

اگر شوکت حیات کا فیصلہ غلط تھا تو کیا اس کی بنا پر وہ برطرفی کے سزا کے مستوجب ہو سکتے ہیں۔ سیشن جج کسی ملزم کو پھانسی کی سزا کا حکم سناتا ہے۔ ہائیکورٹ سے وہ ملزم بری ہو جاتا ہے تو کیا غلط فیصلہ دینے والے سیشن جج کو تختہ دار پہ لٹکا دیا جاتا ہے یا برخاست کر دیا جاتا ہے؟ آپ دیکھتے ہیں کہ ڈپٹی کمشنر کسی مقدمہ کو ڈسمس کر دیتا ہے مگر کمشنر اسے بحال کر دیتا ہے، کیا آج تک کسی نے یہ سنا کہ غلط فیصلہ کی بنا پر کوئی ڈسمس ہوا ہو۔ قانون حکومت اور اسٹینڈنگ آرڈروں کو سمجھنے والے سمجھتے ہیں کہ گورنر کا یہ فیصلہ غیر آئینی ہے وزیر کی علیحدگی کے لئے ذرائع موجود تھے پھر کیا وجہ ہے کہ ذرائع کو بروئے کار لانے کے بجائے ملک معظم کے نائب العام گورنر کو تکلیف دی گئی۔ ان سے کہا گیا کہ حضور آپ اس جمہوریت کے زمانے کو آج سے ساٹھ سال پہلے کا زمانہ تصور فرمایئے۔ آپ مائی باپ ہیں حضور کا حکم قانون ہے حضور کی زبان قانون ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ جہاں وزیر اعظم کمزور اور گورنر جابر ہو وہاں ڈیموکریسی قائم نہیں رہ سکتی گورنر کے فرائض میں یہ شامل ہے کہ وہ ملازموں کے حقوق کی حفاظت کرے۔ لیکن کیا کارپوریشن اور بلدیہ کی ملازمت کی طرح تاج کی ملازمت ہے کہ انہیں اس میں مداخلت کی ضرورت کا احساس ہوا گو گورنر اقلیتوں کے تحفظ حقوق کا نگہدار بھی ہے۔ لیکن مسٹر ہدر گا پرشاد کو اقلیت قرار دینا ۱۹۰۵ء میں جائز ہو سکتا تھا۔ آج ۱۹۴۶ء میں نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی حکومت ایسا قانون بنائے یا کوئی ایسا حکم جاری کرے جس سے کسی اقلیت کو من حیث القوم نقصان ہو۔ مثلاً میاں عبدالحئی کہہ دیں کہ کسی سکھ کو محکمہ تعلیم میں ملازم نہ رکھا جائے یا کسی مسلمان کو محکمہ ترقیات میں جگہ نہ دی

سکے۔ یا کوئی اچھوت تھانیدار نہ بن سکے۔ اس ضمن میں گورنر کی مداخلت جائز ہو گی۔ جب آئین میں کوئی گنجائش ہی نہ تھی تو گورنر کو دعوتِ مداخلت کیوں دی گئی۔ آئین کا تقاضا یہ تھا کہ ساری کابینہ مستعفی ہو جاتی اور دو منٹ بعد نئی کابینہ معرض تشکیل میں آتی۔

خضر حیات کا اضطراب

راجہ صاحب نے فرمایا:۔

• وزیر اعظم نے سمجھا کہ شوکت لیڈر بن جائے گا۔ اور میری لیڈری ختم ہو جائے گی۔ وزیر اعظم کی عظمت موت اور زندگی کے درمیان غوطے کھا رہی تھی۔ اس وقت کابینہ کا اجلاس طلب کیا گیا۔ گورنر صاحب بھی فائل بغل میں دبائے ہوئے آئے اور اس میں شامل ہو گئے اور انہوں نے پانچ منٹ کے اندر اندر سردار صاحب کو ڈسمس کر دیا۔ وزیر اعظم اور ارکان کابینہ جی حضور کہہ کر رہ گئے۔

ایک آواز۔ فضول۔ لغو،

وزیر اعظم۔ بھئی صبر سے سنے جاؤ۔

ڈاکٹر عالم۔ وزیر اعظم برداشت کریں تو کریں مگر ہم برداشت نہیں کر سکتے (انگریزی زبان میں)

راجہ صاحب۔ گلانسی صاحب نے راجاؤں مہاراجاؤں کے دربار دیکھے ہیں۔ وہ جی حضور کی کیفیت سے آگاہ تھے۔ کابینہ کا اجلاس ختم ہو جانے کے بعد میں وزیر اعظم سے ملا۔ میں نے ان سے کہا، آپ نے تین منٹ کے اندر اندر اپنے رفیق کار کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا گیا۔ آپ۔ فاتحہ پڑھی

تھی ؟ انھوں نے فرمایا۔ میں نے نہیں پڑھی۔ میں کہتا ہوں کہ کسی وزیر نے سنز در گاپرشاد کا کیس نہیں پڑھا۔ گورنر نے چند فقرے پڑھ کر سنائے اور سارا کیس ختم۔

ایک اور الزام کا جواب

وزیرِ اعظم نے دبے الفاظ میں شوکت حیات پر رشوت خوری کا الزام بھی لگایا تھا۔ اس الزام کا جواب دیتے ہوئے راجہ صاحب نے فرمایا:۔

"میں کسی نے نہیں پوچھا کہ نندا کو شوکت نے گھر پہ بلایا تھا۔ یا نندہ خود ان کے مکان پہ گیا تھا۔ دوست کے دوست کا روپیہ خرچ کر دینا معمولی بات ہے، ملک صاحب کے سامنے ایسے کئی واقعات گزرے ہوں گے چودھری سورج مل کا روپیہ خرچ کرنا کارِ دارد ہے۔

راجہ صاحب، یہاں حصار والوں کا ذکر نہیں ہے وہاں تو ہمیشہ قحط پڑا رہتا ہے۔ (قہقہہ)

ہمیں کیوں Q برادران کا قصہ سنایا جاتا ہے۔ ابھی میں اے سے زیڈ تک تمام قصے سناؤں گا۔ یہ عجیب معاملہ ہے کہ میں رشوت لوں اور وہ رشوت مجھے کراس چیک کے ذریعہ دی جائے اور روپیہ میرے نام جمع کرایا جائے تاکہ سند رہے اور بعد مردن بھی کام آئے۔

واہ!

بریں عقل و دانش بباید گریست

میاں شرم کرو اگر ہمت ہے تو عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاؤ۔ ہم بیس مرتبہ چیلنج کر چکے ہیں۔ شوکت گورنر کو لکھ چکا ہے۔ اگر اس دورِ جمہوریت میں کوئی چیز قابلِ اعتنا ہے تو وہ ہائی کورٹ ہے۔ ہمت ہے تو میدان میں آئیے

دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ!

رشوت کے الزام کا جواب باصواب دینے کے بعد راجہ صاحب نے کہا:۔

"تم نے نندہ کا نام لے کر رشوت کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنندہ گھی بل کا معاملہ ہمارے سامنے ہے۔ اس بل کو پاس کرانے کے بعد نافذ العمل نہ کرانے کی پاداش میں تم سب کو اگر ڈسمس کر دیا جائے تو جائز ہے۔ جب تم اس بل کو پاس کرنے لگے تو بناسپتی گھی بنانے والے کروڑ پتی سرمایہ دار بڑے بڑے کیبو اور ایس اے بی ایکس وائی زیڈ تھیلیاں اٹھائے موٹروں میں بیٹھ کر ہوٹلوں کا چکر لگاتے رہے، وہ یہ اعلان کر رہے تھے کہ یہ گورنمنٹ اس بل کو منظور کرنے کی جرأت نہیں کر سکے گی۔ ہم یہ بھی بتا دیں گے کہ وہ منسٹر کون ہے جو صوبہ کی بدنامی کا ذمہ دار ہے۔ یہ قلعی بھی کھل جائے گی کہ یونینسٹ پارٹی کی میٹنگ میں بھی گھی بل کا چرچا ہوا، اور شور مچا کہ فلاں صاحب نے رشوت وصول کی ہے سکندر مرحوم نے حکم دیا کہ یہ بل دو دن کے اندر پاس کر دیا جائے۔ بل پاس ہو کر ایکٹ بن گیا اور شیشے کے محل میں بیٹھ کر دوسروں کو پتھر مارنے والو! اور سنو! بالآخر ایک ماہرِ کیمیا نے رنگ بھی تجویز کر لیا لیکن جہاں ہاتھ رنگے جا رہے ہوں وہاں جو رنگ بناسپتی گھی کے لئے تجویز ہوا تھا وہ بازار میں نہیں رہا، یہ رنگ کیوں عنقا ہو گیا۔ اصل میں ان یونینسٹوں کے اپنے چہروں پر رنگ نہیں رہا۔ جب چیلنج کیا گیا کہ رنگ کیوں نہیں دیا گیا تو کہا گیا بڑے بڑے کارخانہ داروں نے رنگ خرید لیا ہے۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ بناسپتی گھی بیچنے والے گھی بیچ رہے ہیں اور یہ اپنے گھر میں مست

ہیں کہ ہم یونینسٹ ہیں"۔

ہم چار سو بیس نہیں ہیں!

شوکت حیات اور سر چھوٹو رام کی زمین کا ذکر کرتے ہوئے راجہ صاحب نے فرمایا:۔

"جس علاقہ میں سردار شوکت حیات خاں نے زمین خریدی اسی علاقہ میں سردار صاحب کے بعد سر چھوٹو رام نے جاٹ مہا سبھا کالج یا کسی اللہ مصیبت کے لئے زمین خریدی۔ مگر سر چھوٹو رام کو زمین سستی بھی ملی اور سردار صاحب کی زمین سے بدرجہا اچھی بھی ملی۔ مگر مجرم سردار صاحب کو ٹھہرایا گیا۔ شوکت کی زمین سڑک سے دور ہے اور جاٹ سبھا کی زمین سڑک کے قریب ہے۔ ہم زمینوں کے متعلق ایک ایک کے ڈھول کے پول کھول کر رکھ دیں گے۔ گھبرائیے نہیں ہم چار سو بیس نہیں ہیں۔"

گلانسی صاحب بحیثیت گورنر بدعنوانیاں دور کرنے کے ذمہ دار ہیں مگر وہ خود ہی بدعنوانی کے مرتکب ہو چکے ہیں۔ اس حکومت کے اشارہ سے ڈپٹی کمشنر صاحبان اسمبلی کے ممبروں کو پریشان کرتے ہیں کہ وہ یونینسٹ پارٹی کا ساتھ دیں۔ دیانتدار افسروں کو محض اس لئے نشانہ جفا بنایا جاتا کہ وہ مسلم لیگ کے حامی ہیں۔ مسلم لیگ کا جلوس دیکھنے کے جرم میں سرکاری ملازموں کو سزا دی جاتی ہے۔ ذیلداروں اور نمبرداروں کو ڈسمس کر دیا جاتا ہے۔ کھانڈ کی ایک بوری کے ساتھ بیس بیس روپے زمیندارہ لیگ کے لئے وصول کئے جاتے ہیں۔ جھنگ کا ضلع نوٹ کر لو۔

اس ناٹک کا سب سے بڑا اداکار سر برٹ لینڈ گلانسی گورنر پنجاب ہے۔ اس کابینہ کے ارکان نے اس کے ساتھ سازش کی۔ ان لوگوں کا کہنا

یہ غلط ہے کہ انہیں برطرفی کا علم نہ تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ یہ تجویز ان کی اپنی تھی گورنر نے صرف اس پر صاد کر کے کلنک کا ٹیکہ اپنے ماتھے پر لگوا لیا۔

وزیر اعظم۔ میں احتجاج کرتا ہوں کہ اس ایوان میں گورنر کی ذات پر حملے نہیں ہونے چاہئیں۔

راجہ صاحب نے غصہ اور اکڑ کے ساتھ جواب دیا:۔

"یہ وزیر اعظم گورنر پنجاب سے ڈرتا ہے (کتاب اٹھا کر) قانون حکومت ہند میرے ہاتھ میں ہے۔ اس میں صاف لکھا ہے کہ کسی گورنر کی ذات کسی اسمبلی میں زیر بحث نہیں آ سکتی ہے۔ اس کا کنڈکٹ اس کا طرز عمل اس کا کردار ہر وقت بحث کا موضوع بن سکتی ہے۔

ارے مورکھو! ہم یہاں اس ایوان میں ہز ایکسیلینسی گورنر کے ہر پبلک کام پر نکتہ چینی کر سکتے ہیں۔ ابھی یہاں تو گورنر کے خلاف باقاعدہ تحریک بھی پیش ہو سکتی ہے۔ کوئی وزراء کو اتنا تو سمجھا دے کہ یہاں آنے سے پہلے آئین اور دستور کا مطالعہ تو کر لیا کرو۔ وزیر اعظم خود اپنے بیان میں کہہ چکے ہیں کہ برطرفی کا حکم گورنر کی بارگاہ سے صادر ہوا حقیقت یہ ہے کہ خضر حیات خاں اور ان کے رفقاء نے گورنر کو گمراہ کیا۔ انہیں دھوکے کا شکار بنایا۔ گورنر نے ان کی باتوں میں آ کر غیر آئینی حکم صادر کیا۔ یہ وہ کارروائی ہے جس سے اس حکومت کا مدت مدید تک شرم سے سر جھکا رہے گا۔

دلچسپ جھڑپیں

اب سید امجد علی پارلیمنٹری سیکرٹری وزیر اعظم نے راجہ صاحب کو ٹوکنے کی کوشش کی۔ راجہ صاحب نے کہا:۔

"وزارت حاصل کرنے کے یہ طریقے نہیں ہیں۔ سید صاحب آپ تشریف رکھئے" وہ بیٹھ گئے، راجہ صاحب نے تقریر جاری رکھی۔

"۲۶ اپریل ۱۹۴۷ء کو وزیر اعظم کی کوٹھی میں اجتماع ہوا۔ میں بھی وہاں موجود تھا وہاں وزیر اعظم کے کمرے میں میاں عبد الحیٔ۔ سر چھوٹو رام اور سردار بلدیو سنگھ بیٹھے تھے۔ یہ لوگ کئی گھنٹے آپس میں مشورہ کرتے رہے۔

سردار بلدیو سنگھ۔ یہ مشورہ کہاں ہوا؟

راجہ صاحب! وزیر اعظم کے مکان پہ اور کہاں ہوا؟

سردار بلدیو سنگھ۔ آپ کی یہ بات ایسی ہی غلط ہے جیسی کہ آپ کی پہلی باتیں۔

راجہ صاحب:۔ کیوں پتے کی باتیں ہیں نہ جبھی تو غلط ہیں۔ وزیر اعظم کو یہ احساس نہیں ہوا کہ جس شخص کو آپ کے گورنر نے ڈسمس کیا ہے وہ مسلم لیگ پارٹی کا زعیم ہے۔ اگر آپ نے اس پر الزام لگایا ہے تو ہم آپ کی بڑی سے بڑی شخصیت کے پول کھول کر رکھ دیں گے۔ آپ کی سیاہ کاریاں منظر عام پر رکھی جائیں گی۔

جب وزرا مشورہ کر رہے تھے تو میں کوٹھی کے دوسرے کمرہ میں تھا تھوڑی دیر بعد میرے ایک دوست گھبرائے ہوئے آئے اور کہا بھئی ابھی ابھی جاؤ اور وزیر اعظم سے ملو۔

میرے دوست نے کہا بس آج کی رات، میں نے پوچھا۔ بس آج کی رات؟ مگر وہ منت سماجت سے کہتے رہے کہ بس "آج کی رات"

میرے دوست "آج کی رات" کی رٹ لگا رہے تھے، میں نے ان سے پوچھا کہ آخر آج کی رات کیا مصیبت پیش آنے والی ہے۔ ہم اس میں دخل

نہیں دے سکتے۔

راجہ صاحب۔ وزیر اعظم سے آپ بوکھلا گئے ہیں۔ اب آپ گالیوں پر اتر آئیں گے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ مشورہ ہو رہا تھا۔ رات کے گیارہ بجے ٹیلیفون پر گورنر سے باتیں ہوئیں۔

وزیر اعظم:۔ یہ جھوٹ ہے۔

راجہ صاحب (انگریزی میں) میں تمہیں بولنے کا راستہ نہیں دے سکتا۔ ہوں۔ تم بہت بڑے جھوٹے ہو۔

وزیر اعظم:۔ "میں جھوٹ کا لفظ واپس لیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ تم من وعن غیر صحیح السان ہو۔"

اصل معاملہ کیا تھا؟

راجہ صاحب نے بڑی خوبی سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے:۔

"یہ معاملہ کیوں اٹھایا گیا؟ اصل بات یہ ہے کہ قائد اعظم نے سیالکوٹ میں فراموش نہ ہونے والی تقریر ارشاد فرمائی۔ اس تقریر میں اعلان کر دیا کہ یہ گورنر اس قابل نہیں کہ اسے پنجاب کا گورنر رہنے دیا جائے ہوم گورنمنٹ کا فرض ہے کہ اسے ہٹا دے۔ قائد اعظم کانسٹی ٹیوشن لا کے بہت بڑے ماہر ہیں۔ انہوں نے جو کچھ کہا بالکل صحیح کہا۔ مسٹر درگا پرشاد کی فائل پر صاف لکھا ہے کہ وہ اس قابل نہیں کہ اسے ملازمت میں رہنے دیا جائے۔ اس کے معاملہ کی چھان بین میلر صاحب نے شروع کی۔ شیخ عبد المجید مرحوم نے ایک دو گواہیاں قلم بند کیں۔ حکومت پنجاب کے ایک انڈر سیکرٹری نے جسے عدالتی اور انتظامی شعبوں کا کافی تجربہ ہے اور جو آئی۔ سی۔ ایس ہے اس

کا فیصلہ کیا گورنمنٹ نے ایک کمیونک جاری کر رکھا تھا۔ کہ اگر کوئی درخواست جس پر پانچ آدمیوں کے دستخط ہوں اس مضمون کی ہو جائے کہ فلاں افسر نے رشوت لی ہے۔ تو اس معاملہ کو اسپیشل انکوائری ایجنسی کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اس اعلان کی بنا پر مسز درگا پرشاد کا معاملہ اس ایجنسی کے حوالے ہوا اس ایجنسی نے رپورٹ کی شوکت نے ایڈمنسٹریٹر (چیف افسر) کے پاس بھیج دی ڈپٹی سیکرٹری نے اس پر لمبا چوڑا نوٹ لکھا۔ اس کے خلاف تین مقدمات ثابت ہو گئے اور فیصلہ ہوا کہ وہ اس قابل نہیں کہ ملازمت میں رہ سکے اب ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ یہاں ڈپٹی سیکرٹری کی رپورٹ کو پریولج دستاویز قرار دیا جاتا ہے۔

ایک آواز:۔ ڈپٹی سیکرٹری کا نام کیا ہے!

راجہ صاحب:۔ وزیر اعظم سے پوچھئے۔ اب یہ کہا جاتا ہے کہ شوکت نے خود ہی مقدمہ بنایا خود ہی انکوائری کی اور خود ہی برطرفی کے حکم صادر کئے۔

رشوت کا افسانہ

رشوت کے معاملہ پر بحث کرتے ہوئے راجہ صاحب کہا:۔

"قرض لینا کوئی جرم نہیں۔ جو شخص رشوت دیتا ہے وہ چیک کی صورت میں نہیں دیتا۔ یہ معاملہ رشوت خوری کا نہیں، دوستی کا ہے دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اپنے دوستوں کو پانچ لاکھ روپے بغیر پرونوٹ کے دئے۔ وہ تو شوکت کا پرانا اور گہرا دوست تھا اسے قرضہ دے دیا تو یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ میں ان ظاہر پرستوں کے لئے سارا واقعہ بیان کئے دیتا ہوں۔

وزیر اعظم۔ ڈپٹی اسپیکر صاحب:۔ آپ رولنگ دیجئے۔

ڈپٹی اسپیکر:۔ میں آنریبل ممبر کو بند نہیں کر سکتا ہوں صرف اپیل کر سکتا ہوں کہ مختصر کر لے۔

راجہ صاحب:۔ کیو، بی کی دوستی شوکت کے ساتھ ۱۲ سال سے تھی، جب شادی ہوئی تو شاہ بالا کیو، بی کو بنایا گیا جب برات دلہن لے کر واپس آئی تو دولہا کی موٹر کار میں دولہا دولہن اور سکندر مرحوم کے علاوہ یہی کیو، بی تھا یہ ہے محبت اور خلوص، یہ لوگ محبت کیا جانیں، انہیں تو جاگیروں اور مربعوں کے سوا اور کچھ پتہ نہیں۔ یہ پرمٹ جاری کرنے والے محبت کی بہار کیا جانیں۔ ڈپٹی اسپیکر صاحب۔ آپ ایک بہادر اور غیور قوم کے فرد ہیں۔ آپ ہی بتائیں کہ جس شخص کے ساتھ شوکت کے اس قدر تعلقات ہوں گے اگر اس سے روپیہ قرض لے لیا جائے تو کیا کوئی عیب ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ شوکت نے ۶۰ ہزار کی ایک رقم اور دوسری ۲۰ ہزار کی رقم کیو، بی سے لی۔ پہلی رقم واپس ہو چکی ہے یہ اس وقت کی بات ہے جب موٹر بس سروس کا معاملہ وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

کھری کھری باتیں

اپنی تقریر کے آخر میں راجہ صاحب نے کہا:۔

"اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ قوم فروش ہیں۔

وزیر اعظم:۔ جناب میں تحریک پیش کرتا ہوں کہ اب بحث کو ختم کر لیا جائے

ڈپٹی اسپیکر:۔ یہ تحریک ناجائز ہے۔ میں نہیں مانتا۔

راجہ صاحب پر وزیر پر مقدمہ چلا کر ایک اور حماقت بھی کر گزریں۔ سی۔ پی کے ایک گاؤں میں فرقہ وارانہ فساد ہوا۔ مسٹر شکلا کانگرسی وزیر اعظم تھے۔ انہوں نے تحریک التوا کو بحث کے دوران میں مقدمہ کے واقعات پر رائے زنی کی۔ ہائیکورٹ نے قرار دیا کہ وزیر اعظم کا یہ الزام شرمناک ہے۔ گاندھی جی نے ہائیکورٹ کے فیصلہ کی تائید کی اور وزیر اعظم نے پراسیکیوٹنگ سب انسپکٹر کا پارٹ ادا کر کے یہاں ۲۵ صفحوں کا بیان بڑھا دیا۔ اب جب یہ مقدمہ عدالت میں جائے گا تو وہاں وزیر اعظم کی حیثیت بھی شکلا جیسی ہوگی۔ یہ زمینداروں جیسی رنجشیں، یہ جھوٹے مقدمات بنانے کی سازشیں وزیر اعظم کی شان کے خلاف ہے۔ جس نظم و نسق کی بنا حقارت اور نفرت پر ہو وہ کسی برکت کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ وزیر اعظم بچپن میں چھوٹے بچوں کو ساتھ لیتے اور یہ گیت گاتے ہوئے گشت لگاتے تھے "جرمن کی توپوں میں کیڑے پڑیں"۔

یہی ان کی جنگی خدمات ہیں۔

وزیر اعظم کا فرض تھا کہ وہ اس ایوان میں آ کر کہتے۔ کہ میں شوکت کو ڈسمس کر رہا ہوں۔ کیونکہ وہ مسٹر جناح کی پیروی کر رہا ہے۔ مگر انہیں اس کی جرأت نہ ہو سکی۔ یہ آل انڈیا مسلم لیگ کے باغی ہیں۔ ان کا نعرہ ہے کہ پنجاب پنجابیوں کے لئے ہے۔ مگر ان کے دماغ کی بلند پروازی ملاحظہ ہو۔ انہوں نے مطالبہ کیا ہے کہ جاپان کا ایک جزیرہ ہمیں دیا جائے کہ ہم فوجیوں کو وہاں بسائیں یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب پنجابی فوج سے فارغ ہو کر آئیں گے تو وہ آزاد خیال ہوں گے۔ وہ یا تو مسلم لیگ میں شامل ہوں گے یا کانگرس میں۔ اس لئے دیس بدر کرنے کے لئے تیاری کر رہے ہیں۔ ابھی یہ انڈیمان (کالے پانی کا) بھی مطالبہ کریں گے۔

شملہ کانفرنس میں "خضر گلینسی" سازش

شملہ کانفرنس کی ناکامی کا بڑا سبب (جس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا) جہاں کانگرس کی خود سری اور ہٹ دھرمی ہے وہاں "خضر گلینسی" سازش کو بھی بڑا دخل ہے ملک خضر حیات خاں اور گلینسی اڑ گئے تھے کہ مسلم نمائندوں میں ایک پنجابی نمائندہ کا انتخاب وزیر اعظم پنجاب کریں گے۔

پنجاب کے مسلمان پہلے ہی ملک خضر حیات خاں کی مسلم آزار روش سے بگڑے ہوئے تھے، اب ان کا یہ رنگ دیکھ کر وہ اور برافروختہ ہو گئے چنانچہ پنجاب کے مسلمانوں میں یونینسٹ پارٹی اور خضر حیات گروہ کے خلاف علم ناراضگی اور برہمی کا جذبہ پیدا ہو گیا۔

سیّد فضل شاہ کا اعلان

۱۲ ستمبر ۱۹۴۵ء کو پیر فضل شاہ نے جو لاکھوں آدمیوں کے روحانی پیشوا ہیں کوہ مری پر جشن عید کے سلسلہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہو جائیں کیونکہ وہی ان کو نجات دلا سکتی ہے"۔

۲۵ ستمبر ۱۹۴۵ء کو میجر مبارک علی شاہ اور ملک سردار خاں مسلم لیگ میں شریک ہو گئے۔

خضر حیات خاں کے "اہل بیت"

۱۰ فروری ۱۹۴۵ء کو خوشاب کی جامع مسجد میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں ملک خضر حیات خاں کے حقیقی چچا نواب ملک ممتاز خاں ٹوانہ نے

تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اس بار جب کفر اور اسلام کا مقابلہ ہے، تمام سجادہ نشینوں اور صوفیائے کرام نے اعلان کر دیا ہے کہ مسلمان مسلم لیگ کا ساتھ دیں۔ مگر میرے بھائی ملک اللہ بخش اور بھتیجے خضر حیات خاں نے اپنے پیروں اور مرشدوں کے فرمان کو بھی کوئی وقعت نہ دی۔ وہ غیر مسلموں کے ساتھ مل کر نہ صرف تمام ہندوستان بلکہ تمام جہاد کے مسلمانوں کو ذلیل و خوار کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں، میری یہ طرہ دار پگڑی جس پر مجھے فخر تھا ان کے طرزِ عمل کے پیشِ نظر اب میرے سر سے گر چکی ہے۔ اور اس کی جگہ میں نے اسے سنبھال کے رکھ چھوڑا ہے۔ امید ہے خدا وہ دن پھر لائے گا جب ہماری دستارِ افتخار کا طرہ پھر بلند ہو گا۔ ملک خضر حیات اور اللہ بخش میرے گوشت پوست ہیں میں نہیں چاہتا کہ وہ طوفانِ کفر میں غرق ہوں جس طرح حضرت نوحؑ نے دعا کی تھی کہ میرا بیٹا ہے اسے غرق ہونے سے بچا لے۔ اسی طرح میں اپنے بھتیجے کے لئے دعا کرتا ہوں۔"

یہ کہتے کہتے ملک صاحب کی آواز بھرا گئی اور ان پر رقت طاری ہو گئی!

سر فیروز خاں نون کے الزامات!

اخبار ڈان DAWN کے نامہ نگار خصوصی کو سر فیروز خاں نون نے ۹ر نومبر ۱۹۴۵ء کو ایک طویل انٹرویو دیا۔ جس کے اہم حصص کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

"۱۰ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کو میں گورنر پنجاب سے ملا۔ اور اس سے درخواست کی کہ جس طرح یو، پی کے گورنر نے اپنی طرف سے ایک اعلان شائع کر کے سرکاری ملازموں کو انتخابی معاملات سے منع کیا ہے۔ اسی طرح آپ بھی ایک اعلان اپنی طرف سے شائع کر دیجئے۔ لیکن گورنر اس پر راضی نہیں ہوا۔ میں نے گورنر سے ایک تحریر کے ذریعہ التماس کی کہ وہ نواب زادہ مہدی علی خاں پی۔ سی۔ ایس کا استعفیٰ قبول کر لے، کیونکہ وہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی میں آنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کو نواب زادہ کی پانچ ماہ رخصت ختم ہو گئی۔ لیکن اب تک نہ ان کا استعفا منظور ہوا۔ نہ انہیں دوبارہ ڈیوٹی پر آنے کا حکم دیا گیا۔ گورنر کو معلوم ہے کہ ۱۲ر دسمبر کو پنجاب میں کاغذات نامزدگی داخل کرنے کی تاریخ مقرر ہوئی ہے شائد نواب زادہ کا استعفا اس وقت تک منظور نہیں کیا جائے گا۔ جب تک پرچۂ نامزدگی داخل کرنے کی تاریخ نہ گزر جائے۔

جھنگ کے ڈپٹی کمشنر نے مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں مسلم لیگ کے مخالف امیدوار کی تائید و حمایت کی، ڈپٹی کمشنر کا بھائی اس مخالف امیدوار کے ساتھ ساتھ رہا۔ اور اپنے سامنے اس کے کاغذاتِ نامزدگی داخل کرائے لیگ کے امیدوار نے اس سلسلہ میں ضروری فوٹو حاصل کر لئے ہیں، جو کمشنر کی عدالت میں پیش کئے جا رہے ہیں۔"

"یونینسٹ پارٹی نے شہر یا دیہات میں کوئی جلسہ منعقد کرنے کی جرأت نہیں کی ہے۔ اس کی انتخابی جنگ آزمائیاں صرف متعلقہ حکام سے انٹرویو اور صلاح و مشورہ تک محدود ہیں۔"

خضر حیات مردہ باد!

عام رجحان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۲۰ر دسمبر ۱۹۴۵ء کو جب پنجاب اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا، تو بہت سے مسلم طلبہ ایوان اسمبلی کے سامنے کے میدان میں جمع

ہوگئے۔ اور انہوں نے "خضر حیات مردہ باد" کے نعرے لگائے اور ایک مسلم لیگی ممبر کے سمجھانے بجھانے سے بڑی دقتوں کے بعد منتشر ہوئے۔

گورنر پنجاب کا پھر انکار

۱۲ دسمبر ۱۹۴۵ء کو پنجاب مسلم لیگ کا ایک وفد گورنر پنجاب سے ملا۔ وفد نے سرکاری حکام کی مداخلتوں کی شکایت کی، مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ سر نون اور راجہ غضنفر علی خاں نے اپنے مشترکہ بیان میں کہا:۔

"ہمیں افسوس ہے کہ گورنر نے ہماری کسی تجویز سے اتفاق نہیں کیا۔ اب ہمیں ذرا بھی امید نہیں ہے کہ ہمارے اندیشے رفع کرنے اور شکائتیں دُور کرنے کے لئے کوئی اقدام کیا جائے گا۔"

لیاقت علی اور خلیق الزمان کا بیان

۱۳ دسمبر کو لاہور سے نواب زادہ لیاقت علی خاں اور چوہدری خلیق الزمان نے ایک مشترکہ بیان شائع کیا:۔

"یونینسٹ پارٹی کی حمایت کے لئے دیہات میں جس طریقے سے سرکاری افسران عوام کو مجبور کر رہے ہیں اور رشوت دے رہے ہیں وہ نہایت ہی شرمناک ہے۔ اس صوبہ میں الیکشن عملی طور پر مسلم لیگ اور سرکاری مشینری کے درمیان مقابلہ ہو گیا ہے۔

"تازہ ترین افواہ ہے کہ ریٹرننگ افسروں کو وزراء نے خفیہ ہدایت دی ہے کہ وہ معمولی وجہ کی بنیاد پر بھی مسلم لیگ کے امیدواروں کے کاغذات نامزدگی کو نامنظور کر دیں۔"

جس وقت کا دھڑکا تھا وہ وقت آگیا آخر!

سر نون اور راجہ غضنفر علی، نواب زادہ لیاقت علی خاں اور چوہدری خلیق الزمان نے جس اندیشہ کا اظہار کیا تھا وہی ہوا۔ یعنی لاہور شہر سے پنجاب اسمبلی کے لئے مسلم لیگ کے دو امیدوار میاں عبدالعزیز اور خان بہادر امیر الدین جب اپنے کاغذات نامزدگی پیش کرنے آئے تو ریٹرننگ آفیسر نے معمولی سی چوک پر انہیں مسترد کر دیا۔ سب لوگ سمجھ گئے حالات کدھر جا رہے ہیں اور ہوا کا رخ کیا ہے؟

عظیم الشّان ہڑتال

چنانچہ اس فیصلہ کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے ۱۹ دسمبر ۱۹۴۵ء کو بڑی دھوم دھام سے لاہور میں مسلمانوں نے ہڑتال کی اور اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا۔ خضر حیات کی حکومت کے خلاف نہایت وسیع پیمانہ پر مظاہرے ہوئے۔

مسلمانانِ لاہور کے احتجاجی جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے سر فیروز خاں نون نے کہا "یونینسٹ پارٹی کو اپنی شکست کا یقین ہو گیا ہے۔ اور یہ اس کی کمینہ حرکتوں کی پہلی مثال ہے۔ یونینسٹ پارٹی حکومت کے افسران کی مدد سے تمام پنجاب میں ایسی رذیل حرکتیں کر رہی ہیں۔ یہ پارٹی اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی ہے۔"

زبردست مقابلہ، شاندار کامیابی، یادگار فتح

ان دشواریوں اور مشکلات کے ساتھ ان سرکاری اور نیم سرکاری مداخلتوں

کی موجودگی میں انتخابات شروع ہوئے۔ عام اندیشہ یہی تھا کہ مسلم لیگ سرخرو نہیں ہو سکے گی۔ لیکن یہ اندیشہ بے بنیاد ثابت ہوا اور مسلم لیگ نے اس صوبہ میں ۹۰ فیصد کامیابی حاصل کر کے ایک ریکارڈ قائم کر دیا

مسلم لیگ کے مقابلہ میں یونینسٹ پارٹی تھی۔ مجلس احرار تھی۔ جماعت خاکسار تھی۔ جمعیت علماء دہلی تھی۔ کانگرس کمیٹی تھی۔ لیکن سب جماعتیں مل کر بھی مسلم لیگ کو شکست نہ دے سکیں۔

۲۴ فروری ۱۹۴۶ء کو پنجاب اسمبلی کی کل ۱۷۵ نشستوں کے نتائج شائع ہو گئے مسلم نشستیں کل ۸۶ تھیں، جن میں سے ۷۵ پر مسلم لیگ نے قبضہ کر لیا۔ اور یونینسٹ پارٹی کو صرف ۱۰ نشستیں حاصل ہوئیں جن میں سے ۲ پر خضر حیات قابض ہیں۔ اب دو سے انہیں استعفا دینا پڑے گا۔ اور یہاں پھر مقابلہ ہوگا اور اس مرتبہ یہ دونوں نشستیں بھی مسلم لیگ کے قبضہ میں آجائیں گی۔ گویا یونینسٹ پارٹی کے پاس اس مرتبہ کل ۱۸ نشستیں رہ گئیں اور ان میں سے بھی ۴ اور چھن گئیں۔ کیونکہ ۲ مارچ ۱۹۴۶ء کو سر جمال لغاری، میجر عاشق حسین اور دو مزید اصحاب نے یونینسٹ پارٹی سے استعفا دے کر مسلم لیگ میں شرکت کر لی۔

کچھ عرصہ بعد مولانا داؤد غزنوی بھی کانگرس کو داغ مفارقت دے کر مسلم لیگ میں شریک ہو گئے۔ یونینسٹ پارٹی کی یہ اتنی ہی عبرتناک شکست ہے جتنی ۱۹۳۷ء کے صوبائی انتخاب میں مسلم لیگ کو پنجاب میں حاصل ہوئی تھی۔

علامہ مشرقی نے ہر مسلم نشست کے لئے خاکسار امیدوار کھڑا کرنے کی کوشش کی مگر کوئی خاکسار امیدوار کامیاب نہیں ہوا۔ سب کی ضمانت ضبط ہوئی۔

احرار کے دم خم سے ساری دنیا واقف ہے۔ لیکن ایسی ذلت بخش شکست ہوئی جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، صدر مجلس احرار شیخ حسام الدین ہار گئے سیکرٹری مجلس احرار مسٹر مظہر علی اظہر اپنی نشست کھو بیٹھے، روح رواں مجلس احرار صاحبزادہ فیض الحسن

اور مسٹر تاج الدین بری طرح ہارے، سارے پنجاب کے صوبہ میں ایک نشست بھی مجلس احرار یا جماعت خاکسار حاصل نہ کر سکی، ان حضرات کی شیوا بیانیاں، لن ترانیاں، افترا پردازیاں فریب کاریاں، شعلہ باریاں سحر کاریاں سب رائیگاں گئیں۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

کانگرس نے بھی سر توڑ کوشش کی تھی، لیکن ایک مسلم نشست پر بھی وہ قبضہ نہیں کر سکی، صرف ایک مسلمان، صدر صوبہ کانگرس کمیٹی، مولوی داؤد غزنوی، کانگرس کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے لیکن مسلم حلقۂ انتخاب سے نہیں، مشترکہ حلقۂ انتخاب، مزدور حلقہ سے جہاں ان کا مقابلہ تھا کمیونسٹوں سے۔ ہندوؤں سے۔ مسلم لیگ کا اصول یہ ہے کہ وہ صرف مسلم حلقۂ انتخاب سے اپنے امیدوار کھڑے کرتی ہے۔ غیر مسلم حلقہ سے نہیں۔ لہٰذا یہاں داؤد غزنوی صاحب کھڑے ہو سکے اور صرف دو درجن ووٹوں سے کمیونسٹ امیدوار کے مقابلہ میں جیت سکے۔

۹۰ فیصد مسلم نشستوں پر قبضہ کرنے کے بعد بھی اگر مسلم لیگ پنجاب میں وزارت نہ بنا سکے تو یہ قصور مسلم لیگ کا نہیں اس آئین کا ہے، جس نے مسلم اکثریت کو ہر جگہ اقلیت بنا رکھا ہے اسی آئین کے پرخچے اڑانے کے لئے مسلم لیگ میدان عمل میں آتی ہے اور جب تک اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو جائے، سرگرم عمل رہے گی۔

گاندھی جناح مُلاقات

نئی باتیں، نئی تجویزیں، نئے فارمولے مگر ....؟

اس کتاب کا سب سے اہم ترین باب یہی ہے۔ یہاں سے مسلم لیگ اور کانگرس کے درمیان ایک ایسی خلیج پیدا ہوگئی ہے جو شاید مرورِ ایّام سے بھی نہیں پٹ سکتی، اب تک کانگرس کے چہرے پر نقابِ زرّیں کے درجنوں پردے تھے، لیکن اب وہ برافگندہ نقاب ہوگئی رقصِ طاؤس دیکھنے والے اب تک اس کے رنگین بال و پر دیکھ رہے تھے، لیکن اب اس کے پائے زشت پر بھی نظر پڑگئی۔

۱۹۴۴ء کے آغاز میں خرابئ صحت کی بنا پر گاندھی جی غیر مشروط طور پر رہا کر دیئے گئے۔ ان کی رہائی نے ہندو مسلم اتحاد کا امکان پھر پیدا کر دیا۔

راجہ جی کا فارمولا

اس سلسلہ میں سب سے پہلے مسٹر راجگوپال اچاری کے فارمولے کا تذکرہ ضروری ہے اور وہی سب سے پہلے منظرِ عام پر آیا۔ راجہ جی نے یہ فارمولا ۸ اپریل ۱۹۴۴ء کو مسٹر جناح کے پاس بھیجا جو حسبِ ذیل ہے۔

"انڈین نیشنل کانگرس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے درمیان شرائط مفاہمت کی وہ اساس جس پر گاندھی جی اور مسٹر جناح اتفاق کرتے ہیں، اور جسے علی الترتیب کانگرس اور لیگ سے منظور کرانے کی کوشش کریں گے۔

(۱) تابع شرائط مندرجہ ذیل بابتِ دستور آزاد ہندوستان، مسلم لیگ ہندوستان کے مطالبۂ آزادی کی تائید و توثیق کرتی ہے اور عبوری دور کے لئے ایک عارضی عبوری حکومت قائم کرنے میں کانگرس کے ساتھ اشتراکِ عمل کرے گی۔

(۲) اختتام جنگ کے بعد ہندوستان کے شمال مغرب اور مشرق کے ان باہم گر متصل اضلاع کی حد بندی کے لئے جہاں مسلمانوں کی قطعی اکثریت ہے ایک کمیشن مقرر کیا جائے گا۔ جن علاقوں کی اس صورت سے حد بندی ہو چکے گی ان میں حق رائے دہی کے مطابق تمام باشندگان علاقہ کا استصواب عام عمل میں لایا جائے گا اور اس کے نتیجے کے مطابق اس کا فیصلہ ہوگا کہ آیا یہ علاقے ہندوستان سے جدا ہوتے ہیں یا نہیں۔ اگر قطعی اکثریت نے ہندوستان سے الگ ایک کامل الاقتدار ریاست قائم کرنے کی موافقت میں فیصلہ کیا تو اس کا نفاذ اس صورت سے عمل میں لایا جائے گا کہ اضلاع سرحد کے اس حق کو کوئی صدمہ نہ پہنچے کہ وہ ان دونوں میں سے جس ریاست کے ساتھ چاہیں اپنے کو ملحق کر سکتے ہیں۔

(۳) تمام جماعتوں کو اختیار ہوگا کہ استصواب عام سے پہلے اپنے نقطۂ نگاہ کی وکالت و تبلیغ کریں۔

(۴) اگر جدائی عمل میں آئی تو دفاع تجارت، رسل و رسائل نیز دیگر بنیادی مقاصد کے تحفظ کے لئے باہمی معاہدات ہوں گے۔

(۵) نقلِ سکونت کی نوبت آئی تو صرف کامل رضاکارانہ اساس پر ہو سکے گی۔

(۶) "یہ شرائط صرف اس صورت میں قابل پابندی ہوں گے کہ جب برطانوی حکومت ہندوستان پر حکومت کرنے کے پورے اختیارات اور ذمہ داریاں منتقل کر دے۔"

مسٹر کرپس کی تجاویز کی طرح اپنے فارمولے کے لئے راجہ جی کی شرط یہ تھی کہ اس میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی، یا اسے بجنسہ قبول کیا جائے یا مسترد کر دیا جائے۔ اس فارمولے کے متعلق راجہ جی کا خیال تھا کہ یہ مسلم لیگ کی قرارداد پاکستان کا لب لباب ہے۔

مسٹر جناح کا جواب

مسٹر جناح اپنی ذاتی ذمہ داری پر نہ اسے مسترد کر سکتے تھے نہ قبول کر سکتے تھے انہوں نے ۳۰ جولائی ۱۹۴۴ء کو جواب دیا۔ میں اسے مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے سامنے پیش کروں گا۔ مگر راجہ جی نے اس کی اجازت نہ دی اور اعلان کر دیا کہ مسٹر جناح نے ان کا فارمولا مسترد کر دیا، راجہ جی نے یہ مراسلہ اور فارمولا گاندھی جی کی کامل رضامندی سے بھیجا تھا۔ اس سلسلہ میں نواب زادہ لیاقت علی خاں کے ایک مقالہ کا حصہ اس قابل ہے کہ پیش نظر رہے وہ فرماتے ہیں :۔

"اس عرصے میں مسٹر گاندھی ایک اور اہم چال چلتے رہے۔ وہ یہ کہ وائسرائے سے مل کر کوئی سمجھوتہ کر لیں مسٹر جناح کو اس چال سے بے خبر رکھا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ ان سے مراسلت بھی جاری رہی۔"

گاندھی جی کا خط

۱۷ جولائی ۱۹۴۴ء کو مسلم لیگ کونسل کے اجلاس لاہور میں مسٹر جناح نے ایک طویل تقریر کی اس تقریر میں انہوں نے راجہ فارمولے پر نہایت بصیرت افروز تبصرہ کیا ہے خاص حصے

درج ذیل ہیں۔

مسٹر جناح کی تقریر

"اب فارمولے کی پہلی دفعہ کو لیجیے جس میں لکھا ہے "حسب شرائط مصرعہ ذیل جہاں تک دستور اساسی کا تعلق ہے" مگر اس فارمولا میں وہ دستور اساسی کہاں ہے کہ جس کا ذکر کر رہے ہیں؟ اس کے بعد یہ مطالبہ آتا ہے کہ ہم ہندوستان کے مطالبہ آزادی کی توثیق و تائید کریں۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ ہم اقوام ہند کی آزادی کے خلاف ہیں۔ مسٹر گاندھی اور مسٹر راجگوپال اچاریہ دونوں جانتے ہیں کہ یہ خواہ مخواہ کا اشارتی الزام ہے۔ اور اس طرح گویا مسلم لیگ پر بلاوجہ ایک ناروا اتہام لگایا جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ شرط آتی ہے کہ ہم عبوری دور کے لئے ایک عارضی عبوری حکومت کی تشکیل میں کانگرس کے ساتھ تعاون کریں گویا کانگرس کے غلبہ و تفوق کو تسلیم کر لیں۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ عبوری دور میں کس قسم کی عارضی عبوری حکومت قائم کی جائے گی۔ اس فارمولا میں اس کی ہیئت، نوعیت، افراد ترکیبی، اختیارات وغیرہ کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا جنگ ختم ہونے کے بعد ہندوستان کے شمال مغرب اور مشرق کے ملحقہ اضلاع کی حد بندی کے لئے ایک کمیشن مقرر ہو گا۔ اور جہاں جہاں مسلمانوں کی قطعی اکثریت ہے وہاں کے تمام باشندوں سے ضلع وار استصواب ہو گا یہ نہیں بتایا گیا کہ کمیشن کا تقرر کون کرے گا۔ اس کے افراد ترکیبی کون ہوں گے اسے کیا کیا اختیارات حاصل ہوں گے۔ اور اس کی تجاویز کا نفاذ کون کرے گا؟ واقعی حیرت ہے کہ مسٹر راج گوپال اچاریہ کیونکر ایسی ڈھٹائی کے ساتھ یہ عام بیان دے سکے کہ اس فارمولے میں وہ سب کچھ منظور کر لیا گیا ہے۔ جس کو لیگ نے

اپنی قرار داد مارچ میں مطالبہ کیا تھا ، اگرچہ یہ معاہدہ صرف کانگرس اور مسلم لیگ
کے درمیان ہونا مقصود ہے لیکن تمام پارٹیوں کو اختیار ہو گا کہ استصواب عام
کے موقع پر اپنے اپنے نقطۂ نظر کی وکالت و تبلیغ کریں ۔ پھر یہ کہ علیحدگی کی صورت
میں دفاع تجارت ، رسل و رسائل اور دیگر ضروری مقاصد کے تحفظ کے لئے
باہمی معاہدے ہوں گے ، سوال یہ ہے کہ یہ تحفظات کس کے مقابلے میں ہوں
گے ۔ اور اس سے کیا مراد ہے ؟ ان باہمی معاہدوں کی پابندی واجبی قرار
دی گئی ہے ۔ اور اس دفعہ کی اہمیت کو سمجھنا بہت آسان نہیں ہے ۔ اب
آخری دفعہ ہی ہے ۔ جس میں نہایت ہوشیاری سے کام لیا گیا ہے ۔ یہ شرائط
صرف اس وقت قابلِ پابندی ہوں گے ۔ جب برطانیہ حکومت ہند کے
پورے اختیارات اور ذمہ داریاں منتقل کر دے گی ۔ لیکن اس میں یہ نہیں بتایا
گیا کس کو کیسے اور کب منتقل کرے گی ؟

نواب زادہ کا تبصرہ

نواب زادہ لیاقت علی خاں نے اس فارمولے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا
"جب السٹر اور آئرلینڈ کو علیحدہ کیا گیا تو آئرلینڈ میں کوئی استصواب عمل میں
لایا گیا ، اس قسم کی اور بھی متعدد مثالیں دنیا کی آئینی تاریخ میں ملتی ہیں مسٹر
راج گوپال اچاری جو اپنے دورِ وزارت میں کافی خود سر اور مطلق العنان رہے
ہیں ۔ اب یک بیک اس چیز کے بہت گرویدہ ہو گئے کہ تمام بالغ انسانوں کی
رائے شماری کی جائے تاکہ قطعی اکثریت کا فیصلہ معلوم ہو سکے ۔
بہت سے لوگ "قطعی اکثریت" کی اصطلاح کے جس پر مسٹر گاندھی نے
بھی بہت زور دیا تھا ، پورے مضمرات کو سمجھنے سے قاصر ہیں ۔ قانونی اور آئینی

مفہوم کے اعتبار سے قطعی اکثریت کے ایک خاص معنی ہیں ۔ اور کوئی ضلع اس
وقت تک پاکستانی علاقے میں شامل نہ ہو سکے گا ۔ جب تک کہ نہ محض ان لوگوں
کی اکثریت جو رائے دہی کے لئے پولنگ اسٹیشن جائیں بلکہ کل رائے دہندگان
کی اکثریت جو رائے دہی کے لئے پولنگ اسٹیشن پر جائیں بلکہ کل رائے دہندگان
کی اکثریت نہ حاصل ہو جائے بلا لحاظ اس کے کہ ان میں سے کتنے اپنے حق رائے دہی
کو کام میں لاتے ہیں اور کتنے نہیں ۔ دوسرے الفاظ میں قطعی اکثریت سے محض
ان لوگوں کی واضح اکثریت مراد نہیں ہے ۔ جو رائے دہی کی زحمت گوارا کریں
بلکہ ان تمام بالقوۃ یا بالفعل مخالف گروہ بندیوں کے مقابلے میں اکثریت
ہونی چاہیئے جو رجسٹر رائے دہندگان اور بیلٹ بکس کے حساب سے ہوئے کار
آ سکتی ہیں ۔"

گاندھی جی کی چال بازیاں

گاندھی جی ایک طرف تو مسٹر جناح سے خط و کتابت کرتے رہے دوسری طرف خفیہ اور
پوشیدہ طور پر وائسرائے کو ہموار کرنے کی کوشش کرتے رہے ۔ ان چالبازیوں سے
ان کا مقصد یہ تھا کہ حکومت کو مرعوب اور دہشت زدہ کر کے اسے آمادہ کریں کہ
وہ ہندوستان کی باگ ہندو کانگرس کے ہاتھ میں دے دے ۔
نواب زادہ لیاقت علی خاں جناح گاندھی مراسلت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں :-
"ان مراسلتوں کے سلسلے میں جو ایک ہی وقت میں متوازی خطوط پر چلتی
رہی ہیں ۔ جو تاریخیں خاص اہمیت رکھتی ہیں انہیں میں ذیل میں درج کرتا
ہوں :-

تاریخ	موضوع
پنج گنی، [illegible]؍ جولائی مسٹر گاندھی کی طرف سے لارڈ ویول کے نام	اسٹورٹ گڈر کا قصہ اور یہ تجویز کہ مسٹر گاندھی کو اپنے رفقائے کار سے حراست خانے میں یا باہر ملنے کی اجازت دی جائے۔
پنج گنی، ۱۷؍ جولائی مسٹر گاندھی کی طرف سے مسٹر جناح کے نام	ہم دونوں کی ملاقات ضرور ہونی چاہیئے۔
نئی دہلی، ۲۲؍ جولائی لارڈ ویول کی طرف سے مسٹر گاندھی کے نام	معین اور تعمیری پالیسی کا مطالبہ (ملاقات سے انکار)
سری نگر، ۲۴؍ جولائی مسٹر جناح کی طرف سے مسٹر گاندھی کے نام	ملاقات پر رضامندی
پنج گنی، ۲۷؍ جولائی مسٹر گاندھی کی طرف سے لارڈ ویول کے نام	مطالبہ، مع ٹھوس پروگرام (کانگریس پریس کے الفاظ)
نئی دہلی، ۱۵؍ اگست لارڈ ویول کی طرف سے مسٹر گاندھی کے نام	دروازے بند کر دئے جاتے ہیں (ملاقات کی اجازت نہیں۔
۱۵؍ اگست	(گاندھی جناح کی) باہمی ملاقات کی تاریخ جو شروع میں مقرر ہوئی تھی۔
۹؍ ستمبر	گاندھی جناح گفت وشنید کی ابتداء

نتیجہ بالکل واضح ہے یعنی یہ کہ لارڈ ویول کو منانے اور ہموار کرنے کے سلسلے میں مسٹر گاندھی جانتے تھے کہ وائسرائے پر اس خیال کا کتنا کچھ اثر پڑ سکتا ہے کہ گاندھی جناح مذاکرات کا نتیجہ شائد ہندو مسلم مصالحت کی صورت میں

نمودار ہو گیا تو حکومت برطانیہ سے اقتدار منتقل کرانے کے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں کے متحدہ جدوجہد کا ایک راستہ کھل سکتا ہے۔ اگر ہندوستان کے سلسلے میں برطانیہ کے رجعت پسندوں کے لئے اور اس طبقے کے لئے جس کے مفاد مستقل اور معین ہیں کوئی ہوّا ہو سکتا ہے تو وہ یہی ہندو مسلم مفاہمت کے امکان کا ہے کیونکہ پھر ہندو مسلم اختلاف کے بہانے مطلب براری کا موقع ختم ہو جائے گا۔ تاریخوں پر نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر گاندھی چاہتے تھے کہ لارڈ ویول یہ محسوس کر لیں کہ اگر ان (مسٹر گاندھی) کی پیش قدمی کا دوستانہ جواب نہ ملا تو وہ مسلم لیگ سے اتحاد کر لیں گے۔ اور راجہ جی فارمولے کو جو باعتبار اصول و پالیسی تقسیم ہند کا حامی تھا منظور کر لینا ہی ایک ایسا فعل تھا جس سے اس کی طرف اشارہ ہوتا تھا۔"

گفت وشنید

۹؍ ستمبر ۱۹۴۴ء کو بمبئی میں گاندھی جی اور مسٹر جناح کے درمیان گفت وشنید شروع ہوئی جو کئی ہفتے جاری رہی۔ گاندھی جی اپنی جگہ پر قائم تھے۔ اور مسٹر جناح اپنے مطالبہ پر۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گفت وشنید ناکامی پر ختم ہو گئی۔

یہ بڑی طویل گفت وشنید تھی لیکن اس کے چند اجزا ضروری ہیں کہ پیش نظر رہیں۔

گاندھی:۔ آپ کو یہ اعتراف کرنا چاہیئے کہ تجویز (لاہور) میں کہیں دو قوموں کے نظریے کا ذکر نہیں ہے۔ ہماری گفتگو کے دوران میں آپ نے بڑے جوش وخروش سے فرمایا کہ ہندوستان میں دو قومیں ہیں یعنی ہندو اور مسلمان اور اول الذکر (مسلمان قوم) کے وطنی خطے اس طرح ہندوستان میں موجود ہیں جس طرح موخر الذکر (ہندو قوم) کے وطنی خطے۔

ہماری بحث جتنی بڑھ رہی ہے آپ کی پیش کی ہوئی اتنی ہی ڈراؤنی ہوتی جا رہی ہے۔ مجھے تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ اپنا مذہب بدل لینے والے لوگ اور ان کی اولاد اپنے آباؤ اجداد سے مختلف قوم ہونے کا دعوے کریں۔ اگر اسلام کے ظہور سے پہلے ہندوستان میں ایک قوم آباد تھی تو اس کے باوجود کہ اس کے بہت سے بچوں نے اپنا مذہب بدل لیا ہے وہ ایک ہی قوم رہے گی۔

(۱۵ ستمبر کا خط)

جناح :۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ قوم کی جو بھی تعریف اور جو بھی معیار ہو اس کے مطابق ہندو اور مسلمان دو بڑی قومیں ہیں۔ ہم دس کروڑ کی ایک قوم ہیں۔ ہماری تہذیب و تمدن، زبان و ادب، آرٹ اور فنِ تعمیر نام اور اصلاحات قدروں کی پرکھ، قانونی اور اخلاقی نظام، رسوم اور تقویم، تاریخ اور روایات طبعی میلانات اور رجحانات سب (دوسروں سے) مختلف ہیں جدا ہیں۔ مختصر یہ کہ ہمارا نظریۂ زندگی مختلف ہے۔ بین الاقوامی قانون کے ہر اصول سے ہم ایک قوم ہیں۔"

(۱۷ ستمبر کا خط)

دو قوموں کا نظریہ

گاندھی۔ اگر تجویز لاہور کے مطابق وہ علاقے الگ کیے جائیں گے جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے تو علیحدگی کے اس اہم مسئلے کو علاقے کے باشندوں کے سامنے پیش کر کے ان کی رضامندی حاصل کر لینی چاہیے۔

(۱۷ ستمبر کا خط)

جناح۔ معلوم ہوتا ہے کہ "خود اختیاری" کے معنوں کے متعلق آپ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ہم کسی علاقہ جاتی وحدت کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک قوم کی حیثیت سے حق خود اختیاری کا مطالبہ کر رہے ہیں اور ہمیں اختیار ہے کہ ہم اپنے پیدائشی حق (خود اختیاری) کو مسلم قوم کی حیثیت سے استعمال کریں، لیکن آپ اس غلط فہمی میں ہیں کہ "خود اختیاری" کے معنی ہیں صرف "علاقہ جاتی وحدت" کی خود اختیاری لیکن ان علاقوں کی بھی نہ تو حد بندی ہوئی ہے اور نہ ابھی تک وضاحت کی گئی ہے۔ ہمارا مسئلہ کسی یونین سے جس کا ہندوستان میں وجود نہیں ہے علیحدگی کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ دو بڑی قوموں، ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی معاہدے (یا سمجھوتے) سے دو آزاد اور خود مختار ریاستوں کی تشکیل کی جائے۔ حق خود اختیاری ہی جس کا ہم مطالبہ کر رہے ہیں۔ یہ اصول موضوعہ مضمر ہے کہ ہم ایک قوم ہیں اور اس حیثیت سے یہ صرف مسلمانوں کی خود مختاری ہوگی اور صرف انہیں کو یہ حق برتنے کا اختیار ہوگا۔

گاندھی جی کا نیا فارمولا!

پہلے گاندھی جی نے مسٹر جناح کو راجہ فارمولا ماننے پر رضامند کرنے کی کوشش کی اور کئی روز تک اسی مسئلہ پہ گفت و شنید ہوتی رہی۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ یہ مرغ زیرک اسیر دام نہیں ہوتا تو۔

نیا جال لایا پرانا شکاری

اب انہوں نے خود ایک نیا فارمولا پیش کر دیا۔

گاندھی۔ عام طور سے مجھے آپ سے اختلاف ہے۔ لیکن پھر بھی میں حسب ذیل شرائط پہ کانگرس اور ملک سے سفارش کر سکتا ہوں کہ وہ علیحدگی کے اس

مطالبے کو مان لیں جو مسلم لیگ کی تجویز لاہور ۱۹۴۰ء میں ہے کانگریس اور لیگ کا مقرر کیا ہوا ایک کمیشن (مسلم) علاقوں کی حد بندی کرے (علیحدگی کے متعلق) حد بندی کے علاقوں کے باشندوں کی رائے دریافت کر لی جائے۔

اگر رائے علیحدگی کے حق میں ہے تو ہندوستان کے آزاد ہو جانے کے فوراً بعد یہ علاقے اپنی ریاست بنالیں گے اور اس طرح دو آزاد خود مختار ریاستیں قائم ہو جائیں گی۔

علیحدگی کے لئے ایک معاہدہ ہوگا جس میں اس کا لحاظ رکھا جائے گا کہ امور خارجہ، دفاع، رسل و رسائل، محاصل، تجارت اور اس قسم کے دوسرے امور کا انتظام اطمینان بخش ہو اور یہ معاہدہ کرنے والی پارٹیوں کے درمیان مشترکہ ہونے چاہئیں۔

معاہدے میں دونوں ریاستوں کی اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ بھی شامل ہوگا۔

جیسے ہی کانگریس اور لیگ اس سمجھوتے کو قبول کرلیں گی ویسے ہی وہ دونوں ہندوستان کی آزادی حاصل کرنے کے لئے ایک مشترکہ طریق عمل تیار کریں گی۔

اگر کانگریس کوئی براہِ راست اقدام کرنے کا فیصلہ کرے اور لیگ اس میں شریک نہ ہونا چاہے تو اسے براہ راست اقدام سے الگ رہنے کی آزادی ہوگی۔

اگر آپ کو یہ شرائط منظور ہوں تو کیا آپ مجھے بتائیں گے کہ آپ لاہور کی تجویز کے علاوہ دیں مجھ سے کون سے شرائط قبول کروانا چاہتے ہیں جن کی سفارش میں کانگریس سے کر دوں؛ اگر آپ مہربانی فرماکر اتنی زحمت کریں تو میں یہ معلوم کر سکوں گا کہ میرے اور آپ کے رجحان میں کیا فرق ہے اور میں کون کون سے شرائط قبول کر سکتا ہوں، آپ نے اپنے ۲۳ ستمبر کے خط میں تجویز لاہور کے "بنیادی اصولوں" کا حوالہ دیا تھا، اور آپ یہ چاہتے تھے کہ میں انہیں

کرلوں۔ یہ غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ میرا خیال ہے کہ میں نے ان تمام نتائج کو تسلیم کرلیا ہے جو ان اصولوں کے قبول کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔

(۲۵ ستمبر کا خط)

جناح۔ آپ نے تجویز لاہور کے بنیادی اصولوں کو رد کر دیا ہے۔ آپ یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ہندوستان کے مسلمان ایک قوم ہیں۔

آپ یہ تسلیم نہیں کرتے کہ مسلمانوں کو فطری طور سے خود اختیاری کا حق حاصل ہے۔

آپ یہ تسلیم نہیں کرتے کہ صرف انہی (مسلمانوں) کو اپنا حق خود اختیاری استعمال کرنے کا حق ہے۔

آپ یہ تسلیم نہیں کرتے کہ پاکستان ان دو علاقوں پر مبنی ہے یعنی شمال مغربی اور شمال مشرقی علاقے جن میں چھ صوبے یعنی سندھ۔ بلوچستان۔ صوبہ سرحد۔ پنجاب بنگال اور آسام شامل ہیں۔ جیساکہ لاہور کی تجویز سے ظاہر ہے ان علاقوں میں باہمی سمجھوتے سے رقبہ جاتی رد و بدل ہو سکتا ہے۔ اگر مندرجہ بالا اصول تسلیم کر لئے جائیں تو علاقوں کی حد بندی کا مسئلہ اٹھایا جا سکتا ہے اور باہمی سمجھوتے سے اس کے لئے کوئی ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے

آپ کی خط و کتابت اور گفتگو سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہندوستان کو پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کر دینے کا مسئلہ صرف آپ کی زبان پر ہے آپ کے دل میں نہیں ہے۔

آپ کی شرائط سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے بنیادی اصول لاہور کی تجویز کے بنیادی اصولوں کے بالکل برعکس ہیں۔

اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ نے لاہور کی تجویز کے عملی نتائج کو قبول کرلیا ہے

توپھر یہ کیوں نہ کیجئے کہ لاہور کے بنیادی اصولوں کو قبول کرکے تفصیلات کا تصفیہ کر لیجئے۔ (۱۵ ستمبر کا خط)

بالآخر گفت و شنید ستمبر کے آخر میں ختم ہوگئی، مسٹر جناح نے خاموشی اختیار کرلی لیکن گاندھی جی اور ہندو پریس نے مخالفانہ پروپیگنڈہ بڑے زور سے شروع کر دیا۔

مسٹر جناح کا بیان

اب مجبور ہو کر ۱۴ اکتوبر ۱۹۴۴ء کو مسٹر جناح نے ایک پریس کانفرنس طلب کی اور اس میں حسب ذیل بیان کر دیا:-

"بدقسمتی سے مسٹر گاندھی نے ہم دونوں کے مشترکہ بیان کے برعکس بڑے شدومد سے پروپیگنڈا شروع کر رکھا ہے۔ مسلم لیگ کی نمائندہ اور مستند حیثیت کو چیلنج کرنے کے علاوہ، وہ میرے خلاف مسلمانوں کو بھڑکا بھی رہے ہیں اور اپنے بیان میں بار بار اپنے اس قول کا اعادہ کر رہے ہیں۔ کہ انہوں نے گاندھی راجہ جی فارمولے میں، نیز اپنی تجاویز میں جو انہوں نے آخری وقت پیش کی تھیں اور جنہیں اب وہ پیشکش یا پیش کشوں کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ قرارداد لاہور کا لب لباب تسلیم کر لیا ہے۔ ہر ذی فہم انسان دیکھ سکتا ہے کہ ان دونوں میں باعتبار اصل فرق نہیں جس چیز کو مسٹر گاندھی اپنی پیش کش کہتے ہیں۔ وہ اس وقت سامنے آئی، جب وہ قرار داد لاہور کے تمام بنیادی اصولوں کو مسترد کر چکے تھے، رہا گاندھی راجہ جی فارمولا، تو وہ ابتدا ہی سے خارج از بحث کر دیا گیا تھا۔ اب چونکہ معاملہ پبلک میں زیر بحث آگیا ہے اور مسٹر گاندھی بیان پر بیان اور انٹرویو پہ انٹرویو

دے رہے ہیں جو نہایت گمراہ کن ہیں اس لئے میں ان کی نام نہاد پیش کش کو زیر بحث لانے پر مجبور ہوں۔ کم از کم ہمیں اس کے خاص نکات کا جائزہ لینا چاہیئے۔

(۱) ہندوستان کو بحیثیت ایک منفرد قومی واحدے کے فوراً آزادی دے دی جائے۔

(۲) ایک عارضی عبوری حکومت فوراً قائم کر دی جائے جو مسٹر گاندھی کے تصورات کے مطابق ہو اور جس کی توضیح وہ اپنے خط مورخہ ۱۵ ستمبر میں حسب ذیل الفاظ میں کر چکے ہیں: "ایک عارضی عبوری حکومت جو موجودہ یا جدید منتخب شدہ اسمبلی کے ارکان منتخبہ کے سامنے جواب دہ ہوگی۔ دوران جنگ میں اس حکومت کے پاس کمانڈر انچیف کے اختیارات کے علاوہ تمام اختیارات ہوں گے۔ کانگرس اور لیگ میں جو کچھ مفاہمت ہوجائے، اس کو نافذ کرنے کی مجاز بھی یہی حکومت ہوگی۔" ضمناً یہ بھی بتا دیا جائے کہ اس کی رو سے نہ صرف یہ کہ ایک تیسرے فریق کی موجودگی تسلیم کر لی گئی ہے بلکہ زمانہ جنگ میں اس تیسرے فریق کو کمانڈر انچیف کے، نیز دفاع کے جو اہم ترین اور سب سے زیادہ قوی الاثر شعبہ ہے کل اختیارات حوالہ کر دئے گئے ہیں (اس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ فوراً ایک ایسی مرکزی وحدانی یا وفاقی حکومت قائم کر دی جائے جس کے قبضے میں پورا کشوری (سول) نظام ہوگا اور اس کے ساتھ مجلس قانون ساز میں ہندوؤں کی غالب اکثریت ہوگی (جو کسی طرح ۵ فیصد سے کم نہیں ہو سکتی اور کابینہ اسی مجلس قانون ساز کے سامنے جواب دہ ہوگا)

(۳) جب اس قسم کی حکومت قائم ہوجائے تو اسی قائم شدہ حکومت کا یہ

کام ہوگا کہ آزاد ہندوستان کا دستور مرتب کرے یا ایک ایسی ہیئت مجاز وضع کرے جو برطانوی اقتدار کے ہٹ جانے کے بعد دستور مرتب کرے گی

(۴) یہ قومی حکومت مشترکہ مفاد والے امور کے متعلق جن کی وضاحت مسٹر گاندھی نے اپنی نام نہاد پیش کش میں کر دی ہے، یعنی امور خارجہ، دفاع، داخلی رسل و رسائل، بحری محاصل، تجارت وغیرہ کے نظم و نسق کے متعلق جن کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ بحیثیت امور مفاد مشترکہ انہیں لازماً و دائماً مرکزی ہیئت مقتدرہ یا حکومت کے معقول اور قابل اطمینان انتظام کے ماتحت رہنا چاہیئے میثاق و معاہدات کا مسودہ مرتب کرے گی۔ اس کے صرف ایک ہی معنی ہو سکتے ہیں، یعنی یہ کہ تمام اہم ترین امور جو مملکت کے لئے شہ رگ کا حکم رکھتے ہیں مسٹر گاندھی کی تجویز کردہ قومی وفاقی حکومت کے قابو میں رہیں گے اور یہی وہ حکومت ہوگی جس کے ہاتھوں حکومت ہند کے سارے اختیارات اور ذمہ داریاں منتقل ہو جائیں گی، لہٰذا یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ متذکرہ شرائط کے مطابق جو قومی حکومت معرض وجود میں لائی جائے گی اور مستحکم اور قابو یافتہ ہو لے گی اور جس کے ساتھ ہندوؤں کی ٹھوس اور غالب اکثریت ہوگی، وہ عملاً خالصۃً ہندو راج کے مرادف ہوگی۔

(۵) اس کے بعد مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ہم ان انتہائی پیچ در پیچ شرائط پر رضامند ہو جائیں اور اس اصول کو تسلیم کر لیں جس کی بنا پر قطعی مسلم اکثریت رکھنے والے علاقوں کے حدود کا تعین کیا جائے گا۔ یعنی ضلع وار حد بندی کا اصول اور قطعی اکثریت سے گاندھی جی کی مراد یہ ہے کہ صرف وہ اضلاع قابل شمار تصور کئے جائیں گے جن میں مسلمانوں کی تقریباً ستر فیصد آبادی ہو، کیونکہ مسٹر گاندھی نے کہا ہے کہ قطعی اکثریت سے ان کی مراد اس قسم کی اکثریت ہے جیسی سندھ

بلوچستان یا صوبہ سرحد میں ہے۔ اگرچہ مسٹر راج گوپال اچاری کے نزدیک قطعی اکثریت کا مفہوم وہی ہے جو قانونی گفتگو میں سمجھا جاتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ اس مسئلے میں ان مشترک مصنفین میں خود آپس میں اختلاف ہے لغت میں اکثریت کے معنی یہ پاتا ہوں کہ کسی جماعت کے جملہ ارکان کی اکثریت جس میں رائے دینے والے اور رائے نہ دینے والے دونوں شامل ہیں۔

(۶) جن علاقوں کی اس طرح حد بندی ہو جائے گی، وہاں حق رائے دہی بالغاں یا کسی دوسرے قابل عمل اصول رائے دہی کے مطابق ایک عام استصواب عمل میں آئے گا اور اصول و طریق استصواب کا تعین بھی، اگر ہم پہلے سے اس کے متعلق کوئی تصفیہ نہ کر لیں، محولہ بالا قومی حکومت ہی کرے گی۔

جب ہم یہ تمام شرائط منظور کر لیں، تب کہیں ان علاقوں کی جو قطع و برید سے مسخ ہو چکے ہوں گے، علیحدگی کا سوال پیدا ہوتا ہے وہ بھی مزید شرائط کے ماتحت (۱) اس مسئلے پر صرف اختتام جنگ کے بعد ہی غور و خوض کیا جا سکتا ہے اور (۲) جب حکومت ہند کی تمام ذمہ داریاں اور اس کے تمام اختیارات اس قومی حکومت کے ہاتھ میں منتقل ہو جائیں گے تب کہیں یہ قومی حکومت باہم ملحق اضلاع کی حد بندی کے لئے جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کمیشن مقرر کرے گی اور اس طرح تاخت و تاراج اور غارت گری کے کام کی تکمیل کرے گی، بالخصوص پنجاب، بنگال، آسام میں اس کے بعد یہی "قومی حکومت" کمیشن کے نتائج تحقیقات کو عملی جامہ پہنائے گی اور اگر یہ غریب مغلوب علاقے کل ہند متحدہ وفاقی حکومت سے جو پوری قوت اور مضبوطی کے ساتھ قائم ہو چکی ہوگی منقطع یا علیحدہ ہونا چاہیں گے تو پھر یہ ضروری ہوگا کہ وہ ایک مخلوط استصواب عامہ کی منزل بھی طے کریں اور اس کے فیصلے

کے سامنے سرِ اطاعت خم کر دیں، پھر یہ کہ اگر استصوابِ عام کا فیصلہ مسلمانوں کے موافقت میں ہوا تو بھی اہم ترین بنیادی حیثیت والے مسائل مثلاً امورِ خارجہ دفاع، داخلی رسل و رسائل، محاصل بحریہ اور تجارت وغیرہ ایک مرکزی ہیئتِ مقتدرہ یا حکومت کے ہاتھ میں رہیں گی اور وہی ان کا نظم و نسق بھی کرتی رہے گی۔ یہ چیز جس کا نام مسٹر گاندھی نے دو بھائیوں کے درمیان حصہ بانٹ یا تقسیم رکھ چھوڑا ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ وہ کراہت انگیز حد تک برابر یہ رٹ لگائے جا رہے ہیں کہ انہوں نے اپنی پیشکش میں قرارداد لاہور کا لب لباب یا اس کا جوہر دے دیا ہے اس سے زیادہ منافقانہ پُرفریب اور عیارانہ دعوے کا تصور بھی مشکل ہے جسے وہ نہایت بھولے پن کے انداز میں دہرائے جا رہے ہیں:

○

کانگرسی ذہنیّت

○

کانگرس کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ ایک غیر فرقہ پرور جماعت ہے، وہ تعصب سے ماورا ہے وہ ہندو مسلم اتحاد کی طالب ہے ہندو مسلم اتحاد اس کا واحد نصب العین ہے لیکن یہ تو ہے قول، عمل کی حالت یہ ہے کہ اس نے ہمیشہ ہندو مسلم اتحاد کی راہ میں روڑے اٹکائے مسلمانوں نے بار بار دعوتِ مصالحت دی اور کانگرس نے بے تامل اس دعوت کو ٹھکرا دیا۔

ٹالنے کی کوشش اور پالیسی

کانگرس کا حکومت پر ایک سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ وہ "دفتری حکومت" ہے یعنی سیدھے سادے مسئلہ کو کمیٹی مجلس اور دفتری کارروائیوں کے الجھاوے میں اس طرح ڈال دیتی ہے کہ اصل مسئلہ غائب ہو جاتا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو کانگرس بھی ایک لائق اور ہونہار شاگرد کی حیثیت سے ہمیشہ حکومت کے نقشِ قدم پر چلتی رہی ہے۔
۱۹۲۲ء میں کانگرس کا سالانہ اجلاس گیا (بہار) میں منعقد ہوا، اس اجلاس میں

ایک مصالحتی کمیٹی تشکیل پائی جو ڈاکٹر انصاری مرحوم اور لالہ لاجپت رائے آنجہانی پر مشتمل تھی۔ اس کمیٹی نے سال بھر کی محنت شاقہ کے بعد اپنی رپورٹ کانگرس کے سالانہ اجلاس کو کناڈا ۱۹۲۳ء میں پیش کی یہ رپورٹ ایک دوسری کمیٹی کے سپرد کر دی گئی اور پھر اس کا کبھی نام بھی نہیں لیا گیا۔

سی۔آر داس پیکٹ کا حشر!

پھر سی آر داس آنجہانی نے ایک پیکٹ تیار کیا جس میں رواداری اور اولوالعزمی کے ساتھ مسلمانوں کے جائز مطالبات منظور کرنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن یہی رواداری اور معقولیت کانگرس کی نگاہ میں سب سے بڑا جرم تھا چنانچہ سی آر داس پیکٹ صرف اس لئے مسترد کر دیا گیا کہ "اس میں مسلمانوں کے ساتھ ضرورت سے زیادہ رعایت روا رکھی تھی"۔

مارچ ۱۹۲۶ء میں مرکزی اسمبلی کے اندر سرحد کی اصلاحات سیاسی کا مسئلہ اٹھا ہوتی لال نہرو نے پنڈت مالوی اور لالہ لاجپت رائے کے ڈر سے اس کی مخالفت کی چنانچہ سوراج پارٹی کی ممبری سے مولوی شفیع داؤدی اور سید مرتضیٰ بہادر نے استعفیٰ دے دیا۔

سری نواس آئنگر کی ناکامی

۱۹۲۹ء میں سری نواس آئنگر صدر کانگرس منتخب ہوئے یہ بھی بڑے وسیع القلب اور روادار بزرگ تھے اور سی آر داس کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ چنانچہ مسٹر جناح کے چودہ نکات انہی نے اپنے دور صدارت میں منظور کرائے تھے۔ پھر مدراس کانگرس میں دسمبر ۱۹۲۷ء جب گائے کی قربانی اور مسجد کے سامنے باجہ کے سوال پر ایک پیکٹ ہونے لگا تو اگرچہ کانگرس اسے منظور کر چکی تھی مگر بقول مولانا محمد علی مرحوم گاندھی جی نے "فرمایا کہ میں رات بھر اسی الجھن میں گرفتار رہا۔ اس طرح تو مجھے اندیشہ ہے کہ

میں بجائے معین و مددگار بننے کے اور رکاوٹ بن جاؤں گا۔ گائے کا مسئلہ ایسا ہے جس پر نہ میں، نہ کوئی اور ہندو رضامند ہو سکتا ہے"۔

مسٹر جناح کی تقریر

۱۹ نومبر ۱۹۴۰ء کو مرکزی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر جناح نے فرمایا:-

"میں اپنے دوست مسٹر ستیہ مورتی ڈپٹی لیڈر کانگرس کا حوالہ دینا چاہتا ہوں۔ انہوں نے مسٹر ایمری کے بیان کے بعد گزشتہ ماہ مئی میں فرمایا تھا کہ مسٹر ایمری کے اخلاص اور تدبر کو جانچنے کا معیار یہ ہے کہ وہ مسلم لیگیوں سے صاف صاف کہہ دیں کہ نہ پاکستان اور نہ متفقہ وزارتیں اور غیر ممکن تحفظات و تیقنات، مسلمانوں کو خود ہی ہندوؤں سے (اکثریت سے) فیصلہ کر لینا چاہئے۔ اگر مسٹر ایمری ایک دفعہ یہ کہہ دیں تو باقی مرحلہ آسانی سے سر ہو جائے گا۔ میرے دوست کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہندوؤں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے"۔

مسٹر جناح کی ایک اور تقریر

۳ جنوری ۱۹۴۱ء کو علی گڑھ میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر جناح نے ارشاد فرمایا:-

"حال کا واقعہ ہے، بمبئی کے ساحل (چوپاٹی) پر ایک پیلیے تیراکی کے کلب اور حوض کی تعمیر جو صرف ہندوؤں کے لئے مخصوص ہے ہندوؤں کی حالت یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ سمندر میں تیرنے کو بھی تیار نہیں ہیں۔ میں ہندوؤں کا مضحکہ اڑانا نہیں چاہتا، میں ہر شخص کے مذہبی جذبات کا احترام کرتا ہوں اس واقعہ کا ذکر میں نے صرف اس لئے کیا ہے کہ یہ معلوم ہو جائے

ہندوؤں اور مسلمانوں میں کتنے گہرے اختلافات ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس سوئمنگ باتھ کا۔ جس کا نام مفت لال سوئمنگ باتھ ہے۔ افتتاح کسی مہابھائی نے نہیں بلکہ کانگرس کے رکن رکین مسٹر ولبھ بھائی پٹیل نے اس حالت میں کیا تھا کہ ہندو طلبہ کی ایک جماعت "بے تعصب کانگرسی لیڈر" کی فرقہ پرستی اور تعصب کے خلاف "شرم شرم" کے نعرے لگا رہی تھی۔

بنگالی وزارت کی شکست

بنگال کے قحط اور تباہ کاری کی ساری ذمہ داری، چور بازار کے تاجروں پر تھی۔ ان کے پاس ہزاروں من اناج تھا لیکن وہ سربمہر تھا، لوگ بھوک کے مر رہے تھے، ایڑیاں رگڑ رہے تھے، فاقہ کر رہے تھے، اپنے معصوم بچوں کو اونے پونے فروخت کر رہے تھے۔ عورتیں بن رہی تھیں، بن بیاہی لڑکیاں چند دھیلے ٹکیوں پہ اپنی آبرو کا سودا کر رہی تھیں۔ بیٹا باپ کو مرتے دیکھتا تھا اور اپنے حصہ کا ٹکڑا بچانے کی کوشش کرتا تھا بھائی بہن کی عصمت لٹتے اور تاراج ہوتے دیکھتا تھا مگر آنکھیں بند کر لیتا تھا۔ نظام عائلی برباد ہوا جا رہا تھا۔ نظامِ معاشرت تباہ ہوا جا رہا تھا۔ انسانیت موت کی ہچکیاں لے رہی تھی مگر یہ مہاجن اور بنئے اپنی تجوریاں بھرنے میں لگے ہوئے تھے۔

فضل الحق کی وزارت ڈانواں ڈول تھی۔ اس لئے اسے ہندو سرمایہ داروں کے سہارے کی ضرورت تھی لیکن جب مسلم لیگی وزارت برسر اقتدار آئی اور فضل الحق برطرف کئے گئے تو حالات نے پلٹا کھایا، یہ وزارت چور بازار کے اختتام پر تل گئی۔ کپڑے اور اناج کی بہم رسانی کے لئے اس نے سخت اقدامات شروع کئے اور سخت ترین اقدامات کی تیاریاں کرنے لگی۔ اس حادثہ نے چور بازار کے تاجروں میں ایک تہلکہ مچا دیا، ایک قیامت بپا ہو گئی۔

کانگرس اب تک خلاف قانون جماعت تھی وہ حکومت سے عدم تعاون کر رہی تھی اس نے اسمبلیوں کا بائیکاٹ کر رکھا تھا۔ صدر کانگرس اور دوسرے تمام کانگرسی لیڈر جیل میں تھے لیکن بنگال کے کانگرسیوں نے فضل الحق سے خفیہ طور پر معاملات طے کئے اور بالکل اچانک زراعت کے مطالبہ پر رائے شماری کا مطالبہ شروع کیا۔ مسلم لیگی وزارت پارٹی کے ۱۸ غداروں کو اس نے خفیہ معاہدہ کے ذریعہ پہلے سے اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ صدر کانگرسی تھا لہٰذا رائے شماری ہوئی اور وزارت ۲۸ مارچ ۱۹۴۵ء کو ۹ ووٹوں سے شکست کھا گئی اب گورنر سے مطالبہ کیا جانے لگا کہ فضل الحق کو وزارت بنانے کی دعوت دی جائے یہ مطالبہ کانگرس کر رہی تھی تاکہ چور بازار کے تاجر من مانی کاروائیاں کر سکیں۔

صورتِ واقعہ کا صحیح تجزیہ

اس سلسلہ میں چند اہم واقعات پیش کئے جاتے ہیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ مسلم لیگی وزارت کو توڑنے کے لئے کیا کیا کارروائیاں کی گئیں اور کیسے کیسے ذرائع استعمال کئے گئے؟

سر ناظم الدین نے بحیثیت وزیر اعظم بیان دیتے ہوئے کہا:۔

"حکومت کی پوری طاقت اسمبلی میں موجود نہ تھی، ہمارے بعض ارکان کو یہ معلوم تک نہ تھا کہ اجلاس ۲ بجے سہ پہر کو ہو رہا ہے، رائے شماری عموماً سات اور آٹھ بجے شام کے درمیان ہوتی ہے اور خود صدر نے بھی کہا تھا کہ اگرچہ حزبِ مخالف تیاری کر کے آیا ہے مگر حکومت کے ساتھی نہیں آ سکتے تھے۔

تمام دوسری روایات اور ایوانوں کے طریقہ کار کے مطابق حکومت کو اس وقت تک مباحثہ جاری رکھنے کا حق تھا جب تک اس کے حامی نہ آ جائیں۔ سرکاری حامیوں کا مباحثہ کرانے کے لئے تحریکِ تخفیف پیش کرنے کا حق لازمی ہے اور اگر وقت ہو تو قانون اسے روکنے کی اجازت نہیں

دیتا قائدِ ایوان کو اصولاً جواب دینے کا حق بھی حاصل ہے اور ہر مجلس قانون ساز کے اندر اسے تسلیم کیا جاتا ہے۔

ہمارے ۲۹ ممبروں کو رائے شماری کے وقت بند کر دیا گیا۔ چھ ممبر رائے شماری کے بعد آئے اور مزید ۶ باہر سے آ رہے ہیں۔ آج بھی اگر رائے شماری مقررہ وقت پر ہوتی یا مناسب مباحثہ کے بعد تو ہم اپنی اکثریت ظاہر کر سکتے تھے۔

"کپڑے کے لئے جدوجہد نے تمام متعلقہ مفادات کو کل ہال میں پہنچا دیا تھا اور آج اس کا نتیجہ بھی دکھائی دے رہا ہے۔"

اس بیان سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ نواب ڈھاکہ اور ان کے رفقاء کی غداری کے باوجود مسلم لیگی وزارت پارٹی کی اکثریت تھی لیکن اسے خفیہ سازش کا علم نہ تھا اس لئے اس نے رائے شماری کے لئے کوئی باقاعدہ تیاری نہیں کی تھی اور کانگرس کا یہ سارا شور و شر اس لئے تھا کہ مسلم لیگ کی وزارت کپڑے کے تاجروں کے خلاف سخت اقدام کا نقشہ تیار کر رہی تھی جن کی نفع اندوزی کے سبب کئی غیرت مندوں نے عریانی پر خودکشی کو ترجیح دی تھی۔

رائے شماری کا نتیجہ معلوم ہونے کے بعد مسٹر سنتوش کمار چودھری لیڈر کانگرس پارٹی نے بیان دیتے ہوئے کہا:۔

"دستوری پوزیشن بالکل واضح ہے یعنی موجودہ وزارت لازماً استعفیٰ دے دے کیونکہ وہ ایک اہم مطالبہ کو منظور نہیں کرا سکی ہے۔ وہ انتظامات کو چلانے کے قابل نہیں کیونکہ اسے ایوان میں اکثریت حاصل نہیں رہی ہے اگر صوبے کے اندر دستوری کام چلانا ہے تو فوراً وزارت بنانی چاہئیے۔"

یہ "فوراً وزارت" کانگرس عدم تعاون کے باوجود بنوا رہی تھی۔ تاکہ چور بازار کے تاجروں کو نفع کمانے میں کوئی دشواری نہ پیش آئے۔

خلاف دستور کاروائیاں

خان بہادر معظم حسین وزیر زراعت نے محکمہ زراعت کے لئے دو کروڑ ۴۲ لاکھ کا مطالبہ پیش کیا۔ آئین و دستور کا تقاضا یہ تھا کہ اس مطالبہ پر مخالف جماعت تقریر کرتی، اس کے نکات زیر بحث لاتی۔ پھر رائے شماری کا مطالبہ کرتی لیکن اسے اندیشہ تھا کہ کہیں نواب ڈھاکہ اپنی رائے نہ بدل دیں کہیں وزارتی پارٹی کے کچھ اور لوگ جو قید کر لئے گئے تھے یا روک لئے گئے تھے، پہنچ نہ جائیں۔ لہٰذا کسی نے کوئی تقریر نہیں کی صرف یہ کہا کہ ہم اس مطالبہ کے مخالف ہیں لہٰذا رائے لے لی جائے۔ ایسوسی ایٹڈ پریس کے نامہ نگار کے بیان کے مطابق

"مسٹر دھریندر ناتھ دت ڈپٹی لیڈر کانگرس پارٹی نے کھڑے ہو کر پورے مطالبہ کی مخالفت کی اور تقریر نہ کی۔"

اس کے بعد صدر (مسٹر نوشیر علی) نے تخفیف کی تحریکیں پیش کرنے کے لئے حزب مخالف کے ممبروں کے نام پکارے حزب مخالف نے تحریکیں پیش کرنے سے انکار کر دیا اور پھر کانگرس پارٹی کے چیف وہپ ڈاکٹر سانیال نے تجویز پیش کر دی کہ مطالبہ پر رائے شماری کر لی جائے، انہوں نے کہا:۔

"ہم اس ذلیل تماشہ کو مزید دیکھنا نہیں چاہتے۔ وزیر اعظم رائے شماری کرا لیں، ملک کے مالیات کو غلط طریقہ سے چلایا گیا ہے اور تمام گڑبڑ سڑبڑ مچا دی گئی ہے۔ اس لئے آج حکومت ٹوٹ جائے گی اسے استعفیٰ دے دینا چاہئیے۔"

اس کے بعد مسٹر سہروردی وزیر سول سپلائی اور بہت سے سرکاری ممبروں نے کھڑے ہو کر رائے شماری پر احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ جن سرکاری ممبروں نے تحریکات تخفیف کی اطلاع دی ہے انہیں اس کے پیش کرنے کا موقع دیا جائے سر ناظم الدین نے کہا کہ کوئی دستوری طریقہ ایسا نہیں ہے کہ سرکاری ممبروں کو مباحثہ کرانے کے لئے تحریکات تخفیف پیش کرنے کا موقع نہ دیا جائے

یورپین گروپ کے چیف وہپ نے بھی یہی مطالبہ کیا۔

لیکن صدر پر ان دلائل کا کوئی اثر نہیں ہوا اس نے اپنی جماعت کا ساتھ دیا رائے شماری ہوئی مطالبہ کی موافقت میں ۹۷ اور مخالفت میں ۱۰۶ ہاتھ اٹھے، وزارت کو شکست ہوگئی۔ آئین و دستور معطل ہوگیا اور دفعہ ۹۳ کے مطابق صوبہ کا انتظام گورنر نے اپنے ہاتھ میں لے لیا مخالف پارٹی پھر بھی وزارت نہ بنا سکی کیونکہ اب بھی وہ عملی اکثریت WORKING MAJARITY حاصل نہ کرسکی تھی۔

مسٹر سہروردی کا بیان

اسمبلی کے اندر اس رائے شماری کے وقت مسٹر حسین شہید سہروردی نے کہا:۔

"اگر آج ہمیں شکست ہوئی تو ہم اس لئے وزارت سے جائیں گے کہ دوسری طرف چور بازار والوں اور نفع اندوزوں کی کمپنی ہے حزبِ مخالف کو ذخیرہ اندوزوں اور نفع اندوزوں کی تائید حاصل ہے اور یہ مارواڑیوں کے روپے سے تجارت کرتے ہیں۔" اور اس طرح بالآخر یہ باب ایک عرصہ کے لئے ختم ہوگیا۔

سرحد میں وزارت کی تشکیل

اسی طرح بالکل خلافِ اصول اور کانگرس کے فیصلہ کے بالکل برعکس گاندھی جی کی حسب ہدایت ڈاکٹر خانصاحب نے سرحد میں وزارت قائم کرلی تاکہ مسلم لیگ کی وزارت ختم ہوجائے حالانکہ کانگرس کا واضح اور مستقل فیصلہ یہ تھا کہ وزارتیں اس وقت تک قبول نہ کی جائیں جب تک حکومت کانگرس کے شرائط تسلیم نہ کرے اور حکومت کی روش یہ تھی کہ کانگرس کے صدر اور بہت سے لیڈر نظر بند تھے گاندھی جی بار بار وائسرائے سے ملنے کی التجائیں کررہے تھے اور وہاں سے جواب مل رہا تھا پہلے توبہ کرو۔ پھر یہ خیال دل میں لانا۔

جو چیز کانگرس کے لئے خاص ہندو صوبوں۔ بمبئی، مدراس، یوپی۔ بہار۔ اڑیسہ وغیرہ میں جرم تھی وہ بنگال اور سرحد میں عین ثواب بن گئی۔

ویول پیش کش

○

ویول پیشکش اس کے مالہ وماعلیہ اس کے نتائج و اثرات پر گفتگو کرنے سے پیشتر ضروری ہے کہ ہم اس پس منظر کو بھی پیش کریں جو ویول پیشکش کا محرک ہوا۔ اور جس کے بعد لارڈ ویول کی پالیسی میں تغیر ہوا۔

ڈیسائی لیاقت ملاقات

مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی لیڈر کانگرس پارٹی (مرکزی اسمبلی) نواب زادہ لیاقت علی خاں جنرل سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ سے ملے۔ بار بار ملے گفتگو کا موضوع یہ تھا کہ لیگ کانگرس اتحاد کی کوئی سبیل نکلے۔ مرکز میں عارضی قومی حکومت، لیگ اور کانگرس کی کامل مساوات کی بنیاد پر قائم کریں، پھر خوب غور کرلیجئے تجاویز یا فارمولے کی بنیاد یہ تھی کہ مسلم لیگ اور کانگرس کی مکمل مساوات دونوں کے نمائندوں کی مرکز میں مساوی تعداد گویا یہ پہلی بنیاد تھی، دو قوموں کے نظریہ کو تسلیم کرلینے کی۔

نواب زادہ صاحب نے جواب دیا۔ لیگ کسی بھی معقول تجویز کو منظور کرتے ہیں

تاآں ختم نہیں کرے گی وہ ہمیشہ سے ہندو مسلم اتحاد کے لئے کوشاں رہی ہے۔

جنوری ۱۹۴۵ء کے آغاز میں مسٹر ڈیسائی نے یہ مسودہ تجاویز نوابزادہ لیاقت علی خاں کو ایک "نجی دستاویز" کی حیثیت سے دیا:۔

کانگرس اور لیگ متفق ہیں کہ وہ مرکز میں ایک عارضی حکومت بنانے میں اشتراک عمل کریں گی۔ ایسی حکومت کی ترتیب حسب ذیل طریقہ پر ہوگی:۔

(الف) مرکزی قانون ساز کی لیگ اور کانگرس پارٹیاں مساوی تعداد نامزد کریں گی، نامزد اشخاص کا مرکزی قانون ساز کا رکن ہونا ضروری نہیں ہے

(ب) اقلیتوں کے نمائندے (خاص کر پسماندہ اقوام اور سکھ)

(ج) سپہ سالار ہند

حکومت موجودہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے دائرہ عمل ہی میں بنائی جائے گی اور اسی کے اندر کام کرے گی، پھر بھی یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ اگر کابینہ کسی خاص تجویز کو قانون ساز اسمبلی سے منظور نہ کرا سکے تو وہ اس گورنر جنرل یا وائسرائے کے کسی محفوظ اختیار سے نافذ کرنے کا طریقہ اختیار نہیں کرے گی یہ چیز اسے گورنر جنرل سے کافی آزاد کر دے گی۔

کانگرس اور لیگ میں یہ چیز طے ہے کہ اگر ایسی کوئی عارضی حکومت بن جائے تو اس کا پہلا اقدام ممبران مجلس عاملہ کانگرس کو رہا کرنا ہے وہ طریقے جن کے ذریعہ اس مقصد کے حصول کی کوشش کی جائے گی سر دست حسب ذیل طریقہ عمل اختیار کریں گے۔

مذکورہ بالا مفاہمت کی بنیاد پر گورنر جنرل کو اس پر تیار کرنے کا کوئی راستہ تلاش کیا جائے کہ وہ کوئی تجویز یا ایسا خیال پیش کرے کہ وہ کانگرس اور لیگ کے مفاہمت کی بنیاد پر عارضی حکومت بنانے کی خواہش رکھتا ہے اور

جب گورنر جنرل مسٹر جناح اور مسٹر ڈیسائی کو علیحدہ علیحدہ یا ایک ساتھ بلائے تو مذکورہ بالا تجاویز اس خواہش کے ساتھ پیش کی جائیں کہ وہ دونوں حکومت بنانے میں شرکت کے لئے تیار ہیں۔ اگلا قدم جس قدر جلد ممکن ہو سکے صوبوں سے دفعہ ۹۳ کو واپس کرانا اور مخلوط وزارت کے طریقہ پر حکومت بنانا ہوگا۔"

ویول پیش کش

مسٹر ڈیسائی وائسرائے سے ملے۔ وائسرائے نے لندن کا سفر کیا اور ۱۴ جون ۱۹۴۵ء کو واپس آکر اپنا مشہور اعلان شائع کیا اور حسب ذیل مسودہ تجاویز ملک کے سامنے رکھا:۔

(۱) مجوزہ جدید اگزیکٹو کونسل میں اہم فرقوں کی نمائندگی ہوگی اور اعلےٰ ذات کے ہندوؤں اور مسلمانوں کی مساوی تعداد پر مشتمل ہوگی۔ اگر یہ عاملہ ترتیب پائے تو موجودہ دستور کے تحت قائم ہوگی۔

(۲) سوائے وائسرائے اور سپہ سالار اعظم کے ساری عاملہ ہندوستانی ارکان پر مشتمل ہوگی۔ اس میں آخر الذکر رکن جنگ کی حیثیت سے رہیں گے۔

(۳) امور خارجہ کا قلمدان جو تاحال وائسرائے کے ذمہ تھا اب جہاں تک برطانی ہند کے مفادات کا تعلق ہے کسی ہندوستانی کے سپرد کیا جائے گا۔

(۴) ہز مجسٹی کی حکومت کی یہ بھی تجویز ہے کہ دیگر مقبوضات کی طرح ہندوستان میں ایک برطانی ہائی کمشنر کا تقرر کیا جائے تاکہ وہ ہندوستان میں برطانیہ کے تجارتی اور ایسے ہی دیگر مفادات کی نمائندگی کرے۔

(۵) اس جدید مجلس عاملہ کی تشکیل حکومت خود اختیاری کی طرف پہلا قدم ہے اس کے اراکین کا انتخاب گورنر جنرل سیاسی قائدین کے مشورے سے کریں گے تاہم ان کے تقرر کے لئے ہز مجسٹی ملک معظم کی توثیق لازمی ہوگی۔

(۶) یہ عاملہ موجودہ دستور کے ڈھانچہ کے اندر کام کرے گی۔ اور یہ سوال ہی پیدا نہ ہو سکے گا کہ گورنر جنرل اپنے دستوری اختیار کو استعمال نہ کرنے سے اتفاق کریں۔ گو اس اختیار کا بے جا استعمال نہ ہوگا۔

(۷) یہ واضح کیا جاتا ہے کہ اس عارضی حکومت کی تشکیل آخری دستوری سمجھوتے پر کسی طرح بھی اثر انداز نہ ہوگی۔

اس نئی عاملہ کے خاص فرائض یہ ہوں گے۔

(۱) جاپان کے خلاف انتہائی قوت سے اس وقت تک جنگ جاری رکھنا جب تک کہ جاپان کو کامل شکست نہ ہو جائے

(۲) برطانوی ہندوستان کی حکومت کو ترقیات مابعد جنگ کے پیش نظر چلانا تا آنکہ ایک جدید اور مستقل دستور پر اتفاق نہ ہو اور اس کا نفاذ ہو جائے

(۳) ارکانِ حکومت جس وقت بھی ممکن ہو ایسے ذرائع پر غور کریں جن سے ایسے سمجھوتے تک رسائی ہو۔ موجودہ تجاویز کا منشا یہی ہے کہ اس کے ذریعہ ایک طویل المدت حل آسان ہو جائے۔"

یاد رہے یہ اعلان اس معاہدہ سے اصولی طور پر مختلف ہے جو مسٹر ڈیسائی اور نواب زادہ میں نجی طور پر زیرِ غور آیا تھا۔ اس میں مسلم لیگ اور کانگرس کی مساوات تسلیم کی گئی تھی اس میں اعلیٰ ذات کے ہندوؤں اور مسلمانوں کی مساوات تسلیم کی گئی ہے۔

وائسرائے جناح خط و کتابت

اپنا اعلان براڈکاسٹ کرنے کے بعد وائسرائے نے مسٹر جناح کو حسب ذیل تار بھیجا:۔

"مجھے امید ہے کہ آپ میری تجویز کردہ کانفرنس میں شرکت کریں گے جس

نے اس کے جلسہ کے لئے ۲۵ جون کو صبح گیارہ بجے کا وقت اور شملہ کا ایوان وائسرائے مقرر کیا ہے۔ اگر آپ میری دعوت کو قبول کریں تو میں آپ سے کانفرنس کے انعقاد سے پہلے گفتگو کرنے کو بھی خوش آمدید کہوں گا اور اگر آپ کے لئے مناسب ہو تو میں اس ملاقات کے لئے ۲۴ جون ۵ بجے شام کا وقت اور ایوان وائسرائے تجویز کرتا ہوں۔

مسٹر جناح نے ۱۵ جون کو حسب ذیل جواب دیا:۔

"آپ کا ۱۴ جون کا دعوتی تار ملا۔ ۲۴ جون کو بات چیت کے لئے آپ سے مل کر مجھے خوشی ہوگی۔ مگر آپ کی تجویزوں خصوصاً کانفرنس کا معاملہ صفائی چاہتا ہے۔ جو مجھے امید ہے کہ ۲۴ جون کی ملاقات میں ہو جائے گی اس طرح مجھے یہ موقع مل جائے گا کہ آپ سے ملنے کے بعد حاصل شدہ توضیحات کی روشنی میں اپنی مجلس عاملہ سے مشورہ کر سکوں۔ میری التجا ہے کہ آپ کانفرنس کی تاریخ کو پندرہ دن کے قریب بڑھا دیں۔ کیونکہ مقررہ وقت تمام ہندوستان میں پھیلے ہوئے مجلسِ عاملہ کے ممبروں کے جمع ہونے کے لئے بہت مختصر ہے۔

آپ نے تعاون اور خیر سگالی کی جو اپیل کی ہے اس سے مجھے اتفاق ہے اور مجھے امید ہے کہ مسلم لیگ منصفانہ اور معقول عارضی سمجھوتہ میں امکانی مدد کرے گی

اسیرانِ کانگرس کی رہائی

مسٹر جناح کے علاوہ وائسرائے نے اسی مفہوم کا تار گاندھی جی کو بھی دیا۔ اپنے ایک دوسرے تار میں کانفرنس کی تاریخ بدلنے سے معذوری ظاہر کی، البتہ ممبران مجلسِ عاملہ مسلم لیگ کے لئے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچانے کا وعدہ کر لیا۔

۱۵ جون کو خوش نیتی اور خوشدلی کا مظاہرہ کرنے کے لئے وائسرائے نے اسیران کانگرس کو رہا کر دیا چنانچہ اس تاریخ کو بنکورہ اسپیشل جیل سے مولانا آزاد رہا کر دئے گئے، کراچی سے مسٹر کرپلانی رہا کر دئے گئے۔ یروداکے مرکزی جیل سے شنکر راؤ دیو اور ولبھ بھائی پٹیل رہا کر دئے گئے پنجاب سے مسٹر آصف علی اور الموڑہ سے جواہر لال نہرو اور اچاریہ نربندر دیو بھی رہا کر دئے گئے۔ ہنڈلا جیل سے مسٹر شکلا اور پٹنہ سے مسٹر راجندر پرشاد بھی رہا کر دئے گئے حکومت نے کانگرس کی مجلس عاملہ پر جو پابندیاں عائد کر رکھی تھیں وہ بھی اٹھالیں کانگرسی لیڈروں نے رہا ہوتے ہی بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا اور بڑی گرم جوشی سے کانفرنس میں شرکت منظور کی وائسرائے نے گاندھی جی کو کانگرس کے آمر کی حیثیت سے بلایا تھا تمام صوبوں کے سابق و حال وزرائے اعظم کو دعوت دی تھی لیکن صدر کانگرس مولانا آزاد کو نہیں دعوت دی۔ گاندھی جی نے وائسرائے سے اصرار کیا کہ انہیں بھی دعوت دی جائے وائسرائے نے گاندھی کی یہ خواہش پوری کر دی۔

کانگرس کی مجلسِ عاملہ کا جلسہ

۲۲ جون ۱۹۴۵ء کو بمبئی میں کانگرس کی مجلسِ عاملہ کا جلسہ منعقد ہوا۔ اس میں سب سے پہلے مسٹر ڈیسائی طلب کئے گئے اور ایسوسی ایٹیڈ پریس آف انڈیا کے بیان کے مطابق:-

"مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے پورے ایک سو پچاس منٹ تک مجلسِ عاملہ کے دماغ میں جو شبہات اس سلسلے میں پیدا ہوئے ہیں انہیں صاف کرنے کی کوشش کی۔"

صبح اجلاس کا سارا وقت بھولا بھائی ڈیسائی کی زبان سے ان کے واقعات سننے میں صرف ہوا جس کی بنا پر ڈیسائی لیاقت سمجھوتہ پر دستخط کئے گئے اور گاندھی جی نے اس کی منظوری دے دی۔

مسٹر ڈیسائی نے مجلس عاملہ کے سامنے وہ تمام خط و کتابت بھی رکھی جو ان کے

اور گاندھی جی کے درمیان اس سلسلہ میں ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ مسٹر ڈیسائی نے اس سمجھوتہ کی تمام دفعات کی پوری تشریح بھی کی۔ مسٹر ڈیسائی نے مجلس عاملہ کو واضح طور پر مشورہ دیا ہے کہ ویول اسکیم خود ان کے فارمولا میں مزید اضافہ ہے اور بغیر جھجک قبول کر لینا چاہیئے۔

مسٹر ڈیسائی نے یہ بھی کہا ہے کہ ڈیسائی لیاقت فارمولا میں مسلمانوں اور ہندوؤں میں مساوات کی جو شرط تھی ویول اسکیم میں اسے زیادہ بہتر شکل میں پیش کیا گیا ہے انہوں نے مجلسِ عاملہ اور خاص کر گاندھی جی کو بتایا کہ ویول شرائط میں کانگرس کو اس کا پورا موقع ہے کہ وہ تمام فرقوں کی نمائندگی کے لئے جتنے نمائندے چاہے نامزد کر سکتی ہے اور کانگرس پر اس کی کوئی پابندی نہ ہوگی کہ وہ نمائندے کن طبقوں میں سے چنے!

یہاں یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ بھولا بھائی نے اپنے فارمولے کو بہتر قرار دے دیا "کانگرس لیگ مساوات" کے بجائے اعلیٰ ذات کے ہندوؤں اور مسلمانوں کی مساوات کو بوجوہ خاص انہوں نے زیادہ بہتر سمجھا اور خیال ظاہر کیا کہ اس طرح کانگرس کی "بین الاقوامیت" قائم رہے گی، ڈیسائی معاہدہ کے بموجب مسلم لیگ مسلمانوں کو نامزد کرتی اور کانگرس ہندوؤں کو، اب ویول پیشکش کے بموجب ہندو مسلم ممبروں کی تعداد مساوی ہوگی۔ لیکن کانگرس مسلمان کو اور مسلم لیگ ہندو کو نامزد کر سکتی ہے۔

گاندھی جی کا خراجِ تحسین!

۳۰ جون ۱۹۴۵ء کو گاندھی جی نے ایسوسی ایٹیڈ پریس آف انڈیا کے نامہ نگار خصوصی مسٹر اے ایس بھارتن کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا:-

"وائسرائے نے کانفرنس میں ابتدائی تقریر کرتے ہوئے کہہ دیا ہے کہ کانفرنس

ہیں نمائندگی پانے والے مختلف طبقے انہیں اپنا لیڈر خیال کریں۔ یہ ایک اچھا اور باوقار طرزِ ادا ہے جسے لارڈ ویول نے اختیار کیا ہے اس طرح وہ کانفرنس میں وائٹ ہال کے ایجنٹ کی حیثیت سے نہیں بلکہ کانفرنس کے لیڈر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔"

لیکن مسٹر جناح گاندھی جی کے اس "حسنِ ظن" میں شریک نہیں تھے۔ انہوں نے اس قسم کا تملق پسندانہ بیان دینے سے یا وائسرائے کی خواہ مخواہ تعریف کرنے سے ہمیشہ گریز کیا۔

راجہ جی کا قصیدہ مدحیہ

۳۰ جون ۱۹۴۵ء کو راجہ جی نے ایک بیان دیتے ہوئے فرمایا:۔

"میں نے اس عہدہ پر لارڈ ویول سے زیادہ مخلص آدمی نہیں دیکھا ہے۔" مساوات کے مسئلہ پر راجہ جی نے کہا: "مغرب میں اس کی مثال نہیں ملتی کہ اقلیت کو اکثریت کے مساوی کر دیا جائے۔ یہ بہت عجیب سیاسی ریاضی ہے ہمارے خلاف اور ہمیں گھٹانے والے یہ سمجھ گئے ہیں کہ ہم پرانی تہذیب رکھنے والی قوم ہیں اور تہذیب نے ہمیں متحمل بنا دیا ہے اسی لئے وہ ہمیں ایسی چیز کے لئے کہتے ہیں جسے وہ خود اپنے ملک میں کرنے کا تصور تک نہ کریں گے۔"

ڈلیسائی فارمولے تک ہندو مسلم مساوات لیگ کانگرس مساوات کے مقابلے میں قابلِ ترجیح تھی اور شملہ پہنچ کر "بہت عجیب سیاسی ریاضی" بن گئی۔

شملہ کانفرنس

ہم بھی گئے واں اور تیری تقدیر کو رو آئے

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ   کہ عنقا را بلند است آشیانہ

۱۴ جون ۱۹۴۵ء کو لارڈ ویول نے اپنی تجاویز ایک نشری تقریر کے ذریعہ پیش کیں ان تجاویز کے ساتھ انہوں نے ایک تقریر بھی کی، جس میں ہندوستانی لیڈروں سے اپیل کی کہ وہ اس پیش کش سے فائدہ اٹھائیں۔ وائسرائے اور وزیرِ ہند کے پیشِ نظر اب تک وہ اعلانات تھے جو وہ بارہا مسلمانوں سے کر چکے تھے کہ کوئی دستور زبردستی ان پر نہیں ٹھونسا جائے گا۔ چنانچہ وائسرائے نے کہا:۔

"اگر یہ کانفرنس کامیاب ہوئی تو مجھے امید ہے کہ ہم مرکز میں جدید کونسل مرتب کرنے کے قابل ہو جائیں، مجھے یہ بھی امید ہے کہ جن صوبوں میں دفعہ ۹۳ پر عمل کیا جا رہا ہے وہاں بھی وزارتیں دوبارہ واپس آئیں گی اور حکومت کا کام سنبھال لیں گی اور وزارتیں مخلوط ہوں گی۔

لیکن اگر بدقسمتی سے کانفرنس ناکام رہی تو ہم نظامِ حکومت اسی طرح چلاتے رہیں گے۔ جس طرح اب چلاتے رہے ہیں تا آنکہ تمام پارٹیاں مل کر کام کرنے

پر تیار ہو جائیں۔"

وزیرِ ہند کا بیان

وزیرِ ہند مسٹر ایمری نے اسی تاریخ کو پارلیمنٹ میں تجاویز ویول کا اعادہ کرتے ہوئے ایک طویل تقریر فرمائی جس میں اس مسئلہ کے متعلقات پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی پھر انہوں نے تجاویز کرپس کا ذکر کرتے ہوئے کہا:۔

"۱۹۴۲ء کی پیشکش قائم ہے، اس کی اصل بنیادیں دو ہیں، ایک یہ کہ ہندوستان جب چاہے آزاد ہو سکتا ہے دوسرے یہ کہ ہندوستان کا دستورِ حکومت خود ہندوستانیوں کو بنانا ہے۔

اس سلسلہ میں مسٹر چرچل کے الفاظ یاد دلانا چاہتا ہوں جو یہ ہیں کہ بنیاد پوری مضبوطی سے قائم ہے نہ اس میں کچھ کمی کی جا سکتی ہے۔ نہ اضافہ ہم اپنا اختیار اسی حکومت کو یا حکومتوں کو دے سکتے ہیں جو اسے لینے کو تیار ہوں ہم ہندوستان کو خانہ جنگی کے حوالے نہیں کر سکتے۔ ہم نے اپنے سامنے ہمیشہ جو مطمع نظر رکھا ہے وہ یہی ہے کہ ہندوستان ایک متحدہ یونین رہے جس کی تمام ریاستیں اپنا اپنا کام پوری ذمہ داری سے انجام دیں۔ ساتھ ہی ساتھ ہم نے یہ بھی تسلیم کر لیا ہے کہ متحدہ ہندوستان کی بنیاد ہندو مسلم سمجھوتہ پر ناممکن ہے لہٰذا اس وقت جو تجویزیں پیش کی جا رہی ہیں، ان کا اثر متحدہ اور تقسیم شدہ ہندوستان کے اصولوں پر نہیں پڑ سکتا۔ اگر ہم حکومت کو اسمبلی کے سامنے جواب دہ بنا دیں تو مسلمان فوراً یہ اعتراض کرنے لگیں گے کہ متحدہ ہندوستان کو ہندو اکثریت کے سپرد کر دیا گیا ہے۔"

گاندھی جی کا واویلا

گاندھی جی نے پنج گنی سے ۱۵ر جون ۱۹۴۵ء کو ایک بیان شائع کیا جس کا ایک اہم ترین حصہ ذیل میں درج ہے:۔

"وائسرائے کے نشریہ میں ایک بات ایسی ضروری ہے جو میرے کانوں کو ناگوار گزری ہے وہ "اونچی ذات کے ہندو" کی اصطلاح ہے مجھے امید ہے کہ سیاسی نقطۂ نظر سے ایسا کوئی آدمی نہیں ہے جسے اونچی ذات کا ہندو کہا جائے۔ کانگرس کو تو جانے دیجئے جو تمام ہندوستان کی نمائندگی کا دعویٰ کرتی ہے اور جو آزادی کے لئے تڑپ رہی ہے کیا دیہ ساور کر ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی اور ڈاکٹر مونجے اونچی ذات کے ہندوؤں کی نمائندگی کرتے ہیں؟ کیا وہ تمام ہندوؤں کی نمائندگی نہیں کرتے۔ کیا وہ اچھوتوں کو اپنا ایک جزو نہیں سمجھتے۔"

آگے چل کر گاندھی جی نے ڈیسائی فارمولے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"میں نے ڈیسائی لیاقت سمجھوتہ کو بھی اسی نقطۂ نظر سے دیکھا ہے جو شاہ والسرائے کے موجودہ اعلان کی بنیاد ہے۔ بھولا بھائی ڈیسائی کی تجویز وں میں وہ رنگ نہیں ہے جو وائسرائے کے نشریہ میں ہے۔ اس سلسلہ میں بھولا بھائی کو میں نے جو مشورے دئے ہیں ان پر میں شرمندہ نہیں ہوں۔ کیونکہ میرے نزدیک اس کی حیثیت فرقہ وارانہ مسئلہ کو حل کرنے والے کی سعی تھی۔"

کانگرسی لیڈر اس یقین کامل کے ساتھ شملہ جا رہے تھے کہ اب کوئی رکاوٹ باقی نہیں ہندو راج کی ابتدا شملہ سے ہو گی، مسلم لیگی رہنما بھی شملہ کی بلندیوں پر چڑھ رہے تھے، لیکن سوچ رہے تھے حالات کیا پہلو اختیار کریں گے؟

کانگرس کی روش کیا ہوگی؟ حکومت کا رویہ کیا ہوگا؟ پاکستان کا مستقبل کیا ہوگا؟ مسلمانوں کی مرکزیت اور اجتماعیت کا حشر کیا ہوگا؟ کیونکہ رخنے ڈالنے والے تنظیم کو انتشار سے بدلنے والے "مسلمان" بھی وہاں موجود تھے۔ مولانا حسین احمد جو کانگرس مجلس عاملہ کے ممبر بھی نہیں تھے وہاں تشریف لئے جا رہے تھے تاکہ مسلم لیگ کی نمائندگی عامہ کو چیلنج کریں، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی جو مولانا آزاد کی مساعی جمیلہ سے رہا ہوئے وہ بھی شملہ تشریف لے آئے تھے اور برابر مسلم لیگ کو للکار رہے تھے۔ غرض کانگرس نے مسلمانوں میں تفرقہ انگیزی کا کافی سامان کر رکھا تھا۔

مسلم لیگ کے قائد اور رہنما کسی دوسری قوم یا جماعت میں انتشار اور پراگندگی نہیں پیدا کرنا چاہتے تھے وہ صرف اپنی تنظیم اور اپنی مرکزیت قائم رکھنا چاہتے تھے۔

۱۴ر جون ۱۹۴۵ء کو شملہ جانے سے پہلے مسٹر گذور نے ایک اپیل شائع کی جس میں "نیشنلسٹ" مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ کانگرس اور مسلم لیگ کے سمجھوتہ میں آڑے آکر ہندوستان کی آزادی کو تاخیر میں نہ ڈالیں۔

مسٹر سید اصدر سندھ مسلم لیگ نے کہا:۔

"ہم پوری طاقت کے ساتھ یہ بتانے کے لئے شملہ جا رہے ہیں کہ مسلم لیگ کے بنیادی مطالبات اور اصولوں کے بارے میں ہمارے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے اس نازک موقع پر ہر مسلم لیگی قائد اعظم کے پیچھے ایک چٹان کی طرح کھڑا رہے گا اور ان کے ہر حکم پر قربانی کرے گا۔"

غرض یہ کیفیات و حالات تھے، جب شملہ کی بلندی پر ہندوستان کی بستی سے بڑے اور چھوٹے لوگوں نے چڑھنا شروع کیا۔

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں

پھر گاندھی جی نے ۱۷ر جون ۱۹۴۵ء کو وائسرائے کو تار دیا:۔

"مسلمانوں اور ذات والے ہندوؤں میں مساوات قائم کرنے سے ناقابل تبدیل مذہبی تقسیم آزادی کے وقت سرکاری طور پر تسلیم شدہ ہو جائے گی ذاتی طور پر میں اور اگر میں کانگرس کے دماغ کو سمجھتا تو وہ بھی کبھی اسے قبول نہ کرے گی۔ اعلیٰ ذات کے ہندو اور مسلمانوں کے درمیان مساوات ناقابلِ تبدیلی ہے تو آپ بغیر سمجھے ہوئے سہی مگر یقیناً اپنی کانفرنس کے مقصد کو شکست دے دیں گے۔ کانگرس اور لیگ کی مساوات سمجھ میں آسکتی ہے۔

میں آپ کو اور برطانوی قوم کو مدد دینے کا بہت خواہش مند ہوں مگر بنیادی اور عالمگیر اصولوں کو قربان کر کے نہیں۔

گاندھی جی کے ان ارشادات کا بار بار مطالعہ کیجئے اور فیصلہ کیجئے، گاندھی جی مکر جی اور جاورہ کر کی بھی کتنی صحیح اور مکمل نمائندگی فرما رہے ہیں سچی بات تو یہ ہے کہ وہ اوّل و آخر ہندو ہیں اس کے سوا کچھ نہیں۔

مولانا ابو الکلام آزاد کی روش

وائسرائے نے گاندھی جی کے کہنے سے دفع شر اور دفع الوقتی کے خیال سے مولانا آزاد کو شملہ کانفرنس میں مدعو تو کر لیا لیکن گاندھی جی اور مسٹر جناح کی طرح کانفرنس سے قبل ملاقات کی دعوت نہیں دی، مولانا نے خود ہی فرمائش کر کے یہ خلا پورا کر لیا۔

انہوں نے ۱۱ر جون ۱۹۴۵ء کو وائسرائے کی خدمت میں حسب ذیل تار ارسال کیا:۔

"کانگرس کی مجلس عاملہ نے مجھے ۲۵ر جون کی شملہ کانفرنس میں شرکت کے لئے آپ کی دعوت قبول کرنے کا اختیار دے دیا ہے۔ امید ہے کہ ۲۴ کو میں شملہ پہنچ سکوں گا۔ اگر آپ کانفرنس سے قبل بآسانی مجھ سے مل سکیں تو ممنون ہوں گا۔"

ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کے نامہ نگار خصوصی نے اس پیش قدمی پر اظہار رائے کرتے ہوئے لکھا:۔

"مولانا نے شملہ کانفرنس سے فائدہ اٹھانے کے لیے کانگرس کی تیاری و مستعدی ظاہر کرنے کی غرض سے کانفرنس سے پیشتر ہی خود وائسرائے سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی ہے۔"

مشورے ہو رہے ہیں آپس میں!

۲۴ جون ۱۹۴۵ء کو گاندھی جی نے شملہ میں وائسرائے سے ملاقات کی ایسوسی ایٹڈ پریس کا نامہ نگار کہتا ہے۔

"مینور ولا (راج کماری امرت کور کا گھر) میں مہمان گاندھی چھ بجے واپس آئے۔ بلے راستے اور چڑھائیوں کی وجہ سے وہ رکشا میں واپس آئے تھے، جسے گورنمنٹ یونیفارم پہنے ہوئے چپڑاسی کھینچ رہے تھے۔"

اسی نامہ نگار کے بیان کے مطابق

"مولانا ابوالکلام آزاد صدر کانگرس ۱/۲ ۱۱ بجے دوپہر کو وائسرائے سے ملاقات کرنے روانہ ہوئے سیسل ہوٹل کے سامنے ایک بڑے مجمع نے انہیں رخصت کیا۔ پنڈت گووند بلبھ پنتھ بحیثیت ترجمان مولانا آزاد کے ساتھ گئے۔

مولانا آزاد کی وائسرائے سے ملاقات ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہی جب مولانا آزاد ملاقات کے بعد سیسل ہوٹل میں جہاں وہ ٹھہرے ہوئے ہیں واپس آئے تو بہت بشاش تھے۔ پنڈت پنتھ نے اس کے بعد گاندھی جی سے ملاقات کی۔"

گاندھی جی اور مولانا آزاد وائسرائے سے ملے اور "بشاش" واپس آئے لیکن یہ دونوں حضرات مسٹر جناح سے نہ مل سکے، مسلم لیگ سے تصفیہ نہ کر سکے۔ یہ صرف وائسرائے سے سمجھوتہ کرنا چاہتے تھے۔

وائسرایگل لاج کا منظر

۲۵ جون ۱۹۴۵ء کو شملہ کانفرنس شروع ہوئی، ایسوسی ایٹڈ پریس کے نامہ نگار خصوصی نے وائسرایگل لاج کے منظر کی تصویر یوں کھینچی ہے :۔

"آج بہت سویرے سے مختلف سیاسی خیالات رکھنے والے ہزاروں آدمی وائسرایگل لاج کے بیرونی دروازوں کے سامنے جمع تھے اور لیڈروں کی آمد پر ان کا خیر مقدم کرتے تھے۔

سب سے پہلے سر ہنری رچرڈ یورپین گروپ کے لیڈر پہنچے، اس کے بعد وزیر اعظم پنجاب ملک خضر حیات خاں آئے۔ خضر حیات خاں دوسرے لیڈروں کی طرح مجمع کے درمیان میں پیدل گزرنے کے بجائے اپنی موٹر پر ہی گزر گئے۔

ان کے بعد مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی آئے تو مجمع نے خوب زور سے تالیاں بجا کر خیر مقدم کیا۔ مجمع ان کی طرف ہی متوجہ تھا کہ مسٹر راجگوپال اچاریہ چپکے سے اندر گھس گئے اور مجمع نے ان کی طرف بہت زیادہ توجہ کی اور بہت زیادہ دیر تک تالیوں نعروں سے ان کا خیر مقدم کیا گیا۔

اب مسٹر بنیرجی لیڈر نیشلسٹ پارٹی آئے اور ان کے بعد ماسٹر تارا سنگھ کرپانوں سے مسلح باوردی اکالی سکھوں کے درمیان ایک جلوس کی شکل میں تشریف لائے۔ ان کے خیر مقدم کے لیے تالیوں کی گونج ختم نہ ہونے پائی

تھی کہ مولانا ابوالکلام آزاد صدر کانگرس اور دوسرے کانگرسی رہنما تشریف
لائے۔ سب سے آگے مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔ ان کے بعد پنڈت روی
شنکر شکلا سابق وزیر اعظم سی، پی، پنڈت پنتھ سابق وزیر اعظم یو، پی۔ مسٹر
بی جی کھیر سابق وزیر اعظم بمبئی۔ آنریبل مسٹر گوبند لال سوتی لال لیڈر کونسل
آف اسٹیٹ کانگرس پارٹی اور ہری کشن سنہا سابق وزیر اعظم بہار تھے
کانگرسی لیڈروں کے مجمع نے بہت دیر تک تالیوں اور نعروں سے خیر مقدم کیا۔
کانگرسی لیڈروں کے آنے کے فوراً بعد مسلم لیگی وفد مسٹر جناح کی قیادت
میں سیسل ہوٹل سے وائسرائیگل لاج تک لیگی رضاکاروں کے درمیان ایک
جلوس کی شکل میں آیا۔ قائد اعظم سب سے آگے تھے۔ ان کے پیچھے نوابزادہ
لیاقت علی خاں، مسٹر حسین امام لیڈر لیگ پارٹی کونسل آف اسٹیٹ،
سر سعد اللہ وزیر اعظم آسام، سر غلام حسین ہدایت اللہ وزیر اعظم سندھ،
سر ناظم الدین سابق وزیر اعظم بنگال تھے۔ مسلم لیگی وفد کی آمد پر بھی خوب
خوب تالیاں بجیں۔

وائسرائے کی افتتاحی تقریر

لارڈ ویول نے کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے ۲۵ جون ۱۹۴۵ء کو تقریر وائسرائے میں
اس تقریر سے کیا:۔
"میں آپ سب کا ایسے اشخاص کی حیثیت سے جو اپنے کردار اور صلاحیت
کی بنا پر اپنے صوبوں اور پارٹیوں کی قیادت تک پہنچ گئے ہیں خیر مقدم
کرتا ہوں۔ میں نے آپ سب کو ہندوستان کے مختلف حصوں سے تاریخ
کے اس نازک لمحہ میں اس لئے طلب کیا ہے کہ آپ سب مجھے ہندوستان کو

خوشحالی سیاسی آزادی اور عظمت کی طرف بڑھانے کے لئے مشورہ اور امداد دیں۔
میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ یہ مدد ہندوستان کی مجموعی بھلائی
کے لئے وسیع اشتراک عمل کے جذبہ کے ساتھ دیں جو چیز پیش کی جارہی ہے
وہ ایک دستوری سمجھوتہ ہے اور ہندوستان کے الجھے ہوئے مسائل کا
آخری حل۔

پنت جناح گفتگو

دوسرے روز یعنی ۲۶ جون کو کانفرنس صرف ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی اور پھر دوسرے
روز کے لئے ملتوی ہوگئی۔ سرکاری اعلامیہ میں بتایا گیا کہ "کانفرنس بعض ابتدائی نتائج
تک پہنچ چکی ہے۔ اس لئے نمائندوں کی اس خواہش پر کہ وہ آپس میں گفتگو کر سکیں اسے
کل تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔"

کانفرنس کے التوا کے بعد مسٹر جناح نے حالات کی نزاکت اور وقت کے تقاضے
کو ملحوظ رکھتے ہوئے خود ہی کانگرس سے صلح و مفاہمت کی گفت و شنید میں پہل کی
اور مسٹر گوبند ولبھ پنت سابق وزیر اعظم یو پی کو اپنی قیام گاہ پر تبادلہ خیالات کے
لئے مدعو کیا اور ان سے لیگ کانگرس اتحاد کے امکانات پر ڈھائی گھنٹہ تک گفتگو کی۔
اس گفتگو کے بعد پنت جی نے مولانا آزاد اور گاندھی جی سے ملاقات کی اور انہیں
اپنی اور مسٹر جناح کی ملاقات اور گفتگو کی تفصیل بتائی۔
ایسوسی ایٹڈ پریس کے نمائندہ نے اس حال پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا:۔
"پردہ کے پیچھے کوششوں کا ایک دن پنڈت گوبند ولبھ پنتھ رکن کانگرس
مجلس عاملہ اور صدر مسلم لیگ مسٹر جناح میں گفتگو کی شکل میں ختم ہوا ہے دونوں
لیڈر سوا دو گھنٹہ تک ساتھ رہے۔ لیڈروں کی کانفرنس کے سلسلہ میں یہ یقیناً

ایک اہم تبدیلی ہے کیونکہ اس سے کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان بہت ضروری بحث گفتگو کا موقعہ ملا اور اس طرح کانفرنس کے نتائج کے سلسلہ میں بھی امیدیں بڑھ گئی ہیں۔"

اختلاف کا آغاز

۲۴ جون ۱۹۴۵ء کو بمبئی کرانیکل کے نامہ نگار خصوصی نے حسب ذیل تار دیا:-

"اب ایک سوال جو سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور جس پر بحث گفتگو ہونے والی ہے "یہ ہے کہ کیا وائسرائے کی مجلس شوریٰ (ایگزیکٹو کونسل) میں ہندو اور مسلمان ممبروں کی تعداد پر کانگرس لیگ میں سمجھوتہ ہو جائے گا۔ مسٹر جناح پنتھ میٹنگ کو اسی روشنی میں دیکھا جا رہا ہے۔

مسٹر جناح اور پنڈت پنتھ کے تعلقات اسمبلی[1] کے زمانہ سے بہت اچھے ہیں اور توقع کی جاتی ہے کہ ان کی گفت و شنید بہتر ثابت ہو گی۔

اطلاعات کے مطابق مسٹر جناح نے پنڈت پنتھ سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ لیگ اس بات سے کبھی اتفاق نہ کرے گی۔ کہ کوئی غیر لیگی مسلمان مجلس شوریٰ کا ممبر ہو۔ پنڈت پنتھ نے اس بات پر زور دیا کہ کانگرس اپنے آپ کو اونچی ذات کے ہندوؤں کی جماعت نہیں بنائے گی۔ اور مسٹر جناح کے مطالبہ کے آگے ہتھیار نہیں ڈالے گی۔"

ایسوسی ایٹڈ پریس کے سیاسی مبصر نے حسب ذیل تار بھیجا:-

"معلوم ہوتا ہے کہ دونوں جماعتیں اپنے ابتدائی مطالبہ پر قائم ہیں یعنی مسلم لیگ کا

(۱) انڈین لیجسلیٹو اسمبلی

مطالبہ ہے کہ چونکہ تنہا وہی مسلم ہندوستان کی ذمہ دار جماعت ہے اس لیے تمام مسلم ممبروں کے نام چننے کا حق اسی کو ہے۔ اس کے برعکس کانگرس اپنے قومی جماعت کے دعوے پر جمی ہوئی ہے۔ اور ایک ہندو جماعت کہلانے کو کسی طرح قبول کرنے پر راضی نہیں ہے اس لئے وہ صرف ہندو نمائندوں کے انتخاب کرنے پر راضی نہیں ہے۔ اسی خیال کے پیش نظر کانگرس کا مطالبہ ہے کہ اگر ۵ مسلمان ممبران کونسل ہوں تو اس میں سے دو غیر لیگی قوم پرست مسلمان لئے جائیں۔"

آخر مسٹر جناح نے ۵ منٹ تک مسٹر پنت سے اور ڈھائی گھنٹہ تک وائسرائے سے گفتگو کی۔ اخبارات کے نمائندوں کے سوالات کے جواب میں انہوں نے فرمایا:-

"میں نہایت نازک قسم کی گفتگو میں مصروف ہوں، اس سے زیادہ اس وقت میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

مولانا حسین احمد کا کارنامہ

عین اس وقت کہ شملہ میں "مسلم قوم" اور "ہندو قوم" کے درمیان معاملات طے پا رہے تھے، مولانا حسین احمد نے جمعیۃ علماء دہلی، مسلم مجلس، مومن کانفرنس، آزاد پارٹی اور انجمن وطن بلوچستان کے چند آدمیوں کے ایک مشترکہ جلسہ کی صدارت فرمائی۔ جس میں حسب ذیل تجویز منظور کرائی۔

"مسلم قوم پرست جماعتوں کا یہ جلسہ اس بات کا اظہار ضروری سمجھتا ہے کہ ویول پلان جو سیاسی جمود کے حل اور مرکز میں عارضی حکومت بنائے جانے کے لئے زیر غور ہے نہ صرف یہ کہ ہندوستان کے مطالبہ سے کم ہے بلکہ اس میں وائسرائے کا حق استرداد جمہوری اصولوں کے بھی خلاف ہے لیکن چونکہ موجودہ انتظام

درمیانی مدت کے لئے ہوگا۔ اور لارڈ ویول نیز وزیر ہند نے وعدہ کیا ہے کہ حق استرداد کو سوائے ہنگامی حالات کے کسی اور موقع پر استعمال نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے یہ جلسہ اس انتظام کو درمیانی مدت کے لئے مناسب خیال کرتا ہے۔

"یہ جلسہ اس چیز کا دوبارہ اعلان بھی ضروری خیال کرتا ہے کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی دوسری جماعتیں بھی موجود ہیں جو ہندوستان کی آزادی کے لئے جدوجہد کرتی اور اس مقصد کے لئے قربانیاں دیتی رہی ہیں۔"

وائسرائے سے اُمیدیں

مسلم لیگ اپنے جائز اور معقول مطالبہ سے دستبردار نہیں ہو رہی تھی کانگرس حکومت کی باگ ہاتھ میں لینے کے لئے تلی ہوئی تھی۔ لہٰذا اب امیدیں وائسرائے سے وابستہ کی جانے لگیں۔

۲۸ جون ۱۹۴۵ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس کے سیاسی مبصر کے حسب ذیل تاثرات شائع ہوئے:۔

"کانگرس لیگ گفتگو میں تعطل پیدا ہو جانے کی وجہ سے شملہ کے تمام حلقوں میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی ہے۔"

اور مولانا ابوالکلام آزاد صدر کانگرس نے اسی تاریخ کو ایک بیان دیتے ہوئے صاف صاف کہہ دیا:۔

"میں اس منزل پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجلس عاملہ کا آخری فیصلہ کیا ہوگا لیکن یہ امر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ کانگرس کا رویہ تعمیری ہی رہے گا۔ تخریبی نہ ہوگا۔"

قائداعظم کا بیان

اب حالات ایسے ہو گئے تھے کہ قائداعظم کو لب کشائی کرنی ہی چاہیئے تھی چنانچہ

۲۹ جون ۱۹۴۵ء کو انہوں نے پریس کانفرنس میں ایک طویل بیان دیا۔ جس میں بتایا کہ اگرچہ مسلم لیگ کے مطالبات ویول تجاویز میں منظور نہیں کئے گئے ہیں پھر بھی ہم عارضی طور پر قومی حکومت کی تشکیل میں حصہ لینے کو تیار تھے لیکن اس طرح کہ مسلم نمائندوں کا حق انتخاب صرف مسلم لیگ کو حاصل رہے۔

اس سلسلہ میں قائداعظم کی چند اہم تصریحات ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔

"ویول تجاویز نے اپنی بنیاد پست اقوام کے علاوہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں مساوات پر رکھی ہے ہمیں اس مساوات کے سلسلہ میں کوئی غلط فہمی نہیں ہے کیونکہ مجوزہ ایگزیکٹو کونسل میں مسلمانوں کا حصہ ⅓ سے زیادہ نہ ہوگا اور پوری کونسل میں ایک تہائی کی اقلیت ہوں گے اور جب کہ ہندوؤں کا کوٹہ مسلمانوں کے مساوی ہوگا اور اس کے علاوہ پست اقوام کی نمائندگی اور ہمیں نہیں معلوم کہ کس فرقہ یا فرقوں کی نمائندگی حاصل کی جائے گی کیونکہ ابھی تک نئی ایگزیکٹو کونسل کی عددی طاقت مقرر نہیں کی گئی اس کونسل کی ترتیب کچھ ایسی ہوگی کہ بالآخر کانگرس کو اکثریت حاصل ہو جائے۔"

ان حالات کو پیش کرنے کے بعد قائداعظم نے فرمایا:۔

"مسلم بلاک کے خلاف کانگرس کے اپنی اکثریت کے ووٹ سے کئے ہوئے فیصلے کو روکنے کا کوئی مناسب طریقہ موجود نہیں ہے۔ اسی لئے ہم کو غور کرنا ہوگا کہ اس صورت کو روکنے کی کیا صورت نکالیں۔ ہم ہر منصفانہ اور معقول سمجھوتہ کے لئے اپنی طرف سے پوری جدوجہد کے لئے تیار ہیں۔ کانگرس نے پہلے ہی مسلم بلاک سے ایک یا زائد ممبر چننے کے حق کا مطالبہ کر دیا ہے اور کوئی دوسری پارٹی یا پارٹیاں بھی ایسے ہی مطالبے کر سکتی ہیں گو ہم ایک حل ڈھونڈنے اور کسی سمجھوتہ پر پہنچنے کے لئے ہر طرح کی خواہش

نہ کھتے ہیں۔ مگر یہ معاملہ یعنی مسلم بلاک سے کانگرس یا کسی اور جماعت کو ایک مسلمان چننے کا حق ایسا معاملہ ہے جسے ہم نہ اصولوں کی بنیاد پر قبول کر سکتے ہیں اور نہ ان حقائق کی بنیاد پر جو ہمارے سامنے موجود ہیں۔

تنہا مسلم لیگ ہی وائسرائے کو پورے مسلم بلاک کے نام دینے کی حق دار ہے۔ اس دنیا میں سو فیصد اتفاق رائے ناممکن ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ دنیا بھر میں آپ کہیں (ایسا اتفاق رائے) نہ پائیں گے۔

مجھے خیال ہوتا ہے کہ کسی اخبار میں جب کہ اس چیز پر بحث ہو رہی تھی کہ کانگرس میں مسلمان بھی ہیں، اس نے لکھا تھا کہ ایک مرغابی سے موسم گرما نہیں آجاتا نہ کانگرس میں چند سو مسلمانوں کی موجودگی اسے ہندوستان کی بحیثیت مجموعی نمائندہ بناتی ہے نہ مسلم بلاک کے ارکان کے انتخاب میں رائے دینے کے حق کے مطالبہ کی تائید۔"

مولانا آزاد کا بیان

مسٹر جناح کے اس بیان کے بعد مولانا آزاد نے ایک بیان ۳۰ جون ۱۹۴۵ء کو دیا ایسوسی ایٹڈ پریس کے نامہ نگار کا بیان ہے کہ :-

"مولانا سے جب یہ دریافت کیا گیا کہ کیا کانگرس اس لئے تیار ہے کہ اگر مسلم لیگ اپنی طرف سے نام نہ پیش کرے تب بھی وزارت مرتب کی جائے تو مولانا نے کہا کہ اس کا فیصلہ وائسرائے کا کام ہے۔ جہاں تک کانگرس کا تعلق ہے اس نے انتہائی حد تک ثابت کر دیا کہ اس کا نقطۂ نظر تعمیری ہے کانگرس اس بات پر اصرار کر سکتی تھی کہ کانفرنس میں شرکت سے پہلے تمام قیدیوں[1]

[1] سیاسی قیدی مراد ہیں۔

کو رہا کر دیا جائے مگر اس نے ایسا نہیں کیا کیونکہ کانگرس نہیں چاہتی تھی کہ اس کے طرز عمل کے متعلق کوئی شبہ پیدا ہو، اس وجہ سے اس نے اس اصول کو ہر دست ملتوی رکھا۔ کانگرس حصول وزارت کے لئے اتنی بے چین تھی کہ اس نے اسیران سیاسی کی رہائی کا معاملہ بھی نہیں اٹھایا، لیکن وہ اپنے ناجائز مطالبہ پر برابر اڑی رہی۔

پنڈت جواہر لال کا بیان

ایسوسی ایٹڈ پریس کے نمائندہ سے ۳۰ جون ۱۹۴۵ء کو پنڈت نہرو نے فرمایا :-

"مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ہم شملہ میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ میرے خیال میں مسٹر جناح کا سرکاری کونسل کی ایک ایک مسلم نشست پر قبضہ کرنے کا ارادہ غلط ہے۔"

مولانا آزاد کا ایک اور بیان

ایسوسی ایٹڈ پریس کے نمائندہ کو ایک بیان دیتے ہوئے مولانا آزاد نے فرمایا :-

"کانگرس کا کانفرنس میں شرکت پر آمادہ ہو جانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ تخریبی کے بجائے تعمیری رویہ اختیار کرنا چاہتی ہے۔ ورنہ وہ اس سے پہلے یہ مطالبہ کر سکتی تھی کہ سیاسی قیدی رہا کر دئے جائیں اور کانگرس پہ عائد کردہ پابندی اٹھالی جائے۔ مگر کانگرس نے ایسا نہیں کیا۔"

بعض حلقوں کا خیال تھا کہ کانگرس اگر مسلم لیگ کا مطالبۂ واحد نمائندگی مان لے تو اس سے کانگرس کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اس خیال کا جواب دیتے ہوئے مولانا نے فرمایا۔

"اگر کانگرس نے ایسے نازک موقع پر عزم و ہمت کا مظاہرہ نہیں کیا اور اپنے قوم پرستی کے اصول پر مضبوطی سے قائم نہیں رہی تو اس کا مستقبل تباہ

ہو جائے گا۔"

گویا کانگرس کا مستقبل دھاندلی اور ہٹ دھرمی پر مبنی ہے۔ مسلمان کانگرس کے ساتھ نہیں ہیں یہ ایک حقیقت ہے لیکن کانگرس برابر یہ دعوے کئے جائے گی کہ مسلمان اس کے ساتھ ہیں۔ کیونکہ اس کا مستقبل اسی غلط دعوے پر منحصر ہے۔

مسٹر جناح کی گاندھی جی سے اپیل

ایک طرف تو کانگرسی لیڈر، گاندھی جی، جواہر لال، راجہ جی، سب مسلم لیگ اور قائد اعظم کو زک دینے پر تلے ہوئے تھے، دوسری طرف مسٹر جناح یہ گاندھی جی کی طرف اپنا جھکا ہوا دست مصالحت بڑھا رہے تھے۔ شائد یہ سمجھ کر کہ اس دفعہ گاندھی یہ ہاتھ جھٹکیں گے نہیں بلکہ مصافحہ کر لیں گے۔

یکم جولائی ۱۹۴۵ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نمائندے پرسٹس گرد ورڈ کو ایک بیان دیتے ہوئے مسٹر جناح نے کہا کہ گاندھی جی:۔

"موجودہ کانفرنس کو چھوڑ کر مسلم لیگ سے ایسا سمجھوتہ کر لیں، جس کے ذریعہ پاکستان ایک حقیقت مسلمہ ہو۔ اگر گاندھی جی پاکستان منظور کر لیں تو ہمیں اس کانفرنس کے جھگڑے میں پڑنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اس کے بعد کانگرس اور لیگ دونوں ہندوستان کے تمام باشندوں کی آزادی اور خود مختاری کے لئے جدوجہد کریں گی۔

گاندھی جی کے متعلق مجھے علم ہے کہ وہ آزادی اور خود مختاری کے متمنی ہیں یہی حال میرا بھی ہے اور میں کہہ چکا ہوں کہ پاکستان آزادی بغیر قائم نہیں ہو سکتا لہٰذا ہمارا پاکستان کا مطالبہ ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ ہے۔"

ولبھ بھائی پٹیل کی گرج

کیلنڈر اپنی تاریخیں بدل رہا تھا، اب دو جولائی آگئی، آج ڈھائی گھنٹہ سے زیادہ پنڈت جواہر لال نہرو نے وائسرائے سے ملاقات کی۔ پھر فوراً وہ گاندھی جی کی قیام گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ کانگرسی حلقوں میں اب یقین بڑھتا جاتا تھا کہ مسلم لیگ کی طرف سے التفات بیکار ہے۔ ساری اُمیدوں کا مرکز صرف ہز ایکسی لینسی کی ذات گرامی ہے۔

آج ہی بمبئی سے شملہ جاتے ہوئے مسٹر ولبھ بھائی پٹیل گاندھی جی کے نفس ناطقہ اور کانگرس کے آمر مطلق نئی دہلی کے ہوائی اڈے پر تھوڑی دیر کے لئے اترے۔ انہوں نے ایسوسی ایٹڈ پریس کے نمائندہ کو ایک بیان دیتے ہوئے کہا:۔

"اگر لیگ نے نئی حکومت میں حصہ نہ لیا تو کوئی پروا کی بات نہیں کانگرس کئی سال تک حکومت سے علیحدہ رہی اور اس نے جو جگہیں خالی کی تھیں ان پر لیگ قابض ہو گئی۔[1] اگر وہ علیحدہ رہنا چاہتی ہے تو اسے اس کے نتائج اور عواقب کا جائزہ لے لینا چاہیے۔"

ان چند جامع و مانع الفاظ میں دھمکی بھی ہے اور استغنا بھی۔

مُسلمانوں میں جوش وخروش

کانگرس کی یہ ذہنیت، صدر کانگرس کی یہ روش رہنمایان کانگرس کی یہ دھاندلی دیکھ کر ہندوستان کے طول و عرض میں مسلمان جاگ گئے اور وہ ایک چٹان کی طرح اپنے قائد کی پشت پناہی کے لئے تیار ہو گئے۔

---

(۱) یہ بالکل غلط ہے، لیگ نے کانگرس کی جگہوں پر نگاہِ غلط انداز بھی نہیں ڈالی۔

ایسوسی ایٹیڈ پریس کے نامہ نگار خصوصی نے ۱۷ جولائی ۱۹۴۵ء کو خبر دی :-

"قائد اعظم محمد علی جناح صدر کل ہند مسلم لیگ کو ہندوستان کے اکناف و اطراف سے ایسے برقی پیغامات کی بہت بڑی تعداد موصول ہوئی ہے۔ جس میں قائد اعظم کی قیادت پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے شملہ کانفرنس میں اختیار کئے ہوئے لیگی رویہ کی تائید کی گئی ہے۔

مختلف صوبوں کی مسلم طلباء کی جماعتوں اور مسلم یونیورسٹی علی گڈھ نے قائد اعظم کو یقین دلایا ہے کہ ہندوستان کے مسلم نوجوان پوری طرح قائد اعظم کی تائید کریں گے۔

ڈربن مسلم ایسوسی ایشن (افریقہ) کے حاجی حنیفلی صاحب نے لکھا ہے :-

ڈربن کے مسلمان کانفرنس کے نتیجوں کا انتظار کر رہے ہیں اور انہیں مسلم ہندوستان کی مفادات کی حفاظت کے لئے آپ کی قیادت پر مکمل اعتماد ہے۔

مسلمان صوفیوں کی طرف سے بھی ایسے پیغامات موصول ہوئے ہیں جن میں لیگ سے وفاداری کا اظہار کیا گیا ہے۔ خواجہ حسن نظامی صدر آل انڈیا چشتی پارٹی لکھتے ہیں :-

چشتیہ خاندان کے ماننے والے کروڑوں مسلمان مسلم لیگ کے ساتھ ہیں۔

ہندوستان کے سیدوں کے سردار اور دربار حضرت پیر پیران ملتان کے سجادہ نشین ہز ہولی نس حضرت مخدوم پیر سید محمد صبر الدین شاہ گیلانی کے پرائیویٹ سیکرٹری نے قائد اعظم کی قیادت پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا ہے۔

نائب صدر کل ہند مومن کانفرنس (پٹنہ) نے قائد اعظم کو لکھا ہے :-

مومن برادری مضبوطی سے آپ کے ساتھ ہے، تنہا لیگ ہی مسلمان ممبر اگزیکٹو کونسل کو نامزد کر سکتی ہے۔

اسی قسم کا تار سیکرٹری کل ہند مومن کانفرنس نے بھیجا ہے۔

یہی نہیں بلکہ :-

"غیر سیاسی مسلم جماعتوں کی طرف سے بھی بہت سے پیغامات ملے ہیں۔ ان جماعتوں میں بمبئی کٹلری ایسوسی ایشن، میمن مرچنٹس ایسوسی ایشن انجمن تبلیغ اسلام دہلی۔ بمبئی مسلم چندری ایسوسی ایشن وغیرہ۔

خان بہادر بختیار رشید الدین صدر کل ہند جمعیت القریش نے قائد اعظم کو تار دیا ہے کہ قریش برادری کے ایک کروڑ مسلمان پوری طرح آپ کے ساتھ ہیں۔ صدر جمعیت القریش نے ایک تار وائسرائے اور وزیر ہند کو بھی دیا ہے جس میں انہیں متنبہ کیا ہے کہ جمعیت القریش کسی ایسی تجویز کو قبول نہیں کرے گی جسے قائد اعظم جناح منظور نہ فرمائیں۔ اور ان کے حکم پر یہ جمعیتہ ہر طرح کی قربانی پیش کرے گی"

اظہارِ اعتماد کا طوفان

کانگرس کا چہرہ بے نقاب ہوتے ہی اطراف و اکناف ہند سے قائد اعظم کی خدمت میں اظہار اعتماد کی تجویزیں پہنچنے لگیں اور ان کی نقول وائسرائے، وزیر ہند، گاندھی جی، صدر کانگرس وغیرہ کو بھی بھیجی جانے لگیں۔

۱۷ جولائی ۱۹۴۵ء کو ڈیڑھ سو اسلامی جماعتوں کی دعوت پر ایک مشترکہ جلسہ مسٹر حبیب ابراہیم رحمت اللہ صدر مسلم ایوانِ تجارت (بمبئی) کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں ایک تجویز کے ذریعہ قائد اعظم کی قیادت اور مسلم لیگ، کی واحد نمائندگی پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا گیا۔

افغان جرگہ کے صدر سید عبد اللہ شاہ نے وائسرائے کو تار دیا "قائد اعظم کا فیصلہ مسلمانانِ سرحد پوری طرح قبول کر لیں گے۔ میمن ایوانِ تجارت نے تار دیا "اگر کانگرس نے

لیگ کے بغیر ایگزیکٹو کونسل بنائی تو اس کا نتیجہ ابتری ہوگا۔" شیعہ ینگ مین ایسوسی ایشن نے ملتان سے تار دیا۔ "مسٹر جناح مسلمانانِ ہند کے واحد نمائندہ ہیں اور انہیں شیعانِ ہند کا مکمل اعتماد حاصل ہے۔" نیز مسلم جرنلسٹ ایسوسی ایشن، مسلم پریس فیڈریشن، ریلوے مسلم ایسوسی ایشن مومن مجلس اور آل انڈیا مسلم نیشنل گارڈز کے سالارِ اعلیٰ نواب صدیق علی خاں نے بھی اسی طرح کے تار دئے۔

مغربی ہندوستان کی دیسی ریاستوں اور بمبئی کے میمن تاجروں کی ایک میٹنگ چکلہ اسٹریٹ میں میمن مرچنٹس ایسوسی ایشن کے دفتر میں الحاج ابراہیم موتی والا کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں طے پایا کہ "قائدِ اعظم مسلمانوں کے لئے جو فیصلہ بھی کریں گے اس کی ہم مکمل تائید کریں گے۔" کاٹھیاوار کی مسلم جماعت نے قائدِ اعظم پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا۔ مسلم مرچنٹس ایسوسی ایشن نے بھی اسی طرح تار دیا۔ آج کی تاریخ میں تقریباً پانچسو تار قائدِ اعظم کی خدمت میں اعتماد کا تحفہ لے کر پہنچے۔

کانگریس کی فہرست مکمّل ہوگئی

۵ جولائی ۱۹۴۵ء کو مولانا آزاد نے سہ پہر کے وقت پریس کے نمائندوں کو بتایا:۔

"وائسرائے کو ناموں کی فہرست کل دے دی جائے گی۔"

اسی دن ایک اور بیان میں مولانا نے ایسوسی ایٹڈ پریس کے نمائندہ سے فرمایا:۔

"راستہ بدستور صاف کیا جا رہا ہے، اب تک کوئی رکاوٹ نہیں پیش آئی پیر کے دن پنڈت نہرو اور وائسرائے کی ملاقات بہت اطمینان بخش رہی اور کانگریس کی مجلس عاملہ کی کاروائیوں کے لئے معاون ثابت ہوئی ہیں کہہ سکتا ہوں کہ جہاں تک کانگریس کا تعلق ہے ہم نے یہ بات بالکل واضح کر دی کہ ہم اپنا پارٹ ادا کرنے کے لئے تیار ہیں۔"

مومنوں کی طرف سے مسلم لیگ کی تائید

۵ جولائی آگئی، حالات اور زیادہ الجھ گئے کانگریس حکومت لینے پر تلی ہوئی تھی اور مسلم لیگ اپنے مطالبۂ واحد نمائندگی پر چٹان کی طرح جمی ہوئی تھی۔

مسٹر لطیف الرحمٰن صدر آل انڈیا مومن کانفرنس نے حسب ذیل تار شائع کرایا:۔

"یہ بیان کہ مومن مسلم لیگ کے خلاف ہیں، بالکل بے بنیاد شرارت آمیز اور دوسروں کی کارستانی ہے۔ مومن مضبوطی سے لیگ اور جناح صاحب کے ساتھ ہیں اور سارے ہندوستان میں تمام امتحانی مواقع پر یہ ثابت ہو چکا ہے۔ ہم چیلنج دیتے ہیں کہ اسے غلط ثابت کرنے کے لئے عام انتخابات کرائے جائیں۔"

آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن نے تار دیا:۔

"ہندوستان کے نوجوان مسلمان ایک چٹان کی طرح آپ کے ساتھ ہیں لیگ کے وقار اور عزت کی حفاظت کے لئے مسلم نوجوان ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہے۔"

اسی طرح کے تار سرحد، پنجاب، سندھ، بہار کی مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی طرف سے بھی بھیجے گئے۔ مسلم یونیورسٹی کے طلبہ نے بھی ایک تار بھیج کر مسلم لیگ سے اپنی اٹل وفاداری کا اظہار کیا:۔

بہار سے "انجمن حیدری" کے صدر نے تار دیا:۔

"شیعہ فرقہ کانگریس اور دوسری خود ساختہ جماعتوں کے دعوئے نمائندگی کی تردید کرتا ہے کیونکہ وہ متحدہ طور پر مسلم لیگ اور قائدِ اعظم کے ساتھ ہے اسے تمام نہاد شیعہ پولیٹیکل کانفرنس پر کوئی اعتماد نہیں ہے۔"

علاوہ ازیں امام صاحب جامع مسجد (دہلی)، خطیب جامع مسجد وزیر خاں (لاہور) نے بھی اسی قسم کے تار دئے۔ مسلم ایوانِ تجارت بہار کے صدر نے وائسرائے کو حسب ذیل بیان دیا:۔

"برار کے مسلمان متحدہ طور پر مسلم لیگ کے ساتھ ہیں اور اس رویہ کی پرزور تائید کرتے ہیں جو مسٹر جناح نے شملہ کانفرنس میں اختیار کر رکھا ہے۔"

کانگرس کی فہرست

۷ جولائی ۱۹۴۵ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس کے نامہ نگار نے اطلاع دی کہ:۔

"تمام مدعو سیاسی جماعتوں نے سوا مسلم لیگ کے وائسرائے کے پاس اپنے نمائندوں اور امیدواروں کی فہرست بھیج دی، مسلم لیگ نے کوئی فہرست نہیں پیش کی ہے بلکہ مسٹر جناح نے وائسرائے کو خط لکھا ہے جس میں دو سوالوں کا جواب مانگا ہے۔"

(۱) کیا لارڈ ویول تمام مسلم ممبروں کے تقرر کے بارے میں مسلم لیگ کا حق تسلیم کرنے کو تیار ہیں ؟

(۲) دوسری اقلیتوں کو جو نمائندگی دی جائے گی اس کی نوعیت اور صورت کیا ہوگی ؟

جب تک ان سوالات کے جوابات نہیں مل جائیں گے مسلم لیگ اپنی فہرست نہیں پیش کرے گی۔"

اسی نامہ نگار کے بیان کے مطابق

"مولانا ابوالکلام آزاد کے سیکرٹری محمد اجمل خاں نے آج وہ خط وائسرائے کے محل میں پہنچا دیا۔ جس میں کانگرس کی مجلس شوریٰ کے لئے تیار کی ہوئی فہرست ملفوف تھی، یہ فہرست ۱۰ بجے روانہ کی گئی۔ کل فہرست کو کانگرس کی مجلس عاملہ نے منظور کیا تھا اور آج صبح مجلس عاملہ نے منظور کیا تھا اور آج صبح مجلس عاملہ اور کانگرسی مدعوئین کے مشترکہ جلسہ میں اس کو منظور کر لیا گیا۔"

قائداعظم کی تقریر

۹ جولائی ۱۹۴۵ء کو سٹی مسلم لیگ شملہ کے زیر اہتمام ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا:۔

"اس دنیا کی کوئی چیز مجھے کسی ایسی تجویز منظور کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی جو میرے خیال میں مسلم مفاد کے خلاف ہو۔"

بہر حال یہ صاف کہا جا چکا ہے کہ موجودہ تبدیلی صرف عبوری اور عارضی ہے ہم آئندہ کا کوئی دستور نہیں بنا رہے ہیں۔ اصلی مسئلہ یہ ہے کہ ہم فرداری قبول کرنے کی تمام تر خواہشوں کے باوجود کسی ایسے انتظام میں شامل نہیں ہو سکتے جو ہمارے لئے باعزت، منصفانہ اور مناسب و معقول نہ ہو۔"

ایسوسی ایٹڈ پریس کے سیاسی مبصر کا بیان:۔

"مسلم لیگ مجلس عاملہ کے فہرست نمائندگان نہ دینے کے فیصلے سے شملہ کانفرنس نازک ترین منزل پر پہنچ گئی ہے۔"

"لارڈ ویول کریں گے کیا ؟ یہ چیز ابھی تک بالکل صیغۂ راز میں رکھی گئی ہے۔"

"وزارت پرست" مسلم لیگ کا یہ کارنامہ کہ وہ وزارت کو ٹھکرا رہی ہے اور "وزارت دشمن" کانگرس کا یہ کارنامہ کہ وہ "اپنا پارٹ" ادا کرنے کے لئے بے چین ہے۔ یاد رکھنے کی چیز ہے۔

اظہار اعتماد کے ہزاروں تار

حالات اب بالکل نازک مرحلہ پر پہنچ چکے تھے، ہندوستان بھر کے مسلمان قائداعظم اور مسلم لیگ کی تائید کر رہے تھے:۔

کل ہند، یاستی مسلم لیگ کے سیکرٹری نے لکھا کہ "ہم قائد اعظم کے ہر حکم پر قربانی کرنے کو تیار ہیں۔" سیلون مسلم ایسوسی ایشن نے تار دیا "مسلم ممبر نامزد کرنے کا حق صرف مسلم لیگ کو ہونا چاہیئے۔" سندھ بلوچ کانفرنس نے تار دیا "سندھ کے بلوچ دل و جان سے قائد اعظم کے ساتھ ہیں۔" سرحد شیعہ کانفرنس کے صدر نے تار دیا "ہمیں مسٹر جناح کی قیادت پر پورا اعتماد ہے۔" ایسے ہی تار "آغا خان ینگ مین یونین" اور "شیعہ ایسوسی ایشن" کی طرف سے بھی پہنچے۔ تھانہ بھون کے مشہور عالم مولانا شبیر علی صاحب نے لکھا "مسلم کو اپنے فیصلہ پر جمے رہنا چاہیئے۔"

ایک ہزار تار روزانہ کے اوسط سے گزشتہ چند روز سے مسٹر جناح کے پاس تار آرہے تھے جن میں دلی اور مکمل تائید کا اعلان ہوتا تھا۔

۱۶ جولائی ۱۹۴۵ء کو لندن مسلم لیگ کا حسب ذیل تار آیا:۔

"آپ کا تدبر قوم کے لئے باعث فخر ہے ہم آپ کے بہادرانہ رویہ کی تائید کرتے ہیں۔"

کہر آلود فضا، تاریک منظر، مایوسیوں کے بادل

۱۲ جولائی ۱۹۴۵ء کو ایسوسی ایٹیڈ پریس کے سیاسی مبصر نے حسب ذیل تاثرات شائع کرائے۔

"آج شام کا کہر آلود موسم غم انگیزی کی صحیح مصوری کر رہا ہے جو آج سیاسی فضا پر طاری نظر آرہی ہے۔ یہ مایوسی کل رات کی اس خبر سے پیدا ہوئی کہ مسلم لیگ نے اس وقت تک نئی قومی حکومت میں شرکت سے انکار کر دیا ہے جب تک نئی حکومت کے مسلم ارکان کی نامزدگی کے لئے لیگ کا حق تسلیم نہ کر لیا جائے

آج سہ پہر کی ویول آزاد ملاقات نے کوئی معجزہ ظاہر نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برعکس آج شام کو مجلس عاملہ کے جلسہ کے بعد کانگرسی لیڈروں کی بات چیت سے یہ پتہ چلا ہے کہ درحقیقت کانفرنس بغیر اپنے مقاصد کو حاصل کئے ختم ہو گئی ہے۔

ویول آزاد گفتگو کے درمیان کسی مثبت مشورہ کے نہ ہونے سے کانگرسی لیڈر خیال قائم کر رہے ہیں کہ حکومت برطانیہ ویول تجاویز کو لیگ کی تائید کے بغیر عملی جامہ پہنانے کے لئے تیار نہیں ہے۔

کانفرنس کی ناکامی کا اعلان

۱۴ جولائی ۱۹۴۵ء کو ملتوی شدہ کانفرنس پھر منعقد ہوئی۔ لارڈ ویول نے اعلان کیا:۔

"مجھے افسوس ہے کہ یہ کانفرنس کامیاب نہ ہو سکی۔ اس کانفرنس کے طلب کرنے کا خیال میرے ذہن کی پیداوار تھا۔ اس لئے اس کی ناکامی کا ذمہ دار بھی میں ہوں۔ میں مختلف پارٹیوں میں سمجھوتہ کرانے میں ناکام رہا۔ اس لئے یہ کانفرنس ختم کی جاتی ہے۔"

مولانا آزاد کی الوداعی تقریر!

لارڈ ویول کے بعد مولانا آزاد نے ایک الوداعی تقریر ارشاد فرمائی:۔

"ہندوستان کی آئینی تعطل کے حل کے لئے وائسرائے کی جدوجہد کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ یہ وائسرائے کی جرأت اور ہمت ہے کہ انہوں نے کانفرنس کی ناکامی کی ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے لیکن حقیقت میں یہ ذمہ داری وائسرائے پر نہیں ہے بلکہ دوسروں پر ہے۔ میں بحیثیت ایک مسلمان یہ برداشت نہیں کروں گا کہ کانگرس ایک ہندو جماعت بن جائے کانگرس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مسلمانوں کی ذمہ داری اور فلاح و بہبود کے لئے ایک حصہ کا مطالبہ کرے۔

وائسرائے نے بار بار کہا ہے کہ مسلم لیگ کا یہ مطالبہ کہ وہ تمام مسلمانوں

کی نمائندگی کرتی ہے، قطعاً قبول نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا یہ بات صاف ہے کہ کانفرنس کی ناکامی کا ذمہ دار کون ہے۔ فرقہ وارانہ مسئلہ دیگر اہم مسائل پر چھایا ہوا ہے۔ اور ہندوستان کی ترقی کے راستہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ بن کے رہ گیا ہے۔

وائسرائے کا موجودہ تذبذب اور متزلزل طرزِ عمل نہ تو صحیح ہے اور نہ معاون ہے تذبذب اور کمزوری کسی حل کا باعث نہیں ہو سکتی۔

میں اب تک کانفرنس کی کامیابی کی اُمید کرتا تھا اور مایوس نہ تھا میں وائسرائے کو یقین دلاتا ہوں کہ کانگرس بدستور اشتراکِ عمل کے اسی جذبہ سے کام کرتی رہے گی جس کا مظاہرہ کانفرنس کے دوران میں کیا گیا ہے۔

کانفرنس کا انجام خواہ کچھ ہو، لارڈ ویول نے پرخلوص جدوجہد کی ہے بے شمار دقتیں اور مشکلات پیدا ہو گئیں۔ لیکن میں وائسرائے سے کہتا ہوں کہ وہ ان مشکلات سے پریشان نہ ہوں۔"

راجہ جی کے ارشادات

راجہ جی نے شدتِ غم اور وفورِ تاثر کے باوجود، اپنے تئیں سنبھالا اور ارشاد فرمایا:۔

"کسی ایک پارٹی کے منفی رویہ کو ویول پلان کے ماتحت بننے والی عارضی حکومت کے قیام میں حارج نہ ہونا چاہیئے تھا۔"

مسٹر جناح کی تقریر

پھر بہت سے مدعوئین نے تقریریں کیں، اور اپنی تقریروں میں مسٹر جناح پر خوب گرجے اور برسے اس کانفرنس کے ایوان میں مسٹر جناح کی حمایت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ گالیاں دینے والے طعنے دینے والے لعن طعن کرنے والے سب تھے بہرحال اس ہجومِ مخالفت

اور یورشِ اعدا میں یہ کوہِ وقار، لیکن دُبلا پتلا نحیف سا انسان کھڑا ہوا اور یوں گرجا:۔

"کانفرنس کی ناکامی کی ذمہ داری سے متعلق جو باتیں کانفرنس کے مدعوئین نے کہی ہیں ان کا جواب دینا قطعی غیر ضروری ہے۔

لیگ اور کانگرس نے متعلقہ مسئلہ کو دو مختلف زاویوں سے دیکھا۔ پاکستان اور متحدہ ہندوستان ایک دوسرے سے بالکل ہی مختلف ہیں۔ مسلمانانِ ہند نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ وہ پاکستان حاصل کریں گے۔

مسلم لیگ عارضی حکومت کی تشکیل کی تجویز پر غور و خوض کرنے پر رضامند تھی بشرطیکہ ایک اعلان کیا جاتا جس میں لاہور ریزولیوشن (تجویزِ پاکستان) کے مطابق مسلمانوں کے حقِ خود ارادیت کی گارنٹی دی جاتی، اور نئی حکومت میں لیگ کو دوسری پارٹیوں کے مقابلہ میں مساوی نمائندگی دی جاتی۔"

ملک خضر حیات خاں کی تقریر

سب سے آخر میں فرزندِ دلبندِ سلطنتِ انگلشیہ ملک خضر حیات خاں ٹوانہ وزیرِ اعظم پنجاب نے فرمایا:۔

"میں یقین رکھتا ہوں کہ کانفرنس کی ناکامی کی ذمہ داری وائسرائے کے سر نہیں، وائسرائے نے چاہا کہ بڑی بڑی پارٹیوں کے درمیان مفاہمت ہو جائے لیکن مفاہمت نہ ہو سکی۔ وائسرائے نے صاف صاف بیان کر دیا ہے کہ مستقبل کے مسائل مثلاً پاکستان پر مجوزہ نظام سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مسٹر جناح کا مطالبہ ہے کہ مسلم لیگ ہی مسلمان ممبروں کو نامزد کر سکتی ہے کسی ایک پارٹی کو یہ اجازت نہ دینی چاہیئے کہ دوسرے سیاسی خیالات رکھنے والے کو قطعاً نظر انداز کر دے۔"

پریس کانفرنس میں مولانا آزاد کا بیان

کانفرنس کے ایوان سے نکل کر مولانا آزاد نے ایک پریس کانفرنس کو شرف باریابی عطا فرمایا۔ اور نطق گوہر بار کو ایک سوال کے سلسلہ میں یوں جنبش دی:۔

"آج کانفرنس جس طریقہ پر ختم کی گئی ہے وہ دنیا کے سامنے ہے اور دُنیا آسانی سے فیصلہ کرسکتی ہے کہ ناکامی کی ذمہ داری کس پر ڈالنی چاہیئے۔

جہاں تک کانگرس کا تعلق ہے ہم نے بار بار اس بات کو واضح کردیا تھا کہ کانگرس حکومت کی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے تیار ہے۔ اگر برطانوی حکومت واقعی معاملات طے کرنا چاہتی تھی تو اسے فرقہ دارانہ اور دوسری مشکلات کا اندازہ پہلے ہی کرلینا اور ان کا علاج کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے تھا۔ اسے کسی خاص جماعت کو ملک کی ترقی روکنے کا حق نہیں دینا چاہیئے تھا۔ جو لوگ آگے بڑھنے کو تیار ہوں انہیں بڑھنے اور جو الگ رہنا چاہیں الگ رہنے دینا چاہیئے۔

مولانا نے جوش بیان میں اسے فراموش کردیا کہ وائسرائے اور وزیر ہند دونوں نے اپنے اپنے بیان میں یہ بات واضح کردی تھی کہ قومی حکومت سیاسی جماعتوں کی باہمی مفاہمت کے بعد ہی بنے گی۔ لہٰذا "مشکلات کا اندازہ" حکومت نے پہلے ہی سے کرلیا تھا۔ البتہ کانگرس نے شملہ کانفرنس کا نام سنتے ہی نعرہ لگایا۔

ہیں اور خط وصل خدا داد بات تھی
جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

اور اسی "اضطراب" میں وہ "مشکلات کا اندازہ" بھی نہ کرپائی، ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ مسلم لیگ کے جائز مطالبہ کو تسلیم نہ کرلیتی اور خواہ مخواہ مسلم کوٹہ میں اپنا حق بھی تسلیم کرانے

کی کوشش کرتی۔

اسی پریس کانفرنس میں ایک اور سوال کے جواب میں مولانا نے فرمایا:۔

موجودہ کیفیت سے دو سوال اٹھتے ہیں:۔

پہلا یہ کہ کانفرنس کی ناکامیابی کی ذمہ داری لیگ کے رویہ پر ہے۔

دوسری چیز جو لیگ کے انکار سے پیدا ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آگے بڑھنے اور نہ بڑھنے کا فیصلہ لارڈ ویول کو کرنا تھا۔ وائسرائے نے سردست آگے نہ بڑھنے کا فیصلہ کرلیا جب تک تیسری جماعت موجود ہے شطرنج کے پیادہ کی طرح مشکلات پیدا کرنے والے موجود رہیں گے اور اسی طرح حرکت کرتے رہیں گے۔ جو لوگ آگے بڑھنے کو تیار ہوں انہیں آگے بڑھنے دینا اور جو لوگ الگ رہنا چاہیں انہیں چھوڑ دینا چاہیئے۔ بغیر عزم وارادہ کے کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ مگر مگو کرنے والے دماغ اور لرزتے ہوئے قدم ہم کو ترقی کی شاہراہ پر کبھی نہ بڑھنے دیں گے۔ ہمیں قدم اٹھانے سے پہلے ہی سوچنا چاہیئے۔ اور جب ایک بار فیصلہ کرلیا جائے تو پھر جھجکنا کوئی خوبی نہیں۔ بلکہ کمزوری کا واضح ثبوت ہے۔ نام نہاد فرقہ وارانہ سوال کوئی نئی بات نہیں ہے۔"

کانفرنس کی ناکامی کا اصل سبب

کانفرنس کی ناکامی کا اصل سبب صرف یہ تھا کہ کانگرس "ڈیسائی لیاقت" معاہدہ سے منحرف ہوگئی چنانچہ ۱۶ر جولائی ۱۹۴۵ء کو ایک بیان دیتے ہوئے مسٹر جمنا پرشاد مہتہ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے فرماتے ہیں:۔

"وائسرائے نے کانفرنس طلب کرنا ڈیسائی لیاقت سمجھوتہ ہی کی بنا پر منظور کیا تھا۔ جس کی بابت اب معلوم ہوا ہے۔ درحقیقت خود مہاتمانے تحریک

کی تھی ان حالات میں کانفرنس کو کامیاب کرنے کے لئے کانگرس کا جوش و جذبہ ایک معلوم و مفہوم کے لحاظ سے قدرتی تھا اور ہر شخص محسوس کر سکتا ہے کہ کانگرس پوری خوشی کے کانفرنس کی پشت پر تھی ناکامی کی وجہ اور بہت سی باتوں کے علاوہ کانگرس ڈیسائی لیاقت سمجھوتہ پر قائم نہ رہنا ہے۔ اس سمجھوتہ کے مطابق ایگزیکٹو کونسل کے تیرہ ممبر ہونے چاہئیں تھے۔ جن میں پانچ مسلم لیگی، پانچ کانگرسی اور تین اقلیتوں کے۔

مسٹر جناح جس نقطۂ نظر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس سے کسی شخص کو بالکل اختلاف ہو سکتا ہے۔ میں اسے مسلمانوں اور ہندوؤں بلکہ درحقیقت ہر ہندوستانی کے لئے خودکشی سمجھتا ہوں۔ مگر کانفرنس میں مسٹر جناح نے وہی واحد رویہ اختیار کیا جو تجویز پاکستان کے بعد سے اختیار کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے خاص اس ناکامی کا بوجھ ان کے کاندھوں پر نہیں ڈالا جا سکتا۔ اگر کانگرس پانچ ممبر مسلم لیگ کو دے دیتی پانچ اپنے رکھتی اور تین اقلیتوں کے تو مسٹر جناح بھی ذرا سی دیر اس بات پر قائم رہتے جو اس سمجھوتہ کے دوسرے فریق تھے۔“

شملہ کانفرنس کے بعد

کانفرنس کی ناکامی کے اعلان کے بعد جب کانگرسی رہنما ایوان سے باہر نکلے تو ان کے چہرے تمتمائے ہوئے تھے، آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے، ماتھے پر بل پڑے ہوئے تھے، سینے آتش فشاں بنے ہوئے تھے، اور زبان بادِ صرصر کی طرح رواں دواں تھی غضبناک لب و لہجہ اور درشت باتیں ـــ یہ تھی وہ متاع جسے یہ ایوان کانفرنس سے لے کر باہر نکلے تھے۔

راجہ جی کا بیان

راجہ جی نے پریس کانفرنس میں ۱۴ ، جولائی ۱۹۴۵ء کو ارشاد فرمایا:۔

”معلوم ہوتا ہے کہ کانفرنس طلب کرنے کی بابت لارڈ ویول کے منصوبوں کو ہم نے غلط سمجھا تھا۔ اگر صرف مسٹر جناح کو راضی کرنا اور اس میں ناکامیابی پر کانفرنس کو منتشر کر دینا ہی مقصود تھا تو ہم پہلے ہی لارڈ ویول سے کہہ دیتے کہ یہ چیز اپنی طاقت کو ضائع کر دینے کے مترادف ہوگی۔

کانگرس نے ویول تجاویز پر عمل کرانے کے لئے پورے اشتراک عمل کا وعدہ

کیا تھا اور اپنے وعدہ کے ثبوت میں مسلمان صدر کانگرس کے علاوہ پنڈت جواہرلال نہرو اور سردار ولبھ بھائی پٹیل کے نام بھی نئی حکومت میں عہدہ قبول کرنے اور لارڈ ویول کے پیش کردہ تینوں مقاصد کے لئے مکمل اشتراک کے لئے دیئے تھے۔ لیکن مسلم لیگ کا حق استرداد نہ صرف تمام آئندہ ترقیوں بلکہ عارضی حکومت تک کو روک سکتا ہے، لیگ کے اشتراکِ عمل پر انکار سے بھی کانگرس عارضی حکومت میں شرکت کرنے اور ذمہ داری قبول کرنے پر تیار ہے جس وقت تک لیگ شرکت کا فیصلہ نہ کرے کانگرس، لیگی مسلمانوں کی جگہ بے پارٹی مسلمانوں کے اشتراکِ عمل سے کام چلانے پر بھی تیار ہے۔ مسٹر جناح کی ضد سے سب واقف تھے۔ ہم سمجھتے تھے کہ لارڈ ویول ایسی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں جس میں مسٹر جناح علیحدہ رہنے کا فیصلہ کریں۔"

قائداعظم کی تصریحات

دوسروں کی بہت کچھ سنی جا چکی ہیں۔ اب ضروری ہے کہ مسٹر جناح کا بیان بھی سامنے رہے، دیکھنا چاہیئے خود ملزم کیا کہتا ہے۔ مسٹر جناح نے ۱۴ر جولائی کو پریس کانفرنس میں فرمایا:۔

"ویول پلان کے بغور مطالعے اور چھان بین کے بعد ہم پر یہ بات کھلی کہ وہ محض دام تزویر تھا۔ ہمارے خلاف ایک جتھا تو وہ تھا جو گاندھی کی ہندو کانگرس پر مشتمل تھا جو متحدہ ہندوستان کی قومی آزادی کا علمبردار ہے۔ دوسرا گروہ لارڈ ویول گلینسی (گورنر پنجاب) اور خضر (وزیر اعظم) کا ہے جن میں سے ایک پر ہندوستان کی جغرافیائی وحدت کا الہام ہوا ہے اور دوسرے دو پنجاب کے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ہم کو ایسے

انتظام میں شامل کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی کہ جس کو اگر ہم منظور کر لیتے جیسا کہ لارڈ ویول چاہتے تھے تو ہم اپنی موت کے فرمان پر دستخط کر دیتے۔

ویول کی تجویزوں میں ہماری شرطوں کی نفی کر دی گئی تھی اور ہم سے سخت ترین قربانیاں کرنے کو کہا جا رہا تھا۔ ہر سمجھ دار آدمی اس کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر ہم ان تجویزوں کو قبول کر لیں تو پاکستان کا مسئلہ پس پشت چلا جائے گا۔

برخلاف اس کے اس انتظام کے ماتحت کانگرس کو وہ سب کچھ مل جاتا جو وہ چاہتی ہے۔ یعنی ان کے لئے ہندو قومی آزادی کے حصول کا راستہ کھل جاتا۔ کیونکہ آئندہ حکومت متحدہ ہندوستانی حکومت کے طور پر کام کرتی۔ اور یہ عارضی اور وقتی انتظام ایک غیر معینہ عرصہ تک قائم رہتا۔ اور حکومت کی تمام طاقتیں حکومت برطانیہ اور لارڈ ویول سے مل کر جو متحدہ ہندوستان کے بڑے خواہش مند ہیں ہمیں عضوِ معطل بنا دیتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مجوزہ حکومت میں ہم کو ۱/۳ کی اقلیت کی صورت میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ تمام دوسری اقلیتیں مثلاً سکھ، اچھوت اور عیسائی وہی نصب العین رکھتے ہیں جو کانگرس کا ہے۔ اقلیتوں کی طرح ان کو شکایات ہیں مگر ان کا تصور متحدہ ہندوستان ہے اور وہی رہے گا، مذہب اور تمدن کے لحاظ سے وہ ہندو معاشرت میں گندھے ہوئے ہیں۔

میں اس کے خلاف نہیں ہوں کہ تمام اقلیتوں سے پورا پورا انصاف کیا جائے اور ان کا پورا پورا تحفظ کیا جائے چاہے وہ کہیں بھی ہوں مگر عمل اور کارروائی کے وقت ان کی رائے لازماً ہمارے خلاف ہوگی اور ہمارے لئے والسرائے کے ویٹو کے علاوہ تحفظ کا کوئی طریقہ نہیں ہے، اگر ہر دستوری تجربہ رکھنے والا جانتا ہے کہ اس حق کو مقررہ پالیسی اور اصولوں کے مطابق حکومت اور ایوان قانون ساز کے اندر اکثریت کے فیصلے

کے خلاف استعمال نہیں کیا جاتا ہے۔

اس پر بھی قیامت یہ ہوئی کہ ہم کو فرقہ وارانہ طور پر جو ویول پلان کی روح ہے مسلمانوں کے لئے جو نشستیں دی گئی تھیں ان کے متعلق ہم سے کہا گیا کہ تمام مسلم نشستوں کے لئے اپنے آدمی نامزد کرنا صرف مسلم لیگ ہی کا حق نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں دو دعویدار تھے ایک کانگرس جو دو نشستوں کا مطالبہ کر رہی تھی اور دوسرے گلینسی و خضر پنجاب کی طرف سے ایک نشست مانگ رہے تھے ان دونوں کا یہ مطالبہ مسلم لیگ کی جڑ پر کلہاڑا چلانا تھا اور اس کی پوزیشن نوعیت اور مرتبہ کو ختم کئے دے رہا تھا۔ لیکن آخر کار ہم کو اس وقت بالکل بے تعلق ہو جانا پڑا جب لارڈ ویول نے اس بات پر زور دیا کہ پنجاب کے مسلمانوں کے نمائندے کے طور پر ہمیں خضر حیات کے ایک آدمی کو ضرور لینا پڑے گا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ کوئی اندھا ہی یہ بات کہہ سکتا ہے کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی ذمہ دار نمائندہ جماعت نہیں ہے اگر ہم نے اس حیثیت کو قبول کر لیا ہوتا جو لارڈ ویول ہمیں عنایت فرما رہے تھے تو ہم اس کانفرنس پر سب کچھ قربان کر دیتے اور ہم اپنی قوم سے غداری کے مرتکب ہوتے، ہم اپنے تمام اصولوں کو ملیا میٹ کر کے دوسروں کے قدموں پر گر پڑتے اور مسلم لیگ کو اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتار دیتے۔"

نواب زادہ کا بیان

۱۵ جولائی ۱۹۴۵ء کو مجلس عاملہ مسلم لیگ نے ایک تجویز منظور کی جس میں حکومت سے نئے انتخابات کا مطالبہ کیا تا کہ وہ دنیا پر ثابت کر سکے کہ مسلم ہندوستان کی واحد نمائندہ صرف وہ ہے۔

مسلمانان شملہ کے ایک جلسہ میں نواب زادہ لیاقت علی خاں نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

"یہ بڑے شرم کی بات تھی کہ کانگرس ہندوستان خالی کر دو کی تجویز کو پس پشت ڈال کر لارڈ ویول کے قدموں پر آ گری۔ کانگرس کا یہ مطالبہ کہ وہ قومی ادارہ ہے صرف عوام کی نظروں میں دھول جھونکنے کے لئے تھا ورنہ کانگرس صرف ایک ہندو ادارہ ہے۔"

جواب باصواب

جواہر لال نے ایک بیان میں کہا تھا "شملہ کانفرنس اس وجہ سے ناکام ہوئی کہ اس تہذیب جدید اور دقیانوسیت کے درمیان ٹکر ہو رہی تھی" اس کا جواب دیتے ہوئے مدراس کے سابق کانگرسی وزیر مسٹر داما ناتھن نے فرمایا:-

"کیا پنڈت جواہر لال نہرو اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ کانگرس تجدید پسند جماعت ہے کیا مہاتما گاندھی تجدید پسند ہیں۔ کیا چرخہ تجدد کی نشانی ہے کیا کانگرس کے وہ لیڈر جن کے نام کے آگے مولانا اور پنڈت لگا ہوا ہے۔ تجدد کے علمبردار ہیں کیا کانگرس کا نام نہاد قومی ترانہ جس میں کالی مائی سے مدد مانگی گئی ہے تجدد کی نشانی ہے کیا کانگرس ان چیزوں کو اختیار کر کے یہ ثابت نہیں کر رہی کہ کانگرس صرف قرون وسطیٰ ہی کی طرف نہیں لے جا رہی ہے بلکہ ہندوستان کو اس زمانہ کی طرف لے جانا چاہتی ہے جب کہ آدمی جنگلوں میں ننگا پھرا کرتا تھا اور کچا گوشت کھایا کرتا تھا۔ مہاتما گاندھی خود دور ناشرم کے علمبردار ہیں جس کی بنیاد ذاتوں پر ہے پھر کوئی کانگرسی مسٹر جناح پر یہ الزام کیسے عائد کر سکتا ہے کہ وہ مذہب

کو سیاست میں داخل کر رہے ہیں۔ وہ مذہب کا مقابلہ مذہب سے کر رہے ہیں۔"

مولانا آزاد کے نئے ارشادات

۳۰ جولائی ۱۹۴۵ء کو کلکتہ سے ایک بیان دیتے ہوئے مولانا آزاد نے فرمایا:۔

"اگر لارڈ ویول اپنے طرزِ عمل پر قائم رہتے تو زبردست امکان تھا کہ مسلم لیگ بھی اسے منظور کر لیتی۔"

گویا مسلم لیگ بھی کانگرس تھی جس کا نہ کوئی اصول ہے نہ مسلک!

اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہل دہر کا!

پھر یاس و حسرت کے ساتھ مولانا نے فرمایا:۔

"اور اگر مسلم لیگ اشتراک نہ بھی کرتی تب بھی مرکز میں ایک نمائندہ اور ہر دلعزیز حکومت قائم ہو سکتی تھی اور کامیابی سے اسے چلایا جا سکتا تھا۔"

ڈاکٹر پٹابھی ستیا رامیہ کا انکشاف

ڈاکٹر پٹابھی ستیا رامیہ کا انکشاف اپنی بلند پرداززی کے لحاظ سے سب سے الگ ہے۔ انہوں نے مچھلی پٹم سے ۲۶ جولائی ۱۹۴۵ء کو ایک بیان دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"لارڈ ویول نے صدر کانگرس سے کہا تھا کہ کسی بھی ایک جماعت یا لیڈر کو اس بات کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ کانفرنس کو ناکام بنا دے۔

لارڈ ویول نے مسٹر جناح کو اس بات کی اجازت دی کہ ان کی ضد کی وجہ سے کانفرنس کے کام میں کھنڈت پڑ جائے۔ اگر مشترکہ فہرست پیش ہوتی تو اچھا ہی تھا ... ن الگ الگ فہرستوں سے بھی کام چل سکتا تھا مگر

کانفرنس اس وجہ سے ناکام رہی کہ عین موقع پر ولایت سے یہ پیغام آیا کہ مسٹر جناح کو ناراض کر کے اپنا مخالف نہ بنایا جائے۔"

اس بیان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کانگرس کا بڑے سے بڑا آدمی بھی، اگر ضرورت اور مصلحت وقت کا تقاضا ہو تو بے تکلفی کے ساتھ جھوٹ بول سکتا ہے۔

مزید رجعت

جگت نرائن نے ۲۹ اگست ۱۹۴۵ء کو آرہ سے ایک اشتعال انگیز بیان شائع کیا، کانگرس کے اس چہیتے کارکن نے، کانگرس کے طے شدہ اصول ہندو مسلم مساوات کو ٹھکرا دیا فرمایا:۔

"پاکستان کے مسئلہ کی ادھیڑ بن میں پڑے رہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا کیونکہ پاکستان نہ کبھی قابلِ قبول ہو گا اور نہ موجودہ دنیا کی حالت کے پیش نظر اس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔

وزارت کو ہندوستان کا مسئلہ طے کرنے کے لئے کوئی فیصلہ لازمی کر لینا چاہیئے۔ لیگ کی رکاوٹ کو عبور کرنا ہو گا اور اس کے صدر کی انتہا پسندی کو مناسب اور منصفانہ حل کے لئے مزید رکاوٹ نہیں بننے دینا چاہیئے۔

مساوات کے اصول نے جسے اگرچہ کانگرس نے شملہ میں عارضی سمجھوتہ کے لئے عارضی طور پر ہی مانا تھا ہندو فرقہ اور لپست اقوام کو بالکل جائز طور پر پریشان کر دیا ہے یہ نمائندگی کے تمام جمہوری اصولوں کے خلاف ہے اور اسے کبھی قبول نہیں کیا جا سکتا۔"

بھولا بھائی ڈیسائی کو سزا

۱۲ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو احمد آباد (مسٹر پٹیل کے پایہ تخت) سے ایک اطلاع السوشی

اسٹیڈ پریس کے نمائندہ نے بھیجی :-

"معلوم ہوا ہے کہ کانگرس پارلیمنٹری بورڈ نے بمبئی کے مقامی ڈویژن کی ہندو نشست کے لئے آنریبل مسٹر جی وی موالنکر کو مرکزی اسمبلی کا امیدوار نامزد کیا ہے۔ اس حلقہ سے مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی مرکزی اسمبلی میں جایا کرتے تھے، کہا جاتا ہے کہ کانگرس پارلیمنٹری بورڈ نے مسٹر بھولا بھائی کو اس قصور کی سزا دینی چاہی ہے کہ انہوں نے نواب زادہ لیاقت علی خاں سے مساوی فارمولا کی بنیاد پر مصالحت کیوں کر لی تھی؟"

مسٹر جناح کا جواب

مسٹر جناح نے سب وشتم کا لعن طعن کا شرمناک اور سر تا سر دروغ الزامات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ حکومت سے صرف یہ مطالبہ کرتے رہے کہ نئے انتخابات کرائے جائیں اور مسلمانوں سے یہ کہتے رہے کہ وہ مسلم لیگ کو ووٹ دیں۔ یہی اصولی طرز عمل تھا۔

۱۰ر اگست ۱۹۴۵ء کو قیصر باغ (بمبئی) میں ایک عظیم الشان اجتماع مسلمانان بمبئی کا ہوا۔ اس میں مسلم مرچنٹس ایسوسی ایشن کی طرف سے ایک لاکھ روپیہ کی رقم "انتخابی فنڈ" کے سلسلہ میں قائد اعظم کو پیش کی گئی اس موقعہ پر قائد اعظم نے ایک طویل تقریر فرمائی جس کے اہم ترین حصے ذیل میں درج ہیں :-

"آج مجھے صرف ایک فکر ہے، الکشن اسی مقصد کے لئے میں نے چندہ کی اپیل کی ہے۔ آج صرف ایک انجمن کی کوشش سے ایک لاکھ کی رقم جمع ہو گئی ہے۔ ایک انجمن اور چند دن کے اندر ایک لاکھ جیسی رقم اس کا مطلب کیا ہے؟ صرف یہی کہ مسلمان اب حقیقت کو سمجھ چکا ہے۔ ہندوستان کے ہر حصہ سے غریب مسلمان مجھے منی آرڈر اور پوسٹل آرڈر سے روپیہ بھیج

رہے ہیں۔ یہ کیا ہے؟ صرف اتنا کہ اس ملک کا ہر مسلمان بچہ اور عورت بھی یہی سمجھ چکا ہے کہ ہم کس چیز کے لئے لڑ رہے ہیں؟ پاکستان کے لئے وہ جان چکے ہیں کہ یہ ان کی موت اور زندگی کا سوال ہے۔

اگر اس وقت ہم کانگرس یا حکومت کے کسی جال میں پھنس گئے تو اس براعظم صغیر سے مسلمان اور اسلام کا نام ونشان مٹ جائے گا۔

مسٹر گاندھی ہندوؤں کے مسلمہ قائد ہیں اور میں مسلمانوں کا مسلمہ رہنما۔ اس ملک کے اندر بعض دوسری جماعتیں بھی ہیں۔ پست اقوام، سکھ، عیسائی اور پارسی بھائی۔ لیکن یہ صرف ہندوستان کے اندر اپنے لئے تحفظات چاہتے ہیں۔ اس لئے لڑائی صرف ہندوؤں اور مسلمانوں میں ہے۔

ہندوؤں سے اپیل

ہم ہندو بھائیوں سے کیا کہتے ہیں؟ صرف اتنا کہ آپ آزاد ہوئیے اور آپ کا جو حصہ ہے اس پر حکومت کیجئے، خدا آپ کو آزادی مبارک کرے ہم بھی مبارکباد عرض کرتے ہیں۔ لیکن جن علاقوں میں ہماری اکثریت ہے اور جو ہمارا وطن ہے ہمیں بھی آزاد ہونے دیجئے۔

پنتھ سے گفتگو کا افسوسناک رُخ

میں نے شملہ میں خود پیش قدمی کی مسٹر پنتھ سے بات چیت کی لیکن میں تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ان کے پاس لیگ کے لئے گندے ذلیل الزامات کے علاوہ کچھ نہ تھا، وہ وائسرائے کے سامنے ناک کٹوا سکتے ہیں مگر مسلمانوں سے سمجھوتہ نہیں کر سکتے۔

وہ ویول سے خفا ہیں کہ اس نے جناح کو "ویٹو" (حق استرداد) کا حق کیوں دیا۔ شاید یہ لوگ ویٹو کے معنی بھی نہیں جانتے دستور تو بنا نہیں ویٹو کہاں سے آگیا۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ملک کی ترقی کے لئے ان کا طرزِ عمل ویٹو ہے۔

شملہ کانفرنس ختم کردی گئی ہے۔ یہ اچھا ہی ہوا کیونکہ مسٹر گاندھی کی جدّوجہد کامیاب ہو جاتی تو میں آپ سے روپیہ نہیں کوئی اور چیز طلب کرتا۔ تالیاں مسلسل نعرے) انہوں نے وہاں نہایت گندی سیاست کھیلی۔ تمام مردہ پارٹیاں زندہ کرنے کی جدّوجہد کی۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ جو روپیہ لیگ فنڈ میں دیں گے اس کا غلط صرف نہیں ہوگا سب حساب رکھا جا رہا ہے اور اسے دیکھا بھی جا سکتا ہے، مجھے روزانہ تین چار سو منی آرڈر اور پوسٹ آرڈر ملتے رہتے ہیں غریب مسلمان آٹھ آٹھ آنے تک بھیج رہے ہیں۔

میری اپیل یہی ہے کہ اس انتخاب کو جو ہماری قسمت کا فیصلہ ہو سکتا ہے سارے ہندوستان میں لڑو۔"

لارڈ ویول کا اعلان

آخر ۱۹ دسمبر ۱۹۴۵ء کو نئی مزدور وزارت سے لندن جا کر صلاح و مشورہ کرنے کے بعد لارڈ ویول نے اعلان کیا کہ مرکزی اور صوبائی مجالس آئین ساز کے انتخابات جلد از جلد ہوں گے۔ پھر مجلس دستور ساز بنے گی پھر ہندوستان کو آزادی عطا کر دی جائے گی۔

کانگریس

بہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

شملہ کانفرنس کے بعد کانگرسی رہنما بہت جلد بے نقاب ہو گئے یا تو ہندوستان خالی کر دو کا نعرہ تھا، یا تخریب کے چھوڑ دینے اور تعمیر کے اختیار کر لینے پر فخر تھا۔ یا ترکِ تعاون پہ ناز تھا، یا تعاون کے لئے بے قراریاں اور اشکباریاں تھیں یا عارضی قومی حکومت قبول کرنے کے لئے سخت شرائط تھے یا صرف ایک شرط رہ گئی کہ مسلم لیگ کو نظر انداز کر کے حکومت ہمیں دے دو تو ہم ہر طرح سے تیار ہیں ؎

میرے تغیّرِ رنگ پہ مت جا
انقلابات ہیں زمانہ کے

راجہ جی کا ویول کو مشورہ

۲۵ جولائی ۱۹۴۵ء کو ایک عام جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے راجہ جی نے فرمایا:۔

" وائسرائے نے شملہ کانفرنس کی ناکامی کا اعلان کیا ہے مگر یہ نہیں کہا ہے کہ ویول پلان بھی ناکام رہ گیا۔ وائسرائے مسلم لیگ کو مطمئن کرنے کی کوشش

کارنامہ ہے۔ (بمبئی کرانیکل ۵ جولائی)

پنڈت جواہر لال نہرو نے لاہور میں کہا کہ معقول حالات نہ ہونے کی وجہ سے کانگرس صوبوں میں وزارت نہیں بنائے گی۔ مولانا آزاد نے یہ فرمایا ہے کہ اس وقت تک وزارتیں قبول کرنا مشکل ہو گا جب تک مرکز میں عوامی حکومت نہ بن جائے۔

لیکن مولانا آزاد ہی کی رہبری میں مسٹر بردولائی نے آسام میں سر سعد اللہ کی وزارت کو عدم اعتماد کا نوٹس دے دیا ہے اور کیرن شنکر رائے صاحب نے بنگال کے گورنر سے ملاقات کی ہے تاکہ وزارت بنانے کے امکانات پر غور کیا جائے۔

اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہو گا کہ کانگرسی لیڈر یہ پالیسی اختیار کر رہے ہیں کہ جن صوبوں میں کانگرس کی اکثریت ہے وہاں وزارتیں نہ بنائی جائیں تاکہ مرکز میں حکومت بنانے کے لئے برطانیہ پر دباؤ ڈالا جا سکے لیکن مسلمانوں کی اکثریت کے صوبوں میں وزارتیں بنا کر لیگ کو کچل دیا جائے۔

مزدور حکومت کی خوشامدیں

برطانیہ میں اب مسٹر چرچل کی وزارت کو شکست ہو چکی تھی اور مزدور وزارت برسر اقتدار ہو چکی تھی اس انقلاب نے کانگرس کے حلقہ میں مسرت و انبساط کی ایک لہر پیدا کر دی۔ صدر کانگرس مولانا آزاد تک نے مسٹر اٹیلی کو مبارکباد دی۔

۱۰ اگست ۱۹۴۵ء کو قائد اعظم نے ایک بیان بمبئی سے شائع کیا۔

"مزدور حکومت کو کانگرسی لیڈروں کی اس خوشامد سے جو اس وقت ظاہر ہو رہی ہے، غلط فہمی میں نہیں ہونا چاہیے۔

کوشش کر چکے ہیں لیکن کیا اب ان کا فرض نہیں ہے کہ وہ مسلم لیگ کو نظر انداز کر کے موجودہ حکومت سے زیادہ نمایندہ حکومت بنانے کی کوشش کریں۔"

پورن چند جوشی کی تصریحات

ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سیکرٹری مسٹر پورن چند جوشی کا ایک بڑا اہم بیان پارٹی کے آرگن "قومی جنگ" میں شائع ہوا۔ وہ فرماتے ہیں:-

"اگر مولانا جیسا جید عالم دین اور ہندوستان کی سب سے بڑی جماعت کانگرس کا صدر بھی اتحاد کے لئے کوشش کرنا اپنا فرض نہ سمجھتا ہو تو اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ملک کے حالات کتنے خراب ہو گئے ہیں۔

کانگرس ورکنگ کمیٹی کے جنرل سیکرٹری اچاریہ کرپلانی نے ذرا اور بھی صاف گوئی سے کام لیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ لیگ کو کانفرنس میں ویٹو کا اختیار ہو گا تو ہم وہاں ہرگز نہ جاتے کیونکہ ہمیں لیگ کی طرف سے کبھی بھی کوئی حسن ظن نہیں تھا۔"

کیا اس بیان کے بعد یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ کانگرس والے لیگ سے سمجھوتہ کرنا چاہتے ہیں۔ شنکر راؤ دیو (مہاراشٹر) کا خیال ہے کہ لارڈ ویول کو کانگرس اور لیگ میں سے کسی ایک کو انتخاب کرنے کا فیصلہ کر لینا چاہیے۔"

"اڑیسہ کے کانگرسی لیڈر ہری کشن مہتاب صاحب فرماتے ہیں کہ "لارڈ ویول نے قیادت قبول کرنے کے بعد اپنا فرض ادا نہیں کیا۔"

لیکن ڈاکٹر پٹابھی سیتا رامیہ سب سے زیادہ صاف گو ثابت ہوئے ان کا کہنا ہے کہ وائسرائے نے کانگرس لیگ مساوات کی رجعت پرست تجویز کو بدل کر ہندو مسلم مساوات کی شکل دینے کی ہمت کی۔ یہ ان کا قابل تعریف

...ک بہتان کی تردید

تقریباً تمام کانگرسی اخبارات نے ایک خبر شائع کی شملہ کانفرنس کے اختتام کے
...ایک سکھ ڈرائیور کی ٹیکسی میں از راہِ تعصب مسٹر جناح نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔
...دار بلدیو سنگھ وزیر پنجاب نے کانگرسی اخبارات میں یہ بیان پڑھ کر ایک سخت
...یان مسٹر جناح کے خلاف شائع کیا۔ ۲۳ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کو مسٹر جناح نے کراچی سے
...ں بہتان کی تردید کی اور فرمایا "میں نے سکھ ڈرائیور کی ٹیکسی میں سفر کیا تھا اور میرا سفر
...خوشگوار رہا تھا۔ اور میں تو سکھ قوم کا ہمیشہ مداح و معترف رہا ہوں"۔

...ک اسلامی کمیٹی

۲۶ر دسمبر ۱۹۴۵ء کے صدق میں مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی نے ایک شذرہ
...رہ فرمایا:-

"لکھنؤ سٹی کانگرس کمیٹی نے آئندہ انتخابات کے سلسلہ میں ایک سب کمیٹی
مسلم رابطۂ عوام کی غرض سے بنائی ہے۔ ممبران کے نام حسب ذیل ہیں:
مسٹر انصار ہروانی، مسٹر محمد اسلم، مسٹر عبدالرشید، مسٹر بریشاد سکسینہ،
مسٹر دیاکرشن گنجور، مسٹر بالمکند باجپئی، مسٹر راج نرائن کھنہ اور مسز اوما نہرو
بہت خوب! کمیٹی "مسلم" اغراض کے لئے اور کمیٹی کے ممبران میں سے
۵ غیر مسلم گویا مسلمان، خاص مسلم کاموں کے لئے بھی اب کانگرس کو تلاش
کئے نہیں ملتے ؎

تیری نگاہِ شرم سے کیا کچھ عیاں نہیں!

"مجھے امید ہے کہ لارڈ ویول اور صدر کانگرس اس خط و کتابت کی اشاعت کے لئے دے دیں گے جو شملہ کانفرنس کے وقت ان کے درمیان ہوئی تھی یہ ضروری ہے کہ پبلک اس سے آگاہ ہو جائے کہ والئسرائے اور صدر کانگرس کے درمیان کیا باتیں ہوئیں۔ میں مراسلت کی اشاعت کا انتظار کر رہا ہوں جب تک وہ شائع نہ ہو جائے کہ والئسرائے اور صدر کانگرس کے درمیان کیا باتیں ہوئیں۔ میں مراسلت کی اشاعت کا انتظار کر رہا ہوں جب تک وہ شائع نہ ہو جائے یہ بات واضح ہے کہ اسے دبایا اور ثبوت کو پبلک کے سامنے لانے سے احتراز کیا جا رہا ہے"۔

اس بیان کے جواب میں مولانا آزاد نے ایک بیان شائع کیا اور فرمایا کہ وائ...
ی رائے میں خط و کتابت کی اشاعت مناسب نہیں ہے۔ ۹ر اگست ۱۹۴۵ء کو مس...
جناح نے پھر ایک بیان شائع فرمایا:-

"یقیناً صدر کانگرس اپنی رائے اور فیصلہ کو دوسرے کی مرضی کا پابند کر کے بچ نہیں سکتے۔ اور لارڈ ویول جو کچھ اس مراسلت کی بابت کہہ رہے ہوں اس کی پناہ حاصل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ انہوں نے کانفرنس کی ناکامیابی کے فوراً بعد شملہ ہی میں بار بار یہ کہا تھا کہ وہ خط و کتابت شائع کرنے والے ہیں، آخر اب وہ والئسرائے کی خواہش کی متابعت کر کے کس طرح عوام کے سامنے سچی بات نہ رکھنے کی غلامانہ حیثیت قبول کر سکتے ہیں"۔

لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات، آج تک وہ مراسلت مولانا نے شائ...

پُرفریب سیاست

انڈین نیشنل آرمی کے مسٹر شاہ نواز سے لال قلعہ کے بندی خانہ میں پنڈت جواہر لال ملے اور انہیں کانگرس کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کی امیدواری کے لئے رضامند کر لیا۔ مرکزی کانگرس کے پارلیمنٹری بورڈ نے بھی اس کی تصدیق کر دی۔

مسلم لیگ اس فریب کو سمجھتی تھی، لہٰذا اس نے مقابلہ میں اپنا امیدوار کھڑا کرنے کا اعلان قائم رکھا۔ شاہ نواز کے عزیزوں نے پنجاب کانگرس کو مجبور کیا کہ شاہ نواز کا نام واپس لے لیا جائے چنانچہ ۱۳ دسمبر ۱۹۴۵ء کو عین وقت پر کانگرس نے اپنے نئے امیدوار شاہ نواز کا نام واپس لے لیا۔

فریب کے مقابلہ میں شرافت

اس کے برعکس مسلم لیگ نے ہمیشہ فریب پر شرافت کو ترجیح دی ۲۶ دسمبر ۱۹۴۵ء کی دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ میں مولانا حسین احمد کا مسئلہ پیش ہوا، مشہور کانگرسی اخبار مدینہ لکھتا ہے:

"آج دار العلوم کی مجلس شوریٰ نے مولانا حسین احمد کی علمی و مذہبی خدمات کا اعتراف کیا اور حضرت اقدس کی ذاتِ گرامی پر مکمل اعتماد کا اظہار فرمایا۔ یہ امر وجہ اطمینان ہے کہ تمام ارکان نے جن میں مسلم لیگ کے ممبران بھی ہیں اس بیان سے اتفاق کیا۔"

مولانا حسین احمد کی علمی، مذہبی خدمات کا اعتراف کرنے والے وہ مسلم لیگی ہیں جن کے قائد اعظم کی مسلمہ اور مرحومہ بیوی پر مولانا کے موصوف اور واضح اور غیر مشکوک تردید کے بعد بھی "کفر" کا فتوے صادر فرما رہے ہیں "کافر لیڈر کے" "کافر پیروؤں" کا "لایجرمنکم شنان قوم" ان لاتعدلوا، اعدلوا ہو اقرب للتقویٰ" پر عمل ہے اور حضرت مولانا "اپنے پندارِ مسلم میں" "ان بعض الظن اثم" کو فراموش کئے ہوئے ہیں۔

گاندھی جی

ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

○

بڑے نیک طینت بڑے صاحب باطن
ریاض آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

یہ مرقع نامکمل رہے گا اگر گاندھی جی کی ایک صحیح و مستند تصویر بھی اس میں شامل نہ کر دی جائے بغیر اس کے اندازہ نہیں ہو سکتا کہ مسٹر جناح کا پالا کیسے کیسے لوگوں اور کیسی کیسی جماعتوں سے پڑا؟

گاندھی جی کی مہاسبھائیت

حقیقت یہ ہے کہ گاندھی جی شروع ہی سے اگرچہ اپنے تئیں بین الاقوامی حیثیت سے پیش کرتے رہے ہیں لیکن حقیقتاً وہ پکے ہندو ہی دور میں رہے ہیں۔ تحریک خلافت اور ترکِ تعاون کے دور میں بھی وہ رام راج کے خواب دیکھتے رہتے تھے۔

بعض اوقات میں پریشان ہو جاتا تھا کہ سیاست میں مذہب کو اتنا دخل

کیوں ہے؟ مولوی مولانا اور سوامی اپنی تقریروں میں جو کچھ کہتے تھے اُسے سُن کر مجھے سخت صدمہ ہوتا تھا، مجھے ان کی تاریخ عمرانیات اور اقتصادیات سب غلط معلوم ہوتی تھیں، ہر چیز کو مذہبی رنگ دے دینے سے روشن خیالی کا خاتمہ ہو گیا تھا، گاندھی جی اس زرّین زمانہ کو جو لوٹ آنے والا تھا رام راج کے نام سے تعبیر کیا کرتے تھے"۔

(میری کہانی حصّہ اوّل صفحہ ۱۲۹)

اس منہ بولتی تصویر پر غالباً کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔

فسادِ کوہاٹ

۱۹۲۴ء میں ایک خونریز فساد ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین ہوا، بنائے فساد یہ تھی کہ ہندوؤں پر مسلمانوں کو اعتراض تھا کہ انہوں نے ایک جلوس نکالا اور رسالت مآب کی شان میں گستاخی کی، کانگرس نے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی، جس کے ایک رکن گاندھی جی اور دوسرے مولانا شوکت علی مرحوم تھے۔ حکومت نے ان دونوں کا داخلہ کوہاٹ میں ممنوع قرار دیا۔ گاندھی جی نے مسلمانوں کی شہادت نہیں لی۔ چند ہندوؤں کا یکطرفہ بیان سُن کر فیصلہ صادر کر دیا کہ "ہندو بزدل ہیں، اور مسلمان دنگئی" یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "زیادتی مسلمانوں کی تھی"۔ اس یک طرفہ فیصلے سے مولانا شوکت علی کو علی الاعلان پبلک طور پر اختلاف کرنا پڑا۔ حالانکہ اس وقت تک وہ بڑے پکے کانگرسی تھے اور گاندھی جی کو باپو کہا کرتے تھے۔

سیدّ حسین اور وجے لکشمی

تحریکِ خلافت کے ہنگامہ آفرین زمانہ میں مسٹر سید حسین ایڈیٹر انڈی پنڈنٹ

(الہ آباد) اور موتی لال نہرو کی صاحبزادی وجے لکشمی میں معاشقہ ہوا۔ موصوفہ مولانا فاخر الہ آبادی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئیں اور سید حسین سے ان کا باقاعدہ نکاح ہو گیا۔ موتی لال اور جواہر لال تو شاید اسے گوارا بھی کر لیتے لیکن گاندھی جی جیسے قومیت متحدہ کے علمبردار کے لئے یہ حادثہ جانکاہ ثابت ہوا، انہوں نے علی برادران کو دھمکی دی کہ اس طرح اتحاد تباہ ہو جائے گا اور اس وقت چین لیا جب ان دونوں میں افتراق ہو گیا۔ اور موصوفہ پھر سے مشرف بہ ہندومت ہو کر گاندھی جی کے آشرم میں روحانی تربیت حاصل کرنے لگیں اور پھر مسٹر آر ایس کے پنڈت آنجہانی کے حبالۂ عقد میں دے دی گئیں، اور مسٹر سید حسین کو ترکِ وطن کر کے امریکہ کا رختِ سفر باندھنا پڑا۔

یہ بات ایک ہندو سے تو بعید نہیں تھی، لیکن قومیتِ متحدہ کے ایک علمبردار سے ضرور بعید تھی۔

اسی طرح علامہ اقبال کی تلقین و تبلیغ سے جب مسٹر کنھیا لال گابا، بیرسٹر ایٹ لاء (جو اب مسٹر خالد لطیف گابا کے نام سے مشہور ہیں) مشرف بہ اسلام ہوئے تو گاندھی جی خاص طور پر لاہور پہنچے اور انہیں تلقین کی کہ وہ پھر ہندو مذہب قبول کر لیں۔

کیا یہ کارنامہ کوئی "قومیت متحدہ کا علمبردار" انجام دے سکتا تھا؟

پھر خود گاندھی جی کے صاحبزادے مسٹر ہیرا لال گاندھی نے جب اسلام قبول کیا تو گاندھی جی میں تابِ ضبط نہ رہی اور ان کے خلاف ایسے بیانات ان کی شراب خوری اور بدچلنی کے شائع کئے کہ دنیا کی آنکھیں کھل گئیں، اور سب نے اس پر اظہارِ حیرت کیا کہ یہ انکشافات اس سے قبل کیوں نہیں کئے گئے تھے؟

ریحانہ طیب جی کو مبارکباد

۱۹۳۶ء میں عباس طیب جی کی بیٹی مس ریحانہ طیب جی نے برنن میں شنکر لال بینکر

کے بھتیجے سے شادی کرلی۔ اب قومیت متحدہ کے علمبردار کو یارائے ضبط نہ رہا۔ فوراً اپنے آشرم سے مبارکباد اور دعائے عمر و صحت کا ایک بحری تار اس مہاتما نے ارسال کیا گویا ہندو عورت اگر مسلمان مرد سے شادی کرلے تو گشتنی و گردن زدنی اور مسلمان عورت اگر ہندو مرد سے بیاہ رچالے تو مستحق تبریک و تحسین، یہ وہ خالص مہاتمائی فلسفہ ہے جس کے نمونے صرف سیواگرام آشرم ہی میں مل سکتے ہیں۔

تاج محل گاندھی کی نظر میں

شاہجہان اعظم اور ممتاز محل کی محبت کا لاثانی شاہکار تاج محل جو دیکھتا ہے عظمت اور عقیدت کی نظر سے دیکھتا ہے لیکن

"گاندھی جی تاج محل کو مزدوروں کے بیگار کی یادگار سمجھتے ہیں۔"

(میری کہانی حصہ اول صفحہ ۲۴۲)

گاندھی جی کا مرن برت

گاندھی جی گول میز کانفرنس کی شرکت کے بعد لندن سے واپس آنے کے چند روز بعد ۴ جنوری ۱۹۳۲ء کو گرفتار کرکے یرودہ جیل میں نظر بند کر دیے گئے۔

گاندھی جی کو سن گن ملی کہ حکومت اچھوتوں کے لئے بھی جداگانہ حق نیابت منظور کر رہی ہے گاندھی جی نے سر سیموئیل ہور وزیر ہند کو احتجاجی خط لکھا، پھر جب اگست ۱۹۳۲ء میں کمیونل اوارڈ شائع ہوا۔ اور یہ افواہ حقیقت کی شکل میں نظر کے سامنے آئی۔ تو گاندھی جی نے مرن برت رکھ لیا! اور کیونکہ وہ ہندو اور قوم میں "تفریق" گوارا نہیں کرسکتے تھے لیکن مسلمان قوم میں تفریق بڑی خوشی سے گوارا کرسکتے ہیں" فروری ۱۹۴۶ء کے آخر میں ولبھ بھائی پٹیل گاندھی جی کے دست راست نے اعلان کیا کہ شیعوں کو جداگانہ حق نیابت کانگریس دلوائے

گی۔ گاندھی نے بڑی خوشی سے یہ اعلان سنا اور مسکرا کر تائید میں گردن ہلا دی۔

مشہور ترکی ادیبہ خالدہ ادیب خانم "اندرون ہند" میں لکھا ہے:-

"ہندو پیچ میں سب سے بڑی پچڑ اچھوت پن کی ٹھکی ہوئی ہے۔ چار کروڑ نفوس ہندومت کے دائرے سے باہر ہیں، ہندو ڈرتے ہیں کہ یہ آسانی سے مسلمان نہ بنائے جائیں۔ کیونکہ اسلام میں کوئی ذات پات کی تفریق نہیں ہے مزید برآں برطانی حکومت سے ان اچھوتوں نے فائدہ اٹھایا ہے انہیں قانونی مساوات حاصل ہوگئی ہے اور ان کا تعلیمی معیار بلند ہو رہا ہے لہذا ممکن ہے کہ یہ اسباب انہیں غیر ملکی حکومت کا معین و مددگار بنا دیں۔"

خالدہ ادیب خانم گاندھی اور جواہر لال کی بڑی مداح ہیں، وہ کانگریس سے بہت متاثر ہیں لیکن وہ اپنی کتاب "اندرون ہند" میں یہ لکھنے پر مجبور ہوگئیں۔

"ابھی تک ہندوؤں کی غالب ذہنیت کا سچا مظہر یہی فرقہ پرستی ہے ہندو جہاں مسلم اکثریت سے گھرے ہوئے ہیں وہاں تو علانیہ غیر ملکی حکومت کے قائم رہنے کی وکالت کرتے ہیں۔ لیکن جہاں وہ ہندو اکثریت کا جز ہیں (جیسا کہ اکثر مقامات پر ہے) وہاں وہ وطن پرست ہیں۔ مگر ان کے ذہن میں ہندوستان ایک ہندو ملک ہے جس میں مسلمان کو کوئی جگہ نہیں ملنی چاہیئے وہ صاف صاف اعلان کرتے ہیں کہ جب تک مسلمان یا عیسائی موجود ہیں اس وقت تک کہیں قرار نہیں آسکتا۔" ان کی قوم پرستی ایک مذہب آمیز نسلی فاشسٹیت ہے مسلمان جب آئندہ آزاد ہندوستان میں ہندو فرقہ پرستوں کی حکمرانی کے امکان کا ذکر کرتے ہیں تو اس کا لب لباب ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔ "اگر ان کی حکومت ہوئی تو زمانہ مستقبل کے اچھوت ہم ہوں گے۔" لیکن صرف یہی ایک ممکن نتیجہ نہیں ہے تعداد اور مردانگی دونوں میں مسلمان

ایسی جمعیت ہیں جسے آسانی سے اس حالت کو نہیں پہنچایا جاسکتا۔"

گاندھی جی اچھوتوں کی نظر میں

جولائی ۱۹۴۵ء میں ڈاکٹر امبیدکر ممبر وائسرائے اگزیکیٹو کونسل نے ایک کتاب "کانگریس اور گاندھی جی نے اچھوتوں کے ساتھ کیا کیا؟"
کے نام سے لکھی، اس کتاب میں وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"کانگریس اور اچھوتوں کے درمیان اصولی اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ اچھوت اپنے کو ہندوؤں سے علیحدہ، ایک جداگانہ عنصر کہتے ہیں۔ کانگریس نے اچھوتوں کو جھوٹے پروپیگنڈہ سے مطمئن کرنے کی کوشش کی ہے۔

مہاتما گاندھی کی قائم کردہ "ہریجن سیوک سنگھ" صرف نام ہی سے ایک فلاحی جماعت ہے اور نہ اس کا اصلی مقصد اس چیز کا انتظام کرنا ہے کہ اچھوت کانگریس اور ہندوؤں کے مقلد بن جائیں اور ہر ایسی تحریک کو تباہ کیا جاسکے جو اچھوتوں کو ہندوؤں کے مذہبی اور سماجی اور معاشی غلبہ سے نکالنے کے لئے شروع کی گئی ہو۔ کانگریس اور ہریجن سیوک سنگھ کا اصلی مقصد اچھوتوں کو میٹھا زہر دے کر ہلاک کرنا ہے۔"

اسی کتاب میں ڈاکٹر امبیدکر نے گاندھی جی سے ۱۴ سوالات کئے ہیں جو بڑے چبھتے ہوئے ہیں چند سوالات ذیل میں درج ہیں۔

"کیوں گاندھی جی نے اچھوتوں کی خاطر ایک بار بھی برت نہ رکھا؟ کیوں گاندھی جی نے اچھوتوں کے لئے ہندوؤں کے خلاف ستیہ گرہ ایک بار بھی شروع نہ کی؟

اچھوتوں کی کنوئیں اور مندر میں داخلہ کے لئے ۱۹۲۹ء کی ستیہ گرہ کی مذمت

گاندھی جی نے کیوں کی تھی؟

وعدہ کے مطابق گرداپور مندر جب زموین نے اچھوتوں کے لئے نہیں کھولا تو گاندھی نے فاقہ کشی کیوں نہ شروع کی؟

مرکزی مجالس قانون ساز میں مسٹر رنگا ایر کے "داخلہ مندر بل" کو منظور کرانے کے لئے گاندھی جی نے کیوں زور نہیں لگایا؟

گاندھی جی ہریجن سیوک سنگھ کے مقاصد میں اچھوتوں کے شہری حقوق کی حفاظت کے لئے ایک ادارہ کے قیام کو کیوں نہیں رکھتے؟

ہریجن سیوک سنگھ کے انتظامات کیوں الگ نہ رکھے گئے؟

پونہ پیکٹ قبول کرنے کے بعد "فرقہ دارانہ فیصلہ" (کمیونل اوارڈ) کے فوائد سے اچھوتوں کو محروم کرنے کے لئے گاندھی جی نے "مرگ برت" کیوں شروع کیا تھا؟

گاندھی جی کانگریس کو اچھوتوں کے لئے محفوظ نشستوں کے لئے ایسے امیدوار کھڑے کر کے جو کانگریس کا آلہ کار ہوں، ان کی سیاست کو بگاڑنے سے روک کر اچھوتوں پر اعتماد کیوں نہیں کرتے؟

گاندھی جی کانگریس مجلس عاملہ میں اچھوتوں کا نمائندہ شامل کرنے کا مطالبہ کانگریس سے کیوں نہیں کرتے؟

سی پی کے مسٹر اگنی بھوج کو جب ڈاکٹر کھرے نے وزیر مقرر کیا تو گاندھی جی نے اسے کیوں ناپسند کیا؟"

گاندھی جی اور ستیہ رتھ پرکاش

تحریک خلافت کے زمانہ گاندھی جی نے اپنے اخبار "ینگ انڈیا" میں تحریر فرمایا

تھا کہ جب تک "ستیارتھ پرکاش" موجود رہے گی ہندو مسلم اتحاد نہیں ہو سکے گا۔ اس کتاب میں مذاہب عالم کے داعیوں کو جن ناشائستہ الفاظ میں یاد کیا گیا تھا، ان کی گاندھی جی نے بڑی مذمت کی تھی اور مشورہ دیا تھا کہ انہیں کتاب سے خارج کر دیا جائے۔

۱۹۴۷ء میں جب حکومت سندھ نے اس کتاب کے اُردو ترجمہ کی طبع و اشاعت پر پابندیاں عائد کیں۔ تو گاندھی جی نے سب سے پہلے احتجاج کیا۔ ۲۶ جولائی ۱۹۴۷ء کو مسٹر گھنیشام سنگھ گپتا اسپیکر سی۔ پی اسمبلی اس سلسلہ میں سول نافرمانی کا ارادہ کر کے ملاقات کے لئے سیلا گرام پہنچے۔ تو گاندھی جی نے ان کا خیر مقدم کیا۔ اور انہیں بڑے زرّیں مشورے دئے۔

گاندھی ویول مُلاقات

کلکتہ کے اخبار مارننگ نیوز نے گاندھی ویول مُلاقات کا ایک مزاحیہ خاکہ کھینچا تھا جسے اورینٹ پریس نے ۱۶ دسمبر ۱۹۴۵ء کو مشتہر کیا تھا۔ اس کا ایک حصّہ درج ذیل ہے:۔

گاندھی جی:۔ (فخریہ) یور اکسی لینسی وہ بھی کیا زمانہ تھا جب میں محمد علی کو انگلیوں پر نچایا کرتا تھا۔

لارڈ ویول:۔ (حیرت سے) انگلیوں پہ۔۔۔

گاندھی جی:۔ (فخریہ) یس۔ لارڈ ویول وہ بھی عجیب زمانہ تھا، خلافت کی تحریک۔ چوری چورا۔ ڈانڈی کا سفر۔ فتوحات کا ایک غیر متناہی سلسلہ،

لارڈ ویول:۔ کیا آپ کو شیکسپیر سے دلچسپی ہے؟

"مسلم لیگ زندہ باد" کے شگاف نعرے ہوائیں بلند ہوتے ہیں گاندھی جی گھبرا کر ویول کی صورت دیکھنے لگتے ہیں لارڈ ویول کن انکھیوں سے ان کی

طرف دیکھتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ "یہ ہندوستان کا لیڈر ہے" پردہ آہستہ آہستہ گرتا ہے"

گاندھی کھارے مُلاقات

سی۔ پی کے سابق وزیر اعظم ڈاکٹر کھارے کو گاندھی جی کی قیادت نے کانگرس سے جس طرح نکلوایا تھا۔ اس سے ایک دنیا واقف ہے۔ لیکن گاندھی جی نے جب یہ ضرورت محسوس کی کہ کھارے کا واپس آجانا مفید ہے تو انہوں نے ذرا بھی انہیں واپس بلانے میں تامل نہیں کیا۔ اور سب کچھ بھول گئے"

کلکتہ کے دوران قیام میں سودے پور آشرم میں گاندھی جی نے ڈاکٹر کھارے کو بلایا ضروری تفصیل درج ذیل ہے جو ایک کانگرسی اخبار سے ماخوذ ہے:۔

"باپ اور لاڈلے یا بگڑے ہوئے بیٹے" کی ملاقات کے دوران میں فضا نہایت ہی محبت بھری رہی یاد رہے کہ ان بچھڑے ہوؤں کا ملاپ سات سال کے بعد ہوا جس کا اہتمام ڈاکٹر ٹی۔ جے کیدار نے کیا تھا۔ اور اس دلچسپ تقریب پر ڈاکٹر کیدار۔ مسٹر اُنے، این ار ہوجی اور خان عبدالغفار خاں بھی موجود تھے، چنانچہ گاندھی جی کے حضور میں پیش ہوتے ہی ڈاکٹر کھارے نے بڑے ادب سے عرض کیا۔

"گاندھی جی! آپ غیر ملکی وائسرائے سے ملتے رہے ہیں اس لئے میں نے سوچا مجھے اپنے ہندوستانی وائسرائے کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیئے۔ اور گاندھی جی نے حسب معمول مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ نبض دکھانے کے لئے ڈاکٹر کھارے کی طرف بڑھا دیا۔ ڈاکٹر کھارے نے کہا "میں اپنے طبی تجربہ کی بنا پر چہرہ دیکھ کر بتا سکتا ہوں کہ مریض کی حالت

بالکل ٹھیک ہے۔" مگر گاندھی جی نے طبعی حاضر جوابی سے کام لیتے ہوئے فرمایا۔ آپ میرے جسم کا علاج کیجئے۔ میں آپ کے دل کا علاج کروں گا میری خواہش ہے کہ آپ کو ضرور کانگرس میں لوٹ آنا چاہیئے۔ ڈاکٹر کھارے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ورکنگ کمیٹی کا ریزولیوشن میرے سر پر لٹک رہا ہے میں بے عقل کہلا سکتا ہوں، یہ بات بھی نظر انداز کی جا سکتی ہے کہ میں نے فیصلہ کی غلطی کی" دماغی توازن کھو بیٹھے" کے طنزیہ فقرہ کی بھی پروا نہیں کرتا۔ مگر مجھ پر" گورنر سے سازش" کرنے کا الزام بھی لگایا گیا تھا، جسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

گاندھی جی نے ٹوکتے ہوئے فرمایا۔ مگر آپ کو یہ سب فراموش کرنا ہی پڑے گا۔

ڈاکٹر کھارے:" کیا آپ ایسا یقین کر سکتے تھے ؟ کیا یہ بات ممکن بھی تھی ؟" کیا میں اپنے ہم وطنوں کے خلاف غیر ملکی حکومت سے سازش کر سکتا تھا ؟ اور یہی چیز ہے جس نے مجھے گزند پہنچایا ہے اور اسے میں ہرگز نہیں بھلا سکتا۔"

ڈاکٹر کیدار نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ آپ اسے یاد ہی نہ کریں، سارا معاملہ ختم ہو جائے گا۔

گاندھی جی:۔ غلطی کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے ہو سکتا ہے کہ آپ نے غلطی کی ہو۔ یا میرا ہی قصور ہو، مگر مجھے اپنی آنکھوں پر بھروسہ نہ رہا جب میں نے پڑھا کہ ڈاکٹر کھارے وائسرائے کی اگزکٹو کونسل کے ممبر ہو گئے ہیں۔ چنانچہ میں اس کی تردید کے لئے منتظر رہا، مگر بے سود۔ خبر بالکل درست ثابت ہوئی۔ مجھے آپ سے ہرگز ایسی توقع نہ تھی۔

ڈاکٹر کھارے۔ مگر گھر سے نکالنے کے بعد آپ کا مجھ پر کیا حق رہ گیا تھا۔ چنانچہ عاق شدہ بیٹے کی طرح میں بالکل آزاد تھا کہ جیسے چاہتا کرتا۔

گاندھی جی:۔ ہرگز نہیں۔ آپ کو ابھی بہت شاندار کارنامے انجام دینے ہیں کیونکہ آپ ایسے کاموں کے لئے پیدا کئے گئے ہیں میں جانتا ہوں کہ آپ وائسرائے کی کونسل کے اندر کیا کچھ کرتے رہے ہیں مگر اس کا کیا فائدہ، کیا اثر اور کیا نتیجہ نکلا ؟ ہاں اگر آپ کی پشت پر کوئی جماعت ہوتی تو یقیناً آپ بہت کچھ کر سکتے تھے۔ اس لئے ضرور آپ کو کانگرس میں واپس آجانا چاہیئے۔ قومی جتھہ بندی میں آپ کو اپنا جائز مقام ضرور حاصل کرنا چاہیئے۔ آپ اب ہرگز باہر نہیں رہ سکتے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ ابھی اور یہاں ہی فیصلہ کریں آپ سوچنے کے لئے وقت لے سکتے ہیں۔"

مسٹر جناح سے گاندھی جی کا خطاب

بالکل اسی طرح گاندھی مسٹر جناح کو بھی پرچانے اور لبھانے کی کوشش کر چکے ہیں۔ ۲ر فروری ۱۹۳۸ء کو انہوں نے مسٹر جناح کو لکھا تھا جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

"آپ کی تقریروں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں نے ایک قدیم قوم پرست کو کھو دیا، جب میں افریقہ کی خود ساختہ جلاوطنی سے واپس آیا تھا تو ایک سرگرم قوم پرست کی حیثیت سے آپ کا نام زبان زد خاص و عام تھا اور ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو آپ کی ذات سے بڑی توقعات وابستہ تھیں۔ کیا آپ اب بھی وہی مسٹر جناح ہیں ؟

نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب

میزانِ عمل

وشعرائی رہ و ستم ہم رہاں نہ پوچھ

ایک طرف مسلم لیگ تن تنہا ہجوم اغیار اور نرغہ اعداء میں مصروف جد و جہد عمل تھی کہ مسلمان بیدار ہوں، ہوشیار ہوں "رموز خودی" اور "اسرار بیخودی" کے اداشناس ہوں، اپنی حقیقت کو پہچانیں۔ اپنا وجود تسلیم کرائیں اور ایک زندہ اور آزاد قوم کی حیثیت سے زندگی بسر کریں۔ دوسری طرف رفیقان گریز پا کے طعنے اور ہمرہان بے وفا کی مطلب کی ستیاں تھیں، تیسری جانب اغیار و اعداء کا یہ الزام تھا کہ مسلم لیگ بے عمل جماعت ہے وہ نبرد آزما ہونے کے فن سے ناواقف ہے، وہ بزم کی رنگ آرائیاں دکھا سکتی ہے۔ وہ رزم کی ہنگامہ آرائیوں سے ناآشنا ہے۔ وہ پاکستان کا خواب آور افسانہ سناتی ہے، جہادِ زندگی سے ناواقف ہے، بار بار یہ بات بھی دہرائی جاتی تھی کہ مسلم لیگ مسلمانانِ ہند کی واحد نمایندہ جماعت نہیں ہے غرض مسلم لیگ کے خلاف، اور قائداعظم کے خلاف کانگرس کی ساری مشینری، گاندھی جی کی ساری روحانیت اور جواہر لال کی ساری آتش نوائی وقف تھی۔

آئیے ذرا دیکھیں ان باتوں کے بارے میں خود لیگ کا نقطۂ نظر بھی معلوم ہو سکتا ہے

یا نہیں؟

آؤ ہم بھی تیار ہو جائیں

۱۹۳۹ء کے آخر میں اینگلو عربک کالج (دہلی) میں مولانا شوکت علی مغفور کی تصویر کی نقاب کشائی ادا کرتے ہوئے مسٹر جناح نے ایک پر مغز تقریر کی، انہوں نے فرمایا:۔

"میں کامل اتفاق آراء کا طالب نہیں ہوں۔ میں اپنی قوم کی ٹھوس اکثریت کی ٹھوس اور فہمیدہ حمایت چاہتا ہوں۔ یہ حاصل ہو جائے تو میں بندوق کی گولیوں کا مقابلہ کرنے کو تیار ہوں۔"

تیاری پر طنز و طعن کا جواب دیتے ہوئے قائداعظم نے کہا:۔

"ستمبر ۱۹۳۹ء تک انگلستان میں ہٹلر کا مقابلہ کرنے کی سکت نہ تھی۔ محض اسی لئے آسٹریا اور چیکوسلواکیہ کی قربانی دینی پڑی۔ مسٹر چیمبرلین ہٹلر کو منانے میونچ گئے۔ مسٹر چیمبرلین نے میثاق میونچ پر دستخط اسی لئے کئے تھے کہ انگلستان جنگ کے لئے پورے طور تیار نہ تھا۔

مسٹر گاندھی اپنی ساری تنظیم لامحدود وسائل اور پریس کی تائید و حمایت کے باوجود آج تحریک سول نافرمانی جاری کرتے ہوئے ہچکچا رہے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ تیار نہیں ہیں البتہ تیاری کر رہے ہیں۔ میں بھی مسلمانوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ آؤ ہم بھی تیار ہو جائیں۔"

بلوچستان مسلم لیگ میں تقریر

۱۹۴۳ء میں بلوچستان مسلم لیگ کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر جناح نے فرمایا:۔

"ہم نے چند سال کے مختصر عرصہ میں منتشر مسلمانوں کو ایک قوم بنا دیا

ان کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا، وہ غیر منظم اور بے حس تھے۔ مسلم لیگ نے ان
میں ایک برقی رو بھر دی۔ ہم نے قومیت کے مختلف مدارج کو طے کر لیا۔
اور آج ہمارے پاس ایک پرچم، ایک مرکز اور ایک نصب العین ہے!
۱۹۳۹ء اور ۱۹۴۳ء کے لب و لہجہ کا فرق خاص طور پر قابل غور ہے۔

بیورلی نکلس کی شہادت

بیورلی نکلس اپنی کتاب "مشاہدہ ہند" میں لکھتا ہے:۔

"اگر مسلم لیگ ہندوستانی مسلمانوں کی نمائندہ نہیں ہے تو بتایا جائے آخر وہ کون سی جماعت ہے جو مسلم لیگ کی حریف بن سکتی ہے، کانگرس اور گاندھی جی اسی سے معاملہ کیوں نہیں طے کر لیتے۔ مسلم لیگ اور مسٹر جناح کا تعاقب کیوں کر رہے ہیں؟ سچ تو یہ ہے کہ مسلم لیگ ہی کامیاب ہوئی۔ اگر یہ مسلمانوں کے منشا کا اظہار نہیں ہے تو پھر سوچنا پڑے گا آخر مسلمان قوم کی مرضی کیا ہے، وہ کس طریقہ سے معلوم کی جا سکتی ہے"۔

ہم گولیاں کھائیں گے

۱۶ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو کوئٹہ میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا:۔

"ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہم نے اپنے مقصد کے لئے کوئی قربانی نہیں کی، اس بات میں واقعی مجھے شک ہے کہ جس قسم کی قربانی کانگرس کرتی ہے ہم بھی کر سکتے ہیں۔ بکریوں کی طرح پولیس کی لاٹھیوں کے سایہ میں بیٹھنا پھر جیل چلے جانے اور پھر وزن گھٹ جانے کی شکایت کر کے رہا ہو جانا ایسی قربانیاں صرف کانگرس ہی کر سکتی ہے۔ (قہقہے)

میں اس قسم کی تحریکوں کو پسند نہیں کرتا لیکن جب وقت آئے گا، تو میں سب سے آگے جا کر اپنے سینہ پر گولیاں کھاؤں گا۔
موجودہ انتخاب کے ماتحت نئے انتخابات ممکن ہے کہ ہمارے خیال سے پہلے ہی سامنے آ جائیں۔ اس لئے آج ہی سے میں مجلس عمل مرکزی پارلیمنٹری بورڈ اور تمام صوبائی مسلم لیگیوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس آنے والے مقابلہ کے لئے جس کا سامنا ہمیں کرنا ہوگا فوراً تیاری شروع کر دیں"۔

گورنرس کانفرنس

شملہ کانفرنس کی ناکامی کے بعد یکم اگست ۱۹۴۵ء کو نئی دہلی میں وائسرائے نے صوبہ کے گورنروں کی ایک کانفرنس کی۔ جس میں نئے انتخابات کے مسائل زیر بحث آئے۔ لیکن کانگرس مسلمانوں کو قابو میں لانے کی فکر میں تھی۔ اس لئے انتخابات سے کترا رہی تھی۔ ۱۳ اگست ۱۹۴۵ء کو احمد آباد سے ایک بیان مسٹر پٹیل نے دیا جس میں کہا:۔

"کانگرس الیکشن لڑنے کو تیار ہے مگر وہ مطالبہ نہیں کرے گی۔ کانگرس مسلم لیگ کی طرح صوبہ جات میں وزارتیں بنانے کی فکر میں نہیں ہے"۔

وائسرائے کی روانگی لندن

۱۴ اگست ۱۹۴۵ء کو لارڈ کو، لارڈ ویول انگلستان کی نئی لیبر حکومت کی طلبی پر لندن گئے تا کہ ہندوستان کے آنے والے انتخابات کے سلسلہ میں حکومت برطانیہ کو صحیح صورت حال سے مطلع کریں۔
ان تیاریوں کو دیکھ کر ۱۳ اگست ۱۹۴۵ء کو قائداعظم نے کراچی سے ایک بیان شائع کیا۔ جس میں فرمایا:۔

"ہمیں اوّل درجہ کی ٹیم بھیجنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے. جو مختلف قانون ساز جماعتوں میں اپنی قوم کی بہبودی کے لئے کام کرے گی اور آل انڈیا مسلم لیگ کے وقار اور عزّت کو قائم رکھے گی۔"

بامعنی مذاق

قائداعظم نے ایک بیان میں مسلمانوں سے الیکشن لڑنے کے لئے "چاندی کی گولیوں" کی اپیل کی تھی۔ تاکہ سرمایہ دار کانگرس کی چالوں کا مقابلہ کیا جاسکے اور مسلمانوں میں مسلم لیگ کے اغراض ومقاصد کی صحیح تبلیغ کی جاسکے۔

اس سلسلہ میں ایک مخلص مسلمان کا واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے ایسوسی ایٹڈ پریس کا ایک تار ۱۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء کے اخبارات میں شائع ہوا جو یہ ہے:۔

"آج قائداعظم کے ساتھ ایک دلچسپ مذاق ہوا۔ کہ ایک نامعلوم آدمی نے ان کے پاس چاندی کی دو اینٹیں بھیج دیں جن کا وزن ۵½ ہزار تولہ یعنی ڈیڑھ من کے قریب ہے یہ اینٹیں قائداعظم کی "چاندی کی گولیوں" کی اپیل کے جواب میں مسلم لیگ الیکشن فنڈ کے لئے بھیجی گئی ہیں۔"

خدا ہمارے ساتھ ہے

۱۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو کوئٹہ میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا:۔

"اگر حکومت اور کانگرس نے اپنے اثر ورسوخ کا ناجائز استعمال نہ کیا تو ہم کانگرس کے مقابلہ میں بھاری اکثریت سے کامیاب ہوں گے مگر کانگرس روپیہ پیسہ کے بل بوتے پر مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کررہی ہے۔ خدا ہمارے ساتھ ہے، انشاء اللہ ہم کامیاب رہیں گے۔"

نعرۂ جنگ

کانگریسی رہنماؤں کا جوش رزم وپیکار

شملہ کانفرنس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ کانگرس کے جلیل القدر رہنما بے نقاب ہوگئے۔ اہل نظر انہیں پہلے ہی جانتے اور پہچانتے تھے۔ لیکن عوام کی نظروں میں بھی وہ اپنے اصلی رنگ وروپ کے ساتھ ظاہر ہوگئے۔ جو جذبہ جنگ وپیکار ایک عرصہ سے ان کے دل میں کروٹیں لے رہا تھا، وہ اب اُبھر آیا۔ جسے مصلحت شناسی سے کام لیتے ہوئے وہ اپنے سینہ پر کینہ میں چھپائے ہوئے تھے، اب وہ نمایاں ہوگیا ضبط سے باہر ہوگیا۔ اب وہ علانیہ بغیر کسی ذہنی تحفظ MENTAL RESERVATION کے سول وار کی دھمکی دے رہے تھے، جنگ وپیکار کی دعوت دے رہے تھے، اپنی قوت اور شوکت پر ناز کر رہے تھے اور مسلمانوں کی کمزوری اور بے مائیگی کا مذاق اڑا رہے تھے، اب تک ان میں اور مہاسبھائیوں میں مابہ الامتیاز صرف یہ تھا کہ مہاسبھائی بدزبان تھے اور کانگرسی مصلحت شناس، لیکن اب دونوں ایک بن چکے تھے۔

جواہر لال کی جنگ آزمائی

۹ ستمبر ۱۹۴۵ء کو لکھنؤ کے ایک عظیم الشان جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے جواہر نے فرمایا:۔

"انتخابات میں ہم اس کی پوری تیاری کریں گے اور جو کوئی ہماری مخالفت کرے گا ہم اسے کچل دیں گے۔ ہم اپنے بنیادی اصولوں کے متعلق سمجھوتہ نہیں کریں گے ہم لڑنا جانتے ہیں۔ ہم نے برطانیہ سے بھی لڑائی کی ہے۔"

مسٹر کرپلانی کی تقریر دلپذیر

بمبئی میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا ایک اجلاس شملہ کانفرنس کے بعد منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں ۲۲ ستمبر ۱۹۴۵ء کو تقریر کرتے ہوئے مسٹر کرپلانی نے ارشاد فرمایا:۔

"مسلم لیگ انگریز کے پہلے بھی کام آئی ہے اور آئندہ بھی کام آئے گی، وہ جب چاہتے ہیں اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں وہ دونوں حالتوں میں خوش رہتی ہے جناح پنجاب کی اتحادی وزارت کو ختم کرنے لگے تو گورنر نے سب لوگوں سے کہا کہ جناح کو ناکام بناؤ۔ اور وزارت کا ساتھ دو، چنانچہ جناح اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

وائسرائے اور جناح کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی تھی اسے وائسرائے نے شائع کرنے کی اجازت دے دی۔ مگر ہمارے صدر سے جو خط و کتابت ہوئی اس کی اشاعت کی اجازت نہیں ملتی۔ وجہ یہ ہے کہ سارا پول کھل جائے گا ہمیں وائسرائے سے کوئی امید نہیں جو امید دلاتا ہے وہ دھوکہ دیتا ہے۔"

معرکۂ کارزار

کانگریس کمیٹی کے ایک جلسہ میں ۲۳ ستمبر ۱۹۴۱ء کو مخالفت کے سخت ترین ہنگامہ میں ڈاکٹر اشرف اور میاں افتخار الدین نے تقریریں کیں کہ کانگریس لارڈ ویول کو "لیڈر" ماننے کے بجائے مسلم لیگ سے صلح کر لے مسلمانوں کا حق خود ارادیت تسلیم کر لے اور پاکستان کا اصول مان لے،

یہی انصاف ہے، یہی معقولیت ہے۔

ڈاکٹر اشرف نے کہا:۔

"مسلم قوم کے لئے مکمل حق خود ارادیت کا مطالبہ اور مہربانی کر کے یہ نہ بھولئے کہ اب یہ مطالبہ مسلمانوں میں عام ہو چکا ہے۔ کہیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ تنہا لیگ نے فرضی طور پر اسے اٹھایا ہے تو میں مثالیں خود قوم پرست کیمپ سے پیش کرنا پسند کروں گا

خان عبد الغفار خان یہاں بیٹھے ہیں، ان سے پوچھئے کہ خود انہوں نے خود ارادیت کا مطالبہ نہیں کیا ہے۔ اور کیا سرحد کانگریس نے ۱۹۴۲ء میں متفقہ طور پر اسے منظور نہیں کیا تھا۔ پھر یہاں جمعیت علما کے مولانا حفظ الرحمن آپ کے درمیان موجود ہیں ان سے تصدیق کر لیجئے کہ کیا مسلم قوم پرست بھی اس کے صاف صاف قبول کئے جانے کا مطالبہ نہیں کر رہے ہیں (اس موقعہ پر کانگریسیوں نے شور مچانا شروع کر دیا) کیا یہ ایک واقعہ نہیں ہے کہ آپ حق خود ارادیت کو منفی شکل میں پہلے ہی قبول کر چکے ہیں؟ میری استدعا صرف اسے مثبت شکل میں دہرا دینے سے زیادہ نہیں ہے۔"

اس تقریر کے دوران میں کانگریس کے "معزز ڈیلی گیٹ" اور پریس کے حلقہ میں بیٹھے ہوئے کانگریسی اخبارات کے "معزز ترین" نمائندے ڈاکٹر اشرف کو برابر منہ چڑاتے رہے اور طرح طرح کے فقرے کستے رہے۔

پھر ڈاکٹر اشرف نے صدر کانگریس مولانا آزاد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"جناب والا! خود آپ ہی وہ شخص ہیں جس نے اپنے خطبۂ صدارت رام گڑھ (۱۹۴۰ء) میں سب سے پہلے کہا تھا کہ اگر دستور ساز اسمبلی کیلئے انتخاب کے وقت مسلمان یہ محسوس کریں کہ مسلم اکثریت کے علاقوں کا دستور خود ان کا علیحدہ مرتب

کریں تو ان کے نمائندوں کو ایک ایسی جداگانہ دستور ساز جماعت بلانے کی آزادی ہو گی جو صرف مسلم اکثریت کے علاقوں کے نمائندوں پر مشتمل ہو۔ پھر جناب والا آپ نے اس قسم کا ایک علاوہ سرینگر سے شائع کردہ اپنے حالیہ بیان میں بھی کیا ہے میری ترمیم اس سے زیادہ مطالبہ نہیں کرتی ہے۔"

(پھر شور مچنے لگا اور کمیونسٹوں پر آوازے کسے گئے)

اب میاں افتخار الدین کھڑے ہوئے، انہوں نے ابھی ابھی پنجاب کانگرس کی صدارت سے استعفا دیا تھا۔ میاں صاحب نے کہا:۔

"مسلمانوں کو کانگرس سے خدشے ہیں اس لئے وہ کانگرس میں نہیں ہیں آج یہاں پچیس ہزار کا مجمع ہے مگر اس میں مشکل سے ۵۰ مسلمان ہوں گے۔ مسلمان آزادی کے خواہاں ضرور ہیں۔ اگر کوشش کی جائے تو ہم آزادی کی جنگ میں ان کو اپنا ساتھی بنا سکتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی قیادت غلط ہے مگر غلط لیڈر ہندوؤں میں بھی موجود ہیں۔ مسلمان آزادی پسند ہونے کے باوجود اس وجہ سے ہمارے ساتھ نہیں کہ ہم ان کو اطمینان نہ دلا سکے ہمیں ان کے جذبات کا علم نہیں ہے۔ ان کا جذبہ یہ ہے کہ جہاں وہ اکثریت میں ہیں وہاں ان کو حق خود اختیاری ملنا چاہیئے جس طرح ہندوؤں کی کانگرس ہے اسی طرح مسلمانوں کی کانگرس لیگ ہو گئی ہے ہمیں چونکہ اپنے بھائیوں پر اعتماد نہیں ہے۔ اس لئے ہم مسلمانوں کے مطالبات کو پورا نہیں کرتے ہم اپنے بھائیوں کے بجائے برطانیہ پر زیادہ بھروسہ کرتے ہیں۔ اگر یہ پالیسی بدل دی جائے تو آزادی کی جنگ اور نصب العین کے حصول میں مسلمانوں کی امداد حاصل کر سکتے ہیں۔"

ہندو رہنماؤں کی پرافگندہ نقابی

اب پنجاب کے مشہور کارکن مسٹر نیکی رام شرما آئے انہوں نے نہایت سوقیانہ انداز

میں لیگ پر حملے کئے۔ اور آخر میں کہا:۔

"چاروں اکثریتی صوبوں میں لیگ چاروں شانے چت گرے گی۔ مسلمان بھوکے ہیں اور وہ اسی کو ووٹ دیں گے جو ان کی روٹی کا انتظام کرے گا۔"

اب پنڈت جواہر لال نہرو آئے۔ انہوں نے بڑے گھن گرج کے ساتھ کہا:۔

"کہا جاتا ہے کہ لیگ کا کہا مانو۔ مگر مجھے اس سے اختلاف ہے لیگ اور مسلمان جدا چیزیں ہیں۔ معلوم نہیں کل کیا ہوتا ہے لیکن آج میں اپنے دماغ کو ٹٹولتا ہوں تو ایک ہی جواب پاتا ہوں وہ یہ کہ جب تک لیگ کا موجودہ طرز عمل قائم ہے ہمیں اس سے دُور رہنا چاہیئے لیگ میں اور ہم میں سمجھوتہ نہیں ہو گا بلکہ لڑائی ہو گی، آج بھی کل بھی اور پرسوں بھی۔ اگر اشرف اور میاں صاحب لیگ سے گلے ملنا چاہتے ہیں تو ان کو مبارک ہو۔ ہمارا ارادہ ایسی آشنائی کا نہیں ہے ہمارے صدر[1] تک کی شان میں گستاخیاں کی گئیں۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ اسی مسلم لیگ سے ہم پھر گفتگو کریں؟ اب یہ نہیں ہو سکتا میں صاف اعلان کرتا ہوں کہ جب تک ہمارے صدر صاحب[1] سے معافی نہ چاہی جائے ہم اب کوئی گفتگو مسلم لیگ کے لیڈروں سے نہیں کرنا چاہتے۔"

اب سردار پٹیل

کمان کیانی و گرز گراں!

لے کر اسٹیج پر آئے۔ انہوں نے فرمایا:۔

"میاں صاحب برابر لیگ کی بات ماننے کو کہہ رہے ہیں۔ حالانکہ جناح ان کو بھی دھتکار چکا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ لیگ مسلمانوں کی کانگرس بن گئی ہے تو وہ یہاں کیوں آئے۔ مسلمان ہیں تو مسلمانوں کی کانگرس میں جائیں۔"

---

[1] مولانا آزاد مراد ہیں۔

اشرف کا مذہب بھی یہ ہو گیا ہے کہ جو کانگرس کہے اس کے خلاف کرے مگر کانگرس کے اندر رہ کر ہمیں نے لیگ کو مضبوط بنایا۔ ہم نے کانگرس کو قریب قریب ہندو جماعت بنانا گوارا کر لیا۔ مساوات کے اصول کو مان لیا۔ اس پر بھی لیگ نہ مانی۔ اب ہم اور کیا کر سکتے ہیں۔ میری بھی یہی رائے ہے کہ اب لیگ کے دروازے پر نہ جایا جائے چاہے آزادی میں دیر ہو کیونکہ پھل اگر دیر سے کھایا جائے تو میٹھا ہوتا ہے۔

میاں افتخار الدین جب سے کانگرس میں شریک ہوئے ہیں بس ایک ہی بات پکار رہے ہیں کہ جناح صاحب کی بات مان لو۔ وہ وار دھا میں گاندھی جی سے یہی بات کہنے آئے تھے۔ میں بھی وہاں موجود تھا۔ گاندھی جی نے کہا کہ جناح صاحب کو فون کر لو، چنانچہ میاں صاحب نے فون کیا۔ جواب ملا کہ پہلے کانگرس چھوڑ دو۔ پھر آ کر مجھ سے بات کرو۔ اب کانگرس میں مسلمان کم ہیں یہ بات ضرور ہے مگر اس کی وجہ فرقہ وارانہ انتخاب ہے جو ہمارے کانگرس میں آنے سے پہلے رائج ہو گیا تھا۔ اور اسی نے سارا زہر پھیلایا ہے۔ ہم زہر کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ انگریز کے یہاں رہتے ہوئے یہ زہر دور نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ انگریز ہندوستان چھوڑ دیں۔ ڈاکٹر اشرف کی بات تو میری سمجھ میں آتی ہے وہ وہی کہتے ہیں جو کمیونسٹ پارٹی کہتی ہے مگر میاں افتخار الدین نہ ادھر ہیں نہ اُدھر وہ جس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ ان کے لیے ان کی جگہ مسلم لیگ ہے نہ کہ کانگرس"۔

ان گھر بار اور گھر ریز تقریروں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بمبئی میں خونریز ہندو مسلم فساد شروع ہو گیا۔ لیکن نہ گاندھی جی نے اس کی مذمت کی، نہ سردار پٹیل نے نہ پنڈت نہرو نے

سردار پٹیل کا نعرۂ جنگ

۱۴ جنوری ۱۹۴۶ء کو احمد آباد میں تقریر کرتے ہوئے سردار پٹیل نے ارشاد فرمایا:۔

"مرکز میں مسلم لیگ تمام مسلم نشستوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے اب بے شک یہ جماعت یوم فتح مناتی رہے اور یہ سمجھ لے کہ ہم نے پاکستان لے لیا ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ پاکستان اس طریقہ پر حاصل نہ ہو گا۔ کیونکہ پاکستان حکومت برطانیہ کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اگر پاکستان کا قیام عمل میں لانا منظور ہے تو ہندوؤں اور مسلمانوں کو میدانِ جنگ میں ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہونا ہو گا اور اس صورت میں خانہ جنگی ہو کر رہے گی"۔

آگے چل کر سردار صاحب نے اکڑی ہوئی گردن، اور تنے ہوئے سینہ کے ساتھ کہا:۔

"مسلم لیگ نے صرف اس جگہ کامیابی حاصل کی ہے جہاں کہ مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔ مرکزی اسمبلی کا حق رائے دہندگی محدود تھا لیکن صوبائی انتخاب وسیع حق رائے دہی کی بنیادوں پر لڑے جائیں گے۔ کانگرس تو فیصلہ کر چکی ہے کہ وہ ہر غیر مسلم نشست کا مقابلہ کرے گی اور زیادہ سے زیادہ مسلم نشستوں کے لئے بھی اپنے امیدوار کھڑے کرے گی۔ آخر انتخابات کے نتائج سے پتہ چل ہی جائے گا۔ کانگرس ہی صوبوں میں اپنی وزارتیں قائم کرے گی۔ تب ہم دیکھیں گے کہ پاکستان کس طرح قائم ہوتا ہے۔ اور مسلم لیگ کس طرح "یوم فتح" کی تقریب مناتی ہے۔

مُسلم لیگ کے مخالف مُسلم لیگ میں

آملے ہیں سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک

○

شملہ کانفرنس میں کانگریسی رہنماؤں کی روش نے، اور پھر بمبئی کے اجلاس کانگرس میں کانگریسی زعماء کی تقریروں نے بہت سے سمجھدار مسلمانوں کی آنکھیں کھول دیں۔ اور وہ کانگرس سے ترکِ تعلق کر کے مسلم لیگ میں شریک ہو گئے۔

خان عبدالقیوم خاں کا فیصلہ

مرکزی اسمبلی میں کانگرس پارٹی کے ڈپٹی لیڈر، خاں عبدالقیوم خاں نے لکھنؤ سے ۱۹ اگست ۱۹۴۵ء کو حسب ذیل مکتوب قائداعظم کی خدمت میں روانہ کیا:۔

میرے محترم قائداعظم

"میں یہاں ایک ذاتی کام سے آیا ہوں اور شاید ۲۵/۸/۴۵ء تک یہاں رہوں گا۔ اس کے بعد پشاور چلا جاؤں گا۔ میں آپ کو اپنی زندگی کے سب سے عظیم الشان فیصلہ سے مطلع کرنا چاہتا ہوں، یہ فیصلہ مہینوں اور ہفتوں کی دلسوزی اور دماغ سوزی کا نتیجہ ہے۔ میں مسلم لیگ میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میرا ایمان

ہے کہ آپ نے جو حکمت عملی اختیار کی ہے وہ بالکل درست ہے اور جو مسلمان بھی آپ کی مخالفت کرتا ہے وہ اسلام سے غدّاری کرتا ہے۔ میں آپ کے حکم کا منتظر ہوں اور جیسا فرمائیں گے ویسا ہی کروں گا۔"

آپ کا مخلص عبدالقیوم

خان عبدالقیوم کا یہ فیصلہ بھولا بھائی اور سردار پٹیل کے لئے ایک سانحہ بن گیا۔

لال خاں مُسلم لیگ میں

۲۴ اگست کو ملک لال خاں، سابق صدر پنجاب کانگرس نے ایک بیان شائع کرتے ہوئے فرمایا:۔

"مسلمانان ہند کا اسلامی فرض ہے کہ وہ اپنی واحد سیاسی تنظیم آل انڈیا مسلم لیگ کو مضبوط کریں، چنانچہ اسی غرض سے میں نے مسلم لیگ میں شرکت کر کے اس کے مقصد کی دلی خدمت کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

چند اور سربرآوردہ مسلمانوں کا فیصلہ

۳۱ اگست ۱۹۴۵ء کو ایسوسی ایٹیڈ پریس آف انڈیا کی اطلاع کے مطابق مسٹر محی الدین کمتی، صوبہ کانگرس کمیٹی کے صدر اور آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے ممبر نے کانگرس سے استعفا دیتے ہوئے ایک بیان شائع کیا جس میں پاکستان کے مطالبہ پر اپنے ایقان کا اعادہ کیا۔

اسی طرح بمبئی اسمبلی کے آزاد مسلم رکن سر عبداللطیف حضرت خاں نے مسلم لیگ میں شرکت کر لی۔

ملک ممتاز خاں ٹوانہ کا بیان

۱۱ ستمبر ۱۹۴۵ء کو خضر حیات خاں ٹوانہ کے چچا ملک ممتاز خاں ٹوانہ نے ملک سر فیروز خاں نون کو ایک خط لکھ کر یقین دلایا کہ وہ مسلم لیگ کے ساتھ ہیں اور ملک خضر حیات کی

مسلم آزاد روش سے بیزار ہیں۔

سر فیروز خاں نون

۱۵ ستمبر ۱۹۴۵ء کو ملک فیروز خاں نون وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل سے مستعفی ہوا اور مسلم لیگ میں شرکت کا اعلان کر کے لاہور پہنچے۔ مسلمانان لاہور نے پرتپاک استقبال کیا۔ پھر سر نون کے اعزاز میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں انہوں نے کہا۔

"شملہ کانفرنس کے سلسلے میں رونما ہونے والے اس واقعہ نے مجھے حیران کر دیا کہ پنجاب کے یونینسٹ مسلمانوں کی وجہ سے تمام ہندوستان کے مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑا۔ مسٹر جناح تمام مسلم نشستیں مسلم لیگ کے لئے طلب کر رہے تھے۔ اور خضر حیات اپنی پارٹی کے لئے ایک نشست کا مطالبہ کر رہے تھے۔ مسلمانوں کی نجات کا ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ پنجاب کے مسلمانوں کو متحد کیا جائے۔ اور ایک جھنڈے کے نیچے لایا جائے۔"

مسٹر یوسف شریف کا فیصلہ

۱۸ ستمبر ۱۹۴۵ء کو سابق کانگرسی وزیر سی۔ پی اور مسٹر پٹیل کے استبداد کے شہید رستم مسٹر یوسف شریف بھی مسلم لیگ میں شریک ہو گئے۔

سلہٹ کانگرس کے صدر اور سندھ اسمبلی کے اسپیکر

۲۰ ستمبر کو ایسوسی ایٹڈ پریس نے اطلاع دی کہ:۔

آسام کے سابق وزیر اور سلہٹ ضلع کانگرس کمیٹی کے صدر مولوی عبد الحمید کانگرس کو چھوڑ کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اس فیصلہ کا انہوں نے ایک جلسہ عام میں اعلان کیا۔

موصوف کا شمار مولانا حسین احمد کے خاص معتقدین میں ہوتا تھا۔

سندھ اسمبلی کے صدر سید میراں شاہ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ اب آئندہ انتخابات میں وہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر امیدوار ہوں گے۔

برگیڈیر حسام الدین کا اعلان

۲۱ ستمبر ۱۹۴۵ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس نے اطلاع دی کہ برگیڈیر حسام الدین ممبر کونسل آف اسٹیٹ نے مسلم لیگ میں شرکت کا فیصلہ کر لیا ہے۔ موصوف نے قائد اعظم کو ایک خط تحریر کیا۔

"میری ایمان داری سے رائے ہے کہ کسی ہندوستانی مسلمان کے لئے لیگ کے باہر کوئی مستقبل نہیں ہے۔"

میاں افتخار الدین کی مسلم لیگ میں شرکت

۴ اگست ۱۹۴۵ء کو میاں افتخار الدین نے پنجاب کانگرس کی صدارت سے استعفا دے دیا، اور ۲۸ ستمبر کو مسلم لیگ میں شریک ہو گئے۔ اور ایک طویل بیان شائع کیا۔ جس کا ایک حصہ ذیل میں درج ہے۔

"کانگرس مجلس عاملہ کی تجویز پونا ہم کو اپریل ۱۹۴۲ء کی حق خود ارادیت کے خلاف بابو جگت نرائن لال کی تجویز تک واپس لے لی گئی ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے اعلان کیا ہے کہ کانگرس لیگ سے بالکل رجوع نہیں کرے گی۔ بلکہ اس کے برعکس اس سے لڑے گی، اور سردار پٹیل نے صاف صاف کہہ دیا کہ جو شخص مسلم علاقوں کے حق خود ارادیت پر یقین رکھتا ہے اور کانگرس لیگ اتحاد کی تبلیغ کرتا ہے اس کی کانگرس میں کوئی جگہ نہیں ہے

وہ لوگ جس راستہ پر چل رہے ہیں اگر اسی پر چلا جاتا رہا۔ تو وہ اپنے منطقی نتیجہ خانہ جنگی تک لے جائے گی۔ اس پالیسی سے اپنے کو بے تعلق کرنے کے لئے میں نے کانگرس کی رکنیت سے استعفا دینے کا فیصلہ کیا ہے میں نے یہ بھی طے کر لیا ہے کہ اپنی خدمات لیگ کو پیش کر دوں۔ جہاں میں آزادی سے مسلم حق خود ارادیت کے لئے کام کر سکوں۔"

خان عباس خاں مسلم لیگ میں

۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء کو خان عباس خان، کانگرسی وزیر صنعت و حرفت نے کانگرس سے ترکِ تعلق کر کے مسلم لیگ میں شرکت کر لی۔

آپ نے قائد اعظم کو ایک خط لکھا:۔

"میں سرحد کی کانگرسی وزارت میں صرف اس وقت تک کے لئے تھا جب وزارت قائم رہے گی۔ چونکہ سرحدی اسمبلی ٹوٹ رہی ہے۔ اس لئے میں نے وزارت سے علیحدگی اختیار کر لی۔ میرا مسلم لیگ کے اصول اور نصب العین پر اعتقاد ہے۔ اس لئے میں مسلم لیگ میں شامل ہو گیا ہوں۔"

خضر حیاتی قلعہ کا ایک ستون

یکم دسمبر ۱۹۴۵ء کو سید امجد علی پارلیمنٹری سیکرٹری نے یونینسٹ پارٹی سے استعفیٰ دیا اور مسلم لیگ میں شرکت کر لی، سید صاحب نے ایک بیان دیتے ہوئے کہا۔

"یہ کچھ اچھی بات نہیں ہے کہ اس پارٹی سے جس کی میں نے نو سال تک خدمت کی ہے آج مجھے علیحدگی اختیار کرنی پڑ رہی ہے جس روز سے پنجاب اسمبلی کے مسلمانوں میں دو پارٹیاں بنی ہیں، میں برابر یہ کوشش کرتا رہا

کہ دونوں پارٹیوں کو متحد کر دوں اور مجھے یہ توقع تھی کہ الیکشن کے وقت دونوں پارٹیاں متحد ہو کر مسلم ٹکٹ پہ انتخاب لڑیں گی لیکن مجھے افسوس ہے کہ یہ میری توقع پوری نہ ہوئی۔ اور مجھے اپنی کوششوں میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ میں پاکستان پر جو مسلمانانِ ہند کا مطمعِ نظر ہے عقیدہ رکھتا ہوں اور یہ محسوس کرتا ہوں کہ اس وقت کوئی مسلمان بھی مسلم لیگ سے علیحدہ نہیں رہ سکتا۔ اس لئے میں نے مسلم لیگ میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا ہے اور بارگاہِ رب العزت میں دست بدعا ہوں کہ وہ مجھے اپنی قوم اور اپنی جماعت[1] کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔"

چودھری محمد حسین کا کانگرس سے ترکِ تعلق

پنجاب کے مشہور کانگرسی لیڈر چودھری محمد حسین نے کانگرس سے قطع تعلق اور مسلم لیگ میں شرکت کے بعد ۶ دسمبر ۱۹۴۵ء کو لدھیانہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"میں وکیل ہوں، میں جانتا ہوں کہ روزانہ کس قدر مقدمات تقسیم جائیداد کے عدالتوں میں آتے ہیں؟ پھر تقسیم ہند پر اس درجہ گھبراہٹ کا اظہار کیوں کیا جاتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کانگرسیوں میں تو آپس میں بھی انصاف نہیں پھر وہ دوسروں سے کیا انصاف کر سکتے ہیں؟ میں نے کانگرس کو اس لئے چھوڑا کہ اس نے مسلمانوں کے جائز مطالبات کو بھی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ ورنہ مجھے اسمبلی کا ٹکٹ لینا ہوتا یا مال و دولت کی تمنا ہوتی تو کانگرس ہی اس کے لئے موزوں تھی۔ مسلمان تو ایک غریب قوم ہے اس کے پاس دولت

---

[1] مگر یہ دعا قبول نہ ہوئی۔ کیونکہ پاکستان بننے کے بعد اپنی جماعت یعنی مسلم لیگ کو چھوڑ کر ڈاکٹر خان کی ری پبلکن پارٹی میں شریک ہو گئے۔

کہاں؟ یہاں تو ہمیں خود خرچ کرنا ہے۔ کام کرنا ہے۔ دماغ صرف کرنا ہے۔ پھر آپ نے مجھے "غدّار" لکھا ہے۔ غدّار اس کو کہتے ہیں جو جماعت میں رہ کر بے وفائی کرے۔ مگر جو جماعت ہی کو چھوڑ آیا، وہ غدّار نہیں۔ غدّار تو مہاشہ کرشن خود ہیں۔ کہ جب ان کے بیٹے کو ٹکٹ نہ ملا تو علی الاعلان لالہ بھیل شاہ مہاسبھائی کی حمایت شروع کر دی۔ ہم تو جب تک کانگرس میں رہے وفادار رہے اور جب دیکھا کہ وہاں انصاف نہیں تو چھوڑ کر چلے آئے۔ ہم نے مہاشہ کرشن کی طرح کانگرس کی پیٹھ میں چھرا نہیں گھونپا اور عباس خان نے وزارت پر لات ماری ہے۔ لیکن یہ اخبار ہم دونوں کو غدّار لکھ رہا ہے"۔

مسٹر شمس الدین احمد کا بیان

مسٹر شمس الدین احمد لیڈر کرشک پرجا پارٹی (بنگال) [illegible] ۱۹۴۶ء کو انہوں نے ماجیسٹک ہوٹل کلکتہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

"میرا ایمان یہ ہے کہ ہندوستان کی آزادی کا ذریعہ صرف پاکستان ہے گزشتہ چند ماہ میں پاکستان کے موضوع پر جس قدر غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا۔ کہ مسلم ہند کی واحد آزادی صرف پاکستان میں مضمر ہے"۔

چوہدری معظم حسین کا فیصلہ

بنگال کے مشہور لیڈر چودھری معظم حسین نے ۱۱ر دسمبر ۱۹۴۵ء کو مسلم لیگ میں شرکت کے بعد ایک بیان دیتے ہوئے کہا۔

"ہم نے خلافت کی تحریک کے زمانے سے اب تک چوتھائی صدی میں آزادی کے حصول کے لئے جد و جہد کی ہے۔ مگر دوسروں کے ساتھ شانہ بشانہ ہو کر آزادی

کی جد و جہد کرنے کے باوجود ہم ناکام ہو گئے۔ مگر اب وقت آ گیا ہے کہ ہمارے نیشنلسٹ مسلمان اب مسلم لیگ میں شامل ہونے میں دیر نہ کریں۔

مسلمانوں کے مطالبۂ پاکستان کا مطلب یہ ہے کہ برطانوی سامراج سے مسلمانوں کو کامل آزادی ہو جائے۔ ہم ایک آزاد ہندوستان میں آزاد پاکستان دیکھنا چاہتے ہیں۔ مجھے امید واثق ہے کہ میرے نیشنلسٹ مسلمان بھائی اب مسلم لیگ سے الگ رہنے کی پالیسی ترک کر دیں گے اور مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں گے کیونکہ یہی مسلمانوں کا قومی ادارہ ہے"۔

(اورینیٹ پریس)

۹ر جنوری ۱۹۴۶ء کو کرشک پرجا [illegible] پارٹی کے لیڈر نواب زادہ حسن علی خان نے بھی مسلم لیگ میں شرکت کر لی۔

وزرائے پنجاب کا فیصلہ

۱۴ر مارچ ۱۹۴۶ء کو میجر عاشق حسین اور سر جمال لغاری اپنے دو یونینسٹ رفقاء کو لے کر مسلم لیگ میں شریک ہو گئے اور یونینیسٹ پارٹی سے مستعفی ہو گئے۔

جہانِ اسلام اور مسلم لیگ

ایران، فلسطین اور انڈونیشیا کے حوادث

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ ایرانی رہے باقی، نہ تورانی، نہ افغانی

المؤمن للمؤمن کالبنیان اشد بعضہ بعضا یہ ارشادِ نبوی اور فرمانِ رسالت ہے، اور مسلم لیگ اس پہ پورے طور پر عمل کرنے کی کوشش کرتی ہے وہ اگرچہ سیاسیات ہند کی الجھنوں میں گرفتار ہے لیکن عالم اسلام میں کوئی حادثہ ہو، وہ بیقرار ہو جاتی ہے اور اپنے جذبات و حسیات کے اظہار اور مظاہرہ میں کوئی کوتاہی نہیں کرتی!

حادثۂ ایران

جنگ کے طوفان خیز زمانہ میں جب اتحادی فوجیں ایران کی سرحد میں ۱۹۴۰ء میں داخل ہوئیں۔ تو مسلم لیگ نے اپنے فرض کی بجا آوری میں ذرا بھی غفلت نہ کی حالات بے انتہا نازک تھے: اتحادی ہر اس ملک کو جو ان کے ساتھ نہیں تھا، اپنا دشمن سمجھ رہے تھے۔ یوپی کے گورنر سر ہارس ہیلٹ نے ایک تقریر میں صاف صاف کہہ دیا تھا "وہ لوگ جو

ہمارا ساتھ نہیں دے رہے ہیں ہمارے دشمن ہیں۔" ایران اتحادیوں کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ اس لئے اتحادیوں نے اسے اپنا دشمن سمجھ لیا، اور فرمانروائے ایران کو اپنے بیٹے محمد شاپور ولی عہد کے حق میں دستبردار ہو کر ایران سے جلاوطن ہونا پڑا، اور بالآخر دیارِ غیر میں (کناڈا میں) ان کی وفات بھی ہو گئی۔

اس حادثہ میں مسلم لیگ نے سخت اور تند تجویز منظور کی، حکومت ہند نے اپنے اختیاراتِ خصوصی سے کام لیتے ہوئے پریس کو ہدایت کر دی یہ ممنوع الاشاعت ہے، حکومت کے اس رویہ پر قائد اعظم نے ایک نہایت تلخ تنقید کی۔ حکومت کے مشیر مطابع نے اسے بھی ممنوع الاشاعت قرار دیا۔

لیکن کانگرسی رہنما خاموش بیٹھے رہے۔

مسئلہ فلسطین

اسی طرح فلسطین کا مسئلہ مسلم لیگ کے احیاءِ جدید کے وقت سے لے کر اس وقت تک مسلم لیگ کے لئے مہمات مسائل میں داخل رہا اس نے اس سلسلہ میں حکومت کو مسلمانوں کے جذبات و حسیات سے باخبر کرنے میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کی ہے۔ اور بار بار اعلان کیا ہے کہ حکومت اگر اپنی "قرطاس ابیض" والی پالیسی سے منحرف ہوئی۔ اس نے فلسطین کو وطن الیہود بنانے کی پالیسی کا اعادہ کیا، اس نے فلسطین کو ایک خالص عرب کی حیثیت سے آزاد تسلیم نہیں کیا۔ تو مسلمانانِ ہند اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور پھر اس سیلِ رواں کا روکنا حکومت کے لئے ناممکن ہو جائے گا۔

اقبال کا خط جناح کے نام

۷ر اکتوبر ۱۹۳۷ء کو علامہ اقبال نے قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح کو حسب ذیل مکتوب

تحریر فرمایا:

"فلسطین کے حالات مسلمانوں کے قلوب کو بہت بے چین کئے ہوئے ہیں عوام سے رابطہ پیدا کرنے کا یہ بہت اچھا موقع ہے، ایسے معاملات کی خاطر جو اسلام اور ہندوستان دونوں پر اثر انداز ہوں جیل جانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مشرق کے عین باب الداخلہ پر مغربی محاذ کی تعمیر خطرہ کی موجب ہے"

اجلاس مسلم لیگ کی تجویز

نومبر ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کا جو پہلا عوامی اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا تھا۔ اس میں مسٹر جناح نے اس مسئلہ پر بہت توجہ کی چنانچہ مسٹر عبدالرحمٰن صدیقی کی تحریک اور بیگم محمد علی وغیرہ کی تائید مزید سے حسب ذیل کی تجویز منظور ہوئی۔

"آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس حکومت برطانیہ کو آگاہ کرتا ہے کہ اگر وہ بیت المقدس میں یہودیوں کی حمایت کی پالیسی سے باز نہ آئے گی تو اسلامی ممالک کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے ہندوستان کے مسلمان بھی برطانیہ کو اسلام کا دشمن تصور کریں گے، اور مجبوراً اس کے ردِ عمل کے لئے مذہب کی ہدایت کے مطابق ان کو کوئی اور پالیسی اختیار کرنا پڑے گی"

پھر ۷ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو مسلم لیگ نے قاہرہ فلسطین کانفرنس میں اپنا ایک وفد بھیجا جو عبدالرحمٰن صدیقی، خلیق الزمان اور مولوی مظہر الدین پر مشتمل تھا، اوّل الذکر دونوں اصحاب لندن بھی اس سلسلہ میں تشریف لے گئے۔

ٹرومین کی یہود نوازی

جنگ کے دوران میں فلسطین کے عربوں نے نہایت شرافت اور رواداری کا مظاہرہ کیا۔

آئین شکن سرگرمیاں بند کر دیں اور مساعی جنگ میں اتحادیوں کا ساتھ دیا۔ حکومت برطانیہ نے بھی ایک قرطاس ابیض شائع کر کے ایک حد تک انہیں مطمئن کر دیا۔

لیکن ہٹلر اور مسولینی کی شکست کے بعد اتحادیوں نے بجائے اس کے کہ فلسطین کو داد وفا آزاد کر کے دی ہوتی۔ وہ فلسطین کو غلام بنانے کی اسکیمیں سوچنے لگے، ان سب میں پیش پیش جمہوریہ کے امریکہ کے صدر ٹرومین ہیں، جنہوں نے صدر روز ویلٹ کے عہد و میثاق کو توڑ کر علانیہ یہودیوں کے داخلۂ فلسطین کی حمایت شروع کر دی۔ بلکہ حکومت برطانیہ پر زور ڈالا کہ وہ پابندیاں واپس لے لے۔ اور یہودیوں کو غیر مشروط طور پر فلسطین میں داخل ہونے کی اجازت دے دے۔

ٹرومین کی اس مکروہ اور قابلِ نفرت روش نے سارے عالم اسلام میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ مصر، سعودی عربیہ، یمن، شام، لبنان، عراق، اپنی کمزوری، بے مائیگی اور نیم آزادی کے باوجود سب ایک ہو گئے۔ عرب لیگ عبدالرحمٰن عزام بے کی سرکردگی میں قائم ہوئی اور تمام ممالک عربیہ نے فلسطین کی حرمت پر کٹ مرنے پر عہد کر لیا۔ ہندوستان بھی اس سے غیر متاثر نہ رہا۔

۲۶ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو قائد اعظم کے حسب ہدایت ہندوستان کے طول و عرض میں نہایت جوش و خروش سے یوم فلسطین منایا گیا۔

قائد اعظم کی ولولہ انگیز تقریر

۸ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو مسلمانان بمبئی کا ایک عظیم الشان اور یادگار جلسہ حکومت برطانیہ و امریکہ کی روش پر احتجاج کرنے کے لئے منعقد ہوا۔ مصر کے قونصل۔ اور عراق کے قونصل جنرل نے بھی اس جلسہ میں شرکت کی اور تقریریں کیں۔

قائد اعظم نے موقع کی مناسب سے انگریزی میں ایک ولولہ انگیز تقریر کی جس کا خلاصہ ذیل میں

درج ہے،

"فلسطین اس وقت ایک تاریک اور نازک زندگی کے دور سے گزر رہا ہے جب ۱۹۱۴ء کی لڑائی شروع ہوئی تو برطانی حکومت نے نہایت سنجیدگی سے تمام عربی ممالک کے ساتھ وعدے کئے کہ اگر وہ اس کی مدد کریں گے تو ان ممالک میں جنگ کے بعد خود مختار اور آزاد حکومتیں قائم کی جائیں گی۔ ان ملکوں میں فلسطین بھی تھا، ان تمام ملکوں نے اپنا خون بہا کر اور اپنی جانیں نچھاور کر کے انگریزوں کی امداد کی، مسلمان جو وعدہ کر لیں پھر اس کو دنیا کی کوئی طاقت توڑ نہیں سکتی وہ اپنی جان دے دیتے ہیں مگر اپنے الفاظ نہیں دیتے۔ جب جنگ ختم ہوئی اور برطانوی حکومت کو قدرت نے فتح کا منہ دکھایا تو ان ملکوں نے اپنی آزادی اور خود مختاری کا حسب وعدہ مطالبہ کیا۔ مگر وعدہ اور پیمان شرمندہ وفا نہ ہوئے۔ ان سادہ لوح عربوں کے حصے بخرے کر دئے گئے۔ کچھ فرانس نے سنبھالے اور کچھ انگریزوں نے۔

برطانیہ کی چالبازی

غرض وقت گزرتا گیا، حکمران لوگوں نے جدوجہد کو برابر جاری رکھا۔ اور بعد میں تمام عرب پشیمان ہوئے ۱۹۳۹ء میں حکومت برطانیہ نے ایک اعلان شائع کیا۔ جس میں فلسطینی عربوں سے کہا گیا کہ ہمیں فلسطین میں یہودیوں کی کچھ تعداد آباد کرنے دو۔ چونکہ ہٹلر اور اس کے رفقاء کار نازیوں نے یہودیوں کو اپنے ملک جرمنی سے مار کر نکال دیا ہے۔ اور برطانیہ اور امریکہ میں یہودی کافی تعداد میں آباد تھے۔ جو نہایت مال دار اور بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز تھے، ان کی درخواست پہ ہمدردی کرتے ہوئے یہودیوں کو برطانیہ نے اپنے

مقبوضہ ملک فلسطین میں آباد کرنے کی اسکیم تیار کی تھی۔ آخر میں فلسطین کے عربوں اور برطانوی و امریکن حکومتوں میں سمجھوتہ ہو گیا۔ قرطاس ابیض کی رو سے مارچ ۱۹۴۵ء تک یہودی قوم کی ایک خاص تعداد کو فلسطین میں آنے کی اجازت دے دی گئی، اسی مارچ کو شرائط نامہ کی میعاد ختم ہو جانا چاہیئے تھی، مگر دوسری اور موجودہ جنگ عالمگیر کے خاتمہ پر جب اتحادیوں کی جرمنی اور اٹلی پر فتح حاصل ہو گئی تو نئے امریکی صدر ٹرومین نے حکومت برطانیہ سے درخواست کی قرطاس ابیض کی میعاد بڑھا دی جائے تاکہ یہودیوں کا داخلہ فلسطین بند نہ ہونے پائے،

حکومت سے خط و کتابت

یہودیوں کو آباد کرنے کے لئے کیا دنیا کے تختہ پر صرف فلسطین کا چھوٹا سا علاقہ ہی ان لوگوں کی نظر پڑا۔ صدر ٹرومین۔ امریکی حکومت اور برطانوی حکومت امریکہ یا کینیڈا میں کیوں نہیں آباد کرتی۔ وہ ممالک تو فلسطین کے مقابلہ میں کئی گنا بڑے ہیں۔ اگر ان کو ہمدردی ہے تو امریکہ کی سرزمین میں ان کو بآسانی آباد کیا جا سکتا ہے۔ آسٹریلیا کا اتنا بڑا براعظم بنجر پڑا ہے۔ وہاں آباد کرنا چاہیئے صرف فلسطین پر سارا نزلہ کیوں گرایا جا رہا ہے۔

ان مجرموں کے یہ ناپاک ارادے کبھی منڈھے نہ چڑھیں گے —— ہم ہندوستان کے تمام مسلمان بحیثیت مجموعی فلسطینی عربوں اور عرب لیگ کے ساتھ ہیں۔ ہم اس مقدس جنگ میں اپنے مال اور جانیں قربان کر دیں گے امریکی اور برطانیہ حکومتوں کو کان کھول کر سن لینا چاہیئے کہ اگر وہ حق و انصاف کا خون کرنے سے باز نہ آئے اور یہودیوں کو نہ روکا گیا تو وہ دیکھیں گے کہ پاکستان کا بچہ بچہ تمام اسلامی دنیا کے چھوٹے بڑے مسلمان اپنی جانیں لے

کر ان سے ٹکرا جائیں گے، اور نرغ عونیت و ماغ حکومت کو پاش پاش کر دیں گے۔

نیو یارک ٹائمز کو بیان

نیو یارک ٹائمز - NEWYARKTIMS کے نمائندہ خصوصی مقیم ہند نے قائد اعظم کا سیاسیات ہند اور مسائل عالم اسلام پر ایک انٹرویو لیا۔ جسے نیو یارک ٹائمز نے پہلے صفحہ پر نہایت نمایاں طور سے شائع کیا۔

یہ بیان ۱۳ر نومبر ۱۹۴۵ء کو ہندوستان کے اخبارات میں بھی شائع ہوا، نامہ نگار کا کہنا ہے کہ میں نے :-

" پھر قائد اعظم سے عربوں کے ساتھ مسلمانوں کی ہمدردی کے متعلق دریافت کیا۔ قائد اعظم نے جواب میں فرمایا کہ" ہندوستانی مسلمان حتی المقدور عربوں کی امداد کریں گے، وہ اس سلسلہ میں سب کچھ کر گذریں گے۔ کیونکہ ہم یہ کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے کہ فلسطین مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائے۔

جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ "سب کچھ کر گذریں گے" سے کیا مراد ہے؟

تو آپ نے فرمایا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر تشدد کی بھی ضرورت ہوگی تو ہم تشدد بھی حتی الامکان طاقت کے ساتھ کریں گے"۔

انڈونیشیا سے مسلم لیگ کی ہمدردی

جب جاپان کی شکست کے بعد مغرور ڈچ حکومت پھر بر سر اقتدار آئی تو اس نے انڈونیشیا کو پھر اپنی غلامی میں لے لینا چاہا۔ حکومت برطانیہ نے بھی اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ پوری پوری مدد کی۔ لیکن انڈونیشیا کے جانباز اور سرفروش مجاہد میدان میں اتر آئے اور انہوں نے دونوں کے چھکے چھڑا دیئے

۲۴ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کو ایک بیان دیتے ہوئے قائد اعظم نے فرمایا:-

"ہماری ہمدردیاں انڈونیشیا کے محبان وطن کے ساتھ ہیں جو آزادی کی جدوجہد میں سر دھڑ کی بازی لگا چکے ہیں۔ اگر وہاں ہالینڈ کی استعماری حکومت برسر اقتدار آگئی تو یہ ایک سانحہ عظیم ہوگا۔ ہم آزادی و حریت کی راہ میں کوشاں ہونے والی سب اقوام کی حمایت کرتے ہوئے ہر قسم کی حکومت پرستی اور استعماریت کے خلاف اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں، ان اقوام کی حمایت میں مسلم لیگ ہندوستان کی سب جماعتوں اور پارٹیوں کے پیش پیش رہے گی"۔

شام ولبنان کی آزادی

اسی طرح شام ولبنان نے جب فرانس کی استعماری حکومت کے خلاف سرگرمیوں کا آغاز کیا، اور فرانس نے اپنی ذلیل شکست اور غلامی کے دور کو فراموش کر کے شام ولبنان پر پھر تسلط جمانے کی کوشش کی تو عالم اسلام کی خاطر ہندوستان کی جنگ آزادی برپا کرنے والے سورما خاموش رہے۔ لیکن مسلم لیگ سب سے پہلے میدان میں آئی۔ اور قائد اعظم نے نہایت بروقت اور برمحل بیانات شائع کر کے مسلمانان ہند کے تاثرات اور جذبات کا مظاہرہ کیا۔

نیشنل آرمی اور مسلم لیگ

جس دم خم سے حکومت برطانیہ نے جرمنی کا مقابلہ کیا اور آغاز میں شکست کھائی تھی، اسی زور شور سے جاپان کے مقابلہ میں اتری تھی "شاندار اور یادگار" پسپائی پر مجبور ہوئی تھی۔ ملایا اور سنگاپور میں جب برطانوی فوجوں نے ہتھیار ڈالے تو نہایت سعادت مندی کے ساتھ اپنی ماتحت افواجِ ہند کو "رقیب روسیہ" کے حوالے کر دیا۔ جاپان کی بربریت اور سنگدلی مشہور ہے اس نے مفتوح ممالک کے ساتھ نہایت انسانیت سوز سلوک شروع کر دیا تھا۔ اسیرانِ جنگ کے ساتھ اس کا سلوک اور زیادہ ہلاکت خیز تھا یہ رنگ دیکھ کر ہندوستانی فوجیوں کی ایک جماعت نے سبھاش چندر کی زیرِ قیادت "آزاد ہند فوج" یا "قومی فوج" بنائی اور ہندوستان کو سر کرنے کی مہم اپنے ذمہ لے لی۔

کوئی شبہ نہیں اگر یہ فوج قائم نہ ہوتی تو ہندوستان پر نہایت بے رحمانہ اور سنگدلانہ بمباریاں ہوتیں، اور ہندوستانی اسیرانِ جنگ کا بہت بڑا حصہ ہلاک ہو جاتا۔ پھر جاپان کو شکست ہوتی تو ہندوستانی فوج کے "آقائے ولی نعمت" سر کلاڈ آکنلک نے لارڈ ویول وائسرائے ہند سے مشورہ کر کے ان باغیوں اور غداروں کے خلاف مقدمہ چلا کر سزا دینے کی تیاریاں

شروع کر دیں۔ اس جنگ میں آکنلک اور ویول زیادہ اچھے مردِ میدان نہ ثابت ہو سکے تھے۔ مصر میں آکنلک کی کمان میں اتحادی فوجیں جرمنوں سے لڑ رہی تھیں۔ دفعتاً فیلڈ مارشل رومیل نے برق جہندہ کی طرح ایک ایسا حملہ کیا کہ تقریباً مصر تک بڑھ آیا۔ اور قاہرہ براہِ راست خطرہ کی زد میں آ گیا۔ اگر فیلڈ مارشل منٹگمری نے آکنلک کی جگہ نہ لی ہوتی، تو شاید قاہرہ بالکل تباہ ہو جاتا اور ریگستانی جنگ میں اتحادیوں کو زبردست شکست ہوتی۔ اسی طرح ویول "سپریم کمانڈر" بنا کر جاپان کو سر کرنے کے لئے مشرق بعید بھیجے گئے تھے۔ اور جنرل میکارتھر (جو آج جاپان پر اپنی فوجی کامیابی کے صدقہ میں حکمران ہیں) ان کے ماتحت بنائے گئے۔ لیکن ویول سے یہ مہم سر نہ ہو سکی اور وہ ہندوستان کے کمانڈر انچیف بن کر۔

جیسے گئے تھے ویسے ہی ہر پھر کے آ گئے

امید تھی کہ فراست اور تدبر کے مردِ میدان تو بہرحال یہ حضرات ثابت ہوں گے، لیکن نیشنل آرمی پر مقدمہ چلا کر، ان دونوں سپہ گروں نے یہ امید بھی توڑ دی۔

انتخاب سر پر تھا، کانگرس نے بڑے زور شور سے اس مسئلہ کو اٹھایا۔ جب تک انتخاب ختم نہیں ہو گیا، اس کی سرگرمیاں جاری رہیں۔ اور انتخاب ختم ہونے کے بعد اس نے ان اسیرانِ بلا کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اس کے برعکس مسلم لیگ پہلے دن سے آج تک اپنی روش پر قائم ہے۔

قائد اعظم کا بیان

۱۵ ستمبر ۱۹۴۵ء کو ایک بیان دیتے ہوئے قائد اعظم نے فرمایا:-

"مجھے پریس کے جاری کردہ اعلان سے معلوم کر کے خوشی ہوئی ہے کہ حکومتِ ہند اس وقت بہت غور سے اس برتاؤ کو سوچ رہی ہے جو دشمن سے مل جانے والے سپاہیوں کے ساتھ کیا جائے گا، اور مجھے امید ہے کہ

ان کے ساتھ فاتح ہونے کے بعد نرمی کی جائے گی اور انصاف کے ساتھ رحم بھی شامل ہوگا۔

پھر ۱۷ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو ایک بیان دیتے ہوئے اور کانگرس کے اباطیل کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:۔

"میں آزاد ہند فوج کے بارے میں مسلم لیگ کی پالیسی اور رویہ کی وضاحت کر چکا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ اور جماعتیں بھی اس سوال کو فرقہ دارانہ قرار نہ دیں گی۔ میں دیکھتا ہوں کہ کچھ ذمہ دار حلقوں میں اس کو فرقہ دارانہ رنگ دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مگر مسلم لیگ اس فوج کے ممبران کو ہندوستانی سمجھتے ہوئے تمام قسم کے امتیاز کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہر ممکن مدد پیش کرے گی۔"

پہلے مقدمہ کا فیصلہ

حکومت نے شروع میں دو مقدمے شروع کئے۔ پہلے مقدمہ کے ماخوذین کیپٹن سہگل شاہ نواز اور ڈھلون تھے، دوسرے کے کپتان عبدالرشید، قائد اعظم کے واضح ارشادات کے مطابق مسلم لیگ نے ان مقدموں سے کافی دلچسپی لی، تقسیم عمل کے طور پر پہلے مقدمہ کی پیروی بھولا بھائی ڈیسائی وغیرہ نے کانگرس کی طرف سے کی اور دوسرے کی قاضی عیسیٰ، میاں عبدالعزیز اور سر رضا علی وغیرہ نے کی۔

پہلے مقدمہ کا فیصلہ ۲ جنوری ۱۹۴۶ء کو حکومت کے ایک کمیونکے کے بموجب حسب ذیل ہوا۔

"کپتان شاہ نواز، کپتان سہگل اور لفٹیننٹ ڈھلون کو شہنشاہ کے خلاف جنگ کرنے کے الزام میں کورٹ مارشل کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ ڈھلون پر قتل کا بھی الزام تھا۔ اور بقیہ دو پر قتل کا حکم دینے کا الزام تھا۔ کورٹ کا

فیصلہ یہ ہے کہ تینوں شہنشاہ کے خلاف جنگ کرنے کے مجرم ہیں اور کپتان شاہ نواز قتل کے اور کپتان سہگل اقدام قتل کے بھی مجرم ہیں۔ یہ جاننے کے بعد کہ تینوں بغاوت کے مجرم ہیں کورٹ کے لئے لازم تھا کہ تینوں کو یا تو موت کی سزا دیتا یا عبور دریائے شور کی۔ قانون میں اس سے کم سزا اور کوئی نہ تھی، چنانچہ کورٹ کی سزا تینوں کے لئے عبور دریائے شور حبس دوام ہے۔ علاوہ ازیں تنخواہ و الاؤنس کی ضبطی اور صولیابی کی سزا کو برقرار رکھا ہے۔ جیسا کہ پریس میں اظہار ہو چکا ہے۔ حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ صرف ان ہی لوگوں پر مقدمہ چلایا جائے جو بغاوت کے جرم کے علاوہ دوسرے جرائم کے بھی مجرم ہوں اور انہوں نے بہیمانہ جرائم کئے ہوں۔ اور یہ اعلان کیا جا چکا ہے کہ حکام مقدمہ کی تفصیلات کی سماعت کے وقت اس چیز کا لحاظ رکھیں گے کہ کوئی عمل تہذیب و تمدن کے اصولوں سے کس قدر گرا ہوا ہے، لفٹیننٹ ڈھلون اور کیپٹن سہگل کو قتل اور اقدام قتل کے الزامات سے بری کر دیا گیا ہے علاوہ ازیں ان دوسرے بہیمانہ افعال کا بھی الزام نہیں ہے لیکن شاہ نواز کو قتل کا حکم دینے کا مجرم گردانا گیا ہے اور اس کے خلاف جو پیش کئے گئے ہیں، وہ کافی سنگین ہیں۔ تصدیق کرنے والے افسر نے اس وقت کے حالات اور ماحول کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے۔ اس لئے کمانڈر انچیف نے فیصلہ کیا ہے کہ تینوں مجرمین کے ساتھ سزا کے معاملہ میں ایک سا سلوک روا رکھا جائے۔ چنانچہ تینوں کو صرف الاؤنس، تنخواہ کی ضبطی و واپسی کی سزا دی گئی ہے کیونکہ بہر صورت ایک سپاہی کے لئے معاہدہ توڑنا اور ریاست کے خلاف جنگ کرنا بڑا سنگین جرم ہے یہ ایک ایسا اصول ہے جو حکومت کے استحکام اور اس کا مفاد قائم رکھنے کے لئے موجودہ اور مستقبل کے قانون میں روا ہے!

مسلم لیگ کا خیر مقدم

اس فیصلہ کا کانگرس کی طرح مسلم لیگ نے بھی بڑی خوشی سے خیر مقدم کیا اور جماعت بندی کے جذبہ کو ذرا بھی راہ نہ دی۔ اور بڑی وسعتِ قلب کے ساتھ اس فیصلہ کو سراہا۔

چنانچہ مسٹر سید رضا علی نے ۸ جنوری ۱۹۴۶ء کو حسب ذیل بیان شائع کیا:

"جنرل آکنلک نے شاہ نواز، سہگل اور ڈھلون کو رہا کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس وقت بھی دنیا میں جب کہ چاروں طرف یاس و ناامیدی کے بادل چھائے ہوئے ہیں، سچائی اور انصاف کی فتح ہو سکتی ہے میرے خیال میں ایسے وطن پرستوں کو جنہوں نے اپنے مادرِ وطن کو آزاد کرانے کے لئے اتنی تکالیف اٹھائیں اور قربانیاں دیں ان کے خلاف مقدمہ چلانا بڑی غلطی تھی۔ اگر برطانیہ کی لیبر گورنمنٹ اب بھی اپنے اصولوں پر قائم ہے تو اس کو آزاد ہند فوجیوں کے خلاف تمام مقدمات واپس لے لینے چاہئیں۔"

کپتان عبدالرشید کی سزایابی

فروری کے شروع میں حکومت نے کپتان عبدالرشید کو رہا کرنے کے بجائے سات سال سزائے سخت ازراہِ مراحم خسروانہ عطوفت شاہانہ مرحمت فرما دی۔

کپتان رشید نے اپنے بیان میں عدالت کے سامنے کہا تھا کہ میں نیشنل آرمی میں مسلم مفاد کے تحفظ کے جذبہ کے ماتحت شریک ہوا تھا، اس بیان سے کانگرسی لیڈر بہت خفا تھے چنانچہ کپتان عبدالرشید کی سزایابی پر کچھ روز تک یہ خاموش رہے، بعد میں مصلحت سے مجبور ہو کر بولے تو اس طرح کہ اس فیصلہ پر حکومت کو کم ملامت کی، اور عبدالرشید کے بیان پر بہت زیادہ غم و غصہ اور نفرت و حقارت کا اظہار کیا۔

حکومت کے اس فیصلہ پر اسلامی ہند میں ایک طوفان برپا ہو گیا۔ کلکتہ میں اور بمبئی میں تقریباً غدر کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ دوسرے بڑے بڑے شہروں الہ آباد، دہلی، آگرہ، لکھنؤ، میرٹھ، پٹنہ، لاہور، امرتسر وغیرہ میں بھی زبردست مظاہرے ہوئے، کالج بند ہو گئے، اسکولوں پر تالے پڑ گئے۔ ہڑتالیں ہوئیں، جلوس نکلے، جلسے ہوئے لوگوں نے ٹیلیفون کے تار کاٹ دیئے ریل کی پٹریاں اکھاڑ دیں۔ فوجی لاریوں کو نذرِ آتش کر دیا یونین جیک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ حکومت کی بنائی ہوئی پبلک عمارتوں کو نقصان پہنچایا۔ ٹرامیوں اور لبسوں میں آگ لگا دی۔ ڈاک تھانے توڑ دیئے۔ کاغذات جلا دیئے، نقدی چھین کر پھینک دی۔ پولیس سامنے آئی تو اس سے گتھ گئے۔ فوج صف آرا ہوئی تو اس کے سامنے بھی ڈٹے رہے۔ کرفیو آرڈر لگا، مارشل لاء نافذ ہوا۔ لاٹھیاں چلیں۔ گولیاں برسیں۔ لیکن حالات سازگار نہ ہوئے ابتر ہی ہوتے چلے گئے۔

صرف کلکتہ میں ۶۰ سے زیادہ آدمی ہلاک، اور ۴ سو سے زیادہ زخمی ہوئے میرٹھ میں بھی سخت ہنگامہ ہوا اور کئی بار گولیاں چلائی گئیں۔ دہلی مسلم لیگ کے سالار، ۳۲ کارکن گرفتار کر لئے گئے، اور انہیں ہتھکڑیاں پہنا کر عدالت میں لے جایا گیا۔

مسلم لیگ تشدد کی حامی نہیں ہے۔ یہ تشدد کے مظاہرے مخلص لیکن غلط کار لوگوں نے کئے۔ لیکن ان سے ایک بات ثابت ہو گئی۔ بہت سے سمجھ دار لوگوں کے دل میں یہ ڈھر کا پیدا ہو گیا تھا، کہ ہندو عرصہ سے رزم آرا ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کا دست جنگ آزما ایک عرصہ سے شل ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو مسلمان بیٹھے بیٹھے بزدل ہو گئے ہوں، قربانی سے جی چرانے لگے ہوں جان دینے میں تامل کرنے لگے ہوں؟ لیکن ان ہنگاموں کے شہیدوں، اور زخمیوں نے ثابت کر دیا کہ وہ اب بھی اسلام کی عزت پر جان دے سکتے ہیں، مسلمان کے ناموس پر گولیاں اپنے سینوں پر کھا سکتے ہیں،

بند کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن ۔۔۔ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مسٹر سہروردی کا بیان

مسٹر سہروردی شہید سہروردی سابق مسلم لیگی وزیر بنگال نے طلبہ کے جلوس کی قیادت فرماتے ہوئے ۱۳ فروری ۱۹۴۶ء کو ایسوسی ایٹیڈ پریس کے نمائندہ کو ایک بہت معقول بیان دیا، جو اپنی اہمیت اور افادیت کے اعتبار سے مستحق ہے کہ اس کا خاص طور پر ذکر کیا جائے۔ موصوف نے کہا:-

آج کا مظاہرہ دیکھ چکنے کے بعد حکومت کو محسوس ہو جانا چاہیئے کہ کیپٹن عبدالرشید کی رہائی کے لئے جذبات کس قدر شدت کے ساتھ مشتعل ہیں یہ اشتعال محض مٹھی بھر طلباء ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ پوری مسلم قوم مشتعل ہے یہ ایک انتباہ ہے کہ ایک مرتبہ اگر مسلم قوم کو اشتعال دے دیا گیا۔ تو پھر اسے روکنے کے لئے حکومت کو اپنی تمام طاقتوں کی ضرورت پڑ جائے گی، مسلم قوم نے جب کبھی بھی کوئی مطالبہ کیا اُسے حاصل کر کے دم لیا ہماری کامیابی کا راز ہمارے مقصد کے خلوص میں مضمر ہے۔"

مسٹر جناح کی گرج

۱۶ فروری ۱۹۴۶ء کو قائداعظم نے ایک بیان شائع کر کے کمانڈر انچیف سے جواب طلب کیا کہ آزاد ہند فوج کے پہلے اور دوسرے مقدمہ میں امتیاز کیوں روا رکھا گیا؟ پہلے ملزمین رہا کیوں کئے گئے اور دوسرے ملزم کو سزا کیوں دی گئی۔

پھر ۱۷ فروری ۱۹۴۶ء کو قائداعظم نے مرکزی اسمبلی میں ایک تقریر کی اور حکومت سے بازپرس کی اور فرمایا تم نے اقدام قتل اور قتل کے مجرموں کو رہا کر دیا۔ جو بہت جرم ہے اور ایذا رسانی کے ملزم کو جیل بھیج دیا۔ جو قانون کی نظر میں قتل سے کہیں ہلکا جرم ہے میں

جانتا ہوں تم عبدالرشید کو قربانی کا بکرا بنانا چاہتے ہو۔ اور پہلے مقدمہ کی سزا بھی اس کو دینا چاہتے ہو۔ اور پہلے مقدمہ کی سزا بھی اس کو دینا چاہتے ہو۔ میں نے اپنی زندگی قانون کے مطالعہ میں بسر کی ہے میں کہہ سکتا ہوں اگر کھلی عدالت میں یہ مقدمہ چلایا جائے تو تمہارا حکم منسوخ ہو جائے گا۔"

مسٹر میسن وار سیکرٹری نے جواب دینے کی ناکام کوشش کی۔ اور فرمایا کہ پہلے مقدمہ کے ماخوذین اس لئے رہا کر دئے گئے کہ "حکومت کو سیاسی پارٹیوں سے سیاسی تعطل دُور کرنے کے سلسلہ میں تعاون کی امید تھی، لہٰذا فضا کو خوشگوار بنانے کے لئے ایسا کیا گیا دوسرے مقدمہ میں یہ صورت نہیں تھی، لہٰذا انصاف کیا گیا۔

حکومت کا عذرِ گناہ

قائداعظم کے الزامات نہایت سنگین تھے، لہٰذا ان کی بازپرس کے ایک ہفتہ بعد حکومت ہند نے ۱۵ فروری ۱۹۴۶ء کو ایک کمیونکے شائع کیا جس میں اس نے میسن وار سیکرٹری کے بیان سے ہٹ کر پہلے اور دوسرے مقدمہ کو پیش کرنے کی ناکام کوشش کی۔ لیکن اُسے بہر حال یہ اعتراف کرنا پڑا کہ اس کا یہ اقدام قانون کے مطابق نہیں ہے بلکہ اس کی حد سے پرے ہے:-

"شاہ نواز پر یہ جرم تھا کہ اس نے خلاف قانون قائم شدہ اپنی فوج سے بھاگنے والوں کو سخت سزائیں دینے کے احکامات جاری کئے، لیکن یہ کسی نے نہیں بتایا کہ اس نے جو سزائیں تجویز کی تھیں وہ اِن سزاؤں سے زیادہ تھیں جو ایسے ہی جرائم کے لئے دی جاتیں۔ اصلاحی طور پر اس کا جرم قتل ہو سکتا ہے، لیکن وحشیانہ یا مہذب اصولوں کے خلاف نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح کپتان عبدالرشید کے خلاف جو دو الزامات ثابت ہوئے وہ اقعی

وحشیانہ مظالم اور مہذب اصولوں کے خلاف کیے جا سکتے ہیں، ان حالات میں یہی فیصلہ کیا جا سکتا ہے پہلی صورت میں حبس دوام کی سزا منسوخ کی جائے اور دوسری صورت میں ۷ سال قید کی سزا دی جائے۔

اس میں شک نہیں ہے کہ قانون کی نظر میں قتل یا اعانت کا جرم ضرب شدید سے بہت زیادہ سنگین جرم ہے اور دونوں طرح کے جرائم کے ارتکاب میں وحشیانہ اور بربری طریق کار کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

قاضی محمد عیسٰی کی معرکہ آرا تقریر

۱۵ فروری ۱۹۴۶ء کو مسلمانان دہلی کے ایک عظیم الشان اجتماع قاضی محمد عیسٰے نے ایک زبردست اور یادگار تقریر کی، انہوں نے کہا۔

انگریز ہندوستانیوں کو ملایا، سنگاپور اور برما میں تڑپتا ہوا چھوڑ کر ہوائی جہازوں موٹروں اور کشتیوں کے ذریعہ مع اپنے بال بچوں کے بھاگ کھڑے ہوئے ہندوستانیوں کی کوئی پرواہ نہ کی، اور اب آج ان پر الزام عائد کر کے ان کو سزا دینے کے لئے بیٹھے ہیں، اس وقت ہندوستانیوں کا درد دل میں نہ اٹھا۔ جب خود ان کو جاپانی وحشیوں کے ہاتھوں سونپ کر چلے آئے تھے اب یہ درد اٹھا ہے کہ آزاد ہند فوج والوں نے ہندوستانیوں پر مظالم کئے ہم سے کہتے ہو کہ وفادار رہو۔ میں پوچھتا ہوں کہ تم کو کیا حق ہے کہ ہم سے وفاداری کا مطالبہ کرو۔ تم نے ہندوستانیوں کو مقابلہ کرنے میں صرف یہ سکھایا کہ منظم طور پر پیچھے ہٹتے رہو۔ اور جب دشمن سر پر آگیا تو ان ہندوستانیوں کو ان کے سپرد کر کے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور کمانڈر وہاں رہ گئے تھے انہوں نے یہ حکم دیا کہ ہندوستانیوں جس طرح تم اب تک ہمارا حکم بجا لاتے رہے اسی طرح

اب جاپانیوں کا حکم بجا لاؤ، جاپانیوں نے ان سے ایک نئی تحریک میں شامل ہونے کو کہا ہندوستانی یہ سوچ کر اس میں شامل ہو گئے کہ ان کے پہلے آقا جب ان کے آڑے وقت کام نہ آئے، دشمن سے نہ بچا سکے۔ اور بھیڑ بکریوں کی طرح دوسروں کے ہاتھوں سونپ کر چلے گئے تو ان سے عہد وفاداری کیا۔

انہوں نے کپتان رشید کو تو اس جرم میں سزا دی کہ اس نے وحشیانہ مظالم کئے تھے۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ ملایا میں جرم کرنے والے پر جس کو تم دوسری حکومت کے ہاتھوں میں سونپ چکے تھے مقدمہ چلاتے ہو اور سزا دیتے ہو۔ کیا تم نے کبھی ان وحشی درندوں یعنی اپنے فوجیوں کو سزا دیتے ہو۔ کیا تم نے کبھی ان وحشی درندوں یعنی اپنے فوجیوں کو سزا دی کیا کبھی ان کے کسی کمانڈر پر مقدمہ چلایا۔ جنہوں نے حال ہی میں چٹاگانگ اور مشرقی بنگال میں گاؤں جلا دئیے، عورتوں کی بے حرمتی کی اور مردوں کو مارا۔ اور زدوکوب کیا۔ کیا بید لگانا جرم ہے اور عورتوں کی بے حرمتی جرم نہیں؟

آزاد ہند فوج کا پہلا مقدمہ ہوا۔ اس میں اعانت قتل کے مجرم کو چھوڑ دیا اور بید لگانے اور لگوانے والے مجرم کو سات سال قید کی سزا دے دی۔ گویا تم ہی ہم کو یہ سبق دیتے ہو کہ ٹھوکر لگانے کا جرم ہم نہ کریں۔ کیونکہ اس پر سزائیں مل جائیں گی۔ بلکہ ہم گولی سے اڑا دیں تاکہ سزا سے بچ جائیں۔ مطمئن رہو کہ انشاء اللہ وہ وقت جلد قریب آئے گا جب ہم گولیاں کھائیں گے اور گولیاں ماریں گے۔"

"آج تک ہم خاموش تھے تو اس کا مطلب یہ تھا کہ منتشر قوم کو یک جا کر کے منظم کر رہے تھے نہ کہ بزدل بنے بیٹھے تھے یہ نہ سمجھو کہ ہم قربانیاں نہیں دے سکتے ہیں۔ یہ ہم پر بہتان ہے سراسر افترا ہے ہم ہی نے قربانیاں" کرنا

سکھائی ہیں۔ اور ہم ہی اپنے سبق کو بھول جائیں گے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا
مگر ہم بے جا اور بے موقع لڑنے کے عادی نہیں نہ ہم ظلم کریں گے اور نہ ہم
اپنے اوپر کسی کو ظلم کرنے دیں گے، مگر یاد رکھو ایک مرتبہ جب ہماری تلواریں نیام
سے باہر آجائیں گی تو پھر اس وقت تک نیام میں داخل نہ ہوں گی جب تک کہ
وہ اپنا مقصد پورا نہ کر لیں جس کے لئے وہ نکالی گئی تھیں۔ ہم نے آج ہی کے
مظاہرے سے اغیار کی آنکھیں کھول دی ہیں۔"

ہم ہندوستانی یعنی مسلمان، سکھ اور ہندو نہیں چاہتے کہ آزاد ہند فوج
والوں پر مقدمہ چلایا جائے تو پھر تم مقدمہ چلانے والے اور سزا دینے والے
کون ہوتے ہو۔ انہوں نے اگر تمہارے کہنے کے مطابق جانیں لی ہیں تو ہندوستانیوں
کی۔ اگر مارا ہے تو ہندوستانیوں کو۔ اگر ظلم ڈھائے ہیں تو ہندوستانیوں پر۔ پھر
اس کا انصاف کرنے والے تم کون ہو۔ ان کو ہمارے سپرد کرو۔ ہم جس طرح
چاہیں گے ان سے نبٹ لیں گے۔ اگر تم ایسا کسی قانون کے ماتحت کرتے
ہو تو ہم ایسے قانون کے پرخچے اڑا دیں گے جو ہماری خواہشات اور احساسات
کا پاس نہ کرے۔ ہم تمہاری پالیسی پر بھینٹ چڑھنا نہیں چاہتے۔ تم اپنے
ملک میں اپنی پالیسی کے تجربے آزماؤ۔ کپتان رشید ملت اسلامیہ کی نظر میں
ہرگز مجرم نہیں۔ اس نے مفاد ملت اسلام کے لئے تلوار اٹھائی تھی۔ اس نے
ہرگز کوئی جرم نہیں کیا۔ مجرم وہ ہے جو اسے مجرم کہے۔"

پھر قاضی صاحب نے مسلم طلبہ اور مسلم تجار اور مسلم خواتین کا شکریہ ادا
کیا کہ انہوں نے ہڑتال کامیاب بنائی۔

قائداعظم کا حکومت کو جواب

حکومت کے اعلامیہ کا جواب ۱۲ فروری ۱۹۴۶ء کو قائداعظم نے دیا اور فرمایا:۔

"یہ آئینی حیثیت سے غلط، منطقی حیثیت سے غیر پائیدار اور اخلاقی حیثیت
سے ناقابل دفاع ہے یہ کیونکہ محض ان خیالات کا اعادہ ہے جو حال ہی میں
مرکزی اسمبلی کی بحث کے موقع پر سیکرٹری ڈیفنس مین نے ظاہر کئے ہیں۔ تاہم
مجھے اس امر سے مسرت ہوئی کہ یہ حقیقت اب تسلیم کر لی گئی ہے کہ قانون کی نظر
میں قتل کا جرم ضرب شدید کے جرم سے کہیں زیادہ شدید جرم ہے۔ خواہ ان
میں سے کوئی سا جرم ظالمانہ یا غیر مہذبانہ اس امتیاز کا مقصد محض یہ ہے کہ
شاہنواز کی رہائی کو منصفانہ قرار دیا جائے۔ اور اس بہانہ پر عبدالرشید کے
خلاف امتیازی بدسلوکی کا جواز پیش کیا جائے۔ گویا قانون میں کوئی ایسا جرم
ہے جسے شدید ظلم یا غیر مہذب طرز عمل کئے ہوں۔

عبدالرشید کو ایک فوجی عدالت نے غلط طور پر ضرب شدید کے ارتکاب
کا مجرم قرار دیا ہے۔ جو مسلمہ طور پر قتل یا ترغیب قتل کے جرم کے مقابلہ میں
کہیں کم درجہ کا جرم ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اس بے پناہ تلخی جوش اور اشتعال
میں جو ملک بھر میں پھیلا ہوا ہے۔ مزید اضافہ کروں ہندوستان کے دیگر مقامات
کا تو ذکر الگ رہا۔ محض ایک کلکتہ ہی کو لیجئے جہاں چوالیس بے گناہ جانیں
تلف ہو گئیں۔ اور سات سو سے زاید اشخاص مجروح ہو گئے جس کی وجہ
محض یہ ہے کہ وہ شہری ہونے کی حیثیت سے جلسوں، جلوسوں اور
مظاہروں کے ذریعے اپنے جذبات کا اظہار کرنے کے حقوق کو بروئے کار
لاتے ہوئے حکومت کی پالیسی اور طرز عمل کی مذمت صاف صاف الفاظ
میں کرنا چاہتے تھے۔

پولیس کے طرزِ عمل کے متعلق تو کچھ کہنا ہی فضول ہے جسے بنیادی طور پر
آزادی، اظہار خیال اور عوام کی آزادیٔ تقریر کو دبانے کے لئے تربیت

دی گئی ہے۔ جہاں جہاں آتش باریاں ہوئی ہیں۔ وہاں اس پوری واردات کے لئے ایک غیر جانب دار ٹربیونل کا تقرر قطعی لازمی و ضروری ہے ارباب اقتدار کسی طرح بھی غنڈہ گردی کے پردہ میں اپنی ذمہ داری سے بچ کر پیچھا نہیں چھوڑ سکتے۔

میں آگ پر تیل چھڑکنا نہیں چاہتا لیکن ان میں مرحومین اور مجروحین کے پس ماندگان سے اپنے قلبی ہمدردی کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا جنہوں نے جائز طریقہ پر اپنے جذبات کے آزادانہ اظہار اور آزادی تقریر کے اپنے شہری حقوق کی نگہداشت اور حفاظت و حمایت میں اپنی جانیں قربان کر دیں یا مجروح ہو گئے۔

میں تمام شکوک و شبہات سے بالاتر ہو کر اس حقیقت کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ دہلی سے کلکتہ تک دوران سفر میں تمام ملک میں میں نے عبدالرشید سے امتیازی بدسلوکی کے متعلق دیکھا کہ لوگوں کی آنکھوں میں خون اترا ہوا ہے اس سے تمام طبقوں کے لوگ متاثر ہیں۔"

سر عبدالرحیم کا بیان

سر عبدالرحیم نے جو ابھی حال ہی میں مرکزی اسمبلی کی صدارت سے سبکدوش ہوئے ہیں ایک بیان دیا اور حکومت کے رویہ پر سخت و تند نکتہ چینی کی اور مطالبہ کیا کہ کپتان عبدالرشید کو فوراً رہا کر دیا جائے۔

کپتان برہان الدین کی سزایابی

آخر فروری ۱۹۴۶ء میں کپتان برہان الدین کو بھی حکومت نے سات سال

کی سزائے سخت دے دی۔ ان کے مقدمہ کی پیروی کانگرس کر رہی تھی۔

یہ فیصلہ سن کر کانگرس بالکل خاموش رہی۔ پنڈت نہرو اور سردار پٹیل نے کوئی احتجاجی بیان نہیں شائع کیا۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ انتخاب کا معرکہ ختم ہو گیا اور کانگرس کا جذبہ بھی سرد پڑ گیا۔

لیکن مسلم لیگ نے اس فیصلہ کے خلاف بھی احتجاج کیا، مسلم طلبہ نے مظاہرے کئے اور جلوس نکالے، پنجاب میں حکومت کی مداخلت، گورنر کی سرپرستی اور وزیراعظم کی جانب داری کے باوجود یونینسٹ پارٹی بری طرح ہاری۔ اور مسلم لیگ کو غیر معمولی فتح ہوئی اس قابل فخر کامیابی پر یکم مارچ ۱۹۴۶ء کا دن "جشن فتح" منانے کے لئے پنجاب مسلم لیگ نے مقرر کیا تھا۔ لیکن کپتان برہان الدین کی سزایابی کا حکم سن کر نواب ممدوٹ نے جشن فتح کا پروگرام منسوخ کر دیا۔

کیا مسلم لیگ اور کانگرس کا یہ فرق معمولی ہے؟

مسٹر جناح کا مقابلہ
مرکزی اسمبلی کا یادگار انتخاب!

○

نئے انتخابات کا اعلان ہوا۔ سب سے پہلے مرکزی اسمبلی کے انتخابات کی ہماہمی اور گہماگہمی شروع ہوئی۔ کانگرس اعلان کر چکی تھی۔ کہ وہ ہر ہر مسلم نشست کے لئے اپنی اتحادی ALLY جماعتوں کے توسط سے یا بطورِ خود مسلم امیدوار کھڑے گی۔

مسٹر لال جی میدانِ مقابلہ میں

مسلمان اس اعلان کو سن چکے تھے، اور غیر مسلم لیگی امیدواروں کو خوش آمدید کہنے اور ان کا پرتپاک استقبال کرنے کو تیار تھے، عام خیال یہ تھا کہ مسٹر جناح حسب معمول بلامقابلہ منتخب ہوں گے اور ان کے مقابلہ میں کانگرس کے شاطر کسی مہرہ کو کھڑا کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔

لیکن یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ اور بالآخر ایک عرصہ تک تامل اور تذبذب کے بعد مسٹر حسین بھائی لالجی، دفعتہً انتخاب کے "پردہ سیمیں" پر ویلن کے روپ میں جلوہ گر ہوئے اور "۳ کروڑ" شعیانِ ہند کے خودساختہ شاہ بے تاج اور واحد نمائندہ بن کر میدان مقابلہ میں کود پڑے، یہی حسین بھائی ۱۹۲۳ء میں جب مسٹر جناح "قائد اعظم" نہیں تھے، مقابلہ سے

دستبردار ہو چکے تھے۔ لیکن ۱۹۴۵ء میں انہوں نے قائد اعظم کا حریف بننا منظور کر لیا۔

چنانچہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو لکھنؤ سے ایک بیان دیتے ہوئے موصوف نے اعلان کیا کہ مرکزی اسمبلی کے لئے مسٹر جناح کا مقابلہ کرنے میں کوئی چیز میری سدِ راہ نہیں بن سکتی، کامیابی کے مجھے مواقع حاصل ہیں:۔

قائد اعظم کی تقریر

۳۱ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو قائد اعظم نے مسلمانانِ بمبئی کے سامنے ایک اہم انتخابی تقریر کی، انہوں نے فرمایا:۔

میرے کاغذاتِ نامزدگی مرکزی اسمبلی کے لئے داخل کر دئے گئے ہیں۔ کیونکہ مجھے بھی ٹکٹ مل گیا تھا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس جھنجھٹ کے علاوہ مجھے اتنے زیادہ کام کرنے پڑتے ہیں کہ یہ کام میں پسند نہیں کرتا۔ لہٰذا مجھے آپ کا حکم مان کر یہ کام کرنا ہی چاہیئے۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ اس کے لئے ایک ایڈووکیٹ کی ضرورت ہے جو آپ کے حقوق کی نمائندگی کر سکے۔ اگر آپ مجھے اسمبلی میں بھیجنا چاہتے ہیں تو میں بھی آپ کی خدمت کروں گا۔"

خواجہ حسن نظامی کا خط

شمس العلماء خواجہ حسن نظامی صاحب کے مسٹر لال جی سے بڑے دیرینہ تعلقات ہیں وہ شیعہ فرقہ کے پرانے ہمدرد اور غمخوار ہیں۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں جب شیعہ کانفرنس لال جی نے لکھنؤ میں منعقد کی۔ اور وہاں افتراق بین المسلمین کی تیاریاں کیں تو خواجہ صاحب نے حسب ذیل خط مسٹر لال جی کو لکھا:۔

"میں بیمار نہ ہوتا تو شیعہ کانفرنس میں باوجود دشمنی کے بن بلائے آجاتا تاہم

یہ خط بھیج کر اپنے جذبات ظاہر کرتا ہوں۔ میں شیعہ جماعت کے سیاسی حقوق کا پرانا حامی ہوں اور مذہبی اور تاریخی حقوق کے لئے سینہ سپر ہو کر پچاس برس سے شیعہ جماعت کی خدمت کر رہا ہوں۔ اس لئے میں آپ کی کانفرنس کو لبیک کہتا ہوں۔ میں مسلم لیگ کا ممبر نہیں ہوں اور مجھے اس کے لیڈروں سے اختلاف بھی ہیں۔ جن کو بے باکی سے صاف صاف اپنے اخبار منادی میں لکھتا رہتا ہوں۔ مگر موجودہ وقت کی سیاست جدائی سے تباہ ہو جائے گی اس لئے میں نے اپنی جماعت کے کروڑوں چشتیوں کی طرف سے شملہ کانفرنس کے وقت مسلم لیگ کا ساتھ دیا تھا۔ اور اب بھی شیعہ جماعت کی سیاسی کامیابی سُنی شیعہ کی وحدت میں تصور کرتا ہوں۔

یہ وقت ذاتی غرض اور مفاد پر نظر رکھنے کا نہیں ہے اور یہ وقت درحقیقت حضرت علی کا وقت ہے، حضرت علی حقدار تھے، مگر انہوں نے وقت کی مصلحت سے صبر کیا تھا اور تین خلافتوں کی مدد کرتے رہے تھے اور مسلمان قوم کی وحدت اور اخوت کو سنبھال لیا تھا۔ اور یہ اتنا بڑا احسان مسلمانوں پر کیا تھا جس کی مثال دنیا کی کسی تاریخ میں نہیں ہے۔

اس لئے میں اپنے دادا اپنے مرشدِ اعظم علی کی سنت پر عمل کر کے یہ خط لکھتا ہوں کہ شیعہ جماعت کو بھی اپنے آقا اور مالک کی طرح صبر سے کام لینا چاہیئے۔ ورنہ آنے والے مورخ اور آنے والی مسلمان نسلیں شیعہ جماعت کو مطعون کیا کریں گے۔

مدح اصحابہ والے کانگرس کے آدمی ہیں۔ ان کی اشتعال انگیزی سے بے توجہ رہنا شیعہ جماعت کی دانش مندی کو حیات دائم عطا کرے گا عقل اور علم شیعوں میں زیادہ ہے، وہ مسلم لیگ پر قبضہ کر کے اس کے ذریعہ اپنے

سب حقوق حاصل کر سکتے ہیں۔ زندہ باد نامِ علی مولا۔

لیکن ایک مخلص دوست کی یہ اپیل رائگاں گئی۔ اور مسٹر لال جی اپنی ضد پر قائم رہے۔

انتخاب کا یومِ کارزار

۲۶ نومبر انتخاب کی تاریخ تھی۔ ان سطروں کے لکھنے والے نے اس دن تمام پولنگ اسٹیشنوں کا گشت کیا۔ اور بذاتِ خود احوال و کوائف کا مشاہدہ کیا صبح ہی سے سارے شہر میں ایک عجیب و غریب چہل پہل اور گہما گہمی نظر آ رہی تھی مسلم لیگ کے رضاکار قائداعظم کے عقیدت مند مسلم قوم کے جانباز پورے جوش و خروش کے ساتھ مصروفِ عمل تھے۔

مسٹر لال جی اس حلقہ سے کھڑے ہوئے تھے۔ جہاں شیعہ ووٹروں کی غیر معمولی کثرت ہے وہ شیعوں کے واحد نمائندہ کی حیثیت سے کھڑے ہوئے تھے، وہ بہ نفسِ نفیس شہر میں موجود تھے اور مسٹر جناح بمبئی سے باہر لیگ کے لئے دورے کر رہے تھے پھر بھی کیفیت یہ تھی کہ مسٹر جناح کے خیمے، کارکنوں سے عقیدت مندوں سے اور ووٹروں سے بھرے ہوئے تھے۔ اور مسٹر لال جی کے خیموں میں سوا چند ہندو کارکنوں کے کوئی نہ تھا شیعہ رضاکاروں کی ایک بڑی تعداد قائداعظم کے کیمپ میں موجود تھی لیکن لال جی کے ہاں کوئی شیعہ بھی نہیں تھا۔

بائیکلہ چرچ میں جب مس فاطمہ جناح (قائداعظم کی ہمشیرہ) اپنا ووٹ دینے آئیں تو اس وقت بہت بڑے ہجوم نے جو دروازے پہ کھڑا ہوا تھا۔ "اللہ اکبر" "قائداعظم زندہ باد" کے نعروں سے موصوفہ کا خیر مقدم کیا۔

انجمن اسلام ہال سب سے بڑا پولنگ اسٹیشن تھا، یہاں انتظامات کی دیکھ بھال کے لئے مسٹر فاروقی، کلکٹر بمبئی موجود تھے، دوپہر کو سر جان کول ویل گورنر بمبئی بھی تشریف لائے حاضرین نے "پاکستان زندہ باد" کے نعروں سے ان کا خیر مقدم کیا۔ خواتین کے لئے ووٹ کا انتظام الگ تھا۔ یہاں خواتین رضاکار موجود تھیں، لال جی نے خوجوں اور بوہرو

کو توڑنے کی بڑی کوشش کی۔ لیکن ناکام رہے۔ خوجہ اور بوہرہ ووٹروں نے بہت بڑی تعداد میں قائداعظم کو ووٹ دیئے۔ خوجوں بوہروں کے بڑے بڑے لیڈر یہاں قائداعظم کے رکن کی حیثیت سے موجود تھے۔ میں نے ایک ۷۰ - ۸۰ برس کے خوجہ کو دیکھا، آنکھوں سے معذور، دست و پا مرتعش۔ سماعت سے محروم۔ لیکن وہ اس جوش سے قائداعظم کو ووٹ دینے جا رہا تھا۔ جیسے کوئی بہت بڑی دولت لینے جا رہا ہو۔

یہاں کا ایک واقعہ خاص طور پر قابلِ تذکرہ ہے۔ سید عبداللہ بریلوی صاحب ایڈیٹر بمبئی کرانیکل کانگرسی ہیں، مسلم لیگ کے مخالف ہیں۔ یہ سب کو معلوم تھا۔ پھر بھی ان کی اصول پروری اور اخلاص کی دل میں عزت تھی۔ وہ ووٹ دینے گئے تو انہوں نے مسٹر لال جی کو ووٹ دیا۔ لیکن ان کا یہ "اصول" سمجھ میں نہ آیا۔ کہ جس شخص نے کبھی کانگرس کے ساتھ اسمبلی میں ووٹ نہ دیا ہو۔ اسے وہ مسٹر جناح پر ترجیح کیسے دے رہے تھے؟ مجمع کے بہت سے لوگوں نے یہ محسوس کیا۔ کچھ لوگ مشتعل ہو گئے انہوں نے بریلوی صاحب کو نرغہ میں لے لیا۔ لیکن مسلم لیگی کارکنوں نے انہیں صحیح سلامت موٹر تک پہنچا دیا۔ دوسرے روز بمبئی کرانیکل میں یہ رپورٹ نظر سے گزری کہ مجمع کے کچھ افراد نے بریلوی صاحب کے منہ پر تھوکا حالانکہ ناظرین اور حاضرین میں سے کسی نے اس حادثہ کا مشاہدہ نہیں کیا۔

انتخاب سے ایک دن پہلے

انتخاب سے ایک دن پہلے یہ افواہ اڑائی گئی کہ سر آغا خاں نے خوجوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ مسٹر جناح کو ووٹ نہ دیں بلکہ مسٹر لال جی کو دیں۔ لیکن مشہور خوجہ لیڈر حبیب ابراہیم رحمت اللہ نے آگرہ میں ہز ہائی نس کو ٹیلیفون کیا۔ اور حقیقت حال دریافت کی ہز ہائی نس نے بڑے اضطراب کے ساتھ اس کی تردید کی اور حبیب صاحب کو ہدایت کی کہ وہ فوراً اس افواہ کی تردید کر دیں اور یہ اعلان کر دیں کہ میں مسلم لیگ کی کامیابی کا متمنی ہوں!

شکستِ فاش

آخر ۱۴ر دسمبر کو نتیجہ شائع ہو گیا۔ مسٹر جناح کو ۲۰۶۳ ووٹ ملے۔ اور مسٹر لال جی کو صرف ۱۲۷ ووٹ، ضمانت ضبط ہو گئی۔

مسٹر لال جی، بمبئی کے جنوبی حلقہ سے مسٹر احمد ابراہیم ہارون جعفر (مسلم لیگ) کے مقابلہ میں بھی کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن اس دوسرے حلقہ سے بھی ہار گئے مسٹر احمد کو ۱۶۹۱ ووٹ ملے اور لال جی کو ۳۸ ووٹ۔ یہاں بھی ضمانت ضبط ہو گئی۔

مرکزی اسمبلی کا نتیجۂ انتخاب

مرکزی اسمبلی میں مسلم نشستیں ۳۰ ہیں، مسلم لیگ نے ہر نشست کے لئے امیدوار کھڑے کئے۔ کانگرس، جمعیتہ علماء دہلی، احرار، خاکسار، مسلم مجلس وغیرہ نے بھی اپنے اپنے نمائندے متعدد نشستوں کے لئے کھڑے کئے۔ مسلم لیگ نے پوری ۳۰ نشستوں پر قبضہ کر لیا۔ دوسری جماعتوں میں سے ایک امیدوار کامیاب نہ ہوسکا۔

سب سے زیادہ شاندار نتیجہ بنگال کا رہا۔ یہاں ہر فریق مخالف کی ضمانت ضبط ہوئی ڈھاکہ میمن سنگھ کے حلقہ سے مولوی تمیز الدین خاں (مسلم لیگ) کے مقابلہ پر سر عبدالحلیم غزنوی کھڑے ہوئے تھے، تمیز الدین کو ۲۲ ہزار ووٹ ملے اور سر غزنوی کو صرف ۰۰۔ ضمانت ضبط ہوگئی۔ باقر گنج فرید پور کے حلقہ سے چودھری محمد اسماعیل (مسلم لیگ) کھڑے ہوئے تھے، مقابلہ خان بہادر ہاشم علی وزیر بنگال سے تھا محمد اسماعیل کو ۸ ہزار ووٹ ملے اور خان بہادر صاحب کو صرف ۱۰۰۔ ضمانت ضبط ہوگئی۔

یوپی کا نتیجۂ انتخاب بھی بہت اہم تھا۔ راجہ محمود آباد (مسلم لیگ) کے مقابلہ میں منشی احترام علی (سنی لیگ) کھڑے ہوئے تھے۔ مدح صحابہ اور قدح صحابہ کا قضیہ کھڑا کرنے

کی بھی کوشش کی گئی تھی۔ لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ منشی صاحب کی ضمانت ضبط ہوگئی۔ پنجاب میں مولانا ظفر علی خاں (مسلم لیگ) کے مقابلہ پر خاکسار جماعت نے مسٹر خالد لطیف گابا کو کھڑا کیا تھا۔ ان کی بھی ضمانت ضبط ہوگئی۔

۱۹۴۵ء میں سیاسی جماعت نے کس صوبہ سے مرکزی اسمبلی کے کتنے نمائندے نامزد کئے۔

۱	بنگال	یو، پی	سندھ و بمبئی	مدراس	پنجاب	اڑیسہ بہار	سی پی برار	آسام	دہلی	سرحد	اجمیر	میزان
کانگرس کامیاب	۷ ۵	۸ ۸	۱۰ ۹	۱۲ ۱۲	۵ ۳	۹ ۸	۵ ۵	۲ ۲	۱ ۱	۱ ۱		۶۱ ۵۱
مسلم لیگ کامیاب	۶ ۶	۶ ۶	۴ ۴	۳ ۳	۶ ۶	۳ ۳	۱ ۱	۱ ۱	× ×	× ×		۳۰ ۳۰
مہاسبھا کامیاب	۵ ۶	۳ صفر	۲ صفر	۲ صفر	۲ صفر	۱ صفر	۲ صفر	× صفر	۱ صفر	× صفر		۱۸ صفر
سکھ اکالی کامیاب	× ×	× ×	× ×	× ×	۲ ۲	× ×	× ×	× ×	× ×	× ×		۲ ۲

نام صوبہ	تعداد نشست	مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کس نمائندہ نے کس صوبہ میں کتنے ووٹ لئے اور کامیاب ہوا۔
		نام امیدوار مع تعداد ووٹ
یو۔پی	۶	(۱) نواب محمد اسماعیل خاں ..۲۰۰۶ ووٹ ملے۔ مخالف کی ضمانت ضبط۔
		(۲) راجہ امیر احمد خاں آف محمود آباد ۲۱۵۴ ووٹ ملے۔ مخالف کی ضمانت ضبط
		(۳) نواب زادہ لیاقت علی خاں۔ ۳۰۵۴ ووٹ ملے۔
		(۴) ڈاکٹر ضیاء الدین احمد۔ ۳۲۸۰ ووٹ ملے۔ مخالف کی ضمانت ضبط
		(۵) خان بہادر غضنفر علی خاں۔ ۱۰۴۳ ووٹ ملے۔
		(۶) سر محمد یامین خاں ۹۶۷۱ ووٹ ملے۔ مخالف کی ضمانت ضبط۔
پنجاب	۶	(۱) میر غلام بھیک نیرنگ بلامقابلہ
		(۲) نواب سر محمد مہر شاہ ؍؍
		(۳) حاجی شبیر شاہ ؍؍
		(۴) کیپٹن عابد حسین ۷۳۲۵ ووٹ ملے۔ مخالف کی ضمانت ضبط
		(۵) مولانا ظفر علی خاں ۴۰۹۶ ووٹ ملے ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍
		(۶) حافظ محمد عبداللہ ۹۴۲۱ ووٹ ملے
بنگال	۶	(۱) عبدالرحمٰن صدیقی۔ ۵۸۴۰ ووٹ ملے۔ مخالف کی ضمانت ضبط۔
		(۲) سر حسن سہروردی ۲۰۳۵۹ ووٹ ملے۔ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍
		(۳) شیخ رفیع الدین صدیقی ۷۲۰۹۱ ووٹ ملے۔ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍

		(۴) چودھری محمد اسماعیل خاں ۹۱۹۵ ووٹ ملے۔ مخالف کی ضمانت ضبط
		(۵) مسٹر تمیز الدین ۱۲۰۲۴ ووٹ ملے۔ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍
		(۶) عبدالحمید شاہ ۲۳۲۶۴ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍
بمبئی و سندھ		(۱) محمد موسیٰ قلعہ دار[1] بلامقابلہ
		(۲) قائداعظم محمد علی جناح ۲۶۰۲ ووٹ ملے۔ مخالف کی ضمانت ضبط
		(۳) احمد ای۔ ایچ جعفر ۱۶۰۱ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍
		(۴) یوسف ہارون (سندھ) ۱۶۵۱ ووٹ ملے۔ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍
مدراس		(۱) ایم۔ جے۔ جمیل محی الدین بلامقابلہ
		(۲) حاجی عبدالستار اسحاق ..۶۳ ووٹ ملے۔ مخالف کی ضمانت ضبط[2]
	۳	(۳) خان بہادر حبیب الرحمٰن ۱۲۳۵ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍
بہار اڑیسہ		(۱) محمد نعمان بلامقابلہ
	۳	(۲) چودھری عابد حسین بلامقابلہ
		(۳) خان بہادر حبیب الرحمٰن ۱۲۳۵ ووٹ ملے۔ مخالف کی ضمانت ضبط

[1] کراچی ہجرت کر کے چلے آئے تھے یہیں انتقال ہوا۔

[2] پاکستان اور مصر کے سفیر اور لنکا کے ہائی کمشنر رہ چکے ہیں اب بیکار ہیں۔

سی پی وبرار	(۱)	نواب صدیق علی خاں بلامقابلہ
آسام	(۱)	علی اصغر خاں، ۹۷۴۴ ووٹ ملے۔ مخالف کی ضمانت ضبط۔

اس نقشہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ:۔

(۱) مسلم لیگ کا کوئی امیدوار ناکام نہیں ہوا۔

(۲) مہا سبھا کا کوئی امیدوار کامیاب نہیں ہوا۔

(۳) کانگرس کے بہت سے ہندو امیدوار کامیاب ہوئے۔ کچھ ناکام۔ اور ایک مسلم امیدوار بھی کامیاب نہ ہوسکا۔

پھر اگر مسلم لیگ یہ دعوےٰ کرے کہ مسلم لیگ نے مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں ایسی کامیابی حاصل کی ہے جس کی نظیر دنیا کے کسی ملک کی دستوری تاریخ میں نہیں ملتی تو کیا یہ غلط ہے؟

○

سپرو کمیٹی کی رپورٹ

من انداز قدرت را می شناسم

○

سر تیج بہادر سپرو کا شمار ہندوستان کے معتدلین میں ہوتا ہے ان کی بے تعصبی، رواداری اور فراخ دلی کے بھی سب لوگ معترف ہیں۔ لیکن پاکستان کے سوال نے سر سپرو کو بھی بے نقاب کردیا۔ بلکہ جتنا زیادہ انہیں کھرچا گیا۔ اتنے ہی زیادہ ہندو ثابت ہوئے۔

۱۹۴۴ء کے آخر میں پاکستان کے نعرہ سے سہم کر، سر سپرو نے اپنی صدارت میں ایک مصالحتی کمیٹی قائم کی۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ کوئی ایسا حل دریافت کرے جو مسلم لیگ اور کانگرس میں وجہ اشتراک بن سکے۔ اور ہندوستان کے آئندہ دستور کی بنیاد قرار دیا جاسکے، سر سپرو نے ۳ر دسمبر ۱۹۴۴ء کو اعلان کیا کہ وہ اس کمیٹی میں "غیر جانبدار" اصحاب کو لیں گے، ایسے اصحاب جنہوں نے اکھنڈ ہندوستان یا پاکستان کی مخالفت یا موافقت میں اظہار خیال نہ کیا ہو۔ لیکن وہ یہ بھول گئے کہ وہ خود پاکستان کے مخالف تھے۔ جن مہا سبھائیوں اور نیم کانگرسیوں اور کانگریسیوں کو انہوں نے لیا تھا وہ بھی پاکستان کے مخالف تھے۔ اور پبلک طور پر اپنی مخالفت کا اعلان و اظہار کرچکے تھے۔ مثلاً سر وزیر حسن۔ سر رادھا کرشن[1]،

---

[1] جمہوریہ ہند کے موجودہ نائب صدر۔

مسٹر جیکر۔ مسٹر ان آر سرکار وغیرہ۔ صرف سر ہومی مودی، پارسی، اور سر جان متھائی (عیسائی) ایسے تھے جو غیر جانبدار کئے جا سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے سپرو کمیٹی کی رپورٹ سے اختلاف کیا۔ اور اصولاً پاکستان تسلیم کر لیا۔

ویول کو سپرو کا برقیہ

لارڈ ویول لندن میں جب شملہ کانفرنس کا مسودہ تیار کرنے تشریف لے گئے تو اپریل ۱۹۴۵ء میں سر سپرو نے اپنی "غیر جانبداری" کے باوجود اور کمیٹی کی رپورٹ مرتب اور مکمل نہ ہونے کے باوجود کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے لارڈ ویول کو ایک برقیہ ارسال کیا۔ اور انہیں متنبہ کیا کہ ہندوستان کی تقسیم کا خیال دل سے نکال دیا جائے اسے ہندوستان ہرگز برداشت نہیں کر سکے گا۔

۱۷ اپریل ۱۹۴۵ء کو قائد اعظم نے نئی دہلی سے ایک اہم انتباہی بیان شائع کیا جس کا ایک حصہ یہ ہے:۔

"اگر برطانوی حکومت کسی نامناسب دباؤ کی وجہ سے اپنی اعلان کردہ پالیسی کو بدلنے یا اس سے ذرا بھی پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئی جس کی مجھے امید نہیں ہے تو اس مسئلے کی بابت مسلمانان ہند کے مصمم ارادہ اور گہرے جذبات کا خیال رکھتے ہوئے اپنے فرض کی ادائیگی سے قاصر رہوں گا۔ اگر برطانیہ کی توجہ ان خطرناک نتائج کی طرف منعطف نہ کراؤں جو اس سلسلہ میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ اور جس کی تنہا ذمہ دار خود برطانوی حکومت ہو گی۔"

دستور ساز اسمبلی اور قائد اعظم

سپرو کمیٹی کے صدر محترم سر سپرو، گاندھی جی اور کانگرس کے دوسرے ہنما برابر حکومت

پر زور دیتے رہے کہ اختلافات کا تصفیہ ایک دستور ساز اسمبلی میں کیا جائے۔ حکومت نے بھی اس مطالبہ کو منظور کر لیا۔ اور وقتاً فوقتاً اس کا اعلان بھی کرتی رہی۔ قائد اعظم نے اس فریب کاری کی سخت و شدید مخالفت کی۔ انہوں نے اس شر انگیز تجویز پر بہت بڑا اعتراض وارد کیا، انہوں نے کہا جب ہم متحدہ ہندوستان کو تسلیم نہیں کرتے، پاکستان کے طالب ہیں تو ایک ایسی دستور ساز اسمبلی جس میں ہندوؤں کی اکثریت ہو گی۔ ہمارے کس مرض کی دوا ہو سکتی ہے، یہ دستور ساز اسمبلی جب بھی بنے گی، تو ایک نہیں دو۔

۱۰ دسمبر ۱۹۴۵ء کو قائد اعظم نے ایک بیان دیتے ہوئے فرمایا:۔

"پاکستان کے مسئلہ کے طے ہو جانے سے پہلے حکومت برطانیہ کی ایک آل انڈیا دستور ساز جماعت کی تجویز گھوڑے کے سامنے گاڑی جوتنے کے مترادف ہے، سب سے پہلے اور لازمی چیز یہ ہے کہ ہم پاکستان پر متفق ہو جائیں۔ اور تب صرف تب ہی ہم دوسرا قدم اٹھا سکتے ہیں۔ لیکن دستور ساز جماعت ایک نہیں بلکہ دو ہوں گی ایک دستور ساز جماعت ہندوستان کے دستور اساسی کے متعلق فیصلہ کر کے اسے ترکیب دے گی۔ اور دوسری دستور ساز جماعت پاکستان کا دستور اساسی مرتب اور اس کے متعلق فیصلہ کرے گی۔"

آگے چل کر قائد اعظم نے فرمایا:۔

"کناڈا اور امریکہ ایک ساتھ رہ رہے ہیں، ہندو مسلمان کیوں نہیں رہ سکیں گے، یہ بھی ممکن ہے کہ آبادیوں کے متعلق بھی تبادلہ ہو۔ بشرطیکہ یہ ان لوگوں کی مرضی سے ہو جو تبدیل ہونا چاہیں۔ ایسی حدود میں تبدیلی کے بھی امکانات ہیں جہاں ہندو اراضیات پاکستانی حدود سے یا مسلم اراضیات، ہندوستان کی حدود سے ملی ہوئی ہوں۔ یہ سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن سب سے پہلے یہ ضروری اور لازمی چیز ہے کہ صوبوں کی موجودہ حدود کو پاکستان کی حدود تسلیم

کیا جائے۔

وائسرائے کی تقریر پر تبصرہ

کلکتہ میں وائسرائے نے ایک تقریر کی۔ جس میں پہلی بار "متحدہ ہندوستان" کے نعرے کے بجائے ہندوستانیوں کو اپنی حکومت یا حکومتیں بنانے کی دعوت دی یہ بڑی تبدیلی تھی، ۱۱ دسمبر ۱۹۴۵ء کو قائد اعظم نے اس تقریر میں تبصرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"وائسرائے کی تقریر میں دوسری چیز جو خاص ہے۔ مجھے یہ نظر آئی کہ اب انہوں نے ہندوستان کے سیاسی حالات کو سمجھنا شروع کیا ہے چنانچہ وہ اپنی تقریر میں کہتے ہیں کہ:۔

"میں آپ کو خلوص کے ساتھ یقین دلاتا ہوں کہ حکومت برطانیہ اور باشندگان برطانیہ کی پرخلوص اور دیانت دارانہ خواہش ہے کہ ہندوستان کے باشندے اپنی آزادی اور اپنی مرضی کی ایک حکومت یا حکومتیں حاصل کریں۔

میری خواہش ہے کہ آئندہ وہ اس حقیقت کی مزید وضاحت کریں کہ ہندوستان کی تقسیم مضر نہیں ہے۔ اور صرف یہی ہندوستان کے مسئلہ کا واحد حل ہے۔ وہ آئندہ یہ بھی کہیں تو زیادہ موزوں ہوگا کہ ہندوستان میں سب سے بڑی سیاسی پارٹی اکیلی کانگرس ہی نہیں ہے کیونکہ ان کا یہ جملہ کہ اقلیتیں، جن میں مسلمان سب سے زیادہ سب سے اہم ہیں، مسلمان کے متعلق نہایت بے زیب اور حقائق کے برعکس ہے مسلمان ایک اقلیت نہیں ہیں اور یہ حقیقت شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ مسلم لیگ ہی مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ با اختیار جماعت ہے۔"

سر سپرو کے ارشادات عالیہ

سر سپرو نے ۲۶ دسمبر ۱۹۴۵ء کو ایک بڑا اہم مشورہ وائسرائے کو مرکز میں "قومی حکومت قائم کرنے اور مسلم لیگ کو سیاست بدر کر دینے کا دیا۔ انہوں نے فرمایا:۔

"انتخابات کے مسائل حل نہ ہوں گے کیونکہ یہ یقین ہے کہ مختلف صوبجاتی مجالس قانون ساز میں کانگرس اور مسلم لیگ پارٹیاں بڑی اکثریت میں کامیاب ہوں گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو اختلافی مسئلہ ہے یعنی یہ کہ آیا ہندوستان ایک ہو یا دو۔ اس کا سمجھوتہ نہیں نکل سکے گا۔ صاف صاف بات یہ ہے کہ دو ہندوستانوں کی بنیاد پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ انتخابات کے بعد سب سے بڑا مسئلہ یہ ہوگا کہ آیا حکومت برطانیہ اس بات کے باوجود کہ کوئی بھی پارٹی یا فرقہ خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان آئین ساز میں شرکت نہ کرے تو حکومت اپنے پروگرام کو جاری رکھے گی ابھی تک وائسرائے یا حکومت برطانیہ نے اس سوال کا جواب نہیں دیا ہے۔ آئندہ کے حالات اور مختلف پارٹیوں کے رویہ پر یقیناً حکومت کے اس سوال کے جواب دینے کا بڑا اثر پڑے گا۔"

"یہ بڑی افسوسناک بات ہوگی۔ اگر اس موقع پر چند لیڈر ایسی کونسل سے علیحدہ رہے یا انہوں نے ناممکن شرائط پیش کر دیں۔ اقلیتوں کے ساتھ حکومت برطانیہ اور وائسرائے کا رویہ فراخدلی کا ہو۔ لیکن اگر کسی پارٹی نے ضدی رویہ اختیار کیا تو اسے پروگرام سے ختم کر دینا چاہیئے۔"

واقعہ یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر "غیر جانبدارانہ" رائے تو ڈاکٹر سادرکر اور ڈاکٹر مکرجی بھی نہیں دے سکتے تھے۔

سپرو کمیٹی کی رپورٹ

آخر ایک عرصہ کے انتظار اور اشتیاق کے بعد سپرو کمیٹی کی رپورٹ، ۲؍دسمبر ۱۹۴۵ء کو شائع ہو گئی۔

آئے تو یاں خدا کرے پر نہ خدا کرے کہ یوں

ذیل میں اس رپورٹ کے اہم اجزا درج کیے جاتے ہیں:-

"انتخابات کے بعد جو دستور ساز مجلس قائم ہو وہ ایک واحد مملکت کے دستور کی تیاری کو اپنے کام کی بنیاد بنائے۔ نیز یہ کہ کرپس والی تجاویز میں الگ الگ ریاستوں اور صوبوں کو علیحدگی یا عدم شمولیت کا جو حق دیا گیا ہے واپس لے لیا جائے۔"

رپورٹ کا یہ حصہ تبصرہ سے مستغنی ہے۔

آگے چل کر کمیٹی نے ایک اور حق مسلمانوں سے چھین لیا۔

"جداگانہ فرقہ داری انتخابات ختم کر دیے جائیں۔ اور ان کی جگہ نشستوں کے تحفظ کے ساتھ مخلوط عام انتخابات رائج کیے جائیں۔"

آگے چل کر کمیٹی بتاتی ہے کہ مسلمانوں سے جداگانہ حق انتخاب چھین کر اور ایک عظیم فروگذاشت کی تلافی کر کے اس نے ایک بہت بڑا انعام بھی مسلمانوں کو دیا ہے۔

"کوئی حکومت جو صرف اقتدار کی مالک نہ ہو بلکہ صحیح فیصلوں کی عملی ذمہ داری بھی قبول کرتی ہو۔ ایک بدیہی طور سے غلط فیصلہ کی (جو مسلمانوں کے جداگانہ انتخاب کو قبول کر کے اب سے چالیس برس پہلے کیا گیا تھا) اور جس کے اثرات اتنے شر انگیز رہے ہیں۔ تصحیح کرنے کے کام سے پہلو تہی نہیں کر سکتی۔ ہمیں اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ پالیسی کی یہ تبدیلی خود مسلمانوں

کے حق میں مفید ثابت ہوگی۔

کمیٹی جداگانہ انتخابات کے خاتمہ کو اتنی زیادہ اہمیت دیتی ہے کہ اس کی رائے میں اس کے عوض مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں اور اقوام مندرجہ فہرست کے علاوہ باقی ہندوؤں کو مساوی نمائندگی دینا کوئی نامناسب بات نہیں۔"

گویا کمیٹی نے وہی نام نہاد مساوات عطا فرمائی ہے جو لارڈ ویول نے دی تھی اور جو اندر سے بالکل کھوکھلی تھی۔

آگے چل کر کمیٹی نے ایک اور اہم ترین فیصلہ مسلمانوں کی قسمت اور مطالبہ کا کیا ہے

"مسلمان ایک الگ قوم نہیں ہیں۔ نسل زبان یا تمدن کی بنا پر مسلمانوں کی علیحدہ قومیت ثابت نہیں کی جا سکتی۔ اگر محض مذہب کو قومیت کی اساس مان لیا جائے تو بہت دوسرے فرقے بھی علیحدہ قومیت کے مدعی بن جائیں گے۔"

مسلمانوں کی جداگانہ قومیت سے انکار، اور ان کے حق خود ارادیت کے استرداد کے بعد کمیٹی نے سردار پٹیل کے لہجہ، پنڈت نہرو کی زبان اور گاندھی جی کی روحانیت کے ساتھ فرمایا:-

"صورت حال یہ ہے کہ مسٹر جناح نے پاکستان کی جو اسکیم پیش کی ہے وہ نہ تو پنجاب اور بنگال کے سکھوں اور ہندوؤں کے لئے قابل قبول ہے اور نہ کانگرس یا ہندو مہا سبھا کے لئے۔ راج گوپال اچاری فارمولا کو مسٹر جناح نے مسترد کر دیا ہے۔ اور پنجاب اور بنگال میں سکھوں اور ہندوؤں نے بھی مخالفت کی ہے۔"

اس طرح یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ پاکستان خواہ اس کی وہ چھوٹی شکل

ہو جو مسٹر جناح پیش کرتے ہیں اور خواہ اس کی مرحمہ صورت ہو جو راجگوپال اچاری فارمولا میں بیان کی گئی ہے۔ فریقین کی رضامندی سے نہیں قائم ہو سکتا۔ اور اس کی شدید ترین مخالفت کی جائے گی۔ ثالثی کو بحث سے خارج کر دیا گیا ہے اور جب پورے ملک کی قسمت کا فیصلہ درپیش ہو تو یہ چیز مناسب بھی نہیں ہے۔ اس طرح پاکستان کے نفاذ کی بقیہ صورتیں صرف دو ہیں ایک یہ کہ برطانی حکومت اسے نافذ کر دے اور دوسرے یہ کہ خانہ جنگی ہو۔"

بالکل یہی بات کانپور میں تقریر کرتے ہوئے ۸ مارچ ۱۹۴۶ء کو جواہر لال نے کہی بلکہ یہ پیشگوئی بھی کر دی کہ "ایک ہزار برس تک بھی پاکستان نہیں مل سکتا۔"

پھر کمیٹی نے ایک مورخ اور ایک مدبر کی حیثیت سے کہا۔

"ہم کو یقین ہے کہ ہندوستان کی تقسیم ایک ایسی زیادتی ہوگی جو نہ تو تاریخ کی بنا پر جائز کہی جا سکتی ہے اور نہ سیاسی مصلحت کی بنا پر یہ ملک کی عظمت اس کے تحفظ اور معاشی ترقی کے مغائر ہے اور اس کی وجہ سے یا تو ملک کے اندر لگاتار لڑائی جھگڑے ہوتے رہیں گے۔ اور یا مستقل طور سے بدیسی حکومت قائم رہے گی۔ اس سے اقلیتوں کا مسئلہ اور زیادہ الجھ جاتا ہے۔ اور نئی نئی شکلیں اختیار کر لیتا ہے۔ اور کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔"

کرپلانی کی پرزور تائید

اس رپورٹ کو کانگرسی حلقوں میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ کانگرسی لیڈروں نے سر سپرو کو شاباش دی۔ مسٹر کرپلانی سیکرٹری آل انڈیا کانگرس

کمیٹی نے ایک بیان شائع کیا اور اس کی تعریف و توصیف میں شاعرانہ مبالغہ سے کام لیا

اخبار انصاری کا تبصرہ

دہلی کا روزنامہ "انصاری" پختہ کار اور کہن سال کانگرسی ہے اس اخبار نے بھی سپرو کی مہاسبھائیت کے خلاف احتجاج کرنا اپنا فرض سمجھا۔ ۱۹ دسمبر ۱۹۴۵ء کے پرچہ میں فاضل مدیر نے کہا

"سپرو کمیٹی کا یہ کہنا کہ ہندوستان کی مختلف علاقائی وحدتوں کے لئے کسی بھی اصول اور بنیاد پر حق علیحدگی تسلیم کرنا درست نہیں۔ نہ صرف قوم پرست مسلمانوں بلکہ خود کانگرس کے نظریہ کے خلاف ہے۔

ہندوستانی عوام کے لئے جس طرح برطانیہ کی طرف سے ٹھونسا ہوا پاکستان قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح متحدہ ہندوستان کے لئے عاید کیا ہوا دستور اساسی بھی نہیں ہو سکتا۔"

قومی جنگ کی رائے

ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کے ترجمان "قومی جنگ" نے لکھا:۔ سامراج کے غلام دوستوں یعنی والیان ریاست کو راضی رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ قوموں کے حق خود ارادیت کی مخالفت کی گئی ہے۔

جس کے بغیر سامراج کے خلاف ہندوؤں اور مسلمانوں کا متحدہ محاذ نہیں قائم ہو سکے گا۔ مسلمانوں پر ان کی مرضی کے خلاف مشترکہ انتخاب عائد کرنے کی سفارش کی گئی ہے موجودہ حالات میں اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ مسلمان اپنے نمایندے نہیں چن سکیں گے۔ جن پر مسلمانوں کی اکثریت

کو اعتماد ہو ظاہر ہے مسلمانوں کے ساتھ صریح بے انصافی ہے سپرو کمیٹی نے مسلمانوں کو یہ دھمکی بھی دی ہے کہ اگر مسلمان مشترکہ انتخاب کو قبول نہیں کریں گے تو ہندو انگریزی حکومت سے مطالبہ کریں گے کہ صوبائی اسمبلیوں میں مسلمانوں کی موجودہ تعداد کم کر دی جائے۔ یعنی مسلمان اگر سپرو کمیٹی کی بات نہ مانیں تو انگریز سامراجی اپنا فیصلہ صادر کریں، اور مسلمانوں سے زبردستی منوائیں۔ کسی غلام ملک کے لئے اس سے زیادہ شرم کی بات کیا ہو سکتی کہ اپنے وطن کو غلام بنانے والوں سے اپنے ہی بھائیوں پر ظلم کرنے کی درخواست کی جائے؟ لیکن سر سپرو اور ان ساتھیوں نے اپنے انگریز آقاؤں کی کفش برداری کے سوا زندگی میں اور کیا کیا ہے؟

لیکن افسوس کی بات ہے کہ اچاریہ کرپلانی جیسے کانگرس کے ذمہ دار عہدے دار سپرو رپورٹ کی حمایت کر رہے ہیں۔ سپرو رپورٹ کی حمایت کرنا ہندو مسلم خانہ جنگی کے شعلوں کو ہوا دینا ہے۔ اس سے نوکر شاہی فائدہ اٹھائے گی اور ہندوستان کی غلامی کی زنجیریں مضبوط ہوں گی۔ کوئی محب وطن اور سمجھ دار ہندوستانی سپرو کمیٹی کی سفارشات کی حمایت نہیں کر سکتا۔

روزنامہ تنویر کی تنقید

لکھنؤ کے روزنامہ تنویر نے ــــ جس کے ایڈیٹر چودھری خلیق الزمان ہیں اپنے مقالہ افتتاحیہ میں ۱۲ دسمبر ۱۹۴۵ء کو لکھا:-

"جداگانہ انتخابات سے کمیٹی اس قدر ناراض ہے کہ اسے یہ کہتے بھی شرم نہ آئی کہ مزدور حکومت کو برطانیہ کی شاندار جمہوری روایات اور زبردست اکثریت حاصل ہونے کی بنا پر انتخاب جداگانہ کو حرفِ مکرر

کی طرح مٹا دینا چاہیئے۔ جو قوم جانتی ہی نہ ہو کہ جمہوریت ہوتی کیا ہے جس نے باوجودیکہ وہ اس قدر قدیم ہے۔ آج تک جمہوریت کی فضا میں کبھی سانس بھی نہ لی ہو۔ اس کے منہ سے جمہوریت کا لفظ کس قدر بھلا معلوم دیتا ہے۔ وہ نہ تو یہ سمجھتی ہے کہ آزادی کیا ہے اور نہ یہ جانتی ہے کہ جمہوریت کیا شے ہے۔ اگر ان سے دریافت کیا جائے کہ کیسی آزادی؟ کہیں گے کہ مسلمانوں کو غلام بنانے کی آزادی اور جمہوریت کس نوع کی برطانوی جمہوریت، جمہوریت کی ابجد سے ناآشنا یہ نہیں جانتے کہ اصول جمہوریت میں تناسبی نمائندگی

(PROPORTIONAL REPPESENTATION)

بھی ایک جز ہے۔ ہندو مسلمانوں میں غیریت کو جب سپرو کمیٹی نے تسلیم کر لیا تو تناسبی نیابت کو ضرور قبول کرنا پڑے گا۔ اور جداگانہ انتخاب اسی جواز میں ہے۔ یگوسلافیہ۔ زیکوسلاوکیہ اور اٹلی میں اختلافات تھے اور ان کو اپنے دستور اساسی میں تناسبی نیابت کا اصول ماننا پڑا۔

آگے چل کر رپورٹ میں مسلمانوں کو پوشیدہ دھمکی دی گئی ہے کہ اگر مخلوط انتخاب کو منظور نہ کیا تو مرکز میں برابری تعداد اور کمیونل آوارڈ کے حق سے محروم کر دئے جاؤ گے۔ سپرو کمیٹی پر شاید یہ روشن نہیں کہ حق کبھی ملتا نہیں حاصل ہوتا ہے۔ اگر مسلمانوں میں قوت ہوگی تو وہ اپنا حق حاصل کر ہی لیں گے۔"

مزدور لیڈر جوشی کا بیان

مشہور مزدور لیڈر ایم۔ این جوشی نے ایک بیان ۲۰ر جنوری ۱۹۴۶ء کو دیتے

ہوئے فرمایا:۔

"کمیٹی نے جو یہ اعلان کر دیا ہے کہ مسٹر راجگوپال اچاریہ کی یا کوئی ایسی ہی دوسری اسکیم منظور نہیں کی جائے گی۔ اور ہندوستان کی تقسیم نہیں ہو سکے گی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ مسلمان یہ تجویز کبھی منظور نہیں کریں گے۔

میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے تقسیم ہند کے نقائص کا احساس نہیں۔ بلکہ میں صاف صاف بتائے دیتا ہوں کہ اب ایسا نازک وقت آگیا ہے۔ کہ اگر ہندو مسلم خلفشار کو دور کرنے کے لئے فوری قدم نہ اٹھایا گیا تو خلفشار کی خلیج اور بھی وسیع ہو جائے گی۔ اور یہ چیز ملک کی سیاسی ترقی کے حق میں زہر قاتل کا کام دے گی۔ میں تو یہاں تک کہنے کو تیار ہوں کہ اس حالت میں یہ کام زیادہ آسان ہو گا کہ "پاکستان" اور ہندوستان" تعاون اور اتحاد پر آمادہ ہو جائیں۔ اگر ہم تقسیم ہند کے فارمولا کو منظور کر لیں تو ملک کے آئین میں جو اس وقت غیر جمہوری اور ناقابل عمل قوانین اور عناصر موجود ہیں ان کا تو بالکل خاتمہ ہو جائے گا۔ یا وہ بڑی حد تک کم ہو جائیں گے لہذا ان وجوہات کی بنا پر میں کمیٹی کی طرف سے پیش کردہ تجویز کی نسبت پاکستان کو ترجیح دیتا ہوں۔"

○

یوم فتح

نہیں گے اور ستارے اب آسماں کے لئے

○

مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ کی سو فیصد کامیابی ایسی نہیں تھی جسے فراموش کر دیا جاتا۔ یہ ایک قابل فخر اور ناقابل فراموش کامیابی تھی۔ جو دنیا کی سیاسی تاریخ میں پہلی بار مسلم لیگ کو حاصل ہوئی تھی۔

قائداعظم کا اعلان

۱۲ دسمبر ۱۹۴۵ء کو قائداعظم نے بمبئی سے حسب ذیل بیان شائع کیا:۔

"میں مسلمانانِ ہند کو اس شاندار اور غیر معمولی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں۔ جو انہوں نے پورے ہندوستان میں سو فی صد مسلم نشستیں حاصل کر کے پائی ہے اس میں ایک خاص بات ہے کہ اکثر مخالف اُمیدواروں کی ضمانتیں ضبط ہو گئیں خواہ وہ نام نہاد قوم پرور مسلمان ہوں یا وہ کانگرسی اُمیدواروں میں سے کوئی ہو۔ اس تعجب خیز شکست سے ہمارے مخالفین کو یہ احساس ہو جانا چاہیئے کہ اب وہ مسلمانوں

میں انتشار نہ پھیلائیں جیسے ہندو کانگرس پریس اور اس کے غیر محدود اقتصادی وسائل تقویت دے رہے ہیں یہ مطالبہ پاکستان کے لئے مسلمانان ہندوستان کا صاف فیصلہ ہے اور اس بات کو ثابت کر دیتا ہے کہ صرف مسلم لیگ ہی مسلمان ہند کی ذمہ دار نمائندہ جماعت ہے اور کانگرس سوائے اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے مسلمانوں یا ہندستان کے کسی فرقہ کی نمائندگی نہیں کرتی، ہندو سبھا جو کانگرس کی ایک شاخ تھی ہوا میں بھاپ بن کر اڑ گئی ہے۔ اور یہ بات یقین کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے کہ ہندو سبھا ایک ہی سکہ کا دوسرا رخ تھی جس کا مقصد نازک مواقع پر مسلم مطالبہ کے خلاف لاؤڈ سپیکر بننا تھا۔

اس شاندار اور غیر معمولی کامیابی کی خوشی میں میں نے مسلم لیگ کے جنرل سکریٹری کو ہدایت کی ہے کہ وہ تمام صوبجاتی ضلع اور پرائمری لیگوں کو ہدایت کریں۔ کہ ۱۱ جنوری ۱۹۴۶ء بروز جمعہ پہلے دور میں ہماری شاندار کامیابی پر یوم جشن منانے کا اعلان کر دیں۔ اس دن جلسے کئے جائیں۔ اور ہماری اب تک کی کامیابی کے پیغامات ہمارے آدمیوں کے پاس پہنچائے جائیں۔ اور ایک پورے منظم ادارہ کی طرح خود کو صوبجاتی انتخابات کے دوسرے دور میں جنگ کے لئے تیار کریں۔ تاکہ ہم پوری طرح کامیابی حاصل کر سکیں اور ہر کامل لیگی اُمیدواروں کی حمایت کرکے اور ان کو ووٹ دے کر ہر صوبہ میں شاندار کامیابی حاصل کریں۔"

صوبائی مجالس آئین ساز کا معرکہ

مخالفت، مبارزت، منافست

○

مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں مسلم لیگ نے سو فی صد کامیابی حاصل کی۔ کانگرس کو اس کی امید نہ تھی۔ وہ سہم گئی۔ اس نے اس کامیابی کی توجیہہ یہ کی کہ مرکزی اسمبلی کے رائے دہندگان "سرمایہ دار" تھے، مسلم لیگ سرمایہ داروں ہی کی جماعت ہے لہٰذا وہ کامیاب ہو گئی۔ اس کے برعکس صوبائی مجالس آئین ساز کے رائے دہندگان ہوں گے عوام۔ وہ مسلم لیگ کو ٹھکرا دیں گے اور کانگرس کے دامن دولت سے اپنی قسمت وابستہ کر لیں گے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے تو ایک بیان دیتے ہوئے بڑے پُرامید لہجہ میں ارشاد فرمایا تھا "صوبائی مجالس آئین ساز میں ہم ہر مسلم نشست پر مقابلہ کریں گے اور غیر معمولی کامیابی حاصل کریں گے" پھر مولانا نے مجلسِ احرار اور دوسری جماعتوں سے اپیل کی تھی کہ "وہ منظم ہو کر ایک وجود بن کر ڈٹ کر مسلم لیگ کا مقابلہ کریں" اور اس اپیل کو سمعًا و طاعتًہ کہہ کر ان جماعتوں نے قبول کر لیا تھا۔

جیسے ہی صوبائی اسمبلیوں کے انتخاب کا زمانہ قریب آیا یہ جماعتیں پوری

مستعدی اور سرگرمی سے میدان عمل میں اتر آئیں۔ انہوں نے مسلم لیگ کے راستے میں کانٹے بچھائے۔ پتھر پھینکے، چاقو اور خنجر سے وار کئے مشکلات پیدا کئے۔ جلسے درہم برہم کرنے کی کوشش کی۔ کانگرس اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ ملت اسلامیہ کی مرکزیت اور تنظیم میں نہ مولانا حسین احمد رخنہ ڈال سکے، نہ مولانا آزاد، نہ پنڈت نہرو، نہ سردار پٹیل۔

کانگرس نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ مجلس احرار کے لال اعظان آتش مقال اور علمائے شیوا بیان۔ دورہ پر نکل کھڑے ہوئے۔ دیوبند کے وہ طلبہ اور علماء جو مولانا حسین احمد صاحب سے متأثر تھے تبلیغ و تلقین کے لئے شہر شہر اور قریہ قریہ کا گشت کرنے لگے جہاں دال گلتی دیکھی وہاں مولانا آزاد نے پر پرواز پیدا کئے اور طیارہ میں بیٹھ کر تفریق بین المسلمین اور تضعیف شوکت مومنین کا غیر فانی اور لازوال کارنامہ انجام دینے کے لئے اڑ کر پہنچے۔ لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ ملت اسلامیہ نے جواب کیا دیا؟ قوم کا فیصلہ کیا رہا؟ واقعات کا جواب یہ ہے کہ تن تنہا مسلم لیگ کامیاب ہوئی اور دوسری مسلم جماعتیں ناکام و نامراد رہیں۔

مسلم لیگ نے یہ الیکشن پاکستان کی بنیاد پر لڑا تھا اور کانگرس اور کانگرسی جماعتوں نے اکھنڈ ہندوستان کی بنیاد پر کیا مقابلہ کیا تھا۔ مسلم قوم کے تمام صوبوں کے نتائج شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی روشنی میں ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ مسلمان مسلم لیگ کے ساتھ ہیں یا کانگرس کے؟ اکھنڈ ہندوستان کے قائل ہیں یا پاکستان کے؟

صوبائی مجالس آئین کا تناسب

ذیل میں صوبائی مجالس آئین ساز میں مختلف اقوام ہند کے تناسب کا ایک نقشہ پیش کیا جاتا ہے جس سے ہر قوم کی قوت اور تعداد کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔

نام صوبہ	کل نشستیں	غیر مسلم	مسلم	متفرق غیر مسلم یا مشترک حلقے
بنگال	۲۵۰	۷۸	۱۱۹	۵۳
آسام	۱۰۸	۲۷	۳۴	۴۷

"میں مسلمانوں کو جو ۱۱ جنوری کے دن مرکزی اسمبلی کے انتخابات کی جنگ کے پہلے راؤنڈ میں بے مثال یوم فتح منانے جا رہے ہیں۔ مبارکباد دیتا ہوں۔ دنیا کے کسی ملک یا کسی قوم کی تاریخ میں کسی سو فیصد فتح کی کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ مسلمانان ہند آل انڈیا مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے پوری طرح جمع ہو گئے ہیں۔ اور ہم نے پوری سنجیدگی سے پاکستان حاصل کرنے کا عزم مصمم کر لیا ہے۔

مسلمان قوم نے اپنا فیصلہ دے دیا ہے۔ اور وہ ان تمام نتائج و مشکلات کا مقابلہ کرے گی۔ اور ہر ایسی قربانی دے گی جس کا مطالبہ اس سے کیا جائے، کانگرس یا حکومت برطانیہ کی کوئی دھمکی، ہنگامہ اور سازش ہمیں اس راستہ سے نہیں ہٹا سکتی۔ ہم ہر قیمت پر ہر شخص کی اور ہر طرح کی مخالفت کا مقابلہ کریں گے۔"

یوم فتح کے موقع پر تقریر

۱۱ جنوری ۱۹۴۶ء کو یوم فتح کے ایک جلسہ میں پچاس ہزار مسلمانان دہلی کے سامنے قائد اعظم نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم کی سو فیصد کامیابی کی مثال کسی

ملک اور قوم کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ ہٹلر اور مسولینی جیسے ڈکٹیٹر بھی ایسی شاندار فتح حاصل کرنے میں ناکام رہے جیسی کہ آج ہم کو نصیب ہوئی ہے انتخابات نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ مسلم عوام مسلم لیگ کے ساتھ ہیں۔ جو لوگ ہم پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ مسلم لیگ خطاب یافتوں کی جماعت ہے۔ انہیں آنکھ کھول کر اس عظیم الشان مجمع کو دیکھنا چاہیئے یہاں جو اتنے آدمی جمع ہیں اس میں کتنے خان بہادر ہیں؟ خان بہادروں کی جماعت ہزارہا آدمیوں پر حکومت اور ان سے فرمانبرداری نہیں کرا سکتی۔

جوشِ طرب، جشنِ مسرّت

آخر ۱۱ جنوری کا وہ مبارک و مسعود دن آیا جب مسلمانانِ ہند نے ہر شہر، ہر قریہ اور ہر مقام پر پورے جوشِ طرب کے ساتھ جشنِ مسرّت منایا۔ ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں نے اپنی بے نظیر تنظیم بے نفسی اور اخلاصِ ملّی کا ثبوت دیا۔ ان کے سامنے سیم و زر کی تھیلیاں رکھی گئیں لیکن وہ ٹھکرا دی گئیں۔ ان کے سامنے جاہ و منصب کی رشوت پیش کی گئی، وہ مسترد کر دی گئی۔ ان کی غربت و افلاس سے ناجائز فائدہ اٹھا کر انہیں دہشت زدہ اور مرعوب کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن تارِ عنکبوت کی طرح کمزور اور بودی ثابت ہوئی مردِ مومن، نہ باطل کی قوتوں سے مرعوب ہوتا ہے۔ نہ حق کی حمایت میں شدائد و مصائب برداشت کرنے سے گھبراتا ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ علماء کے ایک معزز طبقہ کے بہکائے بھی نہیں بہک سکتے، نہ ہی گمراہ ہو سکتے ہیں وہ لیڈروں اور رہنماؤں کے جمِ غفیر کو بھی ٹھکرا سکتے ہیں۔ وہ خطابت لسانی کے سحرِ حلال میں بھی

گرفتار نہیں ہو سکتے وہ صیاد کی نظر پہچانتے ہیں اور دامِ ہمرنگِ زمین کو دیکھ لیتے ہیں کوئی گمراہ نہ کر سکا۔ انہیں کوئی جادہ سے منحرف نہ کر سکا۔ ان کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ پیدا کر سکا۔ "زندہ باد مسلمانانِ ہند زندہ باد پاکستان زندہ باد" آج کا دن عیدِ ملّی کا دن تھا۔ جشنِ قومی کا دن تھا آج ہر گھر پر رونق ہو رہی تھی۔ آج ہر خانہ رنگ روشن تھا۔ آج ہر مسلمان مسرور اور شادکام تھا۔ آج ہر دل سرورِ کامیابی سے مخمور تھا کون شہر تھا جہاں مسلمانوں نے چراغاں نہ کیا ہو؟ کون گھر تھا جہاں دل کی روشنی چہرے پر اور چہرے کی روشنی در و دیوار نہ جگمگا رہی ہو

نام صوبہ	کل نشستیں	غیر مسلم	مسلم	متفرق غیر مسلم یا مشترک حصے
سرحد	۵۰	۹	۳۶	۵
سندھ	۶۰	۱۸	۳۴	۸
پنجاب				
مدراس	۲۱۵	۱۴۶	۲۹	۴۰
بمبئی	۱۷۵	۱۱۴	۳۰	۴
یوپی	۲۲۸	۱۴۰	۶۶	۲۲
بہار	۱۵۲	۸۶	۴۰	۲۶
سی پی	۱۱۰	۸۴	۱۴	۱۳
اڑیسہ	۶۰	۴۴	۴	۱۲

ہم کو عبث بدنام کیا!

حضراتِ احرار و خاکسار میدانِ انتخاب میں اپنے زورِ بیان اور قوتِ استدلال سے

زیادہ دست و بازو کی طاقت کے بل پر اُترے۔ خود ہنگامہ آرائی کی۔ شورش اور بدامنی کے مظاہر کیے۔ ان کا کوئی جلسہ ایسا نہیں ہوا جس میں مسلم لیگ کو گالیاں نہ دی گئی ہوں جس میں قائداعظم پر گفتنی اور ناگفتنی الزامات نہ عائد کیے گئے ہوں۔ جس میں مسلم لیگ کی قیادت پر کفر، فسق اور دوسرے شرمناک الزامات نہ عائد کیے گئے ہوں۔

ہندوستان کے طول و عرض میں کسی مسلم لیگی جلسے میں کسی احراری یا خاکسار کے ساتھ کوئی خلاف انسانیت سلوک نہیں کیا گیا۔ اس کے برعکس احرار کے ہاتھوں میں ایک مسلم لیگی نوجوان کا قتل لدھیانہ میں ہوا اور خاکساروں کے دستِ زبردست سے ایک مسلم لیگی مسلمان کانپور میں ہلاک ہوا۔ پھر بھی یہ جماعتیں معصوم بنی رہیں اور مسلم لیگ غنڈوں کی جماعت قرار دی گئی۔

قائداعظم کا ایک اہم بیان

بمبئی میں احرار نے ایک جلسہ پولیس کے گھیرے میں منعقد کیا۔ مسلم لیگ کے کچھ حامی جلسہ سے باہر کھڑے ہوئے مسلم لیگ کی تائید میں نعرے لگائے گئے۔ احرار کی طرف سے پیش قدمی ہوئی۔ معاملہ بڑھا۔ ہنگامہ میں اضافہ ہوا۔ پولیس نے فائرنگ کی اور ایک مسلم لیگی کارکن پولیس کی گولی سے زخمی ہوا۔

اس حادثہ کے بعد ۲۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو قائداعظم نے ایک اہم بیان شائع فرمایا جو درج ذیل ہے:۔

"مسلم لیگ آئینی اور جائز طریقوں سے آئندہ انتخابات لڑنے کی متمنی ہے اور صرف آزادی اور دیانتداری سے ہی اپنے آپ کو کامیاب بنائے گی۔ اکثر مقامات پر جمعیتہ العلماء، احرار اور خاکساروں وغیرہ کی طرف سے انتخابات کے ضمن میں ہونے والے جلسوں میں ہڑبونگ اور ہنگامہ کی اطلاع موصول ہوئی ہے میں نے ان کے متعلق پوری تحقیقات کی ہے اور جہاں تک مجھے اطلاع ملی ہے

ان خبروں میں انتہائی مبالغہ سے کام لیا گیا ہے، میں دیکھتا ہوں کہ خواہ مخواہ مسلم لیگ کو ہدفِ طعن و تشنیع بنایا جاتا ہے اور مسلم لیگی لیڈروں پر ذاتی حملے کیے جاتے ہیں۔ ان حالات میں بہترین چارہ کار یہ ہے کہ مسلمان ایسے جلسوں میں سرے سے شرکت ہی نہ کریں اور اگر ایسے جلسہ میں حاضر ہو کر مقرر صاحبان کو مسلم لیگ پر بے بنیاد بہتان تراشتا ہوا پائیں تو جلسہ سے باہر نکل آئیں۔ میں مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ دشمنوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی نہ بنیں اور اس طرح اخوت سوز ہنگاموں کو ہوا دینے سے احتراز کریں۔"

سر ناظم الدین کا جوابِ لاجواب

مولوی فضل الحق صاحب سابق وزیر اعظم بنگال بھی انتخابات کے اس معرکہ میں مسلم لیگ کے حریف اور کانگرس کے حلیف بن کر نمودار ہوئے۔ مسلمانانِ بنگال نے ان کے جلسہ کو درہم برہم کر دیا۔ ان کی تقریر سننے سے انکار کر دیا۔ اس پر موصوف نے کانگرس ہائی کمان اور گورنر بنگال سے فریاد کی۔ حکومت بنگال کی طرف سے ایک اعلان شائع کیا جس میں انتخابات کے سلسلہ میں "آزادیٔ تقریر" کی پوری پوری حمایت کی گئی تھی۔ ۱۰ جنوری ۱۹۴۶ء کو سر ناظم الدین سابق وزیر اعظم بنگال نے یہ جواب دیا:۔

"میں حیران ہوں کہ گورنر بنگال جیسا سیاستدان بھی الیکشن کے زمانے میں آزادیٔ تقریر کی نسبت اعلان کرنے پر مجبور ہوا ہے حالانکہ مسٹر چرچل (وزیر اعظم برطانیہ) کو عام جلسہ کی اجازت نہ دی گئی تھی کہ وہ اپنے ساتھی مسٹر برینڈر بیکن کی حمایت میں کچھ کہہ سکیں۔ کیا ہز ایکسی لینسی آگاہ نہیں ہیں کہ کٹی کنسر ویٹو پارٹی کے جلسے تشدد کے ساتھ درہم برہم کر دئے گئے۔ پھر بھی ہم نے کسی جگہ پولیس کی طرف سے عوام پر لاٹھی چارج یا گولی باری ہوتے نہیں سنا۔ انگلینڈ، آسٹریلیا اور متعدد دوسری

جگہوں میں کتنا بھی اہم شخصیت رکھنے والا انسان ہو وہ اگر عوام کا اعتماد نہیں رکھتا تو اس کا وہی حشر ہوگا جو فضل الحق کا بنگال میں ہوا۔ کسی جگہ بھی حکومت کو انتخابی جلسوں میں دخل دینے کی دعوت نہیں دی جاتی۔

تعجب ہے کہ کب تک کانگرس کے لیڈر اور اخبارات اصل حقیقت پر پردہ ڈالے جائیں گے حالانکہ یہ کام خود کانگرسی حضرات بنگال میں متواتر بیس سال تک کرتے رہے تھے۔ یہ اچھی طرح مشہور ہے کہ کانگرس نے برسوں تک لبرل اور ماڈریٹ ہندوؤں کو جلسہ تک منعقد نہ کرنے دیا۔ کئی ایک مشہور ہندو لیڈروں نے میرے پاس متعدد دفعہ کانگرسیوں کے غنڈہ پن کی فریاد کی جس کی وجہ سے وہ کلکتہ اور دوسری جگہوں میں جلسہ تک نہ کر سکے۔ متعدد جلسوں میں بجا تو۔ پتھر اور لاٹھیاں مہلک ہتھیار استعمال کئے گئے۔ مسلمان قوم اس شخص کی باتیں جو قوم کا غدار اور دوسروں کا آلہ کار ثابت ہوگا۔ کبھی سننے کو تیار نہیں۔

اس سے زیادہ اور کیا تعجب خیز ہوگا کہ فضل الحق کی بات سننے کو ایک درجن مسلمان بھی نہ مل سکے۔ خاص طور پر ان کے جلسوں میں سوائے ہندو کانگرسیوں کے دوسرا کوئی نہیں ہوتا۔"

قائد اعظم کے ارشادات

قائد اعظم نے بنفسِ نفیس انتخابی مہم سر کرنے کے لئے سرحد، سندھ اور پنجاب کا دورہ کیا تاکہ مسلمانوں کو مسلم لیگ کے پیام اور اس کی اہمیت سے روشناس کرائیں۔ مسلمانوں کے راستہ میں قدم قدم پر مشکلات تھیں۔ سندھ میں ایک جماعت غداری پر تلی ہوئی تھی۔ سرحد میں کانگرسی وزیر اعظم ڈاکٹر خان آزادی سے انتخاب کی مہم سر کرنے کے لئے سرگرمیوں کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس کے اثر سے حکام و عمال بھی مداخلت کر رہے تھے،

گورنر سے فریادیں کی جا رہی تھیں مگر وہ رائگاں جا رہی تھیں۔ یہی صورت پنجاب میں تھی۔ قائد اعظم مسلمانوں کا حوصلہ بڑھا رہے تھے کہ وہ ان مشکلات کو خاطر میں نہ لائیں۔ عزم و استقامت کے ساتھ اپنے نصب العین کے حصول کی سعی میں سرگرم عمل رہیں۔ قوت و طاقت سے ذرا بھی مرعوب اور دہشت زدہ نہ ہوں اپنا فرض مشکلات و موانع کے ہجوم میں بھی ادا کریں۔

۱۷ جنوری ۱۹۴۶ء کو اسلامیہ کالج لاہور میں ایک دل افروز اور دل آرا تقریر قائد اعظم نے ارشاد فرمائی جس میں صوبہ کے اہم اور تشویش انگیز حالات پر تفصیل سے روشنی ڈالی:۔

"پاکستان کا مطلب صرف مسلمانوں کی آزادی نہیں بلکہ اس سے پورے برِ اعظم کی آزادی ہے۔ اس وقت ہندو ہی اس ملک کی آزادی و خود مختاری کے راستہ میں کھڑے ہوئے ہیں۔ وہ جے ہند۔ بھارت ماتا اور اکھنڈ ہندوستان کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ کیا یہ احمقانہ خواب نہیں ہے۔ ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ پاکستان کو تسلیم کئے بغیر آزادی نہیں مل سکتی (نعرے اور تالیاں)

پنجاب میں طلبہ نے مسلم لیگ کے فروغ و استحکام میں بڑا نمایاں حصہ لیا ہے۔ انہوں نے بڑے جوش و خروش سے مسلم لیگ کا پیام مسلمانوں تک پہنچایا۔ پنجاب میں مسلم لیگ کی کامیابی اور کامرانی کے سب سے بڑے ستون یہی ہونہار نوجوان ہیں۔

اس نوجوان نسل کو مخاطب کرتے ہوئے قائد ملت اسلامیہ نے کہا:۔

"مجھے آج یہ کہتے ہوئے بڑی مسرت ہے کہ تمام پنجاب میں انقلاب ہو گیا ہے۔ پنجاب کی جو حالت آج ہے وہ پہلے کبھی نہ تھی۔ یہاں کے لوگ ایک زمانہ میں پاکستان کا لفظ زبان پر لاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ تمہارے دل زور زور سے دھڑکتے تھے۔ تمہاری روح تڑپتی تھی مگر حالت ایسی تھی کہ تم اپنے جذبات کو ظاہر نہیں کر سکتے تھے۔ اب تم میں تازہ روح پیدا ہو گئی ہے۔ تمہارا صرف خوف ہی دور نہیں ہو گیا بلکہ تم کو آزادی فکر کی دولت مل گئی ہے جس کا مظاہرہ تم موجودہ انتخابی

مہم میں کر رہے ہو۔

اس وقت ملک سیاسی تبدیلی سے دوچار ہے۔ اس وقت کام کی ضرورت ہے۔ مسلم طلبا کا فرض ہے کہ وہ اپنی تعلیم میں ہرج کر کے بھی میدانِ جنگ میں جائیں اور لیگ کا پیغام ہر گاؤں، ہر ضلع، ہر حلقے اور ہر ووٹر تک پہنچائیں۔"

پنجاب میں گورنر اور خضر حیات کے ملاپ نے مسلم لیگ کو، اس کے اثر و رسوخ، اس کی قوت و طاقت کو، اس کی ہر دلعزیزی اور مقبولیت کو نقصان پہنچانے کی جو گرم مسلسل اور غیر ذمہ دارانہ کوششیں کیں ان سے اخبار بین طبقہ اچھی طرح واقف ہے۔

قائداعظم نے اس سلسلہ میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اور مسلم رائے دہندوں کو ان کا فرض یاد دلاتے ہوئے کہا:۔

"پنجاب کے گورنر کو جس کے ماتحت اور آلۂ کار اس قسم کی حرکات کا ارتکاب کرنے سے ذرا بھی نہیں شرما رہے ہیں جو مسلم فساد کے لئے زہر قاتل ہیں، پنجاب کی حالت کی طرف بار بار توجہ دلائی گئی۔ میں نے وائسرائے سے حال ہی میں ملاقات کی۔ اس میں بھی یہ سوال اٹھایا گیا مگر ہنوز روزِ اول ہے۔ یہ لوگ چاہے کچھ بھی کریں۔ ہم انشاءاللہ ان کی تمام عیاریوں اور مکاریوں پر قابو حاصل کر لیں گے اور یہ گلینسی، خضر گٹھ بندھن تارِ عنکبوت ہو کر رہ جائیں گے۔ انصاف اور بدلے کا دن نزدیک ہے اور یہ لوگ انصاف و قانون کے فولادی ہاتھ سے چھوٹ کر کہیں نہ جا سکیں گے۔

اتحادی پارٹی کوئی سیاسی جماعت نہیں ہے بلکہ چوروں کا گروہ ہے۔ غیر مسلموں کو اس بات پر خوش ہونا چاہیئے کہ مسلم لیگ اس پارٹی کو ختم کر کے پنجاب کو جمہوریت سے روشناس کر رہی ہے۔"

صوبائی انتخابات کے نتائج

آیئے صوبائی انتخابات کے نتائج پر ایک نگاہ ڈالیں۔ مولانا آزاد، سردار پٹیل اور پنڈت نہرو کی تعلّیوں کا جائزہ لیں۔ یاد ہوگا انہوں نے کہا تھا بڑے یقین اور اعتماد کے ساتھ کہا تھا۔ بڑے جزم و وثوق کے ساتھ فرمایا تھا کہ "صوبائی مجالس آئین ساز کے انتخاب میں ہم ہر مسلم نشست کے لئے مسلم لیگ کا مقابلہ کریں گے اور بتا دیں گے کہ مسلم عوام مسلم لیگ کے ساتھ نہیں ہیں۔ ہمارے ساتھ ہیں۔" یہ بھی یاد ہوگا کہ انہی رہنمایانِ کرام نے قائداعظم اور مسلم لیگ کو یہ طعنہ بھی بڑی دلیری اور بے باکی کے ساتھ دیا تھا کہ "مسلم اکثریت کے صوبے جہاں پاکستان مسٹر جناح بنانا چاہتے ہیں مسلم لیگ اور پاکستان کے مخالف ہیں۔" اگر یہ دونوں باتیں صحیح تھیں تو واقعی پھر مسلم لیگ کو زندہ رہنے کا حق نہیں رہتا۔ پاکستان کا نام بھی اس کے لب و دہن پر نہیں آنا چاہیئے۔

خوش قسمتی سے مسلم اکثریت کے صوبوں کے انتخاب کا نتیجہ بھی شائع ہو چکا ہے لہٰذا آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسلم لیگ کا دعوےٰ عروس کامیابی سے ہمکنار ہوا یا آزاد، پٹیل، نہرو کا؟

آسام کے نتائج

ہم اپنا سفر ہندوستان کی آخری سرحد اور مشرقی پاکستان کے ایک اہم جزو آسام کی وادیوں اور گھاٹیوں سے شروع کرتے ہیں۔ راہ پُرخطر، زادِ سفر مفقود، رفیقانِ بزم گریز پا بڑے بڑے پتھر حائل بڑے بڑے غار اپنا بھیانک منہ کھولے ہوئے موجود کفر کے فتوؤں کی بمباری ہو رہی ہے۔ مسٹر جناح کے "فسق و طغیان" پر گولہ باری کا سلسلہ بھی جاری ہے، میدانِ جنگ کی کمان مولانا حسین احمد کے ہاتھ میں ہے۔ وہ دیوبند سے کٹی

مہینہ کی چھٹی لے کر تشریف لائے ہیں۔ تسبیح و تہلیل کا غلغلہ بلند ہے اور مسلمانوں کو تلقین کی جا رہی ہے کہ وہ اپنی ملی آزادی کا نام نہ لیں، ہندو اکثریت کے غلام بن جائیں۔ ظاہر ہے یہ مقدس کام کافر جناح نہیں انجام دے سکتا تھا۔ اس کار خیر کے لئے قدسی صفات نفوس کی ضرورت تھی اور وہی اسے انجام دے رہے تھے۔

نتیجہ شائع ہوا کل مسلم نشستیں ۳۴ تھیں جن میں سے ۳۱ پر مسلم لیگ کامیاب ہوئی اور ۳ نشستیں مولانا کے "نیشنلسٹ" مسلمانوں کو ملیں ـــ اگر یہ شکست ہے تو ماننا پڑے گا مسلم لیگ کو یادگار شکست ہوئی لیکن کون مسلمان ہے جو ایسی شکستوں کے لئے دعا نہ مانگا کرے۔

سندھ کا انتخابی نتیجہ

اب ہماری جستجو کا مسافر آسام کے دشوار گزار راستوں کو طے کرتا ہوا سندھ کے ریگستان میں پہنچتا ہے اور کراچی کے نخلستان میں پڑاؤ ڈال کر بیٹھ جاتا ہے تاکہ یہیں سے احوال و کوائف کا مشاہدہ کرے۔

یہاں بڑی چپقلش ہے۔ منافست اور مخالفت کی گرم بازاری ہے۔ ذاتی مفاد اور سیاسی سربلندیوں کا زور ہے۔ کانگرسی سرمایہ دار مسلم جمعیت اور تنظیم و مرکزیت کو ناکارہ بنا دینا چاہتے ہیں۔ ۱۸ غیر مسلم نشستیں انہیں کی ہیں۔ کوئی کانگرس کے ٹکٹ پر کامیاب ہوتا ہے کوئی مہاسبھا کے۔ کوئی آزاد امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہوتا ہے اور کامیاب ہوتا ہے۔ کامیاب ہونے کے بعد یہ تمام غیر مسلم یقیناً ہندو کانگرس کے پرچم تلے آجاتے ہیں اور "الکفر ملتہ واحدہ" کی تفسیر ایک بار پھر نظر کے سامنے پھر جاتی ہے۔ مہاسبھائی، کانگرسی، آزاد سب ایک ہو گئے۔ اس کے بغیر مسلم لیگ کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان سب نے فیصلہ کر لیا کہ مسلم لیگ کی وزارت نہیں بننے دی جائے گی۔ ان کا یہ اتحاد واقعی قابلِ رشک تھا۔

ادھر تو یہ حالت تھی۔ ادھر مسلمانوں میں جاہ و منصب کے لئے تنظیم ملی میں رخنے ڈالے جا رہے تھے۔ کچھ ایسے مجاہد اور ایثار پیشہ لوگ بھی تھے جو تلے بیٹھے تھے کہ مسلم لیگ پاش پاش ہو جائے کوئی مضائقہ نہیں۔ تنظیم ملی ختم ہو جائے کوئی حرج نہیں مسلم قوم کا مستقبل تاریک سے تاریک تر ہو جائے چہ غم؟ لیکن وزارت ہمیں ملے۔ سربلندی ہمیں حاصل ہو۔ قیادت کا تاج ہمارے ہی سر پر رکھا جائے۔ سچ کہا اقبال نے ؎

دیکھ مسجد میں شکست رشتۂ تسبیح شیخ
بتکدہ میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ

عین وقت پر جب مسلم لیگ کے دوسرے امیدواروں کے لئے کاغذات نامزدگی داخل کرنے کا بھی موقع نہیں رہ گیا تھا، مسٹر سید نے اپنے چند رفقاء کے ساتھ مسلم لیگ سے ترک تعلق کر لیا اور ایک "ترقی پسند" مسلم لیگ بنا لی۔ سردار پٹیل ان کی ہمنوائی کرنے اور مولانا آزاد انہیں دعائے خیر و برکت دینے کے لئے سندھ پہنچے اور مسلمانوں میں تفریق کی کوئی کوشش ایسی نہیں تھی جو بروئے کار نہ لائے ہوں۔ مسٹر سید ابھی تین سال پہلے سارے سندھ میں "ہندوؤں کے اقتصادی بائیکاٹ" کی تحریک شروع کر کے کانگرس کے حلقہ میں مورد عتاب ہو چکے تھے انہوں نے اعلان کیا تھا کہ ہندو یورپ کے یہودیوں سے مشابہ ہیں۔ ان کا مکمل اقتصادی بائیکاٹ کرنا چاہیئے۔ اب مولانا آزاد کے آغوش اور سردار پٹیل کی جیب میں پہنچ کر انہوں نے اعلان کیا کہ "پاکستان ٹھیک ہے لیکن ابھی نہیں۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد۔ ہم پہلے ہندوستان آزاد کرائیں گے پھر پاکستان کا نعرہ بلند کریں گے" حالانکہ یہی مسٹر سید ابھی دو سال پہلے سندھ اسمبلی میں "تجویز پاکستان" پیش کرا کے منظور کرا چکے تھے۔

سردار پٹیل نے اعلان کیا "سندھ کو ہم نے فتح کر لیا" محمد بن قاسم کے بعد سندھ پر یہ دوسرا حملہ ہوا تھا جو اگرچہ کچھ زیادہ کامیاب نہیں رہا۔ سردار صاحب احمد آباد کے

مالکان مل کے پرانے ممدوح ہیں۔ شاید اس خوشی کا سبب یہ ہوگا کہ سندھ سستے داموں خام اشیاء فراہم کرے گا اور احمد آباد اور بمبئی کے کارخانے گراں داموں پر یہ چیزیں فروخت کریں گے،

بہر حال اس کشمکش، اس مخالفت، اس منافرت، اس مبارزت کے باوجود نتیجہ یہ نکلا کہ سندھ کی ۳۴ مسلم نشستوں میں ۲۹ مسلم لیگ نے جیت لیں۔ ۳ خان بہادر مولا بخش کے پلہ پڑیں اور ۲ سید صاحب کے۔ مسلم لیگ کی اس "شکست" سے بھی کوئی کافر ہی انکار کر سکتا ہے

اب آزاد اور پٹیل کے مشورہ سے کانگرس پارٹی نے ۳ آدمیوں کی "عظیم الشان جماعت" کے رہنما اور مسلمانان سندھ کے نمائندہ مسٹر سید کو اپنا لیڈر بنا لیا اور گورنر کو حکم دیا کہ تشکیل وزارت کی دعوت نواب غلام مرتضےٰ سید کو دی جائے اور یہ ۲۹ نفوس کی "حقیر و قلیل" جماعت مسلم لیگ یکسر نظر انداز کر دی جائے۔

آئین و دستور کی تاریخ میں یہ واقعہ کبھی نہیں فراموش کیا جا سکتا۔

صوبہ سرحد کا تجزیہ

اب تحقیق و نظر کا مسافر سندھ سے اڑ کر سرحد کے پہاڑوں اور دروں میں وارد ہوتا ہے ہندوستان کا کوئی صوبہ مسلم لیگ کی سرگرمیٔ کار سے اتنا محروم نہیں رہا جتنا سرحد ایک عرصہ سے وہاں لیگ کا نظام معطل تھا۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں لیگ کی باگ تھی ان میں سے اکثر اہل ثابت نہیں ہوئے۔ انتخاب کے لئے امیدواروں کا انتخاب بھی زیادہ چوکس نہیں ہوا۔ "آنریبل" ڈاکٹر خان صاحب وزیر اعظم سرحد اپنے منصب کی گراں بار ذمہ داریوں کو اس طرح انجام دیتے رہے کہ انہوں نے بہ نفس نفیس خدائی خدمتگار جماعت کے امیدواروں کے لئے پروپیگنڈہ کیا۔ ان کے چشم ابرو کو دیکھ کر حکام و عمال نے بھی ان کا ہاتھ بٹایا اور ساتھ دیا۔ سر جان کننگھم گورنر سرحد اور خان صاحب میں ۱۹۴۲ء کے ہنگامہ کے بعد بھی راز و نیاز، گفتگو اور ملاقات کا سلسلہ جاری رہا۔ شکر، کپڑے اور اناج کا

راشن سردار عبدالرب نشتر کے بیان کے مطابق ان حلقوں میں بڑی دریا دلی اور حاتمانہ سخاوت سے تقسیم کیا گیا جو "اپنے" تھے اور جو مسلم لیگی تھے وہ موردِ عتاب اور محروم کرم رہے۔ نئے رائے دہندوں کی جو فہرست مسلم لیگ نے پیش کی اس میں کافی قطع و برید ہوئی بہت سے لوگوں کے نام درج فہرست نہ ہو سکے۔ اور کانگرس یا خدائی خدمتگار کی طرف سے ہزارہا افراد کی جو فہرست پیش کی گئی وہ فوراً درج فہرست کر لی گئی۔ پھر سب سے بڑھ کر کانگرس کے تمام اقتصادی اور مالی ذرائع سرپرستی کو موجود۔

لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ شملہ کانفرنس میں ڈاکٹر خان صاحب نے کہا تھا "مسلم لیگ اور کہیں ہو تو ہو سرحد میں تو نہیں ہے۔" کیا ان کا یہ قول کرسی نشین ہوا۔ صحیح ثابت ہوا؟

سرحد اسمبلی میں کل مسلم نشستیں ۳۶ تھیں۔ مسلم لیگ نے ۱۷ حاصل کیں۔ جمعیتہ علماء کے دو امیدوار کامیاب ہوئے۔ آزاد امیدوار ایک کامیاب ہوا۔ ۱۶ نشستیں کانگرس کے حصے میں آئیں۔ مسلم لیگ نے یہاں بھی کانگرس کو شکست دی۔ اس نے اپنا وجود ثابت کر دیا۔ یہ صحیح ہے کہ کانگرس نے (خدائی خدمتگار نے) جمعیتہ علماء اور آزاد امیدواروں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ ۵ مشترک حلقے کے امیدوار بھی کانگرس سے مل گئے اور اس نے اپنی وزارت بنا لی۔ لیکن مسلم لیگ اور کانگرس کے مقابلہ کا جہاں تک تعلق ہے مسلم لیگ غالب رہی اور کانگرس مغلوب! مسلم لیگ نے ثابت کر دیا کہ وہ سرحد میں بھی ہے اور آنریبل خان صاحب کے لئے کافی تشویش انگیز حد تک ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جب مسلم لیگ سرحد کے مسلمانوں تک اپنا پیام کامیابی کے ساتھ پہنچا چکے گی تو کانگرس کا وجود سرحد سے واقعی غائب ہو جائے گا اور ڈاکٹر خان صاحب یہ ثابت نہیں کر سکیں گے کہ سرحد میں مسلم لیگ کی طرح سے کانگرس کا وجود بھی ہے۔

پنجاب میں مسلم لیگ کی فتح مبین

اب فکر و نظر کا مسافر سرحد کے پہاڑوں اور میدانوں کی رہ نوردی کرتا ہوا پانچ دریاؤں

کے دیس میں پہنچتا ہے۔ یہیں کے باشندوں کو سر سید اعظم نے "زندہ دلانِ پنجاب" کا خطاب دیا تھا۔ یہ ہندوستان کا بازوئے شمشیر زن ہے۔ یہاں کے سادات اور مجاہد اپنی فتح و ظفر کے جھنڈے گاڑے ہوئے ہیں۔ یہاں کے دلاور اور سورما یورپ کے میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دے چکے ہیں۔ اور پرچم نصرت و ظفر اڑاتے ہوئے واپس آئے ہیں۔

یہاں یونینسٹ پارٹی کا ایک ناقابلِ تسخیر قلعہ ہے جس کے اردگرد افتراق بین المسلمین کی خندقیں کھدی ہوئی ہیں۔ جس کے صدر دروازہ پر یونین جیک لہرا رہا ہے جس کی فصیل پر بڑے بڑے توپچی بڑی بڑی توپوں کی پناہ میں بیٹھے ہوئے بڑے بڑے "مردم کش" گولے مسلم لیگ کے مسلح شوریوں، نبرد آزماؤں اور کشور کشاؤں پر پھینک رہے ہیں۔

قلعہ کے اندر سیم و زر کے سرپوش خوانوں میں الوانِ نعمت برائے تقسیم رکھے ہوئے ہیں۔ کسی میں کئی کئی مربعوں کی دولت لازوال ڈھکی ہوئی ہے۔ کسی میں اعزاز و مناسب کے پھل رکھے ہوئے ہیں۔ کسی میں القاب و خطاب کی نعمت جاوداں سربمہر موجود ہے۔ کسی میں ملازمت اور انعام کی نفیس اور زریں قابیں کام و دہن کے لئے جذب و کشش کا مرکز بنی ہوئی ہیں قلعہ پر سر گلینسی کا ابر زر فشاں سایہ کئے ہوئے ہے۔ لہٰذا قلعہ کے رہنے والے آفتابِ حقیقت کی تمازت اور شکست کی بادِ سموم سے فی الحال محفوظ ہیں۔ قلعہ کا "خضرِ طریقت" لہک لہک کر گا رہا ہے ؎

اب تو آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے!

پھر وہ سر گلینسی کی طرف دیکھ دیکھ کر، جھوم جھوم کر گنگناتا ہے ؎

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے دن ہوں پچاس ہزار

جنگ کا بگل ابھی نہیں بجا ہے۔ "خضرِ طریقت" کی پکار پر سپاہیوں اور جنگ آزماؤں

کے نئے نئے دستے فوج در فوج اور موج در موج اپنے جھنڈے اڑاتے داخل ہو رہے ہیں۔ یہ ترنگا جھنڈا لئے ہوئے جے ہند اور جے پنجاب کے نعرے لگاتی ہوئی کانگریس کی سینا آ رہی ہے مولانا داؤد غزنوی مسلمانوں سے نظریں چرائے، سر جھکائے، لرزتے قدموں اور کانپتے ہاتھوں سے یہ جھنڈا لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ شاید نظریں اس لئے نیچے ہیں کہ اس فوج ظفر موج میں ان کے علاوہ کوئی اور مسلمان نہیں ہے۔ کارواں میسر ہے پھر بھی یوسف بے کارواں بنے ہوئے ہیں۔ بہت بڑا ہجوم ساتھ ہے لیکن اس ہجوم میں بھی مولانا تنہا ہیں۔ اتنے میں فضائی لہروں نے ریڈیو کا کام دیا، اور مولانا ابوالکلام آزاد کی آواز آئی ؎

دیدۂ سعدی و دل ہمراہ تست
تا نہ پنداری کہ تنہا می روی!

اس صدائے بے ہنگام نے مئے دو آتشہ کا کام کیا۔ غزنوی صاحب کا افسردہ چہرہ پھول کی طرح کھل اٹھا اور وہ مسکراتے ہوئے قدم بڑھاتے ہوئے قلعہ میں داخل ہو گئے۔

اس فوج کے قلعہ میں داخل ہونے کے بعد سنتری پھاٹک بند ہی کرنے والا تھا کہ گرد اڑی۔ گرد کا بادل چھا گیا۔ فضا تیرہ و تار ہو گئی۔ آفتاب گہن میں آ گیا۔ دن کی روشنی اندھیرا بن گئی۔ معلوم ہوا احرار کرام کا ایک بہت بڑا لشکر آیا ہے۔ بڑی دیر کے بعد لال جھنڈا سامنے آیا۔ اب گرد و غبار بیٹھ چکا تھا اور فضا صاف ہو گئی تھی۔ اس فوج شکست نصیب کے آگے مسٹر مظہر علی اظہر کمزور ہاتھوں سے مضبوطی کے ساتھ جھنڈا تھامے اور زیرِ لب "مدح صحابہ" پڑھتے ہوئے آگے بڑھتے نظر آئے۔ ان کے قدم سے قدم ملائے مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی تھے کبھی کبھی وہ آگے بڑھنے اور جھنڈا چھین کر تیزی سے بڑھ نکلنے کی کوشش کرتے تھے لیکن پیچھے سے شیخ حسام الدین ان کا دامن پکڑ لیتے تھے۔ ان پیادوں اور سواروں کے ہاتھ میں بڑے بڑے "قبہ شکن" ڈنڈے تھے۔

یہ متوقع کامیابی کے نشہ میں مست اِدھر اُدھر فتح مند نظروں سے دیکھتے۔ حریف پنجہ فگن (مسلم لیگ) پر حقارت کی نظر ڈالتے آگے بڑھ رہے تھے۔ یہ وہی مسکراہٹ تھی جس کا مظاہرہ ٹوجو نے کیا تھا۔ مسٹر چرچل نے جب پارلیمنٹ میں دسمبر ۱۹۴۱ء میں اعلان کیا تھا کہ "امریکہ کے جاپان کے خلاف اعلانِ جنگ کرتے ہی ہم بھی اعلان جنگ کر دیں گے اور جاپان کو ناکوں چنے چبوا دیں گے۔" یہ سن کر ٹوجو نے کوئی جواب نہیں دیا تھا حقارت کا فلک شگاف قہقہہ لگایا تھا اور پھر بڑی دیر تک مسکراتا رہا تھا۔ یہ فوج جب قلعہ میں داخل ہوگئی تو سنتری نے چپکے سے کہا ؎

ہوئے تم دوست جس کے دشمن آسماں کیوں ہو؟

ابھی پھاٹک بند نہیں ہوا تھا کہ مشرق کی طرف سے گرد اڑی اور مطلع تاریک ہوگیا تھوڑی دیر کے بعد مطلع صاف ہوا تو دیکھنے والوں نے دیکھا ایک بے پناہ لشکر "سبزن بزن" کے نعرے لگاتا "چپ و راست" کا وظیفہ پڑھتا۔ کاندھے پر آب دار بیلچے رکھے ہوئے اور زبان پر آئینِ مشرقی کا افسانہ دہراتا بڑھتا چلا آرہا ہے۔ یہ ایک بے بضاعت لیکن خاکسار جماعت تھی۔ یہ نئے قسم کے خاکسار تھے۔ دوسروں کے سامنے اپنا سر جھکانے والے نہیں بلکہ دوسروں کا سر توڑنے والے۔ انہوں نے بھی حریف (مسلم لیگ) پر ایک نظر ڈالی اور ٹوجو کی طرح مسکراتے ہوئے قلعہ کے اندر داخل ہونے ہی والے تھے کہ اس مشرقی فوج کے سپہ سالارِ اعظم نے رعد کی طرح کڑک کر کہا "ٹھہرو" بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ اب یہ سپہ سالار سامنے آیا اور شیر کی طرح گرج کر گویا ہوا۔ یاد رکھو ہم کانگرسی نہیں ہیں جو عدم تشدد کا پرستار اپنے تئیں کہتے ہیں۔ نہ ہم احرار ہیں جو صرف ڈنڈوں پر قناعت کرتے ہیں ہم خاکسار ہیں لیکن ہم زبان سے توپ کا، قلم سے سنگین کا اور اپنے محبوب بیلچوں سے تلوار کا کام لیتے ہیں۔ بڑھو۔ بڑھے چلو۔ خدا تمہارے ساتھ ہو۔

یہ کہہ کر سب سے پہلے سپہ سالار اندر داخل ہوا۔ پھر یہ فوج اب کچھ دیر سنتری نے دیکھا

شاید کوئی اور آ رہا ہو لیکن میدان صاف تھا اس نے پھاٹک بند کر لیا۔

بگل بجا اور لڑائی شروع ہوگئی۔ ڈنڈے برسنے لگے۔ بیلچے کاٹنے لگے اور چرخہ دفعتہً ایک بہت بڑی توپ بن کر ایٹم بم برسانے لگا۔ قیامت کا رن پڑا کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ دارو گیر الامان و الغیاث کے سوا کوئی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔

آخر جنگ ختم ہوئی لیکن کس طرح؟ ———

یونینسٹ پارٹی کا جھنڈا سرنگوں تھا۔ احرار کا طبل بلند بانگ ہیچ ثابت ہو چکا تھا۔ خاکساروں کے بیلچے لکڑی کے جانے سے زیادہ بودے اور کمزور ثابت ہوئے اور تنہا حریف (مسلم لیگ) جو صرف اخلاص نیت اور حسنِ عمل اور جوشِ دینی اور غیرت قومی اور حمیت ملی کا توشہ لے کر نکلا تھا جو توپ اور بندوق، لاٹھی اور بیلچے سے محروم تھا غالب آگیا

پنجاب اسمبلی کے ایوان میں کل نشستیں ۱۷۵ ہیں مسلم نشستوں کی مجموعی تعداد ۸۶ ہے۔ مسلم لیگ نے ۷۹ نشستوں پر قبضہ کر لیا۔ یونینسٹ پارٹی صرف ۵ نشستیں حاصل کر سکی۔ دو مسلم نشستوں کا ابھی ضمنی انتخاب ہونا باقی ہے۔ احرار نے ہر مسلم نشست کے لئے اُمیدوار کھڑے کئے تھے مگر کوئی کامیاب نہ ہوا۔ اکثر کی ضمانتیں ضبط ہوگئیں۔ خاکساروں نے دو درجن سے زیادہ امیدوار کھڑے کئے تھے لیکن ایک امیدوار بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ سب کی ضمانتیں ضبط ہوگئیں۔ کانگرس کسی مسلمان کو امیدوار بنانے کی جرأت نہ کر سکی، پنجاب کانگرس صدر مولانا داؤد غزنوی بھی ایک غیر مسلم حلقہ سے ——— مزدور حلقہ ——— کامیاب ہوئے اور وہ بھی اپنے کیمونسٹ حریف سے صرف چند ووٹ زیادہ حاصل کر سکے، اب وہی سندھ والا ڈرامہ پنجاب میں کھیلنے کے لئے مولانا آزاد پنجاب تشریف لائے "۵ آدمیوں کی عظیم اکثریت رکھنے والی جماعت" کے رہنما کو مسلمانانِ پنجاب کا واحد نمائندہ تسلیم کر کے اسے کانگرس کا لیڈر بھی بنا دیا تاکہ مسلم لیگ کی وزارت نہ بن سکے۔ اب یونینسٹ پارٹی میں کوئی غیر مسلم نہیں ہے صرف چند مسلمان ہیں اور کانگرس کی تائید

حمایت سے گلینسی نے ۷۹ کی نا قابلِ لحاظ اقلیت رکھنے والی جماعت مسلم لیگ کو نظر انداز کر کے خضر حیات خاں کو وزارت بنانے کی دعوت دے دی۔

نواب ممدوٹ نے چیلنج دیا کہ "گورنر کا یہ فعل غیر آئینی ہے۔ مسلم لیگ کے ساتھ ۷۹ مسلمان اور ۱۰ غیر مسلم ہیں جو حمایت کا وعدہ کر چکے ہیں لہٰذا صرف مسلم لیگ کو وزارت بنانے کا حق ہے مگر گورنر نے ایک نہ سُنی اور اپنے مطلوب کو تشکیل وزارت کا حکم دے دیا۔

نوابزادہ لیاقت علی خاں نے ۸ مارچ ۱۹۴۶ء کو بیان دیتے ہوئے فرمایا "گورنر نے غیر دیانت داری سے کام لے کر مسلم لیگ کو زک دینے کی کوشش کی ہے۔ اس نے اسمبلی کی سب سے بڑی پارٹی کو تشکیل وزارت کی دعوت نہیں دی۔ کئی دن تک انتظار کرتا رہا تاکہ یونینسٹ پارٹی کچھ مسلمانوں کو توڑ لے اور سکھوں اور ہندوؤں کو ملا کر وزارت بنا لے"

مسلمانانِ پنجاب میں یہ دیکھ کر اشتعال پیدا ہو گیا کہ مسلم لیگ ۹۵ فیصد کامیابی حاصل کر لینے کے بعد بھی وزارت نہ بنا سکی اور ایک غیر نمائندہ شخص کو وزارت سونپ دی گئی۔

چنانچہ ۶ مارچ ۱۹۴۶ء کو مسلمانوں نے سارے پنجاب میں ایک زبردست ہڑتال کی لاہور کے طلبہ نے جلوس نکالا اور سر خضر حیات خاں کو کوٹھی کی طرف جانے لگے۔ سناتن دھرم کالج راستہ میں پڑا۔ وہاں کے سورما "اپنی" "قومی" وزارت کی یہ توہین برداشت نہ کر سکے۔ بڑی دیر تک خشت باری ہوتی رہی۔ پھر پولیس نے فائرنگ کی جس سے کئی طلبہ ہلاک اور مجروح ہوئے۔ مسلم برقع پوش خواتین کا ایک جلوس بھی سر خضر حیات کی کوٹھی پر گیا۔ اس نے ان کے خلاف نعرے لگائے۔ انہیں غدّار کا خطاب دیا اور ان سے مستعفی ہو جانے کا مطالبہ کیا۔ سارے صوبہ میں غم و غصّہ کی ایک لہر دوڑ گئی۔

بنگال کا فیصلہ

اب ہمارا مسافر تلاش حق کرتا ہوا پنجاب کے دریاؤں کو عبور کر کے بڑے بڑے

میدانی علاقوں کو طے کرتا ہوا بنگال پہنچتا ہے۔ یہ صوبہ مشرقی پاکستان کا صدر مقام ہوگا فی الحال یہ صدر کانگرس مولانا آزاد کا پایہ تخت ہے۔ مرکزی اسمبلی کی کانگرس پارٹی کے قائد اعظم مسٹر سرت چندر بوس بھی یہیں رونق افروز ہیں۔ بنگال میں کسان اور کاشتکار زیادہ تر مسلمان ہیں۔ زمیندار اور تعلق دار زیادہ تر ہندو ہیں۔ بوس صاحب ان سرمایہ داروں سے گہرے روابط رکھتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بے تأمل ان سے فریاد کی کہ اپنے غریب مسلمان کارندوں، کسانوں اور ملازموں کو سمجھاؤ کہ وہ مسلم لیگ کو ووٹ نہ دیں کانگرس کو دیں۔ صدر کانگرس کے وعظ و تلقین کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے ۹ مارچ ۱۹۴۶ء کو کلکتہ یونیورسٹی کے جلسۂ تقسیم اسناد کا خطبہ پڑھا لیکن مسلمان طلبہ نے ان کا بائیکاٹ کیا۔ گاندھی جی اس سے پہلے کئی ہفتے بنگال میں قیام فرما چکے تھے انہوں نے بھی اپنی سی پوری کوشش کر دیکھی۔ مولوی فضل الحق اور ان کے رفقاء نامدار نے بھی سب کچھ کر دیکھا لیکن

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

یہاں بھی مسلم لیگ غالب رہی اور کانگرس کو ہزیمت نصیب ہوئی۔ بنگال اسمبلی میں کل نشستیں ۱۱۹ ہیں۔ ۱۱۹ میں سے ۱۱۲ پر مسلم لیگ نے قبضہ کر لیا۔ گویا ۹۵ فی صد کامیابی ہوئی۔

ایک اہم اعتراض اور اُس کا جواب

ایک بڑا اعتراض یہ زبان زد خاص و عام ہے کہ مسلم لیگ اکثریت کے صوبوں میں وزارت نہیں بنا سکی یا اگر بنائی بھی تو کمزور!

مسلم اکثریت کے ہر صوبہ کی مجلسِ آئین ساز میں مسلمان اکثریت کے باوجود اقلیت میں ہیں۔ دوسری اقلیتیں اگر دو چار موقع پرست مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیں تو

وہ وزارت بنا سکتی ہیں یا وزارت توڑ سکتی ہیں۔ یہ خطا مسلم لیگ کی نہیں ہے، انڈیا ایکٹ کی خطا ہے اور اسی غلطی کی اصلاح کے لئے مسلمان پاکستان طلب کر رہے ہیں،

غیر مسلم صوبائی مجالس آئین ساز کے نتائج

غیر مسلم صوبائی مجالس آئین ساز کے معرکہ میں مسلم لیگ کی کامیابی اور زیادہ شاندار ہے۔ یو پی کی ۶۶ مسلم نشستوں میں سے ۵۴ پر مسلم لیگ نے قبضہ کر لیا۔ بہار کی ۴۰ مسلم نشستوں میں سے ۳۴ پر مسلم لیگ غالب آئی۔ مدراس کی ۲۹ مسلم نشستوں میں سے ہر ایک پر لیگ نے قبضہ کر لیا۔ اڑیسہ میں بھی سو فی صد کامیابی حاصل ہوئی۔ بمبئی میں بھی ۳۰ کی ۳۰ مسلم نشستوں میں سے ہر ایک پر لیگ نے قبضہ کر لیا۔ سی۔ پی کا نتیجہ بھی یہی رہا۔

بمبئی میں کانگرس نے پوری قوت اور پوری دولت مسلم لیگ کو زک دینے میں صرف کر دی تھی۔ ستارہ میں کانگرس کی ساختہ پرداختہ "پتری سرکار" ایک دہشت انگیز جماعت کے مظالم کی یہ کیفیت ہے کہ یہ مخالفین کانگرس کے ساتھ تھی اور مسلم لیگ کی مخالفت تھی۔ اس کی دھمکیاں اور لرزہ خیز عقوبتیں غریب اور مفلوک الحال مسلمانوں کے لئے چیلنج تھیں۔ لیکن انہوں نے یہ چیلنج قبول کر لیا اور کانگرس کے امیدوار کو زبردست شکست دے کر مسلم لیگ کے اُمیدوار کو کامیاب کرایا۔

○

مسلم لیگ کے مسلمان مخالف

○

مسلم لیگ اور مسلم لیگ کی تحریک پاکستان اور تحریک پاکستان کے علمبردار اور سپہ سالار مسٹر جناح کے خلاف کانگرسی رہنماؤں نے مہاسبھائی لیڈروں نے، ہندو پریس نے الزامات کے تراشنے اور تہمتوں کے لگانے میں جس حیرت انگیز قوت وایجاد و اختراع اور جس تعجب خیز ذہانت اور نکتہ رسی کا ثبوت دیا ہے اس کا کافی نمونہ پچھلے صفحات میں پیش کیا جا چکا ہے اب مختصر طور پر وہ اندازِ فکر و کلام بھی ملاحظہ فرما لیجئے جو مسلمان علماء، رہنما اور اخبارات مسلم لیگ کو ذلیل و رسوا کرنے کے سلسلہ میں اختیار کر رہے ہیں۔ ممکن ہے مرورِ ایام سے ہندوؤں کی مخالفانہ سرگرمیاں فراموش ہو جائیں لیکن مسلمان کرم فرماؤں نے مسلم قوم کی آزادی و خود مختاری اور حق خود ارادیت کے خلاف جو جہادِ اکبر کیا ہے اور جن خالص "اسلامی" حربوں کو اختیار فرمایا ہے انہیں یقیناً کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ بقولِ حسرت ؎

بھلائے پہ بھی قصۂ ربطِ ماضی
بھلایا نہ جائے گا تم سے نہ ہم سے

روزنامہ ہند کا مقالۂ افتتاحیہ

مولانا آزاد کے ایک شاگردِ رشید اور دیرینہ رفیق کئی[1] عرصے سے روزنامۂ ہند کلکتہ سے شائع فرما رہے ہیں۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۴۵ء کو اس اخبار میں ایک مقالۂ ادارت شائع ہوا جس کا ایک اہم حصہ درجِ ذیل ہے:۔

"مسلم لیگ کا دعویٰ ہے کہ وہی مسلمانوں کی جماعت ہے۔ ہر مسلمان کو اسی کا ساتھ دینا چاہیئے اور جو مسلمان اس کا ساتھ نہیں دیتا جماعت سے خارج ہے۔ شریعت کی رو سے دوزخی ہے بلکہ یہ تک کہہ دیا گیا ہے کہ ایسا مسلمان واجب القتل ہے۔"

مسلم لیگ مسلمانوں کی کتنی ہی بڑی جماعت ہے مگر کیا مسلمانوں کی اس جماعت سے بھی بڑی ہے جو یزید کے ساتھ تھی۔ یزید کی جماعت میں سبھی مسلمان کسی نہ کسی طرح داخل ہو چکے تھے۔ صرف دو مسلمانوں نے داخل ہونے سے انکار کیا تھا یعنی حضرت حسین علیہ السلام اور عبد اللہ بن زبیر رضؓ نے۔

اب لیگی "علمائے اسلام" سے سوال ہے کہ حضرت حسین علیہ السلام حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ اور یزیدی جماعت کے مخالف کوئی مسلمانوں کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ کیا یہ جلیل القدر صحابی اور کوئی مسلمان۔ معاذ اللہ یزید کی جماعت سے الگ رہنے کی وجہ سے اسلام سے خارج ہو چکے تھے؟ یہ تو کوئی لیگی مولوی کہہ نہیں سکتا کہ یزید کے ساتھ مسلمانوں کی بہت ہی بڑی

---

[1] مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی ندوی جو اب حکومتِ ہند کی طرف سے شائع ہونے والے عربی رسالہ کے ایڈیٹر ہیں۔

جو اکثریت تھی وہ اسلامی جماعت نہ تھی۔ لیگی مولویوں کو بھی ماننا پڑے گا کہ یزید کی جماعت مسلم لیگ کی جماعت سے کہیں بڑھ کر بلکہ افضل جماعت تھی کیونکہ اس میں بڑے بڑے صحابہ اور تابعین، اولیاء اور عابدین بھی شریک تھے۔ یزید کے زمانے میں اکثر یعنی ہزاروں صحابہ زندہ موجود تھے اور حضرت حسینؓ اور حضرت عبد اللہؓ یعنی صرف دو صحابیوں کے علاوہ باقی سب صحابہ نے یزید کی خلافت و جماعت مان لی تھی اور ظاہر ہے یزید کی جماعت میں چلے جانے والا ہر صحابی ہر مسلم لیگی مسلمان سے، ہر مسلم لیگی مولوی سے اور خود لیگ کے قائدِ اعظم سے کہیں افضل تھا اور ہے۔

اب لیگ والے "علمائے اسلام" ارشاد فرمائیں کہ حضرت حسینؓ، حضرت عبد اللہ رضؓ اور کوئی مسلمان جو یزید کے مخالف اور مسلمانوں کی "احد جماعت سے الگ تھے۔ سچے" مسلمان تھے یا اسلام سے باہر ہو چکے تھے؟ حق پر تھے یا معاذ اللہ جہنم کی راہ پر چل رہے تھے؟

ہر مسلمان کو اور خود ہر لیگی مسلمان کو بھی مسلم لیگ کے "محترم علمائے اسلام" سے یہ سوال پوچھنا چاہیئے۔ مگر معلوم ہے کوئی لیگی مولوی بھی اس سوال کا جواب نہ دے سکے گا۔ کیونکہ اگر یہ کہے گا کہ حضرت حسینؓ، عبد اللہ بن زبیر رضؓ اور یزید کے مخالف کوئی مسلمان مسلمانوں کی جماعت سے خارج اور اس لئے معاذ اللہ دوزخ کے سزاوار بن چکے تھے تو ہر مسلمان ان لیگی مولویوں سے بالکل برگشتہ ہو جائے گا۔ اور مسلم لیگ سے قطعاً الگ ہو جائے گا لیکن اگر مولوی اس سوال کا جواب یہ دیں گے کہ یزید کی جماعت سرے سے اسلامی نہ تھی تو ساتھ ہی ان لوگوں کو یہ بھی مان لینا پڑے گا کہ صرف دو صحابیوں حسینؓ اور عبد اللہؓ کے علاوہ باقی وہ سب صحابی معاذ اللہ گمراہ اور بے دین تھے جو

یزید کی جماعت میں داخل ہو چکے تھے اور معلوم ہے صحابہ بعد کے تمام مسلمانوں سے کہیں افضل و اعلیٰ ہیں۔ اور ظاہر ہے جس جماعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزاروں صحابی شامل ہوں اسے یقیناً مسلم لیگ کی جماعت سے کہیں افضل، اعلیٰ، برتر ماننا پڑے گا۔

یعنی یزید کے ساتھ مسلمانوں کی جو جماعت تھی اور جس میں تقریباً سبھی مسلمان شریک تھے وہ صرف دو کے علاوہ باقی سب صحابہ کی شرکت کی وجہ سے مسلم لیگ کی جماعت سے کہیں زیادہ مسلمانوں کی جماعت تھی اور یہ یزیدی جماعت مسلم لیگ کی جماعت سے کہیں اعلیٰ و افضل تھی۔

ہم چیلنج کرتے ہیں کہ ان سطروں میں ہم نے جو سوال پیش کئے ہیں ان کا جواب کوئی بھی لیگی مولوی یا سب لیگی "محترم علمائے اسلام" مل کر دے دیں اور ہم یہ بھی چیلنج کرتے ہیں کہ ہماری ان سطروں کا جواب لیگی مولوی ہرگز نہیں دے سکتے لیکن اگر یہ حضرت جواب دے سکیں تو ہم ان کا جواب بڑی خوشی سے ہند میں چھاپ دیں گے مگر شرط یہ ہے کہ جواب میں گالیوں سے کام نہ لیا جائے

آگے چلئے۔ آپ یہ سُن کر تعجب میں پڑ جائیں گے۔ دانتوں میں انگلی داب لیں گے کہ جس طرح اس وقت مسلم لیگ والے غیر لیگی مسلمانوں کو یہ کہہ کر گالیاں دے رہے ہیں۔ اور ان پر ظلم ڈھا رہے ہیں کہ تم مسلمانوں کی جماعت سے باغی ہو۔ ٹھیک اسی طرح یزید کے لوگ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشے حسین علیہ السلام والصلوٰۃ کو اور ان کے ساتھیوں کو "مسلمانوں کی جماعت سے خارج، باغی، گمراہ اور دوزخی کہتے تھے"

امارت شرعیہ کا لازوال کارنامہ

روزنامہ تنویر (لکھنؤ) نے ۱۷ جنوری ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں بہار کی مشہور انجمن "امارت شرعیہ" کے ایک مبلغ کا ایک اہم مکتوب مع اس کے اصل عکس تحریر (بلاک) کے شائع کیا۔ یہ خط مبلغ امارت نے اپنے ایک دوست کو لکھا تھا۔ یاد رہے امارت شرعیہ ایک مذہبی جماعت ہے اس کے عہدے دار عامی نہیں عالم ہیں۔ جاہل نہیں جانشین رسول ہیں۔

ذیل میں اصل خط درج کیا جاتا ہے:۔

نظام آباد ضلع اعظم گڑھ

۶ ذی الحجہ ۶۴ھ

محترم حکیم احمد رضا ناظم جمیعتہ علماء تھانہ کھگڑیا زید مجدکم۔ سلام مسنون!

میں آپ حضرات سے جُدا ہو کر دو ہفتہ کی رخصت میں اپنے وطن آگیا ہوں۔ جمیعتہ علماء ضلع مونگیر کی جو ذمہ داری مجھ ضعیف اور ناتواں کے کاندھوں پر عائد کی گئی ہے اس کے پیش نظر چند معروضات پیش خدمت کر رہا ہوں اُمید ہے کہ ان پر توجہ فرما کر فوراً عمل شروع کر دیا جائے گا تاکہ کانفرنس کی شاندار کامیابی سے فائدہ حاصل کیا جاسکے۔

(۱) الیکشن ورک کے لئے ضروری ہے نارتھ مونگیر کے ہر ہر تھانہ میں باضابطہ الیکشن دفتر کھل جائے جس میں ایک سمجھدار آدمی ہر وقت کام کے لئے موجود رہے۔

(۲) کچھ جفاکش اور محنتی لوگ تھانہ دفتر کی جانب سے گاؤں گاؤں جا کر ووٹروں کو ٹھیک کریں اور مسلم بورڈ اور جمیعتہ العلماء کا پروپیگنڈہ کریں اپنے دورہ کی رپورٹ ہر تین روز کے بعد تھانہ دفتر کو دیا کریں۔

۳۔ تھانہ دفتر اس بات کا اندازہ کرلے کہ بلا روک اور بغیر جدوجہد کے تھانہ میں کن کن مواضعات میں کتنے ووٹر ٹھوس ہیں جو مخالف کی کسی دھمکی اور کسی طرح کے لالچ سے بھی نہیں ٹوٹ سکتے اور کتنے ایسے ہیں جو اگرچہ اس وقت مسلم بورڈ اور جمعیتہ علماء کی حمایت کرتے ہیں۔ مگر ان پر مخالف کا داؤ گھات خواہ دھمکی سے ہو یا لالچ سے چل سکتا ہے۔ کتنے مواضعات ایسے ہیں جہاں خوش بیان مقرروں اور اچھے ورکروں کی ضرورت ہے۔ اس کی الگ فہرست تیار کر لی جائے۔

۴۔ مخالف ووٹروں کو توڑنے کے لئے اگر ضرورت ہو تو قبائلی اور نسلی بنیاد والی اصلاحی تحریکوں کی بھی تبلیغ کی جائے جیسے جمعیتہ المومنین جمعیتہ الراعین۔ جمعیتہ المنصورین وغیرہ۔

۵۔ ہر ورکر کی تھوڑی بہت ٹریننگ ضروری ہے۔ ان کو چند ایسی موٹی موٹی باتیں سکھلادی جائیں جس کو دیہات کے لوگ آسانی سے سمجھ سکیں اور اس کے نتیجہ میں لیگ سے متنفر ہو جائیں مثلاً یہ کہ لیگ آزادی کا روڑا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۰۶ء سے اب تک گورنمنٹ نے لیگ کو اپنا دشمن نہیں سمجھا اور نہ لیگ کو خلافِ قانون جماعت قرار دیا۔

(۱) لیگ کے قائد نے ۱۹۱۲ء میں سول میرج قانون کے مطابق جو شادی ایک کافرہ عورت سے کی تھی اس میں اپنی لامذہبیت کا اعلان کر دیا تھا اور اب تک انہوں نے اپنا مسلمان ہونا ثابت نہیں کیا۔

ب۔ لیگ مذہب کو مٹانا چاہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے قائد نے اسمبلی میں ہمیشہ اسلامی قانون کو نا پاس کیا ہے اور لیگی مسلمان اس پر خاموش ہیں۔

(د) لیگ اندرونی طور سے قربانی گاؤ کی مخالف ہے کیونکہ اس نے ۱۹۱۹ء میں اپنے اجلاس امرتسر میں جو تجویز قربانی گاؤ کو بند کرنے کے متعلق پاس کی تھی آج تک اس کی تردید نہیں کی۔

۶۔ ہر تھانہ اپنے ورکروں کی رپورٹ کا خلاصہ سب ڈویژن دفتر میں ہفتہ وار پیش کرے تاکہ حالات کا اندازہ ہوتا رہے۔

میں نے آج دہلی ناظم جمعیتہ علماء ہند کو خط لکھا ہے کہ وہ انتخابی مہم کے سلسلہ میں پراسپکٹس وغیرہ کافی تعداد میں بھیجیں۔ فقط

عبدالحمید الاعظمی مبلغ

مولانا عبدالماجد کا تبصرہ

اس مکتوب پر مولانا عبدالماجد دریابادی نے صدق مورخہ ۹ جنوری ۱۹۴۶ء میں تحریر فرمایا:۔

"معزز ہمعصر روزنامہ تنویر (لکھنؤ) نے امارت شرعیہ صوبۂ بہار کے ایک مبلغ اور جمعیتہ العلماء دہلی کے ایک کارکن ضلع مونگیر کے اصلی خط کا عکس اپنی ۲ جنوری کی اشاعت میں شائع کیا ہے۔ اس کے ایک فقرہ کی نقل:۔

"مخالف ووٹروں کو توڑتے ہوئے اگر ضرورت ہو تو قبائلی اور نسلی بنیاد والی اصلاحی تحریکوں کی بھی تبلیغ کی جائے مثلاً جمعیتہ المومنین۔ جمعیتہ الراعین، جمعیتہ المنصورین وغیرہ"

یہ خط جتنا حیرت انگیز ہے اس سے زیادہ تاسف انگیز ہے لیگی اور غیر لیگی، جماعتوں کے برسر حق ہونے کا سوال بالکل الگ ہے۔ یہاں سوال یہ ہے کہ جمعیتہ علماء ہند کے محترم صدر اور امارت شرعیہ صوبۂ بہار کے محترم امیر کیا خدانخواستہ "قبائلی اور نسلی تحریکوں" کی تبلیغ اسلام میں جائز سمجھتے ہیں خواہ مخالف

دو ٹروں کے "توڑنے" ہی کے لیے سہی؟ یقین ہرگز نہیں آتا۔ امارت شرعیہ صوبہ بہار کے دینی کارکنوں کے علم و فضل سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ علیٰ ہذا صدر جمعیتہ علمائے ہند کی دینی پوزیشن مسلّم ہے۔"

ایک غلط بیانی کی تردید

اس کتاب میں کہیں وہ افسانہ درج کیا جا چکا ہے جو میرٹھ اسٹیشن پر مولانا حسین احمد صاحب کے ساتھ علی گڑھ کے طلبہ کا مشہور ہے۔ اس افسانہ کی تشہیر میں کانگرسی اور جمعیتی اور احراری اخبارات نے غیر معمولی سرگرمی اور جوش و خروش کا اظہار کیا لیکن یہ افسانہ بنیادی سراپا دروغ اور تمام تر کذب تھا کہ آخر کار خود مولانا حسین احمد کو اس کی تردید کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

۹ جنوری ۱۹۴۶ء کے صدق اور بعض دوسرے اخبارات میں (جمعیتہ علماء دہلی، مسلم مجلس، مجلس احرار وغیرہ کے) مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے جوائنٹ سیکرٹری نے حسب ذیل بیان مولانا حسین احمد صاحب کی طرف سے شائع کرایا:۔

"شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ نے مجھے یہ اعلان جاری کرنے کا اختیار دیا ہے کہ ۲ نومبر کو لیگی نوجوانوں کی ایک پارٹی نے میرٹھ اسٹیشن پر حضرت مولانا کے خلاف مظاہرہ کیا۔ وہ اگرچہ تہذیب اور اخلاق کے عام معیار سے گرا ہوا تھا تاہم اس کے متعلق اخبارات میں جو اطلاعات شائع ہوئی ہیں ان میں بعض واقعات صحیح نہیں ہیں۔ یہ غلط ہے کہ اس مظاہرہ میں کسی نے حضرت مولانا کے محاسن (داڑھی) میں شراب انڈیلنے کی کوشش کی تھی۔"

اس باب میں جو واقعات درج کئے گئے ہیں وہ مشتے نمونہ از خروارے ہیں لیکن ان سے بآسانی اندازہ ہو سکتا ہے کہ مسلم لیگ کے مسلمان مخالفین نے اپنے سامنے اختلاف کا کتنا بلند اور بلند تر معیار رکھا ہے۔

خراج عقیدت

قائداعظم مخالف اور بیگانوں کی نگاہ میں

اس وقت تک جو صفحات آپ نے ملاحظہ فرمائے ہیں وہ قائداعظم کے اوصافِ قیادت سے لبریز ہیں۔ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ آج مسلمانوں میں جو شعورِ سیاسی، احساسِ بیداری، فکرِ اسلامی جذبۂ آزادی کا طوفان امنڈ رہا ہے۔ اسی عظیم اور جلیل ہستی کا طفیل ہے۔

اے بادِ صبا این ہمہ آوردۂ تست!

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ دوسرے اربابِ فکر و سیاست، اختلافِ سیاسی و عمومی سے قطع نظر ایشیا کے اس بطلِ جلیل اور قائداعظم کی فراست اور سیاست کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ حریفانہ پنجہ فگن اور یارانِ پُرفن کیا فرماتے ہیں؟ رفیقانِ راہ اور حاملانِ اعزاز و جاہ کا ارشاد کیا ہے؟ ان کے اقوال سے اندازہ ہو سکے گا کہ عظیم و جلیل شخصیتیں، مخالفوں اور دشمنوں سے بھی اپنا لوہا منوا لیتی ہیں۔

الفضل ما شہدت بہ الاعداء

علامہ اقبال

ہندوستان میں بہ حیثیت مسلمان آپ ہی کی واحد ہستی ہے۔ جس سے ملت کو

یہ توقع وابستہ کرنے کا حق ہے کہ شمال مغربی، یا شاید پورے ہندوستان پر جو سیلاب آرہا ہے اس میں آپ ملّت کی صحیح رہنمائی فرمائیں گے۔"

مسٹر ہومی مودی[1]

"مسٹر جناح مدّتوں سے ہماری زندگی کے ایک مہتمم بالشان نمائندہ ہیں ان کی روش بظاہر مجموعہ اضداد ادرہ چکی ہے۔ لیکن ہمیشہ ہر تغیر کے ساتھ ایک مستقل اور بنیادی اصول پر جمے رہے۔ وہ نڈر ہیں، بے خوف ہیں، صاف گو ہیں، شہرت کے طلبگار نہیں۔ سیاسی سازشوں سے بالکل الگ تھلگ۔ وہ ایک بہت آدمی ہیں۔ جنہوں نے انہیں پہچانا کم ہیں اور وہ تو بہت کم ہیں۔ جنہوں نے انہیں پہچانا کم ہیں اور وہ تو بہت کم ہیں جنہوں نے ان کی تنہائی کے قلعہ میں رسائی پائی ہو ایک شخصیت جو دلوں کو موہ لیتی ہے تم اس کو چاہے ناپسند کرو، چاہے برا کہو، مگر اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔"

سر کاؤس جی جہانگیر[2]

جس راستہ کو مسٹر جناح صداقت، حقانیت اور انصاف کا راستہ سمجھ لیتے ہیں۔ اس سے کوئی چیز بھی انہیں ادھر سے اُدھر نہیں کر سکتی۔ وہ ہمّت و استقلال کے دھنی ہیں۔ میں جراٴت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ان پر کسی وقت بھی موقع پرستی اور ابن الوقتی کا الزام کوئی بھی نہیں لگا سکتا۔ انہوں نے کبھی اپنی غرض اور اپنے مفاد کو ملکی مفاد پر ترجیح نہیں دی۔ اس قسم کے آدمی پبلک

---

[1] سابق کانگرس گورنر یوپی [2] بمبئی پارسی بیرونٹ۔

زندگی میں بہت کم پائے جاتے ہیں۔

آنجہانی گوپال کرشن گوکھلے

جناح ایک وقت میں ہندو مسلمانوں کے اتحاد کا قاصد بنے گا۔ اس لئے کہ اس میں بے شمار صلاحیتیں ہیں۔

سروجنی نائیڈو

کون ہے جو راز ہائے فردا کو منکشف کر سکے؟ کون ہے جو ان خفیہ قوتوں کو حیطۂ نگاہ میں لا سکے؟ جو سرگرم عمل ہو کر بعض اوقات ہمارے خواب و خیال کو حقیقت میں تبدیل کر دیتی ہیں۔ پھر بھی شاید کتاب مستقبل میں مرقوم ہو چکا ہے کہ وہ جو اولوالعزمی سے مسلمانوں کا گوکھلے بننا چاہتا تھا۔ ہماری قومی جدّوجہد کے شاندار اور نازک حالت میں ہندوستان کی آزادی کا میزینی (اطالیہ کا نجات دہندہ) بن کر غیر فانی ہو جائے۔

سر سی، پی راماسوامی آئر

سابق دیوان ٹراونکور: میں مسٹر جناح کو کافی مدّت سے جانتا ہوں اور ان کے واضح نظریات اور پبلک معاملات میں بے غرضی اور بے لوثی کا معترف رہا ہوں، انہوں نے عوام میں اپنی مقبولیت کو ذاتی فوائد کے لئے استعمال کرنے سے احتراز کیا ہے۔

اس وقت جب کہ مشہور اشخاص وقتی طور پر اپنی پرانی حکمت عملی سے منحرف ہو رہے ہیں، ایسے بہادر کا وجود روح پرور ہے۔

ایف۔ ای جیمز

سابق لیڈر یورپین گروپ سنٹرل لیجسلیٹو اسمبلی:۔

سیاسی مجاہد کی حیثیت سے ہندوستان میں ان (مسٹر جناح) کا کوئی مدِمقابل نہیں۔ وہ عامۃ الناس کے بے خوف اور ناقابلِ تسخیر رہنما ہیں۔ جنہوں نے انہیں متحد کر کے ان میں زندگی پیدا کی اور انہیں اپنی اہمیت و قوت سے آشنا کر دیا۔ محبِ وطن کی حیثیت سے وہ اپنے ملک اور اپنی قوم دونوں کی آزادی کے خواہاں ہیں۔ (اس سالگرہ کے موقع پر) ان کے لئے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے دعا گو ہوں کہ انہیں یہ مسرت انگیز اور مبارک دن بار بار نصیب ہو۔

مسٹر جوکم الوا ایڈیٹر فورم

جناح کی جرأت اور بے ساختگی نے ہمیشہ عدالتوں میں ان کی شخصیت کو اجاگر کیا ہے۔ ان کی مقناطیسی شخصیت کا شہرہ ہے وہ اپنی غیر معمولی جرأت، ججوں سے بے خوف مقابلہ اور عدالتوں میں بے لاگ قانونی موشگافیوں کے باعث دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ قانون داں کی حیثیت سے جناح عدالتوں میں ایک غیر معمولی ماہرِ قانون نظر آتے ہیں۔ اور جج، اراکین جیوری، وکلا اور مؤکلین بیک وقت تمام کے تمام جناح کی قانونی سحر طرازیوں سے مسحور ہیں۔ بشیر قانون کی حیثیت سے جناح ہمیشہ سربلند رہیں گے، مقدمات کے الجھاؤ اور حالات کی بدترین پریشانیوں میں بھی ان کی بالغ نظری کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچی۔ وہ ہماری قانون داں برادری کا سب سے

زیادہ باہمت انسان ہے۔ کوئی منصف یا جج آج تک انہیں چکمہ دینے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکا۔

وہ کبھی اپنی توہین گوارا نہیں کر سکتے۔ جناب جناح کی حاضر جوابی اور معاملہ فہمی قانون کی بڑی سے بڑی الجھنوں کو اس شان سے سلجھا دیتی ہے کہ ہر شخص انہیں خراجِ تحسین پیش کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

جناب جناح کی غیر معمولی جسارت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک ایسے انگریز جج نے جو ہر قانون داں کو خفیف کرنے میں مہارت تامہ رکھتا تھا۔ بھری عدالت میں مسٹر جناح سے خطاب کرتے ہوئے کہا "آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ کسی تیسرے درجے کے مجسٹریٹ سے خطاب نہیں کر رہے ہیں" مسٹر جناح نے برجستہ جواب دیا "جناب کے سامنے بھی تیسرے درجے کا قانون داں نہیں ہے"۔

دیوان چمن لال

جناح ان لوگوں میں سے ہیں، جو ذاتی مقاصد و ذاتی اغراض کو پیش نظر رکھ کر آگے نہیں بڑھتے اُن کی دیانت پر کسی کی حرف گیری نہیں کی جا سکتی وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ وہ کبھی کسی جماعت سے متعلق نہیں رہے، تاوقتیکہ وہ خود ایک جماعت نہ ہوں۔ یہ اس لئے نہیں کہ وہ دوسروں کے ساتھ شانہ بہ شانہ کام کرنے کے منکر ہیں۔ وہ اپنے احساسِ دیانت پر کسی کو شک کا موقع نہیں دینا چاہتے۔

سر شان موکھم چیٹی سابق صدر

انڈین لیجسلیٹو اسمبلی:۔ ۱۹۱۶ء کے کانگرس سشن میں پہلی بار میری اور مسٹر

جناح کی ملاقات ہوئی۔ کانگرس کا یہ اجلاس لیگ کانگرس مفاہمت کی بنا پر تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ جناح صاحب اس اجلاس میں موجود تھے اور ہندو مسلم اتحاد کے سفیر کی حیثیت سے نہ صرف اہم اور نمایاں نظر آتے تھے۔ بلکہ ہر کس و ناکس ان کی تعریف و تحسین میں رطب اللسان تھا۔ آج انہی لوگوں میں سے کچھ انہیں دشنام دے رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ کیا اس لئے کہ مسٹر جناح بدل گئے ہیں یا وہ معیار جس پر سیاستدانوں کے اخلاق کا مدار تھا بدل گیا ہے مختلف لوگ اس کا مختلف جواب دیں گے۔

مسٹر جناح عملی طور پر وطن پرست ہیں، اگر ایک طرف ان کا وہ جوش اور ولولہ کہ ملک سیاسی طور پر آزاد ہو جائے انہیں کسی کے سامنے سرنگوں نہیں ہونے دیتا تو دوسری طرف وہ صحیح سیاسی حالات سے بھی بے خبر نہیں ہیں وہ ہر فرقے کے ساتھ انصاف چاہتے ہیں اور اسی بنیاد پر ملک کی سیاسی تعمیر کے متمنی ہیں۔

سیاسی جماعتیں اور افراد جو وطن پرستی کو محض اپنا حق تصور کرتے ہیں۔ مسٹر جناح کا تمسخر اڑائیں، مگر ایک وطن پرست کی حیثیت سے ان کا مقام ہمیشہ بلند رہے گا۔

ڈاکٹر ابیدکر "اچھوت لیڈر"

یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مسٹر جناح کسی قیمت پر بھی حکومت برطانیہ کے آلہ کار نہیں بن سکتے۔ اور جناح صاحب کے بڑے بڑے دشمن کو بھی یہ اور بات ہے کہ مسٹر جناح اپنے ارادوں اور اپنی رائے میں سخت ہیں۔ لیکن ان کے رویہ میں کبھی بھی کوئی لوچ نہیں پایا جاتا۔

ایک زمانہ تھا جب مسٹر جناح عوام کی بہبودی کی خاطر اپنے قیام گاہ سے نیچے اترنا گوارا نہ کر سکتے تھے۔ اور اسلام سے ان کا تعلق محض اس قدر رہا ہے کہ مجلسِ قانون ساز کا رکن بننے کے بعد حلف وفاداری لیتے وقت قرآن کو بوسہ دیا تھا۔ لیکن اب ان کی کیفیت یہ ہے کہ مسجدوں میں بھی نظر آتے ہیں۔ اور اسلامیات سے پر خلوص دلچسپی کا اظہار فرماتے ہیں، اب جناح عوام کے قائد ہیں، اور عوام جناح کے سرفروش پیرو۔

سی راجگوپال اچاریہ

حکومت اور عوام اور ان کی بڑی سیاسی جماعتوں میں کوئی مفاہمت نہ ہو سکی مہاتما گاندھی اور قائد اعظم بلند پایہ شخصیتیں ہیں۔ یہ کوئی معمولی افراد نہیں ان میں سے ہر ایک اتنا ہی مشہور ہے جتنا دوسرا اور ملک میں دونوں زبردست مقبولیت کے مالک ہیں ہر ایک کی اندھی پیروی کی جا رہی ہے۔ یہی سہی اگر یہی پیروی سچی پیروی ہے۔

پی اٹکسن لارنس

غیر ملکی صحافی:۔ ایک قوم پرست انسان کی حیثیت سے مسٹر جناح کی شخصیت لائق پرستش ہے۔ جناح کو کسی قیمت پر خریدا نہیں جا سکتا۔ اور اس بات کو ہندوستان کا ہر چھوٹا بڑا جانتا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ خود ہندو بھی اس کے معترف ہیں۔ آج تک انہوں نے ذاتی اغراض کے پیش نظر کسی شخص یا کسی مقصد کو نقصان نہیں پہنچایا۔

اپنی بے لوث خدمات کے عوض آج وہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں کے

قائد اعظم ہیں۔ ان کا ہر ارادہ مسلمانوں کے لئے حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے ان کا حکم مسلمانوں کے لئے آخری فیصلہ ہے۔ جس کی انتہائی خلوص کے ساتھ لفظ بلفظ تعمیل کی جاتی ہے۔

مسٹر گاندھی

مسلم لیگ ایک بڑی منظم جماعت ہے اس کے صدر مسٹر جناح ایک زمانے میں بڑے سرگرم کانگرسی تھے۔ لارڈ ولنگڈن سے ان کی لڑائیاں بھول نہیں سکتیں۔ بمبئے کانگرس کا جناح ہال کانگرسیوں کی جانب سے ان کی کارروائیوں کی زندہ یادگار ہے۔

ہریجن ۷ اکتوبر ۱۹۳۹ء

گاندھی جی نے اپنے اخبار ہریجن میں متعدد مواقع پر قائد اعظم کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے:۔

میں جانتا ہوں آپ کو مسلم عوام پر بے نظیر قابو حاصل ہے۔

خط بنام قائد اعظم مورخہ ۱۵ استمبر ۱۹۴۴ء

میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مجھے مسٹر جناح کے خلوص پر اعتماد ہے، جناح صاحب کے اعلان کردہ یوم نجات کے موقع پر مجھے گلبرگہ کے مسلمانوں کی طرف مندرجہ ذیل تار موصول ہوا ہے۔

"یوم نجات مبارک قائد اعظم زندہ باد"

جب مجھے یہ تار ملا تو میں دل ہی دل میں اُن کا ہم نوا بن گیا قائد اعظم "زندہ باد" قائد اعظم میرے پُرانے رفیق ہیں اگر آج ہم چند معاملات میں ایک دوسرے سے آنکھیں چار نہیں کر سکتے تو اس سے ہمارے خلوص میں

کوئی فرق نہیں آسکتا۔

ہریجن ۲۰ جنوری ۱۹۴۰ء

میں نے قائد اعظم کی تقاریر سے یہ اندازہ لگایا ہے کہ اُنھیں ہندوؤں سے کوئی پرخاش نہیں ہے وہ ان کے ساتھ پُرامن زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔

ہریجن ۸ مارچ ۱۹۴۰ء

روزنامہ پانیر کا اداریہ

۲۶ دسمبر ۱۹۴۵ء میں لکھنؤ کے مشہور انگریزی اخبار "پانیر" نے ایک مقالہ "ہزاروں میں ایک" کے عنوان سے تحریر کیا، اس مقالہ میں اخبار مذکور نے مسٹر جناح کے اوصاف، و کمالات قیادت پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ مقالہ کا ایک حصہ درج ذیل ہے:۔

قدرت نے مسٹر جناح کو قیادت کے لئے پیدا کیا ہے دوسروں کے ساتھ جنگ آزادی میں راستہ بنانے کے لئے مسلمانوں کو مسٹر جناح جیسے قائد کی سخت ضرورت ہے انہیں چاہیئے کہ پورے ملک کی متحدہ طور پر قیادت کریں تاکہ ہندوستان کے ایک جدید معمار کی حیثیت سے ہمیشہ یاد کئے جائیں۔

افسوس ہے کہ پہلے آپ قوم پرست تھے بعد میں اس سے علیحدہ ہو گئے، تاہم آپ دنیا کی اُن عظیم الشان شخصیتوں میں شامل ہیں۔ جنہیں قدرت بڑے کاموں کے لئے پیدا کرتی ہے خواہ وہ کام تعمیری ہوں یا تخریبی مسٹر جناح کو صرف خیالی آدمی سمجھ کر نظر انداز کر دینا بہت بڑی غلطی ہوگی، لوگ کسی طرح ان کے عملی کاموں سے آنکھیں بند نہیں کر سکتے ان میں وہ صفات ہیں جو سیزر جیسے آدمیوں میں پائی جاتی ہیں۔ سخت کوشی اور تیزی جیسی باتیں جو قیادت

کے لئے لازمی ہیں، قدرت نے آپ کو دل کھول کر عطا کی ہیں۔

مسٹر جناح اپنے پر خلوص اور صحیح جذبۂ خدمت کی وجہ سے آج آسمان شہرت پر اس ستارے کی طرح چمک رہے ہیں جس سے آنکھیں چندھیا جاتی ہیں چند خود غرض اہل قلم ہی مسٹر جناح کی شخصیت اور مسلمانان ہند پر ان کے مقناطیسی اثر کو گھٹا کر بیان کرنے کی غلطی کر سکتے ہیں۔

کابینہ وفد کا فیصلہ

مسلم لیگ اور کانگرس کا ردِ عمل

۲۴ مارچ ۱۹۴۶ء کو برطانیہ کا کابینہ وفد جو سر کرپس، لارڈ پیتھک لارنس (وزیر ہند) اور مسٹر الیگزنڈر پر مشتمل تھا، ہندوستان پہنچا۔ وفد کا مقصد مسٹر اٹیلی وزیر اعظم برطانیہ کے الفاظ میں یہ تھا کہ ہندوستان کو آزادی کے حصول میں پوری پوری مدد دی جائے۔

وفد کی آمد اور تبادلۂ خیالات

وفد نے دہلی پہنچتے ہی ہندوستان کی مختلف سیاسی جماعتوں کے ارباب بست و کشاد سے گفت و شنید شروع کر دی۔ ایک عرصہ تک یہ گفتگو دہلی میں ہوتی رہی پھر وفد نے اپنی صواب دید پر شملہ میں ایک سہ پارٹی کانفرنس منعقد کی جس میں وفد، مسلم لیگ اور کانگریس کے نمائندے شریک تھے۔

کئی روز تک کانفرنس ہوتی رہی۔ لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ چونکہ وفد کی روانگی سے پیشتر مسٹر اٹیلی نے ایک نہایت لغو اور غیر ذمہ دارانہ بات یہ کہہ دی تھی۔ کہ "اس دفعہ اقلیت کو اکثریت کے سیاسی ارتقا کے راستہ میں روڑا نہیں بننے دیا جائے گا۔"

اس لئے ہندو کانگریس کو یقین کامل تھا کہ اس بار مسلم لیگ نظر انداز کر دی جائے گی۔ اور کانگریس سرفراز فرمائی جائے گی۔ چنانچہ مسٹر پٹیل نے ایک بیان میں صاف صاف فرما دیا تھا کہ وزیراعظم برطانیہ کے بیان میں "اقلیت" سے مراد مسلم لیگ ہے اور اکثریت سے مراد کانگریس ہے کانفرنس کے دوران میں قائداعظم نے اپنے جذبۂ مصالحت کا یہاں تک اظہار کیا کہ اپنے اعلانات اور بیانات کے بالکل خلاف عارضی طور پر محدود مرکز کے قبول کر لینے پر آمادگی ظاہر کی۔ لیکن ہندو کانگریس نے نہ پاکستان کو اصولی طور پر تسلیم کیا نہ مسلم لیگ کے دوسرے مطالبات مانے نہ دو قوموں کا نظریہ تبدیل کیا۔ اس کا صرف ایک ہی مطالبہ تھا کہ کسی طرح ہندوستان کی حکومت اس کے ہاتھ میں آ جائے اور مسلمان اور دوسری اقلیتیں اُس کے رحم و کرم پر چھوڑ دی جائیں۔ قائداعظم نے محض جذبۂ مصالحت سے مجبور ہو کر ١١ مئی ۱۹۴۶ء کو شملہ میں پنڈت جواہر لال نہرو سے اپنی قیام گاہ پر ملاقات بھی کی۔ لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور صاف معلوم ہو گیا کہ اس بار کانگریسی لیڈر مفاہمت کے لئے سرگرم نہیں ہیں۔ ان کی ساری توقعات وفد سے وابستہ ہیں۔

دوسری شملہ کانفرنس کی ناکامی کا اعلان

آخر ١٢ مئی ۱۹۴۶ء کو شملہ کانفرنس کی ناکامی کا سرکاری طور پر اعلان کر دیا گیا۔

اس سلسلے میں جو سرکاری کمیونکے شائع ہوا اس میں درج تھا کہ:-

سہ پارٹی کانفرنس ختم ہو گئی۔ لیکن کانفرنس کے خاتمہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ملک معظم کی حکومت نے جو کام شروع کیا تھا وہ ختم ہو گیا ہے۔

اسی تاریخ کو بمبئی کرانیکل کے نامہ نگار خصوصی نے اطلاع دی کہ اب وفد کے لئے صرف یہ چارہ کار رہ گیا ہے کہ وہ اپنا فیصلہ صادر کرے۔

کابینہ وفد کا فیصلہ

١٦ مئی ۱۹۴۶ء کو وفد کا فیصلہ شائع ہوا۔ جو خاصہ طویل ہے خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"ہم نے پوری کوشش کی کہ دونوں اہم پارٹیاں ہندوستان کے اتحاد یا تقسیم کے مسئلہ پر کسی متفقہ نتیجہ پر پہنچ جائیں لیکن اس کے باوجود کہ دونوں پارٹیاں ایک دوسرے کے ساتھ کافی مراعات اختیار کرنے کے لئے تیار تھیں پھر بھی ایک معمولی سی خلیج باقی رہ گئی جس کو پاٹا نہ جا سکا۔

ہم نے طے کیا ہے کہ ہندوستان کی آئندہ آئین کی تشکیل کے انتظامات فوراً کئے جائیں اور عارضی حکومت بھی فوری طور پر قائم کر دی جائے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ عوام کے چھوٹے بڑے ہر طبقہ کے ساتھ انصاف ہو۔

مسلم لیگ کے علاوہ سب کی خواہش ہے کہ ہندوستان متحد رہے لیکن ہم نے ہندوستان کی تقسیم کے امکان کی اچھی طرح تحقیق کی ہے مسلم لیگ کے دعوے کے مطابق ایک علیحدہ اگانہ آزاد بالادست پاکستانی ریاست ہونی چاہیئے جو دو رقبوں پر مشتمل ہو۔ پاکستان کے ان دونوں رقبوں میں غیر مسلم اقلیت بہت کافی ہے یعنی بلاک نمبر ١ میں جس میں برطانوی بلوچستان بھی شامل ہے غیر مسلم اقلیت ۳۷ء۹۳ فیصد اور بلاک نمبر ٢ میں ۴۸ء۳۱ فیصد ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ اگر مسلم لیگ کے دعوے کے مطابق پاکستان قائم کر دیا جائے تو بھی فرقہ وارانہ اقلیتوں کے مسئلے طے نہ ہوں گے اب دیکھنا یہ ہے کہ مسلم اکثریت کے چھوٹے علاقوں کا پاکستان کہاں تک قابل عمل ہے ایسے پاکستان کو مسلم لیگ بھی ناقابلِ عمل سمجھتی ہے۔ اس لئے ہمیں مجبوراً اس نتیجہ پر پہنچنا پڑا ہے کہ فرقہ وارانہ مسئلہ کا حل نہ تو ایک بالادست پاکستان سے ہوتا ہے نہ چھوٹے بالادست پاکستان سے۔

مزید برآں انتظامی اقتصادی اور فوجی وجوہ بھی بہت وزن رکھتے ہیں۔ ہندوستان کا ٹرانسپورٹیشن (بار برداری) تار اور تار کا سسٹم متحدہ ہندوستان کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے اس کو الگ الگ کرنے سے ہندوستان کے دونوں حصوں کو شدید نقصان پہنچے گا۔ ہندوستان کی مسلح فوجیں بھی پورے ہندوستان کے لئے تیار کی گئی ہیں اور ان کو دو حصوں میں تقسیم کر دینے سے دیرینہ روایات کو کاری ضرب لگے گی۔ مجوزہ پاکستان کے دونوں حصے ہندوستان کی دو نہایت کمزور سرحدوں پر مشتمل ہیں۔ کامیاب تحفظ کے لئے پاکستان کا علاقہ رقبہ کے لحاظ سے کافی نہیں ہوگا۔

لیکن یہ فیصلہ مسلمانوں کے ان حقیقی خدشات کی طرف سے ہماری آنکھیں بند نہیں کرتا کہ ان کا تمدن اور ان کی سیاسی وسماجی زندگی ایک ایسے متحدہ ہندوستان میں مدغم ہو جائے گی جس میں ہندوؤں کی زبردست اکثریت اور غلبہ ہے۔

یہ بالکل صاف بات ہے کہ برطانوی ہندوستان کے آزادی حاصل کرنے کے بعد خواہ دولت مشترکہ میں رہے یا اس سے باہر رہے وہ رشتہ جو اس وقت ریاستی حکمرانوں اور تاج برطانیہ کے درمیان موجود ہے باقی نہیں رہے گا۔ اب ہم ایک ایسے حل کی نوعیت پیش کرتے ہیں جو ہمارے خیال میں تمام پارٹیوں کے ضروری مطالبات کے مطابق اور ساتھ ہی ساتھ تمام ہندوستان کے لئے ایک مستحکم اور قابلِ عمل آئین ہوگا۔

(۱) ہندوستان کی ایک یونین قائم کی جائے جس میں برطانوی ہندوستان اور ریاستیں شامل ہوں اور جس کے ماتحت امور خارجہ دفاع اور رسل و رسائل ہوں نیز اس یونین کو اختیار ہو کہ وہ ان شعبوں کے اخراجات کے لئے مطلوبہ مالی وسائل مہیا کرے۔

(۲) یونین ایک ایگزیکیٹو اور ایک قانون ساز اسمبلی پر مشتمل ہو جس میں برطانوی ہندوستان اور ریاستوں کے نمائندے شامل ہوں اس اسمبلی میں ہر اہم فرقہ وارانہ سوال کے تصفیہ کے لئے ضروری ہوگا کہ نہ صرف تمام ممبران جو حاضر ہوں اور رائے

دے رہے ہوں ان کی اکثریت ہو بلکہ دونوں بڑے فرقوں میں سے ہر ایک فرقے کے جتنے ممبر موجود ہوں اور رائے دے رہے ہوں ان کی اکثریت بھی ہو۔

(۳) یونین کے محکموں کے علاوہ باقی تمام شعبے اور باقی ماندہ اختیارات صوبوں کو حاصل ہوں۔

(۴) ریاستوں کو تمام صیغے اور اختیارات بجز اُن کے جو وہ یونین کو سونپ دیں گی حاصل رہیں گے۔

(۵) صوبوں کو اپنے گروپ بنانے کی آزادی ہوگی۔ ہر گروپ کی ایگزیکیٹو اور مجلس آئین ساز ہو سکتی ہے اور ہر گروپ یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ صوبائی صیغوں میں سے کون سے صیغوں کا مشترکہ انتظام ہوگا۔

(۶) یونین اور گروپوں کی اکثریت کے آئینوں میں ایک ایسی دفعہ ہونی چاہئے جس کی رو سے ہر صوبہ اپنی لیجسلیٹو اسمبلی کی رائے کی کثرت سے دس سال کے ابتدائی عرصہ کے بعد آئین کے شرائط میں تبدیلی کا مطالبہ کر سکتا ہو۔

مجلسِ آئین ساز

اب ہم مجلس آئین ساز کے متعلق بتاتے ہیں جس کی تشکیل فوراً ہو جانی چاہئے اس سلسلہ میں سب سے پہلا سوال نمائندوں کے انتخاب کا ہے لیکن اس طرح دیر ہوگی اس لئے موجودہ صوبائی اسمبلیوں میں سے منتخب شدہ ممبر لے لئے جائیں لیکن اسمبلیوں کے ممبروں کی تعداد آبادی کی صحیح نمائندہ نہیں ہے۔ نہایت توجہ اور غور کے بعد جو تمام خامیوں کا ازالہ کر دے گا ہم نے یہ طریقہ سوچا ہے کہ آبادی کی صحیح تعداد کے اعتبار سے نشستیں دی جائیں مثلاً دس لاکھ پر ایک نشست۔

(ب) صوبوں میں نشستوں کی تقسیم وہاں کے بڑے فرقوں کے تناسب سے

کردی جائے

(ج) ہر صوبہ کی اسمبلی میں ہر فرقہ کے نمائندے کا انتخاب اسی فرقے والے عمل میں لائیں گے۔

ہمارے خیال میں اس غرض کے لئے تین بڑے فرقوں کو تسلیم کر لیا جائے یعنی جنرل مسلم اور سکھ۔ رہیں چھوٹی چھوٹی اقلیتیں سو ان کے متعلق بھی ہم نے ایک تدبیر سوچی ہے۔

(۱) ہم تجویز کرتے ہیں کہ ہر صوبہ میں صحیح تعداد نمائندگان حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل تعداد جنرل مسلم یا سکھ ہونی چاہیئے۔ یہ انتخاب واحد قابل انتقال ووٹ کے ذریعہ ہوگا۔

سیکشن اے

صوبہ	جنرل	مسلم	تعداد
مدراس	۴۵	۴	۴۹
بمبئی	۱۹	۲	۲۱
یو۔پی	۴۷	۸	۵۵
بہار	۳۱	۵	۳۶
اڑیسہ	۹		۹
سی۔پی	۱۶	۱	۱۷
کل تعداد	۱۶۷	۲۰	۱۸۷

سیکشن بی

صوبہ	جنرل	مسلم	سکھ	تعداد
پنجاب	۸	۱۶	۴	۲۸
سرحد	-	۳	-	۳
سندھ	۱	۳	۰	۴
کل تعداد	۹	۲۲	۴	۳۵

سیکشن سی

صوبہ	جنرل	مسلم	تعداد
بنگال	۲۷	۳۳	۶۰
آسام	۷	۳	۱۰
کل تعداد	۳۴	۳۶	۷۰

برطانوی ہندوستان ۲۹۲

ہندوستانی ریاستوں کی زیادہ سے زیادہ نمائندگی ۹۳

کل تعداد ۳۸۵

(نوٹ) جہاں چیف کمشنر کا صوبہ ہو وہاں سیکشن اے میں مرکزی اسمبلی کے لئے دہلی سے ایک نمائندہ لیا جائے گا۔ اجمیر میرواڑہ سے ایک۔ کورگ لیجسلیٹو کونسل بھی ایک نمائندہ منتخب کرے گی۔ سیکشن بی میں برطانوی بلوچستان کا ایک نمائندہ لیا جائے گا۔

(۲) تجویز یہ ہے کہ ریاستوں کی آخری مجلس آئین ساز میں تناسب کے اعتبار سے نمائندگی دی جائے گی اور ۹۳ سے زیادہ نمائندے نہیں ہوں گے۔

(۳) اس طرح سے چُنے ہوئے نمائندے جہاں تک جلد ممکن ہو دہلی پہنچ جائیں گے

(۴) ایک ابتدائی اجلاس منعقد ہوگا جس میں کام کے متعلق عام فیصلہ عمل میں آئے گا۔ ایک چیئرمین اور دیگر عہدے دار منتخب ہوں گے۔ شہری حقوق اقلیتوں، قبیلوں اور چھوٹے ہوئے علاقوں کے لئے ایک مشاورتی کمیٹی بنے گی۔ اس کے بعد صوبائی

نمائندے تین حصوں میں تقسیم ہوں گے جیسا کہ نمائندگی کے نقشہ میں سیکشن اے۔ بی سی ہیں۔

(۵) ہر سیکشن صوبوں کے صوبائی دستور کا فیصلہ کرے گا اور طے کرے گا کہ صوبوں کے لئے گروپ کا نظم و نسق درکار ہے یا نہیں۔ اگر درکار ہے تو گروپ کو کن صوبائی صیغوں کا کام کرنا ہو گا۔ صوبوں کو گروپوں میں سے انتخاب کرنے کا اختیار ہو گا جیسا کہ دفعہ ۸ میں بتایا گیا ہے۔

(۶) ہندوستانی ریاستوں کے سیکشنوں کے نمائندے یونین کے دستور کی تشکیل کے لئے دوبارہ جمع ہوں گے۔

(۷) یونین کی دستور ساز اسمبلی کی شرائط میں ترمیم یا کسی بڑے فرقہ وارانہ مسئلہ کے فیصلے کے لئے زیادہ سے زیادہ نمائندوں کی حاضری ضروری ہے جسے دونوں بڑے فرقوں کے ووٹ کے ذریعے طے کیا جائے گا۔ اسمبلی کا چیئرمین فیصلہ کرے گا کہ کون سے ریزولیوشن میں فرقہ وارانہ سوال پیدا ہوتا ہے اور اگر دونوں فرقوں کی اکثریت نے درخواست کی تو اپنا فیصلہ دینے سے قبل چیئرمین فیڈرل کورٹ سے مشورہ کرے گا۔

(۸) جس وقت نئے انتظامات عمل میں آئیں گے اس وقت ہر صوبہ کو اختیار ہو گا کہ جس گروپ میں اسے شامل کیا گیا ہے اس سے علیحدگی کا فیصلہ کرے۔ یہ فیصلہ صوبہ کی نئی مجلس آئین ساز کرے گی جب کہ نئے دستور کے ماتحت پہلا جنرل انتخاب عمل میں آچکا ہو گا۔

مشاورتی کمیٹی کا قیام

مشاورتی کمیٹی جو شہریوں، اقلیتوں، قبائلی اور خارج شدہ علاقوں کے حقوق کے لئے مقرر ہو گی۔ اس میں جن حقوق کی حفاظت کی ضرورت ہے ان کو پوری نمائندگی دی جائے گی اور ان کا فرض ہو گا کہ یونین کی دستور ساز اسمبلی کے سامنے بنیادی حقوق کی فہرست اقلیتوں کے حفاظت کے متعلق تجاویز نیز قبائلی اور خارج شدہ علاقوں کے انتظام کے متعلق اسکیم پیش کریں اور مشورہ دیں کہ آیا یہ حقوق صوبائی یا گروپ یا یونین دستور میں شامل کئے جائیں۔

مسلم لیگ اور کانگرس کا ردِ عمل

وفد کے اس فیصلہ کے ساتھ ساتھ وزیر ہند، وائسرائے اور کمانڈر انچیف نے ہندوستان کے نام ایک بیان نشر کیا اور توقع ظاہر کی کہ اسے قبول کر لیا جائے گا اور کوئی شورش برپا نہ کی جائے گی۔

مسلم لیگ کے لیڈروں نے اس فیصلہ پر اس وقت تک اظہارِ خیال کرنے سے انکار کر دیا جب تک ورکنگ کمیٹی کوئی فیصلہ نہ کر دے لیکن کانگرسی حلقوں میں "استرداد پاکستان" پر گھی کے چراغ جلنے لگے۔ رات کو ۹ بجے بعض گجراتی اخبارات نے پاکٹ سائز کے ضمیمے شائع کئے جو دو دو روپے میں دھڑا دھڑ فروخت ہوئے۔

ان سفارشات پر خان عبد الغفار خاں نے کہا "اگر میں وفد کی جگہ ہوتا تو یہی سفارش کرتا" گاندھی جی کے فرزند دلبند مسٹر دیوداس گاندھی نے لندن میں یہ فیصلہ ریڈیو پر سنا اور فوراً رائٹر کو بیان دیا کہ ۱۶ مئی کا دن ہندوستان کی تاریخ میں ایک اہم اور یادگار دن ہو گا اور ۱۷ مئی ۱۹۴۶ء کو اپنی پرارتھنا کے موقع پر عوام کو مخاطب کرتے ہوئے گاندھی جی نے فرمایا کابینہ وفد کے سفارشات اس الم کدۂ ہند کو سرزمین نشاط و طرب میں تبدیل کر دیں گے (بمبئی کرانیکل ۱۸ مئی ۴۶ء) گاندھی جی کی مسرت بے اندازہ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۷ مئی کو سر کرپس ایک معمولی سی علالت کے باعث ولنگڈن ہسپتال دہلی میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے طبیب خاص ڈاکٹر نشا مہتہ کو ان کی مزاج پرسی کے لئے بھیجا اور بہت سے پھل بھی کام و دہن کی تواضع کے لئے بھیجے اور جب تک وہ

زیرِ علاج رہے گاندھی جی کے لطف و کرم کا یہ سلسلہ جاری رہا۔

شکوہ اور جوابِ شکوہ

۲۲ مئی ۱۹۴۶ء کو قائدِ اعظم کا ایک بیان شملہ سے شائع ہوا جس میں انہوں نے چند ٹھوس اعتراضات نہایت سنجیدہ لب و لہجہ میں مشن کے سفارشات پر کئے تھے اور ان کی صفائی چاہی تھی۔ اسی طرح ۲۴ مئی ۱۹۴۶ء کو کانگرس کی مجلسِ عاملہ کی طرف سے ایک اعتراضی بیان شائع ہوا تھا جس میں سب سے زیادہ اہم اعتراض یہ تھا کہ صوبوں کو گروپ میں جبراً نہ شریک کیا جائے۔

۲۵ مئی ۱۹۴۶ء کو وفد نے مذکورہ دونوں بیانات کا حسبِ ذیل جواب شائع کیا۔ "صورتِ حال یہ ہے کہ جب ہندوستانی رہنما طویل مباحثہ کے بعد مفاہمت کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو وفد نے اپنی سفارشیں دونوں خاص پارٹیوں کے نقطۂ نظر کو ملانے کے لئے ایک قریبی رجوع کی حیثیت سے پیش کیں۔ یہ اسکیم من حیث المجموع قبول کی جا سکتی ہے اور اگر اشتراک و تعاون کی اسپرٹ میں اس پر عمل کیا جائے تو یہ سفارشیں کامیاب ہو سکتی ہیں کہ اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے ضروری تحفظات شامل کئے جائیں اور یہ کہ حکومتِ برطانیہ کے ساتھ ان مسائل کی بابت معاہدہ کیا جائے جو اختیارات اور طاقت منتقل کرنے کے لئے ضروری ہوا۔

انتخاب کے طرز کا نتیجہ یہ ہے کہ نمائندہ اسمبلی میں چند یورپین ممبر منتخب ہو جائیں گے، بلوچستان کا نمائندہ شاہی جرگہ اور کوئٹہ میونسپلٹی کے غیر سرکاری ممبر منتخب کریں گے۔

ہمارے بیان کے پیراگراف نمبر ۱۵ کا کانگرس کی مجلسِ عاملہ نے جو مفہوم لیا ہے کہ صوبجات کو اس سیکشن میں شریک ہونے یا نہ ہونے کا پہلے ہی حق حاصل ہوگا جس میں وہ رکھے گئے ہیں۔ وہ وفد کے مفہوم کے خلاف ہے۔

۲۱ مئی ۱۹۴۱ء کو انہوں نے دیا تھا وہ فرماتے ہیں:-

آسام کو ایک فریق کی حیثیت سے مشترک معاملات مثلاً جنگی اور ساحلی محصول وغیرہ کے بارے میں بنگال سے سمجھوتہ کرنے میں کوئی اعتراض نہیں رہنا چاہیئے۔ آسام کی خام پیداوار بنگال میں بکتی ہے اور بیرونی چیزیں بنگال کے ذریعہ آسام میں پہنچتی ہیں۔ پھر بھی کانگرس مصر تھی کہ آسام ہندو گروپ میں شامل کیا جائے اور مسٹر باردولائی کانگرسی وزیرِ اعظم آسام جہاد کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

قائدِ اعظم کی دلپذیر تقریر

۵ جون ۱۹۴۶ء کو دہلی میں مسلم لیگ کونسل کا ایک یادگار جلسہ کابینہ وفد کی سفارشات پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوا۔ اس کا افتتاح قائدِ اعظم کی ایک دل افروز تقریر سے ہوا۔ قائدِ اعظم نے اپنی تقریر میں کشمیر کے حوادث، فلسطین کے حالات، لیبیا کی آزادی، جنوبی افریقہ کی چیٹوبل۔ ہند ایشیا کی آزادی اور وقت کے دوسرے اہم مسائل پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔ پھر انہوں نے وفد کی ذہنیت اور پاکستان کے حصول پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا:-

"مسلم ہندوستان اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے گا جب تک ہم مکمل اور آزاد پاکستان نہ قائم کر لیں (پاکستان لے کے رہیں گے کے نعرے) میں پورے زور شور کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ وزارتی وفد نے کسی اور غرض سے نہیں بلکہ صرف کانگرس کو خوش کرنے اور راضی کرنے کی خواہش کے پیشِ نظر دلائل اور اسباب کے خلاف طرزِ عمل اختیار کر کے حقائق کو توڑا مروڑا ہے کیونکہ پاکستان کی بنیاد اور اسباب خود اس بیان ہی میں موجود ہیں۔ کانگرس پریس اور ہندوؤں نے شکر چڑھی گولی پر بہت خوشیاں ظاہر کی تھیں مگر انہیں جلد ہی یہ معلوم ہو گیا ہے کہ شکر بہت کم ہے اور دراصل یہ گولی شکر کے بغیر ہی ہے۔"

صوبوں کی گروپ بندی کے اسباب، وجوہ سب کو معلوم ہیں اور یہ گروپ بندی اس اسکیم کی خاص چیز ہے اور اس پر پارٹیوں کے درمیان اتفاق و اتحاد کے ذریعہ ہی ترمیم کی جا سکتی ہے۔ گروپ سے نکلنے کا حق خود عوام ہی استعمال کریں گے۔ جب آئین سازی کا کام مکمل ہو جائے گا نئے صوبائی دستور کے ماتحت انتخاب ہوگا۔ گروپ میں رہنے یا نہ رہنے کا سوال لازماً ایک اہم سوال کی حیثیت سے پیش ہوگا اور نئے حق رائے دہندگی کی رُو سے جن لوگوں کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہوگا وہ اس جمہوری فیصلے میں اپنا حصّہ ادا کریں گے۔

ریاستوں کا سوال

نمائندہ اسمبلی کے ریاستی نمائندے کس طرح منتخب کئے جائیں گے۔ یہ واضح طور پر ایک ایسا سوال ہے جس کی بابت ریاستوں سے ہی بحث کی جا سکتی ہے اس کا فیصلہ وفد نہیں کر سکتا۔ اس نئے آئین کے ماتحت جو کہ آزاد ہندوستان کی حکومت قائم ہوگی اس کی مرضی کے خلاف ہندوستان میں فوج رکھنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے لیکن عارضی مدّت کے دوران میں جس کی بابت امید یہ ہے کہ اس کی مدّت بہت ہی مختصر ہوگی۔ برطانوی پارلیمنٹ موجودہ آئین کے ماتحت چونکہ ہندوستان کے تحفظ کی ذمہ دار ہے اس لئے برطانوی فوج کو ہندوستان میں رکھنا ہی پڑے گا۔

آسام کے کانگریسی وزیر کا اعلان

یونہی کانگرس سرحد کو بھی مسلم لیگ گروپ سے نکال کر ہندو گروپ میں شامل کرنا چاہتی تھی لیکن آسام کے لئے خاص طور پر بیقرار تھی۔ اس سلسلہ میں نامناسب نہ ہوگا اگر کانگریسی وزیر آسام مسٹر جے جے رائے کا وہ حقیقت افروز بیان پیش نظر رہے جو

آگے چل کر اسی مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا:۔

"مجھے یہ بتا دینا چاہیے کہ مسلم انڈیا اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گا جب تک ہم مکمل، پورا اور شاہانہ اختیارات کا پاکستان قائم نہ کر لیں گے ۔ دہریز ور تالیاں ہیں ایک بار پھر پوری قوت کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ وزارتی وفد نے حقائق کو توڑ مروڑ کر جو دلائل و وجوہ پیش کئے ہیں۔ ان کی غرض صرف کانگرس کو خوش کرنا اور اس کی دلجوئی کرنی تھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے راستے میں روڑے اٹکائے جائیں لیکن ہمیں منزلِ مقصود تک پہنچنے اور پاکستان قائم کرنے میں کوئی بڑی سے بڑی مزاحمت بھی مانع نہیں ہو سکتی اور نہ ہمیں اس راہ سے منہ موڑا سکتی ہے۔"

قائداعظم نے مزید فرمایا:۔

"میں اس پلیٹ فارم سے ایک بار پھر اعلان کرتا ہوں کہ تاخیر سے نہ تو حکومت برطانیہ کو کوئی فائدہ پہنچے گا نہ ہندو وفد کو۔ اگر ان کو آزادی عزیز ہے۔ اگر ان کو ہندوستان کی آزادی مرغوب ہے۔ اگر وہ آزاد ہونا چاہتے ہیں تو جتنی جلد وہ یہ حقیقت سمجھ جائیں اتنا ہی بہتر ہے کہ آزادی کا مختصر ترین راستہ صرف پاکستان ہے۔ تم چاہے اسے قبول کرو یا نہ کرو ہم تو پاکستان لے کر ہی رہیں گے۔ وہ ہمیں ناکام بنانے میں کون کون سے طریقے اختیار کریں گے اور کیسے کیسے حربے استعمال کریں گے اس کا انحصار زمانہ اور حالات پر ہوگا"

بعض کانگریسی صوبوں کے ہندو مسلم فساد پر اظہار خیال کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا:۔

"اس کا صرف ایک علاج ہے اور وہ ہے پاکستان جوں ہی پاکستان قائم ہو جائے گا ہندوستان کا دماغ پلٹا کھائے گا۔ فی الحال تو بدقسمتی سے ہر ہندو کے دماغ میں یہ ہوا بھر گئی ہے کہ جہاں کہیں بھی کانگریسی حکومت قائم ہے وہاں دراصل ہندو راج قائم ہو گیا ہے جو آدمی اس مغالطہ میں مبتلا ہو جائے اسے پاگل خانے بھیج دینا چاہیئے بہرحال اس مغالطہ کی وجہ سے ہندو مغرور، ستم شعار اور جفاکش ہو گیا ہے لیکن اگر ان

کے دماغ میں یہ سودا بھرا رہا تو ہمیں ان کی دماغی اصلاح کے لئے کوئی اور ہی تدبیر سوچنی ہوگی (نعرۂ تحسین) ان واقعات سے اتنا تو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے جنازہ کے صندوق میں ایک اور کیل ٹھونک رہے ہیں۔ وہ اس قسم کی حرکتیں جتنی ہی زیادہ کریں گے اتنا ہی ان کو پچھتانا ہوگا۔

مسلم لیگ کا تاریخی فیصلہ

۶/ جون ۱۹۴۶ء کو مسلم لیگ کونسل نے تمام پہلوؤں پر غور کر کے حسب ذیل تجویز منظور کی۔

آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے اس اجلاس نے برطانوی وزارتی مشن اور وائسرائے کے بیان مورخہ ۱۶/ مئی اور متعلقہ بیانات و مراسلات پر جو سرکاری طور سے شائع کی گئی ہے غور کیا اور مذکورہ بیان میں درج شدہ تجاویز اور ان کے نتائج و مقاصد کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ (اجلاس) حسب ذیل خیالات کو قوم کی رہنمائی اور مجلس عاملہ کی ہدایت کے لئے مقرر کرتا ہے۔

بیان کے پیراگراف ۱۶، ۱۷، ۱۹ اور ۱۰ میں مسلمانوں کے مطالبۂ مکمل و آزاد پاکستان کے قیام سے جو کہ ہندوستان کے دستوری مسئلہ کا واحد حل ہے جو نتائج درج کئے گئے ہیں وہ بالکل نامناسب، غیر صحیح اور بے دلیل ہیں اور اسی لئے برطانوی حکومت کے اختیار سے شائع شدہ سرکاری دستاویز میں ان کو کوئی جگہ نہیں ملنی چاہیئے تھی۔

پیراگراف ایسی زبان میں مرتب ہوئے ہیں اور ان میں ثابت شدہ حقائق کو اس طرح توڑا مروڑا گیا ہے کہ اس سے یہ بالکل واضح ہے کہ وزارتی وفد نے اس سے صرف مسلمانوں کے جذبات کی بالکل پرواہ نہ کرتے ہوئے صرف ہندوؤں کو خوش کرنا چاہا ہے۔

مزید یہ کہ ان پیراگرافوں کے اندر جو مضامین ہیں وہ وزارتی وفد کے ان اعتراضات کے تضاد اور برعکس ہیں جو بیان کے پیراگراف ۸ اور ۱۲ میں حسب ذیل مفہوم پر مشتمل موجود ہیں

اوّل یہ کہ مشن مسلمانوں کی اس حقیقی اور گہری پریشانی سے بہت متاثر ہوا ہے کہ کہیں

وہ اپنے کو ہندو اکثریت کی مستقل حکومت کے ماتحت نہ پائیں۔

دوم یہ کہ "یہ جذبہ مسلمانوں میں اس قدر مضبوطی اور وسعت سے پھیل گیا ہے کہ اسے صرف کاغذی تحفظات سے دور نہیں کیا جا سکتا"۔

سوم یہ کہ "اگر ہندوستان میں اندرونی امن قائم ہونا ہے تو اسے ایسے اقدامات سے حاصل کیا جانا چاہیئے جس سے مسلمانوں کو یہ یقین ہو کہ انہیں اپنے تمدن، مذہب، معیشت یا دوسرے مفادات پر مکمل قابو ہے"۔

چہارم یہ کہ "مسلمانوں میں اس معاملہ میں بہت صحیح پریشانی موجود ہے کہ ان کا تمدن اور سیاسی سماجی زندگی ممکن ہے کہ ایک خالص وحدانی ہندوستان ہی جس کے اندر ہندو اپنی بہت بڑی عددی اکثریت کی بنا پر غالب ہوں گے ڈوب نہ جائے"۔

اسی مقصد سے کہ کسی معاملہ میں کوئی شبہ باقی نہ رہے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل اس امر کی تکرار اور اعادہ کرتی ہے کہ مسلم ہندوستان کا نصب العین مکمل با اختیار پاکستان کا حصول ہی ہے اور وہ اس کے حصول کے لئے اگر ضرورت پڑی تو ہر اس طریقہ کو جو اس کے اختیار میں ہوگا استعمال کریں گے اور ان کے نزدیک اس کے لئے کوئی قربانی اور مصیبت زیادہ نہ ہوگی۔

وزارتی وفد کے بیان کی تمہید میں نامناسب الفاظ میں مسلم جذبات کی توہین کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسلم لیگ معاملہ کے خطرناک سوالات کو سامنے رکھتے ہوئے اور اگر ممکن ہو تو ہندوستانی دستوری مسئلہ کے پُرامن حل کی خواہش سے متاثر ہو کر وزارتی مشن کی مجوزہ اسکیم سے اشتراکِ عمل پر تیار ہے کیونکہ مشن کے پلان میں چھ مسلم صوبوں کے سیکشن (ب) اور (ج) میں درج لازمی جتھا بندی پاکستان کی بنیاد کے طور پر موجود ہے۔

یادگار فیصلہ کا یادگار خیر مقدم

حقیقت یہ ہے کہ مسلم لیگ کا یہ فیصلہ وقت مصلحت اور حالات کے عین مطابق تھا

مسلم قوم پاکستان کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہانے کو تیار تھی۔ اور وفد کے سفارشات کی اشاعت کے بعد مسلمانوں کے ہندوستان گیر مظاہروں نے یہ حقیقت بخوبی واضح کر دی۔ لیکن اگر خون بہائے بغیر مقصد حاصل ہوتا ہو تو خون بہانے کی ضرورت کیا ہے؟ وفد نے بلا شبہ "پاکستان" کا لفظ نہیں مانا لیکن اس کی روح تسلیم کر لی اور ہمیں موقع تھا کہ ہم دس برس تک اپنے آپ کو اور مضبوط کر لیں۔ اور ہندوستان کی یونین سے علیحدہ ہو جائیں۔ علیحدگی کے اصول تجاویز کرپس میں بھی موجود ہیں اور کانگرس کی تجاویز میں بھی دس کروڑ مسلمان اگر یونین سے علیحدگی کا فیصلہ کر لیں گے تو انہیں دنیا کی کوئی طاقت اس میں شرکت پر مجبور نہیں کر سکے گی۔

مسلم لیگ کے اس فیصلہ کا ساری دنیا میں بڑے جوشِ مسرت کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا۔ لندن سے لارڈ سنہا نے ایک بحری تار کے ذریعہ قائداعظم کو مبارکباد دی۔ ڈیلی میل نے بھی اس فیصلہ کا خیر مقدم کیا۔ مدراس کے کانگرسی وزیر اعظم مسٹر گری[1] نے بھی اس فیصلہ کو بہت سراہا۔

ڈیلی ٹیلیگراف لندن نے لکھا "مسٹر جناح نے ہندوستان کو بدامنی اور بدحالی سے بچا لیا یہ یقیناً ایک مدبرانہ فیصلہ ہے" مانچسٹر گارجین نے لکھا "مسٹر جناح نے پاکستان کا خاکہ کابینہ وفد کی سفارشات میں قبول کر کے صحیح تدبر کا ثبوت دیا ہے" امریکی اخبارات میں "نیویارک ٹائمز" اور ہیرالڈ ٹریبون نے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا۔

ڈاکٹر نواب سنگھ سیکرٹری دی نیشنل کمیٹی فار انڈیا فریڈم (امریکہ) نے ایک بیان میں کہا "کمیٹی کو اس بات کی بڑی خوشی ہے کہ مسلم لیگ نے کابینہ وفد کی تجویز منظور کر لیں۔ ہمیں امید ہے کانگرس بھی انہیں بے تامل منظور کرے گی" مسٹر جے جے سنگھ صدر "انڈیا لیگ" (امریکہ) نے بھی اسی قسم کا بیان دیا۔

---

[1] بھارت کے نئے انتخابات میں ہار گئے۔ اس کا انعام جواہر لال نے یہ دیا کہ یو پی کا گورنر بنا دیا۔

جنگِ مساوات

جب تک یہ یقین تھا کہ مسلم لیگ سفارشات مسترد کر دے گی اور وزیر اعظم اور وزیر ہند کی اطمینان دہی کے مطابق اسے نظر انداز کر کے برطانوی حکومت کانگرس کو اپنا ولی عہد تسلیم کر لے گی۔ اس وقت تک ارکانِ مشن کے حسنِ نیت، خلوصِ قلب اور شرافت کا ذکرِ جمیل تقریباً ہر روز گاندھی جی اپنی پرارتھنا کے موقع پر کیا کرتے تھے۔ ہندو کانگرس تو اتنے پر امید تھے کہ انہوں نے اخباری نمائندوں سے فرمایا تھا "تم مجھ سے پوچھتے کیوں نہیں کہ ہندوستان کب آزاد ہوگا؟ میں جواب دیتا ہوں بس اب امروز، فردا کا مسئلہ ہے" لیکن قائداعظم نے پانسہ پھینکا تو ان حضرات نے بساط الٹ دی اور مرکز کی عارضی قومی حکومت میں "ہندو مسلم مساوات" کی آڑ لے کر تجاویز مسترد کرنے کے بہانے ڈھونڈنے لگے۔

حالانکہ مساوات کا اصول "ڈیسائی لیاقت معاہدہ" کی اساس اور بنیاد تھا اور اس کا نام پر گاندھی جی نے مسٹر ڈیسائی کو "آشیرباد" دی تھی اور اسی اصول پر جولائی ۱۹۴۵ء میں شملہ کانفرنس لارڈ ویول نے طلب کی تھی اور کانگرس نے اسے عملاً منظور بھی کر لیا تھا بلکہ ڈیسائی لیاقت معاہدہ میں "کانگرس لیگ مساوات" تھی لیکن لارڈ ویول نے اسے "ہندو مسلم مساوات" بنا دیا تھا۔ اس تبدیلی سے گاندھی جی اور خوش ہوئے تھے کیونکہ اس طرح مسلم کوٹہ میں سے انہیں اپنا حصہ طلب کرنے کا موقعہ مل رہا تھا۔ دیکھئے اب وہی کانگرس، وہی گاندھی جی "ہندو مسلم مساوات" کے سب سے بڑے مخالف ہیں۔ اتنے بڑے مخالف ہیں کہ صرف اسی چیز پر ہندوستان کی آزادی کو ملتوی کرنے اور سفارشات کو مسترد کرنے پر بھی تیار ہیں۔

بلائے جاں ہے غالبؔ اس کی ہر بات
عبارت کیا، اشارت کیا، ادا کیا

وائسرائے نے ۱۲ جون ۱۹۴۶ء کو گاندھی جی سے التجا کی کہ وہ "کانگرس کے نام نیک کو

ضائع نہ کریں اور جس اصول مساوات کو وہ گزشتہ سال قبول کر چکے تھے اسے مسترد نہ کریں" مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا "نہ میں اسے قبول کر سکتا ہوں، نہ کانگرس کو اس کے قبول کرنے کی صلاح دے سکتا ہوں!"

یاد رہے یہ وہی گاندھی جی ہیں جو پبلک طور پر اعلان کر چکے تھے کہ "تشکیل وزارت کا کام مسلم لیگ کے سپرد کر دیا جائے۔ ہم خوش ہیں۔" انہوں نے فرمایا تھا "مسٹر جناح کو وزیر اعظم بنا دو ہم قبول کر لیں گے!" لیکن چند روز بعد ایسی رائے بدلی کہ اب وہ درجہ مساوات دینے کو بھی تیار نہیں ہیں ؎

گلگونہ عارض ہے نہ ہے رنگ حنا تو
اے خوں شدہ دل تو تو کسی کام نہ آیا

اور دہلی کی جمعیتہ العلماء

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ تعجب خیز طرز عمل دہلی کی جمعیتہ علماء کا رہا۔ اس جمعیتہ نے اپنی کئی تجویزوں میں "ہندو مسلم مساوات" کو منظور کیا لیکن جب کانگرس نے اسے مسترد کر دیا اس کی طرف سے صدائے احتجاج کی آواز بھی بلند نہیں ہوئی بلکہ اس کے مربی اور سرپرست مولانا ابو الکلام آزاد صاحب بہ حیثیت کانگرس جمعیتہ کے اس فارمولے کی مخالفت کرنے لگے اور ہندو مسلم مساوات کے راستے میں سنگ گراں بن گئے۔ کیوں نہ ہو ستون چشم بد دور ہیں آپ دین کے!

○

عبوری حکومت کی تشکیل

وائسرائے کا قائد اعظم سے نقض عہد

○

مسلم لیگ نے اگرچہ کابینہ وفد کا اسٹیٹ پیپر اپنے اصول مطالبہ اور نصب العین کے خلاف محض مفاہمت اور مصالحت کی خاطر قبول کر لیا تھا لیکن کانگرس نے اپنی منظوری مشروط رکھی۔ ۲۶ جون ۴۶ء کو صدر کانگرس نے وائسرائے کے نام ایک مکتوب میں یہ واضح کر دیا کہ کانگرس اگرچہ کابینہ وفد کی سفارشات کو قبول کرتی ہے لیکن وہ صرف دستور ساز اسمبلی میں شریک ہوگی۔ عبوری حکومت میں شریک نہیں ہوگی۔ کیونکہ نہ وہ مرکزی کابینہ میں ہندو مسلم مساوات تسلیم کر سکتی ہے نہ آسام اور بنگال کے یورپینوں کا حق رائے دہی مجلس دستور ساز اسمبلی قبول کر سکتی ہے نیز یہ مطالبہ بھی کیا گیا تھا کہ دستور ساز اسمبلی کو شاہی اختیارات منتقل کر دئے جائیں اور صوبوں کی جبری زمرہ بندی بھی اڑا دی جائے۔

وائسرائے کا انکار

۱۶ جون کے بیان میں لارڈ ویول وائسرائے ہند نے ان شرائط کے قبول کرنے

سے انکار کر دیا کیونکہ یہ اسٹیٹ پیپر سے متصادم ہوتے تھے۔

اب اصولاً وائسرائے کو اپنے اعلان کے مطابق یہ کرنا چاہیئے تھا کہ فوراً عبوری حکومت کی تشکیل کرتے جو جماعت شرکت پر آمادہ ہوتی اسے شریک کر لیتے جو نہ آمادہ ہوتی اُسے چھوڑ دیتے۔

وائسرائے نے مسلم لیگ اور کانگرس کو شرکت کی دعوت دی بلکہ لیگ اور کانگرس کے زعما کو نام بنام خطوط لکھ کر مدعو کیا۔ لیگ نے وائسرائے کے اعلان پر بھروسہ کر کے شرکت کی دعوت منظور کر لی۔ اور کانگرس نے رد کر دی۔ وائسرائے نے اپنے اعلانات کے مطابق تشکیل حکومت کی ذمہ داری مسلم لیگ کو نہیں سونپی بلکہ نقض عہد کر کے دعوت واپس لے لی۔ اور انڈین سول سروس کے چند ممبران کو نامزد کر کے "کیئر ٹیکر" حکومت بنا دی۔ وجہ یہ بتائی کہ کانگرس اسٹیٹ پیپر منظور کر چکی ہے۔ صرف عبوری حکومت میں اسے شرکت سے انکار ہے اور اسے منانے کی پھر کوشش کی جائے گی اور دوسرا قدم کچھ عرصہ کے بعد اٹھایا جائے گا۔

مسلم لیگ کی طرف سے اس ناروا طرزِ عمل کے خلاف احتجاج کیا گیا مگر وائسرائے نے اپنے فیصلہ میں تبدیلی نہیں کی۔ پھر مسلم لیگ نے یہ مطالبہ کیا کہ جب عبوری حکومت ملتوی کی جا رہی ہے تو دستور ساز اسمبلی کا انعقاد بھی ملتوی کر دیا جائے لیکن وائسرائے نے اس مطالبہ کو بھی منظور کرنے سے اس عذر کے ماتحت انکار کر دیا کہ دستور ساز اسمبلی کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں۔ اعلان کیا جا چکا ہے۔ انتخاب ہو چکا ہے۔

کانگرس کی بے اُصولی

اس عرصہ میں کانگرس کی طرف سے پوری قوت اور شدت کے ساتھ بنگال اور آسام کی زمرہ بندی کے خلاف پروپیگنڈہ شروع ہو گیا۔ کانگرس کے لیڈروں نے نہایت زور شور

سے اعلان کرنا شروع کر دیا کہ آسام کو جبراً بنگال کے گروپ میں شریک نہیں کیا جا سکتا۔ اسے حق ہے کہ زمرہ بندی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے اور مع گروپ میں شریک نہ ہو۔

مسلم لیگ نے اس دھاندلی کے خلاف احتجاج کیا اور پوری قوت کے ساتھ حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ یا تو کانگرس کو زمرہ بندی کا اصول تسلیم کرنے پر راضی کر لے ورنہ اپنی اسکیم واپس لے لے۔ لیکن حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی بلکہ وہ کانگرس کو تھپکیاں دیتی رہی۔ یہ رنگ دیکھ کر آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی ہدایت کے مطابق آسام کانگرس نے اپنے ممبروں کو یہ ہدایت کر دی کہ وہ دستور ساز اسمبلی میں شریک تو ہوں لیکن جب گروپنگ ہو تو زمرہ میں بیٹھنے سے انکار کر دیں۔

اس روش کا مقصد یہ تھا کہ کانگرس سب کچھ لے لے اور مسلم لیگ کو کچھ نہ ملے۔

زمرہ بندی عارضی تھی

کابینہ وفد نے زمرہ بندی کو اگرچہ لازمی قرار دیا تھا لیکن صاف اعلان کر دیا تھا کہ گروپ جب دستور بنا لیں گے تو تناسب آبادی کے مطابق ہر صوبہ میں مجالس آئین ساز (اسمبلی) کا نیا انتخاب ہو گا اور اس سوال پر ہو گا کہ متعلقہ صوبہ مجوزہ گروپ میں شریک رہنا چاہتا ہے یا نہیں؟

اس طرح آسام کو چھ مہینہ کے بعد حق ہو جاتا کہ وہ بنگال سے کٹ کر ہندو گروپ میں شامل ہو جاتا لیکن کانگرس کو یقین تھا کہ اگر تناسب آبادی کے لحاظ سے اسمبلی کا انتخاب ہوا تو وہ ہار جائے گی اور زمرہ بندی مستقل ہو جائے گی۔ کیونکہ پھر آسام میں ہندوؤں کی اکثریت نہ ہو گی۔ مسلمان، اچھوت اور قبائلی لوگ مل کر اکثریت بنا لیتے۔ اس لئے کانگرس اسمبلی کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی۔

مسلم لیگ کا اصرار

زمرہ بندی پر مسلم لیگ کو اصرار اس لئے تھا کہ اس نے محض امن، امان اور اتحاد و انصاف کی خاطر پاکستان کا مطالبہ واپس لے لیا تھا جس کے لئے وہ عرصہ سے کوشش کرتی چلی آئی تھی اور کانگرس اس کے مقابلہ میں یہ بھی گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ عارضی مدت کے لئے آسام بنگال کے ساتھ شریک ہو جائے حالانکہ آسام اور بنگال کا چولی دامن کا ساتھ تھا۔ بنگال سے گزرے بغیر کوئی چیز آسام تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور بنگال کو ذریعہ بنائے بغیر آسام کوئی چیز ہندوستان تک نہیں پہنچا سکتا تھا۔ آسام کے پاس نہ یونیورسٹی تھی نہ میڈیکل کالج نہ زراعتی ادارے۔ نہ صنعت نہ حرفت نہ کارخانے۔ نہ مشینیں نہ فیکٹریاں نہ ملیں۔ ان تمام معاملات میں وہ بنگال کا دستِ نگر تھا۔ لہٰذا معقولیت کا تقاضا یہ تھا کہ خود کانگرس آسام کو مشورہ دیتی کہ وہ بنگال کے ساتھ شریک ہو جائے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ برابر آسام کو اکساتی رہی کہ وہ ہرگز ہرگز بنگال کے گروپ میں شرکت پر رضامند نہ ہو۔

حکومت سے اعلان جنگ

مسلم لیگ نے جب یہ دیکھا کہ اس کی رواداری۔ معاملہ فہمی اور معقولیت کو کمزوری پر محمول کیا جا رہا ہے تو اس نے اپنے فیصلہ تعاون پر نظرِ ثانی کی ضرورت محسوس کی۔

چنانچہ جولائی ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کونسل کا ایک نہایت ہی عظیم الشان یادگار اور تاریخی اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا۔ خوش قسمتی سے اس میں راقم الحروف کو بھی شرکت کا فخر حاصل ہوا۔

اس جلسہ میں مسلم لیگ نے کانگرس کی ہٹ دھرمی اور حکومت کی کمزوری سے متاثر ہو کر فیصلہ کیا کہ نہ دستور ساز اسمبلی میں شرکت کی جائے۔ نہ عبوری حکومت سے ترکِ تعاون کیا جائے اور اس سے پُرامن جنگ لڑی جائے اور مسلم لیگ کے تمام ممبران اپنے سرکاری خطابات واپس کر دیں۔

اس جلسہ میں سر غلام حسین ہدایت اللہ۔ سر فیروز خاں نون، سر سعد اللہ۔ سر عزیز الحق وغیرہ نے اپنے خطابات کی واپسی کا اعلان کیا۔ جلسہ کے بعد راجہ صاحب محمود آباد نواب سر احمد سعید خاں۔ سر جمشید علی، سر ضیاء الدین۔ نواب ممدوٹ اور دوسرے حضرات نے بھی اپنے خطابات واپس کر دئے۔ مسلم لیگ کی طرف سے مجلسِ عمل کی تشکیل ہوئی اور حکومت سے پُرامن لڑائی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

مفاہمت پر آمادگی

مسلم لیگ نے اگرچہ حالات سے مجبور ہو کر جنگ کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن وہ صلح پر اب بھی تیار تھی۔ قائد اعظم نے ایک بیان میں فرمایا کہ ہم نے اگرچہ مجبور ہو کر جنگ کا فیصلہ کر لیا ہے لیکن ہم صلح پر اب بھی تیار ہیں۔ کانگرس یا حکومت کی طرف سے پہل اور پیش قدمی ہونی چاہیئے۔ اگر ہمارا جائز اور معقول مطالبہ مان لیا گیا تو ہم بلا تامل جنگ کے خیال سے دستبردار ہو جائیں گے اور صلح کر لیں گے۔

لیکن صلح کی تحریک کسی طرف سے نہیں ہوئی بلکہ مسلم لیگ کے اعلان جنگ کا مذاق اڑایا گیا۔ کہا گیا ؎

نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار اُن سے ۔۔۔ یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

اعلان کیا گیا کہ یہ محض گیدڑ بھبکی ہے۔ خطاب واپس کرنا آسان ہے۔ حکومت سے ٹکر لینا آسان نہیں ہے۔ یہ عیش و عشرت کے خوگر لوگ جنگ نہیں لڑ سکتے اور اگر یہ

گے تو ہار جائیں گے۔ اس لئے کہ حکومت بھی ان کے مقابلہ کے لئے چوکس ہے، اور وہ ڈٹ کر ان نئے سرکشوں اور باغیوں کا مقابلہ کرے گی۔

آگ پر تیل

عین اسی وقت جب دنیا یہ آس لگائے ہوئے تھی کہ حکومت کی طرف سے صلح کی پیشکش ہو گی اور حالات سدھر جائیں گے، لارڈ ویول نے مسلم لیگ کو بالکل نظرانداز کر کے پنڈت جواہر لال نہرو اور کانگریس کو عبوری حکومت کی تشکیل کی دعوت دے دی۔

پنڈت جی نے یہ دعوت فوراً قبول کر لی۔ وزارت قبول کرنے کا فیصلہ کانگریس کے اجلاس واردھا نے کیا تھا۔ وہاں سے پنڈت جی نے وائسرائے کو رضامندی کی اطلاع دی۔ اور اعلان پر اعلان کرنا شروع کر دیا کہ جو ہمارے ساتھ شرکت نہ کرنا چاہے اسے ہم مجبور نہیں کر سکتے۔ اس کا انتظار نہیں کر سکتے ہم اپنا کام جاری رکھیں گے ہم برابر بڑھتے رہیں گے۔ ہم دستور سازی کا کام شروع کریں گے ہم عبوری حکومت کو کامیابی سے تنہا چلا لیں گے۔

بہترین موقع جو ضائع ہو گیا

بجائے اس کے کہ اس کامیابی کے نشہ سے کانگریس بدمست ہوتی اس کے لئے مسلم لیگ کو راضی کرنے کا یہ بہترین وقت تھا۔ لوگوں نے جواہر لال نہرو سے سوالات کئے کہ وہ مسلم لیگ کو کیوں نہیں شریک کرتے۔ انھوں نے کہا ہم اسے شرکت سے منع کب

---

۵۱ گاندھی جی نے آخر میں یہیں بودوباش اختیار کر لی تھی۔

رتے ہیں؟"

جلسہ کے بعد پنڈت جی بمبئی آئے۔ یہاں مسٹر جناح سے ملے اور مسٹر جناح نے شرکت کے شرائط پیش کئے۔ پنڈت نہرو بڑے صبر و تحمل کے ساتھ شرائط صلح سنتے رہے۔ جب ان کے انے کا وقت آیا تو انھوں نے ایک ایک کر کے تمام شرائط مسترد کر دئے اور ایک شرط ماننے پر بھی آمادگی ظاہر نہیں کی۔ ان کا ارشاد یہ تھا کہ "حکومت میں شرکت غیر مشروط ہونی چاہئے" اور مسٹر جناح کا اصرار یہ تھا کہ شرکت آبرومندانہ ہونی چاہئے۔

بمبئی سے پنڈت جی دہلی پہنچے اور دوسرے روز دنیا نے دیکھ لیا کہ ہندوستان کا سب سے بڑا باغی نہرو ایوان وائسرائے میں کھڑا ہوا ملک معظم کا حلف وفاداری اٹھا رہا ہے حالانکہ نہ وہ ملک معظم کا قائل تھا، نہ خدا کا، نہ حلف کا لیکن اس وقت اپنے اصول اور اعلان کے بالکل خلاف وہ ان تینوں سے پیمان وفا باندھ رہا تھا۔

اشتعال انگیزی

مسلم لیگ کی عدم شرکت کا ردِ عمل کانگریس پر دو طریقوں سے ہونا چاہیے تھا۔

(۱) مسلم لیگ کے نمائندوں کی جگہ خالی رکھی جاتی۔

(۲) ان جگہوں پر نیشنلسٹ مسلمانوں کا تقرر کر دیا جاتا۔

لیکن پنڈت نہرو نے ان میں سے کوئی طریقہ بھی نہیں اختیار کیا۔ مسلم لیگ کی پانچ جگہوں میں سے تین خالی رکھیں۔ دو پر غیر نیشنلسٹ مسلمانوں کا تقرر کر دیا۔ ایک پر سید علی ظہیر کا جنہیں ملک کی آزادی سے کبھی کوئی واسطہ نہیں رہا تھا۔ دوسرے سر شفاعت احمد خاں کا جو خطاب واپس نہ کرنے کی علت میں مسلم لیگ سے مستعفی ہو کر اس کے خلاف ایک محاذ بنا رہے تھے۔

اس اقدام پر مسلم لیگیوں میں بھی اشتعال پیدا ہوا اور نیشنلسٹ مسلمانوں میں بھی لیکن

ایک بہادر اور نڈر جرنیل کی طرح پنڈت جی نے اس اشتعال کی ذرا پرواہ نہ کی۔ وہ برابر آگے بڑھتے رہے۔

گزٹ میں اعلان شائع ہو گیا کہ ملک معظم نے از راہِ عنایت خسروانہ "آنریبل پنڈت جواہر لال نہرو کا تقرر وائسرائے کی اگزیکٹو کونسل کے ممبر کی حیثیت سے منظور کیا اور وائسرائے صاحب لارڈ ویول نے انگریزی حکومت کی تاریخ میں پہلی بار ایک ہندوستانی —— آنریبل پنڈت جواہر لال نہرو کو اپنی اگزیکٹو کونسل کا نائب صدر مقرر کیا۔

حوریاں رقص کناں ساغرِ مستانہ زدند

یہ وہ اگزیکٹو کونسل تھی جو ۱۹۳۵ء کے انڈیا ایکٹ کے مطابق قائم تھی۔ ہندوستان کے یہ وزیر اعظم صاحب اسمبلی کے سامنے نہیں وائسرائے کے سامنے جواب دہ تھے اور اس طرح ہندوستان کی تاریخ نے پہلی بار یہ مثال پیش کی کہ برسہا برس تک بے جگری سے لڑنے والا باغی بغیر اختیارات حاصل کئے ہوئے حکومت کی "ملازمت" کرلے جس کا ہر فیصلہ وائسرائے مسترد کر سکتا تھا اور جو اسمبلی کے ہر فیصلہ کو مسترد کر سکتا تھا اور جو اسمبلی کے ہر فیصلہ کو مسترد کر سکتا تھا۔ عوام کا نمائندہ اور غیر عوامی حکومت کا سپہ سالار۔

انقلابات ہیں زمانہ کے!

مسلم لیگ عبوری حکومت میں

کلکتہ اور بمبئی کا خونین فساد!

۲ ستمبر ۱۹۴۶ء کو جواہر لال نہرو کی عبوری حکومت چارج لینے والی تھی لیکن تاریخ کا یہ انقلاب کسے معلوم تھا۔ خونیں حروف سے لکھا جائے گا؟

کلکتہ کا ہولناک فساد

جسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا
وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو

عبوری حکومت کی تشکیل سے مسلمان ناخوش تھے۔ ان کے ساتھ بدعہدی کی گئی تھی۔ فریب کیا گیا تھا۔ انہیں نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ ان کی توہین کی گئی تھی۔ انہیں ناقابلِ التفات سمجھ لیا گیا تھا۔

ایک طرف عبوری حکومت کے قیام پر چراغاں ہو رہے تھے۔ شادیانے بجائے جا رہے تھے۔ مسرت بے پایاں کا اظہار کیا جا رہا تھا۔ دوسری طرف مسلمان تھے جو راست اقدام کی تیاریاں کر رہے تھے اور حکومت کے خلاف سیاہ جھنڈیاں گھر دل

پر لگا کر اپنے غم و غصہ کا اظہار کر رہے تھے۔

۱۶ اگست کو اطراف و اکناف ہند میں یوم راست اقدام منایا گیا۔ یہ دن اس لئے منایا گیا تھا کہ مسلمانوں کو حکومت سے ٹکرانے کے لئے تیار کیا جاتا اور انہیں بتا دیا جاتا کہ یہ لڑائی ہندوؤں سے نہیں ہے، غیر مسلموں سے نہیں ہے۔ انگریز حکومت سے ہے جو مسلمانوں کو ان کا حق نہیں دیتی جو انہیں کچلنے اور دبانے کی کوشش کر رہی ہے لیکن اس جنگ کے جیتنے کے لئے ضروری ہے کہ یہ پُرامن ہو۔ تشدد سے اس کا دامن پاک ہو۔ ہم نہتے ہیں تشدد نہیں کر سکتے۔ حکومت مسلح ہے۔ وہ پوری شان سے تشدد کا مظاہرہ کر سکتی ہے۔

مسلمان اگر فساد پر تیار ہوتے تو یقیناً وہ کلکتہ کے علاوہ کوئی اور جگہ منتخب کرتے کیونکہ ہاں ان کی تعداد صرف ۲۶ فیصد تھی۔ اتنی قلیل اقلیت ہرگز فتنہ و فساد کا آغاز نہیں کر سکتی تھی۔ پھر بھی وہاں راست اقدام کے موقع پر دفعتہً ہولناک فساد پھوٹ پڑا۔ ایسا فساد جس کی نظیر تاریخ شقاوت میں نہیں مل سکتی۔

یہ وہ فساد تھا جس میں ان چند لوگوں کو ہزاروں کے مجمع نے مار ڈالا جو اپنا مذہب تک بدلنے کو تیار تھے جس میں عورتوں کی چھاتیاں کاٹ لی گئیں۔ ان کے سامنے ان کے شوہروں کو، گود کے بچوں کو قتل کیا گیا۔ تڑپا تڑپا کر، مزے لے لے کر، مسکرا مسکرا کر مکانات برباد کر دئیے گئے۔ دوکانیں لوٹ لی گئیں۔ راہ گیر قتل کر دئیے گئے۔ سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ وہ مسلمان ہے۔ یہ ہندو ہے۔ آسمان خون کے آنسو رو رہا تھا اور زمین پر انسانی خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔

یہ فساد اتنا فوری طور پر ہوا کہ حکومت اس پر وقت کے وقت قابو نہ پا سکی اس سے غنڈوں نے خوب فائدہ اٹھایا اور بربریت، سفاکی، درندگی، بہیمیت اور شقاوت کی ایسی مثال قائم کر دی جو ہندوستان کے شفاف دامن پر ایک بدنما دھبہ کی طرح ہمیشہ نمایاں رہے گی۔ سینکڑوں لوگ گڑھ میں مار مار کر پھینک دئیے گئے ہزاروں انسان بے گور و کفن

سڑک پر کاٹ ڈالے گئے۔ گھروں سے آہ و فغاں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ بے کسوں، بے بسوں، مظلوموں اور بے گناہوں کی جان لی جا رہی تھی۔ انسانیت روپوش تھی۔ شرافت سر پیٹ رہی تھی لیکن اس فریاد کا سننے والا کوئی نہ تھا جو درندوں کو انسان بناتا۔

بمبئی میں قیامت خیز قتل و غارت

۲ ستمبر ۱۹۴۶ء کو عبوری حکومت اپنے منصب کا چارج لینے کو تھی اور پہلی ستمبر کو مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری مسٹر لیاقت علی خاں کے ارشاد کے مطابق مسلمان یوم سیاہ منانے کی یہاں تیاریاں کر رہے تھے تاکہ اپنے گھروں اور دکانوں پر کالی جھنڈیاں لگا کر اپنے غم و غصہ کا اظہار کریں۔

کلکتہ کی خبریں اتنی سرعت کے ساتھ بمبئی میں پھیلیں اور بڑھیں کہ سارے بمبئی میں ایک تہلکہ سا مچ گیا۔ پھر یوم سیاہ کے واقعہ نے تو رہی سہی کسر پوری کر دی۔ یکم ستمبر کو بغیر کسی وجہ کے دفعتہً بمبئی میں بھی وہی ہولناک جنگ زرگری شروع ہو گئی جس کا آغاز کلکتہ سے ہوا تھا۔

یہاں بھی انسان درندے بن گئے۔ لاٹھیاں بے گناہوں کا سر پھوڑنے لگیں۔ چاقو بے خطاؤں کے سینے میں پیوست ہونے لگے۔ موت تیزی سے اپنا کام کرنے لگی۔ یہاں بھی وہی شقاوت اور درندگی آ گئی جو کلکتہ میں تھی یہاں بھی عورتوں، بوڑھوں، بچوں، بیماروں پر وار کئے گئے اور ان کی جان لی گئی۔ یہاں بھی مکانات برباد کئے گئے، دکانیں لوٹی گئیں۔ تیزاب کی شیشیاں راہ چلتوں پر پھینکی گئیں۔ مذہبی مقامات کو نذرِ آتش کرنے کی کوشش کی گئی۔ ایک فرقہ نے دوسرے فرقہ کے افراد کا اپنے اپنے علاقوں میں آنا جانا بند کر دیا اور اگر کوئی ناواقف یا ضرورت مند آ جائے تو اس کا واپس

جانا ناممکن ہوگیا۔

بمبئی اور کلکتہ کے فساد کی یہ خصوصیت خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ تقریباً اسلسل ہفتہ مسلسل یہ فساد جاری رہے۔ چند روز کے لئے یہ آگ دھیمی پڑتی کہ پھر بھڑکنے لگتی۔ پھر اس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگتے۔ پھر ان شعلوں میں انسانیت جلنے لگتی۔

ان دونوں مقامات پر جو جانی نقصان ہوا وہ تو ایک مستقل افسانہ غم ہے ہی مگر اس سے دونوں فرقوں کے لوگوں کو کروڑہا روپیہ کا نقصان ہوا۔ کاروبار چوپٹ ہوگیا۔ دوکانیں بند ہوگئیں۔ بازار سونے پڑ گئے۔ یہ دونوں مقامات فلم کے مرکز تھے لیکن اسٹوڈیو خالی ہو گئے۔ اور سینماؤں میں ہو کا عالم ہوگیا۔ بڑے بڑے لکھ پتی اور کروڑ پتی لوگ دیوالئے ہو گئے۔ بڑی بڑی کمپنیاں اور فرمیں بند ہوگئیں بڑے بڑے تاجر اور ساہو کار برباد ہوگئے لیکن فسادیوں کا عمل دخل برابر جاری رہا۔

وائسرائے کی طرف سے دعوت

بمبئی اور کلکتہ کے فساد نے حالات بہت زیادہ ابتر کر دئے اور جو دُور رس نظر رکھتے تھے وہ دیکھ رہے تھے کہ یہ آگ بڑھتے بڑھتے سارے ہندوستان میں پھیل جائے گی اور اس کی زد سے کوئی شہر، کوئی قریہ، کوئی قصبہ اور کوئی دیہات محفوظ نہیں رہے گا۔

چنانچہ پھر یہ تحریک شروع ہوئی کہ مسلم لیگ سے مفاہمت کی جائے اور اسے عبوری حکومت میں شرکت پر آمادہ کیا جائے۔

نواب صاحب بھوپال نے گاندھی جی سے ایسی تحریر پر دستخط[1] کرائے جس سے مسلم لیگ کی آن میں فرق نہیں آتا تھا اور معاملات خوش اسلوبی سے طے ہو سکتے تھے۔ مسٹر جناح

[1] اس تحریر میں گاندھی جی نے تسلیم کر لیا تھا کہ مسلم لیگ مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔

اور نواب صاحب بھوپال دونوں یہ چاہتے تھے کہ وائسرائے کے بجائے اگر کانگرس سے صلح ہو تو زیادہ اچھا ہے۔ گاندھی جی کی اس تحریر نے فضا کو اور زیادہ سازگار بنا دیا۔

لیکن انجام؟

ایک مشترک دوست کے ہاں مسٹر جناح اور پنڈت نہرو میں ملاقات بھی ہوئی۔ بعد میں گھر پر بھی ملاقات ہوئی۔ لیکن پنڈت نہرو نے گاندھی جی کی تحریر قبول کرنے سے انکار کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ وہ اس کے پابند نہیں ہو سکتے۔ دوسرے دن گاندھی جی نے بھی اپنی پرار تھنا کے موقع پر اعلان کر دیا کہ وہ تحریر جلدی میں اچھی طرح پڑھ نہیں سکے تھے اور اس پر دستخط کر دئے تھے۔ گویا اس طرح گاندھی جی نے اپنی تحریر واپس لے لی اور پنڈت نہرو نے مزید گفت و شنید بے کار سمجھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کانگرس سے صلح و مفاہمت کا جو امکان پیدا ہوگیا تھا وہ ختم ہوگیا۔

اب پھر وائسرائے سے گفت و شنید شروع ہوگئی۔ اس مرتبہ وائسرائے نے زیادہ معاملہ فہمی سے کام لیا اور جو معقول مبنی بر انصاف، جائز اور مناسب مطالبات کانگرس منظور نہ کر سکی تھی۔ انہوں نے منظور کر لئے۔ قائداعظم نے پانچ ممبروں کے نام بھیج دئے جن کے تقرر کا اعلان گزٹ میں ہوگیا۔

اشتراک لیکن عدم تعاون

مسلم لیگ اگرچہ عبوری حکومت میں شریک ہوگئی لیکن اس طرح کہ اس میں اور کانگرس میں ان بن تھی۔ کانگرس صلح کر لیتی پھر مسلم لیگ شریک ہوتی تو بات ہی دوسری تھی۔ کانگرس نے صلح نہیں کی لیکن وہ مسلم لیگ کو شریکِ وزارت ہونے سے روک نہ سکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان دونوں جماعتوں میں جنگ چھڑ گئی۔

پہلا اختلاف عہدوں کی تقسیم پر ہوا۔ قائداعظم تمام کلیدی مناصب کی مساوی تقسیم چاہتے تھے لیکن کانگرس اس کے لئے تیار نہ تھی۔ فنانس ممبر، مسٹر جان متھائی (کانگرس کے نامزد) تھے۔ وزیر خارجہ جواہر لال تھے، ہوم ممبر سردار پٹیل تھے۔ تجارت کا شعبہ مسٹر بھابھا (کانگرس) کے ہاتھ میں تھا۔ صرف دو محکمے تھے جو مسلم لیگ کو مل سکتے تھے تعلیم (مسٹر شفاعت احمد خاں) اور پوسٹ (علی ظہیر) مسلم لیگ اس تقسیم پر رضامند نہ تھی۔

اس مرحلہ پر بھی کانگرس سے صلح نہ ہوئی۔ وائسرائے کو مداخلت کرنی پڑی۔ اس نے فنانس اور تجارت کا محکمہ بھی مسلم لیگ کے علاوہ اور محکموں کے سونپ دیا۔

دوسرا اختلاف یوں ہوا کہ مسلم لیگ چاہتی تھی کانگرس کسی مسلمان کو نامزد نہ کرے لیکن کانگرس نے اپنے کوٹہ میں سے آصف علی کا تقرر کر لیا۔ اس کے جواب میں مسلم لیگ نے اچھوت لیڈر مسٹر منڈل کو نامزد کیا جنہیں قانون کا اہم محکمہ سونپا گیا، کانگرس آصف علی کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھی اور منڈل کو لینا نہیں چاہتی تھی لیکن لارڈ ویول نے فیصلہ کر دیا تھا کہ کوئی جماعت دوسری جماعت کے نامزد ممبروں پر اعتراض نہیں کر سکتی۔

تیسرا اختلاف اس طرح ہوا کہ کانگرس اب تک "مشترک ذمہ داری" کے اصول پر عمل کر رہی تھی۔ تمام ممبر اس کے تھے اور وہ اس کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے وائسرائے نے اگرچہ اصولاً یہ اصول تسلیم نہیں کیا تھا لیکن عملاً یہ نافذ تھا لیکن مسلم لیگ کے آنے کے بعد یہ نقشہ بدل گیا۔ مسلم لیگ کے ممبروں نے غیر مسلم اکثریت کی ماتحتی اور مشترک ذمہ داری کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور مسٹر لیاقت علی خان نے صاف اعلان کر دیا کہ مسلم لیگ بلاک کے ممبر خود اپنا ایک لیڈر رکھتے ہیں اور وہ ہرگز مشترک ذمہ داری کے دام میں پھنس کر غیر مسلم اکثریت کی حکومت نہیں قبول کریں گے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ مرکز میں ترقی حکومت کے بن جانے سے صلح و سلام کی جس فضا کے پیدا ہو جانے کی امید ہو گئی تھی وہ ختم ہو گئی اور عوام میں بجائے اس کے کہ یکسوئی

پیدا ہوتی اور زیادہ اختلال و انتشار پیدا ہو گیا۔ ہندو اس لئے برہم تھے کہ مسلم ممبر مشترک ذمہ داری کے اصول نہیں مانتے اور مسلمان اس لئے خفا تھے کہ اتنی تاخیر کے بعد مسلم لیگ کو شریک کیا گیا۔ پھر بھی اسے اس کا حق نہیں ملا اور عہدوں کی تقسیم میں انصاف سے کام نہیں لیا گیا۔

خون کی ہولی

بینی آباد۔ نواکھالی۔ بہار۔ قلابہ۔ گڈھ مکتیسر

O

گزشتہ صفحات میں جس صورت حالات کا سرسری خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات اور زیادہ تلخ ہو گئے اور سارے ہندوستان میں برہمی عناد اور مخالفت، کے جذبات پرورش پانے لگے۔ ہندوستان دہکتا ہوا کوہِ آتش فشاں بن گیا جس کا کھولتا ہوا لاوا ہری بھری کھیتیوں اور خوش و خرم انسانوں کو جھلسانے لگا۔

بینی آباد کا فساد!

بمبئی اور کلکتہ میں فساد کی آگ بھڑک رہی تھی کہ بینی آباد ــــ صوبہ بہار کا ایک قصبہ ــــ میں عجیب و غریب قسم کا ہندو مسلم فساد ہوا اور یہی سارے ہندوستان کی فساد آرائیوں اور ہنگامہ خیزیوں کا سبب بنا۔

یہ فساد کلکتہ کے حوادث سے متاثر ہو کر کیا گیا اور اس کی سب سے نادر اور عجیب و غریب خصوصیت یہ تھی کہ اس میں چُن چُن کے نیشلسٹ مسلمان بھی قتل کئے گئے وہ مسلمان جن کی ساری زندگی کانگرس کی خدمت کرنے اور کانگرس کے لئے اپنی قوم سے لڑتے گزری

تھی۔

فساد اور اشتعال کی گرم بازاری میں نادان اور ناسمجھ کوتاہ اندیش اور نافہم "عوام" عقل و ہوش کھو بیٹھتے ہیں۔ دوست دشمن کی تمیز نہیں کر پاتے اور جو سامنے آجاتا ہے اسے بے دریغ ہلاک کر دیتے ہیں۔ لیکن یہاں خواص نے بھی ایسا کیا۔

بینی آباد کے کانگرسی کارکن حافظ محمد شفیع کو اپنی کانگریسیت پر اس درجہ اعتماد تھا کہ انہوں نے پولیس کو واپس کر دیا اور کہہ دیا کہ ہم یہاں فساد نہیں ہونے دیں گے لیکن فساد ہوا اور اس فساد میں سب سے پہلے جو شخص اپنے دوستوں کے ہاتھوں قتل ہوا وہ حافظ صاحب مرحوم تھے۔ ان کے والد بزرگوار تھے اور ان کا فرزند ستاد تمند تھا۔ جب حافظ محمد شفیع مرحوم کا یہ حشر ہوا تو ان سے مخالف نقطۂ نظر رکھنے والوں کا جو انجام ہوا ہوگا۔ اس کا اندازہ لگا لینا کچھ دشوار نہیں ہے۔ سارا قصبہ مسلمانوں کا قبرستان بن گیا۔

نواکھلی کا خونیں ڈرامہ

متعدی مرض کی طرح کلکتہ کا فساد سارے ہندوستان میں پھیلنے لگا۔ بینی آباد کی خبریں بنگال میں اور خاص کر مشرقی بنگال میں پہنچیں جہاں کی اکثریت تھی۔ یہاں کلکتہ کی خبروں سے کافی اشتعال تھا۔ بینی آباد کی خبروں نے آگ پر تیل کا کام کیا۔

اور دفعتہً ایک روز اخبارات میں مشرقی بنگال کی دل دوز اور جگر خراش خبریں چھپنے لگیں۔ نواکھالی کے فساد میں اگرچہ جانی نقصان بہت زیادہ نہیں ہوا لیکن دہشت اور سراسیمگی بہت زیادہ پھیل گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک فرقہ کے لوگ دوسرے فرقہ کی تعدی اور ظلم کی فریاد کرتے ہوئے بہار کی طرف اور کلکتہ کی طرف بھاگنے لگے۔

نواکھالی کے فساد میں انسانیت روپوش ہو گئی تھی۔ کتنی ہی کم مقدار میں سہی لیکن

یہاں بھی بے باکی سے خدا کے خوف سے بے نیاز ہو کر اور مذہب کو پسِ پشت ڈال کر ایک فرقہ کے لوگوں کو مارا، قتل کیا۔ اغوا کیا۔ جبری تبدیلِ مذہب کے بھی بعض واقعات ہوئے۔ لوٹ مار کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا نواکھالی میں انسان نہیں رہتے درندے رہتے ہیں جو ایک دوسرے کو جھنجھوڑ رہے ہیں۔ نوچ رہے ہیں۔ کاٹ رہے ہیں۔ کھا رہے ہیں۔ کچھ واقعہ تھا اور بڑی حد تک مبالغہ۔ اخبارات کے پروپیگنڈے نے واقعہ کو دبا دیا اور مبالغہ کو حقیقت بنا دیا۔ دنیا نواکھالی پر تعزیں بھیجنے لگی۔

بہار میں قتلِ عام

نواکھالی کی خبریں پوری مبالغہ آفرینی اور حاشیہ آرائی کے ساتھ ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلائی جا رہی تھیں۔ دوسرے مقامات دُور تھے۔ اس لئے ان پر اثر بعد میں ہوا۔ بہار پڑوس میں تھا اس لئے وہاں لوگوں پر فوری اثر ہوا اور ایسا اشتعال پھیلا کہ حکومت کے بس میں اس کا روکنا نہ رہ گیا۔

اس ٹریجڈی کا سب سے المناک پہلو یہ تھا کہ بہار کی اشتعال انگیزی اور ہنگامہ آرائی میں ایسے لوگ بھی شریک تھے جو اپنے تئیں کانگرسی کہتے تھے۔

بہار میں نہایت جوش و خروش کے ساتھ "یومِ نواکھالی" منایا گیا اور اس جوش و خروش کا انجام یہ ہوا کہ وہاں بے گناہوں اور بے قصوروں کا قتلِ عام شروع ہو گیا۔ بہار میں جس وسیع پیمانہ پر دیہات کے دیہات جلا دئے گئے اور وہاں کے رہنے والوں کو جس بے دردی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارا گیا اس کا ثبوت لاشوں سے بھرے ہوئے وہ کنوئیں ہیں جنہیں خان عبدالغفار خاں نے اپنی چشمِ اشکبار کے ساتھ ملاحظہ فرمایا اور وہ اعلان ہے جس میں خود گاندھی جی نے اعتراف کیا کہ بہار میں ایک فرقہ نے دُوسرے فرقہ کا قتلِ عام جس بے دردی اور شقاوت کے ساتھ وسیع پیمانہ پر کیا نواکھالی کے افسوسناک

حوادث کو اس سے کوئی نسبت نہیں ہے"۔

بہار کے واقعات کی سنگینی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اپنے دورۂ بہار میں ظلم اور بربریت کے لرزہ خیز مناظر دیکھ کر پنڈت جواہر لال نہرو کو اعلان کرنا پڑا کہ "اگر یہ سلسلہ بند نہ ہوا تو فسادی مجمعوں پر مشین گنوں سے حملہ کیا جائے گا" اور ہوائی جہاز سے بمباری کی جائے گی۔ اسی طرح گاندھی جی یہ اعلان کرنے پر مجبور ہوئے کہ اگر بہار کا قتلِ عام جلد از جلد بند نہ ہوا تو وہ مرن برت رکھ کر اپنی جانِ شیریں قربان کر دیں گے"۔

تبادلۂ آبادی اور منطقوں کا سوال

یہ قتلِ عام، یہ سفاکی، یہ درندگی، یہ بہیمیت دیکھ کر بہار کے مسلمان ہزاروں کی تعداد میں پناہ گزین کی حیثیت سے بنگال پہنچے۔ سندھ گئے۔ پنجاب میں بس گئے جا کر۔ ہزاروں مسلمان دیہاتوں سے بھاگ بھاگ کر شہر پہنچے اور پناہ گزینوں کے کیمپ میں مقیم ہو گئے۔

مسلم لیگ کی طرف سے اس سلسلہ میں تین مطالبے پیش کئے گئے:۔

(۱) بہار کے فساد کی آزادانہ اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کرائی جائے اور جو لوگ مجرم ثابت ہوں انہیں پوری پوری سزا دی جائے جو لڑکیاں اغوا کی گئی ہیں ان کا سراغ لگایا جائے اور جن کا مذہب جبراً تبدیل کیا گیا ہے انہیں واپس لایا جائے۔

(۲) حکومت اپنی ذمہ داری پر تبادلۂ آبادی کی اسکیم پر عمل در آمد کرے اور مہاجرین کو بنگال میں جہاں وہ پسند کریں پہنچا دیا جائے۔

(۳) یا کم از کم یہ کرے کہ صوبہ میں مسلمانوں کے تین چار مراکز قائم کر دے اور صوبہ کی بکھری ہوئی اور منتشر مسلم آبادی کو ان مراکز میں جمع کر دے تاکہ آئندہ اس طرح کے خونریز حملے ان پر نہ ہو سکیں۔

حکومت بہار نے ان میں سے کسی مطالبہ کو بھی تسلیم نہیں کیا۔ نہ تحقیقاتی عدالت

قائم کی۔ نہ مسلم منطقہ قائم کرنے کی تجویز قابلِ غور سمجھی گئی۔

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھُٹ کے مرجاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

شہادت گاہ گڈھ مکتیسر

اُدھر تو بہار میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ ادھر بنگال کے پڑوسی صوبہ بہار کی آگ بہار کے پڑوسی صوبہ یو۔پی میں پھیل رہی تھی۔ وہاں یوم نواکھالی تو کچھ زیادہ شدّ و مد کے ساتھ نہیں منایا گیا لیکن یوم نواکھالی کے خفیہ پروگرام پر علانیہ عمل درآمد بڑی کامیابی سے ہوا۔

یو۔پی میں گڈھ مکتیسر ایک چھوٹی سی بستی میرٹھ کے قریب ہے جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ ہر سال اشنان کے موقع پر بالعموم اور کمبھ کے میلہ پر بالخصوص یہاں لاکھوں یاتریوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ اس میلہ میں دہلی، میرٹھ وغیرہ کے مسلمان تاجر سامانِ تجارت لے کر پہنچتے ہیں اور خود گڈھ مکتیسر کے مسلمان بھی اس میں شریک ہوتے ہیں۔ اس سال بھی یہی ہوا۔

نومبر ۴۶ء میں یہ میلہ ہوا اور لاکھوں کا یہ ہجوم دفعتہً چند سو مسلمانوں پر وحشی درندوں کی طرح ٹوٹ پڑا۔

اس فساد کی خصوصیت بھی یہی تھی کہ اس میں مرد ہی نہیں مارے گئے عورتیں بھی ماری گئیں۔ ان کی آبرو ریزی کی گئی۔ انہیں اغوا کیا گیا۔ انہیں فروخت کر دیا گیا۔

ڈاکٹر ہارون الرشید جو محکمہ صحت کے انچارج تھے بے دردی سے قتل کر دیئے گئے۔ ان کی اہلیہ محترمہ کے کپڑے اتار دیئے گئے اور مجمع میں سے کسی ایک شخص کو بہ حیثیت شوہر منتخب کر لینے کا حکم دیا گیا۔ انہوں نے انکار کیا تو انہیں مارتے مارتے ادھ موا کر دیا گیا۔ یہ واقعہ دریا کے کنارے پیش آیا تھا۔ ان کی سمجھ میں کچھ اور تو نہ آیا وہ دریا میں کود پڑیں

اور نیم بے ہوش حالت میں بہت دور جا کر نکلیں۔ ایک آدمی نے انہیں دیکھ لیا۔ وہ ان کی بہتی ہوئی لاش کو گھسیٹتا ہوا کنارے لایا۔ کچھ رمق زندگی کی باقی تھی۔ علاج معالجہ سے اچھی ہو گئیں۔ اب اپنے وطن لاہور میں ہیں۔

گڈھ مکتیسر کے شہیدوں کی بے گور و کفن لاشیں کئی دن تک شارعِ عام پر پڑی سڑتی رہیں۔ کوئی ان کی نماز پڑھنے والا۔ انہیں دفن کرنے والا بھی نہ تھا۔ آہ!

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

جو عورتیں اور لڑکیاں اس ہجوم نے اغوا کیں ان کا آج تک پتہ نہیں چلا۔ حکومت کی کوششیں اس سلسلہ میں اب تک کامیاب نہیں ہو سکیں۔

گڈھ مکتیسر کے ہولناک اور مہیب حوادث کی شدت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وزیر اعظم پنت اور ہوم ممبر قدوائی نے ایک مشترک بیان میں اقرار کیا کہ اس حادثہ نے ہماری گردنیں شرم سے جھکا دی ہیں!۔۔۔ لیکن یہ شرم سے جھکی ہوئی گردنیں مجرموں کا سراغ نہ لگا سکیں۔ انہیں کیفرِ کردار تک نہ پہنچا سکیں۔ ان لڑکیوں کو نہ ڈھونڈ سکیں جو بے حجابی اور بے پردگی کے عالم میں جھونٹے پکڑ پکڑ کر گھسیٹی گئیں اور نہ جانے کہاں پہنچا دی گئیں۔

مرض کی روک تھام اگر شروع میں نہ کی جائے تو وہ سنبھالے سے نہیں سنبھلتا۔ کلکتہ سے اگر بہار نے اور بہار سے یو۔پی نے اور یو۔پی سے پنجاب نے اور پنجاب سے سرحد نے سبق حاصل کیا ہوتا تو ہرگز اتنے بے گناہوں کا خون پانی کی طرح نہ بہتا۔ لیکن

گوشِ سخن شنو کجا؟ دیدۂ اعتبار کو؟

۹ دسمبر کا اعلان

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں

ملک فساد کی آگ میں جل رہا تھا۔ بنگال سے، بہار سے، یوپی سے درد مندوں اور سینہ فگاروں کی آہیں بلند ہو رہی تھیں۔ ہوائیں فریاد کر رہی تھیں۔ یتیم چیخ رہے تھے بربادی آبادی کا مرثیہ پڑھ رہی تھی۔ کنوئیں لاشوں سے پٹے ہوئے تھے۔ سڑکوں پہ قطع و برید کی ہوئی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ بے بس اور بے سہارا لوگ افراتفری کے عالم میں دولت چھوڑ کر، گھر چھوڑ کر، کپڑے چھوڑ کر، اناج چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔ بے تحاشہ بھاگ رہے تھے۔ فاقہ کش حالت میں نیم عریاں حالت میں آہ و زاری کرتے ہوئے فریاد و فغاں کرتے ہوئے بلکتے ہوئے روتے ہوئے، چیختے ہوئے۔

لیکن کانگرس کی طرف سے "آگے بڑھنے" کا کام جاری تھا۔ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی اسے فرصت نہ تھی۔ اس کی طرف سے اعلان ہو چکا تھا کہ ۹ دسمبر ۱۹۴۶ء کو دستور ساز اسمبلی کا اجلاس ہوگا۔ خواہ مسلم لیگ اس میں شریک ہو یا شرکت سے انکار کر دے ہم آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہم رک نہیں سکتے جو ہمارے ساتھ آ جائے گا وہ آگے بڑھے گا جو پیچھے رہ جائے گا وہ پیچھے رہے گا۔

مسٹر جناح کا اعلان

کامل تین مہینے تک مسٹر جناح اس کے منتظر رہے کہ اصلاحِ احوال کی کوشش کانگرس کی طرف سے ہو۔ فساد زدہ لوگوں کے درد کا درماں مہیا کیجئے۔ ہٹ اور ضد چھوڑ کر معقولیت اور رواداری کے راستہ پر آ جائیے۔ زمرہ بندی کو جو اسٹیٹ پیپر کی بنیادی دفعہ ہے تسلیم کر لے۔ فی الحال دستور ساز اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دے۔ اس وقت جذبات بھڑکے ہوئے ہیں۔ عناد اور مخالفت کی کارفرمائی ہے۔ خوش اعتمادی اور حسن ظن کا کہیں کوسوں پتہ نہیں۔ ایک دوسرے کو شک اور بدگمانی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ان حالات میں دستور سازی کا کام نہیں ہو سکتا۔ دستور سازی کا کام یکسوئی چاہتا ہے۔ اعتماد چاہتا ہے۔ تعاون چاہتا ہے۔ خوشگوار فضا چاہتا ہے اور اس وقت یہ سب چیزیں ناپید ہیں۔

لیکن مسٹر جناح کی دونوں باتیں رد کر دی گئیں۔ اصلاحِ احوال کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ زمرہ بندی کا اصول تسلیم نہیں کیا گیا اور دستور ساز اسمبلی کا اجلاس ملتوی نہیں کیا گیا۔ مسٹر جناح نے کانگرس سے اپیل کی لیکن اس کا جواب نہ ملا۔ مسٹر جناح نے لارڈ ویول سے اپیل کی۔ اس کا جواب ملا۔ لیکن دستور ساز اسمبلی کے ممبروں کو دعوت نامے بھیج دیئے گئے کہ وہ ۹ دسمبر ۱۹۴۶ء کے اجلاس میں ضرور شریک ہوں۔ اس ضد کا جواب مسٹر جناح یہی دے سکتے تھے کہ دستور ساز اسمبلی کا بائیکاٹ کر دیں چنانچہ انہوں نے اعلان کر دیا کہ مسلم لیگ دستور ساز اسمبلی کے اجلاس میں شریک نہیں ہوگی۔

حکومت کی گھبراہٹ

مسٹر جناح یہ اعلان کر کے سندھ کے دورہ پر روانہ ہو گئے جہاں صوبائی اسمبلی

کا نیا انتخاب ہو رہا تھا۔

شاید کانگرس کی طرح حکومت برطانیہ بھی اس غلط فہمی میں مبتلا تھی کہ مسلم لیگ کی عدم موجودگی میں جو دستور بنے گا وہ مسلم قوم پر نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ بہ نوکِ سنگین اگر ایسا کیا جاتے تو وہ دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی۔

آخر مسٹر اٹیلی وزیر اعظم برطانیہ نے مسٹر جناح، مسٹر لیاقت علی خاں، مسٹر نہرو و مسٹر پٹیل اور مسٹر بلدیو سنگھ کو صلاح و مشورہ کے لئے لندن طلب کیا۔

مسٹر جناح صلح کے خواہاں تھے وہ لندن جانے پر تیار ہو گئے۔ جواہر لال، پٹیل اور بلدیو سنگھ نے انکار کر دیا۔ آخر میں مسٹر اٹیلی کے دوستانہ اصرار اور لارڈ ویول کے مشفقانہ تقاضے سے متاثر ہو کر آخر الذکر حضرات نے بھی سفر لندن کی دعوت قبول کر لی لیکن شرطیہ کہہ کر دستوری اسمبلی کا اجلاس بہر حال ملتوی نہیں ہو گا۔ وہ ضرور ۹ دسمبر کو منعقد ہو گا۔ ہمارا اشرف دیدار حاصل کر کے ۹ دسمبر سے پہلے دہلی پہنچا دیا جائے۔

لندن کانفرنس

مسٹر اٹیلی نے یہ مطالبہ بھی منظور کر لیا اور آخر کار مسلم لیگ، کانگرس اور سکھ پارٹی کے رہنماؤں کا قافلہ لارڈ ویول کی معیت میں لندن روانہ ہوا۔

فضائی اڈہ پر وزیر ہند لارڈ پیتھک لارنس۔ بہ نفس نفیس استقبال کے لئے موجود تھے۔ وزیر ہند اور وزیر اعظم نے پہلے ان تمام اصحاب سے فرداً فرداً باتیں کیں اور قائل معقول کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے۔

پھر آخری بار کوشش یہ کی کہ ایک چھوٹی سی گول میز کانفرنس منعقد کی کہ شاید باہمی

گفت و شنید کا کچھ نتیجہ نکل سکے۔ یہ کانفرنس ہوئی لیکن اس کا کوئی نتیجہ نکلا تو وہی جس کے بارے میں شاعر نے کہا ہے۔

پے مشورت مجلس آراستند!
نشستند و گفتند و برخاستند!

اصل اختلافی مسئلہ وہی زمرہ بندی کا تھا۔ مسٹر جناح کا اصرار یہ تھا کہ کانگرس نے عملاً ۱۶ مئی کی اسکیم کو مسترد کر دیا ہے اور اگر تسلیم کیا ہے تو اسے لازمی طور پر زمرہ بندی کا اصول بھی ماننا چاہیے۔ کانگرس کا جواب یہ تھا کہ ہم نے زمرہ بندی کی اسکیم تو مان لی ہے لیکن اپنے مفہوم و معنی کے مطابق ہمارا خیال ہے کہ اسکیم کے مصنف یعنی کابینہ وفد کے ارکان اپنی تحریر کا جو مطلب بتا رہے ہیں وہ غلط ہے ہماری تشریح صحیح ہے یعنی زمرہ بندی لازمی نہیں ہے اور ہم بہر حال اپنی ہی تشریح پر عمل کریں گے۔

۶ دسمبر کا اعلان

جب وزیر اعظم کو صلح و مفاہمت سے مایوسی ہو گئی تو انہوں نے اپنی کابینہ کی مکمل تائید کے ساتھ ایک تشریحی بیان مرتب کیا اور شائع کر دیا۔ بیان یہ ہے:۔

"ملک معظم کی حکومت نے پنڈت نہرو، مسٹر جناح، مسٹر لیاقت علی خاں اور سردار بلدیو سنگھ سے جو مذاکرات شروع کئے تھے وہ آج شام اس لیے ختم ہو گئے کہ پنڈت نہرو اور سردار بلدیو سنگھ کل صبح ہندوستان واپس جا رہے ہیں۔

ان مذاکرات کی غرض یہ تھی کہ دستور ساز اسمبلی میں تمام پارٹیوں کی شمولیت اور ان سب کا تعاون حاصل کیا جائے۔ یہ توقع نہیں تھی کہ کوئی آخری فیصلہ کیا جا سکے گا کیونکہ آخری فیصلے پر پہنچنے سے پہلے ہندوستانی نمائندوں کو اپنے رفقاء سے مشورہ کرنا ضروری تھا۔

سب سے بڑی دقت وزارتی وفد کے ۱۶ مئی کے بیان کے پیراگراف نمبر ۱۵ (۵) اور (۸) کے مفہوم کے بارے میں پیدا ہوئی جس کا تعلق سیکشنوں کے اجلاسوں سے ہے وہ پیراگراف یہ ہے:-

پیراگراف ۱۹ (۵) "سیکشن اپنے اپنے صوبوں کے صوبائی دستور تیار کریں گے اور یہ بھی فیصلہ کریں گے کہ آیا ان صوبوں کے لئے کوئی گروپ وار دستور تیار کیا جائے اور اگر کیا جائے تو اس میں کون کون سے صوبائی محکمے شامل کئے جائیں۔ تحتی ضمن (۸) ذیل کے شرائط کے مطابق صوبوں کو گروپوں سے علیحدہ ہونے کا اختیار ہوگا۔"

پیراگراف ۱۹ (۸) "جدید دستوری انتظامات کے عمل میں آتے ہی ہر صوبہ کو اختیار ہوگا کہ وہ جس گروپ میں شامل کیا گیا ہے اس سے الگ ہو جائے ایسا فیصلہ جدید آئین کے تحت پہلا عام انتخاب ہو چکنے کے بعد صوبہ کی جدید مجلس آئین ساز کرے گی۔

وزارتی وفد برابر اس نظریے پر قائم رہا ہے کہ اگر مفاہمت نہ ہو سکے تو سیکشنوں کے فیصلے سیکشنوں کے نمائندوں کے ووٹ کی محض اکثریت سے ہونے چاہئیں۔ اس نقطۂ نظر کو مسلم لیگ نے قبول کر لیا لیکن کانگریس نے ایک مختلف نقطۂ نظر پیش کیا ہے اس نے کہا ہے کہ اگر بیان کو مجموعی طور پر پڑھا جائے تو اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ صوبوں کو گروپ بندی اور دستور سازی دونوں کے متعلق فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے

ملک معظم کی حکومت نے قانونی مشورہ لیا ہے جس سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ ۱۶ مئی کے بیان کا وہی مطلب ہے جسے وزارتی وفد نے ہمیشہ بیان کیا ہے کہ اس کی یہی نیت تھی لہٰذا بیان کے اس حصے کو جس کا یہ مفہوم لیا گیا ہے ۱۶ مئی کی اس اسکیم کا ایک ضروری حصہ سمجھنا چاہیئے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے باشندے اس قابل ہو جائیں کہ ایک نیا دستور اساسی مرتب کر لیں جسے ملک معظم کی حکومت پارلیمنٹ کے روبرو پیش کرنے کے لئے تیار ہوگی۔ اسے دستور ساز اسمبلی کی تمام پارٹیوں (فریقوں)

کو قبول کر لینا چاہیئے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ ۱۶ مئی کے بیان کے مفہوم کے متعلق دوسرے سوال پیدا ہو سکتے ہیں اور ملک معظم کی حکومت کو امید ہے کہ اگر مسلم لیگ کی کونسل آئین ساز اسمبلی میں شرکت پر تیار ہو جائے تو وہ بھی کانگریس کی طرح اس بات پر رضامند ہو جائے گی کہ فیڈرل کورٹ سے مفہوم سے متعلق معاملات کا فیصلہ کرنے کے لئے کہا جائے جنہیں کوئی ایک فریق فیڈرل کورٹ کے سامنے لائے اور مسلم لیگ کی کونسل ایسا فیصلہ منظور کر لے گی تاکہ یونین کی آئین ساز اسمبلی نیز سیکشنوں میں جو طریق کار اختیار کیا جائے وہ وزارتی وفد کی اسکیم کے مطابق ہو جو معاملہ اس وقت متنازعہ فیہ ہے اس کے متعلق ملک معظم کی حکومت کانگریس پر زور دیتی ہے کہ وہ وزارتی وفد کا نقطۂ نظر مان لے تاکہ مسلم لیگ کے لئے اپنے رویّہ پر نظر ثانی کرنے کا راستہ صاف ہو جائے۔ اگر وزارتی وفد کی نیت کی اس تصدیق کے باوجود دستور ساز اسمبلی یہ چاہتی ہے کہ اس بنیادی مسئلہ کو فیڈرل کورٹ کے سامنے فیصلہ کی غرض سے پیش کیا جائے تو ایسا بہت جلد کرنا چاہیئے۔ اس صورت میں مناسب یہ ہوگا کہ آئین ساز اسمبلی کے سیکشنوں کے اجلاس فیڈرل کورٹ کا فیصلہ معلوم ہونے تک ملتوی کر دے جائیں۔

متفقہ طریق کار کو اساس مانے بغیر دستور ساز اسمبلی کی کامیابی کا ہرگز کوئی امکان نہیں ہے۔ اگر ایسی دستور ساز اسمبلی جس میں ہندوستان کی آبادی کے ایک بڑے حصّہ کو نمائندگی حاصل نہ ہو کوئی دستور وضع کرے تو ملک معظم کی حکومت قطعاً یہ ارادہ نہیں کر سکتی کہ وہ ملک کے ناراضمند علاقوں پر ایسا دستور زبردستی ٹھونس دے۔"

اعلان کا ردِّ عمل

پنڈت نہرو اپنے اعلان کے مطابق ۹ دسمبر سے ایک روز پہلے دہلی پہنچ گئے

تاکہ دستور ساز اسمبلی میں شریک ہو سکیں۔

دستور ساز اسمبلی میں حکومت برطانیہ کا ۶ دسمبر کا اعلان بھی زیر بحث آیا۔ سردار پٹیل نے گرج کر کہا۔ "یہ بیان ۱۶ مئی کے اسٹیٹ پیپر میں ایک اضافہ ہے ہم اسے نہیں مانتے" بہرحال دستور ساز اسمبلی کی کارروائی جاری رہی۔ یکطرفہ طور پر بغیر مسلمانوں کے تعاون اور اشتراک کے بغیر باہمی اتحاد و اتفاق کے بغیر صلح و مفاہمت کے۔

پارلیمنٹ میں مباحثہ ہوا بعض ممبروں نے حکومت سے دریافت کیا کہ کانگرس جب ۶ دسمبر کی تشریح کو تسلیم کئے بغیر دستور ساز اسمبلی کی کارروائی جاری رکھے ہوئے ہے تو اسے رد کا کیوں نہیں جاتا! لیکن حکومت نے اس سوال کو ٹال دیا۔ کوئی واضح جواب نہیں دیا۔

جواہر لال اور جیکر

دستور ساز اسمبلی میں پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک قرار داد دستور ساز اسمبلی کے مقاصد اور نصب العین کے سلسلے میں پیش کی۔ یہ مقاصد اور نصب العین مسلم لیگ کے مقاصد اور نصب العین سے نہ صرف ہم آہنگ نہ تھے بلکہ متضاد اور متصادم بھی تھے مسٹر جیکر نے پنڈت جی کو مشورہ دیا کہ وہ یہ تجویز ابھی نہ پیش کریں مسلم لیگ کو آجانے دیں۔ مسلم لیگ کے آنے کے بعد ممکن ہے انہیں اس میں کچھ تبدیلی کرنی پڑے اور ایک فیصلہ کا بار بار بدلنا دستور ساز اسمبلی جیسے ادارے کے شایاں نہیں ہے۔

اس معقول مشورہ پر سردار پٹیل نے جیکر کو طعنہ دیا کہ آپ مسلم لیگ کے وکیل کب سے ہو گئے؟ اور جواہر لال نے اس مشورہ کے ماننے سے صاف انکار کر دیا۔

کئی روز تک بحث ہوئی لیکن رائے شماری کے وقت یہی فیصلہ ہوا کہ اگرچہ بڑھے ہوئے قدم کو پیچھے ہٹانے کی ضرورت نہیں ہے لیکن صرف رائے شماری

آئندہ اجلاس کے لئے ملتوی کر دی جاتی۔ اس وقت تک یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ مسلم لیگ شرکت کرتی ہے یا نہیں؟

کانگرس کی تجویز

مسٹر جناح جب لندن سے کراچی واپس آئے تو نمائندگان پریس نے ان سے پوچھا کہ اب ان کا اقدام کیا ہوگا؟ انہوں نے فرمایا یہ کانگرس سے پوچھئے۔ جب تک وہ کوئی فیصلہ ۶ دسمبر کے برطانوی اعلان کی روشنی میں نہ کرے مجھے نہ کچھ مزید کہنا ہے نہ کرنا ہے۔

آخر کانگرس کمیٹی کا جلسہ دہلی میں منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں پنڈت جواہر لال نہرو نے تجویز پیش کی کہ کانگرس ۶ دسمبر کے اعلان کو "مکمل طور پر" منظور کرتی ہے گرما گرم مباحثہ کے بعد یہ تجویز منظور ہو گئی۔

۶ دسمبر کا اعلان "مکمل طور پر" منظور کر لینے کے بعد آسام زمرہ بندی میں شریک ہونے پر راضی ہو گیا۔ لیکن گاندھی جی نے کہا اگر میں بھی آسام کو بنگال کے زمرہ میں شرکت کا مشورہ دوں تو اسے میرا مشورہ رد کر دینا چاہیئے اور جواہر لال نہرو نے تجویز کانگرس کی تشریح کرتے ہوئے کہا آسام گروپ میں بیٹھے گا لیکن بیٹھے رہنے پر مجبور نہیں ہوگا۔ جب اس کا جی چاہے گا واپس چلا آئے گا۔

اب پھر مسٹر جناح سے پوچھا گیا۔ آپ مسلم لیگ کونسل کا جلسہ کب بلاتے ہیں؟ انہوں نے بالکل بجا طور پر فرمایا۔ حالات میں کوئی ایسی تبدیلی نہیں ہوئی ہے کہ میں مسلم لیگ کا جلسہ طلب کروں۔ کانگرس نے اب بھی نہ ۱۶ مئی کی تجویز مانی ہے۔ نہ ۶ دسمبر کی تشریح۔ وہ بدستور اپنی روش پر قائم ہے پھر ہم کیوں اپنے فیصلہ میں تبدیلی کریں؟

صحیح پوزیشن

مسٹر جناح کا استدلال یہ تھا کہ دستور ساز اسمبلی میں ہر صوبہ اور ہر گروپ شرکت پر مجبور ہے اور وہ اکثریت کے فیصلے ماننے کا بھی پابند ہے چنانچہ مسلم لیگ کی طرف سے مسٹر جناح اس پر تیار تھے کہ اے گروپ یعنی ہندو گروپ اکثریت سے جو فیصلہ کرے گا مسلم ممبر اگرچہ اس کے مخالف ہوں لیکن اسے ماننے پر مجبور ہیں اور مانیں گے اسی طرح آسام۔ بنگال گروپ کی اکثریت کے فیصلے ماننے کا اصولاً بغیر کسی شرط کے پابند ہے۔ اگرچہ اسے اپنے زمرہ کی بعض باتیں اور بعض فیصلے ناپسند ہوں۔

کانگرس کی پوزیشن یہ تھی کہ اے گروپ کی اکثریت جو فیصلے کرے مسلم لیگ کے ممبران اختلاف کے باوجود انہیں تسلیم کرنے کے پابند ہیں۔ لیکن بنگال کا گروپ جو فیصلہ بکثرت آراء کرے اس کی پابندی ہرگز آسام پر لازمی نہیں ہے۔

اس منطق کی روشنی میں اگر مسٹر جناح نے یہ فیصلہ کیا کہ کانگرس نے ۶ دسمبر کی تشریح بھی ۱۶ مئی کی اسکیم کی طرح عملاً مسترد کر دی ہے تو کیا غلط فیصلہ کیا؟ اور بالآخر کراچی میں جب مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی منعقد ہوئی تو اس نے حکومت برطانیہ سے مطالبہ کیا کہ یا تو ہندو دستور ساز اسمبلی منسوخ کی جائے ورنہ مسلم دستور ساز اسمبلی کے قیام کا اعلان کیا جائے۔

مابعد میں واقعات نے ثابت کر دیا کہ مسٹر جناح کی رائے حرف بہ حرف درست اور صحیح تھی۔

مومن کی فراست کبھی بھی دھوکہ نہیں کھاتی۔

○

پنجاب کی تحریک آزادی

زندہ قوم کا زندہ جاوید کارنامہ

○

مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کے ملتِ اسلامیہ پر بے شمار احسانات ہیں اور ان کا یہ احسان تو تاریخ میں آب زر سے لکھا جائے گا کہ انہوں نے پنجاب کی مسلم اکثریت کو اپنی حکمت عملی اور دانائی سے کام لے کر حکومت کا حق حاصل کرنے سے محروم کر دیا اور سر خضر حیات خاں کے نام کی آڑ لے کر غیر مسلم حکومت پنجاب پر مسلط کر دی۔

مسلمانوں میں اس صورتِ حال نے بہت زیادہ برہمی پیدا کر دی تھی لیکن وہ خاموش تھے۔ وہ ہنگامہ کر سکتے تھے۔ حکومت کے در و دیوار میں زلزلہ پیدا کر سکتے تھے۔ قصر گورنر کو زیر و زبر کر سکتے تھے لیکن وہ خاموش رہے۔ خاموشی سے انہوں نے یہ غیر نمائندہ حکومت برداشت کر لی۔

لیکن اس غیر نمائندہ حکومت نے مسلم لیگ کو اور مسلم قوم کو اس کی معقولیت اور شرافت کا بدلہ یہ دیا کہ اس کی راہ میں کانٹے بچھانا شروع کر دیے۔

سول نافرمانی

دفعۃً امن و امان کے نام پر مسلم پنجاب کی غیر مسلم حکومت نے صوبہ کی چند قابلِ اعتراض جماعتوں کے ساتھ مسلم لیگ کو بھی قابلِ اعتراض قرار دیا اور ناقابل برداشت پابندیاں عائد کر دیں۔

مسلم نیشنل گارڈ کو غیر قانونی ادارہ قرار دے دیا۔ مسلم لیگی رہنماؤں نے حکومت کے اس جبر و تشدد، ظلم و جور اور بے اصولی کے خلاف احتجاج کیا تو وہ گرفتار کر لئے گئے جس طرح ۱۹۴۲ء میں انگریزی حکومت نے دفعۃً کانگرس کے تمام چوٹی کے رہنماؤں کو پکڑ لیا تھا۔ یہی پنجاب میں نئے سال (۱۹۴۷ء) کے آغاز کی خوشی میں ہوا۔ ملک فیروز خاں نون، میاں ممتاز دولتانہ، خان آف ممدوٹ، شوکت حیات خاں وغیرہ گرفتار کر لئے گئے۔ جلوس نکالنے اور جلسہ کرنے پر پہلے ہی سے پابندی عائد تھی۔ حکومت کو اطمینان تھا کہ کوئی ہنگامہ نہ ہوگا۔ لیکن اس کا یہ اطمینان بے کار ثابت ہوا۔

سویا ہوا شیر جاگا

صوبہ کے مسلمان ظلم و استبداد کی اس حکومت سے نالاں تھے ہی۔ یہ واقعہ ان کے سمندِ عزم کے لئے مہمیز ثابت ہوا۔ سارے صوبہ میں جوش و خروش کی ایک لہر دوڑ گئی۔

حکومت نے تشدد کی انتہا کر دی۔ اخبارات کو حکم دیا گیا کہ وہ کوئی سطر اس سلسلہ میں نہ چھاپیں۔ باہر کے اخبارات پر پابندیاں عائد کر دیں کہ وہ صوبہ کی حدود میں داخل نہ ہو سکیں۔ فوج بلالی اور پولیس کو تاکید کر دی کہ وہ ذرا رو رعایت سے

کام نہ لے۔

لیکن سارا صوبہ قربانیاں کرنے کا تہیہ کر چکا تھا۔ ہر طرف سے وسیع اور منظم پیمانہ پر سول نافرمانی کی تحریک شروع ہو گئی۔

اس تحریک کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ایک طرف حکومت تھی جو کامل طور پر تشدد پر اُتر آئی تھی لاٹھی چارج عام تھا۔ پولیس کو گولیاں چلانے کی تکلیف بھی دی جاتی تھی۔ دوسری طرف پنجاب کے زندہ دل، غیور اور مجاہد صفت باشندے تھے جو کفن سر سے باندھ کر میدان میں اتر آئے تھے۔ کئی نوجوان شہید ہوئے۔ بہت سے زخمی ہوئے لیکن ان بہادروں کے تیور پر بل نہ آیا۔ ان کے عزم و استقامت میں کوئی فرق نہ آیا۔ ان کے جذبہ جہاد میں کمی نہیں ہوئی۔ انہوں نے لاٹھیاں کھائیں لیکن میدان سے نہ ہٹے انہوں نے گولیاں اپنے سینے پر روکیں لیکن ڈٹے رہے۔ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ یہ طے کر چکے تھے کہ ملت کی آزادی پر جان و مال ہر چیز قربان کر دیں گے۔ ایسے دلاوروں کو نہ فوج ڈرا سکتی تھی نہ پولیس۔

دختران ملت کے کارنامے

اس تحریک میں صرف مرد ہی جوق در جوق، موج در موج، فوج در فوج حصہ نہیں لے رہے تھے بلکہ دخترانِ ملت بھی مردوں کے دوش بدوش ان سے زیادہ جوش و خروش، ہمت و حوصلہ اور ضبط و نظم کے ساتھ دادِ شجاعت دے رہی تھیں۔

یوں تو بہت سی معزز اور مشہور خواتین گرفتار ہوئیں اور جیل گئیں۔ مسز شاہنواز، بیگم امیرالدین۔ فاطمہ بیگم۔ بیگم تصدق حسین۔ بیگم بشیر احمد۔ لیڈی غلام حسین ہدایت اللہ (وزیر اعظم سندھ) لیکن اس گروہ میں نہ مٹنے والے، نہ

بھولنے والے کارنامے جن خواتین نے انجام دیئے وہ ہیں بیگم فیروز خاں نون۔ مس زاہدہ حیات (سردار شوکت حیات کی ہمشیرا) اور مس شاہ نواز (بیگم شاہ نواز کی صاحبزادی) انہوں نے جیل میں لاٹھیاں کھائیں۔ جیل سے باہر پولیس کے ڈنڈے کھائے، جیل کی لاری میں اشک آور گیس کا طوفان جھیلا جس نے ان میں سے بعض کا چہرہ بگاڑ دیا۔ جلا دیا جھلسا دیا لیکن ان کی استقامت میں فرق نہ آیا۔ انہیں لاری میں بٹھا کر میلوں دور شہر سے باہر لے جا کر چھوڑ دیا گیا لیکن یہ پا پیادہ صعوبت جھیلتی اور دکھ سہتی ہوئی پھر منزل مقصود پر پہنچیں اور اپنے کام میں لگ گئیں۔

کوئی شبہ نہیں اگر پنجاب کی فخر ملت خواتین نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ نہ لیا ہوتا تو شاید اس قدر کامیابی نہ ہوتی۔

پنجاب میں جو حکومت بر سر اقتدار تھی یہ عدم تشدد کی پرستار اور علمبردار تھی، لیکن اس نے جی بھر کے تشدد کا مظاہرہ کیا۔ وہ تشدد جس کی مثال صرف ہٹلر اور مسولینی کے دورِ حکومت میں مل سکتی ہے۔ جمہوریت اور عوامیت کے قصیدہ خوانوں کے ہاں نہیں مل سکتی۔

حکومت کی شکست

حق کے مقابلہ میں باطل زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتا۔ آخر حکومت کو شکست ہوئی اور پنجاب کے مسلم عوام جیت گئے۔ ان کی جیت کا راز یہ تھا کہ انہوں نے تشدد سے پرہیز کیا اور کسی قیمت پر بھی ہندو مسلم فساد نہیں ہونے دیا جس کی بہت زیادہ حلقوں کی طرف سے کوشش ہوئی۔ اشتعال انگیز مواقع پر بھی انہوں نے ضبط سے کام لیا۔ ایک مسلم رضا کار دوسرے فرقہ کے محلہ میں شہید ہو گیا۔ پھر بھی فساد نہیں ہوا۔ مکمل صبر و ضبط کے ساتھ اس کا جنازہ اٹھا۔

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

دھوم بہت تھی لیکن صبر و ضبط کے ساتھ وقار اور انکسار کے ساتھ ہوش اور عقل کے ساتھ!

مسلم لیگ ہائی کمان کی طرف سے جو شرائط پیش کئے گئے تھے وہ حکومت کو ماننے پڑے۔ جلسوں پر سے پابندیاں ہٹ گئیں۔ جلوسوں کا نکلنا آسان ہو گیا نیشنل گارڈ پر کوئی پابندی نہیں رہی۔ تمام اسیران سیاسی رہا کر دیئے گئے اور سارے پنجاب میں فتح و کامیابی کے شادیانے بجنے لگے۔ یہ اتنی بڑی کامیابی تھی جس پر مسلم لیگ بجا طور پر فخر کر سکتی تھی۔ صرف مسلم لیگ نہیں ساری ملت اسلامیہ پوری مسلم قوم یہ لازوال کارنامہ انجام دے کر زندہ دلان پنجاب نے ثابت کر دیا کہ وہ زندہ ہیں اور جو اپنی زندگی کا ثبوت دے سکتا ہے۔ موت اس کا تعاقب نہیں کرتی۔ دور بھاگتی ہے اور جب وہ اس جہان سے رخصت ہو جاتا ہے تب بھی اس کے کارنامے زندہ رہتے ہیں اس کا نام زندہ رہتا ہے۔

فسادات پنجاب

تری تمکین بے حد کی قسم ایسا بھی ہوتا ہے

مسلم لیگ کے مقابلہ میں شکست فاش کھانے کے پنجاب کی حکومت ڈانواں ڈول ہوگئی اس کی بنیادیں ہل گئیں اس کا وقار ختم ہوگیا۔

اسی اثنا میں وزیر اعظم اٹیلی نے اعلان کیا کہ ہم ہندوستان کو جلد از جلد آزاد کر دینا چاہتے ہیں۔ جون ۱۹۴۸ء کے بعد ہم ہرگز ہندوستان پر حکومت کرنا نہیں چاہتے بلکہ اگر اب ہندو مسلم اتحاد ہو جائے تو فوراً ہم ہندوستان کو زمام حکومت سونپ کر وہاں سے چلے آئیں گے۔

خضر حیات کا احساسِ ملّی

مسٹر اٹیلی کے اس اعلان کے بعد سر خضر حیات خاں کی آنکھ کھلی اور انہوں نے محسوس کیا کہ کیسے نازک مرحلہ پر وہ اپنی قوم کے خلاف جا رہے ہیں اور دشمنوں کا آلۂ کار بنے ہوئے ہیں۔

یہ محسوس کر کے انہوں نے بلا تامّل ۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو وزارتِ عظمیٰ سے استعفیٰ

دے دیا اور اعلان کر دیا کہ صوبہ میں وزارت بنانے کا حق صرف مسلم لیگ ہی کو ہے اور وہی مسٹر اٹیلی کے بیان کی روشنی میں دوسری پارٹیوں سے معاملات طے کر سکتی ہے۔

خضر حیات کے اس اعلان نے بہت جلد انہیں محبوب عوام بنا دیا جو کل تک ان کے دشمن اور مخالف تھے، اب وہی ان کے دوست اور وفادار ہو گئے جو خضر حیات کا نام سننا نہیں چاہتے تھے وہ اس کے نام کا وظیفہ پڑھنے لگے۔ عوام اس طرح خوش ہوتے ہیں اور اس طرح خفا ہوتے ہیں۔ محبوب کو معتوب اور معتوب کو محبوب بنا لینا عوام کا کام ہے، جو لوگ نفسیات عوام سے آشنا ہوتے ہیں وہ معتوبیت کی اسی لئے زیادہ پروا نہیں کرتے کہ جب چاہیں گے محبوب بن جائیں گے

ہنگامہ آرائیوں کا آغاز

سول لبرٹیز کی جو جنگ مسلم لیگ نے لڑی تھی اس میں اس کا خاص طور پر خیال رکھا تھا کہ فرقہ وارانہ تصادم ہرگز نہ ہونے پائے۔ نیز حکومت سے بھی جو جنگ ہو وہ عدم تشدد پر مبنی ہو۔

لیکن جب یہ خبر شائع ہوئی کہ گورنر نے خان ممدوٹ کو تشکیل وزارت کی دعوت دے دی ہے اور اب صوبہ میں مسلم لیگی وزارت کا پرچم لہرائے گا تو ایک کھلبلی سی مچ گئی اور ہنگامہ آرائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

ایسوسی ایٹڈ پریس کی طرف سے ۳ مارچ ۱۹۴۷ء کو حسب ذیل خبر شائع ہوئی:-

آج مقامی کالجوں اور اسکولوں کے سکھ اور ہندو طلبا نے ہڑتال منائی اور پنجاب میں مسلم لیگی وزارت کے متوقع قیام کے خلاف اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے گول باغ میں مخالف پاکستان مظاہرے کئے۔

پولیس نے مظاہرین کو منتشر ہونے کے لئے کہا لیکن اس کے انکار پر

پولیس نے لاٹھی چارج کیا۔ جواب میں طلباء نے پولیس پر پتھراؤ کیا۔ اس پر پولیس نے متعدد راؤنڈ فائر کئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ طلباء نے پولیس کی موٹر کے شیشوں کو چکنا چور کر دیا ہے۔

اس تصادم میں تقریباً ۲۰ طلبا مجروح ہو گئے جن میں سے چھ کی حالت نازک ہے۔ پولیس افسر نے بتایا کہ ۳۰ پولیس والے بھی زخمی ہو گئے ہیں، سکھ اور ہندو طلباء پر آج صبح کی پولیس فائرنگ کے بعد سکھ اور ہندو تجارتی حلقوں میں ہڑتال منائی گئی۔ شہر کے مختلف حصّوں میں عام مظاہرے کئے جا رہے ہیں۔ انار کلی بازار میں پولیس نے ہندوؤں کے ایک جلوس کو روک لیا تھا۔"

فرقہ وارانہ تصادم

صرف یہی نہیں ہوا کہ پولیس کے مقابلہ میں تشدّد برتا گیا ہو بلکہ آپس میں بھی فتنہ و فساد کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ بقول ایسوسی ایٹڈ پریس۔

چوک متی میں مخالف پاکستان مظاہروں کی وجہ سے فرقہ وارانہ تصادم ہو گیا چار بجے شام کو شرارت پسندوں کو منتشر کرنے کے لئے پولیس نے فائرنگ کی۔ معلوم ہوا ہے کہ فرقہ وارانہ پارٹیوں نے موچی گیٹ کا رُخ کیا ہے۔ میو ہسپتال میں تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ چوک متی اور موچی گیٹ کے فرقہ وارانہ تصادم میں زخمی ہونے والے ۱۳ اشخاص کو ہسپتال میں داخل کیا گیا ہے۔ فوج طلب کر لی گئی ہے اور شہر کی کوتوالی میں موجود ہے۔

غیر ذمّہ داری کی انتہا

خضر حیات وزارت مستعفی ہو چکی تھی لیکن اصُول کے مطابق جب تک خان ممدوٹ اپنے وزراء کی فہرست دیتے اس وزارت کو کام کرنا تھا اور یہ اس پر راضی بھی ہو گئی تھی۔

لالہ بھیم سین سچر جو ابھی تک وزارت کے منصب پر فائز تھے۔ ایک مشتعل اور غیر ذمّہ دارانہ مجمع کی قیادت کرتے ہیں ایسوسی ایٹڈ پریس کا بیان ہے۔

سکھوں اور ہندوؤں کے لیڈروں اور حکام بالا کے درمیان ٹیلی فون پر گفتگو کے بعد انار کلی میں روکے ہوئے جلوس کو آگے بڑھنے کی اجازت دی گئی۔

پنجاب کی "نگراں" حکومت کے وزیر مالیات لالہ بھیم سین سچر نے اس جلوس کی قیادت کی جو وائی۔ ایم سی۔ اے بلڈنگ سے روانہ ہو کر پنجاب اسمبلی کی عمارت کے پاس ختم ہوا۔ لالہ بھیم سین سچر نے ایک بڑے مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میں حکومت کے ایک رکن کی حیثیت سے اعلان کرتا ہوں کہ جلوس نکالنے کا حق ہے لیکن یاد رکھو کہ تمہیں اپنی سیاسی کارروائیوں کو عدم تشدّد کے ذریعہ جاری کرنا ہے مسٹر سچر نے اکثریت کو (مسلمانوں کو) متنبہ کیا کہ وہ اقلیتوں کے حقوق کو غصب کرنے کی کوشش نہ کریں اور پنجاب کے لیگی لیڈروں سے اپیل کی کہ وہ اپنی پالیسی کی وضاحت کر دیں تاکہ اقلیتوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ صوبہ میں کس قسم کی وزارت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

ہم اکثریت کی طاقت کو نقصان پہنچانا نہیں چاہتے نہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اکثریت کی پوزیشن گھٹ کر اقلیتوں کی سی ہو جائے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ صوبہ کے سکھ اور ہندو ایک خالص فرقہ وارانہ وزارت کے قیام کو برداشت

نہیں کریں گے۔"

مذکورہ جلوس نے مال روڈ سے گزر کر اسمبلی چیمبر کے سامنے مظاہرہ کیا، اہل جلوس کے ہاتھوں میں کانگرسی اور سکھ جھنڈے تھے اور وہ پاکستان کے خلاف نعرے بلند کر رہے تھے۔

نازک صورتِ حال

ہسپتال میں مزید دو مجروحین زخموں کی تاب نہ لا کر ہلاک ہو گئے۔ اس طرح مرنے والوں کی تعداد ۱۱ اور زخمیوں کی ۶۶ ہو گئی ہے۔ تمام متاثر علاقوں میں پولیس کے دستے گشت لگا رہے ہیں۔

کل صبح لاہور میں دیسی زبانوں میں چھپنے والا ایک اخبار بھی شائع نہ ہو سکے گا اس لئے کہ مخدوش فضا اور کرفیو کے نفاذ کی وجہ سے شب میں پریس کے ملازمین اور اسٹاف میں کوئی بھی اپنی ڈیوٹی پر حاضر نہ ہو سکا۔

پنجاب کی "نگراں" حکومت وزیر تعلیم میاں محمد ابراہیم برق نے پریس کو حسب ذیل بیان دیا:۔

ملک معظم کی حکومت کے بیان مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء سے پیدا شدہ حالات کے پیش نظر وزیر اعظم ملک خضر حیات خاں نے جو اقدام کیا ہے وہ مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کے مفاد کے لئے بہترین ہے اور اگر وہ یہ چاہتے ہیں کہ اس عظیم ملک ہندوستان کی نئی ترکیب میں پنجاب بھی اپنا مناسب مقام حاصل کرے تو انہیں حقائق کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ سمجھوتہ کرنا ہو گا۔ ایسے وقت میں میں نے اور میرے مسلمان ساتھیوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم مسلمانوں کے مطالبہ خود مختاری کی دلی حمایت کریں گے۔

پھر استعفےٰ!

پولیس کی فائرنگ کی آڑ لے کر غیر مسلم وزراء نے عارضی حکومت سے بھی استعفےٰ! دے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا استعفےٰ قبول کر کے گورنر کو دفعہ ۹۳ نافذ کر کے تمام حکومت اپنے ہاتھ میں لینا پڑی اور صوبہ میں مستقل بد امنی اور نراج کا دور دورہ شروع ہو گیا۔

اس سلسلہ میں سر خضر حیات خاں نے بیان دیتے ہوئے کہا۔

"۲ مارچ کو جب میں نے اپنی کابینہ کا استعفےٰ پیش کیا تھا تو میں نے گورنر کو مطلع کیا تھا کہ میں اور میرے ساتھی نئی وزارت کے مرتب ہونے تک اپنے فرائض انجام دینے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن میرے غیر مسلم ساتھیوں نے اطلاع دی ہے کہ وہ اب نظم و نسق کے ذمہ دار نہیں رہ سکتے اس لئے میں گورنر کو آگاہ کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ وہ اسی وقت سے میری کابینہ کو مستعفی سمجھیں۔

فسادات کا آغاز

قومی حکومت بن جاتی تو وہ آسانی سے فسادات پر قابو پا لیتی ہے لیکن قومی حکومت کا قیام ناممکن بنا دیا گیا کیونکہ مسلمان صوبہ میں اکثریت رکھنے کے باوجود اسمبلی میں اکثریت سے محروم تھے۔

گورنر راج نے صوبہ کے حالات اور ابتر کر دئے۔ نہایت تیزی اور وسعت کے ساتھ صوبہ میں فساد شروع ہو گیا۔

یہ فساد بھی اپنی ہولناکی، سفاکی، درندگی اور بہیمیت میں ہرگز بہار کے فساد سے کم مہلک اور خونریز نہیں تھا۔ بہار کے فساد کو دیکھ کر کرنل محبوب احمد (آزاد ہند فوج) نے کہا تھا۔ جاپانیوں نے وہ مظالم نہیں کئے جو بہار میں ہوتے ہیں۔ پنجاب کا دورہ کرنے کے بعد میجر شاہ نواز نے کہا تھا پنجاب کا فساد کسی طرح بہار کے فساد سے کم نہیں ہے۔

پنجاب کا کوئی شہر فساد کی آگ سے محفوظ نہیں رہا۔ لاہور اور امرتسر تو اس فساد میں بالکل تباہ ہو گئے۔

لاہور اور امرتسر کے علاوہ جالندھر۔ راولپنڈی۔ مری اور دوسرے مقامات پر بھی فساد ہوا۔ پوری شدت اور ہولناکی کے ساتھ ہوا۔ اگرچہ حکومت فساد کی روک تھام کے لئے ایک عرصۂ دراز سے تیار تھی لیکن جب فساد شروع ہوا تو معلوم ہوا کہ تیاریاں بالکل ناتمام اور نامکمل تھیں۔ فسادات کے روکنے میں یہ ذرا بھی کام نہ آئیں۔

ایک عجیب امتیاز

پنجاب کا فساد اس اعتبار سے خاص طور پر ممتاز ہے کہ وہاں صرف لاٹھیوں اور چاقوؤں کا استعمال نہیں ہوا بلکہ آزادانہ طور پر بندوقوں۔ پستولوں۔ تلواروں اور بموں کا بھی استعمال کیا گیا۔ بعض تعلیم گاہوں سے کارتوس کی پیٹیاں برآمد ہوئیں بعض مکانات سے اسلحہ بڑی تعداد میں حاصل کئے گئے۔ فریدکوٹ ہاؤس لاہور میں مہاراجہ فریدکوٹ کا شاہی محل ہے تو بہت بڑا اسٹاک آتشیں اسلحہ کا برآمد ہوا۔ ایک طرف سامان جنگ کی یہ "گرفتاری" دوسری طرف سامان جنگ کا بے تحاشہ استعمال۔ دونوں کام بیک وقت جاری۔

سرحد کی جنگ

"امتحاں ہے اک مشتِ خاک کا"

جن لائنوں پر پنجاب میں مسلم لیگ نے حکومت سے جنگ شروع کی تھی بالکل اسی بنیاد پر صوبہ سرحد میں بھی مسلم لیگ کو وہاں کی حکومت سے جنگ کرنی پڑی۔

خان برادران کی لاف زنی

سرحد کے عوام پر اب خان برادران کا کوئی اثر نہیں رہا۔ وہ اپنا اعتماد کھو چکے اپنا اعتبار زائل کر چکے مسلم لیگ وہاں کی سب سے بڑی طاقت بن گئی اس طاقت کو یہ دونوں بھائی لاکھ ماننے سے انکار کریں لیکن اس کی اہمیت کو یہ گھٹا نہیں سکتے تھے۔

پنجاب کے واقعات سے انہوں نے سبق حاصل نہیں کیا اپنی قوت باطلہ کے زعم میں مسلمانوں کو کچلنے اور دبانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ مسلمان مقابلہ کے لئے تیار تھے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ قوت کے سامنے سر نہیں جھکائیں گے۔ وہ ناحق اور باطل کا مقابلہ کریں گے۔ ڈٹ کر مقابلہ کریں گے

وہ میدان میں اُتر آئے اور انھوں نے مقابلہ شروع کر دیا

ناروا پابندیاں

جس طرح پنجاب میں مسلمانوں کو جلوس اور جلسہ کی ممانعت کر کے چیلنج کیا گیا تھا اور رضا کاروں کو گرفتار کر کے ان کا حوصلہ توڑنے کی کوشش کی گئی تھی۔ سرحد میں بھی یہی کیا گیا۔ سب سے پہلے خان عبدالقیوم خان کو گرفتار کر لیا گیا پھر تشدد کا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ وہی اشک آور گیس، وہی پولیس کا لاٹھی چارج وہی فوج کا بے محابا اور بے پروایانہ استعمال۔

فسادات کی ابتدا

سرحد میں اگرچہ پنجاب کی طرح زبردست اور تباہ کن فسادات تو نہیں ہوئے لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ وہاں بھی ہنگامہ آرائیاں ہوئیں۔ وہاں بھی مقابلے ہوئے۔ وہاں بھی تباہی، بربادی، ہلاکت، قتل و غارت، بدامنی اور عافیت سوزی کا ڈرامہ کھیلا گیا جو ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں تقریباً سال بھر سے کھیلا جا رہا تھا۔

شکست بے انجام

مسلم لیگ کی طرف سے جب واپسی خطابات کی تحریک شروع ہوئی تو بعض لوگوں نے خلاف ورزی کی۔ علاقہ ہوتی مردان کے رئیس اعظم نواب سر محمد اکبر خان نے خطاب واپس نہیں کیا وہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے تھے لہٰذا انہیں مستعفی ہونا پڑا۔

ڈاکٹر خان صاحب کو یقین تھا کہ نواب ہوتی کی علیحدگی اور مخالفت کے بعد مسلم لیگ کم از کم اس علاقہ میں ختم ہو جائے گی۔ انھوں نے چیلنج کیا کہ مردان کا ضمنی

انتخاب بتا دے گا کہ سرحد کے باشندے مسلم لیگ کے ساتھ ہیں یا کانگرس کے؟

انتخاب ہوا۔ مسلم لیگ کے امیدوار نے بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی اور کانگرس کا اُمیدوار ہار گیا۔

اس شکست کے بعد اصولی طور پر خان صاحب کو مستعفی ہو جانا چاہیئے تھا لیکن وہ وزارت عظمیٰ کا منصب ہر حالت میں اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے۔ لہٰذا انھوں نے اس شکست کو شیر و شہد کی طرح پی لیا اور خاموش ہو گئے۔ حریفوں نے تقاضا کیا کہ اب استعفیٰ دے کر نیا انتخاب کر دیکھئے مگر وہ اس پر بھی تیار نہیں ہوئے،

تحریکِ سول نافرمانی

مسرّت کی بات ہے کہ سرحد میں فساد بہت مختصر رہا لیکن سول نافرمانی نے حکومت کے چھکے چھڑا دیئے۔ مسلم لیگ کے رضا کاروں اور مسلم عوام نے اس جوش و خروش سے سول نافرمانی کی کہ سرحد میں کانگرسی وزارت متزلزل ہو گئی اور اگر اس میں ذرا بھی اصول پرستی ہوتی تو وہ مستعفی ہو کر نئے انتخاب کا مطالبہ کرتی لیکن وہ عافیت اسی میں سمجھتی رہی کہ استعفا نہ دے اور حکومت پر بہرحال قبضہ رکھے جنگ اور عشق میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ ڈاکٹر خان صاحب نے بھی سب کچھ جائز سمجھا۔

پرچم گئے تھے۔ جن حالات کے ماتحت قائداعظم نے یہ نعرہ لگایا تھا۔ انہیں اب حکومت برطانیہ ایک عرصہ دراز تک وحدت ہند کا راگ گانے کے باوجود نظرانداز نہیں کر سکتی تھی۔

میجر واہٹ کا بینہ وفد سے پیشتر جو پارلیمنٹری ڈیلی گیشن آیا تھا اس کے ممبر تھے۔ یہ لیبر پارٹی کے سربرآوردہ ممبر ہیں۔ اور پاکستان کے شدید مخالف۔ لندن کے اخبار ٹریبون میں ایک مقالہ سیاسیات ہند پر موصوف نے لکھا۔ اس میں کانگرس کی غلط روی پر سختی سے نکتہ چینی کی اور آخر میں نہایت صفائی سے اسے متنبہ کیا۔

"اب کانگرس کو کسی نہ کسی شکل میں تقسیم ہند کا خمیازہ ضرور بھگتنا پڑے گا اور پھر اس بات کی بھی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی کہ پاکستان آئندہ کانگرسی ہندوؤں کے ساتھ اتحاد و اشتراک کرے گا بھی یا نہیں۔

آج تک ہندو جس چیز کو قائداعظم محمد علی جناح کے خواب سے تعبیر کرتے تھے اب وہ خواب حقیقت میں تبدیل ہو چکا ہے ۱۹۴۶ء میں شملہ کانفرنس میں مسٹر محمد علی جناح نے مکمل پاکستان کے مطالبہ میں نرمی اختیار کر لی تھی مگر اب جب کہ کامیابی ان کے قدم چوم رہی ہے تو انہوں نے پھر سے مکمل پاکستان کا مطالبہ کر دیا ہے اور وہ اسے حاصل کر چکے ہیں"۔

سر ولیم بارٹن کا مضمون

اسی طرح سر ولیم بارٹن حیدر آباد دکن کے سابق ریزیڈنٹ نے ایک مضمون لندن کے مشہور اخبار "اسپکیٹر" میں لکھا تھا۔

صرحد میں مسلم لیگ کی پالیسی اور تحریک سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان سارے ہندوستان سے الگ سرحد میں ایک خالص اسلامی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں اور اخلاقی طور پر مشرق وسطیٰ کی تمام اسلامی ریاستیں اس کی امداد و اعانت کریں گی۔ اس قسم کی سیاسی تعمیر ہندوستان (ہندوؤں) کے لئے ایک مستقل خطرہ ثابت

فضا بدلنے لگی!

جو ناممکن تھا وہ ممکن نظر آنے لگا

۱۶ مئی کی اسکیم نے پاکستان کو دفن کر دیا تھا۔ ہندوستان اور بیرون ہند کا ہر ہر شخص یہ محسوس کر رہا تھا کہ اب پاکستان نہیں بن سکتا اب پاکستان نہیں مل سکتا لیکن مسلم قوم کے ایثار پیشہ طبقہ نے ایسی قربانیاں پیش کیں کہ فضا بدلنے لگی اور ناممکن ممکن ہوتا دکھائی دینے لگا۔ پاکستان کا حصول دراصل رہین منت ہے۔ بہار۔ یوپی اور بمبئی کے شہداء کا اس عمارت کے گارے میں پانی نہیں استعمال ہوا ہے خون استعمال ہوا ہے اور خون بھی وہ خون جس کے بارے میں اقبالؔ نے کہا ہے۔

جھلکتی ہے تری اُمت کی آبرو اس میں!

اکثریت اور اقلیت کے اس تصادم نے فضا بدل دی۔ نظریات متغیر کر دیئے خیالات میں انقلاب پیدا کر دیا اور مخالفین تک کو تائید و حمایت پر مجبور کر دیا۔

قائداعظم کا نعرۂ حق

قائداعظم نے اب سولہ مئی کی اسکیم بالکلیہ مسترد کر دی تھی اور پاکستان کے مطالبہ

ہو گی اور اگر کانگرس مسلمانوں کو ہندوستان کی قسمت میں پورا پورا حصہ نہ دے تو وہ سیاسی طور پر ایسی فاش غلطی کی مرتکب ہو گی جس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اگر کانگرس سلطنت برطانیہ میں رہنا منظور کر لے تو ان دونوں پارٹیوں کے اتحاد کا آدھا سوال تو یہیں ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے برطانوی مدبروں کا یہ خیال ہے کہ ہندوستان خالی کرنے کے بعد اگر انگریز ہندوستان کے دفاع کی ذمہ داری اپنے سر لے لیتا ہے تو یہ انتہائی دیوانگی کا باعث ہو گا۔"

مذکورہ مقالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو پاکستان کے مخالف اور وحدت ہند کے حامی تھے کانگرس کے ثناخواں اور مسلم لیگ کے نکتہ چیں تھے بدلے ہوئے حالات میں وہ بھی رائے بدلنے پر مجبور ہو گئے اور انہوں نے کانگرس کو متنبہ کیا کہ اگر وہ ہندوستان کی وحدت برقرار رکھنا چاہتی ہے تو مسلم لیگ کے مطالبات تسلیم کر لے۔

قائداعظم کا ایک بیان

اب پاکستان کا تصور حقیقت بنتا نظر آ رہا تھا۔ خود کانگرسی اخبارات نے پیشین گوئیاں شروع کر دی تھیں کہ پاکستان بنے گا۔ قدرتاً بعض لوگوں کے دلوں میں خیال پیدا ہوا کہ اگر پاکستان بنا تو وہ کیسا ہو گا؟ اس کا نظام کیا ہو گا؟ وہاں اقلیتوں کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ ہو گا؟

رائٹر کے نمائندہ مسٹر ڈون کیمپل نے نئی دہلی میں خاص طور پر قائداعظم سے اس سلسلہ میں انٹرویو کیا اور چند خاص سوالات کئے۔ سوالات کو نظر انداز کر کے قائداعظم کے بعض جوابات ذیل میں درج کرتے ہیں جن سے اندازہ ہو گا کہ پاکستان کے بارے میں پاکستان کے معمار کا کیا خیال ہے:۔

"پاکستان کے مرکزی نظام اور اس کی واحد انیتوں کے نظام حکومت کا فیصلہ

تو پاکستان کی مجلس دستور ساز کرے گی البتہ پاکستان کا طرز حکومت صرف جمہوری ہو گا اور اس کی پارلیمنٹ اس کی وزارت (جو پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہو گی) دونوں ہی عموماً رائے دہندگان اور عوام کے سامنے جوابدہ ہوں گی جس میں کسی ذات، نسل یا فرقہ کی تفریق نہیں کی جائے گی اور عوام ہی اپنی حکومت کی پالیسی اور پروگرام کے متعلق آخری فیصلہ کریں گے۔"

سب سے اہم مسئلہ اقلیتوں کا تھا اس کے بارے میں قائداعظم نے فرمایا:۔

"اقلیتوں کو بہر نوع محفوظ رکھنا ہی ہو گا۔ پاکستان میں جو اقلیتیں ہوں گی وہ پاکستان کے باشندے ہی کہی جائیں گی۔ اس لئے ان کو بلا تفریق مذہب ملت، نسل و ذات وہ تمام حقوق و مراعات اور حق آسائش حاصل ہوں گے جو کسی پاکستانی باشندے کو حاصل ہوں گے اور مجھے تو ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ ان کے ساتھ عدل و انصاف کیا جائے گا پاکستانی گورنمنٹ نظام حکومت چلائے گی۔ اپنی پارلیمنٹ میں پیش شدہ قوانین پر قابو رکھے گی اور خود پارلیمنٹ کا اجتماعی دماغ و ضمیر اس امر کا ضامن ہو گا کہ اقلیتوں کے ساتھ انصاف کیا جائے گا اور ان کو بے انصافی کا خطرہ بھی لاحق نہ ہو۔ ان سب باتوں کے علاوہ میری رائے میں پاکستان کے دستور اساسی میں ایسی دفعات رکھی جائیں گی جن سے اقلیتوں کا تحفظ ہو جائے اور اس طرح بنیادی حقوق شہریت ہر فرقہ کے مذہب و عقیدہ کی حفاظت آزادی خیال، آزادی تقریر اور تحفظ کلچر اور مجلسی زندگی کی حفاظت وغیرہ کی طرف سے ان کو مطمئن کر دیا جائے گا۔"

وائسرائے کی لندن میں طلبی

وقت آ گیا تھا کہ اب حکومت کوئی قطعی اور آخری فیصلہ کرے۔ اب لارڈ ویول واپس بلائے جا چکے تھے اور جون ۱۹۴۸ء تک انتقال اختیارات کی مہم سر کرنے کے لئے لارڈ ماؤنٹ بیٹن وائسرائے بنا کر بھیجے گئے تھے۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان آتے ہی یہاں کے لیڈروں سے تبادلۂ خیال کیا۔ حالات معلوم کئے اور جب یہ دیکھ لیا کہ اب کانگرس اور مسلم لیگ میں مفاہمت کی کوئی امید اور کوئی امکان نہیں ہے تو انہوں نے دونوں پارٹیوں کے مطالبات سے اقرب ایک اسکیم مرتب کی اور اپنے مشیر سیاسی لارڈ اسمے کو لندن بھیجا لیکن ان سے کام نہ چلا۔ وزارت نے خود انہیں طلب کیا اور وہ ۱۸ مئی ۱۹۴۷ء کو لندن روانہ ہو گئے۔

لندن روانہ ہونے سے ٹھیک دو مہینے پہلے انہوں نے وائسرلیٹی کا چارج لیتے وقت خلاف معمول اور خلاف رسم ۲۴ مارچ کو ایک تقریر کی تھی جس میں انہوں نے فرمایا تھا "اگرچہ میں سمجھتا ہوں کہ حلف وفاداری کی تقریب پر تقریر کرنے کا معمول نہیں ہے

تاہم میں آپ سے اور ہندوستان سے چند باتیں کہنا چاہتا ہوں۔

میں وائسرائلٹی کو سنبھال رہا ہوں۔ وہ عام نوعیت کی نہیں ہے۔ ملک معظم کی حکومت جون ۱۹۴۸ء تک اختیارات منتقل کرنے کا پکا ارادہ کر چکی ہے اور چونکہ ضروری ہے کہ نئے آئینی انتظامات عمل میں لائے جائیں اور نظم و نسق کے بہت سے پیچیدہ مسئلوں کو حل کیا جائے اور ان سب کو عملی جامہ پہنانے کے لئے وقت درکار ہوگا اس لئے ضروری ہوگا کہ اگلے چند مہینوں میں کوئی حل تلاش کر لیا جائے۔

مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کا ہر سیاسی لیڈر میری طرح اس مسئلہ کی شدید ضرورت و اہمیت کو محسوس کرتا ہے جو ہمیں درپیش ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ میں جلد ان سے صلاح و مشورہ کروں گا اور جو امداد مجھ سے بن پڑے گی انہیں مہیا کروں گا۔"

لندن پہنچنے کے بعد

لندن پہنچنے کے بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا اور اپنے کام میں لگ گئے۔ وزیر اعظم اٹیلی سے مشورہ، وزارت کابینہ سے گفتگو، برادران وطن سے تبادلۂ خیالات اور پھر ہندوستان کی طرف مراجعت۔

۳۰ جون

تاریخ ہند کا انقلاب انگیز ورق

لندن سے واپس آنے کے بعد آخر کار وائسرائے نے ۳۰ جون ۱۹۴۷ء کو وہ اسکیم نشر کر دی جو کابینہ کی مکمل تائید کے ساتھ وہ اپنے ہمراہ لائے تھے۔

۳۰ جون کی اسکیم

اصل اسکیم یہ ہے:-

"۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو ملک معظم کی حکومت نے اس ارادہ کا اعلان کیا تھا کہ جون ۱۹۴۸ء تک برطانوی ہند کو حاکمانہ اختیارات تفویض کر دئے جائیں گے۔ اس وقت حکومت کو امید تھی کہ ہندوستان کی اہم جماعتیں وزارتی وفد کے پلان مورخہ ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کو عملی جامہ پہنانے میں حکومت سے اشتراک کریں گی اور ایک ایسا دستور اساسی وضع کر لیں گی جو تمام افراد متعلقہ کے لئے قابل قبول ہو لیکن افسوس کہ یہ امید پوری نہ ہوئی۔ مدراس بمبئی۔ یوپی۔ بہار۔ سی۔ پی۔ برار آسام۔ اڑلیسہ۔ صوبہ سرحد اور دہلی، اجمیر۔ میواڑ اور کرگ کے اکثریت صوبوں کے نمائندے تو پہلے ایک جدید دستور وضع کرنے کے کام میں مصروف

ہو گئے لیکن مسلم لیگ پارٹی جس میں بنگال۔ پنجاب اور سندھ نیز برطانوی بلوچستان کے اکثریت کے نمائندے شامل ہیں موجودہ دستور ساز اسمبلی میں شریک ہونے سے انکار کر بیٹھے۔

ملک معظم کی حکومت کی ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ خود اہل ہند کی مرضی کے مطابق اختیارات منتقل کئے جائیں۔ اس کام میں بڑی آسانی ہو جاتی اگر ہندوستان کی سیاسی جماعتوں میں اتفاق آراء یا سمجھوتہ ہو جاتا لیکن جب یہ نہ ہو سکا تو ایسا طریقہ انتقال اختیارات سوچنے کا بار حکومت پر آن پڑا جس سے اہل ہند کی مرضی کا تعین ہو سکے چنانچہ ہندوستان کے سیاسی زعماء سے پوری طرح مشورہ کرنے کے بعد ملک معظم کی حکومت نے فیصلہ کر لیا کہ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے خود ایک پلان تیار کرے جو ذیل میں دیا جاتا ہے حکومت یہ بات واضح کر دینا چاہتی ہے کہ اس کا ہرگز یہ ارادہ نہیں ہے کہ ہندوستان کے لئے کوئی دستور اساسی خود مرتب یا وضع کرے بلکہ یہ کام تو خود ہندوستانیوں کے کرنے کا ہے۔ اس پلان میں کوئی ایسی چیز بھی نہیں ہے جو ایک متحدہ ہندوستان کے قیام کے سلسلہ میں مختلف فرقوں میں گفتگو و مشاورت کرنے میں مانع ہو۔

لیگی صوبوں کی دستور ساز مجلس

ملک معظم کی حکومت کا یہ ارادہ بھی نہیں ہے کہ موجودہ مجلس دستور ساز کے کاموں میں رخنہ پیدا کرے۔ اب جب کہ مندرجہ ذیل صوبوں کے لئے ایک موقع نکالا گیا ہے حکومت کو یقین رکھنا چاہیئے کہ اس اعلان کے بعد ان صوبوں کے مسلم لیگی نمائندے جن کی اکثریت مجلس دستور ساز میں پہلے سے شریک ہے اب اس کی محنتوں کے پھل میں اپنا مناسب حصہ لے لیں گی۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ اس مجلس دستور ساز کا تیار کردہ دستور ملک کے ان حصوں پر نافذ نہیں کیا جا سکتا جو اسے قبول کرنے سے انکار کر دیں۔

پیرا گراف نمبر ۴

ملک معظم کی حکومت کو اطمینان ہے کہ جو طریقہ کار ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے یہی وہ بہترین طریقہ ہے جس سے ایسے حلقوں کے رہنے والوں کی مرضی اس سوال کے متعلق معلوم کی جا سکتی ہے کہ آیا ان کا علیحدہ دستور کیا جائے یا نہیں یعنی

(الف) آیا وہ موجودہ مجلس دستور ساز میں شامل رہنا چاہتے ہیں یا

(ب) ایک جدید اور جداگانہ مجلس دستور ساز میں جانا چاہتے ہیں جس میں ان حلقوں کے نمائندے شریک ہوں گے جنہوں نے موجودہ اسمبلی میں شریک ہونے سے انکار کر دیا تھا۔

جب یہ بات طے ہو جائے گی تب اس امر کا فیصلہ کرنا آسان ہو جائے گا کہ کس کو یا کن کو اختیارات منتقل کئے جائیں۔

بنگال اور پنجاب کی تقسیم

بنگال اور پنجاب کی مجالس قانون ساز (یورپین ممبروں کے سوا) ہدایت کی جائے گی کہ وہ دو حصوں میں تقسیم ہو کر مجتمع ہوں۔ ایک حصے میں مسلم اکثریت والے اضلاع کے نمائندے ہوں اور دوسرے حصے میں باقی اضلاع کے۔ اضلاع کی آبادی معلوم کرنے کے لئے ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار قطعی سمجھے جائیں گے۔ ذیل کے نقشہ میں ان صوبوں کے ان اضلاع کی فہرستیں بھی دے دی جاتی ہیں جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

ان مجالس قانون ساز کے دونوں حصوں کے ممبران الگ الگ بیٹھیں گے اور ان کو اس سوال پر رائے دینے کا حق دیا جائے گا کہ آیا ان کے صوبہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے یا نہیں۔ اگر ان دو حصوں میں سے کسی حصہ کی معمولی اکثریت نے بھی تقسیم کی موافقت میں رائے دی تو تقسیم کر دی جائے گی اور اس کے لئے انتظامات بھی کر دئے جائیں گے۔

رائے دینے سے پہلے

ان دونوں مجالس قانون ساز (بنگال و پنجاب) کے ممبروں کو الگ الگ مجتمع ہو کر تقسیم کے سوال پر رائے دینے سے پہلے ہر حصہ کے نمائندوں کو یہ بھی سوچ لینا چاہیئے اگر دونوں حصوں کے نمائندوں نے صوبہ کو منقسم کرنے کے بجائے متحدہ رکھنا پسند کیا تو پھر وہ بحیثیت مجموعی کس مجلس دستور ساز میں شریک ہونا چاہے گا اس لئے اگر کسی مجلس قانون ساز کا کوئی ممبر مطالبہ کرے، تو اس مجلس قانون ساز کے تمام ممبروں کا (یورپین ممبران کے سوا) جلسہ منعقد کیا جائے گا اور اسی جلسہ میں اس سوال کا فیصلہ کیا جائے گا کہ صوبہ بحیثیت مجموعی کون سی مجلس دستور ساز میں شریک ہوگا اگر اسے متحدہ رکھا گیا۔

اور اگر تقسیم کی موافقت میں فیصلہ ہوا تو اس مجلس قانون ساز کے ہر حصہ کو اپنے حلقہ ہائے انتخاب کی طرف سے فیصلہ کرنا ہوگا کہ پیراگراف ۹ کے کس جزو کو قبول کرتا ہے۔

تقسیم کے سوال کے فوری حل کے لئے بنگال اور پنجاب کی مجالس قانون ساز کے ممبران مسلم اکثریت والے اضلاع (جن کی تصریح نقشہ میں کی جاتی ہے) اور غیر مسلم اکثریت والے اضلاع کے نمائندے دو حصوں میں منقسم ہو کر الگ الگ مجتمع ہو جائیں گے۔

حد بندی کا کمیشن

ان صوبوں کی قطعی تقسیم کے لئے ظاہر ہے کہ ان کے حدود کی مفصل تحقیق و تعین کی ضرورت ہوگی۔ اس لئے جوں ہی ان دونوں یا ان میں سے ایک صوبہ کو تقسیم کر دینے کا فیصلہ ہو جائے گا۔ گورنر جنرل ایک "تعین سرحد" کا کمیشن مقرر کریں گے۔ اس کمیشن کے ارکان اور مسائل تصفیہ طلب کا تعین گورنر جنرل اصحاب متعلقہ سے مشورہ کے بعد کریں گے اس کمیشن کو ہدایت دی جائے گی کہ پنجاب کے دونوں حصوں کے حدود اس بنیاد پر کرے کہ

مسلمانوں اور غیر مسلموں کی اکثریت والے رقبہ باہمی یکسانیت رکھتے ہوں۔ فرقہ وارانہ یکسانیت و اختلاط کے علاوہ دوسرے مسائل بھی محفوظ رکھنے ہوں گے۔ اسی طرح بنگال صوبہ کی تقسیم کے بارے میں بھی ہدایات دے دی جائیں گی۔

ان صوبوں کے عارضی حدود ہوں گے جو ذیل کے نقشہ و فہرست، میں دئے جاتے ہیں۔

سندھ کدھر جائے گا

سندھ کی مجلس قانون ساز کا ایک اجلاس خصوصی طلب کیا جائے گا جس کے ارکان (یورپین ممبروں کے سوا) اس امر کا فیصلہ کریں گے کہ پیراگراف نمبر ۹ میں دی ہوئی کس شکل کو پسند کرتا ہے۔

صوبہ سرحد کے مخصوص حالات

صوبہ مغربی و شمالی (صوبہ سرحد) کی حیثیت ایک خاص نوعیت کی ہے۔ اس کے تین نمائندوں میں سے دو تو موجودہ مجلس دستور ساز میں پہلے ہی سے شریک ہو گئے ہیں لیکن اس کی جغرافیائی پوزیشن اور دوسرے امور کے پیش نظر یہ امر بالکل واضح ہے کہ اگر کلاً یا جزواً موجودہ دستور ساز میں شریک ہونے سے انکار کر دے تو صوبہ سرحد کو اس کا موقع ملنا چاہیئے کہ اپنی پوزیشن پر دوبارہ غور کرے لہٰذا ایسی صورت میں صوبہ سرحد کی موجودہ مجلس قانون ساز کے رائے دہندوں سے استصواب کیا جائے گا کہ وہ پیراگراف نمبر ۹ کی دو شقوں میں سے کس کو پسند کرتے ہیں۔ یہ استصواب رائے عامہ گورنر جنرل کی نگرانی اور صوبائی حکومت کے مشورہ سے کیا جائے گا۔

برطانوی بلوچستان نے ایک ممبر منتخب کرلیا ہے لیکن وہ موجودہ مجلس دستور ساز

میں شریک نہیں ہوا۔ اس صوبہ کی جغرافیائی پوزیشن کے پیش نظر اسے اپنی پوزیشن پر دوبارہ غور کرنے کا موقع دیا جائے گا کہ وہ مذکورہ بالا پیراگراف نمبر ۴ کی جس شکل کو چاہے پسند کرے۔ گورنر جنرل غور کر رہے ہیں کہ یہ مقصد کس طرح بوجوہ احسن حاصل کیا جائے گا

آسام غیر مسلم صوبہ ہے

گو آسام میں غیر مسلموں کی اکثریت ہے لیکن سلہٹ کا ضلع جو بنگال سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے ایسا ضلع ہے جس میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ ایک مطالبہ یہ پیش کیا جا رہا ہے کہ اگر بنگال کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں تو ضلع سلہٹ کو مسلم بنگال سے ملا دیا جائے گا، لہٰذا یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ بنگال کو تقسیم کر دینا چاہیئے اور گورنر جنرل کی نگرانی میں اور صوبہ آسام کی حکومت کے مشورہ سے سلہٹ کے باشندوں سے استصواب رائے کیا جائے کہ آیا وہ صوبہ آسام سے وابستہ رہنا چاہتے ہیں یا مشرقی بنگال کے نئے صوبہ میں شامل ہو جانا چاہتے ہیں۔ اگر رائے شماری سے یہ معلوم ہوا کہ سلہٹ کے باشندے صوبہ مشرقی بنگال سے ملحق ہونا پسند کرتے ہیں تو حد ود معین کرنے والا کمیشن اسی طرح کا مقرر کیا جائے گا اور انہیں ہدایت کے ساتھ جیسا بنگال اور پنجاب کے لئے کہا گیا ہے اس کمیشن کو یہ ہدایت بھی کر دی جائے گی کہ سلہٹ ضلع کی مسلم اکثریت والے رقبہ اور اس سے متصلہ اضلاع کے مسلم اکثریتی رقبوں کو جو یکسانیت رکھتے ہوں آسام سے الگ کر کے مشرقی بنگال میں ملا دے اور باقی صوبہ آسام میں شریک رکھے۔

مسلم بنگال اور مسلم پنجاب

۱۴۔ اگر بنگال اور پنجاب کی تقسیم کا فیصلہ ہو جائے تو ضروری ہوگا کہ جدید انتخابات کرائے جائیں۔ اس انتخاب کا معیار ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کے پلان کے مطابق ۱۰ لاکھ کی آبادی پر ایک نمائندہ کا ہوگا۔ اسی طرح اگر سلہٹ کو آسام سے کاٹ کر مشرقی بنگال میں شامل

رہنے کا فیصلہ ہوا تو اسے بھی نیا انتخاب کرنا ہوگا۔ ہر حلقہ کو جتنی نمائندگی کا حق ملے گا اس کی تفصیل یہ ہے:۔

صوبہ	عام نشستیں	مسلم	سکھ	میزان
ضلع سلہٹ	۱	۲	×	۳
مغربی بنگال	۱۵	۴	×	۱۹
مشرقی بنگال	۱۲	۲۹	×	۴۱
مغربی پنجاب	۳	۱۲	۲	۱۷
مشرقی پنجاب	۶	۴	۲	۱۲

مختلف حلقوں کے نمائندوں کو جیسا مینڈیٹ (ہدایت نامہ) دیا جائے گا ویسا عمل کریں گے یعنی یا تو موجودہ مجلس دستور ساز میں شریک ہو جائیں گے یا جدید مجلس دستور ساز میں۔

تقسیم کے بعد کے انتظامات

۱۶۔ اگر کسی تقسیم کا فیصلہ کیا گیا تو اس کے انتظامی نتائج پر جس قدر جلد ممکن ہوا ان لوگوں میں گفتگو شروع کر دینی ہوگی۔

(الف) اپنے اپنے حلقہ کے جانشین حکام کے نمائندوں کے درمیان گفتگو ہوگی۔ ان تمام صیغوں کے متعلق جو مرکزی حکومت کے پاس ہیں بشمول دفاع، مالیات اور رسل و رسائل۔

(ب) مختلف جانشین حکام اور ملک معظم کی حکومت کے درمیان گفت و شنید ہوگی۔ معاہدات کے سلسلہ اور ان امور کے متعلق جو انتقال اختیارات کے سلسلہ میں پیدا ہوں گے۔

(ج) ان صوبوں کے بارے میں جن کے دو دو حصے کر دیئے جائیں گے۔ ان تمام مضامین یا شعبہ جات کے متعلق گفتگو کرنی ہوگی جو صوبے کے ماتحت ہوا کرتے ہیں مثلاً آمدنی

اور اخراجات کی تقسیم، پولیس اور دیگر ملازمتیں، ہائیکورٹ اور دیگر صوبائی ادارے وغیرہ۔

آزاد قبائل کا سوال

نمبر ۱۷۔ صوبہ مغربی وشمالی (سرحد) کے قبائل کے ساتھ ذمہ دار جانشین حکام کو مفاہمت و معاہدہ کرنا ہوگا۔

دیسی ریاستیں نوٹ کرلیں

۱۸۔ ملک معظم کی حکومت یہ امر واضح کر دینا چاہتی ہے کہ مذکورہ بالا فیصلوں کا تعلق صرف برطانوی ہند سے ہے اور ہندوستانی ریاستوں کے متعلق اس کی پالیسی وہی ہے جو وزارتی وفد نے مئی ۱۹۴۶ء کے پلان میں بیان کر دی ہے۔ ۱۹۔ اس غرض سے کہ اختیارات لینے والے حکام اپنے کو اس کام کے لئے تیار کر لیں۔ نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا امور جتنی جلد ممکن ہو مکمل کر لئے جائیں۔ موجودہ مجلس دستور ساز اور جدید مجالس دستور اپنے اپنے دستور وضع کرنے کا کام جلد شروع کر دیں۔

درجہ نوآبادیات

۲۰۔ جیسا کہ ہندوستان کی اہم پارٹیاں اس بات پر زور دیتی رہی ہیں کہ جلد سے جلد اختیارات منتقل کر دئے جائیں۔ ملک معظم کی حکومت بھی اس رائے سے متفق ہے اور اسی غرض سے اس نے جون ۱۹۴۸ء انتقال اختیارات کی تاریخ پہلے ہی سے مقرر کر دی ہے جس پر وہ اب تک قائم ہے۔ حکومت کی تجویز ہے کہ موجودہ سیشن میں تفویض اختیارات کا بل پیش کر دے اور اسی سال ڈومینین (درجہ نوآبادیات) کی بنیاد پر ایک یا دو جانشینوں کو اختیارات منتقل کر دے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مجالس دستور ساز کو اس فیصلہ کا حق

بن جاتی ہے کہ نہ ہندوستان اگر چاہے تو برطانوی دولت مشترکہ میں رہے یا اس سے علیحدہ ہو جائے۔

ہز ایکسی لینسی گورنر جنرل مذکورہ امور کو عملی شکل میں لانے کے لئے ضابطہ امور کے متعلق وقتاً فوقتاً اعلانات کرتے رہیں گے۔

مسلم بنگال اور مسلم پنجاب

پنجاب اور بنگال کے جن اضلاع میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہ یہ ہیں ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق:

پنجاب:۔ قسمت لاہور:۔ اضلاع گوجرانوالہ، گورداسپور، لاہور، شیخوپورہ۔
قسمت راولپنڈی:۔ اضلاع اٹک۔ گجرات، جہلم۔ میانوالی، راولپنڈی، شاہپور
قسمت ملتان:۔ اضلاع ڈیرہ غازی خاں، جھنگ۔ لائل پور۔ منٹگمری، ملتان، مظفر گڑھ۔

بنگال:۔ قسمت چاٹگام:۔ اضلاع چاٹگام۔ نواکھالی۔ پیڑا
قسمت ڈھاکہ:۔ اضلاع باقر گنج۔ ڈھاکہ میمن سنگھ۔
قسمت پریسیڈنسی:۔ اضلاع جیسور۔ مرشد آباد۔
قسمت راجشاہی:۔ اضلاع بوگرا۔ دیناج پور۔ مالوہ، پبنا، راجشاہی۔

قائداعظم کا پیغام

ریڈیو سے اس اسکیم کے نشر ہونے کے بعد پنڈت نہرو۔ قائداعظم اور سردار بلدیو سنگھ نے اپنی اپنی قوم سے اس اسکیم کے منظور کر لینے کی اپیل کی۔

قائداعظم نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

وائسرائے کی کوششوں کا اعتراف

"میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ وائسرائے نے اسی سلسلے میں مسلسل و ہوا... کے ساتھ نہایت بہادری سے جنگ کی ہے اور ان کی اس جدوجہد نے میرے خیالات پر جو اثر کیا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے ہر ایک کام نہایت منصفانہ اور غیر جانبدارانہ طور پر انجام دیا ہے اور اب اس کا دارومدار ہم پر ہے کہ وائسرائے کی مہم کو قدرے آسان کریں اور جہاں تک ہمارے اختیار میں ہو ہندوستان کو اقتدار منتقل کرنے کے لئے انہوں نے جس مقصد کا عزم لیا ہے اس میں پوری پوری مدد کریں تاکہ کامل امن اور سکون کے ساتھ یہ اقتدار ہندوستانیوں کے سپرد کر دیا جائے۔

سرحدی مسلمانوں پر انحصار

یہ اعلان جسے وائسرائے نے بذریعہ ریڈیو نشر کرایا ہے اس کے گیارھویں پیرے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صوبہ سرحد کے عوام کو یہ حق دے دیا جائے گا کہ وہ پاکستان یا ہندوستان دستور ساز اسمبلی میں شرکت کرنے کے لئے اپنی رائے دیں اور یہ رائے عامہ خود گورنر جنرل اور صوبائی حکومت کے مشورہ سے دریافت کی جائے گی۔

میں صوبہ سرحد کی مسلم لیگ سے التدعا کرتا ہوں کہ وہ صوبہ میں اپنی اس پرامن تحریک سول نافرمانی کو ختم کر دیں جسے شروع کرنے کے لئے وہ مجبور کر دئے گئے تھے اور تمام لیگی لیڈروں اور سرحد کے مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ وہ سرحد کے مسلمانوں کو اس طرح سے منظم کریں کہ وہ اس رائے شماری کا نہایت امید اور ہمت سے مقابلہ کریں اور مجھے یقین ہے کہ سرحدی مسلمان متفقہ طور پر پاکستانی دستور ساز اسمبلی میں شرکت کا فیصلہ کریں گے۔

پاکستان زندہ باد

میں کسی طرح صوبہ سرحد کے مسلمانوں کی تکالیف اور قربانیوں کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا اور خاص کر سرحد کے عوام کی شہری آزادی کے لئے سرحدی خواتین نے جو حصہ لیا ہے میں اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ بغیر کسی پر الزام لگائے میں ان تمام لوگوں سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں جنہیں تکالیف سہنی پڑیں۔ وہ لوگ جو مرے اور وہ لوگ جن کے مال و املاک کو برباد کر دیا گیا اور میں امید کرتا ہوں کہ سرحد رائے شماری کے وقت پرامن رہے گا اور سرحد کے ہر ایک شخص کو اس بات کا احساس ہونا چاہیئے کہ اگر سرحد کے عوام کا فیصلہ کامل آزادی انصاف اور سچے طور پر ہو سکے۔ ایک دفعہ پھر تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ امن اور قانون کی حفاظت کریں۔ پاکستان زندہ باد

جواہر لال نہرو

پنڈت جواہر لال نہرو نے خاص طور پر نیشنلسٹ مسلمانوں کو اس حادثہ المیہ کی خبر دیتے ہوئے کہا:-

ہندوستانی اتحاد کا ادھورا خواب

"صدیوں سے ہم متحدہ ہندوستان کی خود مختاری کے لئے لڑتے اور خواب دیکھتے آئے ہیں۔ چند علاقوں کو ہندوستان سے کاٹ لینا واقعی ہم میں سے ہر ایک کے لئے انتہائی اذیت ناک ہے۔ پھر بھی مجھے یقین ہے کہ ہمارا موجودہ فیصلہ الٹی صحیح اور جائز ہے ہندوستان کا اتحاد جس کے لئے ہم نے نہایت محنت کی ہے ضروری قرار نہیں دیا گیا مگر اس کے باشندوں کو آزادی کے ساتھ اس حق کی اجازت دے دی گئی ہے

کہ وہ اگر چاہیں تو ہندوستانی یونین کے ساتھ وابستہ رہ سکتے ہیں۔

تشدّد کی مذمّت

ایسا کرنے سے ہمیں یقین ہے کہ ہم بہت جلد ہندوستان کو متحد کر سکیں گے اور ان اصولوں کے ماتحت ہماری بنیادیں بہت زیادہ مضبوط اور محفوظ رہیں گی۔ پچھلے چند عرصہ سے ملک میں نہایت شرمناک اور حقیر کن تشدّد کا دور دورہ رہا ہے اب اسے ختم ہونا چاہیئے اور ہم نے اسے ختم کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ ہمیں یہ واضح کر دینا چاہیئے کہ تشدد کے استعمال سے آج یا مستقبل میں کوئی سیاسی مقصد حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

آج سے تقریباً نو مہینے جب میں نے حکومت ہند میں اپنا منصب سنبھالا تو اس جگہ سے ریڈیو پر آپ سے کچھ باتیں کی تھیں۔ میں نے اس وقت آپ سے کہا تھا کہ ابھی تک ہم مسافر کی طرح سرگرم سفر ہیں اور منزل پر پہنچنا باقی رہ گیا ہے۔ ہمارے راستہ میں بہت سی مشکلات اور رکاوٹیں ہیں۔ میں نے کہا تھا کہ شاید ہمارا یہ سفر بہت جلد ختم نہ ہو سکے کیونکہ ہماری منزل حکومت ہند میں منصب حاصل کرنے تک محدود نہ تھی بلکہ ہماری منزل یہ تھی کہ ہندوستان کے لئے مکمل خود مختاری حاصل کریں اور عوام کے لئے ایسے تعلقات استوار کریں جس میں ہر شخص کو مساویانہ حقوق حاصل ہوں۔

سخت ترین آزمائش اور مشکلات کے نو مہینے بیت گئے اور یہ لمحات انتہائی حوصلہ آزما اور دل شکن تھے اور آج بھی اگر اس پر نگاہ ڈالی جائے تو عوام کی مشکلات اور افسوس کے لئے ابھی تک اس میں کافی مواد ہے۔ ہندوستان نے قومی اور بین الاقوامی طور پر کافی پیش قدمی کی ہے آج دنیا کی اقوام میں اپنے لئے ایک امتیازی درجہ اور احترام و وقار پیدا کر لیا ہے۔

اپنے لوگوں کی تکالیف کا احساس

آپ نے ان سیاسی اور فرقہ وارانہ مشکلات پر غور کیا ہو گا جو اس وقت ملک کو درپیش ہیں۔ یہ مہینے لاکھوں عوام کے لئے نہایت المناک ثابت ہوئے ہیں اور ان کا اثر اور دباؤ ان لوگوں پر ضرورت سے بدرجہا زیادہ پڑا ہے جن کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور تھی۔

فسادزدہ علاقوں میں ہمارے جن لوگوں کو تکالیف ہوئی ہیں ہم دلی طور پر انہیں محسوس کر رہا ہوں، وہ ہزاروں بے گناہ جو کام آ چکے ہیں اور خصوصاً وہ خواتین جنہیں ایسی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا ہے کہ موت ان سے کہیں بہتر تھی۔ چنانچہ وہ تمام لوگ جنہیں ان فسادات نے خانماں برباد کر دیا ہے میں ان سے دلی ہمدردی ظاہر کرتا ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ ہم سے جہاں تک ممکن ہو سکا انہیں امداد دیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ دوبارہ ایسے المناک حادثات عمل میں آئیں۔

سردار بلدیو سنگھ کا بیان

آخر میں سردار بلدیو سنگھ نے ایک بیان پڑھا جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

جس آزادی کا ہم پیدائشی حق کی حیثیت سے مطالبہ کرتے آئے ہیں آج اس کے حصول کا دن آ گیا اور آج سے ہم اس موروثی آزادی میں داخل ہو گئے ہیں۔ یہ کہنا سچ سے بعید ہو گا کہ ہم اس اعلان پر خوش ہیں۔ ہماری صحیح آزادی اسی وقت ہو سکتی تھی جب کہ ہمیں یہ یقین ہوتا کہ ہم ایک دوسرے سے متحد و وابستہ رہیں گے مگر بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوا بلکہ ہمیں ایک دوسرے سے الگ الگ کر دیا گیا ہے۔ وائسرائے نے ابھی جو اعلان کیا ہے وہ ہمیں مزید خون خرابہ سے نجات دلائے گا۔

لئے کافی ہے مگر یہ سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ میں اسے جھگڑے کا حل کہوں گا۔ یہ اعلان ہندو مسلمان اور سکھ عوام کو یا کسی شخص کو خوش نہیں کر سکتا مگر پھر بھی وقتی طور پر فائدہ مند ضرور ہے۔ چنانچہ ہم اسے اسی طرح ہی محسوس کریں تو زیادہ اچھا ہے۔

منشور کا تبصرہ

مسلم لیگ کے سرکاری آرگن روزنامہ منشور نے اس اسکیم پر اظہار خیال کرتے ہوئے ایک اہم اور نقطہ رس مقالہ تحریر کیا اور بعض اہم ترین مسائل پر روشنی ڈالی۔ منشور اپنے مقالہ افتتاحیہ میں لکھتا ہے:۔

"ہندوستان کے مستقبل کا مسئلہ حل کرنے کے لئے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے جو نئی تجویز پیش کی ہے لوگ اس کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس پر غور کر رہے ہیں اور بظاہر مختلف پارٹیاں اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں پاتیں کہ اسے منظور کر لیں۔

مسلم لیگ نے ہندوستان کی تقسیم کا مطالبہ کیا اور پنجاب، سندھ، بلوچستان کو صوبہ سرحد کو شمال مغرب میں اور بنگال و آسام کو شمال و مشرق میں مسلم اکثریت کے علاقے قرار دیا۔ یہ مسلم اکثریت کے علاقے ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ مشرقی پنجاب اور مغربی بنگال میں ایسے علاقے بھی ہیں جن میں غیر مسلموں کی اکثریت ہے کانگرس نے بالکل انہیں بنیادوں پر پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا مطالبہ کیا ہے جن پر مسلم لیگ نے ہندوستان کی تقسیم کا مطالبہ کیا تھا وائسرائے کا قول یہ ہے کہ جن بنیادوں پر مسلم لیگ نے ہندوستان کی تقسیم کا مطالبہ کیا ہے کانگرس پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا مطالبہ انہی بنیادوں پر کر رہی ہے۔ کانگرس کا دعوےٰ ناقابل تردید ہو گیا ہے۔

ہمارے نزدیک یہ دلیل صحیح نہیں ہے کہ مشرقی پنجاب اور بنگال کی طرح یو۔پی، بہار اور دوسرے ہندو اکثریت کے صوبوں میں مسلمان کسی بڑے رقبہ کے اندر اکثریت نہ سہی

لیکن ان صوبوں میں ان کی مجموعی آبادی اتنی ہے کہ وہ آزاد اور خود مختار حکومتوں کا دعوےٰ کر سکتی ہیں جب مسلم لیگ ہندو اکثریت کے علاقوں میں مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد چھوڑنے کے لئے تیار ہے تو کانگرس کیوں نہیں؟ یہ بھی ایک دلیل ہے جو کانگرس کے دعوے کی تردید میں پیش کی جا سکتی ہے کیا محض اس وجہ سے کہ ہندوؤں کی آبادی مشرقی پنجاب اور مغربی بنگال میں یکجائی ہے اور ہندو اکثریت کے صوبوں میں مسلمان منتشر ہیں؟ تعداد آبادی کے علاوہ چند اور وجوہ بھی ہیں جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ ہندوستان کی زمین وسائل اور دوسری سہولتوں میں مسلمان اپنی دس کروڑ آبادی کا حصہ شمال مغرب اور شمال مشرق میں بطور پاکستان طلب کر رہے ہیں۔ یہ رقبہ اتنا ہونا چاہیئے جس میں اگر مبادلہ آبادی کی ضرورت پیش آئے گی تو تمام ہندوستان کے مسلمان اس میں آباد ہو سکیں گے۔ اقتصادی وسائل کے اعتبار سے مسلمانوں کی قومی حکومت اتنی ہونی چاہیئے کہ دفاع اور تحفظ کے لئے کافی ہو۔ اگر مسلم اکثریت کے علاقوں میں رہنے کے لئے تیار نہیں ہیں تو بآسانی یہ ممکن ہے کہ برضا و رغبت پاکستان اور ہندوستان کے درمیان مبادلہ آبادی ہو جائے اور اس کے ساتھ ہی جائدادوں کا مبادلہ بھی۔ اس صورت میں کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا ہے۔

لیکن مسلم لیگ کا مطالبہ تقسیم ہند اصولاً کامل طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ یہ مسلم لیگ کی اور مسٹر جناح کی قیادت کی عظیم الشان فتح ہے لیکن پنجاب اور بنگال کا کچھ حصہ جا رہا ہے اور آسام میں سے بھی صرف وہی علاقہ ملے گا جس میں مسلمانوں کی اکثریت ہے لہٰذا بظاہر عملاً مسلم لیگ کو ۵۰ فی صد کامیابی ہوئی۔ بڑی کامیابی ہے۔ کانگرس متحدہ ہندوستان اور اس میں ہندو اکثریت کی مرکزی وحدانی حکومت قائم کرنے میں سو فی صد ناکام ہوئی۔

یقیناً ابھی واقعی ہندوستان کی تقسیم عمل میں نہیں آئی ہے اور نہ پنجاب اور بنگال کی اس کا فیصلہ خود پاکستانی صوبوں کی مجالس واضعان قانون کریں گی۔ مگر اس ضابطہ کے مطابق جو وائسرائے کے اعلان میں درج ہے۔

وائسرائے نے اپنی اخباری کانفرنس کی گفتگو میں یہ بات اچھی طرح واضح کر دی ہے کہ کوئی صوبہ جداگانہ طور پر خود مختاری اور آزادی کا اعلان نہیں کر سکتا اور اس پر مسلم لیگ اور کانگرس کا کامل اتفاق ہے، اس سے ڈاکٹر خان صاحب اور عبد الغفار خاں صاحب کا یہ فتنہ ختم ہو جائے گا کہ صوبہ سرحد میں الگ خود مختار اور آزاد پٹھان حکومت قائم ہو۔ اب صوبہ سرحد کو لازماً پاکستان یا ہندوستان یونین میں شریک ہونا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ پاکستان ہی یونین ہیں، بیشک اس مسئلہ پر استصواب رائے عامہ ہوگا کہ صوبہ سرحد پاکستان میں شریک ہو یا ہندوستان میں۔

یہ تاریخی فیصلہ کا وقت ہے اور صوبہ سرحد کے مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کا مستقبل اس پر منحصر ہے۔ مسلم لیگ صوبہ سرحد کو چاہیئے کہ حکمت اور اخلاق کے ساتھ مسلمان اپنے دو ہندوؤں کی اس طرح تنظیم کرے کہ وہ مسلمانوں کی فلاح کو مدنظر رکھ کر پاکستان کے ساتھ الحاق کی تائید میں رائے دیں۔

ملوکِ عرب کی طرف سے خیر مقدم

پاکستان کے قیام پر عربی ممالک کے فرمانرواؤں نے بے اندازہ مسرت کا اظہار کیا سلطان ابن سعود ملک الحجاز نے ایک برقیہ بھیج کر قائد اعظم کی خدمت میں ہدیہ تبریک و تہنیت پیش کیا۔ شاہ فاروق فرمانروائے مصر کے سفیر نے قائد اعظم کی خدمت میں حاضر ہو کر مبارکباد دی۔ حکومت عراق کے قونصل نے بھی قائد اعظم کو اس عظیم الشان اور یادگار کامیابی پر مرحبا کہا۔ شرقِ اردن کے فرمانروا امیر عبد اللہ نے رائٹر کے نامہ نگار کو بیان دیتے ہوئے پاکستان سے اپنے عمیق تعلق خاطر اور بے اندازہ مسرت کا اظہار کیا۔ جمہوریہ انڈونیشیا کی طرف سے بھی قائد اعظم کی خدمت میں پیام مبارکباد پہنچا۔ غرض اسلامی ممالک میں اس کامیابی پر دلی مسرت کا اظہار کیا گیا۔

دیوان ٹراونکور

اس کامیابی کا کھلے دل سے اور صاف الفاظ میں جس ہندوستانی غیر مسلم نے اعتراف کیا وہ ہیں ریاست ٹراونکور کے وزیر اعظم سر سی۔ پی راما سوامی آئر۔ موصوف نے ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کو پاکستان کے قیام پر بیان دیتے ہوئے ۴ جون کو فرمایا:۔

"جس چیز کی توقع تھی وہ ظہور پذیر ہوگئی اور ہندوستانی اتحاد کے لئے گاندھی جی کی اپیل اکارت گئی۔ جمہوری انتظامات کے سلسلے میں کانگرس نے درجہ نو آبادیات کی تحصیل و حمایت کے لئے جو مطالبہ کیا تھا وہ پورا ہوگیا۔

مسٹر جناح کو فتح مبین حاصل ہوئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تفصیلی طور پر انہیں قدرے نقصان اٹھانا پڑا ہے مگر اصولی اور بنیادی طور پر انہیں شاندار فائدہ نصیب ہوا۔"

سہروردی کا حوصلہ افزا بیان

مسٹر حسین شہید سہروردی وزیر اعظم بنگال نے جو متحدہ بنگال کے علمبردار تھے ۳ جون کے پلان پر اظہار خیال کرتے ہوئے اپنی مسرت کا اظہار کیا اور اس طرح ان مخالفین مسلم لیگ کو ساکت کر دیا جو یہ سمجھ رہے تھے کہ مسٹر سہروردی لیگ کے خلاف بغاوت کریں گے اور قائد اعظم کے مقابلہ میں ایک نیا محاذ قائم کریں گے حالانکہ یہ تحریک کانگرس نے ناکام بنائی۔

مسٹر سہروردی نے اپنے بیان میں فرمایا:۔

"اب درد کی شدت ختم ہوگئی۔ متحدہ اور خود مختار بنگال کی پیٹھ پر چھرا بھونک دیا گیا اور اب بنگال عنقریب تقسیم ہو جائے گا۔ مسلم بنگال کو زیادہ غمزدہ ہونے کی ضرورت

نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بنگال اپنے شان دار اور قابلِ رشک اتحاد کو ترجیح دیتا۔ جہاں بنگال کے تمام ذرائع کے ساتھ ہم ایک ایسی خوشحال اور ترقی یافتہ قوم ثابت ہوتے جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی اور قوم نہ کر سکتی مگر ہماری قسمت میں ہی نہیں تھا کہ ہم متحدہ طور پر دنیا میں پیش قدمی کر سکتے۔

اور اب مسلم بنگال کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا پڑے گا اور اسے اس شان سے کھڑا ہونا چاہیئے کہ اسے ہندوستان میں امتیازی درجہ حاصل ہو اور وہ پورے طور پر اپنا بوجھ بلاشرکت غیرے خوش اسلوبی کے ساتھ اٹھا سکے، اور پاکستان کے ایک جزو کی حیثیت سے ہماری غذائی حالت و ذرائع کثیر و وافر ترین ہیں اور جوٹ کی پیداوار کے مدِّنظر ساری دنیا مسلم بنگال کے قدموں میں ہے اور مسلم بنگال کا صنعتی مستقبل اطمینان بخش حد تک محفوظ ہے اور ہم میں اتنی ہمت و جرأت ہے کہ قومی تعمیر کے مختلف و متعدد محکموں کے قیام کے لئے اپنی پوری قوت سے کام لیں اور مسلم صوبوں کی ترقی و اصلاح کے لئے ہمیں باقی تمام خیالات سے بے نیاز ہو کر متحدہ طور پر کام کرنا ہوگا۔

دُنیا مسلمانوں کے عزائم پر دنگ رہ جائے گی

پاکستان کی دستور سازی میں مسلم بنگال کو خاص امتیازی درجہ حاصل ہوگا اور ہم اس قابل ہوں گے کہ دستور سازی کے معاملات کو سرانجام دینے کے لئے مالی امداد کریں۔ پاکستان کی تشکیل اور خوشحالی کا دارومدار ہم پر ہے۔ چنانچہ ان تمام مقاصد کے حصول و تکمیل کے لئے ہمیں اپنی کمر کس لینا چاہیئے۔ ہمیں ہر ایک قربانی کے لئے مستعد ہو جانا چاہیئے۔ ہم کو تعیش اور فضولیات سے بے نیاز ہو جانا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے کہ ہمیں اپنی چند ضروریات سے بے اعتنائی برتنا پڑے اور مجھے یقین ہے کہ مسلم بنگال میں ایک بھی ایسا متنفس نہیں ہے جو ایسی ضروری اور مقدس صعوبات کو لبیک کہنے میں تامل و تردد سے کام لے۔ چنانچہ

ہم اس وقت اپنی قوم اور ملک کے لئے مفید ثابت نہیں ہو سکتے تا وقتیکہ ہم ہر خود غرضی اور نفس پرستی سے بالاتر ہو جائیں اور اپنے ایثار و عزم سے ہم عنقریب ساری دنیا پر یہ ثابت کر دیں کہ مسلمان اگر اپنے راہ کی رکاوٹوں سے گزرنے اور تمام امور پر غور کرنے کا عزم کر لیں تو وہ کیا کچھ نہیں کر سکتے

ہماری پیش قدمی جاری رہے گی

دشمنوں کے پروپیگنڈے کے مطابق اگرچہ ہمارا محبوب پاکستان کتنا ہی مفلوج، کتنا ہی بے وسیلہ اور کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو۔ پھر بھی ہم اسے بصد مسرت خوش آمدید کہیں گے کیونکہ مسلم قوم نے اس کی رُوح کو ہر نجاست سے محفوظ رکھتے ہوئے فتح مبین کی سی شان کے ساتھ اسے حاصل کر لیا ہے اور یہ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ بتدریج فردوس کی سی رنگینیاں، دلچسپیاں، تقدیس اور عظمت حاصل کرتا چلا جائے گا۔ اب مزید عظمت، فارغ البالی اور اقتدار کے لئے مسلمانوں کی اس پیش قدمی میں دنیا کی کوئی رکاوٹ نہیں پیدا ہو سکتی، اور اقوامِ عالم میں اپنا اہم اور قابلِ رشک درجہ حاصل کرنے کے لئے اب ہمیں ہر حق حاصل ہو سکتا ہے۔

اقلیتوں کی حفاظت

حادثات و واقعات کی اس رفتار سے کوئی شخص مسرور نہیں ہو سکتا جنھوں نے بنگالیوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہمیں اپنے قبضہ و اختیار میں ہر ایک چیز کو بروئے کار لا کر اقلیتوں کے اندیشے کو دور کر دینا چاہیئے کیونکہ اقلیتوں کے لئے یہ انتہائی ناممکنات میں سے ہے کہ وہ اپنے اکثریت والے بھائیوں کے دامن میں جائے و پناہ ڈھونڈتے پھریں اور اگرچہ ہندوستان تقسیم ہو گیا ہے مگر ہندوؤں اور مسلمانوں کو پہلے کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ مشترکہ زندگی گزارنا ہے۔

دونوں فریقوں کی مساویانہ ذمہ داری

وقت سے پہلے ہی میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ اخبار نویس ایک مسئلے سے سست گر یہاں ہو رہے ہیں کہ مسلمانوں کی آبادی کے لئے ہندو وزارت کو کون سے ذرائع اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے چنانچہ میں ان سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنے اس رجحان کو خیرباد کہہ دیں کیونکہ مغربی بنگال میں عوام کی بہبودی اور حفاظت کی جو ذمہ داری ہندو وزارت پر عائد ہوتی ہے۔ وہ مساویانہ طور پر مشرقی بنگال میں مسلم وزارت پر بھی اثر انداز ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس معاملہ میں دونوں فریق کامل خلوص، نیک نیتی اور انصاف سے کام لیں گے۔

مغربی بنگال کے مسلمانوں کی امداد

آخر میں مغربی بنگال کے مسلمانوں کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ انہیں اپنے کسی حق سے محروم نہ کیا جائے گا۔ انہیں اس بات کا احساس ہونا چاہیئے کہ مسلم دنیا ان سے اتنی دور نہیں کہ ان کی آواز نہ سن سکے اور جب بھی ضرورت ہوگی تو ہم ان کی امداد کے لئے فوراً حاضر ہوں گے۔

نئے مخالفین

ایک طرف تو مسلم لیگ کے رہنماؤں نے اس اسکیم کو قبول کیا۔ دوسری طرف بعض نئے مخالفین پیدا ہو گئے جنہوں نے پاکستان کے قیام پر مسرت کے بجائے دشمنوں کی آواز میں آواز ملا کر اس کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا لیکن مسلم قوم نے ثابت کر دیا ہے کہ اس کی تنظیم میں کوئی رخنہ نہیں ڈال سکتا۔ یہ مخالفانہ آوازیں صدا بصحرا ثابت ہوئیں اور ملت اسلامیہ کی جمعیت بدستور قائم رہی۔

۳ جون کے بعد

تشریحات، توضیحات، شکایات

۴ جون کو وائسرائے نے پریس کانفرنس منعقد کی جس میں پریس کے نمائندوں کو مخاطب کیا اور ان کے سوالات کے جوابات دیئے۔

ریاستوں کا مسئلہ

وائسرائے نے کہا:-

میں جب یہ کہتا ہوں کہ جون ۱۹۴۸ء سے قبل اسی سال انتقال اختیارات کا کام پورا ہو جائے گا تو اس معاملہ میں صداقت سے کام لیتا ہوں۔ میں مخلص ہوں اور کوئی دھوکہ نہیں دے رہا ہوں۔ جس وقت بھی انگریزوں سے کہا جائے گا وہ ہندوستان چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ وہ اب یہاں محض اس لئے ہیں کہ سیاسی جماعتوں کی مدد کریں۔ ہندوستان کی ریاستیں جداگانہ طریقہ پر مقررات نہیں رہ سکتیں۔ اقتدار اعلیٰ کے خاتمہ کے بعد وہ آزاد ہوں گی کہ چاہیں تو دوسرے انتظامات کر لیں۔ اگر کسی ریاست نے مجھ سے یہ درخواست کی کہ وہ ملک معظم کی حکومت سے جداگانہ طور پر

چاہتی ہے تو میں اس درخواست کو ملک معظم کی حکومت کو بھیج دوں گا مگر ابھی دراصل یہ سوال اٹھا ہی نہیں ہے۔

ملک معظم کی حکومت اور ریاستوں کے مابین کسی گفتگو کا سوال نہیں ہے۔ ہم ان کو اقتدارِ اعلےٰ واپس کرتے ہیں اور اس دوران میں ہم انہیں حکومت ہند یا متعلقہ دستور ساز اسمبلیوں سے رابطہ پیدا کرنے میں مدد دیں گے مگر ملک معظم کی حکومت گفت و شنید کے لئے تیار نہیں ہے ہم اپنی سابقہ تمام ذمہ داریوں کو ترک کر رہے ہیں۔ ہندوستان چھوڑنے کے سلسلے میں ہمیں اس کا خیال رکھنا ہے کہ ہمارا ہر اقدام قانونی ہو۔

ہندوستانی ریاستوں کو خود یہ سمجھنا چاہیئے کہ اُن کا مفاد کس چیز میں ہے میں آئندہ دو تین ماہ تک ورنمائندہ تاج کی حیثیت سے اقتدار اعلےٰ کا مالک ہوں، اس دوران میں میں ان کو دوسری جماعتوں سے معاملات طے کرنے میں پوری مدد دوں گا۔ کل میں نے والیان ملک کے نمائندوں سے ملاقات کی تو اسی ملاقات کے دوران میں نے اُن کو یہ پیش کش کی کہ میں اور پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ دونوں گفتگو آگے بڑھانے میں مدد دینے پر تیار ہیں۔ ریاستوں کو اس کا اختیار ہے کہ وہ چاہیں تو موجودہ دستور ساز اسمبلی میں اور چاہیں تو دوسری دستور ساز اسمبلی میں اپنے نمائندے روانہ کر سکتی ہیں۔ ان کو اس انتخاب کا پورا حق ہے مگر مجھے امید ہے کہ وہ فیصلہ کرتے وقت اپنے جغرافیائی محل وقوع کا پورا لحاظ رکھیں گے۔

وائسرائے سے پوچھا گیا کہ اگر جون ۴۸ء سے قبل کسی والئے ملک اور اس کی رعایا کے مابین آویزش ہوئی تو ملک معظم کی حکومت کا رویہ کیا ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہم اس معینہ تاریخ سے قبل ہی ہندوستان چلے جائیں گے اور امید ہے کہ اگست یا اس کے کچھ بعد ہی ہمیں کشتیوں پر بٹھا کے یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے ریاستیں ترقی کر رہی ہیں اور گزشتہ سال

انہوں نے کافی ترقی کی ہے۔

اسٹیٹ پیپر کا ذکر

وائسرائے نے اسٹیٹ پیپر کے استرداد اور ۳ جون کے پلان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہندوستان آتے ہی مجھے معلوم ہوا کہ ایک سوال جس پر ہندوؤں کی تمام سیاسی جماعتیں، افسران اور خود میں بالکل متفق تھے یہ تھا کہ انتقالِ اختیارات کا کام جلد از جلد کیسے انجام پائے کیونکہ ملک کی بڑھتی ہوئی فرقہ وارانہ کشیدگی کو دور کرنے کا یہی ایک ذریعہ تھا۔ اس لئے میں نے فوراً کام شروع کر دیا اور زیادہ سے زیادہ لوگوں سے ملاقات کر کے بطور پس منظر کے ان کی رائیں معلوم کیں۔ میں متحدہ ہندوستان کے متعلق اپنا نظریہ کل رات تقریر میں پیش کر چکا ہوں۔ میں نے اس کی پوری کوشش کی کہ وزارتی وفد کی اسکیم منظور کر لی جائے مگر مجھے معلوم ہوا کہ اس اسکیم پر تب ہی کامیابی سے عمل کیا جا سکتا ہے کہ جب طرفین خلوص اور خوشدلی سے کام لیں۔ فسادات اور خونریزی کی وجہ سے کشیدگی بڑھ رہی تھی اس لئے وزارتی مشن کی اسکیم کو کامیاب بنانا بہت مشکل تھا۔ وزارتی مشن کا پلان زبردستی نافذ کرنے والی چیز نہیں تھا بلکہ اس کا انحصار تعاون اور خوش دلی پر تھا اب جب کہ یہ معلوم ہوا کہ ایک بڑے فرقہ کے تعاون کے بغیر اسے کامیاب بنانا محال ہے تو مجھے دوسرا راستہ تلاش کرنا پڑا۔ مسلم لیگ کے تمام قائدین نے جن سے میری ملاقات ہوئی مجھ سے یہی کہا کہ وہ تقسیم چاہتے ہیں۔ اب سوال یہ تھا کہ کانگریس وحدت ہند کے اصول کو چھوڑنے پر تیار ہوگی یا نہیں؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ کانگریس اس معاملہ پر کوئی دباؤ نہیں چاہتی اور جو علاقے الگ ہونا چاہیں ان کو علیحدگی کا حق دینے پر تیار ہے مگر اس کے ساتھ ہی کانگریس یہ نہیں چاہتی تھی کہ غیر مسلم اکثریت کے علاقے نئی دستور ساز اسمبلی میں شریک ہوں جب میں نے اس کا

تذکرہ مسٹر جناح سے اور دوسرے لیگی قائدین سے کیا تو وہ اس پر اسی طرح رنجیدہ ہوئے جس طرح کانگرسی لیڈر ہندوستان کی تقسیم پر ہوتے تھے۔ تب مسٹر جناح نے مجھ سے پوچھا کہ کیا یہی اصول بنگال اور پنجاب کے علاوہ دوسرے علاقوں پر بھی نافذ ہوگا؟ اس طرح آسام کی تقسیم کا سوال پیدا ہوا تاکہ سلہٹ اور قریبی مسلم اضلاع بقیہ آسام سے علیحدہ کر لئے جائیں۔

سکھوں کا مسئلہ

سکھوں کے بارے میں کہا:-

کانگرس اور مسلم لیگ کے علاوہ ایک اور جماعت تھی جو تعداد میں تو زیادہ نہیں ہے مگر بڑی اہمیت رکھتی ہے اس سے مشورہ کیا جانا ضروری تھا۔ یہ جماعت سکھوں کی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ سکھوں کی درخواست پر ہی کانگرس نے تقسیم پنجاب کا مطالبہ کیا تھا۔ چنانچہ میں نے سکھوں کی آبادی کا نقشہ طلب کیا اور مجھے یہ معلوم کرکے حیرت ہوئی کہ اس مطالبہ کی وجہ سے سکھ برابر کے دو حصوں میں منقسم ہو جائیں گے۔ مجھے کوئی اور راہ نہیں ملی۔ اس لئے مجھے کانگرس کی اس تجویز پر عمل کرنا پڑا جو سکھوں کی خواہش پر منظور کی گئی تھی۔

مجھے اُمید ہے کہ تمام قائدین سرحد بندی کے کمیشن کا نظام العمل مقرر کر دیں گے اور اس کمیشن میں تمام متفقہ مفادات کی نمائندگی ہوگی۔ جہاں تک ممکن ہوگا کوئی برطانوی افسر اس میں مداخلت نہیں کرے گا۔ یہ آپ کا ملک ہے اور آپ ہی فیصلہ کریں گے کہ یہاں کیا ہونا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل اطمینان شے یہ ہے کہ تمام لیڈر اس پر متفق ہو گئے ہیں کہ آئندہ چاہے جو ہو فرقہ وارانہ فسادات کو ہر قیمت پر روکیں گے میری کابینہ کے ہر رکن نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ فوج کو مزید خونریزی روکنے کے لئے

استعمال کیا جانا چاہیئے اور عبوری حکومت یہ طے کر چکی ہے کہ اب ہم مزید فساد یا تشدد کو برداشت نہ کریں گے۔ اس وقت فساد زدہ علاقوں میں پہلے سے زیادہ فوج موجود ہے اور مرکزی حکومت بدامنی کو روکنے کا متفقہ فیصلہ کرکے اب خود بندوبست کر رہی ہے اس وقت تک ہندوستان میں فوجوں کی تقسیم معمول کی بنیاد پر تھی، مگر اب حکومت نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ کون سے علاقے خطرناک ہیں ان میں فوج جمع کر دی ہے۔

صوبوں کا حق خود ارادیت

اب سوال کیا گیا کہ کیا کوئی صوبہ علیحدہ طور پر آزاد اور خود مختار ہو سکتا ہے؟

اس کا جواب وائسرائے نے یہ دیا۔

میں تمام قائدین کی گفتگو سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وہ ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ کوئی صوبہ ان دونوں اسمبلیوں میں شرکت سے انکار کرے۔ اس لئے کہ کسی کی یہ خواہش نہیں ہے کہ ہندوستان بلقان بن جائے۔

حد بندی

سوال:- آپ نے کل کے نشریہ میں فرمایا تھا کہ اس وقت تقسیم ہونے والے صوبوں کی جو حدیں مقرر کی گئی ہیں وہ سرحد بندی کے کمیشن کے وقت باقی نہیں رہیں گی۔ آخر کیوں؟

وائسرائے:- اس کی وجہ یہ ہے کہ ضلع گورداسپور میں مسلمانوں کی تعداد ٥٠٫٢٤ فی صد اور غیر مسلموں کی تعداد ٤٩٫٧٦ فیصد ہے۔ اس طرح محض ٠٫٨ فیصد کا فرق ہے، ایسی حالت میں سرحد بندی کا کمیشن اس پورے ضلع کو مسلمانوں کے سپرد نہیں کر سکتا، یہی صورت بنگال کے ایک ضلع میں ہے۔ اس لئے اس ضلع میں غیر مسلموں کی تعداد محض معمولی طور پر زیادہ ہے۔ ہم نے اضلاع کو محض اس لئے لیا ہے کہ ان سے اسمبلی کے

ممبران مل سکتے ہیں۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ ان اضلاع کے لوگ یہ سمجھنے لگیں کہ ان کو ایسے علاقہ میں رکھا جائے گا کہ جس میں ان کی آبادی اکثریت میں نہ ہو۔

تبادلۂ آبادی

سوال:۔ کیا آپ کے خیال میں بڑے پیمانہ پر تبادلۂ آبادی ہوگا؟

وائسرائے:۔ ذاتی طور پر میرا یہ خیال نہیں ہے اس میں عملی اور جسمانی مشکلات ہیں، شاید دونوں حکومتیں انتقال آبادی کرائیں۔ تبادلۂ آبادی کے بعض امور فطری طور پر پیدا ہوں گے یعنی وہ لوگ جنہوں نے حال ہی میں اپنے وطن چھوڑے ہیں پھر اپنے اپنے مقام پر چلے جائیں گے۔ بہرحال اس مسئلہ کا فیصلہ خود بڑی جماعتیں اور حکام کر سکتے ہیں۔ ملک معظم کی حکومت جائیداد غیر منقولہ کی بنیاد پر تقسیم کو ہرگز منظور نہ کرے گی۔ اس سوال کو بھی خود ہندوستانی طے کر سکتے ہیں۔ بنگال اور پنجاب کے گورنروں کو ہدایت کی جا چکی ہے کہ وہ فوری کام شروع کر دیں اور یہ کام جلد از جلد ہوگا۔ انتظامی امور کا تصفیہ منقسم شدہ علاقوں کی مجالس قانون ساز گورنروں کے مشورہ کریں گی۔ میرے خیال میں بہتر یہی ہوگا کہ دونوں صوبوں میں مخلوط وزارتیں نہیں۔

صوبۂ سرحد کا مسئلہ

وائسرائے نے کہا:۔

صوبہ سرحد میں استصواب رائے عامہ کا طریقہ اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ وہاں اقلیتوں کو دوسرے صوبہ کے مقابلہ میں بہت زیادہ پاسنگ حاصل ہے، وہاں اقلیت کی آبادی ۵ فیصد ہے مگر ۵۰ میں سے بیس نشستیں اقلیتوں کو حاصل ہیں۔ جب میری توجہ اس مسئلہ کی طرف مبذول کرائی گئی کہ صوبہ سرحد میں آزاد پٹھان

ریاست قائم کی جائے تو پھر سوال پیدا ہوا کہ آیا صوبوں کو یہ حق بھی دیا جائے کہ وہ اپنی آزادی کا اعلان کر دیں یا ان کو محض یہ حق حاصل ہو کہ وہ دو میں سے کسی ایک دستور ساز اسمبلی میں اس پر تمام قائدین نے یہ کہا کہ وہ ہندوستان کو بلقان نہیں بنانا چاہتے۔ اس لئے ہر صوبہ کو کسی ایک دستور ساز اسمبلی میں شریک ہونا چاہیئے۔

سوال:۔ کیا کانگرس نے صوبہ سرحد کے لوگوں کے لئے ایک جداگانہ آزاد ریاست کی تائید نہیں کی ہے۔

وائسرائے:۔ اگر ہم ایک جماعت کی ہر بات مان لیا کریں تو پھر مفاہمت کیسے ہوگی؟

سوال:۔ کیا صوبہ سرحد کے لوگوں کو یہ آزادی جائے گی کہ وہ یہ طے کریں کہ وہ کس سوال پر استصواب رائے چاہتے ہیں؟

وائسرائے:۔ اگر دونوں جماعتوں کے ہائی کمان اس پر رضا مند ہو جائیں کہ صوبہ سرحد کے لوگ اپنی مکمل آزادی کے مسئلہ پر رائے دیں تو میں اسے مان لوں گا۔ اگر صرف ایک جماعت نے اسے مانا تو پھر ہم اس چیز پر قائم رہیں گے جس پر ہم ابتدا میں متفق ہو چکے ہیں میں ان برطانوی افسروں کو استصواب رائے کے زمانے میں صوبہ سرحد کو روانہ کروں گا جو پشتو جانتے ہیں۔ مگر جنہوں نے کبھی سیاست میں حصہ نہیں لیا۔ میں ایسے غیر جانبدار آدمی کو تلاش کر رہا ہوں جس کی نگرانی میں استصواب رائے آزادانہ طریقہ پر ہو سکے۔

سکھوں کا اضطراب

۳ جون کا پلان سردار بلدیو سنگھ نے منظور تو کر لیا لیکن عام طور پر سکھوں نے اسے اپنے لئے تباہ کن سمجھا اور محسوس کر لیا کہ تقسیم پنجاب کا مطالبہ کر کے انہوں نے کتنی بڑی غلطی کی تھی۔

تارا سنگھ کا بیان

چنانچہ سکھوں کے مشہور رہنما ماسٹر تارا سنگھ نے سکھوں کے تاثرات اور جذبات خطرات اور توہمات کی ترجمانی ان الفاظ میں کی ہے :-

۳ جون کے برطانوی اعلان کے فرقہ وارانہ فیصلہ کے ماتحت سکھ غلامی یا ہمیشہ کے لئے ختم ہو جانے کے خطرات سے دوچار ہیں مسلمانوں نے پاکستان حاصل کر لیا جو ہندوستان میں ان کی آبادی کے تناسب سے بدرجہا زیادہ حصہ ہے اور اس کے بعد ہندو سارے ہندوستان پر قابض ہو گئے ہیں۔

مگر جہاں تک سکھوں کا تعلق ہے وہ انتہائی خطرے میں پڑ گئے ہیں کیونکہ تقسیم پنجاب کی وجہ سے ان کی قوم بھی دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے اور چند حلقوں میں تو ابھی سے اس قسم کی دھمکیاں سننے میں آرہی ہیں کہ سکھوں کو موجودہ وقت پر دستور ساز اسمبلی میں جو نمائندگی یا اقتدار حاصل ہے وہ تقسیم پنجاب کے بعد اس سے بھی محروم ہو جائیں گے مسلمان اپنے اقتدار یا نمائندگی کے لئے پاکستان کا نام لیتے اور حوالہ دیتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے جس چیز کا مطالبہ کیا تھا وہ اس کے حصول میں سو فیصد کامیاب ہوئے ہیں مگر سکھوں کی پوزیشن بہ نسبت موجودہ دستور ساز اسمبلی کے اور زیادہ مخدوش اور تشویشناک ہو جائے گی۔ شاید انہیں اسمبلی کی اس نمائندگی پر استحقاق سے بھی محروم ہونا پڑے اور اس کے علاوہ چونکہ دونوں علاقوں کی دستور سازی میں انہیں کوئی نمایاں حصہ یا نمائندگی نہیں دی گئی لہٰذا یہ بھی احتمال ہے کہ ان کی سیاسی قوت ختم ہو جائے۔

غیروں کے رحم کی نذر

سکھ قوم کے ہاتھ اور پیر باندھ کر دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس نقصان عظیم کے معاوضہ میں سکھوں کو کیا فائدہ حاصل ہوا ہے اس کے جواب میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ سکھ قوم کا ایک حصہ پاکستان سے محفوظ کر دیا گیا ہے مگر یہ فائدہ بھی تو کوئی اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ یہ معمولی سا فائدہ سکھوں کی اس قوم کی تسلی نہیں کر سکتا جو سب کی سب خطرے میں گھر چکی ہے۔

آخری اُمید

مگر اس کے باوجود اب میری آخری اُمید یہ ہے کہ اب بھی سب کچھ ہاتھ سے نہیں گیا ہے۔ اگر ہم کوشش کریں تو حد بندی کا کمیشن ہماری وحدت کو برقرار رکھ سکتا ہے مگر اب حالات اس حد تک نازک ُ خطرناک صورت اختیار کر چکے ہیں کہ صرف اسی اُمید پر ہم خاموش و مطمئن اور خوش فہمی میں مبتلا آرام سے نہیں بیٹھ سکتے کیونکہ ہماری تباہی و بربادی کے فیصلہ پر عنقریب مہر ثبت ہونے والی ہے جس کے بعد ہم کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔

لیکن یہ احساس سکھوں کو اس قدر بعد از وقت ہوا کہ اب نہ ان کے لئے قرار ممکن تھا نہ فرار۔

ہوئے ہیں پاؤں پہلے ہی نبرد عشق میں زخمی !
نہ ٹھہرا جائے مجھ سے نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے

ضمیمہ نمبر ۱

ہندوستان کی سیاسی تحریکوں کی تاریخ

وقت کے رجحان، مصلحت اور ضرورت کی تخلیق

قبل اس کے کہ ہماری مجلس برخاست ہو چند ضمیموں کا اضافہ ناگزیر ہے تاکہ اس کتاب کے پڑھنے والے قیام مسلم لیگ کے مؤثرات و محرکات، ہندوستان کی اکثریت کی ذہنیت و جبلت اور عہد بہ عہد کے سیاسی و مذہبی مناقشات اور اس کتاب کے اصل موضوع کے پس منظر سے ضروری واقفیت حاصل کر سکیں اس کے بغیر یقیناً یہ کتاب نامکمل اور تشنہ رہے گی۔

ہندوستان کی سب سے پہلی سیاسی انجمن

۱۸۵۱ء میں ہندوستان کے اندر سب سے پہلی سیاسی انجمن قائم ہوئی جس کا نام "برٹش انڈین ایسوسی ایشن"

یہ انجمن ایسے زمانہ میں قائم ہوئی تھی جو ہندوستان کے سیاسی بچپن کا زمانہ تھا اس لئے چند معمولی کاغذی کارروائیوں کے حدود سے یہ آگے نہ بڑھ سکی۔

اس انجمن کے قیام کے چند سال بعد چند مذہبی، نیم مذہبی اور سیاسی انجمنیں

قائم ہوئیں جن کے نام یہ ہیں:-

(۱) برہمو سماج ——— بنگال میں (۲) پرارتھنا سماج ——— مہاراشٹر میں
(۳) آریہ سماج ——— پنجاب میں (۴) تھیاسوفیکل سوسائٹی ——— مدراس میں

کم و بیش یہ انجمنیں ایک ہی وقت اور ایک ہی زمانہ میں قائم ہوئیں۔ ان کے بانی گورو نانک (بانی سکھ دھرم) کی طرح اسلام سے اس کی تعلیمات سے اس کی عالمگیر برادری سے اس کی سماجی اور معاشرتی بلندی سے۔ اس کی مساوات انسانی و طبقاتی سے پوری طرح متاثر تھے لیکن انہوں نے اسلام نہیں قبول کیا۔ اسلام کا بنیادی مسئلہ توحید ہے۔ ان تمام انجمنوں نے بھی بت پرستی کے خلاف اپنے اپنے حدود میں جہاد کیا اور توحید الٰہی پر زور دیا عورتوں کے حقوق میں بھی اسلام کی دیکھا دیکھی انہوں نے کچھ ترمیمیں کیں اور ان کا وجود تسلیم کرنے کی کوشش کی۔ یہ عجیب بات ہے کہ اسلام سے اپنے بنیادی نظریات مستعار لینے کے باوجود اسلام کے خلاف جتنی سرگرم معاندانہ کوششیں انہوں نے جاری رکھیں سناتن دھرم اور جین مت کے پیروؤں نے نہیں کیں۔ برہمو سماج کے بانی راجہ موہن رائے تو گورو نانک کی طرح تقریباً مسلمان تھے لیکن ان کے جانشینوں نے یہ رنگ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہنے دیا۔

چند اور انجمنیں

۱۸۷۶ء میں یا اس کے قرب میں چند اور اہم انجمنیں قائم ہوئیں جن کے نام حسب ذیل ہیں

(۱) مہاجن سبھا ——— مدراس میں (۲) سروجانک سبھا ——— پونہ میں
(۳) انڈین ایسوسی ایشن ——— بنگال میں (۴) بمبئی ایسوسی ایشن ——— بمبئی میں

سروجانک سبھا تلک کی پیداوار تھی۔ انڈین ایسوسی ایشن سر سریندر ناتھ بنرجی کی قوت عمل کا مظہر تھی، بمبئی ایسوسی ایشن کے بانیوں میں دادا بھائی نوروزجی تھے

ان سب انجمنوں میں ہندو ہی تھے۔ ان سب کا مقصد پراچین ہندوستان کا احیاء اور مسلم اقتدار کا خاتمہ تھا۔

آل انڈیا یونین اور آل انڈیا کانگریس

۷ دسمبر ۱۸۸۵ء کو آل انڈیا یونین کی تشکیل ہندو سیاستدانوں کی شرکت سے ہوئی۔ یہی انجمن ایک سال بعد ۱۸۸۶ء میں آل انڈیا کانگریس بن گئی جسے ایک انگریز مسٹر ہیوم نے قائم کیا تھا۔

انجمن مخالف ذبیحہ گاؤ اور ڈیفنس ایسوسی ایشن

۱۸۹۳ء میں مسٹر بال گنگادھر تلک نے ایک انجمن مخالف ذبیحہ گاؤ قائم کی۔ مسٹر تلک جتنے کٹر اور پکے دشمن انگریزوں کے تھے اتنے ہی مسلمانوں کے بھی تھے اسی سال موصوف نے ہندوؤں میں تقاریب محرم کا مقابلہ ایک نیا تہوار گنپتی رائج کیا اور مسجدوں کے سامنے باجہ بجانے کے خلاف حکومت نے جو پابندیاں عائد کر رکھی تھیں ان کے خلاف سخت و شدید ایجی ٹیشن شروع کیا۔ اپنی ان حرکتوں کے باعث وہ ہندوؤں میں بہت مقبول ہوئے اور ہندو قوم کے شاہِ بے تاج بن گئے۔ مسٹر تلک کے دونوں اخبارات ـــــ مرہٹہ (انگریزی) کیسری (مرہٹی) مسلمانوں اور انگریزوں کے خلاف یکساں شدت سے پروپیگنڈے کے لئے وقف تھے۔

اسی سال جسٹس محمود نے علی گڑھ میں ڈیفنس ایسوسی ایشن قائم کی۔

وہ تلک کی اور دوسرے ہندوؤں کی مخالف اسلام و مسلمانان تحریک سے خائف ہو چکے تھے۔ اس انجمن کے سامنے انہوں نے مخلوط انتخاب کے خلاف ایک مدلّل اور مبرہن یادداشت پیش کی۔ گویا قومی انفرادیت کی مسلمانوں میں یہ پہلی لہر تھی۔

سیواجی فسٹویول

۱۸۹۵ء میں مسٹر تلک نے ایک دوسری تحریک شروع کی جس کا نام تھا "سیواجی فسٹویول"، اس انجمن کا مقصد یہ تھا کہ تمام مرہٹہ ہیروؤں کو یاد رکھا جائے اور ان کے کارناموں کو تازہ رکھا جائے۔ اس مقصد کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے خلاف زہر اُگلا جاتے۔

رائے گڑھ میں ایک تقریر کرتے ہوئے مسٹر تلک نے سیواجی اور افضل خاں کا تذکرہ کیا اور فرمایا:۔

افضل خاں کے حادثہ قتل پر تحقیق و تدقیق بیکار ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں سیواجی نے پہلے سے خاکہ تیار کر کے اپنے پروگرام کے مطابق دھوکہ سے افضل خاں کو قتل کر دیا۔ کیا افضل خاں کو قتل کر کے سیواجی نے کوئی گناہ کیا تھا؟ اس سوال کا جواب مہابھارت کے واقعات سے مل سکتا ہے۔ کرشن جی نے گیتا میں تلقین کی ہے کہ ہمیں (اگر ضرورت ہو تو) اپنے استادوں اور عزیزوں کے قتل میں بھی تامل نہ کرنا چاہئے اور ہم پر ان قاتلانہ اقدامات کے سلسلہ میں کوئی الزام عائد نہ ہوگا۔ اگر ہم ذاتی اغراض کے ماتحت یہ نہ کریں (بلکہ قومی اغراض کے ماتحت کریں) سیواجی نے غیر ملکیوں کو اپنی مادرِ وطن سے نکالنا چاہا۔ یہ کوئی جرم نہیں ہے اور اس سلسلہ میں جو کچھ بھی کیا وہ گناہ نہیں تھا!

ان کارناموں نے مسٹر تلک کو ہندوؤں میں اتنا مقبول اور ہر دلعزیز بنا دیا کہ وہ ہندو قوم کے ہیرو بن گئے۔ چنانچہ ۱۸۹۶ء میں انہیں "لوکمانیہ" کا خطاب ملا جس کے معنی ہیں محبوبِ قوم۔

مسلم لیگ کا قیام

۱۹۰۶ء میں بمقام ڈھاکہ مسلم لیگ قائم ہوئی۔ اس کے بانیوں میں نواب سلیم اللہ خاں۔

نواب وقار الملک اور مولانا محمد علی وغیرہ تھے۔

ہوم رول لیگ اور سُوراج لیگ

۱۹۱۷ء میں ہوم رول لیگ قائم ہوئی اس کا مقصد ہندوستان کے لئے حکومت خود اختیاری کا حصول تھا۔ اس نام کی دو انجمنیں تھیں۔ ایک مسز بسنٹ نے قائم کی تھی اور دوسری مسٹر تلک نے۔ بعد میں گاندھی جی نے بھی اس میں شرکت کر لی اور اس کا نام ہوم رول لیگ کے بجائے سوراج لیگ ہو گیا۔ اب اس کے ناخدا گاندھی جی تھے جن لوگوں نے نام بدلنے کی مخالفت کی ان سے بھرے مجمع اور کھلے جلسہ میں گاندھی جی نے کہا وہ مستعفی ہو سکتے ہیں۔

مجلس خلافت اور جمعیتہ علماء

۱۹۱۹ء میں مجلس خلافت علی برادران کے جوش عمل نے قائم کی۔ اسی سال خلافت کے سرمایہ سے مولانا عبد الباری فرنگی محلی اور مولانا ابو الکلام آزاد وغیرہ کی زیر قیادت جمعیتہ العلماء قائم ہوئی۔

مہاسبھا کی تشکیل

سوامی شردھانند رولٹ ایکٹ کے سلسلہ میں گرفتار ہوئے تھے۔ اپنی مدت اسیری ختم ہونے سے پہلے وہ رہا کر دیئے گئے اور ۱۹۲۲ء میں انہوں نے آل انڈیا ہندو مہاسبھا کی بنیاد رکھی۔ کانگرس نے اس کے سامنے سپر ڈال دی اور اس نے وسیع پیمانہ پر شدھی (تبلیغ) اور سنگھٹن (تنظیم) کا کام مسلمانوں کے خلاف شروع کر دیا۔

انڈین یونین

۱۹۲۷ء میں پنڈت موتی لال نہرو اور مولانا ابو الکلام آزاد آمر بالمعروف و نہی عن المنکر

نے ایک انجمن "انڈین یونین" کے نام سے بنائی جس کی ممبری کی پہلی شرط یہ تھی کہ اس کا ممبر کوئی ایسا شخص نہیں ہو سکتا جو کسی مذہبی یا فرقہ وارانہ انجمن کا ممبر ہو۔ مولانا نے مجلس خلافت سے علیحدگی اختیار کر لی۔

چند اور انجمنیں

۱۹۲۹ء میں چند نئی انجمنیں عالم وجود میں آئیں۔

مجلس احرار ———— لاہور میں

خدائی خدمتگار ———— پشاور میں

جمعیتہ علماء ———— کانپور میں

مسلم نیشنلسٹ پارٹی ———— لکھنؤ میں

مجلس احرار کا قیام بقول پنڈت جواہر لال نہرو اس لئے عمل میں آیا کہ اس مجلس کے بانیوں میں سے ایک کو کانگرس کی مجلس عاملہ میں نہیں لیا گیا۔

خدائی خدمتگار کے روح رواں خان عبد الغفار خاں اور ڈاکٹر خان صاحب تھے۔ نہوں نے یہ دیکھ کر کہ علی برادران خلافت سے قطع تعلق کر چکے ہیں موقع اچھا ہے کانگرس یں شرکت کر لی لیکن علی برادران کی جگہ نہ حاصل کر سکے۔

ہلی کی جمعیتہ علماء نے کانگرس نوازی کا جو سلسلہ سلم آزادی کی حد تک شروع کیا تھا ت سے علمائے کرام نے اس کا جواب ایک نئی جمعیتہ علماء قائم کر کے دیا۔

مسلم نیشنلسٹ پارٹی، مجلس خلافت اور مولانا شوکت علی کے مقابلہ میں قائم کی گئی تھی۔ ں کے صدر مولانا ابو الکلام آزاد، سیکرٹری مسٹر تصدق احمد خان شروانی اور خزانچی ڈاکٹر عماری تھے۔

مُسلم کانفرنس اور تحریکِ خاکسار

سنہ ۱۹۳ء میں مسلم کانفرنس سر آغا خاں کی صدارت میں قائم ہوئی۔ مسلم لیگ کمزور ہو چکی تھی۔ اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے تھے۔ اس انجمن نے اس کی جگہ لے لی۔

اسی سال مسٹر مشرقی نے تحریکِ خاکسار کی بنیاد ڈالی اور ہر خاکسار کے لئے یہ لازم قرار دیا کہ جب وہ کسی انگریز کو دیکھے تو اپنی خاکساری کا مظاہرہ اسے سلامی دے کر کرے۔

مُسلم یونیٹی بورڈ

سنہ ۱۹۳۲ء میں مولانا شوکت علی مرحوم و مغفور نے نواب اسمٰعیل خاں وغیرہ کے اشتراک عمل سے "مسلم یونٹی بورڈ" قائم کیا۔

سنہ ۱۹۳۴ء میں مولانا شوکت علی اور سید مرتضےٰ بہادر وغیرہ اسی جماعت کے ٹکٹ پر مرکزی اسمبلی کے ممبر ہوتے تھے۔

سنہ ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کا احیاء ہوا اور پھر کوئی انجمن مسلمانوں کے اس ملی مرکز کے سامنے نہ ٹھہر سکی۔

یہ آل انڈیا انجمنوں کا ذکر تھا اسی لئے صوبائی انجمنوں کو نظر انداز کر دیا گیا۔

○

ضمیمہ نمبر ۲

تاریخ اصلاحات سیاسی

○

ہندوستان میں وقتاً فوقتاً جو سیاسی اصلاحات نافذ ہوئیں ذیل میں اُن کی مختصر تفصیل درج کی جاتی ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ اب تک ہندوستان میں کس کس قسم کے سیاسی تغیرات ہو چکے ہیں۔

سنہ ۱۸۶۱ء

اسی سال مرکز اور صوبوں میں مجالس قانون ساز کا قیام عمل میں آیا۔ تمام ممبر حکومت نامزد کرتی تھی۔ تمام عہدے سرکاری ممبران کے ہاتھ میں تھے۔

سنہ ۱۸۸۱ء

لارڈ رپن وائسرائے ہند نے حکومت برطانیہ کے مشورہ سے ہندوستان کے شہروں میں بلدیاتی نظام قائم کیا اور کسی حد تک اس میں نمائندہ عناصر کی جگہ نکالی۔

سنہ ۱۸۹۲ء

پارلیمنٹ نے ایک مسودہ قانون منظور کیا جس کی رو سے مرکزی اور صوبائی کونسلوں

ہیں ممبروں کی تعداد بڑھادی گئی لیکن نامزدگی قائم رہی البتہ اب نامزدگی ذرا اصول کے ماتحت ہوگئی یعنی بلدیات، یونیورسٹیز۔ ایوان تجارت۔ زمیندار طبقہ اور دوسرے مفادات کے نمائیندوں کو بھی نامزد کیا جانے لگا۔

سنہ ۱۹۰۹ء

اسی سال "منٹو مارلے اصلاحات" کا نفاذ ... اصلاحات کی رو سے نامزد ممبروں کے ساتھ منتخب ممبروں کا بھی اضافہ ... تک حکومت کے حکام کے ہاتھ میں تھے۔

سنہ ۱۹۲۱ء

اسی سال "مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات" کا نفاذ ہوا اور صیغہ جات منتقلہ وغیر منتقلہ کی تخصیص کے ساتھ صوبوں میں اور مرکز میں وزارتوں کا قیام عمل میں آیا یعنی کچھ صیغے مثلاً پولیس وغیرہ سرکاری حکام کے ہاتھ میں رہے۔ یہ وزراء گورنر کے سامنے جواب دہ تھے۔ صوبوں کی کونسلوں کے سامنے جواب دِہ نہیں تھے۔

سنہ ۱۹۳۵ء

پارلیمنٹ نے انڈیا ایکٹ منظور کیا۔ فیڈریشن کا قیام ملتوی رہا اور صوبوں کو نام نہاد "آزادی" دے دی گئی۔ اب حکومت کے تمام صیغہ جات منتقلہ قرار دے گئے اور منتخب نمائندوں کو وزارت بنانے کا حق دیا گیا۔ یہ وزیر صوبائی اسمبلیوں کے سامنے جواب دہ قرار پائے۔

ضمیمہ نمبر ۳

ہندو مسلم مساوات اور کانگریس

ایک بے انتہا اہم اور معرکہ آرا دستاویز

ہندو مسلم مساوات کے اصول پر بحث ناتمام رہے گی۔ اگر سی۔ پی کے سابق کانگریسی وزیر اعظم ڈاکٹر کھارے کا حسب ذیل بیان پیش نظر نہ رہے جو انہوں نے مسٹر ڈیسائی کی وفات سے ایک دن پہلے یعنی ۱۹ مئی سنہ ۴۶ء کو "ترنا بھارت" کو دیا تھا۔

ڈاکٹر کھارے نے کہا کہ جن دنوں مسٹر ڈیسائی آزاد ہند فوج کے مقدمہ کی پیروی کر رہے تھے۔ میری ان سے ۱۹ اور ۲۰ دسمبر سنہ ۱۹۴۵ء کو آزاد ہند فوج کے سپاہیوں کے ڈیفنس کے سلسلے میں ملاقات ہوئی۔ سرکاری کام کے بعد مسٹر ڈیسائی نے مجھ سے پوچھا کہ تمہاری گاندھی جی سے کیا بات چیت ہوئی۔ میں نے جواب دیا کہ میں نے گاندھی جی سے صاف کہہ دیا کہ جب تک کانگریس ورکنگ کمیٹی میرے برخلاف ریزولیوشن واپس نہیں لیتی۔ غلطی کے لئے اظہار افسوس نہیں کرتی۔ میرا کانگریس میں شامل ہونے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ گاندھی جی نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ اگر کانگریس ورکنگ کمیٹی یہ اعلان کر دے کہ اس نے میری آزمائش میں غلطی کی ہے تو پھر میں دوبارہ شامل ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کر سکتا ہوں۔ اس پر مسٹر ڈیسائی نے کہا کہ کانگریس ہائی کمان نے مجھ سے بھی ایسی ہی ناانصافی کی

جیسی تمہارے ساتھ جنوری ۱۹۴۵ء میں میں نے نواب زادہ سے ایک پیکٹ کیا جسے گاندھی جی کی منظوری حاصل تھی۔ اس معاہدے کے نتیجے کے طور پر لارڈ ویول انگلینڈ گئے، کانگرس ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہا ہوئے اور شملہ کانفرنس ہوئی۔ مجھے یہ قدرتاً توقع تھی کہ شملہ بات چیت میں مجھے موقع دیا جائے گا لیکن کانگرس ورکنگ کمیٹی کے پہلے اجلاس ہی میں سردار پٹیل اور پنڈت نہرو نے میرے فعل پر سخت نفرت ظاہر کی اور مجھ پر الزام لگایا کہ میں نے کانگرس کی کمر میں چھرا گھونپا ہے۔ مجھے اس بات پر بڑا صدمہ پہنچا اور میں یہ بات گاندھی جی کے نوٹس میں لایا۔ گاندھی جی نے کہا کہ ورکنگ کمیٹی کے ممبر تمہیں پسند نہیں کرتے تمہیں ضد نہیں کرنی چاہیئے۔ آج ورکنگ کمیٹی ہی قوم ہے۔ میں نے جواب دیا ورکنگ کمیٹی کو رہا کرانے والا ہوں۔ مرکزی اسمبلی کی کانگرس پارٹی کا لیڈر ہوں۔ اور لارڈ ویول ممکن ہے مجھے کیبنٹ میں جگہ دے دیں۔ تب گاندھی جی نے کہا مجھے تم سے ڈر لگتا ہے۔ تمہیں وائسرائے کی کونسل میں شریک نہیں ہونا چاہیئے۔ تم مجھے لکھ کے دو کہ تم اس عہدہ کے قابل نہیں ہو۔

اس پر مجھے تمہارا (ڈاکٹر کھارے کا) قصہ یاد آگیا اور میں نے گاندھی جی سے کہا کہ آپ نے ایک مرتبہ ڈاکٹر کھارے سے بھی ناانصافی کی تھی۔ میں ایسی کوئی تحریر آپ کو دینے کو تیار نہیں اور نہ آپ یہ جانیں کہ میں کبھی ایسی تجویز منظور کروں گا۔

مسٹر ڈیسائی نے مسٹر کھارے سے کہا کہ اس لئے میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ تم کانگرس میں ہرگز شامل نہ ہونا۔ جب میں نے مسٹر ڈیسائی سے پوچھا کہ آپ نے یہ بات پبلک میں کیوں نہیں رکھی تو انہوں نے کہا کہ گالیاں دینا میرا شیوہ نہیں ہے۔ ڈاکٹر کھارے نے آخر میں کہا کہ مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی کو اسی صدمہ سے اعصابی تکلیف ہوئی اور اسی صدمہ سے ان کی موت ہوئی۔

ضمیمہ نمبر ۵

تقسیم شدہ پنجاب!

مسلم پنجاب

کل آبادی = ایک کروڑ ۷۵ لاکھ
مسلمان = ایک کروڑ ۲۰ لاکھ
ہندو = ۳۰ لاکھ
سکھ = ۱۷½ لاکھ

ہندو پنجاب

کل آبادی = ایک کروڑ ۲۰ لاکھ
ہندو = ۶۰ لاکھ
مسلمان = ۴۰ لاکھ
سکھ = ۲۰ لاکھ

ضمیمہ نمبر ۶

تقسیم شدہ بنگال

مسلم بنگال معہ سلہٹ

کل آبادی =	چار کروڑ ۷۵ لاکھ
مسلمان =	۳ کروڑ ۲۵ لاکھ
ہندو =	۱ کروڑ ۵۰ لاکھ

ہندو بنگال

کل آبادی =	۲ کروڑ
مسلمان =	۴۰ لاکھ
ہندو =	۱ کروڑ ۶۰ لاکھ

تتمہ

قیامِ پاکستان

اور آخر کار وہ منزل جو بہت سے رہنماؤں اور لیڈروں کو دُور نظر آ رہی تھی نظر کے سامنے آ گئی۔ دہلی سے پاکستانی سیکرٹریٹ کے قافلے اللہ اکبر کے نعروں کی گونج میں کراچی روانہ ہونے لگے۔ اطراف و اکناف ہند سے خلقت کراچی کی طرف ٹوٹ پڑی۔

پاکستان کا گورنر جنرل

چونکہ ۱۵ اگست کو ہندوستان اور پاکستان کو درجہ نوآبادیات حاصل ہو رہا تھا اس لئے ان دونوں نوآبادیوں کو حق دیا گیا کہ اپنے اپنے گورنر جنرل منتخب کریں تاکہ رسمی منظوری ملک معظم سے حاصل کی جا سکے۔

ہندوستان نے متفقہ طور پر لارڈ لوئی ماؤنٹ بیٹن کو اپنا گورنر جنرل بنانا منظور کیا اور پاکستان کی نگاہِ انتخاب قائداعظم پر پڑی۔

بجلی پھر کڑک اٹھی! مگر انتخاب کی!

یہ آخری شہ کار تھا حریت مآب کانگریس اور انگریز پرست مسلم لیگ کا!

الوداعی پیغام

قائداعظم کی خدمت میں ہر طرف سے اس نئے اعزاز پر اور قیام پاکستان پر مبارکباد اور تہنیت کے پیام آنے لگے۔ صدر ٹرومین سے لے کر عصمت انونو تک سب نے اپنی بے انتہا مسرت کا اس موقع پر اظہار کیا۔

۷ اگست کو قائداعظم دہلی سے کراچی کے لئے روانہ ہوئے۔ وداعی بیان دیتے ہوئے فرمایا میں دہلی کے باشندوں کو الوداع کہتا ہوں جہاں ہر فرقہ سے تعلق رکھنے والے میرے بہت سے دوست تھے۔ اب ہمیں ماضی کو دفن کر دینا چاہیئے اور کوشش کرنی چاہیئے کہ ہندوستان اور پاکستان دو آزاد حکومتوں کی طرح اپنی زندگی کا نیا دور شروع کر سکیں۔

عظیم الشّان استقبال

قائداعظم شام کو ۵ بجے کراچی پہنچ گئے۔ ہوائی اڈے کے دروازوں پر پولیس کا سخت پہرہ تھا تاکہ لوگ جو ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں جمع تھے، ہوائی اڈے کے اندر نہ آسکیں لیکن قائداعظم کا جہاز اترتے ہی لوگوں نے ایسے ریلے کئے کہ پولیس کے کئی حلقے اور مسلم لیگ کے رضاکاروں کی صفیں ٹوٹ گئیں اور لوگ ہوائی اڈے کے اندر داخل ہونے اور قائداعظم کو دیکھنے میں کامیاب ہو گئے۔

جب ہوائی اڈے پر استقبال ہو چکا اور قائداعظم کی موٹر گورنمنٹ ہاؤس کی طرف روانہ ہوئی تو اس کے پیچھے بلا مبالغہ ایک ہزار کے قریب موٹریں تھیں جن میں کاریں بھی تھیں اور لاریاں بھی اور ٹرک بھی۔ ان کو خوب سجایا گیا تھا اور آدمیوں سے بھری ہوئی تھیں۔ راستوں کو بھی سجایا گیا تھا۔ یہ جلوس کم سے کم تین میل لمبا تھا اور اس نے ۱۵ میل

کا راستہ ہوائی اڈے سے گورنمنٹ ہاؤس تک طے کیا۔ تمام راستے میں دونوں طرف بے حساب لوگ جمع تھے اور پر جوش نعرے لگا رہے تھے مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں نے بھی استقبال اور جلوس میں حصہ لیا۔

شہر کے تمام راستے سجے ہوئے تھے دوکانیں آراستہ تھیں۔ گھروں کی آرائش کی گئی تھی کہ ادھر سے پاکستان کا بانی اور معمار گزرے گا۔

سمندر کی لہروں پر کوہ پیکر جہاز رقص کر رہے تھے کہ اپنے معزز مہمان کو خوش آمدید کہیں۔ مشتاقان دیدار کا ہر طرف ہجوم تھا۔ معلوم ہوتا تھا ساری خلقت امنڈ پڑی ہے اپنے محبوب قائداعظم اور زعیم کے دیدار کے لئے۔

دستور ساز اسمبلی

۱۱ اگست کو کراچی میں پاکستان دستور ساز اسمبلی کا جلسہ مسٹر جوگیندر ناتھ منڈل کی عارضی صدارت میں ہوا۔ ایوان نے مستقل صدارت کے لئے قائداعظم کا اسم گرامی منظور کیا۔

اس موقع پر قائداعظم کی خدمت میں خراج عقیدت و عظمت تمام پارٹیوں کی طرف سے پیش کیا گیا کانگرس پارٹی کے لیڈر مسٹر کرن شنکر رائے نے کہا:۔

میں کانگرس پارٹی کی طرف سے آپ کو دستور ساز اسمبلی کا صدر منتخب ہونے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ آپ نے زندگی کے مختلف شعبوں میں زبردست کامیابی حاصل کی ہے پاکستان کا خواب آپ ہی نے دیکھا تھا اور اب یہ کہ خواب سچا ثابت ہو چکا ہے بالکل مناسب ہے کہ پاکستان کی تعمیر آپ ہی کے ہاتھوں ہو۔

اسی طرح لالہ بھیم سین سچر، مسٹر جوگندر ناتھ منڈل۔ لیاقت علی خاں۔ محمّد ایّوب کھوڑو اور دوسرے زعماء نے اظہار خیال کیا۔

قائد اعظم کی تقریر

پھر قائد اعظم تقریر کے لئے کھڑے ہوئے اور انہوں نے ایک شستہ اور برجستہ تقریر ارشاد فرمائی۔ انہوں نے اپنی طویل تقریر میں فرمایا:۔

حکومت کا پہلا فرض امن و نظم قائم رکھنا ہے تاکہ ہر قیمت پر لوگوں کے جان و مال اور مذہبی عقائد کا تحفظ ہو سکے (تالیاں) اس وقت ہندوستان پر جو بڑی لعنتیں مسلط ہیں ان میں رشوت اور بے ایمانی بھی شامل ہے۔ ہمیں ان کو فولادی پنجے سے ختم کر دینا ہے چور بازار والوں کو شدید ترین سزا ملنی چاہیئے۔

اقلیتوں کو اطمینان دلاتے ہوئے قائد اعظم نے فرمایا:۔

پاکستان میں تمام اقلیتوں کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔ ان کو زیادہ سے زیادہ آزادی دی جائے گی۔

آگے چل کر قائد اعظم نے پاکستان کی اقلیتوں کو وفاداری کی تلقین کی اور ان سے اپیل کی کہ وہ اپنی پاکستانی حکومت سے پورا پورا تعاون کریں۔ آگے چل کر فرمایا:۔

حکومت پاکستان میں آپ کو اپنے مندروں اور پرستش گاہوں میں جانے کی آزادی ہے۔ آپ کسی بھی مذہب کے مقلد ہوں یا آپ کی ذات اور عقیدہ کچھ بھی ہو اس سے پاکستان کی حکومت کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ یورپ خود کو مہذب کہتا ہے لیکن وہاں پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک خوب لڑتے رہے ہیں۔ آج بھی بعض ممالک میں وہاں مذہبی تمیزیں موجود ہیں مگر ہماری ریاست کسی تمیز کے بغیر قائم ہو رہی ہے۔ ایک فرقے یا دوسرے فرقے میں کوئی تمیز نہیں ہو گی نہ ذات اور عقیدوں کی تمیزیں ہوں گی۔ ہم اس بنیادی اصول کے تحت کام شروع کر رہے ہیں کہ ہم ایک ریاست کے باشندے اور مساوی باشندے ہیں (پرجوش تالیاں) ہم کو

اس اصول کو اپنا مطمح نظر بنا لینا چاہیئے اور پھر کچھ عرصہ بعد آپ دیکھیں گے کہ ہندو ہندو نہیں رہیں گے اور مسلمان مسلمان نہیں رہیں گے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے مذہب مٹ جائیں گے کیونکہ مذہب کو ماننا ہر شخص کا ذاتی عقیدہ ہے۔ میرا مطلب سیاسی تمیز سے ہے وہ سب ایک قوم کے افراد ہو جائیں گے۔

۱۴ اگست

لارڈ لوئی ماؤنٹ بیٹن پاکستان کے گورنر جنرل کو اختیارات حکومت تفویض کرنے کے لئے ۱۴ اگست کو کراچی پہنچے کیونکہ ۱۵ اگست کو ہندوستان میں یہی کام انجام دینا تھا اس موقع پر ایک نہایت شاندار اور یادگار جلوس قائد اعظم اور گورنر جنرل پاکستان اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن گورنر جنرل ہندوستان کا نکالا گیا جس کی نظیر کراچی کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

ماؤنٹ بیٹن کی تقریر

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے بادشاہ سلامت کا پیام مبارکباد پہنچانے کے بعد کہا:۔

پاکستان کا قیام تاریخ کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے۔ تاریخ اکثر برف کی چٹانوں کی طرح بہت سست رفتار ہوتی ہے اور اکثر آبشار کے دھارے کی طرح اچھل کر قدم آگے بڑھاتی ہے۔

میں مسٹر جناح کی خدمت میں خراج تحسین پیش کرنا چاہتا ہوں جن سے ہمارا ذاتی قریبی تعلق ہے اور اسی وجہ سے باہمی اتحاد اور مفاہمت کا امکان پیدا ہوا۔ یہ چیز مستقبل کے بہترین تعلقات کے لئے فال نیک ہے۔

قائداعظم کی تقریر

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی تقریر کے بعد قائداعظم نے موقعہ کی مناسبت سے ایک مختصر سی تقریر ارشاد فرمائی۔

ہم پاکستان کے تمام فرقوں کی فلاح و بہبود کے لیے مساعی رہیں گے۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اپنی تقریر میں مسٹر جناح کو نصیحت کی تھی کہ وہ شہنشاہ اکبر کے نقش قدم پر چلیں:۔

اس کا جواب دیتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا۔

اکبر نے غیر مسلموں کے ساتھ جو خیر سگالی اور ہمدردی کا برتاؤ کیا وہ کوئی نئی چیز نہ تھی بلکہ ۱۳ سو برس پرانی چیز تھی۔ ہمارے رسول اکرم نے صرف قول سے نہیں بلکہ عمل سے یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ نیک برتاؤ کر کے انہیں مفتوح کر دیا تھا۔ ہمارے رسول نے ان کے مذہب اور عقیدہ کے بارے میں انتہائی تحمل، رواداری اور بلند حوصلگی کا ثبوت دیا تھا۔ ہم یقیناً اس سنت پر عمل کریں گے۔

ایک اور اعلان

۱۶ر اگست کو بحیثیت گورنر جنرل پاکستان قائداعظم نے ریڈیو سے ایک پیغام نشر کرتے ہوئے جہاں مسلمانوں کی آزادی اور استقلال کی نعمت حاصل ہونے پر مبارکباد دی، جہاں اپنی گراں بار ذمہ داریوں کا اعتراف کیا۔ جہاں پاکستان کے نظام و دستور کے بارے میں لوگوں کے شکوک اور شبہات رفع کئے۔ وہاں ایک مرتبہ پھر انہوں نے اقلیتوں کو اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا:۔

ہمیں اقلیتوں کو اپنے قول سے، فعل سے اور عمل سے مطمئن کرنا ہے۔ اور ان سے کہنا ہے کہ جب تک وہ پاکستان کے وفادار شہری ثابت ہوں گے ہم ان کی ہر خدمت کو اپنا فخر سمجھیں گے اور انہیں کسی طرح بھی خوف زدہ نہیں ہونے دیں گے۔

اس پیغام میں قائداعظم نے قبائل کو بھی ان کی داخلی آزادی کے بارے میں اطمینان دلایا کہ وہ قائم رہے گی اور اس میں کسی قسم کا فرق نہیں آئے گا۔ بلکہ حکومت پاکستان ان کی صلاح و فلاح کے لئے وہ تمام امور سرانجام دے گی جو اس کے امکان میں ہوں گے۔

ور